احادیث صحیحین
سے
غیر مقلدین کا انحراف
جلد اوّل
دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیات قرآنی اور ۱۵۲۰ احادیث نبویہ کا
بیش بہا ذخیرہ، عام فہم تشریح اور دل نشیں استدلال کے ساتھ
تصنیف
مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی
صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
ناشر: مجلس برکات
زیر اہتمام: دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم
مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ.

(سورۃ الحشر: ۵۹، الآیۃ: ۷)

اور رسول تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں وہ لو ● اور جس سے منع فرمائیں باز رہو ● اور اللہ سے ڈرو۔

احادیثِ صحیحین

سے

غیر مقلدین کا انحراف

(جلد اوّل)

دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیات قرآنی اور ۵۲۰ احادیث نبویہ کا

بیش بہا ذخیرہ، عام فہم تشریح اور دل نشیں استدلال کے ساتھ

تصنیف

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر

مجلس برکات

زیرِ انتظام: دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ

سلسلۂ اشاعت: ۸۹

(دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیات اور ۵۲۰ احادیث کا مستند مجموعہ)

احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف

(جلد اوّل)

تصنیف : (مفتی) محمد نظام الدین رضوی برکاتی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تصحیح و نظر ثانی : ● صدر العلماء حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات و صدر مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ

: ● محمد نظام الدین رضوی، مصنف کتاب ● حضرت مولانا محمد دست گیر عالم مصباحی

: ● حضرت مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی ● حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی، (اساتذۂ جامعہ)

کمپوزنگ : مولانا محمد اسلم مصباحی، استاذ شعبۂ کمپیوٹر جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر : مجلس برکات، زیر انتظام دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

طبع اوّل : شعبان ۱۴۴۲ھ / مارچ ۲۰۲۱ء

تعداد : ۱۱۰۰ صفحات : ۵۲۸

ملنے کے پتے

(۱) مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی - پن ۲۷۶۴۰۴

(۲) مجلس برکات، ۱۴۹ / گراؤنڈ فلور، کٹرا گوکل شاہ مارکیٹ، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی - پن ۱۱۰۰۰۶

(1) MAJLIS-E-BARKAT

Al-Jamiatul Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh, U.P.
PIN : 276404, Mobile No.: 07237876095

(2) MAJLIS-E-BARKAT

149 Ground Floor Katra Gokul Shah Markat, Matiya Mahal, Jama Masjid, Delhi, PIN : 110006. Mobile No.:09911198459, 09990268735

انتساب

جملہ اساتذۂ کرام اور والدین کریمین

کے نام

جن کی تعلیم وتربیت اور دعاؤں کی برکت سے
مجھے اس خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

جزاهم الله تعالیٰ خيرا في الدّارين.

محمد نظام الدین رضوی برکاتی

جلد اوّل کے

ابواب اور موضوعات

ایک نظر میں

پہلا باب

عقائد کے بیان میں

ساتواں مسئلہ:

آٹھواں مسئلہ:

نواں مسئلہ:

دسواں مسئلہ:

گیارہواں مسئلہ:

بارہواں مسئلہ:

تیرہواں مسئلہ:

چودھواں مسئلہ:

پندرہواں مسئلہ:

سولہواں مسئلہ:

سترہواں مسئلہ:

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کتاب اور صاحبِ کتاب

از

حضرت صدر العلما، مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم، ناظم مجلس برکات و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدًا وّمصلّیًا ومسلّما

غیر مقلدین تقلید سے دامن کشی کے لیے کتاب وسنت کا نام بڑے زور شور سے لیتے ہیں، لیکن ان کے عقائد واعمال کا جائزہ لیجیے تو کتاب وسنت سے انحراف صاف دکھائی دیتا ہے، اسی طرح کسی عمل کی بحث آتی ہے تو وہ حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور کتبِ حدیث میں بھی خاص بخاری ومسلم کا نام لیتے ہیں یعنی ان دونوں میں جو ہے وہی دین اور شریعت ہے اور ان سے باہر جو کچھ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اگرچہ وہ قوی سے قوی تر دلیل سے ثابت ہو۔

زیرِ نظر کتاب میں غیر مقلدین کے بلند بانگ دعووں کی نقاب کشائی بڑی خوش اُسلوبی سے کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ قدم قدم پر صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) سے ان کا انحراف اور کتاب وسنت سے دوری ان کے خمیر میں داخل ہے۔

اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے دلائل وشواہد کی مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چشم بینا ہو تو دیکھے، گوشِ شنوا ہو تو سُنے۔ کھلے دل سے مطالعہ کریں، اس میں ہدایت وبصیرت کا سامان وافر مقدار میں مُہیّا پائیں گے۔ واللہ الھادي والنصیر.

صاحب کتاب: جی چاہتا ہے کہ مصنف کا بھی کچھ ذکر خیر کر دیا جائے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں درجۂ فضیلت کا نصاب مکمل کرنے کے بعد یہیں انھوں نے تحقیق فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا اور انہی کی جماعت سے جامعہ میں "تحقیق فی الفقہ" کا آغاز ہوا اور اب بھی جاری ہے۔

درجۂ تحقیق میں اسباق کی تکمیل اور مشقِ افتا کے ساتھ کم از کم سو صفحات پر مشتمل ایک مقالہ بھی لکھنا ہوتا ہے، موصوف کے مقالے کا عنوان تھا: "فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ، کتاب وسنت کی روشنی میں"۔ ان کا یہ مقالہ تقریبًا ۱۵۰ر صفحات پر مشتمل ہے جس میں مذاہب اربعہ کے ۱۷ر اصولی اور فروعی اختلافی مسائل کا تقابلی مطالعہ ومحاکمہ ہے۔

انھوں نے تدریس، افتا، قضا، مذاکرہ، تصنیف، تقریر، وغیرہ مختلف میدانوں میں نمایاں کام کیا ہے، میں یہاں اجمالاً ان کا کچھ ذکر کروں گا۔

① ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جامعہ سے فراغت کے بعد یہیں سے ان کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جو ۳۱/ مارچ ۲۰۲۱ء (شعبان ۱۴۴۲ھ) تک تقریباً اکتالیس، بیالیس سال(۱) پر پھیلا ہوا ہے۔ اور ان شاء اللہ الرحمٰن تاحیات جاری رہے گا۔

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے عموماً درجۂ سادسہ تا فضیلت یا درجۂ تحقیق کی کتابیں ان کے زیر تدریس رہیں۔ جو کتاب بھی ان کے ذمہ آئی بحسن وخوبی اسے پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے، سمجھانے اور طلبہ کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی، ان کتابوں میں ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، مسلم شریف، بخاری شریف، الاشباہ والنظائر اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مسلم شریف پر انھوں نے مذہب حنفی کی تائید کے لیے عربی میں مختصر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

ہدایہ اخیرین کی تدریس میں انھوں نے خاص محنت وشغف سے کام لیا، اسی سے استخراج واستنباط کا اسلوب سیکھا، فقہی ضوابط اخذ کیے اور حوادث پر ان کی تطبیق کا طرز اپنایا، جس سے ان کے فتاوی، مقالات اور بحثوں میں بڑا نکھار آیا۔ فقہ وفتوی، اصول فقہ، اصول افتا اور دیگر علوم کی کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ مزید برآں ہے۔

تدریس میں اوقات درس کی پابندی اور مناسب مدت میں نصاب کی تکمیل کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا انھوں نے ہمیشہ لحاظ رکھا۔

② جامعہ اشرفیہ میں آغاز تدریس کے ساتھ دار الافتا سے بھی برابر ان کی وابستگی رہی۔ پہلے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ان سے فتاویٰ املا کراتے، پھر یہ خود بھی فتوے لکھتے اور حضرت شارح بخاری کی نظر ثانی اور تصدیق کے بعد انھیں جاری کرتے۔ اس باب میں ان کا قابل ذکر وصف یہ ہے کہ انھوں نے تن آسانی اور سہل پسندی سے گریز کرتے ہوئے مشکل مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جس کے لیے انھیں زیادہ محنت ومشقت اور بڑی مشق وممارست سے گزرنا پڑا، اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ شارح بخاری علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں وہ ایک ماہر مفتی اور عمدہ محقق کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔

(۱) انگریزی سنہ کے لحاظ سے تقریباً ۴۱/ سال اور عربی سنہ کے لحاظ سے تقریباً ۴۲/ سال۔

③ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں شارح بخاری علیہ الرحمہ کے وصال کے تھوڑے دنوں بعد شعبۂ افتا کی صدارت بھی ان کے ذمہ آگئی۔ اس کے بعد دیگر مفتیانِ ادارہ کی رہ نمائی، ان کے فتاوی پر نظر ثانی اور ذمہ دارانہ تصدیق بھی ان کا معمول بن گئی۔

④ بعض مسائل وہ ہوتے ہیں جن کا حل محض دار الافتا کی بجاے دار القضا سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس کا احساس کرتے ہوئے دار الافتا کے ساتھ یہاں دار القضا کا قیام بھی عمل میں آیا۔ قضا کے مسائل، قاضی کا دائرۂ کار، قضا کے اصول وضوابط ان امور پر مفتی محمد نظام الدین صاحب نے باقاعدہ مضامین لکھے اور ضرورت مند شائقین کو قضا کی تعلیم وتربیت سے بھی سرفراز کیا۔ نئے چاند کے مواقع پر وہ برابر مستعد رہتے ہیں اور پابندی سے رویت یا عدم رویت کا عموماً اعلان بھی کرتے ہیں۔

⑤ جولائی ۲۰۱۴ء سے مارچ ۲۰۲۱ء تک انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت ”صدر المدرسین“ کام کیا۔ اب ریٹائرڈ ہونے والے ہیں۔ یہ عہدہ بڑے اداروں ہی نہیں، چھوٹے مدرسوں میں بھی کلفت وآلام سے بھرا ہوتا ہے۔ طلبہ کا لحاظ، مدرسین کی دل جوئی، انتظامیہ کی خوشنودی، عوام کا اعتماد سب کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے، نظام تعلیم کی بہتری اور طلبہ ومدرسین کی کارکردگی پر ہمیشہ نظر رکھنا پڑتا ہے اور کسی ابتری پر صدر المدرسین جواب دِہ ہوتا ہے، اس لیے اس عہدے کے ساتھ سلامت گزر جانا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر کچھ لوگ! سمجھتے ہیں کہ آساں ہے ”پرنسپل ہونا“۔ جو لوگ امانت ودیانت سے عاری اور جلبِ منفعت کے عادی ہوتے ہیں، ان کے نزدیک یہ منصب یا کوئی منصب کسی ”حلواے تر“ سے کم نہیں۔

مگر جو لوگ امانت ودیانت، عدل وانصاف اور صدق وراستی کے پابند اور مشکلات سے خبر دار ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ: اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے دور صدارت میں میری بہ نسبت زیادہ مشکلات اور ناخوشگوار حالات کا سامنا کیا مگر ثابت قدمی، صبر وتحمل اور حکمت وتدبر سے اپنا دور پورا کیا، گویا

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

⑥ تصنیف سے بھی انھیں دل چسپی ہے، ان کے طویل فتوے اور سیمناروں کے تحقیقی مقالات خود عمدہ تصنیف کا درجہ رکھتے ہیں، ۲۵ر سے زیادہ کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

⑦ مذاکرات اور سیمیناروں سے انھیں فطری لگاؤ ہے، ملک کے مختلف سیمیناروں میں شرکت کر چکے ہیں اور مجلس شرعی کے سیمینار تو گویا انھی کے دم قدم سے جاری و ساری ہیں۔

⑧ ان کا انوکھا اور مقبول و مشہور سلسلہ وہ ہے جو جلسوں میں اور اجتماعات میں فقہی سوالات وجوابات کی صورت میں رونما ہوتا ہے، اس کے لیے کمال استحضار اور ماہرانہ تفہیم ضروری ہے، تاکہ عوام وخواص بخوبی مستفید ہو سکیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ اس وصف میں بہت نمایاں، ممتاز، مقبول اور ہر دل عزیز ہیں۔ ان کے بعض جوابات قلم بند ہو کر شائع بھی ہو چکے ہیں۔

⑨ ضرورت مندوں کی خدمت کے لیے وہ کچھ اوقات کے استثنا کے ساتھ ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں اور موبائل پر آنے والے سوالات کا بھی شافی جواب دیتے ہیں اور کبھی کبھی آئندہ کے لیے مؤخر کرتے ہیں، بعض مفتیان کرام کا کہنا ہے کہ موبائل پر جواب نہیں دینا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ مسئلہ پوری طرح مستحضر نہ ہو اور جواب میں غلطی ہو جائے، اس کے باوجود ہمارے مفتی صاحب کی ہمت اور مسلسل خدمت قابل آفریں ہے۔

⑩ انھوں نے فتاوی اشرفیہ کی تدوین کا بھی بیڑا اٹھایا ہے، اس میں کئی معاونین کی اعانت بھی شامل ہوتی ہے مگر آخری نظر ثانی اور تصحیح انھی کی ہوتی ہے۔ اس کے لیے ”مجلس فقہی“ کے نام سے ایک بورڈ کی بھی تشکیل ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا وجود انھی کی ہمت و محنت کا صدقہ ہے۔

⑪ مفتی صاحب کی اور بھی خوبیاں ہیں، مثلاً: تقریر، خوش اخلاقی، رابطۂ عامہ، ضیافت، فیاضی، حاضر جوابی، وغیرہ، ان کا ذکر آپ دوسرے رفقا کے قلم سے کبھی دیکھیں گے۔ جس قدر میں نے ماسبق میں اجمالاً بیان کیا ہے انھی کو کوئی صاحب قلم تفصیل سے لکھ دے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

میں علالت، کمزوری اور کبر سنی کے دور سے گزر رہا ہوں اس لیے ایک شش جہت عالم ربانی، مفتیِ متبحر اور سراج الفقہا کے تعارف میں چند سطریں لکھنے کی ہمت کی۔ آئندہ اتنی سطور کی بھی ہمت و قوت ملے، نہ ملے، کوئی ضمانت نہیں۔ والله المستعان على نوائب الزمان وبيده الخير وأصلّي وأسلّم على حبيبه وآله وصحبه أجمعين.

المجمع الإسلامي	محمد احمد مصباحی
۳ر شعبان ۱۴۴۲ھ / ۱۶ر مارچ ۲۰۲۱ء	ناظم تعلیمات، الجامعۃ الاشرفیہ
شب سہ شنبہ	مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی لہ ما فی السماوات وما فی الأرض وھو الحکیم الخبیر • يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ • أشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریك لہ فی ملکہ ولا رادّ لہ فی قضائہ ولا معقّب لہ فی حکمہ • يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ • وھو علی کل شیء قدیر • وأشھد أن سیّدنا ونبینا ومولانا محمّداً عبدہ ورسولہ وصفیّہ من خلقہ وحبیبہ • بعثہ اللہ رحمۃً للعالمین • أرسلہ اللہ کافۃً للناس بشیرًا ونذیرًا وداعیًا إلیہ بإذنہ وسراجًا منیرًا • يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ • يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ • يُخْرِجُ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ • فَمَنْ أَطَاعَهُ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا • وَمَنْ عَصَاهُ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا • اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَاتِهِ "الَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ" وأخلصوا دینھم للہ، وعلى الَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ.

مقدمہ

شعائیں

(۱)

ارشاداتِ نبوی کی بے بہا سوغات اور سعادتِ سرمدی

رسول اللہ ﷺ کا ایک امتی آپ کے ہی ارشادات وہدایات کی بے بہا سوغات لے کر اپنے بھائیوں کی خدمت میں حاضر ہے، اس توقع کے ساتھ کہ آپ اسے دل سے قبول فرمائیں گے جو دارین کی سعادت اور نجاح وفلاح کا ذریعہ ہے۔

① عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ذَكَرَ(أبو بكرة) النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم-...قَالَ:...لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ سے روایت ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت ابوبکرہ نے نبی کریم ﷺ کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: حاضر کو لازم ہے کہ غائب کو میرا ارشاد پہنچائے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ غائب میرے ارشاد کو حاضر سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھنے والا ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱٦، کتاب العلم/ بابُ قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم: رُبَّ مبلَّغٍ أوعیٰ من سامع، مجلس البرکات.

اسی حدیث کی دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

قَالَ: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ.[1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حاضر کو لازم ہے کہ غائب تک میرا پیغام پہنچادے کیوں کہ جن لوگوں تک یہ پیغام پہنچے گا ان میں کچھ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے اور سمجھ دار ہوں گے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مختلف ابواب میں متعدد صحابۂ کرام سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الدیات میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے[2] روایت کی ہے۔

② خَرَجَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ . . . فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ ، وَأَنَسٍ. حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.[3]

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازہ اور مسرور رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد رکھا یہاں تک کہ دوسرے شخص کو وہ حدیث پہنچادی کہ بہت سے حافظِ حدیث ایسے شخص کو حدیث پہنچائیں گے جو ان سے زیادہ فقیہ ہوں گے، اور بہت سے حافظ حدیث غیر فقیہ ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں: ''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئاً''[4] وارد ہے، یعنی ''اللہ اسے شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا۔''

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.[5] یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۳۵، كتاب الحج/ بابُ الخطبة أيام مِنىٰ، مجلس البركات.

(۲) الصّحيح لمسلم، ج:۲، ص:۶۱، كتاب القسامة والدّيات/ بابُ تغليظِ تحريم الدِّماء، مجلس البركات.

(۳) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۹۰، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ على تبليغ السماع، مجلس البركات.

(٤) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۹۰، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ على تبليغ السماع، مجلس البركات.

(٥) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۹۰، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ على تبليغ السماع، مجلس البركات.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حدیث سننے اور یاد رکھنے والے تین طرح کے ہیں:

● افقہ ● فقیہ ● غیر فقیہ

یہ واقعہ کے مطابق ہے اور اس میں یہ ہدایت ہے کہ افقہ حدیثِ نبوی کا جو مفہوم بتائے اس پر عمل، حدیث نبوی پر عمل ہے۔

راقم الحروف کی دلی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے ان احادیث پر عمل اور دوسروں تک احادیث رسول پہنچانے کی سعادت نصیب فرمائے، الحمدللہ اس کتاب کے ذریعہ وہ سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

(۲)

سببِ تصنیف

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں فروغِ حدیث کے لیے "اختصاص فی الحدیث" کا شعبہ قائم ہوا تو نصاب بورڈ نے اس کے نصاب میں ایک موضوع "صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف" بھی تجویز کیا۔

وجہ یہ ہوئی کہ نصاب بورڈ کے جائزے میں یہ بات سامنے آئی کہ بزعم خویش سلفی حضرات کوئی بھی عقیدہ عوام یا علما کے سامنے رکھتے اور کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں حدیث پیش کرو اور حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی ہونی چاہیے، کبھی کبھی وہ یہ بھی جتاتے ہیں کہ صحیحین پر عمل انھیں کا ہے، اس کی وجہ سے عوام تذبذب میں پڑ جاتے ہیں پھر اپنے علما سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ہمارے عقائد حدیثوں سے ثابت نہیں؟ کیا صحیح بخاری و صحیح مسلم پر ہمارا عمل نہیں؟ تو حفظِ دینِ عوام کے لیے اس موضوع کا انتخاب ضروری ہوا۔ پھر "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند" اس پر درس و خطاب کی ذمہ داری مجھے تفویض ہوئی۔

میں نے ایک سال تک اس موضوع کے متعدد عناوین پر طلبۂ اختصاصِ حدیث کو دروس دیے اور ساتھ ہی انھیں وہ دروس املا بھی کرا دیے، دوسرے سال بھی کچھ دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور بعد میں معمول یہ ہو گیا کہ طلبہ دفترِ تعلیم سے وہ مجموعہ حاصل کر کے مطالعہ کرتے اور امتحانات دیتے، اس دوران میرا کام بس یہ تھا کہ کچھ احادیث اور تشریحات کا اضافہ مناسب مقامات پر کر کے طلبہ کو ہدایات دے دیتا، یا کچھ ضروری رہنمائی کر دیتا۔

کئی سال کے بعد ایک روز مجھے خیال آیا کہ یہ دروس، عامۂ امت کے لیے بھی مفید ہیں، انھیں باضابطہ کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے تو نفع بہت عام ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس سے:

● **ایک** تو عوامِ اہلِ سنت کے دین و عقیدے کی حفاظت ہو گی۔

● **دوسرے** بزعم خویش سلفیوں کی غلط فہمی دور ہو گی جس کے باعث اِن شاء اللہ تعالیٰ ایک فتنے کا سدّباب ہو گا۔

● اور خدا کی توفیق شاملِ حال ہو جائے تو وہ اپنی اصلاح کر کے سوادِ اعظم کے عقائد اختیار کر لیں گے۔

● اور ان سب کے ساتھ **ایک عظیم سعادت** اس بے مایہ کے حصے میں یہ آئے گی کہ "احادیث سید المرسلین" کا مفید ترین مجموعہ مرتب ہو جائے گا جس سے احادیث و سُنن کی نشر و اشاعت ہو گی، اور یہی میرا اصل مقصود ہے، پھر اسی مقصد خیر کے تحت تدوین و تشریح کا کام شروع کر دیا۔

(۳)

انتخابِ مسائل

ہم نے انتخابِ احادیث کے لیے تین طرح کے مسائل کی فہرست تیار کی:

● عقائد ● فروعی عقائد ● فروعی مسائل

مسائل کی فہرست طویل تھی، لیکن اب ہم بتیس (۳۲) مسائل کی احادیث پر ہی قلم روک رہے ہیں، اللہ عزّ و جلّ قبول فرمائے تو یہ خدمتِ حدیث بھی کافی ہے۔

ہم نے اس انتخاب میں کوشش کی ہے کہ مسائل کی بنیاد صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی احادیث پر ہو، ساتھ ہی بقیہ صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث کی صحاح وحسان کو بھی لیا ہے، کہیں کہیں تائید کے لیے ضِعاف کو بھی شامل کیا ہے اور تائید و تشریح کے لیے ضعاف کا سہارا لیا جا سکتا ہے تاہم مدعیان حدیث کو اس سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے وہ تو صرف صحاح وحسان پر ہی اپنی نظر مرکوز رکھیں۔

ہم نے کہیں کہیں کچھ باتیں اور حدیثیں خاص اپنے سنی بھائیوں کے اطمینانِ قلب کے لیے بھی لکھی ہیں، ان سے اتفاق نہ ہو تو ان کی طرف توجہ بھی نہ کی جائے۔

کتاب کا نام ''احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف'' ہے، یہ نام احباب نے ''عقائدِ اہلِ سنت سے انحراف'' کے پیشِ نظر پسند کیا جو در اصل جز کے نام پر کل کا نام ہے اور اس طرح کا نام عام ہے، صحیح البخاری وغیرہ میں بھی اس کے شواہد دیکھے جاسکتے ہیں۔(۱)

(۴)

صحیح اور حسَن حدیثوں اور حدیث کی مستند کتابوں کا ضروری تعارف

(الف) صحاحِ ستّہ:

حدیث کی چھ کتابوں کو کہا جاتا ہے:

- صحیح البخاری
- صحیح مسلم
- جامع الترمذی
- سنن ابی داؤد
- سنن النسائی
- سنن ابن ماجہ

اور بعض کے نزدیک چھٹا مقام ''موطا امام مالک'' کو حاصل ہے، یہ صاحبِ جامع الاصول نے اختیار کیا ہے۔

اخیر کی چاروں کتابوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حسَن بھی اور ضعیف بھی۔ مگر صحیح حدیثیں زیادہ ہیں اس لیے ان کا شمار صحاح سے ہوا۔

---

(۱) مثلاً یہ احادیث:

● عن أبي مسعود الأنصاري، قال: قال النبيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: الأيتانِ مِن أخرِ **سورةِ البقرة** مَن قرأ بِهِما في ليلة كَفَتاهُ.

● عمر بن الخطّاب يقول: سمعتُ هشامَ بنَ حكيم ابنِ حزام يقرأ **سورة الفرقان** فى حياة رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- فاستمعتُ بقراءَته . . .فقلتُ: يا رسولَ الله. إنّي سمعتُ هذا يقرأ ''سورة الفُرقان'' على حروفٍ لم تُقرِئنيها وأنك أقرأتني ''سورة الفرقان'' إلخ.

(صحيح البخاري، ج:۲،ص:۷۵۳، ۷۵۴، كتابُ أبواب فضائل القرأن/ بابُ مَن لم يَرَ باساً يقول سورة البقرة وسورة كذا. مجلس البركات.) ۱۲ منه

پہلی دو کتابوں کو صَحیحَین، بعد کی چار کتابوں کو سُنَنِ اَربَعہ اور سب کا مجموعہ "صِحاحِ سِتّہ" کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ افادہ فرمایا۔[۱]

صحیح بخاری کا اصل نام "الجامع المسندُ الصحیح المختصر من أمور رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وسُنَنِهٖ وأيامهٖ" ہے، جسے مختصرین "الجامع" بھی کہا جاتا ہے اور اس کا عرفی نام "صحیح البخاری" اور "بخاری شریف" ہے۔

بخاری شریف کی جملہ حدیثوں کی تعداد مکررات کو چھوڑ کر: چار ہزار

مسلم شریف کی جملہ حدیثوں کی تعداد مکررات کو چھوڑ کر: قریب چار ہزار

یہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شمار کے مطابق ہے، اس کی صراحت انھوں نے تقریب میں کی ہے۔[۲]

(ب) احادیث صحیحہ کے مختلف درجات:

احادیث صحیحہ کے مختلف درجات ہیں جن میں بعض بعض سے اعلیٰ ہیں جیسا کہ نیچے دی ہوئی ترتیب سے عیاں ہے۔

۱- بخاری و مسلم کی متّفق علیہ حدیث، جسے دونوں نے تخریج کیا۔

۲- جسے تنہا امام بخاری نے روایت کیا۔

۳- جسے تنہا امام مسلم نے روایت کیا۔

۴- جو حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہو۔

۵- جو تنہا امام بخاری کی شرط پر صحیح ہو

۶- جو تنہا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہو۔

۷- جو دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہو۔[۳]

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:۴۲، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.
ایسا ہی "مقدمة أشعة اللمعات" میں بھی ہے۔

(۲) التقريب، المطبوع مع "التدريب"، ج:۱، ص:۴۹، ۴۸، النوع الأول: الصحيح، دارُ الكتب العلمية بيروت.

(۳) التقريب، المطبوع مع "التدريب"، ج:۱، ص:۶۰، النوع الأول: الصحيح، دارُ الكتب العلمية، بيروت.

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درج بالا سات مدارجِ صحیح کے بعد مزید پانچ مدارجِ صحیح کا ذکر اور کیا ہے جس میں حاکم کی اپنی تصحیح کو بارہویں نمبر پر رکھا ہے جب کہ وہ حدیث، شیخین میں سے کسی کی شرط پر نہ ہو۔(۱) کیوں کہ وہ حدیث شیخین یا ان میں سے کسی کی شرط پر ہو تو وہ **چوتھے، پانچویں، چھٹے** درجے کی صحیح حدیث ہوگی۔

برکۃ المصطفیٰ فی الہند، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی احادیثِ صحاح کے یہ ساتوں مدارج بیان کیے ہیں، ساتھ ہی ساتویں درجے کی کچھ تشریح اور **شروطِ بخاری و مسلم** کی وضاحت بھی کی ہے، شیخ کے کلمات یہ ہیں:

''ثُمّ ما رواه غيرُهم مِن الأئمة الذينَ التزموا الصّحّة وصحّحوهُ فالأقسام سبعة.
والمرادُ **بِشَرطِ البخاري ومسلم** أن يكون الرّجالُ متصفين بالصفات التي يتّصف بها رجالُ البخاري ومسلم مِن الضّبطِ والعدالةِ وعدم الشّذوذ والنّكارة والغفلة.
وقيل: المرادُ بشرط البخاري ومسلم رجالُها أنفسُهم، والكلامُ في هذا طويل ذكرناهُ في مقدمة ''شرحِ سفر السعادة.''(۲)

ترجمہ: ان چھ مدارج حدیث کے بعد ساتواں درجہ ایسے محدثین کی تخریجات و مرویات کا ہے جنھوں نے حدیثِ صحیح کی روایت کا التزام کیا اور تصحیح فرمائی۔ —— تو احادیث صحیحہ سات اقسام کی ہوئیں۔

(ج) شروط بخاری و مسلم:

شرط بخاری و مسلم سے مراد یہ ہے کہ راویانِ حدیث میں بخاری و مسلم کے راویوں کی صفات موجود ہوں، یعنی تمام راوی ضابط ہوں، عادل و تقویٰ شعار ہوں، شاذ اور منکر اور غافل نہ ہوں (کہ یہ تینوں راوی ضعیف ہیں۔)

اور ایک قول یہ ہے کہ شرط بخاری و مسلم سے مراد خود بخاری اور مسلم کے راویانِ حدیث ہیں۔ گفتگو اس بارے میں طویل ہے جسے ہم نے اپنی کتاب ''شرح سفر السعادۃ'' میں ذکر کیا ہے۔

---

(۱) تدریب الراوی، ج:۱، ص:۶۱، النوع الأول: الصحیح، دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲) مقدمة لمعات التنقیح شرح مشكاة المصابیح، ج:۱، ص:۴۱، طلبة الجامعة الاشرفیه، مبارک فو.

(د) متفق علیہ کا مطلب:

حضرت شیخ فرماتے ہیں:

والحديثُ الذي اتفق البخاري ومسلم على تخريجه يُسمّىٰ متفَقاً عليه، وقال الشيخ: بِشرط أن يكون عن صحابي واحد.[1]

ترجمہ: جس حدیث کی تخریج امام بخاری و مسلم دونوں نے کی اسے متفَق علیہ کہا جاتا ہے، شیخ کہتے ہیں کہ یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ دونوں کی روایت ایک ہی صحابی سے ہو۔

اور **تخریج** سے مراد حدیث کو اسناد کے ساتھ روایت کرنا ہے۔

(ہ) اَلمستدرَك کی احادیث کے مدارج:

شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب: "بستان المحدثین" میں المستدرک وغیرہ تصانیفِ حاکم کو طبقہ رابعہ سے شمار کیا ہے، اس کے بارے میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

شاہ (عبد العزیز محدث دہلوی) صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقۂ رابعہ میں گنا حالاں کہ بلاشُبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صِحاح و حسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں بر شرط بخاری و مسلم صحیح ہیں، قطع نظر اس کے کہ تصانیفِ شاہ صاحب میں کتبِ حاکم سے کتنے استناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کی ازالۃ الخفاء و قُرۃُ العین میں تو مستدرک سے احادیث نہ صرف فضائل، بلکہ خود احکام میں مذکور۔

لطیف تر یہ ہے کہ خود ہی "بستانُ المحدثین" میں امام الشان ابو عبد اللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

"انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار شرط ایں ہر دو بزرگ (امام بخاری و امام مسلم) یافتہ می شود، یا بشرط یکے ازینہا، بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصفِ کتاب ازیں قبیل باشد، وبقدر رُبعِ کتاب از آں جنس است کہ بظاہر[2] اسناد او صحیح ست لیکن بشرط ایں ہر دو نیست وبقدر ربع باقی

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:٤١، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) لفظ "بظاہر" درآنچہ امام خاتم الحفاظ در تدریب ازذہبی آورد نیست، لفظش ہمین است کہ: فيه جملة وافرة على شرطهما وجملة كثيرة على شرط أحدهما، لعل مجموع ذلك نحو نصف الكتاب وفيه نحو الربع مما صح سنده، وفيه بعض الشيء، أوله علة. (إمام أحمد رضا رضى الله تعالى عليه.)

واہیات و مناکیر، بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست(۱) چنانچہ من در اختصار آں کتاب کہ مشہور "تلخیص ذہبی" است خبردار کردہ ام"، انتہی۔

شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

"ولہذا علمائے حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر از دیدنِ تلخیص ذہبی۔"

اور اس سے پہلے لکھا:

"ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے را کہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتے کہ تعقبات و تلخیصات مُرا نہ بیند و نیز گفتہ است احادیث بسیار در مستدرک کہ بر شرط صحت نیست، بلکہ بعضے از احادیث موضوعہ نیز ست کہ تمام مستدرک بآنہا معیوب گشتہ۔"

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ، بے اعتمادی یہی اختلاطِ صحیح و ضعیف ہے اگرچہ اکثر صحیح ہی ہوں جیسے مستدرک میں تین ربع کتاب کی قدر احادیث صحیحہ ہیں، نہ کہ سب کا ضعیف ہونا، چہ جائے ضعف شدید، یا بطلان محض کہ کوئی جاہل بھی اس کا اِدّعا (دعویٰ) نہ کرے گا اور اس بے اعتمادی کے یہی معنیٰ کہ اگر خود لیاقت نقد رکھتا ہو آپ پرکھے، ورنہ کلام ناقدین کی طرف رجوع کرے، بے اس کے حجت نہ سمجھ لے۔(۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

والحاكم أبو عبد الله النيسافوري صنَّفَ كتاباً سمّاهُ "المستدرَك" بمعنى أن ما تركه البخاري ومسلم منَ الصِّحاح أورده في هذا الكتاب وتلافى واستدْرَكَ بعضَها على شرط الشيخين، وبعضَها على شرط أحَدِهما وبعضها على غير شرطهما.

وقال : إن البخاري ومسلماً لم يحكما بأنه ليس أحاديث صحيحة غير ما خَرّجاهُ في هذَينِ الكتابين ... ونقل عن البخاري أنه قال:"حفظتُ مِنَ الصِّحاح مائة ألف حديث ومن غير الصِّحاح مائتي ألف." والظاهرُ-والله تعالى أعلم-أنه

---

(۱) مُستدرک میں تین چوتھائی کی مقدار صحیح احادیث ہیں جن میں دو چوتھائی کی مقدار حدیثیں بخاری و مسلم یا ان میں سے ایک کی شرط پر صحیح ہیں اور باقی ایک چوتھائی حدیثیں مُنکر، بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں۔ (بستان المحدثین) ۱۲ منہ

(۲) الفتاوی الرضویه، ج: ۲، ص: ٤٨٤، ٤٨٥، ٤٨٦، (ملتقطاً) کتاب الصلاة/ باب الأذان والإقامة، رسالہ: منیر العین، رضا اکادیمی، مومبائی.

يرادُ الصحيحَ على شرطه.[1]

ترجمہ: امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے ایک کتاب "المستدرَك" کے نام سے تصنیف کی ہے جس میں انھوں نے امام بخاری اور امام مسلم کی چھوڑی ہوئی صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے اور حدیثوں کی کمی پوری کی ہے۔

- ان میں کچھ احادیث شرطِ شیخین (بخاری و مسلم) پر صحیح ہیں۔
- اور کچھ احادیث شیخین میں سے کسی ایک کی شرط پر صحیح ہیں۔
- اور کچھ حدیثیں شیخین کے علاوہ کی شرط پر صحیح ہیں۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ فیصلہ نہیں سنایا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کی تخریج کردہ احادیث کے سوا دوسری احادیث صحیح نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ انھوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ خود امام بخاری نے یہ بیان دیا ہے کہ: "مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح"۔

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ "صحیح" سے ان کی مراد "ان کی اپنی شرط پر صحیح حدیث ہے" جیسا کہ یہی ظاہر ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ:

صحیح بخاری کی حدیثوں کی مجموعی تعداد (مکرر حدیثوں کو چھوڑ کر) چار ہزار ہے۔ اور دوسرے ائمہ نے بھی احادیثِ صحاح کو جمع کیا ہے، جیسے:

- صحيح ابن خزيمه
- صحيح ابن حبان
- صحيح الحاكم موسوم به مستدرك
- المختارة للحافظ ضياء الدين المقدسي
- صحيح أبو عوانة
- صحيح ابن السكن
- المنتقى لابن الجارود.
- وغيرها

یہ تمام کتبِ احادیث، صحاح کے ساتھ خاص ہیں۔[2]

یہ ساتویں درجے کی کتبِ صحاح ہیں، ان میں بھی بعض بعض سے افضل ہیں۔

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:۴۲، طلبة الجامعة الاشرفيه، مبارك فور.

(۲) مقدمة لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح (ملخصا)، ج:۱، ص:۴۲، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(و) غریب، عزیز، مشہور، متواتر حدیث صحیح کی اقسام ہیں:

ہمارے اس مجموعۂ احادیث میں غریب، مشہور اور متواتر کے الفاظ بھی کہیں کہیں ملیں گے اس لیے مختصراً ان کا تعارف پیش کرتے ہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

غریب: حدیثِ صحیح کا راوی ایک ہو تو غریب کہتے ہیں۔

عزیز: اور اگر دو شخص حدیثِ صحیح کی روایت کریں تو اسے عزیز کہتے ہیں۔

مشہور: اور اگر حدیث صحیح کے راوی دو سے زیادہ ہوں تو اسے مشہور اور مستفیض سے موسوم کرتے ہیں۔

متواتر: اور اگر اس کے راوی اتنے کثیر ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو تو اس کا نام متواتر ہے۔

حدیث غریب کا دوسرا نام "فرد" بھی ہے۔

فرد نسبی: اب اگر راوی پورے سلسلۂ اسناد میں بس ایک جگہ تنہا ہے تو اسے فرد نسبی کہتے ہیں۔

فرد مطلق: اور اگر سلسلۂ اسناد میں راوی ہر جگہ ایک ایک ہوں تو اسے فرد مطلق سے موسوم کرتے ہیں۔

اور راوی دو ہونے سے مراد یہ ہے کہ پورے سلسلہ اسناد میں ہر جگہ راوی (کم از کم) دو ہوں اور اگر مثلاً کسی جگہ ایک ہی راوی ہو تو وہ حدیث عزیز نہ ہوگی، غریب ہوگی۔

ان سب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں، ہو سکتا ہے کہ حدیث صحیح، غریب ہو کہ اس کا ہر راوی ثقہ ہو۔[1]

ہاں! غریب کا لفظ جب شاذ[2] کے معنی میں ہو اور شذوذ سے مراد "**ثقات کی مخالفت**" ہو تو وہ حدیث ضعیف ہوگی اور اگر اس سے مراد "تنہا راوی" ہو تو یہ شذوذ، حدیث کی صحت کے منافی

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:۳۹، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) **شذوذ:** کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے: ● تنہا ایک راوی حدیث کی روایت ● ثقہ و مستند راویانِ حدیث کی روایت کے خلاف روایت۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

"شذوذ" سے مراد پہلا معنی ہو تو یہ حدیث کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اور اگر اس سے مراد دوسرا والا معنی ہو تو حدیث ضعیف ہوگی۔ یہ حضرت شیخ کی عبارت کا آسان مفہوم ہے۔ ۱۲ محمد فضل الرحمٰن برکاتی

نہ ہوگا۔ ایسے مقام پر بہت سوچ سمجھ کر کچھ فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی حضرت شیخ کے افادات سے ہے جو مقدمہ لمعات میں اسی مقام پر مذکور ہے۔

حضرت شیخ نے "حدیث متواتر" کو "صحیح" کی اقسام سے شمار کیا ہے کیوں کہ یہ حدیث سب سے اعلیٰ درجے کی صحیح ہوتی ہے، ہاں اس کی صحت راویوں کی عدالت پر نہیں، بلکہ ان کی کثرت پر موقوف ہوتی ہے۔

یہاں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی حدیث کو کوئی محدث غریب کہے تو صرف یہ دیکھ کر اسے ضعیف و ناقابل حجت نہیں کہنا چاہیے کہ وہ غریب ہے۔ بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ غریب ہونے کے ساتھ صحیح، و حسن بھی ہے، جیسا کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں۔

(ز) حدیث متواتر میں کثرت ملحوظ ہے، عدالت نہیں:

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیثِ صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم متفق علیہ حدیث کو بتایا، أعلاها ما اتفق عليه البخاري ومسلم. (تقریب)

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم "حدیثِ متواتر" ہے جس سے یہ علم یقینی حاصل ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے، اس بارے میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ وضاحت فرمائی:

أورد على هذا المتواتر، وأجيب بأنهٗ لا يعتبر فيه عدالةٌ، والكلامُ فى "الصحيح" بالتعريف السابق.[۱]

ترجمہ: یہاں حدیث متواتر سے اعتراض وارد ہوتا ہے اور جواب یہ ہے کہ حدیث متواتر میں عدالت کا اعتبار نہیں، جب کہ صحیح کی تعریف کے مطابق اس میں عدالت کا اعتبار ضروری ہے اور گفتگو یہاں حدیث صحیح میں ہی ہے۔

دراصل حدیثِ متواتر میں راویوں کی کثرت ملحوظ ہوتی ہے، عدالت نہیں اور حدیث صحیح میں

---

(۱) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ج:۱، ص:۶۰، النوع الأول: الصحيح، دار الكتب العلمية، بيروت.

راویوں کی عدالت ملحوظ ہوتی ہے، کثرت نہیں۔ تو مطلقاً حدیث کی سب سے اعلیٰ واَولیٰ قسم "متواتر" ہے اور حدیث صحیح میں سب سے اعلیٰ قسم "متفق علیہ" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث کی پہلی قسم متواتر کو شمار کیا، ان کے کلمات یہ ہیں:

فالأوّلُ: المتواترُ المفيد للعلم اليقيني بشروطه، والثاني: المشهور وهو المستفيض. والثالثُ: العزيز، والرابع: الغريب. وكأنها سوى الأول أٰحاد ... وخبرُ الآحاد بنقلِ عدل، تام الضبط ...هو الصحيحُ لِذاته.[1]

ترجمہ: حدیث کی پہلی قسم متواتر ہے جو اپنی شروط کے ساتھ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور دوسری قسم مشہور، تیسری عزیز اور چوتھی غریب ہے، ان تینوں کو "اخبار آحاد" کہا جاتا ہے، اور اخبار آحاد کو عادل، تام الضبط راوی روایت کرے تو وہ صحیح لِذاتہٖ ہے۔

(۵)

اخبار متواترہ اور حدیث صحیح کے چھ اقسام سے استناد

ہم نے سواد اعظم کے عقائد کے ثبوت میں خبر متواتر سے بھی استناد کیا ہے اور حدیثِ صحیح کی ابتدائی چھ اقسام سے بھی۔ ان میں چوتھی، پانچویں، چھٹی قسم "المستدرك على الصحيحين" کی حدیثوں کی ہے۔ ہاں! کہیں کہیں اجماع امت سے بھی استناد کیا ہے کیوں کہ اس کی حجیت قرآن کے نص قطعی اور اخبار متواترۃ المعنیٰ سے ثابت ہے تو اس سے استناد کتاب اللہ اور اخبار متواترہ سے ہی استناد ہے۔

حضرت شیخ لکھتے ہیں:

الاحتجاجُ في الأحكام بالخبر الصّحيح مجمعٌ عليه، وكذلك بالحَسَنِ لِذَاتِهِ عند عامّة العلماء، وهو مُلحقٌ بالصّحيح في باب الاحتجاج وإن كان دونَهُ في المرتبة. والحديثُ الضّعيفُ الّذي بلغ بتعدّدِ الطّرق مرتبةَ الحَسَن لغيرهِ أيضًا مجمعٌ. وما اشتهر أنّ الحديث الضّعِيف معتبر في

(۱) أوائل نخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر مع شرحها نزهة النظر، ملتقطاً، ص: ۱۰ تا ص: ۲٤، مجلس البركات.

فضائلِ الأعمال ، لا في غيرها، المراد مفرداتُه، لا مجموعُها لأنّهٗ داخلٌ في الحَسَن، لا في الضّعيف ، صرّح بهِ الأئمّة.[1]

ترجمہ: احکام میں حدیث صحیح سے استدلال پر اجماع ہے، یوں ہی عامۂ علما کے نزدیک حَسَن لِذاتہ بھی حجت ہے اور یہ بابِ استدلال میں صحیح کے ساتھ مُلحق ہے اگرچہ مرتبہ میں اس سے کم ہے۔ اور حدیث ضعیف جو تعدّدِ طُرق کی وجہ سے حَسَن لِغیرہٖ کے مرتبے میں پہنچ جائے یہ بھی بالاجماع حجت ہے۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ "حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے، احکام میں نہیں" اس سے مراد تنہا تنہا حدیث ضعیف ہے، مجموعۂ کثرتِ طرُق سے مروی حدیث نہیں؛ کیوں کہ وہ کثرتِ طرق کی وجہ سے قوی ہو کر شاملِ حَسَن ہو جاتی ہے، ضعیف نہیں رہ جاتی۔ ائمہ کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۲)

مقامِ احتیاط میں حدیثِ ضعیف بھی احکام میں حجت ہے

ہم نے تیسرے باب میں مقامِ احتیاط میں ضعیف حدیثوں کو بھی حجت میں پیش کیا ہے گو وہ اجتماعی طور پر حَسَن ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ احتیاط اور تقویٰ کے مقام میں حدیثِ ضعیف مقبول و معتبر ہے، ائمہ حنفیہ تقویٰ و احتیاط کے لیے اس پر عمل کرتے ہیں کہ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے اور دوسرے ائمہ نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے اس اقتباس سے عیاں ہے:

"علماے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ **دربارۂ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جب کہ جانب احتیاط میں ہو**، امام نووی نے اذکار[2] میں، پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا:

أمّا الأحكامُ كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلايعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أوالحسن، إلا أن يكون في احتياطٍ في شيء

(۱) مقدمة لمعات التنقيح، ص: ٤٠، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) الأذكار المنتخبة من كلام سيّد الأبرار للإمام النووي، ص: ١١، مقدمة المؤلف، فصل في الأمر بالإخلاص، دار الحديث، القاهرة.

من ذلك، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فإن المستحبّ أن يتنزه عنه ولكن لا يجب.

یعنی محدثین وفقہا وغیرہم علما فرماتے ہیں کہ حلال، حرام، بیع، نکاح، طلاق، وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حَسَن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں (وارد) ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں، ہاں واجب نہیں۔

امامِ جلیل، جلال سیوطی "تدریب"[1] میں فرماتے ہیں:

و يعمل بالضَّعيف أيضا في الأحكام إذا كان فيه احتياط.

حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا جب کہ اُس میں احتیاط ہو۔

علامہ حلبی "غُنیہ" میں فرماتے ہیں:

الأصل أن الوصل بين الأذان والإقامة يكره في كل الصّلوة، لما روى الترمذي:

③ "عن جابر رضي الله تعالى عنه: انَّ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال لبلال: إذا أذّنتَ فترسَّل وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدرَ ما يفرغ الآكلُ من أكله في غير المغرب، والشاربُ من شربه والمعتصرُ إذا دخل لقضاء حاجته."[2]

وهو وإن كان ضعيفا، لكن يجوز العمل به في مثل هذا الحكم.

یعنی اصل یہ ہے کہ اذان کہتے ہی فوراً اقامت کہہ دینا مطلقاً سب نمازوں میں مکروہ ہے اس لیے کہ ترمذی نے:

"جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کر اور تکبیر جلد جلد، اور دونوں میں اتنا فاصلہ رکھ کہ کھانیوالا کھانے سے (مغرب کے علاوہ میں) اور پینے والا پینے اور ضرورت والا قضاے حاجت سے فارغ ہو جائے۔**"

---

(۱) تدريب الراوي، ص: ۲۵۷، النوع الثاني والعشرون، المقلوب، مؤسسة الريان، بيروت.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۱، ص: ۲۷، أبواب الصلاة/ باب ما جاء في الترسّل في الأذان، مجلس البركات.

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں اس پر عمل روا ہے۔ [۱]

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مقام احتیاط میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے اور اس بارے میں یہ حجت ہے، عامۂ ابواب فقہ میں ایسا ہی ہے، مگر عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے اس کی صراحت فتاوی رضویہ، جلد سوم اور جلد چہارم میں ہے، عبارات یہ ہیں:

"عبادات میں احتیاط مطلقاً واجب ہے، نہ کہ نماز کہ اہم واعظم عبادات ہے جس کے لیے علما فرماتے ہیں کہ اگر اس کی صحت وفساد میں اشتباہ پڑے ایک وجہ سے فاسد ہوتی ہو اور متعدد وجوہ سے صحیح، تو اس ایک ہی وجہ کا اعتبار کرکے اس کے فساد ہی کا حکم دیں گے۔ فتح القدیر، صلاۃ المسافر میں ہے:

هذهٖ مسائل الزيادات: مسافر، ومقيم، أمّ أحدُهما الآخرَ فلمّا شرعا، شكّا في الإمام استقبَالًا، لأن الصلاة متى فسدت من وجه وجازت من وجوه حُكم بفسادها. وإمامةُ المقتدي مفسدةٌ واحتمال كون كلّ منهما مقتديا قائم، فتفسد عليهما. [۲]

في مبسوط السرخسي: من أن الأخذ بالاحتياط في بابِ العبادات واجب، اھ [۳]

(۷)

رسول اللہ کی تمام احادیث صحیحہ بخاری و مسلم میں مُدوّن نہیں ہوئی ہیں

حضور سید عالم، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ بے شمار ہیں اور صحیحین کی تمام احادیث حد شمار میں۔

● امام اہل سنت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"آخر امام بخاری و امام مسلم کا علم محیط نہ تھا، کیا جو کچھ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اور

(۱) الفتاوی الرضوية، ج: ۲، ص: ٤٦٢، ٤٦٣، كتاب الصلاة/ باب الأذان والإقامة، رساله: منير العين، رضا اكاديمى، مومبائى.

(۲) الفتاوى الرضوية، ج:۳، ص:۲۱۲، كتابُ الصّلاة / باب الامامة، رساله: منير العين، رضا اكاديمى، مومبائى.

(۳) الفتاوى الرضوية، ج: ٤، ص: ٤٩٦، كتاب الزكاة، رضا اكاديمى، مومبائى.

صحابہ نے امتِ مرحومہ تک پہنچایا، ان سب کا علم امام بخاری وامام مسلم کو حاصل تھا۔

خود اجلّۂ صحابہ کرام جو گاہ و بے گاہ سفر و حضر میں دائما بارگاہ عرش جاہ حضور رسالت پناہ۔ علیہ وعلیہم صلواتُ اللہ۔ میں حاضر رہتے۔ (یعنی سفر و حضر جو وقتاً فوقتاً یا وقت بے وقت ہوتا اس میں ہمیشہ حاضر بارگاہ رہتے۔)

یہاں تک کہ حضرات خلفاے اربعہ و حضرت عبد اللہ بن مسعود، وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہ دعوی نہیں کر سکتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کُل اقوال و افعال پر ہمیں اطلاع ہے۔

کتبِ احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی خفی رہیں پھر امام بخاری و امام مسلم، وغیرہما کیوں کر علمِ کل کا دعویٰ کر سکتے ہیں"۔[1]

پھر جتنی احادیث کے وہ حافظ وضابط تھے ان میں سے بس تھوڑی سی احادیث کی تخریج انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، باقی بیشتر کو چھوڑ دیا۔

تقریب میں ہے:

وَلم يستوعبا الصحيح ولا التزماهُ.[2]

ترجمہ: امام بخاری اور امام مسلم نے تمام صحیح حدیثوں کو جمع نہیں کیا ہے اور نہ ہی انھوں نے اس کا التزام کیا ہے۔

بلکہ صاحبِ "فتح المغیث" کے مطابق جو احادیث ان کی شرط پر صحیح ہیں ان کا بھی احاطہ ان حضرات نے نہیں کیا، چناں چہ رقم طراز ہیں:

بل لو قيل: إنهما لم يستوعبا مشروطَهما لكان موجَّها، وقدصرَّح كلٌّ منهما بعدم الاستيعاب.[3]

---

(۱) ● رسالہ: صفائح اللُّجین فی کون التصافح بکفّی الیدین، ص: ۲۰، رضا اکادمی، مومبائی.
● وطبع سوم مطبع اہل سنت، بریلی شریف.

(۲) تقريب النواوى المطبوع مع تدريب الراوى، ج:۱، ص:٤٦، النوع الأول: الصحيح، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) فتح المغيث بشرح ألفيّة الحديث، ص:۵۳/ أصح كتب الحديث، مكتبة دارُ المنهاج، الرياض.

ترجمہ: بلکہ اگر کہا جائے کہ ان حضرات نے اپنی شرط پر صحیح حدیثوں کا بھی استیعاب نہیں کیا ہے تو بجا ہوگا۔ اور دونوں نے عدم استیعاب کی صراحت بھی کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے تمام صحیح حدیثوں کو جمع نہیں کیا ہے جیسا کہ درج ذیل شواہد سے بخوبی عیاں ہوگا۔

امام بخاری کا اعتراف:

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بصیرت افروز ”مقدمہ فتح الباری“ میں لکھتے ہیں:

وقال أبو علی الغسّانی: رُوِي عنه، أنه قال: ”خَرَّجتُ الصحيحَ مِن سِتّ مائةِ ألف حديث.“

وروى الإسماعيلی عنهُ، قال: لم أخرج فی هذا الكتاب إلّا صحيحا، وما تركتُ منَ الصحيح أكثر.

قال الإسماعيلی: لأنه لو أخرجَ كلّ صحيح عنده لجمعَ فی الباب الواحد حديثَ جماعةٍ من الصَّحابة، ولذكرَ طريقَ كلِ واحد منهم إذا صحّت، فيصيرُ كتاباً كبيراً جدّاً.

وقال أبو أحمد بنُ عدی: سمعتُ الحسنَ بنَ الحسنِ البزار، يقول: سمعتُ إبراهيم بن معقل النسفی يقول: سمعتُ البخاري يقول: ”مَا أدخلتُ فی كتابی ”الجامع“ إلا ما صَحَّ وتركتُ مِن الصحيح حتّٰی لا يطول.“[1]

ترجمہ: ابو علی غسّانی کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے چھانٹ کر صحیح بخاری کی احادیث لکھی ہیں۔

اور اسماعیلی نے روایت کیا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کی ہے اور جو صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں وہ زیادہ ہیں۔

امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اگر اپنی تمام صحیح حدیثوں کی تخریج کرتے تو ایک باب میں بہت سے صحابہ کی حدیثیں جمع ہو جاتیں اور ان میں سے ہر ایک کی سندِ صحیح بھی بیان کرتے تو ایک باب ہی ایک بہت بڑی کتاب ہو جاتا۔

---

(۱) هدی السّاري مُقدمة فتح الباری، ج:۱، ص: ۱۰/ الفصل الأول، دارُ طيبة، الرياض.

اور ابو احمد بن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن حسن بزار سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن معقل نسفی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب "الجامع" میں صرف صحیح احادیث شامل کی ہیں، اور کتاب کو طویل ہونے سے بچانے کے لیے میں نے (بہت سی) صحیح احادیث کو چھوڑ بھی دیا ہے۔

نیز امام ابن حجر لکھتے ہیں:

وقال محمّدُ بنُ حمدوَيه: سمعتُ البخاري يقول: أحفظُ مائة ألف حديث صحيح، وأحفظُ مائتي ألف حديث غير صحيح.[1]

ترجمہ: محمد بن حمدَویہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے یہ فرماتے سنا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ (یعنی جو ان کی شرط پر غیر صحیح ہیں۔ ن)

مقدمۂ فتح الباری میں ایک مقام پر یہ صراحت بھی ہے:

وعن البخاري، قال: صنّفتُ الجامعَ مِن سِتِّ مائةِ ألف حديث فی ستّ عشرة سنةً وجعلتُه حجةً فيما بيني و بين الله.[2]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے "الجامع" کو سولہ سال کی مدت میں چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے تصنیف کیا ہے اور اسے میں نے اپنے درمیان اور اللہ عزّوجل کے درمیان حجت قرار دیا ہے۔

ممکن ہے باقی تین لاکھ حدیثیں وہ ہوں جو دوسرے محدثین کے یہاں صحیح ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کیا ہو، پھر تین لاکھ حدیثوں سے۔ اور حقیقت حال تو خدا ہی جانتا ہے۔

امام مسلم کا اعتراف:

(۴) صحیح مسلم شریف کے بابُ التشہد میں یہ انکشاف ہے:

قال أبو إسحاق: قال أبو بكر بنُ اخت أبي النضر ... فحديثُ أبي هريرة،

---

(۱) هدي السّاري مقدمة فتح الباري، ج:۲،ص:۱۳۰۶ / ذكر جُملٍ مِن الأخبار الشاهدة لِسعَة حفظه، دار طيبة، الرياض.

(۲) هدي الساري مقدمة فتح الباري، ج:۲،ص:۱۳۰۹، ذكر فضائل الجامع الصحيح، دار طيبة، الرياض.

فقال : هو صحيح، يعني: "وإذا قرأ فأنصتوا؟"

فقال: هو عندي صحيحٌ. فقال: لِـم لم تضعه هاهنا؟

قال: ليس كلُّ شيءٍ عندي صحيح وضعته هاهنا، إنما وضعتُ هاهُنا ما أجمعوا عليه.[1]

ترجمہ: امام مسلم کے تلمیذ خاص اور صحیح مسلم کے راوی ابو اسحاق ابراہیم بن سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ ابوبکر بن اخت ابی النضر نے امام مسلم سے دریافت کیا کہ:

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: "وإذا قرأ فأنصِتُوا" [جب امام قراءت کرے تو تم لوگ چپ رہو] کیا صحیح ہے؟

تو امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

- حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ پھر آپ نے یہ حدیث یہاں اپنی کتاب صحیح مسلم میں لکھی کیوں نہیں؟

تو امام مسلم نے فرمایا کہ ہر حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے میں نے یہاں نہیں لکھی، میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو لکھا ہے جن کی روایت پر اجماع ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب کی آخری شق پر کچھ تشریحی گفتگو مقدمہ شرح مسلم میں کی ہے۔[2]

واضح ہو کہ اس امر کی صراحت بہت سے محدثین وفقہا نے بھی کی ہے کہ حضرات شیخین نے تمام صحاح کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی تمام صحاح ان کی کتابوں میں جمع ہوئی ہیں، اس کا اعتراف خود شیخین نے بھی کیا ہے جس کی صراحت حافظ شمس الدین سخاوی نے فتح المغیث[3] میں اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مقدمہ لمعات[4] میں کی ہے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۷٤، كتاب الصلاة/ بابُ التشهُّد في الصلاة، مجلس البركات.

(۲) دیکھیے: مقدمه شرح صحيح مسلم، ج:۱، ص:۲۱ / أتا قول مسلم في صحيحه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) فتح المغيث بشرح ألفية الحديث، ج : ۲، ص : ۵۳ / أصح كتب الحديث، مكتبة دارُ المنهاج، الرياض.

(٤) مقدمة لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:٤۱، مبارك فور.

الغرض جب امام بخاری اور امام مسلم نے زیادہ تر صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے اور لاکھوں صحیح احادیث میں سے صرف چند ہزار حدیثوں کو اپنی صحیحین میں جمع کیا ہے تو کیا باقی تمام صحیح حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح حاکم، المختارۃ، صحیح ابن عوانہ وغیرہا کتب صحاح سب ناقابلِ حجت ہیں۔ خدا ایسے قول سے محفوظ رکھے، پھر وہابیہ اہل حدیث کی کتابیں دیکھیے مطلب کی جو بھی حدیث جہاں سے بھی مل جائے استدلال کر لیتے ہیں جیسے: "لا یُحرّمُ الحرامُ الحلالَ" اور "قُولوا: ما شاء اللهُ وحدَہ" وغیرہ کہ اول حدیث نہیں، یا سخت ضعیف ہے[1] اور دوم منقطع وضعیف ہے۔[2]

---

(۱) "اول حدیث نہیں، یا سخت ضعیف ہے"، چناں چہ امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

● حدیث: "لایُحرّمُ الحرامُ الحلالَ" (حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا) سخت ضعیف وساقط وناقابلِ احتجاج ہے۔ بیہقی نے باآنکہ انتصارِ شافعیت میں اہتمامِ شدید رکھتے ہیں، اسے حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کر کے تضعیف کر دی کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر۔

● أقول: دلیلِ ضعف کو یہی کافی کہ ام المومنین خود قائل حرمت ہیں۔ اگر خاص اس باب میں خود ارشادِ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنے ہوتیں تو خلاف کے کیا معنی تھے۔

● لاجرم امام احمد نے فرمایا نہ وہ ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، نہ اثرِ اُم المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے کما فی الفتح۔

روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں "عثمان بن عبدالرحمن وقاصی" ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: ترکوہ. محدثین نے اسے متروک کر دیا۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: لیس بشيء کوئی چیز نہیں۔ امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف بتایا۔ نسائی ودارقطنی نے کہا متروک ہے۔ حتی کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: یکذب. (جھوٹ بولتا ہے۔)

(فتاوی رضویہ، ج:۵، ص:۱۳۰، ۱۳۱، کتاب النکاح/ باب المحرمات، رسالہ ہبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزنا، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

امام اہل سنت نے اس حدیث پر مختلف حیثیتوں سے بسط کے ساتھ کلام کیا ہے، تفصیل کے لیے اسے دیکھنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

(۲) صاحبِ مشکاۃ نے "وفی روایۃ منقطعًا" لکھ کر یہ حدیث روایت کی ہے "لا تقولوا: ما شاء اللهُ وما شاء محمدٌ"۔ (دیکھیے: ص:۴۰۸، کتاب الآداب/ باب الاسامی، مجلس البرکات) اس میں صاف صراحت ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے پھر بھی یہ حضرات اسے کلمہ ما شاء محمد کے شرک ہونے کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ اس پر مزید گفتگو ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آرہی ہے۔ ۱۲ منہ۔

(۸)

اہل سنت و جماعت اور وہابیہ اہل حدیث کے دو بنیادی اختلافات

اہل سنت و جماعت اور وہابیہ اہل حدیث کے درمیان دو بنیادی باتوں میں فرق ہے جن کے باعث دونوں کے درمیان اختلافات رونما ہوئے اور پھر وہ نہ پٹنے والی خلیج کی طرح دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔

پہلا بنیادی فرق: ہم اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ شرک کبھی معاف یا مباح نہیں ہوتا، لہذا جو بات کسی دور یا کسی حال میں شرک ہو وہ کبھی جائز و مباح نہیں ہو سکتی۔ اور جو بات کسی دور یا حال میں جائز و مباح ہو وہ کبھی شرک نہیں ہو سکتی۔

اس کے بر خلاف وہابیہ کا موقف یہ ہے کہ ایک ہی بات کسی دور یا کسی حال میں جائز و مباح اور دوسرے کسی دور یا حال میں شرک ہوتی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ انبیا و اولیا سے ان کی حیات میں توسّل جائز اور بعدِ وصال شرک ہے۔ یوں ہی ان حضرات کی حیات میں انھیں ندا کرنا، مثلاً: یا رسولَ اللہ کہنا جائز اور بعدِ وصال شرک ہے، ان حضرات کے پاس اپنے اس عقیدے پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں جب کہ ہماری دلیل قرآن حکیم کی یہ نص قطعی ہے:

⑤ ”اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ“[1]

ترجمہ: اللہ اسے نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو (گناہ) شرک کے نیچے ہے اسے جس کے لیے چاہے بخش دے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں مطلقاً شرک کو ناقابل معافی و مغفرت قرار دیا گیا ہے جو ہر دور اور ہر حال کو عام ہے۔

لہذا اگر خاصانِ خدا سے توسّل اور ندا کا جواز ان کی حیات طیبہ میں احادیثِ شریفہ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہی احادیثِ شریفہ بعد وصال بھی ان سے توسّل اور ندا کے جواز کا روشن ثبوت ہوں گی،

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ٤٨.

کیوں کہ توسّل و ندا شرک ہوتے تو حیات میں بھی جائز و مباح نہ ہوتے، جیسے غیرُ اللہ کی عبادت شرک ہے تو وہ ”غیر“ زندہ ہو تو بھی اس کی عبادت شرک ہے اور فوت ہو چکا ہو تو بھی شرک ہے، یا وہ سرے سے غیر جاندار ہو تو بھی شرک ہے، نبی یا ولی ہو تو بھی شرک ہے اور اللہ کا باغی و نافرمان ہو تو بھی شرک ہے اور غیر اللہ کی یہ عبادت حضرت سیدنا آدم علی نبیّنا وعلیہ الصّلاۃ والسلام کے زمانے میں بھی شرک تھی اور آج بھی شرک ہے اور قیامت تک شرک رہے گی، یہ روز روشن کی طرح ایک کھلی حقیقت ہے جسے ہر صاحب عقل وفہم کو تسلیم کرنا چاہیے۔

دوسرا بنیادی فرق: کتابُ اللہ کی آیات میں فی الواقع کوئی تعارض واختلاف نہیں، خود قرآن مجید اس کا شاہد ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے:

⑥ ”اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝“[1]

ترجمہ: تو کیا قرآن میں غور نہیں کرتے، اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

مگر یہ تو اللہ کے پاس سے ہے، اللہ کی کتاب ہے اس لیے اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، اس حد تک اہل سنت وجماعت اور ہمارے خصم کے درمیان بظاہر اتفاق ہے مگر جب اس کے تقاضوں پر عمل کی بات آتی ہے تو دونوں میں کھلا فرق واختلاف نظر آتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ کتابُ اللہ میں کچھ ایسے امور کا ذکر ہے جن کا ثبوت بظاہر کچھ آیات سے ہوتا ہے اور ان کی نفی بھی بظاہر کچھ دوسری آیات سے ہوتی ہے۔ اس طرح کی آیتوں میں ”فرقہ وہابیہ“ کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ ایک نوع کی آیت کو اختیار کرلیتا ہے اور دوسری نوع کی آیات کو چھوڑ دیتا ہے جب کہ اہل سنت تدبر سے کام لیتے ہوئے دونوں طرح کی آیات کو قبول کرتے ہیں اور دونوں کے معانی کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کرکے ان کے ظاہری اختلاف کو دور کردیتے ہیں اسی لیے قرآن نے اپنی آیات میں تدبُّر وتذکُّر کا حکم دیا ہے۔

بظاہر دو مخالف آیتوں میں سے بعض کو ماننا اور بعض کو چھوڑ دینا ان کے درمیان واقعی

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ۸۲۔

اختلاف و تعارض کا پتہ دیتا ہے اور دونوں کی الگ الگ مراد واضح کر کے دونوں کو ماننا ان کے درمیان واقع میں عدم اختلاف و تعارض کو عیاں کرتا ہے اس لیے ایک مضمون سے متعلق قرآن حکیم کی دونوں انواع کی آیات کو سامنے رکھ کر ان کے مفاہیم اور مراد کو سمجھنے کے لیے تدبّر ضروری ہے، صرف ظاہر بینی سے مراد تک رسائی نہیں ہو سکتی، دو تین مثالوں سے اسے آپ بھی سمجھیے:

پہلی: مثال:

اللہ تعالی فرماتا ہے:

⑦ "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝" (۱)

ترجمہ: اے محبوب فرمادیجیے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ غیب کو نہیں جانتے مگر اللہ، اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

اس آیت میں ساکنانِ ارض و سما سے غیب کے علم کی نفی کی گئی ہے۔

جب کہ دوسری آیت کریمہ میں بظاہر اس کے خلاف یہ ارشاد فرمایا گیا:

⑧ "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" (۲)

ترجمہ: اللہ "عالم الغیب" ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

اس آیت میں "رسولِ مرتضیٰ" کے لیے علم غیب کا اثبات ہے۔ تو بظاہر دونوں آیتوں میں اختلاف و تعارض ہے۔

مگر دونوں آیتوں میں ادنیٰ تدبُّر سے کام لیا جائے تو عیاں ہو جائے گا کہ دونوں میں قطعًا کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ پہلی آیت میں ساکنانِ ارض و سما سے بذات خود غیب دانی کی نفی کی گئی ہے اور دوسری آیت میں اللہ کے بتانے سے "رسولِ مرتضیٰ" کے غیب پر آگاہ ہونے کا ذکر ہے۔

اس کے بر خلاف امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے اللہ کے سوا غیب کا علم کسی کے لیے ماننے کو مطلقًا شرک قرار دیا ہے اگرچہ اللہ کے بتانے سے یہ عقیدہ رکھا جائے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ۲۷، الآیۃ: ۶۵۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الجن: ۷۲، الآیۃ: ۲۶، ۲۷۔

وہ تدبر قرآن ہے اور یہ ظاہر بینی یا کچھ اور۔ اول آیاتِ قرآن میں توفیق ہے اور یہ تعارض کا مظاہرہ۔

دوسری مثال:

تقویۃ الایمان میں ہے:

اللہ صاحب نے سورۂ مومنون میں فرمایا ہے:

⑨ "قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾"(۱)

ترجمہ: کہہ کون ہے وہ شخص کہ اس کے ہاتھ میں ہے تصرف ہر چیز کا اور وہ حمایت کرتا ہے اور اس کے مقابل کوئی حمایت نہیں کر سکتا جو تم جانتے ہو۔ سو وہی کہہ دیں گے کہ اللہ ہے، کہہ، پھر کہاں سے خبطی ہو جاتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔(۲)

حالاں کہ اللہ نے بے شمار بندوں کو تصرف کی قوت عطا کی ہے اور اپنے خاص بندوں کو تو حیرت انگیز تصرف کی بھی قوت بخشی ہے ہم نے تصرفاتِ انبیا کی بحث میں کثیر آیات و احادیث سے اس کا روشن ثبوت پیش کیا ہے، مثلاً: ایک آیت ملاحظہ ہو، ارشاد باری ہے:

⑩ "قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۫ۖ"(۳)

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا (ملکۂ سبا کا) تخت میرے پاس لے آئے، اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو، ایک بڑا خبیث جن بولا کہ وہ تخت میں حضور کی بارگاہ میں حاضر کر دوں گا، اس سے پہلے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور بے شک میں قوت

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ المؤمنون: ۲۳، الآیۃ: ۸۸، ۸۹۔

(۲) تقویۃ الایمان، ص: ۷، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند۔

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ۲۷، الآیۃ: ۳۸، ۳۹، ۴۰۔

والا، امانت دار ہوں (اور) "جس کے پاس کتاب کا علم تھا" اس نے عرض کی کہ میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا، پھر جب سلیمان نے اپنے پاس اس تخت کو رکھا ہوا دیکھا، تو کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

ایک "عالم کتاب" نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے بہت ہی وزنی اور محفوظ تخت کو طویل مسافت کے باوجود پلک جھپکنے سے پہلے بارگاہِ سلیمانی میں حاضر کر دیا، جو بلا شبہ ایک حیرت انگیز تصرف ہے، پھر انبیا و سید الانبیاء ﷺ کی عطائی قوت تصرف کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ تدبّر قرآن ہے اور وہ ظاہر بینی یا کچھ اور۔

تیسری مثال:

ارشاد باری ہے:

⑪ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "(۱)

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس سے امام الوہابیہ اور ان کے ہم نواؤں نے یہ استدلال کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ پر بھی قادر ہے، ایسا نہ ہو تو بندے کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔

حالاں کہ دوسری آیات سے کذب و امکانِ کذب سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ثابت ہوتی ہے، مثلاً ارشاد باری ہے:

⑫ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ "(۲) ترجمہ: اللہ کے جیسی کوئی چیز نہیں۔

اگر کذب باری ممکن ہو تو اللہ کے جیسی بے شمار چیزیں ہوں گی۔

بظاہر دونوں آیات میں اختلاف و تعارض ہے حالاں کہ کلام الٰہی اختلاف و تعارض سے پاک ہے، حق یہ ہے کہ پہلی آیت میں "ہر چیز پر قدرت" سے مراد "ہر چیز کے خلق پر قدرت" ہے جو اپنی جگہ ایک بے مثال اور ناقابل انکار حقیقت ہے اور اس طور پر دوسری آیت کریمہ سے کسی طرح اختلاف و تعارض کا امکان بھی نہیں رہ جاتا۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة:۲، الآية: ۲۰.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الشّورىٰ:۴۲، الآية: ۱۱.

یہ تدبر قرآن ہے اور وہ محض ظاہر بینی یا کچھ اور۔

احادیثِ نبویہ کتاب الہی کی تشریح و تبیین ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ "(۱) سے عیاں ہے اس لیے زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے کلمات اور آپ کے سُنن و سیر اور آثار مقررہ بھی اختلاف و تعارض سے پاک ہیں، اگر بادی النظر میں کہیں اختلاف یا تعارض سمجھ میں آئے تو اسی تدبّر خداداد سے کام لے کر اور ان کے مفاہیم عالیہ کی گہرائیوں میں جا کر انھیں سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

چوتھی مثال:

اہل سنت و جماعت کا طریقۂ مرضیہ تو یہی ہے، مگر علماے وہابیہ یہاں بھی وہی یک طرفہ روش اختیار کرتے ہیں ایک نمونہ اس کا بھی دیکھیے:

مُحَلِّل (حلالہ کرنے والے) پر لعنت کے باب میں دو حدیثیں وارد ہیں، ایک مطلق، جو ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ دوسری مقید، جو سنن ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے، اِس کے کلمات یہ ہیں:

(۱۳) قال عقبة بن عامر: قالَ رسولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: ألا أُخبِرُكُمْ بالتَّيسِ المُستَعار، قالوا: بَلىٰ، يَا رسُولَ الله، قَالَ: هُوَ المُحَلِّل، لَعَنَ اللهُ المُحَلِّلَ، والمُحَلَّلَ لَهُ."(۲)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں "عاریت پر لیے ہوئے سانڈ" کے بارے میں نہ بتاؤں؛ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! فرمایا: وہ مُحَلِّل ہے (حلالہ کرنے والا) **اللہ کی لعنت حلالہ کرنے والے پر، اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔**

یہ جلی کلمات ترمذی میں بھی ہیں اور ابن ماجہ میں بھی، جو بظاہر مطلق ہیں اور ان کا مفاد یہ ہے کہ جو شخص بھی حلالہ کرے ملعون ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة النحل: ۱٦، الآية: ٤٤. ترجمہ: تاکہ اے محبوب لوگوں کی طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کر بیان کردیں۔

(۲) سُنن ابن ماجه، ص: ۲۱۰، كتاب النكاح/ باب المحلِل والمحلَل له، رقم الحديث: ۱۹۳٦.

مگر سُنن ابن ماجہ میں حدیث کے ان کلمات سے پہلے سرکار ابد قرار ﷺ نے ''مُحلّل'' کی جس دل نشیں انداز میں ''ألا أخبركم بالتيس المستعار'' [کیا میں تمھیں عاریت پر لیے ہوئے سانڈ کے بارے میں نہ بتاؤں] سے پہچان کرائی ہے اس سے روز روشن کی طرح ہر انصاف پسند پر عیاں ہو جاتا ہے کہ حدیث پاک میں مُحلِّل سے وہ ''شخصِ خاص'' مراد ہے جو سانڈ کی طرح اپنے کو جُفتی کے لیے خاص کر لے اور اسی کی تلاش میں رہے، اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد خیر نہ ہو مثلاً ہمدردی، کسی کا اُجڑا گھر بسانا، میاں، بیوی، بچوں کا دل خوش کرنا۔ جو قابل ستائش اور باعثِ اجر و ثواب کام ہیں۔

اس طرح دونوں حدیثوں کو سامنے رکھیے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث پاک میں لعنت، خاص اُس محلِّل پر ہے جو سانڈ سے مشابہت اختیار کرے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خالص انسانیت کے جذبے سے کسی کا اُجڑا گھر بسائے اور بچوں کو حسرت و مایوسی سے بچانے اور ان کو اور ان کے والدین کو خوش کرنے کے نیک ارادے سے کسی عورت سے نکاحِ حلالہ کرے تو وہ ضرور جائز، بلکہ باعث اجر ہے کہ یہ عین انسانیت ہے، حیوانیت نہیں، اور لعنت حیوانیت پر ہے، انسانیت پر نہیں۔ یہ ہے تدبُّرِ حدیث۔

ہم نے اس مجموعۂ احادیث میں ایسی ہی آیات و احادیث کو سوادِ اعظم کے طریقہ حسنہ پر سمجھانے اور ان کے درمیان عدم اختلاف و تعارض کے حسین مناظر کا مشاہدہ کرانے کی کوشش کی ہے۔

ہاں ہم نے تمام مثبت و منفی نصوص کو جمع کر کے یہ مناظر نہیں پیش کیے ہیں۔ بلکہ بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے، کیوں کہ ہمارا مقصود صرف ایضاحِ حق ہے، نہ کہ احاطۂ نصوص و استیعابِ جمیعِ شواہد، یوں ہی صحاح کے مدارج کی ترتیب اور متونِ احادیث کی کامل تخریج کا بھی التزام نہیں کیا ہے، ہماری نظر صرف مقصد پر رہی ہے اور اسی کے احقاق اور تشریح و تائید کے لیے ایک حد تک انتخاب و تخریجِ احادیث کیا ہے، خدائے کریم اس بے ہنر کی یہ کاوش قبول فرمائے اور اس سے راضی ہو تو یہ بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

می توانی کہ دہی اشک مُرا حسن قبول
اے کہ در ساختۂ قطرۂ بارانی را

(۹)

توحید و تقدیس باری کے لیے عقلی دلیل اور ائمہ کے اقوال سے استدلال

ہم نے بعض مباحث میں احادیث نبویہ کے ساتھ کچھ عقلی دلائل پیش کیے ہیں، ائمہ اہل سنت کے اقوال نقل کیے ہیں، عُقلا کے اتفاق سے بھی تمسک کیا ہے جب کہ احادیث سید المرسلین -علی صاحبها الصلاةُ و التحيّة- پر ہی اکتفا کرنا چاہیے، ایسا کیوں؟

تو عرض ہے کہ:

❶ صانعِ عالم کا وجود اور اس کی تقدیس و تنزیہ سمعیات پر موقوف نہیں، بلکہ عقلِ سلیم ان کے اثبات کے لیے کافی ہے اور قرآن حکیم سے عقل کی حجیت ثابت ہے، مثلاً سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا:

⑭ ”وَ لِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۵۲“(۱)

ترجمہ: تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت مانیں۔

سورۂ رعد میں متنبہ فرمایا گیا:

⑮ ”اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹“(۲)

ترجمہ: نصیحت وہی مانتے ہیں جنھیں عقل ہے۔

تدبّر قرآن کے لیے بھی عقل ضروری ہے:

⑯ ”اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۶۸“(۳)

ترجمہ: کیا انھوں نے اس قول میں تدبّر نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے باپ دادا کے پاس نہ آیا تھا۔

تدبُّر اور تذکُّر دونوں کا تعلق عقل سے ہے، ان آیات میں اللہ تعالی نے منکروں کو عقل کے

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة إبراهيم: ١٤، الآية: ٥٢.

(٢) القرآن الحكيم، سورة الرعد: ١٣، الآية: ١٩.

(٣) القرآن الحكيم، سورة المؤمنون: ٢٣، الآية: ٦٨.

صحیح استعمال پر متوجہ کیا ہے، اور عقل کا صحیح استعمال کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے، جن سے عقل کے دلیل ہدایت ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۲ ائمہ اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے ترجمان ہیں، اس لیے وہ جو عقائد بیان کرتے ہیں وہ سواد اعظم کے عقائد ہوتے ہیں اور سواد اعظم خود دلیل حقانیت ہے، ہادیٔ اعظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اتباع کا حکم دیا ہے، اس مضمون کی حدیثیں متواتر المعنیٰ ہیں، ہم نے اجماع کی بحث میں زیادہ تر احادیث کو جمع کرنے کی کوشش ہے، اس زاویۂ نگاہ سے اتباعِ سوادِ اعظم فی الواقع اتباعِ رسولِ اعظم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو سواد اعظم کے ترجمان "ائمہ امت" اس پاکیزہ رشتے سے ترجمان رسول اللہ ہوئے اور اسی کے پیش نظر ہم نے بعض مقامات پر ائمہ ہدیٰ کے اقوال نقل کیے ہیں

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بہتر ہوگا کہ ہم یہ "کلمۂ حق" خود سواد اعظم کے ایک ترجمان امام احمد رضا قدس سرہ سے سنیں، آپ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں: ● کتاب ● سنت ● اجماع ● قیاس،
(اسی طرح) عقائد میں بھی چار اصول ہیں: ● کتاب ● سنت ● سوادِ اعظم ● عقلِ صحیح۔
تو جو ان میں ایک کے ذریعہ سے کسی مسئلہ عقائد کو جانتا ہے، دلیل سے جانتا ہے، نہ کہ بے دلیل، محض تقلیداً۔ اہل سنت ہی سواد اعظم اسلام ہیں تو ان کا حوالہ، دلیل کا حوالہ ہے، نہ کہ تقلید۔

اقوال ائمہ: یوں ہی اقوال ائمہ سے استناد اسی معنی پر ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

سواد اعظم: سواد اعظم کی طرف ہدایت (ورہنمائی) اللہ ورسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمالِ رحمت ہے، ہر شخص کہاں قادر تھا کہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت کرے، عقل تو خود ہی سمعیات میں کافی نہیں، ناچار عوام کو عقائد میں تقلید کرنی ہوتی، لہذا یہ واضح، روشن دلیل عطا فرمائی کہ سواد اعظم مسلمین جس عقیدہ پر ہو وہ حق ہے۔

سواد اعظم کی پہچان: اس کی پہچان کچھ دشوار نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں تو کوئی بدمذہب تھا ہی نہیں اور بعد کو اگرچہ پیدا ہوئے مگر دنیا بھر کے سب بدمذہب ملا کر بھی اہل سنت کی گنتی کو نہیں پہنچ سکے۔

فقہ میں جس طرح اجماع اقوی الاَدِلّہ ہے کہ اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں ۔۔۔ (اسی طرح) ''سواد اعظم'' یعنی اہل سنت کا کسی مسئلۂ عقائد پر اتفاق یہاں اَقوی الادلّہ ہے، کتاب و سنت سے اس کا خلاف سمجھ میں آئے تو فہم کی غلطی ہے، حق سواد اعظم کے ساتھ ہے۔

عقل: اور ایک معنی پر یہاں اَقوی الاَدِلّہ عقل ہے کہ اور دلائل کی حُجیت بھی اسی سے ظاہر ہوتی ہے مگر محال ہے کہ سواد اعظم کا اتفاق کسی بُرہانِ صحیح عقلی کے خلاف ہو۔''(۱)

اس کے باوجود ہم نے کتاب میں جہاں عقلی دلائل کا سہارا لیا ہے اور ائمۂ اہل سنت کے اقوال پیش کیے ہیں وہاں ہم نے متعدّد آیات کریمہ اور کثیر احادیث شریفہ سے بھی مضبوط استناد کیا ہے تاکہ جو لوگ ائمہ کے اقوال اور عقل کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتے وہ احادیث کے چشمۂ صافی سے اپنی پیاس بجھا سکیں، وما علینا إلا البلاغ المبین.

اجماع سے استدلال: اس امت پر خدائے کریم کا یہ فضل و احسان ہے کہ کسی حکم پر اس امت کے اجماع کو گمراہی سے محفوظ و معصوم قرار دیا ہے اور یہ امر بھی احادیث نبویہ سے ثابت ہے، لہٰذا ہم نے سواد اعظم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اجماع سے بھی استدلال کیا ہے جو فی الواقع کتاب و سنت سے ہی استدلال ہے۔

(۱۰)

ہمارے مخاطب

ہم نے جہاں وہابیہ اہل حدیث کی عبارتیں پیش کی ہیں ان کا تعلق صاحب عبارات سے ہے اور ساتھ ہی ان تمام سے بھی جو ان باتوں کو حق سمجھیں، ان کی حمایت کریں اور مقصود یہ ہے کہ ان احادیث صحیحہ کو سامنے رکھ کر اپنے عقائد میں غور کریں پھر اپنے دل سے فیصلہ لیں کہ انھیں احادیثِ رسول کو اختیار کرنا چاہیے یا اپنے عقائد پر جمے رہنا چاہیے، میرا مقصود تو اصلاح ہے۔

---

(۱) الفتاوی الرضویۃ، ج: ۲۹، ص: ۲۱۴، ۲۱۵، باب العقائد والکلام، رضا فاؤنڈیشن.

(۱۱)

حوصلہ افزائی

عزیز ملت شہزادۂ استاذ العلما، حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو جب میرے اس کام کا علم ہوا تو بہت مسرور ہوئے اور گراں قدر الفاظ سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور آپ اس سے پہلے بھی مجلس شرعی کے سیمیناروں میں کھلے دل سے اس حقیر کی دل جوئی اور عزت افزائی فرماتے رہے ہیں، مگر یہ اس بندۂ عاجز کی کسی خوبی و کشش کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ خوے نیک تو انھیں اپنے گرامی مرتبت والد حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے میراث میں ملی ہے، فجزاھم اللہُ تعالی خیرًا فی الدّارین.

کسی کے سامنے اس کی تعریف اچھی نہیں ہوتی کہ یہ بسا اوقات غرور نفس کا سبب بن جاتی ہے مگر بہت ایسا ہوتا ہے کہ اس سے روح کو ایک نئی توانائی ملتی ہے اور انسان کے جوہر خوابیدہ بے دار ہوجاتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ حوصلہ افزائی کا ایک جملہ پوری قوم کو درس حیات دے جاتا ہے۔ حافظ ملت، مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اسی طرح کا ایک جملہ جاں بخش کبھی ارشاد فرمایا تھا کہ **”میرے یہاں کا ناکارہ بھی کارآمد ہوتا ہے۔“**

تو یہ ایسے تمام طلبہ کے لیے سرمایۂ افتخار بن گیا، ان کے اندر زندگی کی ایک نئی روح دوڑ گئی، اب حال یہ ہے کہ یہ طلبہ جہاں بھی ہوتے ہیں اس ارشاد کو اپنی منزل مقصود تک رسائی کا وسیلہ سمجھ کر اخلاص اور لگن کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں، پھر منزلیں دور ہو کر بھی ان کے قدموں کو بوسہ دیتی ہیں، مجھے بھی احساسِ بے مائگی کے باوجود اس ارشاد سے بڑی توانائی ملی اور دنیا سے بے نیاز ہو کر احادیثِ صحیحین کی تدوین و تشریح کا کام شروع کر دیا، میں سمجھتا ہوں کہ اس کرامت خیز جملے کا اثر مجھ میں در آیا اور میں اس منزل اقصیٰ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جس تک رسائی بظاہر میرے بس کی بات نہ تھی۔

اہل علم اپنے معیار علم وفقہ سے اس کام کا جائزہ نہ لیں، بلکہ اس ناکارہ کے معیار علم کو سامنے رکھ کر کام کی اہمیت کا اندازہ کریں۔

میں مکتب فقہ کا ایک ادنی سا طالب علم ہوں، مجھے احساس ہے کہ آج بھی جامعہ اشرفیہ میں علمائے کبار اور فضلائے نامدار موجود ہیں ان کے سامنے اس بے مایہ کی کوئی حیثیت نہیں، سوائے اس کے کہ عمر کچھ زیادہ ہے، پھر بھی اس طرح کے کام کی ہمت، پھر ایک حد تک اس کی تکمیل حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان بافیض اور پاکیزہ نفوس اور مقبولانِ بارگاہ سے ہیں جن پر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کا یہ مضمون صادق آتا ہے کہ ''کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم سچی فرمادیتا ہے'':

عن أنس، . . . قال النبيّ -صلی اللہ تعالی علیه وسلم- إنّ من عباد اللہ مَن لو أقسم علی اللہ لأبرّہ.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم (کسی بات پر) کھالیں تو اللہ ان کی قسم ضروری سچی فرمادے۔

حضرت عزیز ملت مدظلہ العالی کے حوصلہ افزا کلمات نے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس ارشاد کی یاد تازہ فرمادی، خدائے کریم حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر انور پر اپنے انعامات کی بارشیں نازل فرمائے اور آپ کے شہزادۂ عالی مرتبت کو آپ کے نقش قدم پر ثابت رکھے اور آپ کو دارین کی نعمتیں اور شادکامیاں نصیب فرمائے۔ آمین

(۱۲)

شرکائے کار کا امتنان و تشکُّر

(الف) تخریج وتشریحِ احادیث:

''احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف'' کی تخریج کا کام زیادہ تر ولد اعز مولوی محمد فضلُ الرحمٰن سلّمہ المنّان متعلّم جامعہ اشرفیہ نے کیا ہے، چند عناوین امام اہل سنت، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب

---

(۱) صحیح البخاري، ج:۱،ص:۳۷۲، کتاب الصلح/ باب الصلح فی الدّیۃ، مجلس البرکات.

''ختم نبوت''، ''الامن والعُلیٰ'' اور ''صفائح اللُّجین'' سے ماخوذ ہیں ان کی احادیث کی بھی تخریج کر کے متن حدیث کو سند کے آخری راوی کے ساتھ لکھا ہے تاکہ اس کتاب کے طرز پر ان کو مرتب کیا جا سکے، **تخریج** سے مراد عام ہے تخریجِ احادیث بھی، اور تخریجِ حوالہ جات بھی، دونوں کام عزیز موصوف نے بڑی محنت اور سلیقے سے انجام دیے ہیں، اللہ عزوجل انھیں اخلاص سے نوازے اور دارین میں انھیں ان جاں فشانیوں پر بہتر صلہ عطا فرمائے۔

(ب) ایک مخلص کی یاد:

مجھے اس کتاب کی تصنیف کے دوران بار بار ایک مخلص کی یاد آتی رہی جنھوں نے زرِ کثیر سے لیپ ٹاپ خرید کر اور ہزار ہا ہزار کتابیں اس میں محفوظ کر کے نیاز مندی کے ساتھ پیش کیا اور اس طرح میرے لیے تخریج و تصنیف کی آسانی فراہم ہوئی، آج بھی جب کسی تحقیق کے وقت اس لائبریری سے استفادہ کرتا ہوں تو دل میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور زبان پر کوئی کلمۂ دعا ہوتا ہے، میں نے تخریج و تشریحِ احادیث کا یہ کام زیادہ تر رمضان شریف کی راتوں میں جاگ کر کیا ہے، جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور ضرورت کی کتابوں کی فراہمی دشوار ہوتی ہے اُس وقت یہی لائبریری کام آتی رہی ہے، وہ مخلص ہیں عزیز سعید مولانا تصبیر متولے مصباحی ازہری، ساکن ممبئی ، خدائے پاک انھیں بھی جزائے خیر سے نوازے۔

(ج) تصحیح و نظرِ ثانی کا اہتمام:

ہم نے یہ مجموعۂ احادیث جامعہ اشرفیہ کے چار اساتذہ کرام کی خدمت میں نظرِ ثانی اور تصحیح کے لیے پیش کیا:

(۱) صدر العلما حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، استاذ تفسیر و ناظم تعلیمات و صدر مجلس شرعی وسابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲) حضرت مولانا محمد دستگیر عالم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

(۳) حضرت مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

(۴) حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

اخیر کے دونوں حضرات نے شروع کتاب کے چند اجزا اور مولانا محمد دست گیر عالم مصباحی نے تقریباً باقی نصف کتاب پر نظر ثانی کی اور تصحیح فرمائی۔ یہ حضرات باصلاحیت مدرس، صحیح فکر و نظر کے حامل اور تصحیح کا اچھا ذوق رکھنے والے باعمل عالم ہیں، انھوں نے کتاب تصحیح کے بعد بغیر کسی حذف واضافہ کے واپس کی تو خوشی ہوئی۔ آخری خواندگی مولانا محمود علی مشاہدی صاحب نے بغور تنقیدی نگاہ سے کی تو کچھ تعبیری خامیاں سامنے آئیں اور ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق ان کی اصلاح کردی، بہت سے کلمات میں رسم الخط کی اصلاح مولانا موصوف نے کی۔

اوّل الذکر بزرگ دقت نظر، وسعت فکر اور کثرت مطالعہ جیسے اوصاف کے جامع ہونے کے ساتھ بہترین مصنف اور ناقد بھی ہیں، آپ نے پوری کتاب کا حرف بہ حرف مطالعہ کرکے اس تاثر کے ساتھ اسے واپس فرمایا:

”کتاب میں تحقیق کے ساتھ تسہیل اور حسنِ تفہیم کی بھی کوشش کی گئی ہے، اس لیے عوام وخواص دونوں کے لیے بہت ہی مفید ہے، خواص اس سے استفادہ کرکے عقائد و مسائل کو حسن وخوبی سے سمجھا سکتے ہیں اور عوام بھی بغور پڑھیں تو مباحث ان پر اچھی طرح منکشف ہوجائیں گے، حوالوں کی تخریج میں بڑی محنت کار فرما ہے۔

نظر ثانی اور کمپوزنگ کی پوری تصحیح باقی ہے، پروف ریڈنگ میں جو نشان دہی ہوچکی ہے اسے بغور دیکھ کر درست کرنا ذمہ داری کا کام ہے، جس کی کتابت باقی ہے اس کی کمپوزنگ بھی خصوصی توجہ چاہتی ہے، اندازہ ہے کہ کرکشن اور کمپوزنگ مکمل ہونے کے بعد بھی کم از کم دوبار دیکھنے کی ضرورت پڑے گی۔“ (محمد احمد مصباحی)

اس کے بعد مجھے کافی اطمینان ہوا کہ یہ کاوش اغلاط سے محفوظ ہے، ہم ان تمام کرم فرماؤں کے اخلاص قلب کے ساتھ شکر گزار ہیں، خداے پاک انھیں دارین میں اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے، آمین۔

کتاب پر نظر ثانی کے دوران کچھ مقامات ایسے سامنے آئے جہاں حوالے درج نہیں تھے ان کی تخریج عزیز سعید مولانا محمد اعظم مصباحی محافظِ کتب ”اشرفی دار المطالعہ“ نے کی ہے اور کچھ سہ را محترم مولانا حبیب اللہ مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، ولد عزیز مولوی محمد ضیاء الدین سلمہ اور ولد عزیز محمد ساجد الرحمٰن سلمہ المنان متعلم جامعہ اشرفیہ نے بھی دیا ہے ہم ان کرم فرماؤں کے بھی شکر گزار ہیں، **خداے**

پاک انھیں علم وعمل سے سرفراز فرمائے، ساتھ ہی انھیں، ہمیں اور ہمارے سارے رفقاے کار اور اساتذہ اور والدین کو دارین کی سعادتوں، نعمتوں، رحمتوں، برکتوں سے نوازے۔

(۱) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (۲) حضرت مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی (۳) حضرت مولانا اختر حسین فیضی (۴) حضرت مولانا زاہد علی سلامی (۵) مولانا توفیق احسن برکاتی، اساتذۂ جامعہ اشرفیہ نے کمپوزنگ کی آخری تصحیح کے دوران کچھ مفید مشورے دیے، ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔

ساتھ ہی اول الذکر کی اس قدر دانی پر بھی ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس ناکارہ کے حالات اپنی مرضی سے لکھے اور اپنے تاثرات قلبی سے نوازا۔ مولانا موصوف کی فرمائش پر ان کی تحریر شامل اشاعت ہے۔

(۱۳)

مدتِ کار

میں نے یہ کام اواخر شعبان ۱۴۳۷ھ میں شروع کیا تھا اور آج ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۹ر مئی ۲۰۲۰ء شنبہ، وقت ظہر میں مکمل ہو رہا ہے، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف میں چار سال لگے، مگر کام صرف رمضان شریف کی تعطیل میں ہوا ہے، باقی سال بھر معطل رہا ہے اس لیے میں نے آج کام کے دن گنے تو ۹۹ر دن ہوئے، خداے پاک کے اسماے حُسنیٰ کے مطابق۔ خداے کریم اپنے نام پاک کی برکتیں کتاب وصاحب کتاب میں ظاہر فرمائے، آمین۔

التجا

ہم انسان ہیں، ہم سے خطا ہو سکتی ہے، خدا کرے یہ تصنیف اس سے محفوظ ہو، تاہم بتقاضاے بشری کہیں کوئی سہو ونسیان ہو گیا ہو تو اس سے رجوع کر کے حق کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ”فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ“.(۱)

اگر کسی صاحب علم کی نگاہ میں کوئی خطا آئے تو اس سے آگاہ فرمائیں، بہتر سمجھیں تو اس کی اصلاح

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة يوسف:١٢، الآية:٧٦.

بھی فرمادیں۔ ظہور حق کے بعد قبولِ حق کے لیے ہمارا سینہ ہمیشہ کشادہ ہے۔ "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا"(۱)

ایں سعادت بزورِ بازو نیست: اور راقم الحروف تو مکتبِ فقہ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جسے فقہ سے کچھ نسبت کا شرف حاصل ہے، یہ خداے ذوالجلال کا فضل خاص ہے کہ اس نے مجھے اپنے محبوب ﷺ کے سُنن واحادیث صحیحہ کے جمع کرنے کی سعادت بخشی، ساتھ ہی سوادِ اعظم کے عقائد و فروع کو ان احادیث وسنن کے صاف وشفاف آئینے میں دیکھنے، دکھانے اور سمجھنے، سمجھانے کی توفیق عطا فرمائی، سچ یہ ہے کہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد، خداے بخشندہ

ہم خداے کریم کے اس فضل خاص پر اس کا سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں،

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ.(۲) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.(۳) رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ.(٤)

۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ
۹؍مئی ۲۰۲۰ء (شنبہ)

محمد نظام الدین رضوی، برکاتی
صدر شعبہ افتا وصدر المدرسین جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الآیۃ:۲۸۶.
(۲) صحیح البخاری، ج:۲،ص:۱۱۲۹، کتابُ التوحید / باب قولِ الله: وَنَضَعُ الموازین، رواہ أبوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّمَ مرفوعًا، مجلس البرکات.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ اٰل عمران:۳، الآیۃ:۸.
(٤) القرآن الحکیم، سورۃ الأعراف:۷، الآیۃ:۸۹.

پہلا باب

عقائد کے بیان میں

پہلا مسئلہ

امتناعِ کذبِ باری کا عقیدہ
کتاب و سنت کی روشنی میں

خدائے سُبّوح و قُدّوس کذب اور ہر طرح کے نقص و عیب سے منزّہ و پاک ہے کیوں کہ اللہ عزّ و جل کی ذات جامع کمالات میں نقص و عیب محال ہے، یہ امتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اس کے برخلاف وہابیہ غیر مقلدین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بندہ جھوٹ پر قادر ہے اگر اللہ اس پر قادر نہ ہو تو بندے کی قدرت خدائے قدیر کی قدرت سے بڑھ جائے گی، چناں چہ امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی اپنے رسالہ "یک روزی" میں لکھتے ہیں:

" **أقول:** اگر مراد از محال مُمتنع لِذاتِہٖ است کہ تحتِ قدرتِ الٰہی داخل نیست، پس لَا نُسَلِّمُ کہ کذبِ مذکور محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقدِ قضیہ غیر مطابقہ لِلوَاقعِ، والقائے آں بر ملائکہ و انبیا خارج از قدرتِ الٰہیہ نیست، وَ اِلّا لازم آید کہ قدرتِ انسانی اَزیَد از قدرتِ ربّانی باشد، چہ عقدِ قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آن بر مخاطبین در قدرتِ اکثر افرادِ انسانی ست۔"[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ "خدا کے لیے جھوٹ کے محال ہونے" سے (علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی) مراد اگر "محال بِالذّات" ہو جو قدرتِ الٰہی کے تحت داخل نہیں، تو ہم نہیں

---

(۱) رسالہ یك روزی فارسی، ص: ۱۷، فاروقی کتب خانہ، ملتان.

مانتے کہ یہ جھوٹ "محال بالذّات ہے" کیوں کہ کوئی جھوٹی بات بنا کر فرشتوں کو بتانا اور انبیا کو اِلقا کرنا خدا کی قدرت سے باہر نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ آدمی کی قدرت، خدا کی قدرت سے زیادہ ہو جائے کیوں کہ زیادہ تر لوگ جھوٹی بات بنا کر اپنے مخاطبین کو سنانے پر قادر ہیں۔

امکانِ کذبِ الٰہی پر وہابیہ کی دلیل:

اس عبارت میں امکانِ کذبِ الٰہی پر جو دلیل دی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اگر کذبِ الٰہی محال ہو تو اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہوگا، حالاں کہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں، تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی، اور یہ محال ہے تو واجب کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو۔"

تبصرہ:

یہ حضرات وہابیہ کی بہت مضبوط دلیل ہے اور حقیقت میں یہ سخت مغالطہ وفریب ہے:

ہم امام الوہابیہ کے اس موقف اور دلیل پر تین حیثیتوں سے گفتگو کریں گے۔

(۱) عقلی حیثیت سے (۲) کتاب وسنت کی روشنی میں (۳) اجماع مسلمین کے نقطۂ نظر سے

"عقلی حیثیت سے" اس لیے کہ عیوب ونقائص سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور اس کا اِدراک ورودِ شرع پر موقوف نہیں اور "شرعی نقطہ نظر سے" دیکھیے تو یہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے پھر اس پر "اہل اسلام کا اجماع" بھی منعقد ہے۔

دلائل اہل سنت

تنزیہ باری کا ثبوت عقلی حیثیت سے:

امام الوہابیہ نے امکانِ کذبِ باری پر جو دلیل قائم کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی" یہ قطعی ناقابلِ اعتنا ہے۔

پہلا ثبوتِ عقلی: آدمی کا کوئی فعل بشمولِ کذب، قدرتِ الٰہی سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ بندے کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال کا بھی، چناں چہ ارشاد باری ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (۱)

ترجمہ: اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمھارے افعال کو بھی۔

"بندہ جھوٹ بولتا ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ اس کوشش کے نتیجے میں جھوٹ کو پیدا کر دیتا ہے، بندہ اپنے جھوٹ، سچ کا خالق نہیں، خالق تو اللہ ہے۔

اب غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے جھوٹ کا خَلق فرمائے جو بندہ کبھی نہیں کر سکتا کہ "خَلق" تو خدا کی شان ہے اور بندہ اس سے عاجز ہے، تو بندے کی قدرت خدا کی قدرت سے زیادہ کیسے ہو جائے گی، بندہ اپنے کذب اور دوسرے اعمال کے خلق میں پہلے بھی اللہ کا محتاج تھا، اور اب بھی اللہ کا محتاج ہے۔

دوسرا ثبوتِ عقلی: امامِ اہل سنت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"یہاں دو چیزیں ہیں:

ایک: کذبِ انسانی، وہ قدرتِ انسانی میں مجازاً ہے اور قدرتِ ربّانی میں حقیقۃً۔ (کہ قدرت حقیقۃً و بالذات اسی کی ہے)

دوم: کذبِ ربّانی، اس پر قدرتِ انسانی ہے، نہ قدرتِ ربّانی۔

تو انسان کی قدرت کس بات میں مولیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ سے بڑھ گئی۔۔۔ جو شے قدرتِ انسانی میں تھی وہ قدرتِ ربانی سے کب خارج ہوئی۔"(۲)

وہ تو قدرتِ ربانی میں پہلے بھی حقیقۃً تھی اور اب بھی حقیقۃً ہے۔

تو جس دلیل کی بنیاد پر "امکان" کی عمارت کھڑی کی گئی تھی وہ بنیاد ہی نہ رہی اس لیے کذب باری کے "محال بالذّات" ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔

بلفظ دیگر یوں سمجھئے کہ:

اللہ تعالیٰ بندے سے جھوٹ صادر کرانے پر قادر ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ صادر

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الصافات: ۳۷، الآیۃ: ۹۶

(۲) حاشیۃ الفتاوی الرضویۃ، ج: ٦، ص: ۲۳۳، کتاب السیر/ الرسالۃ: سُبحٰن السّبُّوح، سُنّی دارُ الإشاعۃ، مبارکفور۔

کرانے پر قادر نہیں، تو قدرت کس کی زیادہ ہوئی؟ —— اللہ تعالیٰ کی!

اور آیتِ کریمہ:

" اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ "(۱) " بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے " سے کذب باری کے امکان پر استناد اس لیے بجا نہیں کہ یہ آیت بالاتفاق اپنے عموم پر نہیں ہے کیوں کہ خود واجب تعالیٰ " شَے " ہے مگر وہ اپنی فنا پر قادر نہیں، یوں ہی سونے اور اونگھنے پر بھی قادر نہیں، یوں ہی دوسرے محالات بھی تحتِ قدرت نہیں۔ تو " كُلِّ شَیْءٍ " یا " ہر چیز " سے مراد وہ چیز ہے جو حادث و ممکن ہو۔ اور جو واجب یا محال ہو وہ اس آیتِ کریمہ کے عموم میں شامل نہیں اور کذب نقص ہونے کی وجہ سے محال ہے اس لیے اس آیت کریمہ سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام صفاتِ کمال بشمولِ صدق سے ازلاً، ابداً متّصف ہے، کبھی یہ صفات اس سے الگ نہیں ہو سکتے اس لیے کذب اور ہر طرح کا نقص و عیب اس سے محال بِالذّات ہے۔

" اے مسلمان! کمالِ حقیقی یہ ہے کہ اس صاحب کمال کی نفس ذات، مقتضیِ جملہ کمالات و منافیِ تلوّثات ہو اور قطعاً جو ایسا ہو گا اس پر ہر عیب و نقصان " محالِ ذاتی " ہو گا کہ ذات سے مقتضاے ذات کا ارتفاع، یا ذات و منافیِ ذات کا اجتماع دونوں قطعاً بدیہیُ الامتناع۔ اور بے شک ہم اہل سنت اپنے رب کو ایسا ہی مانتے ہیں اور بے شک وہ سچا کمال والا ایسا ہی ہے۔ "(۲)

علماے اہل سنت نے اس بارے میں واضح تصریحات فرمائی ہیں: ہم یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں:

امتناعِ کذبِ باری پر علماے اہل سنت کی تصریحات:

● مسلم الثبوت اور اس کی شرح جلیل فواتح الرحموت میں ہے:

(و) المعتزلۃ قَالُوا (ثانیاً: أنّہٗ لَو لا) کونُ الحکم عقلیا (لم یمتنع الکِذبُ منہ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۰

(۲) الفتاوی الرضویۃ، ج: ٦، ص: ۲۳۹، کتاب السِّیر / الرسالۃ: سبحنَ السُّبُّوح، سنی دار الإشاعۃ، مبارك پور.

تعالى) عقلاً . . . (والجوابُ أنّه، نقصٌ) فيجبُ تنزيهُه، تعالى عنه (وقد مرّ أنّهُ لا نِزاع فيه) فَإنّهُ عقليٌّ باتّفاق العُقلاءِ ... (لأنّ ما ينافي الوجوبَ الذّاتي . . . من جملة النّقص فى حقّ الباري، ومِن الاستحالاتِ العقليّة عليه سبحانَهُ. (ولهٰذا) أي لكونه من الاستحالات العقلية (أثبتَهُ الحكماءُ) أي أثبت كونَه نقصاً مستحيلاً اتّصافُه تعالى به الفلاسِفةُ مع كونهم لا يسندون أقوالهم إلى نبيّ مِن الأنبياء. إھ ملتقطاً.[1]

ترجمہ: وتشریح: مُعتزلہ نے اہل سنت کو خطاب کر کے کہا کہ اگر حکم عقلی نہ ہو تو کذبِ باری محال عقلی نہ رہے حالاں کہ اسے ہم سب لوگ بالاتفاق محال عقلی مانتے ہیں۔

تو اہل سنت نے انھیں یہ جواب دیا کہ کذب باری اس لیے محال عقلی ہے کہ یہ نقص وعیب ہے تو واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے مُنزّہ وپاک مانیں اور اس بارے میں ہمارے تمھارے درمیان کوئی نزاع نہیں کیوں کہ عیب باتفاقِ عقلاء، اللہ تعالیٰ پر محال عقلی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کذب نقص ہے جو خدائے برحق کے خدا ہونے کے منافی اور اس کے حق میں محال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حکَما جو کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتے اور کسی شریعت کے قائل نہیں وہ بھی کذب کو نقص اور ذاتِ باری پر محال جانتے ہیں۔

● شرح عقائد جلالی میں ہے:

الكذبُ نقصٌ، والنقصُ عليه محالٌ، فلا يكونُ من الممكنات وهذا كما لا يشمل القدرةُ سائر وجوه النقص عليه تعالىٰ كالجهل والعجز.[2]

---

(۱) فواتح الرّحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:۱، ص: ۴۳، المقدّمة الثانية في الأحكام/ فائدة في تحقيق صدور الأفعال الاختيارية للعبد، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(۲) شرح عقائد جلالی، ج:۲، ص:۱۹۵ - ۱۹۷، هل يجوز الخلف في الوعيد في حقه تعالى أم لا؟

"شرح عقائد جلالی" یہ "متن العقائد العضدیہ" کی شرح ہے۔

"العقائد العضدیۃ" یہ قاضی عضد الدین بن عبد الرحمن بن احمد ایجی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۷۵۶ھ) کی عقائد میں ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے، اس کی شرح فاضل جلیل علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۹۰۸ھ) نے لکھی (کشف الظنون) شارح رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی مناسبت سے ان کی کتاب کو "شرحِ عقائد جلالی" کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ترجمہ: جھوٹ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے، لہٰذا کذب الٰہی ممکنات سے نہیں ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل ہے، جیسے نقص کے دوسرے اسباب۔ مثلاً اللہ کا جاہل ہونا، عاجز ہونا۔ ممکنات سے نہیں، نہ قدرتِ الٰہی انھیں شامل۔

یہ بڑے واضح لفظوں میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کذب، جہل، عجز ناممکنات سے ہیں کیوں کہ یہ سب نقص و عیب ہیں اور نقص و عیب قدرت باری کے تحت نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے کذب محال بالذات ہے۔

● شرح مقاصد کے ''مبحثِ کلام'' میں ہے:

الكذب محالٌ بإجماع العلماء، لأنّ الكذبَ نقصٌ باتفاقِ العُقلاء، و هو على الله تعالى محال، لما فيه من أمارة العجز أو الجهل أو العبث. اھ ملخصًا.[1]

ترجمہ: جھوٹ باجماعِ علما محال ہے، اس لیے کہ جھوٹ اربابِ عقل کے نزدیک بالاتفاق نقص و عیب ہے اور نقص و عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے؛ کیوں کہ یہ عجز، یا جہل، یا عبث کی علامت ہے۔

● مواقف کی ''بحثِ کلام'' میں ہے:

إنّه تعالى يمتنع عليه الكذبُ اتفاقًا، أمّا عند المعتزلة، فلأنّ الكذبَ قبيح و هو سبحانهٗ لا يفعل القبيح. و أمّا امتناع الكذب عليه تعالى عندنا، فلأنّه نقصٌ،و النقص على الله تعالى محالٌ إجماعًا.[2]

ترجمہ: اہل سنت و معتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب محال ہے۔ مُعتزلہ تو اس لیے محال کہتے ہیں کہ کذب قبیح ہے اور اللہ سبحانہٗ کوئی قبیح کام نہیں کرتا۔

اور ہم اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل سے کذب اس لیے محال ہے کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے۔

ان عبارات میں محال سے مراد محال بالذّات ہے کہ نقص و عیب اللہ تعالیٰ کے لیے ناممکنات

---

(۱) شرح المقاصد، ج ٤، ص ١٥٨، المقصد الخامس في الإلٰهيات/ الفصل الثالث في الصفات الوجودية/ المبحث السادس أنّه متكلم/ الدليل الثالث، من منشورات الشريف الرضي.

(۲) شرح المواقف الجزء الثامن من المجلد الرابع، ص: ١١٤، الموقف الخامس في الإلٰهيات/ المقصد الرابع في الصفات الوجودية/ المقصد السابع أنه تعالى متكلم، دار الكتب العلمية.

سے ہیں اور یہ اس کی قدرت کے تحت نہیں آتے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس دور پر فتن میں امکانِ کذبِ باری کا شگوفہ خاص وہابیہ نے نکالا، اور جس دلیل کی بنا پر نکالا وہ خالص مغالطہ وفریب ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

دامانِ باغ سبحانَ السبوح کے چند ضروری اقتباسات:

ہم اس مقام پر مجدد اسلام، مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کے ایک رسالہ "دامانِ باغ سبحانَ السبوح" کے چند ضروری اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے "رسالہ یک روزی" کی دلیل اور مصنف رسالہ کے موقف کا فساد بخوبی نمایاں ہوکر سامنے آجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالی۔ آپ رقم طراز ہیں:

میں نے اپنے رسالے "سبحانَ السبوح عن عیب کذب" مقبوح میں تیس نصوص اور تیس دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی کا کذب محال بِالذات ہے اور یہ کہ اس کے محال بِالذات ہونے پر تمام ائمۂ امت کا اجماع ہے۔ مسلمان جس کے دل میں اس کے رب کی عظمت اور اس کے کلام کی تصدیق ہو اگر کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اس کے لیے یہی دو حرف کافی ہیں۔

اول: یہ کہ کذب ایسا گندا، ناپاک عیب ہے جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزّت والا بھی بچنا چاہتا ہے اور اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے، اگر وہ اللہ عزّوجلّ کے لیے ممکن ہوا تو وہ عیبی، ناقص، ملوث، گندی گھناونی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا، کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے، مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لیے اس کے رب کی امان، ادنٰی سمجھ والا یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا۔ پاکی ہے اسے جس کے سراپردۂ عزت وجلال کے گرد کسی عیب و نقص کا گزر قطعًا محال بِالذات ہے، جس کی عظمت و قدوسیت کو ہر لوث و آلودگی سے بِالذّات منافات ہے۔...

اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و نو پیدا ہے، اور اس کا بنانے والا قدیم اور صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے، نہ اس کا جہل ممکن ہے، نہ کذب ممکن ہے، نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے۔

دوم: یہ کہ جب اس کا کذب ممکن ہو تو اس کا صدق ضروری نہ رہا، جب اس کا صدق

ضروری نہ رہا، تو اس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے گا، ہر بات میں احتمال رہے گا کہ شاید جھوٹ کہہ دی ہو، جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا، کیا اس کو کسی کا ڈر ہے، یا اس پر کوئی حاکم وافسر ہے جو اسے دبائے گا اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا۔

ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ:

"ہمیشہ سچ بولوں گا، یا اس نے فرمادیا ہے کہ میری سب باتیں سچی ہیں۔"

مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرا تو سرے سے اس وعدہ وفرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان رہا، ہو سکتا ہے کہ پہلا جھوٹ یہی بولا ہو۔

غرض معاذاللہ اس کا کذب ممکن مان کر دین و شریعت اور اسلام و ملت کسی کا اصلا پتا نہیں رہتا، جزاو سزا، جنت و نار، حساب و کتاب، حشر و نشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا، تعالی اللہ عمّا یقولُ الظّٰلِمون عُلوًا کبیرًا.[1]

سوم: اس قائل نے اگرچہ مسلمانوں کا دل رکھنے کو اپنے "رسالہ یک روزی" میں جہاں یہ ناپاک دلیل لکھی ہے یہ اظہار کیا کہ خدا کا کذب ممکن بالذات ہونے پر بھی "ممتنع بِالغیر" ضرور ہے مگر دلیل وہ پیش کی جس نے امتناع بِالغیر کو بھی صاف اڑا دیا۔

ظاہر ہے کہ انسان کا کذب نہ ممتنع بِالذات، نہ ممتنع بِالغیر، بلکہ ہر روز و شب ہزاروں بار واقع، تو کذب پر اس کی قدرت آزاد ہوئی جس پر کوئی روک نہیں اور برابر کام دے رہی ہے، مگر خدا کی قدرت بستہ و مسدود ہے کہ واقع کرنے کی مجال نہیں اور شک نہیں کہ آزاد قدرت "مسدود قدرت" پر صریح فوقیت رکھتی ہے تو یوں کیا انسانی قدرت اس کی قدرت سے فائق نہ رہی، باعتبارِ مقدورات کمّا نہ سہی، تو باعتبارِ نفاذ کیفاً سہی، ناچار تمھیں ضرور ہے کہ امتناع بِالغیر بھی نہ مانو کہ انسانی قدرت سے شرمانا تو نہ پڑے۔

چہارم: ساری بات یہ ہے کہ اس شخص نے افعالِ انسانی کو خدا کی قدرت سے علاحدہ سمجھا ہے کہ آدمی اپنے کام، اپنی قدرت سے کرتا ہے یہ رافضیوں، معتزلیوں فلسفیوں کا مذہب ہے، اہلِ سنت

---

(۱) الفتاوی الرضویة (ملتقطاً)ج: ٦، ص: ٢٧٥، کتاب السِّیر/ الرسالة: دامانِ باغ سُبحٰنَ السُّبّوح ۔ سنی دار الإشاعة، مبارك فور.

کے نزدیک انسانی، حیوانی تمام جہان کے افعال، اقوال، اعمال، احوال سب اللہ عزوجل ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، اوروں کی قدرت ایک ظاہری قدرت ہے جسے تاثیر وایجاد میں کچھ دخل نہیں، تمام کائنات وممکنات پر قدرتِ مُوثّرہ خاص اللہ عزوجل کے لیے ہے، تو کذب ہو یا صدق، کفر ہو یا ایمان، حُسن ہو یا قبح، طاعت ہو یا عصیان، انسان سے جو کچھ واقع ہوگا وہ اللہ ہی کا مقدور اور اللہ ہی کا مخلوق ہوگا، اسی کی قدرت اور اسی کی ایجاد سے پیدا ہوگا، پھر کیوں کر ممکن کہ انسان کوئی فعل قدرتِ الٰہی سے جُدا کر سکے۔

مقاصد میں ہے:

فعلُ العبد واقع بقدرة الله تعالى، وَإنما لِلعَبدِ الكسبُ، والمعتزِلةُ بقدرة العبد صحةً، والحكماءُ إيجابًا.[١]

یعنی بندے کا ہر فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ بندہ کا فقط کسب ہے اور معتزلہ وفلاسفہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل خود بندے کی قدرت سے ہوتا ہے، معتزلہ کے نزدیک امکانی طور پر کہ قدرتِ بندہ سے وقوعِ فعل ممکن ہے، واجب نہیں اور فلاسفہ کے نزدیک وجوبی طور پر، کہ تخلف ممکن نہیں۔

پنجم: اس سے پوچھو، انسان کو کس کے کذب پر قدرت ہے، اپنے (کذب پر) یا خدا کے۔ ظاہر ہے کہ انسان قادر ہے تو صرف کذبِ انسانی پر، نہ کہ معاذاللہ کذبِ ربانی پر۔ اور شک نہیں کہ کذبِ انسانی ضرور قدرتِ رَبّانی میں ہے، پھر اگر کذبِ ربانی قدرتِ ربّانی میں نہ ہُوا تو قدرتِ انسانی کیوں کر بڑھ گئی، وہ (قدرتِ انسانی) کذبِ ربانی پر کب تھی اور جس پر تھی یعنی کذبِ انسانی، اسے ضرور قدرتِ ربّانی محیط ہے۔

ششم: ہم پُوچھتے ہیں قدرتِ انسانی بڑھ جانے سے کیا مراد ہے، آیا یہ کہ انسان کے مقدورات گنتی میں خدا کے مقدورات سے زائد ہوجائیں گے، یہ تو کھلے طور پر باطل ہے کہ کذب وجملہ نقائص سرکارِ عزت کے لیے سرکارِ عزت کی قدرت میں نہ ہونے پر بھی اس کے مقدورات غیر متناہی

---

(١) شرح المقاصد، الجزءُ الرابع، ص: ٢١٩، المقصد الخامس في الإلٰهيات / الفصل الخامس في الأفعال وفيه مباحث/ من منشورات الشريف الرضى.

ہیں اور انسان کتنی ہی ناپاکیوں پر قادر ہو آخر اس کے مقدورات محدود ہی رہیں گے اور متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

ہاں یہ کہیے کہ ایک چیز بھی ایسی نکلنا جو انسان کے زیرِ قدرت ہو اور رحمٰن کے زیرِ قدرت نہ ہو محال ہے (اور بے شک ایسا ہی ہے) اسی کو "زیادتِ قدرت" سے تعبیر کیا ہے تو اب ہم دریافت کرتے ہیں۔

یہ خاص کذب کہ انسان سے واقع ہوا، قدرتِ خدا سے ہوا ● یا قدرتِ خدا سے جدا؟

بر تقدیرِ اول وہ کون سی چیز نکلی جو انسان کے زیرِ قدرت تھی اور رحمٰن کے زیرِ قدرت نہ تھی کہ یہ جو قدرتِ انسان سے ہوا خود مانتے ہو کہ قدرتِ رحمن سے ہوا۔ پھر زیادت کہاں۔

بر تقدیرِ دوم رحمٰن اگرچہ –معاذاللہ– اپنے کروڑ کذبوں پر قادر ہو وہ کذب اُس کذب کے عین نہ ہوں گے جو انسان سے واقع ہُوا، بلکہ کذب ہونے میں اس کے مثل ہوں گے اور مثل پر قدرت، شے پر قدرت نہیں، وُہ خاص کذبِ انسانی جو قدرتِ انسانی سے واقع ہوا اسے صراحۃً قدرتِ خدا سے جدا کہہ رہے ہو تو خدا کا کذب ممکن بلکہ اب واقع مان کر بھی وُہ کال نہ کٹا کہ ایک شے جو زیرِ قدرتِ انسانی تھی زیرِ قدرتِ رحمانی نہ ہوئی اس کی نوع، مقدورِ خدا ہوئی، نہ کہ خود وہ فرد۔ تو تو نے خدا اور انسان کو دربارۂ کذب برابر کے دو عاجز مانا کہ نوعِ کذب کے افراد سے جس فرد پر انسان قادر ہے خدا قادر نہیں۔ اور جس فرد پر خدا قادر ہے انسان قادر نہیں۔

اسی پر اس مسئلہ میں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ[1] (بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔) پڑھتے اور کذبِ الٰہی محال جاننے والے مسلمانوں پر عجز ماننے کی تہمت رکھتے ہو، حالاں کہ تم خود ہی وُہ ہو کہ خدا کو افرادِ مقدورۂ عبد پر قادر نہیں مانتے جب تو وزن برابر کرنے کو اَمثالِ مقدوراتِ عبد خود اس کے نفسِ کریم میں گھڑنا چاہتے ہو۔

اس کی مثال یُوں سمجھو کہ زید و عمرو دونوں اپنی اپنی زوجہ کو طلاق دینے پر قادر ہیں مگر ایک دوسرے کی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا تو ہر ایک دوسرے کے مقدور پر قادر نہیں، بلکہ اس کی نظیر پر قادر ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۰.

لیکن حق جلَّ مجدہٗ دونوں پر قادر ہے کہ ان میں جواپنی زوجہ کو طلاق دے گا وُہ طلاق اللہ ہی کی قدرت سے واقع و موجود و مخلوق ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ زید و عمرو ہر ایک کے عینِ فعل پر بھی قادر ہے اور مثلِ فعل پر بھی کہ ایک کا فعل دوسرے کا مثل تھا، مگر امام الوہابیہ نے اسے خدا کی قدرت نہ جانا، بلکہ قدرت کے لیے یہ لازم سمجھا کہ جیسے وہ اپنی اپنی جورو کو طلاق دے سکتے ہیں خدا خود بھی اپنی جورو[1] کو طلاق دے سکے، ولا حول ولا قوّۃ إلا باللہ العليّ العظیم.

ہفتم: یہ قضیہ بے شک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس پر اور اس کے علاوہ نا متناہی اشیا پر مولی عزوجل قادر ہے۔ وہ (انسان) بقدرتِ ظاہریہ عطائیہ اور حق (تعالیٰ) بقدرت حقیقیہ ذاتیہ۔ مگر اس حق کو یہ کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے انسان کی قدرت ظاہریہ صرف اس قدر ہے، قدرتِ حقیقیہ -خلق وایجاد- میں اس کا حصہ نہیں وہ خاص مولی عزوجل کی قدرت ہے تو اس کلمۂ حق کا حاصل یہ تھا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ عزوجل اس کے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ کسب نہ ہوگا مگر بقدرتِ خدا— اس شخص نے یہ بنا لیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمٰن بھی خود اپنے لیے اس کے کسب پر قادر ہے سبحٰنَ اللہِ ربِّ العرش عما یصفون.[2]

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ "یہ اہل حدیث" صحیح بخاری و صحیح مسلم سے امکانِ کذبِ باری کے ثبوت میں کم از کم دو چار احادیثِ نبویہ ایسی پیش کرتے جو احتمال تاویل سے محفوظ اور مُحکم ہوتیں، کچھ دوسری صحاحِ ستہ وغیرہ سے بھی استناد کر سکتے تھے کہ ہم اہل سنت پر احتجاج کے لیے یہ بھی کافی ہے، مگر ایسا نہ کر سکے۔

اب ہم ذیل میں قرآن حکیم کی کچھ آیات اور احادیث نبویہ پیش کرتے ہیں جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے، اور اس کے کلام کے گرد کذب و شائبہ کذب کا گزر نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ "جورو" سے پاک ہے- تو ہم کہیں گے کہ وہ "کذب" سے بھی پاک ہے، لہذا جیسے اس کی طرف سے طلاق متصور نہ ہونے کے باعث بندے کی قدرت زیادہ نہیں ہوتی، یوں ہی اس سے کذب متصور نہ ہونے کے باعث بندے کی قدرت اس کی قدرت سے زائد نہ ہوگی۔ ۱۲منہ

(۲) الفتاوی الرضویہ (بالتقاط وتصرف یسیر) ج: ٦، ص: ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، کتاب السِیَر / الرسالۃ: دامانِ باغِ سبحنَ السُّبّوح، سُنّی دار الإشاعۃ، مبارك فور.

تنزیہ باری کا ثبوت کتاب اللہ سے

پہلا ثبوت: اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

❶ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ [۱] اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

❷ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ [۲] کس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہے۔

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ خداے سبّوح وقدّوس کی بات ہر بات سے زیادہ احتمالِ کذب سے پاک ومنزّہ ہے، کوئی بات اور کسی کی بات صداقت اور سچائی میں اس کے برابر نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اس طرح کے کلمات میں صرف زیادت کی ہی نہیں، بلکہ سرے سے ہمسری کی نفی مقصود ہوتی ہے جیسے حضور سید کائنات ﷺ کا ارشاد ہے: أنا خيرُ ولد آدم۔ [۳]

اس سے مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص حضور سید عالم ﷺ کا ہمسر وبرابر نہیں۔

"اَخبار" تین طرح کی ہیں: ● خبر واحد ● خبر مشہور ● خبر متواتر

ان میں سب سے زیادہ قوی "خبر متواتر" ہے، کیوں کہ:

☆ یہ خبر کبھی خلاف واقع نہیں ہوتی۔

☆ بلکہ اس کا احتمال بھی نہیں رکھتی۔

اس لیے اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی ویقینی ہوتا ہے اور اس میں کذب کا کوئی احتمال وشائبہ نہیں ہوتا، ان سب کے باوجود "کذب کا امکانِ ذاتی" باقی رہتا ہے کیوں کہ اہلِ تواتر کا کذب پر متفق ہونا قدرتِ خداوندی سے باہر نہیں۔

اب اگر خداے بے نیاز کے قول وخبر میں بھی کذب کا یہ امکانِ ذاتی باقی ہو تو پھر اس کا

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة النّساء: ٤، الأية: ۱۲۲.

(۲) القرآن الحکیم، سورة النّساء: ٤، الأية: ۸۷.

(۳) کتاب الضُّعفاء للعقیلی، ج: ۲، ص: ۳۳۵، عبد الرحمٰن بن ضباب الأشعری، دارُ الکتب العلمیة.

قول و خبر ہر طرح کے قول و خبر سے، بالخصوص اہلِ تواتر کے قول و خبر سے زیادہ سچا نہ ہوا کہ کذب کا امکانِ ذاتی دونوں جگہ موجود ہے، حالاں کہ ارشادِ الٰہی کا مفاد یہ ہے کہ اس کا قول سب سے زیادہ سچا ہے اور اس کی بات سے زیادہ کسی کی بات سچی نہیں، اس لیے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ناممکن و محال ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کریمہ سے جو استدلال فرمایا ہے یہ اس کا حاصل و خلاصہ ہے ہم یہاں آپ کی تقریر استدلال کی اصل عبارات قدرے اختصار و وضاحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ پوری دلیل اپنی جامعیت کے ساتھ سامنے آجائے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیتِ اولیٰ کا مفہوم و مراد سمجھانے کے لیے پہلے تین مقدمات بیان کیے ہیں پھر اس کے مفاد کو واضح فرمایا ہے، کلمات یہ ہیں:

"قال عزّ و جلّ: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۞"[1] اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

آیتِ کریمہ نصِ جلی، کہ کذب محال عقلی ہے۔

(اس کی وضاحت کے لیے پہلے **تین مقدمات** ذہن نشین کریں۔)

پہلا مقدمہ:

خادم تفسیر و حدیث و واقف کلماتِ فقہا پر روشن ہے کہ اَمثالِ عبارات اگرچہ بظاہر نفی مزیتِ (فضیلت) غیر کرتی ہیں مگر حقیقۃً وہ تفضیلِ مطلق و نفیِ برتر و ہمسر کے لیے لائی جاتی ہیں۔

- "سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل کوئی نہیں، یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔
- وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً.[2] صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے۔
- وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا.[3]

یعنی اللہ پر جھوٹا افترا باندھنے والے سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

تفسیر ارشاد میں اس آیت کے تحت ہے:

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النّساء: ٤، الأية: ١٢٢.

(٢) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ٢، الأية: ١٣٨.

(٣) القرآن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الأية: ٢١.

هو إنكارٌ و استبعادٌ لأن يكون أحدٌ أظلمَ مِمَّنْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَوْ مُسَاوِيًا لَّهُ.[1]

اس افترا پرداز سے بڑھ کر یا اس کے برابر کوئی ظالم نہیں۔

تو لاجرم معنیٔ آیت یہ ہیں:

مولیٰ عزّوجلّ کی بات سب کی باتوں سے زیادہ صادق ہے، جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا۔

دوسرا مقدمہ:

اور پُر ظاہر کہ صدقِ کلام بذات خود اصلاً قابلِ تشکیک نہیں- کہ کسی وجہ سے اس میں تفاوت (کمی، بیشی) مان سکیں۔ سچی سچی باتیں مطابقتِ واقع میں سب یکساں، اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سرے سے سچ ہی نہ رہا، أَصْدَق (بہت سچا) اور صادق (سچا) کہاں سے صادق آئے گا...

❀ قرآن عظیم نے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ[2] ہم بھی کہتے ہیں: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ﷺ۔

کیا وہ جملہ " مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ " کہ قرآن میں آیا زیادہ مطابقِ واقع ہے، اور ہم نے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کہا کم مطابقِ واقع ہے؟

حاشا کوئی مجنون بھی اس میں تفاوت گمان نہ کرے گا۔

یا متعدّد باتوں میں دیکھیے تو یوں نظر کیجیے:

❀ فرقان عزیز نے فرمایا: وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا[3] (بچے کا پیٹ میں رہنا اور اس کا دودھ چھوٹنا تیس مہینے میں ہے) اور ہم کہتے ہیں: لآ إلٰه إلَّا اللهُ الملِكُ الحقُّ المبين. (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بادشاہ ہے اور حق و مبین)

کیا وہ ارشاد کہ "بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوٹنا تیس مہینے میں ہے" زیادہ سچا ہے؟ اور اس قول کے صدق میں کہ " اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں" معاذ اللہ کچھ کمی ہے؟

---

(١) تفسير أبي سعود أو: إرشاد العقل السليم إلى مزايا بالكتاب الكريم، ج:٢،ص: ١٨٤، تحت آيةِ سورة الأنعام، الأية: ٢١، مكتبة الرياض الحديثة بالرياض

(٢) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ٤٨، الأية: ٢٩.

(٣) القرآن الحكيم، سورة الأحقاف: ٤٦، الأية: ١٥.

تو ثابت ہوا کہ اَصدقیت بمعنی اَشَدُّ مُطابقَةً للواقع غیر معقول ہے۔

تیسرا مقدمہ:

ہاں نظر سامع میں ایک تفاوت متصور، اور اس تشکیکِ اَصْدَق و صادق میں وہی مقصود و معتبر۔ جسے دو عبارتوں سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

ایک یہ کہ: "وقعت وقبول میں زائد ہے"

مثلاً: رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے۔ یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول ہوا گر وہی بِعَینہٖ رسول سے ثابت ہو جائے (تو وہ) قلوب میں وقعت اور قبول کی قوت اور دلوں میں سکون و طمانیت ہی اور پیدا کرے گا کہ ولی سے ثبوت تک اس کا عُشر نہ تھا اگرچہ بات حرف بہ حرف ایک ہے۔

دوسرے "احتمالِ کذب سے اَبْعَد ہونا" مثلاً مستور (جو بظاہر پابند شرع ہو) کی بات سے عادل (جو ظاہر و باطن میں پابند شرع ہو) کی بات صادق تر ہے یعنی بہ نسبت اس کے احتمالِ کذب سے زیادہ دور ہے۔

اور حقیقۃً تعبیر اول، اسی تعبیر دوم کی طرف راجع، کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمالِ کذب سے دوری ہوگی اُسی درجہ وقعت و مقبولیت پوری ہوگی۔

جب یہ امر مُمہّد ہوگیا تو آیت کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ:

" اللہ عزّوجلّ کی بات، ہر بات سے زیادہ احتمالِ کذب سے پاک و منزّہ ہے، کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مساوی نہیں ہوسکتی"

اب جو ہم خبرِ اہلِ تواتر کو دیکھتے ہیں تو وہ بالبداہت، بروجہِ عادتِ دائمہ، ابدیہ، غیر مُتخلّفہ علمِ قطعی، یقینی، جازم، ثابت، غیر مُحتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے جس میں عقل کسی طرح تجویزِ خلاف روا نہیں رکھتی اگرچہ نفسِ ذاتِ خبر و مُخبِر کے پیش نظر امکانِ ذاتی باقی ہے کہ ان کا جمع علی الکذب قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں۔

اسے پیش نظر رکھ کر کلام باری تعالیٰ کی طرف چلیے:

(اللہ تعالیٰ کے لیے) امکانِ کذب ماننے کے بعد... غایت درجہ اس قدر کہ کلامِ ربّانی و خبر اہلِ تواتر کانٹے کی تول ہم پلّہ ہوں گے۔ جیسا احتمالِ کذب۔ یعنی نافیِ قطع و مُنافیِ جزم۔ اس کلامِ پاک میں نہیں، اُس سے خبرِ تواتر کا بھی دامن پاک۔ اور بہ نظرِ امکانِ ذاتی جو احتمالِ عقلی خبرِ تواتر میں ناشی، وہ بعینہٖ کلامِ الٰہی میں بھی باقی۔

پھر کلامِ الٰہی کا سب کلاموں سے اَصدق ہونا، اور کسی کی بات اس سے صِدقًا بھی ہمسری نہ کر سکنا۔ کہ مفادِ آیتِ کریمہ تھا۔ معاذ اللہ کب درست آیا۔

بخلاف عقیدۂ اہلِ سنت یعنی "کذبِ الٰہی کا امتناعِ عقلی" کہ اس تقریر پر کلامِ مولیٰ جلّ وعلا میں کسی طرح احتمالِ کذب کا امکان نہیں، بخلاف خبرِ تواتر کہ احتمالِ امکانی رکھتی ہے۔ اور یہ بات صرف اسی کے کلامِ پاک سے خاص۔ محال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیرِ خدا پر کذبِ محالِ عقلی ہو جائے۔[1] اھ ملتقطاً۔

دوسرا ثبوت: کلامِ باری انتہائے درجاتِ صدق پر ہے:

(۳) ارشادِ الٰہی ہے:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾[2]

اور پورا ہے تیرے رب کا کلام صدق و انصاف میں، کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا۔

کلام کی صداقت کے **سات درجات** ہیں اور ہر درجہ صداقت کا آئینہ اور سچائی کی تصویر ہوتا ہے مگر چھ درجات تک کذب کا کوئی گوشہ یا پھر امکانِ کذب کا کوئی تصور پایا جاتا ہے اور ساتویں درجے میں کسی طرح کا کوئی امکان بھی نہیں رہ جاتا، اس لیے صرف یہی ایک درجہ ہے جہاں کلام، **صداقت** کے درجۂ کمال پر ہوتا ہے اور یہ "صدقِ تمام" کا درجہ ہے۔

اللہ ربّ العزّت جلّ جلالہٗ کا کلام صداقت کے اسی درجۂ کمال و صدقِ تمام پر فائز ہوتا ہے

---

(۱) الفتاوی الرضویة، ج:٦، ص: ٢٢٧، ٢٢٨، ٢٢٩، کتاب السِّیَر/ الرسالة: سُبحٰنَ السُّبّوح/ الدّلیل السّابع والعشرون، سُنّی دار الإشاعة، مبارك فور.

(۲) القرآن الحکیم، سورة الأنعام: ٦، آیت: ١١٥

جس کے اوپر کوئی اور درجہ نہیں، اس لیے اس کے کلام میں کذب محال بالذات ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ کلام پاک "صدق تمام" نہ ہوگا جس کی شاہد آیت مذکورہ بالا ہے۔

اب صدق کلام کے یہ درجات اور آیتِ مذکورہ سے وجہ استدلال امام اہل سنت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں سنیے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

"باری عزّوجل کا کلام صدق وعدل کے درجۂ انتہا پر ہے جس کا مثل ان امور (صدق وعدل) میں متصور نہیں۔"

بیضاوی میں ہے:

بلغتِ الغايةَ أخبارُه و أحكامُه و مواعيدُه (صدقًا) في الأخبار والمواعيد (وعدلاً) في الأقضية والأحكام.[١]

(اللہ تعالیٰ کی خبریں اور احکام اور وعدے صداقت کی انتہا کو اور اس کے فیصلے و فرامین عدل و انصاف کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ن)

صدق قائل کے سات درجات ہیں:

پہلا درجہ: روایات و شہادات میں قطعًا کذب سے احتراز کرے اور مخاطبات میں بھی زنہار ایسا جھوٹ روانہ رکھے جس میں کسی کا اِضرار ہو، اگرچہ اسی قدر کہ غلط بات کا باور کرانا۔ مگر مزاحًا یا عبثًا ایسے کذب کا استعمال کرے جو نہ کسی کو نقصان دے، نہ سننے والا یقین لا سکے۔ مثلاً آج زید نے منوں کھانا کھایا، آج مسجد میں لاکھوں آدمی تھے۔ ایسا شخص کاذب نہ گنا جائے گا، یا آثم و مردودُ الروایہ نہ ہوگا، تاہم بات خلافِ واقع ہے اور محض فضول و غیر نافع، اگرچہ نفس کلام میں حکایتِ واقع مراد نہ ہونے پر دلیل قاطع۔ ولہٰذا حدیث میں ارشاد فرمایا:

إنّي وإن داعَبْتُكُم فلا أقولُ إلّا حقًّا.

أخرجه أحمدُ والترمذي بإسنادٍ حسن عن أبي هريرة رضي الله تعالى

---

(١) أنوار التنزيل وأسرار التاويل المعروف بـ تفسير البيضاوي، ج:٢، ص:١٧٩، سورة الأنعام: ٦، الأية:١١٥، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

عنه، عن النبي ﷺ.[۱]

(''میں تمھارے ساتھ تفریح کرتا ہوں تو بھی سچ ہی بولتا ہوں۔'')

(احمد و ترمذی نے باسنادِ حسن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث تخریج کی۔ ن۔)

دوسرا درجہ: ان لغو و عبث جھوٹوں سے بھی بچے، مگر نثر یا نظم میں خیالاتِ شاعرانہ ظاہر کرتا ہو، جس طرح قصائد کی تشبیبیں:

''بَانَتْ سُعادُ فقلبي اليوم متبول''.[۲] (سُعاد مجھ سے جدا ہوگئی تو میرا دل آج رنجیدہ ہے۔ ن)

سب جانتے ہیں کہ وہاں نہ کوئی عورت سُعاد نامی تھی، نہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر مفتون۔ نہ وہ ان سے جدا ہوئی، نہ یہ اس کے فراق میں مجروح۔ محض خیالاتِ شاعرانہ ہیں۔ مگر نہ فضول بحث، کہ یہ تشحیذ خاطر و تشویقِ سامع و ترقیقِ قلب و تزیینِ سخن کا فائدہ رکھتے ہیں، تاہم ازانجا کہ یہ بے محکی عنہ کے حکایت ہے فرمایا گیا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ[۳]۔ نہ ہم نے اسے (یعنی: اپنے رسول کو) شعر سکھایا، نہ وہ اس کی شان کے لائق۔ ﷺ۔

تیسرا درجہ: ان سے بھی احتراز کرے مگر مواعظ و اَمثال میں ان امور کا استعمال کرتا ہو جن کے لیے حقیقتِ واقعہ نہیں، جیسے ''کلیلہ دِمنہ'' کی حکایتیں، ''منطق الطیر'' کی روایتیں... سب جانتے ہیں وعظ

---

(۱) ☆ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٦٤٠، مسند المكثّرين/ مسندُ أبي هريرة، رقم الحديث: ٨٧٠٨.

☆ جامع الترمذي، ج:٢، ص: ٢٠، أبواب البر والصِّلة، باب ما جاء في المزاح.

مسند احمد اور جامع الترمذی میں مجھے ان مقامات پر حدیث کے یہ الفاظ ملے:

عن أبي هريرة قال: قيل: يا رسول الله، انك تُداعبنا، قال: إنّي لا أقول إلا حقًّا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ، آپ ہم سے تفریح کرتے ہیں: تو آپ نے فرمایا: میں (تفریح میں بھی) صرف حق بات ہی کہتا ہوں۔ ۱۲ منہ

(۲) المديح النبوي، ص: ١٤٨، قصيدة بانت سعاد، مجلس البركات.

(۳) القرآن الحكيم، سورة يٰس: ٣٦، الأية: ٦٩.

و نصیحت کے لیے یہ تمثیلی باتیں بیان کی گئی ہیں جن سے دینی منفعت مقصود ہو، پھر بھی اس کا مصداق معدوم ہے۔ اس لیے قرآن عظیم کو اساطیر الاولین. (پہلوں کے بے اصل قصے) کہنا کفر ہوا۔[1]

چوتھا درجہ: ہر طرح کی فرضی حکایت کو قصداً بیان کرنے سے کلی اجتناب کرے اگرچہ بوجہ سہو و خطا خلاف واقع حکایت کا ذکر ہو جائے۔ یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

پانچواں درجہ: اللہ عزّوجلّ سہواً و خطاءً بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو، یہ مرتبہ اَعاظمِ صدّیقین کا ہے۔

إنّ الله تعالیٰ يكره فوق سمائه أن يخطأ أبو بكرن الصّدّيق في الأرض. رواه الطبراني في "المعجم الكبير" و الحارث في "مسنده" واللفظ له. و ابن شاهين فى "السنّة" عن معاذ بن جبل رضي الله عنه عن النبيّ صلى الله تعالى عليه وسلم.[2]

(بے شک اللہ کو فوق السمٰوٰت یہ ناگوار ہے کہ ابوبکر صدیق سے زمین میں کوئی خطا ہو جائے۔ طبرانی نے "معجم کبیر" میں اور حارث نے اپنی "مسند" میں اور ابن شاہین نے "السنۃ" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی۔ ن)

---

(۱) "کفر ہوا" کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے نص قطعی کی تکذیب و انکار ہے، ارشاد باری ہے:

"اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾" (القرآن الحكيم، سورة المطففين، ۸۳، الآية:۱۳)

ترجمہ: جب اس پر (ہر سرکش پر) ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہے کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

نیز ارشاد ربانی ہے: "وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ." (القرآن الحكيم، سورة المطففين، ۸۳، الآية:۱۳)

ترجمہ: مشرکین (قرآن کریم کے بارے میں) بولے، یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انھوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے۔ (یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ) ۱۲ منہ

(۲) ● المعجم الكبير للإمام الطبراني، ج:۲۰، ص: ۶۷،۶۸ / من اسمه معاذ، رقم الحديث: ۱۲٤.

● بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، ج:۲، ص:۸۸۶، كتاب المناقب/ باب فضل أبي بكرن الصديق، المملكة العربية/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۸۷۰۸.

● السُّنة للإمام ابن شاهين. عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه.

● مسند الشاميين، ج:۳، ص:۲۷۵ / عبادة بن نسى عن عبد الرحمن بن غنم، رقم الحديث: ۲۲٤۷، موسسة الرسالة.

چھٹا درجہ: معصوم مِنَ اللہ و مُؤَیَّد بِالمعجزات ہو کہ کذب کا امکانِ وقوعی بھی نہ رہے، مگر بہ نظرِ نفسِ ذات، امکانِ ذاتی ہو۔

یہ رتبہ حضرات انبیاو مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

ساتواں درجہ: کذب کا امکانِ ذاتی بھی نہ ہو، بلکہ اس کی عظمتِ جلیلہ و جلالتِ عظیمہ بالذات کذب و غلط کی نافی و منافی ہو اور اس کی ساحتِ عزت کے گردِ اُس گَردِ لوث کا گزر محالِ عقلی ہو۔ یہ **"نہایتِ درجاتِ صدق"** ہے جس سے مافوق متصور نہیں۔

اب آیتِ کریمہ ارشاد فرما رہی ہے کہ تیرے رب کا صدق و عدل اعلیٰ درجۂ منتہیٰ پر ہے، تو واجب کہ جس طرح اس سے صدورِ ظلم و خلافِ عدل باجماعِ اہلِ سنت محالِ عقلی ہے، یوہیں صدورِ کذب و خلافِ صدق بھی عقلاً ممتنع ہو، ورنہ صدقِ الٰہی غایت و نہایت تک نہ پہنچا ہوگا کہ اس کے مافوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہوگا، یہ خود بھی محال اور قرآنِ عظیم کے خلاف ہے۔ [قدرے تسہیل و التقاط کے ساتھ][1]

تیسرا ثبوت: تسبیح باری کے تعلق سے آیات و احادیث:

(۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی اور پاکی بیان کرتی ہے:

ارشادِ ربانی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ .[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور وہ تمام جو ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بولتی ہو۔ ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر چیز اللہ کے پاک و بے عیب ہونے کا وظیفہ پڑھتی ہے۔

(۵) ساکنانِ ارض و سما بھی خدائے قدوس کی پاکی کا اعلان کرتے ہیں، فرمانِ خداوندی ہے:

---

(۱) الفتاوی الرضویة، ج:٦، ص: ٢٢٩، ٢٣٠، كتابُ السِّيَر / الرسالة: سبحٰنَ السُّبُّوح، سُنّي دار الإشاعة، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ١٧، الآية: ٤٤.

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ.[1]

ترجمہ: کیا تم نے دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمان اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے۔

(۶) بے عقل مخلوق بھی اللہ کی پاکی بیان کرنے میں رطب اللسان ہے، چناں چہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ○[2]

ترجمہ: اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بادشاہ ہے کامل پاکی والا، عزت والا، حکمت والا۔

(۷) عرش کے فرشتے بھی تسبیح کرتے ہیں، "سورۃ الغافر" میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ.[3]

ترجمہ: وہ جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے ہیں۔

(۸) سواری پر بھی اللہ کی پاکی کا اعلان کیا جائے، اس بارے میں قرآن نے یہ فرمان جاری کیا:

ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝.[4]

ترجمہ: پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو جب اس پر ٹھیک بیٹھ لو، اور یوں کہو "پاکی ہے اسے جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے قابو کی نہ تھی۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔"

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النور: ۲۴، الآیۃ: ۴۱.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الجمعۃ: ۶۲، الآیۃ: ۱.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الغافر: ۴۰، الآیۃ: ۷.

(۴) القرآن الحکیم، سورۃ الزخرف: ۴۳، الآیۃ: ۱۳، ۱۴.

(۹) خدائے قدیر اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے خود اپنی پاکی کا اعلان فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا.[۱]

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصا تک لے گئی۔

(۱۰) اللہ کی حمد و تسبیح کرنے والوں کے ایمان کی شہادت قرآن دیتا ہے:

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ.[۲]

ترجمہ: ہماری آیتوں پر وہی ایمان لے آتے ہیں کہ جب وہ انھیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں۔

(۱۱) تسبیح اللہ کے لیے ہے اور توقیر رسول اللہ کے لیے:

سورۃ الفتح میں ہے:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝[۳]

ترجمہ: (اے نبی) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا، تاکہ اے لوگو ● تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ ● اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو ● اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

اس آیت کریمہ "تُوَقِّرُوْهُ" پر وقف کر کے "وَ تُسَبِّحُوْهُ" کو اس سے جدا رکھا گیا ہے جس سے یہ ذہن ملتا ہے کہ تسبیح کے لائق صرف خدائے پاک کی ذات ہے اور یہ بس اسی کے شایانِ شان ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کی ذات کے لیے تعظیم و توقیر کا حکم ہوا، نہ کہ تسبیح کا۔

قرآن مقدس میں اس طرح کی کثیر آیات ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاک و بے عیب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الإسراء: ۱۷، الآیۃ: ۱.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ السجدۃ: ۳۲، الآیۃ: ۱۵.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الفتح: ۴۸، الآیۃ: ۸، ۹.

تسبیح کا معنی ہے جو چیز شانِ الٰہی کے لائق نہ ہو اس سے اللہ کی پاکی بیان کرنا، ہر عیب و نقص سے اللہ کی پاکی بیان کرنا، اور **سبحان** کا معنی ہے: تمام عیوب و نقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔

کذب، ظلم، جہل، حدوث، نوم، موت وغیرہ جتنی بھی سلبی صفات ہیں یہ کلمات ان سب سے اللہ تعالیٰ کے پاک و منزہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ شانِ الٰہی کے لائق نہ عیب و نقص ہیں، نہ امکانِ عیب و نقص، تو یہ الفاظ ان سب سے تنزیہ باری کی دلیل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی "تسبیح و تنزیہ" کامل ہے، ناقص نہیں اور کامل تسبیح و تنزیہ یہی ہے کہ وہ عیب و امکان عیب ہر ایک سے منزّہ و بری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تسبیح صرف اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے، اس کے سوا کسی اور کی نہیں۔

تسبیح کا ایک معنی عبادت کرنا، نماز پڑھنا بھی آتا ہے اور نماز نفل کو سُبحہ بھی کہا جاتا ہے مگر فی الواقع اس میں اور پہلے والے معنی میں کوئی منافات نہیں کیوں کہ جو ذات ہر طرح کے عیب و نقص اور امکانِ عیب و نقص سے پاک و منزہ ہوگی وہی ذات اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کی نماز پڑھی جائے اور وہ ذات صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات جامعِ کمالات ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ تسبیح صرف اللہ کی کی جاتی ہے، اللہ کے سوا کسی اور کی نہیں۔

لغاتِ عرب کی مستند کتاب "لسان العرب" میں ہے:

والتَّسبيحُ: التنزيه.

وسبحانَ الله: معناه: تنزيهاً لله من الصاحبة والولد.

وقيل: تنزيه الله تعالى عن كل ما لا ينبغي له أن يوصف به.

قال الزجاج: وسبحان: في اللغة تنزيه الله عز وجل عن السُّوء.

وقيل: قوله: سبحانك أي أُنزِّهك يا رب من كل سوء وأُبرِّئك... ومن صفات الله عز وجل السُّبُّوحُ القُدُّوسُ. قال أبو إسحق: السُّبُّوح: الذي يُنَزَّه عن كل سُوء. إهـ ملتقطا.[۱]

تسبیح کا معنی تنزیہ ہے اور سبحان اللہ کا معنی ہے اللہ بیوی، بچے سے منزہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایسی چیز سے منزہ ہے جس سے موصوف ہونا اس کے لیے مناسب نہیں۔

---

(۱) لسان العرب، ج:۳، ص:۱۹۱۴، ۱۹۱۵، باب السین، دار المعارف، قاهره.

زجاج نے کہا کہ سبحان کا لغوی معنی ہے: اللہ ہر عیب اور بُری چیز سے پاک ہے۔

اور کہا گیا کہ سُبحانَك کا معنی ہے: اے اللہ! ہر عیب اور بُری چیز سے تجھے پاک وبَری مانتا ہوں۔

اور اللہ عزوجل کے صفات سے السُّبُّوح القُدوس ہے۔ امام ابو اسحاق نے فرمایا کہ سُبُّوح وہ ہے جو ہر قبیح وبری چیز سے منزہ ہو۔

تسبیح اور سبحان کے یہ معانی ہر عیب ونقص سے اللہ تعالی کے پاک ومنزہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور تنزیہ کامل یہی ہے کہ وہ نقص وامکان نقص دونوں سے پاک ہو۔

ورَوى الأزهري بإسناده أن ابن الكَوَّاء سأل علياً رضوان الله تعالى عليه عن ''سبحانَ الله'' فقال: كلمةٌ رضيها الله لنفسه فأوصىٰ بها.[1]

ازہری نے اپنی اسناد سے روایت کیا کہ ابن الکوّا نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے سبحان اللہ کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے اللہ نے اپنے لیے پسند فرمایا اور اس کے ورد کی تاکید فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ تسبیح صرف اللہ کی پڑھی جاتی ہے اور سبحان کا اطلاق اللہ کی ذات پر ہوتا ہے اور یہ عمل اللہ عزوجل کو اس قدر محبوب وپسندیدہ ہے کہ اس نے انسان، جن، فرشتے اور شجر وحجر ہر چیز کو اپنی تسبیح کے لیے مامور ومسخّر فرمادیا ہے، یہاں تک کہ خود بھی اپنی پاکی کا بیان فرماتا ہے۔

چوتھا ثبوت: اللہ کے جیسی کوئی چیز نہ ہونے کا اعلان:

(۱۲) اللہ تعالی اپنی سلبی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان فرماتا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾.[2]

ترجمہ: اس کے جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ سنتا، دیکھتا ہے۔

اشیا دو طرح کی ہیں:

---

(۱) لسان العرب، ج:۳، ص:۱۹۱۴، باب السين، دار المعارف، قاهره.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الشُّورىٰ: ٤٢، الآية: ١١.

● کچھ وہ جو کذب اور دوسرے عیوب و نقائص سے ملوث ہوتی ہیں ● اور کچھ وہ جو کذب وغیرہ عیوب و نقائص سے ملوث تو نہیں ہوتیں، مگر امکانِ عقلی پایا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بالاتر ہے، اس کے جیسی کوئی چیز نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ کذب وغیرہ عیوب سے نہ ملوث ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے یہاں اس کا امکان پایا جاتا ہے۔

تنزیہ باری کا ثبوت احادیث نبویہ سے

اب ہم سید الانبیاء، افضل الرسل، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث کریمہ پیش کرتے ہیں جن سے بخوبی عیاں ہو جائے گا کہ اللہ عزّوجلّ کا کلام سب سے اچھا اور سب سے سچا ہے اور اس کو یہ لازم ہے کہ اس میں کذب کا کوئی امکان نہ پایا جائے۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ ... وَيَقُولُ: أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهدي هدي مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُها، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بھی بلند ہو جاتی... اور فرماتے: أمّا بعد! بے شک سب سے بہتر کلام، کتابُ اللہ ہے اور سب سے بہتر ہدایت/سیرت محمد ﷺ کی ہدایت/سیرت ہے۔ اور سب سے بُرے کام بدعات (دین میں کتاب و سنت کے خلاف نئی باتوں کی ایجادات) ہیں اور ہر بدعت گمرہی ہے۔

پھر فرماتے: ● مجھے ہر مومن پر اس کی اپنی ذات سے زیادہ ولایت ہے ● جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے ● اور جو دَین (قرض) یا محتاج بچے چھوڑے تو وہ قرض اور بچوں کی کفالت

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۲۸۴، كتاب الجمعة / فصلٌ في خطبة الجمعة، مجلس البركات الجامعة الأشرفيه، مبارك فور.

میرے ذمہ ہے۔

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ يَحْمَدُ اللهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ يَقُولُ: "مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ. **إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ** وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ".(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خطبے میں اللہ تعالیٰ کے شایان شان اس کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرماتے:

جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ بے شک سب سے سچا کلام کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھی ہدایت / سیرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت / سیرت ہے اور سب سے بُرے امور دین میں کتاب وسنت کے خلاف نئی نئی ایجادات وبدعات ہیں، دین میں کتاب وسنت کے مخالف ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

(۳) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- كَانَ يَقُولُ فِي صَلاَتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ « أَحْسَنُ الْكَلاَمِ كَلاَمُ اللهِ وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- ».(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی نماز میں بعد تشہد فرمایا کرتے کہ سب سے اچھا کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے اچھی سیرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

(٤) عَنْ مُخَارِقٍ: سَمِعْتُ طَارِقًا قَالَ : قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ

---

(۱) ● سنن النسائي، كتاب صلاة العيدين/ بابٌ كيف الخطبة. ص: ۱۸٦، رقم: الحديث: ۱۵۷۸، بيت الأفكار الدولية.

● و سنن ابن ماجه ص: ۲۲۰، كتاب المقدمة / باب اجتناب البِدَع والجدل، بيت الأفكار الدولية.

(۲) سنن النسائي، ص: ۱٥٤، كتاب السِّيَر/ باب نوع آخر الذكر بعد التشهد، بيت الأفكار الدولية.

كِتَابُ اللهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. [۱]

ترجمہ: مخارق کا بیان ہے کہ میں نے طارق سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے اچھی بات "کتاب اللہ" (اللہ کا کلام) ہے اور سب سے اچھی ہدایت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ کذب بُری بات ہے، وہ "اچھی" وہ بھی "سب سے اچھی بات" نہیں ہو سکتا۔

(۵) أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ: سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا. [۲]

ترجمہ: عمرو بن مُرّہ نے بتایا کہ میں نے مُرّہ ہمدانی سے یہ فرماتے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے اچھا کلام، کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھی ہدایت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت ہے، اور سب سے بُرے امور بدعات (دین میں کتاب و سنت کے خلاف نئی باتوں کی ایجاد) ہیں۔

(٦) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ، الْكَلَامُ وَ الْهَدْيُ ، فَأَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ ، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ. [۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو چیزیں ہیں، کلام اور ہدایت۔ تو سب سے اچھا کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے اچھی ہدایت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔

تقریر استناد: ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام اقدس کو:

● "خيرُ الحديث" ● أَحسَنُ الحديث ● أحسنُ الكلام ● اور أَصْدَقُ

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۰۱، كتاب الأدب / بابٌ في الهدي الصالح، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) صحيح البخارى، ج:۲، ص: ۱۰۸۰، ۱۰۸۱ ، كتاب الاعتصام/ باب الاقتداء بسُنَن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الاشرفية، مبارك فور .

(۳) سنن ابن ماجه، ص: ۲۳، كتاب المقدمة / باب اجتناب البدع و الجدل، بيت الأفكار الدولية.

الحدیث“ بتایا ہے۔ یعنی:

● ”سب سے بہتر بات ● سب سے اچھی بات ● سب سے اچھا کلام ● سب سے سچی بات“۔

یقیناً جو کلام سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہوگا وہ ضرور سب سے زیادہ سچا بھی ہوگا، اور جو کلام سب سے زیادہ سچا ہوگا وہ ضرور سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہوگا۔ یہ اوصاف کلام الٰہی کے حق میں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ اسی کی شہادت کلام اللہ بھی دیتا ہے کہ اللہ کا قول سب سے زیادہ سچا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا [1] وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا [2]

ان آیات سے استدلال کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خبر واحد، خبرِ مشہور، و خبر متواتر میں سب سے زیادہ سچی، پکی، قطعی، یقینی بات خبر متواتر ہے تاہم یہاں بھی کذب کا امکانِ ذاتی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات سب سے زیادہ بہتر اور اچھی اور سچی ہے تو یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی بات میں کذب کا امکان ذاتی بھی نہ رہے، ورنہ اس کا قول اور خبرِ اہل تواتر ایک درجے کے ہوں گے، حالاں کہ یہ ایک درجے کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول اس سے بھی زیادہ سچا اور اچھا اور بہتر ہے۔

یہاں اس نکتے کی طرف بھی توجہ مبذول کرنا چاہیے کہ ان احادیث میں کلامِ الٰہی کو سب سے اچھا، سچّا اور بہتر بتانے کے بعد فوراً یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ سب سے برے امور مُحدَثات و بدعات ہیں یعنی دین میں کتاب و سنت کے مخالف نئی نئی باتوں کی ایجاد۔ آخر اس موقع سے اس کا ذکر کیوں کیا گیا اور کلام الٰہی کی اَصدقیت سے اس کا کیا لگاو؟

میں سمجھتا ہوں کہ کلام الٰہی کی اَصدقیت سے اس کا جانبِ مخالف میں گہرا لگاو ہے۔ وہ یہ کہ مذہبِ اسلام کے دین حق، دین ہدایت، دین صادق، و دینِ سماوی ہونے کے لیے کلام الٰہی کا ہر کلام سے بہتر، ہر کلام سے اچھا اور سچا ہونا ضروری ہے جس سے امکانِ کذبِ ذاتی کی نفی لازمی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ١٢٢.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النسّاء: ٤، الآیۃ: ٨٧.

طور پر ہر صاحب عقل و فہم سمجھتا ہے اور اس پر ارباب عقل و دانش کا اجماع بھی ہے اور یہی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا مفاد بھی۔

لیکن ان سب کے بر خلاف امکانِ کذبِ الٰہی کا عقیدہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ "اللہ جھوٹ بول سکتا ہے" یقیناً "شرُّ الأمور" ہے سب سے بُری بات اور بدتر کام۔ یہ دین اسلام میں ایک ایسے عقیدے کا اظہار ہے جو نہ کتاب اللہ میں ہے، نہ سنتِ رسول اللہ میں، نہ اجماع میں اور سلف و خلف سب اس سے ناآشنا ہیں۔ یہ ہے وہ بدعت جو گمراہی ہے۔ کلّ بدعة ضلالةٌ.

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دانائے غیوب، نبیِ مُرتضیٰ، ہادیِ امت ﷺ کو وحیِ الٰہی سے یہ معلوم تھا کہ توحید کا کلمہ پڑھنے والا ایک فرقہ اس امت میں رونما ہوگا جو کلامِ الٰہی کے اَحْسَن و اَصْدَق ہونے کو چیلنج کرے گا، اس لیے آپ نے پہلے ہی ایک کلامِ جامع کے ذریعہ اس بدعت کی خبر دے دی کہ "خیرُ الحدیث" کلام اللہ ہے اور "شرُّ الحدیث" اس کے خلاف عقیدے کا اظہار ہے۔ کاش کہ یہ مدّعیانِ حدیث، اس حدیث کا کچھ احترام کرتے۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلّم: كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ."(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

دو کلمے رحمٰن کو محبوب، زبان پر ہلکے، میزان میں بھاری ہیں:

- سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ
- سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ.

(۸) عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ،رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ. . . .وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلاَةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ، إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ

---

(۱) ☆ صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۱۱۲۸، ۱۱۲۹ ، كتاب التوحيد/ باب قول الله تعالى: ونضع الموازين القسط وأن أعمال بني أدم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه مبارك فور .
☆ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۳٤٤، كتاب الذكر والدعاء/ بابُ فضلِ التَّهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلاَتِهِ فَلْيَقُلْ: "سُبْحَانَ اللهِ." (۱)

ترجمہ: ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ... رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اے لوگو! کیا بات ہے کہ جب تمھیں نماز میں کچھ بتانے کی حاجت پیش آئی تو تم لوگ تالی بجانے لگے، تالی تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔ جسے نماز میں کچھ بتانے کی حاجت ہو وہ "سُبْحَانَ اللهِ." پڑھ دیا کرے۔

(۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم، فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلاَ وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا وَيَعْتَمِرُونَ وَيُجَاهِدُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ.

قَالَ: أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ بِأَمْرٍ إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلاَّ مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وَتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فقرائے صحابہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مال دار صحابہ نے اپنے مال کی وجہ سے بلند درجات اور ہمیشگی کی نعمت حاصل کرلی، وہ ہم لوگوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے اموال کی وجہ سے

- حج کرتے ہیں۔
- عمرہ کرتے ہیں۔
- جہاد کرتے ہیں۔
- اور صدقہ کرتے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۶۲، كتاب التهجد/ باب رفع الأيدي في الصّلاة لأمرٍ ينزل به، مجلس البركات.

(۲) ☆ صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۱۶، كتاب الأذان/ باب الذّكر بعد الصّلاة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه مبارك فور.

☆ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۲۱۷، كتاب المساجد/ باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بيان صفته، مجلس البركات.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھیں ایسا وظیفہ نہ بتادوں جسے پڑھ کر تم لوگ سبقت لے جانے والے صحابہ کے درجے تک پہنچ جاؤ اور تمھارے بعد کوئی تمھارے درجے کو نہ پا سکے، اور تم موجودہ صحابہ سے افضل ہو جاؤ، اِلّا یہ کہ وہ بھی وہ وظیفہ پڑھنے لگیں۔

ہر نماز کے بعد ۳۳/ بار **سبحان اللہ** پڑھو — اور ۳۳/ بار الحمد للہ پڑھو — پھر ۳۴/ بار اللہ اکبر۔

(١٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: "مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ".[١]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا... جو دن میں سو بار "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" پڑھے تو اس کے (صغیرہ) گناہ مٹا دیے جائیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

(١١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- «مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ وَحِينَ يُمْسِي: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ. لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلاَّ أَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ عَلَيْهِ».[٢]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو صبح وشام "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" سو سو بار پڑھے تو قیامت کے دن کوئی اس سے افضل وظیفہ لے کر نہ آئے گا مگر یہ کہ کسی نے یہی وظیفہ سو بار پڑھا ہو (تو وہ فضیلت میں برابر ہوگا) یا سو سے زیادہ پڑھا (تو وہ افضل ہوگا)۔

(١٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- «لأَنْ أَقُولَ "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ" أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا

---

(١) ☆ الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ٣٤٤، كتابُ الذّكر والدعاء/ باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

☆ صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٩٤٨، كتاب الدعوات/ بابُ فضلِ التّسبيح، مجلس البركات.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ٣٤٤، كتابُ الذكر والدعاء/ بابُ فضلِ التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ».[۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" میرے نزدیک دنیا کے تمام اذکار سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

● ان دونوں حدیثوں میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ ظاہر یہ ہے کہ عام اَذکار کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے یا مخصوص اوقات واحوال کے لحاظ سے ہے، ورنہ کلام اللہ کی فضیلت تو تمام اَذکار سے زیادہ ہے۔

(۱۳) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلی الله تعالی علیه وسلم- "أَحَبُّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ أَرْبَعٌ: ● سُبْحَانَ اللّٰهِ ● وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ● وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ ● وَاللّٰهُ أَكْبَرُ."[۲]

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام چار ہیں:

● سُبْحَانَ اللّٰهِ ● وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ● وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ ● وَاللّٰهُ أَكْبَرُ.

کہ اول میں ہر عیب ونقص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی کا، اور دوسرے میں اس کے تمام صفات کمالیہ کے جامع ہونے کا، تیسرے میں اس کی توحید کا، اور چوتھے میں اس کی کبریائی کا اعلان ہے۔

(۱٤) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-: «أَلاَ أُخْبِرُكَ بِأَحَبِّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَخْبِرْنِي بِأَحَبِّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ. فَقَالَ: إِنَّ أَحَبَّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ».[۳]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۳٤٥، كتابُ الذكر والدعاء/ بابُ فضلِ التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۲۰۷، كتاب الآداب/ باب كراهةِ التسمية بالأسماء القبيحة وبنافع ونحوه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۳٥۱، كتابُ الذكر والدّعاء/ باب فضل سُبْحَانَ الله وبحمده، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: عبد اللہ بن صامت سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں بارگاہِ الٰہی کا سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ کلام نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ کلام "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے۔

(١٥) عَنِ ابْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- سُئِلَ أَيُّ الْكَلاَمِ أَفْضَلُ قَالَ « مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلاَئِكَتِهِ أَوْ لِعِبَادِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ».(١)

ترجمہ: عبد اللہ بن صامت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کلام افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو کلام اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں یا اپنے بندوں کے لیے چُن لیا ہے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ"۔

مطلب یہ ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں جیسے: "الرحمٰن الرحیم" ان میں یہ کلمات اس لیے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہیں کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" پڑھ کر بندہ یہ اعلان کرتا ہے کہ خدائے قدّوس ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ اور "وَبِحَمْدِهٖ" پڑھ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے، مختصر کلموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بڑی جامع تعریف ہے اس لیے اسے یہ کلمات بہت محبوب ہیں۔

(١٦) عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ « سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ».(٢)

ترجمہ: حضرت مسروق سے روایت ہے کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ" پڑھا کرتے تھے۔

(١٧) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، أَنَّ عَائِشَةَ نَبَّأَتْهُ أَنَّ رَسُولَ

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ٣٥١، كتاب الذكر والدعاء/ باب فضل سُبحان الله وبحمده، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ١٩٢، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسُّجود، مجلس البركات، مبارك فور.

اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ « سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ ».[1]

ترجمہ: مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع وسجود میں "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" پڑھا کرتے تھے۔

(۱۸) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ -صلَّى الله تعالى عليه وسلم- ذَاتَ لَيْلَةٍ .... ثُمَّ رَكَعَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» . ... ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى».[2]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں ایک شب نماز پڑھی۔ حضور رکوع میں " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ " اور سجدہ میں " سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى " پڑھتے تھے۔

(۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الحَارِثِ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهَا وَهِيَ فِي مَسْجِدٍ ثُمَّ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا قَرِيبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ ، فَقَالَ لَهَا : مَا زِلْتِ عَلَى حَالِكِ فَقَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ : أَلا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهَا: ● "سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ."

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص: ۱۹۲، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسُّجود، مجلس البركات، مبارك فور .

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱،ص: ٢٦٤، كتاب صلاة المسافرين وقصرها/ باب استحبابِ تطويلِ القراءة في صلاة الليل، ، مجلس البركات، مبارك فور .

● جامع الترمذي، ج:۱،ص: ٣٦، أبواب الصلاة/ باب ما جاء في التسبيح في الرُّكوع والسجود، مجلس البركات، مبارك فور.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس جُویریہ بنت حارث سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور وہ مسجد میں تھیں، پھر نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے نصف النہار کے قریب گزرے اور وہ اسی حال پر تھیں تو حضور نے فرمایا: کیا میں تمھیں کچھ کلمات نہ سکھادوں جو تم پڑھتی رہو۔ (پھر آپ نے انھیں یہ کلمات سکھائے:)

● "سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ."

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲۰) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- فَقَالَتْ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي صَلاَتِي. فَقَالَ « كَبِّرِي اللَّهَ عَشْرًا وَسَبِّحِي اللَّهَ عَشْرًا وَاحْمَدِيهِ عَشْرًا. ثُمَّ سَلِي مَا شِئْتِ يَقُولُ نَعَمْ نَعَمْ ». قَالَ: وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي رَافِعٍ. قَالَ أَبُو عِيسَىٰ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[۲]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں صبح سویرے آئیں اور عرض کیا کہ حضور مجھے کچھ کلمات سکھادیں جو میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دس بار "اللّٰہ أکبر" کہو، دس مرتبہ "سُبحان اللّٰہ" کہو، اور دس مرتبہ "الحمدُ للّٰہ" پڑھو۔ پھر جو چاہو اللہ سے دعا کرو، وہ فرمائے گا: ہاں، میں نے قبول کیا، ہاں تمھاری دعا مقبول ہے۔

اس باب میں حضرت ابن عباس، عبد اللہ بن عمرو اور فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

امام ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۱۹٤، ۱۹۵، أبواب الدعوات/ باب منه، مجلس البركات.

(۲) جامع الترمذي، ج:۱، ص: ٦۳، أبواب الوتر/ باب ما جاء في صلاةِ التسبيح، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲۱) حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَلِيٍّ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْلَةً حِينَ فَرَغَ مِنْ صَلاَتِهِ :

"اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي، وَنُورًا فِي قَبْرِي، وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَنُورًا مِنْ خَلْفِي، وَنُورًا عَنْ يَمِينِي، وَنُورًا عَنْ شِمَالِي، وَنُورًا مِنْ فَوْقِي، وَنُورًا مِنْ تَحْتِي ، وَنُورًا فِي سَمْعِي ، وَنُورًا فِي بَصَرِي ، وَنُورًا فِي شَعْرِي ، وَنُورًا فِي بَشَرِي ، وَنُورًا فِي لَحْمِي ، وَنُورًا فِي دَمِي ، وَنُورًا فِي عِظَامِي ، اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا ، وَأَعْطِنِي نُورًا ، وَاجْعَلْ لِي نُورًا ، سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ العِزَّ وَقَالَ بِهِ ، سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ ، سُبْحَانَ الَّذِي لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ، سُبْحَانَ ذِي الفَضْلِ وَالنِّعَمِ ، سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالكَرَمِ، سُبْحَانَ ذِي الجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ.

قَالَ أَبُو عِيسَىٰ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ، لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى مِنْ هَذَا الوَجْهِ.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شب—جب آپ نماز سے فارغ ہوئے—یہ پڑھتے ہوئے سنا:

اللّٰهُمَّ • اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي • وَنُورًا فِي قَبْرِي • وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ • وَنُورًا مِنْ خَلْفِي • وَنُورًا عَنْ يَمِينِي • وَنُورًا عَنْ شِمَالِي • وَنُورًا مِنْ فَوْقِي • وَنُورًا مِنْ تَحْتِي • وَنُورًا فِي سَمْعِي • وَنُورًا فِي بَصَرِي • وَنُورًا فِي شَعْرِي • وَنُورًا فِي بَشَرِي • وَنُورًا فِي لَحْمِي • وَنُورًا فِي دَمِي • وَنُورًا فِي عِظَامِي • اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا • وَأَعْطِنِي نُورًا • وَاجْعَلْ لِي نُورًا • سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ العِزَّ وَقَالَ بِهِ • سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ • سُبْحَانَ الَّذِي لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ • سُبْحَانَ ذِي الفَضْلِ وَالنِّعَمِ • سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالكَرَمِ • سُبْحَانَ ذِي الجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ.

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہمیں یہ حدیث ابن ابو لیلیٰ کی اس سند سے ہی معلوم ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۷۸، أبواب الدّعوات/ باب منه، مجلس البركات.

افادات:

ان احادیث شریفہ سے بہت سے افادات حاصل ہوتے ہیں، ہم چند بیان کرتے ہیں:

افادہ (۱): ان احادیث کریمہ سے جہاں تسبیح و تقدیس کے فضائل معلوم ہوتے ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدائے سُبّوح و قُدوس نے کثرت سے اس کے پڑھنے کا اعلیٰ اہتمام فرمایا ہے۔ ● فرشتوں کے لیے یہ وظیفہ منتخب فرمایا تاکہ وہ برابر پڑھتے رہیں ● اور انسانوں کو اپنے محبوب ﷺ کے ذریعہ اس کی ترغیب دی تاکہ وہ بھی اس وظیفہ میں رطب اللسان رہیں ● نماز جیسی افضلُ العبادات کے اہم ارکان رکوع و سجود میں اس کا پڑھنا مستحب قرار دیا تاکہ جو بندۂ صالح عام احوال و اوقات میں اس کا ورد کسی وجہ سے نہ کر سکے تو وہ نماز میں ضرور پڑھ لے ● یہاں تک کہ کائناتِ عالم کی ہر چیز کو اپنی تسبیح کے لیے مامور فرمادیا، حیوانات، نباتات، جمادات اور ان کے سوا ساری مخلوقات اس کی پاکی بیان کرتی ہیں ● اپنے اسمائے حُسنیٰ میں سُبُّوح، قُدُّوس کو بھی پسند فرمایا جو ہر عیب و امکانِ عیب اور نقص و امکانِ نقص سے اس کی تنزیہ و پاکی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ ہر عیب و نقص سے خدائے کریم کا ازلاً، ابداً پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے جس کا اعتراف ہر ذی عقل و بے عقل اور شجر و حجر ہر چیز کرتی اور اسے پاک و بے عیب مانتی ہے۔

افادہ (۲): ساتھ ہی بار بار اس کی ہدایت و ترغیب دے کر اور ہر چیز کی تسبیح خوانی کا اعلان کر کے، اور اپنے کو سُبُّوح و قُدُّوس بنا کر اپنے بندوں کو یہ شعور و اذعان بخشا ہے کہ ذات الٰہی کذب و امکانِ کذب، یوں ہی ہر طرح کے عیب و امکانِ عیب سے پاک ہے مگر یہ اذعان و شعور اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو تسبیح کے مفہوم کو سمجھ کر دل سے اسے پڑھے، ایسا نہ ہو کہ حلق سے آگے نہ بڑھے، یا بے سمجھے بلا اعتقادِ معنی پڑھتا رہے۔

افادہ (۳): تسبیح اسی کی شان ہے: "لا ینبغی التّسبیحُ إلّا لہٗ" کیوں کہ وہ ہر طرح کے عیب و نقص کے امکانِ ذاتی سے پاک ہے جس سے اس کی ذات سے امکانِ کذب کی بھی نفی ہوتی ہے۔

تسبیح، سُبحان، اور سُبوح کے معانی امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ لکھتے ہیں:

قال أهلُ العربية وغيرُهم: التسبيح: التنزيه. وقولهم: "سبحانَ الله" منصوبٌ على المصدر، يقال: سبَّحتُ الله تسبيحا و سبحانا. فسبحانَ اللهِ معناه: براءةً

وتنزيها له من كل نقص وصفة للمُحدث،اھ.[1]

ترجمہ: اہل عربیہ اور دوسرے علما فرماتے ہیں کہ تسبیح کے معنی ہیں تنزیہ، پاکی بیان کرنا، اور سُبحانَ الله مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ پوری عبارت ہوگی: "سبَّحتُ الله تسبيحا وسُبحانا" توسُبحان کا معنی ہے "میں نے حادث کے ہر نقص اور ہر صفت سے اللہ کی تنزیہ وپاکی بیان کی۔"

ومعنیٰ "سُبُّوح" المبرأ من النّقائص والشريك وكلِّ ما لا يليق بالإلٰهية، و"قدُّوس" المطهر من كل م لا يليق بالخالق.[2]

ترجمہ: "سبُّوح" کے معنی ہیں "وہ ذات جو نقائص سے، شریک سے اور ان تمام چیزوں سے جو الوہیت کے منافی ہوں پاک ومبرا ہے۔

حادث کی جملہ صفات اور نقائص، الوہیت کے منافی ہیں تو اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ "سبُّوح" حادث کی ہر صفت ونقص سے پاک ہوتا ہے۔

وقد سبق أن معنى التسبيح التنزيه عمّا لا يليق به سبحانَهٗ وتعالىٰ من الشّريك والولد والصاحبة والنقائص مطلقا وسمات الحدوث مطلقا.[3]

ترجمہ: پہلے بیان ہو چکا کہ تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی ان تمام چیزوں سے پاک ومنزہ ہے جو اس کے شایان شان نہیں۔ تو وہ شریک سے، اولاد وزن سے اور مطلقا جملہ نقائص سے اور علی الاطلاق تمام علاماتِ حدوث سے منزہ ہے۔

تقریرِ استدلال: کذب، ظلم، جہل، نوم، احتیاج، عجز، موت نقائص سے ہیں اور ان امور کا امکان علامات حدوث سے۔ تو ثابت ہوا کہ اللہ جل شانہ کذب وامکانِ کذب سے پاک ہے، یوں ہی

---

(۱) المنهاج شرح الإمام النووی لصحيح مسلم، المطبوع مع الصحيح، ج:۱،ص: ۱۹۲، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسجود، مجلس البركات.

(۲) المنهاج شرح الإمام النووی لصحيح مسلم، المطبوع مع الصحيح، ج:۱،ص: ۱۹۲، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسجود، مجلس البركات.

(۳) المنهاج شرح الإمام النووی لصحيح مسلم، المطبوع مع الصحيح، ج:۲، ص: ۳۴۵، كتاب الذكر والدعاء والتوبة/ باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

علی الاطلاق ہر طرح کے نقص وامکانِ نقص سے بھی پاک ومنزہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تسبیح سوائے خدائے قدوس کے کسی اور کی نہیں پڑھی جاتی کیوں کہ بڑی سے بڑی ہستی نقائص سے پاک ہو سکتی ہے، بلکہ ہوتی ہے مگر حدوث کی ساری صفات وعلامات — جیسے اونگھ، نیند، کھانا، پینا، بول وبراز، عجز، یہاں تک کہ وفات وامکانِ وفات اگرچہ ایک آن کے لیے کسی — سے پاک ومنزّہ نہیں جو علی الاطلاق ان سب سے منزّہ ہو اسی کی شان سبّوحیت وقدوسیت ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی تسبیح کی جائے۔ اسی لیے سید کائنات ﷺ نے اپنی بعض احادیث میں فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِي لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ.(۱)

پاک ہے وہ ذات کہ اس کے سوا کسی کے لیے تسبیح مناسب نہیں۔

عقیدۂ اہل سنت کی تائید:

(۲۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ الله يعتذر إلىٰ آدم يوم القيامة بثلاثة معاذير:

يقول الله تعالى: يا آدم! لولا أني لعنتُ الكذّابين وأبغضتُ الكذب والخلف وأوعدتُ عليه لَرحمتُ اليومَ ذُرِّيَّتك أجمعين مِن شِدَّة ما أعددتُ لهم من العذاب، ولكن حق القول منّي لمن كذّب رُسُلي وعصىٰ أمري، لَأملأنّ جهنّم منهم أجمعين.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے (آپ کی اولاد کے بارے میں) اپنے فیصلے کے تعلق سے تین صفائیاں دے گا:

- اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! اگر میں نے کذّابین پر لعنت نہ کی ہوتی اور جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بغض نہ رکھتا، اور اس پر میں نے وعید نہ کی ہوتی تو آج میں تیری ساری اولاد پر ضرور

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۱،ص:۶۳، أبواب الوتر / باب ما جاء في صلاة التّسبيح، مجلس البركات، مبارك فور .

(۲) كنز العمّال في سنن الأقوال و الأفعال ج ۲، ص: ۱۹۳۵، رقم الحديث: ۳۹۷۶۸، كتاب القيامة/ الميزان، بيت الأفكار الدولية.

رحم فرماتا اور جو عذاب شدید میں نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اس سے نجات عطا فرما دیتا۔ لیکن میرا قول حق ہے کہ جو میرے رسولوں کو جھٹلائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو میں ضرور جہنم کو ان سب سے بھر دوں گا۔

یہ حدیث امام حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نوادر الاصول میں تخریج کی ہے اس کی ابتدا میں کچھ اضافہ ہے جو مع سند یہ ہے:

حدّثنا عبدُ الله بن أبي زياد، قال: حدّثنا سيّار، قال: حدّثنا أبوعاصم العُباداني، قال: حَدّثنا الفضلُ بن عيسىٰ، عن الحسَن قال: خَطَبَنا أبوهريرة رضي الله تعالى عنه على منبرِ رسولِ الله صلّى اللهُ تعالىٰ عليه وسلَّم بالمدينة، فقال: سمعتُ رسولَ الله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم يقول: إنّ الله يعتذر إلى آدم يوم القيامة بثلاثة معاذير ... إلخ.[1]

ترجمہ: ہم سے عبد اللہ بن زیاد نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے سیّار نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے ابوعاصم عُبادانی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے فضل بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، وہ حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ (اولادِ آدم کے متعلق اپنے فیصلے کا عین حق ہونا واضح فرمانے کے لیے) حضرت آدم کو تین طرح سے صفائی دے گا۔ آخر تک۔

یہ حدیث ضعیف ہے، یہاں اسے صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ جو عقیدہ عقلِ سلیم اور کتاب و سنت و اجماعِ امت سے ثابت ہے اس کی تایید اس حدیث سے ہو جائے۔

اس حدیث پاک میں یہ صراحت ہے کہ:

- اللہ تعالیٰ جھوٹ اور وعدہ خلافی کو مبغوض رکھتا ہے۔
- اور کذب و خلف پر اللہ نے وعید فرمائی ہے۔

---

(۱) نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول ص: ۶۷۱، رقم الحديث: ۹۲۶، الأصل التاسع والستون و المأئة، مكتبة الإمام البخاري، قاهره.

اس لیے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اپنے اور اپنے رسولوں کے نافرمانوں پر رحم نہیں فرمائے گا اور انھیں جہنم میں ڈال دے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے کذب اور وعدہ خلافی ناممکن ہے کہ جو چیز اس کی نگاہ میں مبغوض ہے وہ اس کے لیے ممکن نہ ہوگی۔

تنزیہ باری کا ثبوت اجماعِ مسلمین سے:

اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے اس پر اجمالی طور پر عامۂ مسلمین کا اجماع ہے کیوں کہ جس سے بھی معلوم کیجیے وہ یہی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ پاک، بے عیب ہے اور اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اس سے نفرت و ناگواری کا اظہار کرے گا۔

خلاصۂ کلام:

یہ تین طرح کے دلائل ہوئے:

- عقلی دلائل
- کتاب و سنت کے دلائل
- عامۂ مسلمین کا اجماع

یہ سب اس امر کے شاہد ہیں کہ خداے سُبّوح و قدّوس کذب اور ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے، ساری کائنات عالم اسے سراہتی اور اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ خود خداے برتر و توانا بھی اپنی پاکی اور اصدقیت کا اعلان کرتا ہے اس لیے اہل حق - اہل سنت و جماعت - اس کے حق میں کذب و امکانِ کذب کو محال ذاتی مانتے ہیں۔ کاش وہابیہ اپنے اس عقیدے سے باز آکر ان دلائل کی روشنی میں اپنی اصلاح کرلیں اور خداے قدّوس کی اَصدقیت کے قائل ہو جائیں۔

دوسرا مسئلہ

ختم نبوت

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

عقیدۂ ختم نبوت کی تشریح اور اسلام میں اس کی اہمیت:

اس امر پر ساری امتِ مسلمہ کا سلفًا، خلفًا اجماع ہے کہ حضور سید عالم، تاجدار بنی آدم و آدم، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ہیں، یعنی سارے نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری اور پچھلے نبی۔ حضور کے ساتھ، یا حضور کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت ملنی ناممکن و محال ہے۔

پھر یہ عقیدہ نہ صرف یہ کہ اجماعی و قطعی ہے، بلکہ ضروریاتِ دین سے بھی ہے لہٰذا اگر کوئی آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے، یا اس میں شک کرے، یا آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنی ممکن جانے تو وہ اسلام سے خارج و کافر ہو جائے گا۔

علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”شرح الفرائد“ میں لکھتے ہیں:

تجویزُ نبيٍّ مع نبيّنا صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم، أو بعدَه يستلزم تكذيبَ القراٰن، إذ قد نصّ علىٰ أنّه خَاتَمُ النبيّين و اٰخِر المرسلين ... فأجمعتِ الأمّة على إبقاءِ هذا الكلام علىٰ ظاهره، و هذهِ إحدى المسائل المشهورة الّتي كفّرْنَا بها الفلاسفةَ.

لعنهم الله تعالىٰ .اھ ملتقطاً[۱]

ترجمہ: "ہمارے نبی (احمد مجتبیٰ) ﷺ کے ساتھ، یا آپ کے بعد کسی نبی کی آمد ممکن ماننا تکذیبِ قرآن کو مستلزم ہے کیوں کہ قرآن نے صراحت فرمادی ہے کہ آپ خاتم النبیین و آخرِ المرسلین ہیں ... اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے اور یہ ان مسائل مشہورہ میں سے ایک ہے جن کے باعث ہم علمائے امت نے فلاسفہ کی تکفیر کی۔ اللہ ان پر لعنت کرے۔"

اس عقیدے کے ثبوت میں کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ و اجماعِ امت کی شہادتیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جیسا کہ ہم عن قریب بیان کریں گے۔

لیکن اس کے بر خلاف فرقۂ وہابیہ کے امام مولوی اسماعیل دہلوی اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

"اُس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم "کُن" سے چاہے تو کروروں نبی اور ولی اور جن و فرشتے، "جبرئیل اور محمد" ﷺ کی برابر پیدا کر ڈالے"۔[۲]

امام الطائفہ نے اس عبارت میں اپنے دو عقاید بیان کیے ہیں:

پہلا عقیدہ: حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبی پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسرا عقیدہ: بلکہ کروروں نبی آپ کے برابر پیدا ہو سکتے ہیں۔

پہلا عقیدہ امت مسلمہ کے عقیدۂ ختم نبوت کا انکار ہے۔ اور

دوسرا عقیدہ اس کے ساتھ "امتناعِ نظیر" کا بھی انکار ہے۔

ہم دوسرے عقیدے پر آگے چل کر "امتناعِ نظیر" کے عنوان سے کلام کریں گے، اور یہاں حضور جانِ نور ﷺ کے خاتَم الانبیاء ہونے کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

اللہ عزّ و جلّ کا ارشاد ہے:

(۱) المُعتقد المُنتقد، ص: ۱۰۷، ۱۰۸ / الباب الثاني في النُّبوّات، رضا أكاديمي، عن شرح الفرائد، للإمام عبد الغني النابلسي رحمه الله تعالى.

(۲) تقوية الإيمان، ص: ۲۶. الفصل الثالث فى ذكر رد الإشراك فى التصرف، راشد كمپنى، ديو بند.

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"(۱)

ترجمہ: محمد تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتَم اور پچھلے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک ساری امت مسلمہ نے اس آیت کریمہ کا معنی یہی سمجھا ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری اور پچھلے نبی و رسول ہیں۔

اسی معنیٔ ظاہر پر سب کا اجماع ہے اور یہ ضروریاتِ دین سے ہے جس میں کوئی تاویل یا تخصیص مسموع نہیں۔ چناں چہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

إنّ الأُمّة فهمت بالإجماع مِن هٰذا اللفظِ ومن قرائنِ أحوالِه أنّهٗ أفْهم عدم نبيٍّ بعدَهٗ أبَدًا، و عدم رسولٍ بعدهٗ أبدًا، و أنّهٗ ليس فيه تأويلٌ و لا تخصيص فمُنكر هذا لا يكون إلّا منكر الإجماع، إھ.(۲)

فَمَنْ أَوَّلَهٗ بتخصيصٍ فكلامُه من أنواع الهذيان، لايَمْنعُ الحكم بتكفيرِهٖ، لأنّه مُكَذِّبٌ لهٰذا النّصّ الذِي أجمعت الأمّة علىٰ أنّهٗ غيرُ مؤوّلٍ وّ لا مخصوص. اھ(۳)

ترجمہ: تمام امت مرحومہ نے لفظ "خاتَم النبیین" کا معنی بالاجماع یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی ہوگا، نہ کبھی کوئی رسول۔ ساتھ ہی ساری امت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں تو اس کا منکر، اجماع کا منکر ہوگا۔

تو جو شخص لفظ خاتَم النبیّین کو عموم و استغراق سے پھیر کر اس میں کوئی تخصیص کرے تو اس کا یہ کلام ہذیان اور بکواس ہوگا، اور ایسی تاویل یا تخصیص اس کی تکفیر سے مانع نہ ہوگی، کیوں کہ وہ اس نصِّ قرآنی کو جھٹلا رہا ہے جس کے بارے میں اجماعِ امت ہے کہ اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔

الغرض آیتِ کریمہ: "وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کا مفہوم بالاجماع یہی ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآية: ٤٠.

(۲) الاقتصاد في الاعتقاد للإمام محمد بن محمد الغزالي، رحمه الله تعالى، ص: ۱۳۷، طبعة دارُ الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) الاقتصاد في الاعتقاد للإمام محمد بن محمد الغزالي، رحمه الله تعالى، ص: ۱۳۷، طبعة دارُ الكتب العلمية، بيروت.

تمام انبیاو مرسلین میں سب سے آخری نبی و رسول ہیں، آپ کے بعد کبھی بھی کوئی نیا نبی یا رسول نہ ہوگا۔

امت نے اس معنی پر اتفاق اس لیے کیا کہ لفظ خاتم النبیین سے یہی معنی ظاہر و متبادر ہے۔ اور اس لیے بھی کہ نبی عربی ﷺ۔ جن پر قرآن نازل ہوا۔ نے بھی اس کا یہی معنی سمجھا اور اپنی احادیث شریفہ میں یہی معنی بیان فرمائے جیسا کہ عن قریب احادیث نبویہ کے مطالعہ سے عیاں ہوگا۔

آسانی کے لیے ہم ان احادیث کو سات انواع میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلی نوع	:	احادیثِ ظہورِ دجال
دوسری نوع	:	احادیث رتبہ ہارون علیہ السلام و علی رضی اللہ عنہ
تیسری نوع	:	احادیثِ اسماے نبوی
چوتھی نوع	:	احادیث مبشّرات
پانچویں نوع	:	احادیث تمثیلِ خاتم
چھٹی نوع	:	احادیث قیادتِ انبیاو خلفاے رسول
ساتویں نوع	:	احادیث امتناعِ نبوت بعد ظہورِ قدسی

واضح ہو کہ یہ ساتوں انواع بجاے خود عقیدۂ ختم نبوت کے سات دلائل ہیں۔

پہلی نوع

احادیثِ ظہورِ دجال

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ: وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ.[1]

---

(۱) صحيح البخاري ج: ۲، ص: ۱۰۵٤، كتاب الفِتَن/ بابٌ لا تقوم السّاعة حتى يغبط أهل القبور، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه، مبارك فور.

❀ والصحيح لِمُسلم، ج: ۲، ص: ۳۹۷/ قُبيل باب ذكر ابن صياد، مجلس البركات.

❀ و جامع الترمذي ج: ۲، ص: ٤٥، أبواب الفتن / باب لا تقوم السّاعة حتى تخرج نار، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تیس کے قریب دجّال، کذّاب ظاہر نہیں ہوں گے قیامت نہیں آئے گی، ان میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔“

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ غیبی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد تقریباً تیس بد نصیب رسالت کا دعویٰ کریں گے اور یہ سب کے سب دجّال و کذّاب ہوں گے۔

جو خلاف واقع کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہوتا ہے اور جو رسالت جیسے اہم امر کا دعویٰ کر دے جو خلاف واقع ہونے کے ساتھ ناممکن بھی ہے تو وہ دجّال و کذّاب ہوتا ہے۔

یہاں سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان مدّعیان رسالت کو ”دجّال و کذّاب“ اسی لیے فرمایا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا، چناں چہ دوسری حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے۔

② عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ –صلى الله تعالى عليه وسلم– إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي ». حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[1]

ترجمہ: ”حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب میری امت میں تیس کذّاب ظاہر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ وہ نبی ہے حالاں

(١) جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٤٥، أبواب الفتن / بابٌ لا تقوم الساعة حتى تخرج نار. مجلس البركات، مبارك فور.

❀ و مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ١٦٥٦/ مسند الأنصار و من حديث ثوبان رقم الحديث: ٢٢٧٥٧، بيت الأفكار الدولية للنشر، بيروت.

❀ و سنن أبي داؤد، ص: ٤٦٤، رقم الحديث: ٤٢٥٢، كتاب الفِتَن و الملاحم / باب ذكر الفِتَن و دلائلها، بيت الأفكار الدولية، بيروت.

❀ و صحيح ابن حبان ج: ١٥، ص: ٢٢١، كتاب إخباره ﷺ عن مناقب الصحابة/ باب فضل الأمّة، مؤسّسة الرسالة، بيروت.

❀ والسّنن الكبرىٰ للإمام البيهقي ج: ٩، ص: ١٨١، كتاب السير/ بابُ إظهارِ دينِ النبي ﷺ على الأديان، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

یہ حدیث ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ پوری حدیث "المستدرک" میں تخریج کی ہے ساتھ ہی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چناں چہ المستدرک میں ہے:

حدّثني أبو أسماء الرّحبي أنّ ثوبان حدَّثه أنّه سمع رسولَ الله صلّى الله تعالى عليه وسلم يقول: ... و سيخرج في أُمّتي كذّابون ثلاثون كلُّهم يزعم أنّهٗ نبيّ و أنا خَاتمُ الأنبياء، لا نبيّ بعدي ...

هٰذا حديث صحيح على شرط الشيخين و لم يخرِّجاه بهذه السياقة، و إنّما أخرج مسلم حديث ثوبان مختصرًا. اهـ ملتقطا.. [1]

ترجمہ: "مجھ سے ابو اسماء رحبی نے بتایا کہ حضرت ثوبان نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا... عنقریب میری امت میں تیس کذّاب پیدا ہوں گے اور سب کے سب یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ نبی ہیں حالاں کہ میں تمام نبیوں کا خاتَم (آخری نبی) ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، ہاں اس سیاق کے ساتھ انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ثوبان کی حدیث کو مختصراً تخریج کیا ہے۔"

③ عن حُذَيفة أن نبيَّ الله صلى الله عليه و سلم قال: في أمَّتي كذَّابون ودجَّالون سبعة وعشرون. منهم أربع نسوة، وإني خاتم النَّبيين لا نبي بعدي. [2]

---

(۱) المستدرك على الصّحيحين، ج: ٤، ص: ٤٤٩، ٤٥٠، كتاب الفِتَن و الملاحم/ أحوال أهل الجاهلية يوم القيامة. مجلس دائرة المعارف حيدرآباد. و مكتبةُ المطبوعاتِ الإسلامية، بيروت، لبنان.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۷۳۵/ مسند الأنصار، رقم الحديث: ۲۳۷۵۰، بيت الأفكار الدولية للنشر.

ترجمہ: ”حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں ستائیس کذّاب و دجّال ہوں گے، ان میں سے چار عورتیں ہوں گی۔ اور میں تمام نبیوں کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

ان دَجّالوں میں سے کچھ ظاہر ہو چکے اور کچھ باقی ہیں، مگر جو بھی ظاہر ہوئے امت نے انھیں کافر قرار دیا، اور جو نکلیں گے ان کی بھی تکفیر ہوگی کیوں کہ یہ سارے مدّعیانِ نبوت ارشاد خداوندی ”وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ“(۱) کو جھٹلانے کے مرتکب اور منکر ہیں۔

● اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝“(۲)

ترجمہ: اور ہماری آیتوں کا انکار کافر ہی کرتے ہیں۔

● نیز ارشاد باری ہے:

”وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ.“(۳)

ترجمہ: اور وہ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ والے ہیں۔

● ”وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ.“(۴)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں۔

● ”وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا.“(۵)

ترجمہ: اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں۔

● ”اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝.“(۶)

ترجمہ: جو ہماری آیتیں جُھٹلاتے تھے اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

---

(١) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ٣٣، الأية: ٤٠.
(٢) القرآن الحكيم، سورة العنكبوت: ٢٩، الأية: ٤٧.
(٣) القرآن الحكيم، سورة المائدة: ٥، الأية: ١٠ ● أيضاً: الأية: ٨٦.
(٤) القرآن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الأية: ٣٩.
(٥) القرآن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الأية: ١٥٠.
(٦) القرآن الحكيم، سورة الأعراف: ٧، الأية: ٧٢.

واضح ہو کہ ان احادیث میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دجّالوں کی کم و بیش جو تعداد بتائی ہے اس میں "دجّالِ اکبر" شامل نہیں ہے جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا کیوں کہ وہ "خدا" ہونے کا دعویٰ کرے گا، نبی یا رسول ہونے کا مدعی نہ ہوگا۔

یہ احادیث شاہد ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جس کی تفسیر خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمادی: لا نبيّ بعدي. میرے بعد کوئی نبی نہیں، لہٰذا جو بدبخت آپ کے بعد اپنے لیے نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرے وہ کذّاب و دجّال ہے اور یہ امر مسلّمات سے ہے کہ دجّال کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں۔

دوسری نوع

احادیث رتبۂ ہارون علیہ السلام و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صلّى اللهُ عليه وسلمَ- خَرَجَ إِلَى تَبُوكَ ، فَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا، فَقَالَ: أَتُخَلِّفُنِي فِي الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ، قَالَ: « أَلاَ تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ، إِلاَّ أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي» .[1]

ترجمہ: "حضرت مُصعب بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابو وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تو آپ نے حضرت علی کو مدینہ شریف میں جانشین کی حیثیت سے چھوڑ دیا، انھوں نے عرض کی، حضور! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ:

تم یہاں میری نیابت میں ایسے رہو جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے رب سے کلام کے لیے حاضر ہوئے تو ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نیابت میں چھوڑ گئے تھے، ہاں! یہ فرق ہے کہ ہارون نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

---

(۱) ● صحيح البخاري ج: ۲، ص: ۶۳۳، كتاب المغازي/ باب غزوة تبوك، مجلس البركات.
● و ج: ۱، ص: ۵۲۶/ مناقب علي بن أبي طالب، مجلس البركات.

مسلم شریف جلد دوم میں بھی یہ حدیث اسی طور پر منقول ہے البتہ یہاں "ليس نبيٌّ بعدي" کی جگہ "لا نبيَّ بعدي" ہے یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (۱)

یہ حدیث کثیر صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان سے مروی ہے مگر سب کا مضمون ایک ہے سوائے حضرت ابن عباس کی حدیث کے کہ مسند احمد اور مستدرک میں "لا نبيّ بعدي" کی جگہ "لكن لا نبيّ بعدَك" ہے۔

محدث جلیل، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شمار کے مطابق اس حدیث کے راوی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد اٹھارہ ہے، ہم یہاں انھی کے "کلامِ جامع" کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

"خاص امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجهه الكريم کے بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ "نبوت ختم ہوئی، نبوت میں ان کا کچھ حصّہ نہیں"۔

⑤ امام احمد مسند (میں) اور بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ صحاح (میں) ابن ابی شیبہ۔ سنن (میں) ابن جریر تہذیب الآثار میں بطرقِ عدیدہ کثیرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص (سے) (۲)

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۷۸، بابٌ مِن فضائل علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۱۶۰، مسند العشرة / سعد بن أبي وقّاص، رقم الحديث: ۱۵۳۲.

❀ صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۶۳۳، كتاب المغازي/ باب غزوة تبوك، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۵۲۶، كتاب المناقب / باب مناقب على بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۷۸، بابٌ من فضائل على بن أبي طالب، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۱٤، كتاب المناقب / باب مناقب علي بن أبي طالب رضى الله تعالىٰ عنه، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ السّنن الكبرىٰ للإمام النسائى، ج: ۷، ص: ٤۱۰، كتابُ الخصائص / ذكر منزلة عليّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، مؤسّسة الرسالة، بيروت.

❀ سنن ابن ماجه، ص: ۳۰، كتاب المقدّمة / فضل علي بن أبي طالب، بيت الأفكار الدولية.

❀ المصنف لابن أبي شيبة، ج:۱۷، ص:۹۹، ۱۰۰، كتاب الفضائل / فضائل علي بن أبي طالب.

⑥ اور حاکم بہ تصحیح اسناد مستدرک (میں) اور طبرانی معجم کبیر و وسیط (میں) اور ابو بکر عاقولی فوائد میں اور ابن مردویہ مطولاً اور بزار بطریق عبد اللہ بن ابی بکیر عن حکیم بن جُبیر عن الحسن بن سعد مولیٰ علی (سے)۔

● اور ابن عساکر بطریق عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابیہ عن جدّہٖ عقیل امیر المومنین مولیٰ علی (سے)۔[1]

⑦ اور احمد و حاکم و طبرانی و عقیلی حضرت عبد اللہ بن عباس (سے)۔[2]

⑧ اور احمد حضرت امیر معاویہ (سے)۔[3]

(۱) المستدرك على الصحيحَين للحاكم، ج: ۳، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، كتاب معرفةِ الصّحابة / ذكر فضيلةِ علي بن أبي طالب.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۱، ص:۴۸، باب في إكرام قريش وغير ذلك / مجاهد عن ابن عباس، قاهرة.

❀ المعجم الأوسط للطبراني عن علي، ج:۴، ص: ۲۹۶، باب من اسمه العباس، منشورات دار الحرمين قاهره.

❀ البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، ج:۳، ص: ۵۹، ۶۰، ومما روى الحسن بن سعد عن أبيه عن علي، رقم الحديث: ۸۱۷، موسّسة علوم القرآن، بيروت.

❀ تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج: ۴۱، ص:۱۸، رقم الحديث: ۴۷۳۵/ عقيل بن أبي طالب بن عبد مناف، دار الفكر.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل ، ص: ۲۷۳، مسند أل العباس/ عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۳۰۶۲.

❀ المستدرك على الصحيحَين للحاكم، ج: ۳، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، كتاب معرفةِ الصّحابة / ذكر فضيلة علي بن أبي طالب.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۱۱، ص:۷۴، مجاهد عن ابن عباس.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۱۲، ص:۱۸، سعيد بن جبير عن ابن عباس.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۱۲، ص:۹۷، عمرو بن ميمون عن ابن عباس.

❀ المعجم الأوسط للطبراني، ج: ۸، ص: ۳۹، ۴۰، باب مَن اسمه محمود، منشورات دار الحرمين، قاهره.

(۳) فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل، ج:۲، ص:۵۶۶، ۵۶۷، فضائل علي رضي الله تعالى عنه، دارُ العلم للطباعة والنشر، المملكة العربية.

⑨ اور احمد و بزار و ابو جعفر بن محمد طبری و ابوبکر مطیری حضرت ابوسعید خدری (سے)۔[۱]

⑩، ⑪ اور ترمذی بافادۂ تحسین حضرت جابر بن عبد اللہ سے مسنداً اور حضرت ابوہریرہ سے تعلیقاً۔[۲]

⑫ اور طبرانی کبیر اور خطیب کتاب المتفق والمتفرق میں حضرت عبد اللہ بن عمر (سے)۔[۳]

⑬ اور ابو نعیم معرفۃ الصحابہ میں حضرت سعید بن زید (سے)۔[٤]

⑭ تا ⑳ اور طبرانی کبیر میں حضرات براء بن عازب و زید بن ارقم و حُبشی بن جُنادہ و جابر بن سمرہ و مالک بن حویرث و حضرت ام المؤمنین ام سلمہ وزوجہ امیر المومنین علی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے راوی:

حضور پُر نور ﷺ نے غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجهه الکریم کو مدینے میں چھوڑا، امیر المومنین نے عرض کی: یارسول اللہ حضور مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ فرمایا:

أمّا ترضىٰ أن تكون منّي بمنزلة هارون مِن موسىٰ غير أنّه لا نبيَّ بعدي.[٥]

---

(١) مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ٧٩٨، مسند المكثرين / أبي سعيد الخدرى، رقم الحديث: ١١٢٩٢.

(٢) جامع الترمذي، ج: ٢، ص: ٢١٤، كتابُ المناقب / بابُ مناقبِ علي بن أبي طالب.

(٣) المعجم الكبير للطبراني، ج: ١٣، ص: ١٧٧، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم الحديث: ١٣٨٧٩.

❀ المعجم الأوسط للطبراني، ج:٢،ص:١٨٦،رقم الحديث: ١٤٦٥، عن عبد الله بن عمر.

❀ المتفق والمتفرق للخطيب البغدادي، ج: ١، ص: ٤٠٧.

❀ وج: ٣، ص: ١٧٦٠، دارُ القاري، بيروت. عن أسماء بنت عميس / سعد بن أبي وقّاص.

(٤) معرفةُ الصّحابه لأبي نعيم، ١،ج: ص:١٤٦، عن سعيد بن زيد، دار الوطن للنشر، الرياض.

(٥) المعجم الكبير للطبراني، ج: ٥، ص: ٢٠٣، مسند ميمون أبو عبد الله عن زيد بن أرقم. رقم الحديث: ٥٠٩٤ - ٥٠٩٥، عن زيد بن أرقم و براء بن عازب.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج: ٤، ص: ١٧، عن حُبشى بن جنادة السلولي، رقم الحديث: ٣٥١٥.

❀ المعجم الأوسط للطبراني، ج:٧، ص: ٣١١، عن حُبشي بن جنادة رقم الحديث: ٧٥٩٢.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:٢، ص: ٢٤٧، عن جابر بن سمرة، رقم الحديث: ٢٠٣٥.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:١٩، ص: ٢٩١، عن مالك بن حويرث، رقم الحديث: ٦٤٧.

● مسند و مستدرک میں حدیث ابن عباس یوں ہے:

ألا ترضیٰ أن تکون بمنزلةِ هارون من موسیٰ، إلّا أنّك لست بني.[1]

کیا تم راضی نہیں کہ تم میرے جانشین رہو بمنزلہ ہارون کے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین ہوئے مگر یہ کہ تم نبی نہیں (اور ہارون علیہ السّلام نبی تھے)۔

● مسند امام احمد میں حدیثِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں ہے:

کسی نے اُن سے ایک مسئلہ پوچھا، فرمایا:

اِسألْ عنها عليًّا، فهو أعلمُ.

مولیٰ علی سے پوچھو، وہ اعلم ہیں۔

سائل نے کہا: یا امیر المومنین، مجھے آپ کا جواب اُن کے جواب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا:

بِئسما قلتَ، لقد کرهتَ رجلاً کان رسولُ الله ﷺ یعزّه بالعلم عزًّا و لقد قال له: أنتَ منّي بمنزلة هارون من موسیٰ، إلّا أنّه لا نبيَّ بعدي. و کان عمرُ إذا أشکل علیه شيء أخذ منه.[2]

تو نے سخت بُری بات کہی، ایسے کو ناپسند کیا جس کے علم کی نبی ﷺ عزّت فرماتے تھے اور بے شک حضور نے ان سے فرمایا: "تجھے مجھ سے وُہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہما الصلاۃ والسّلام سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کسی بات میں شبہہ پڑتا اُن سے معلوم کرتے۔ رضي الله تعالیٰ عنهم أجمعین.

(۲۱) ابو نعیم "حلیۃ الاولیا" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج:۲۳، ص:۳۷۷، عن أم سلمة زوج النبی، رقم الحدیث:۸۹۲.

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج:۲۴، ص: ۱۴۶، ۱۴۷، عن أسماء بنت عمیس، رقم الحدیث: ۳۸۴ تا ۳۸۹.

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج:۴، ص: ۱۸۴ عن أبي أیوب، رقم الحدیث: ۴۰۸۷.

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج:۶، ص: ۸۳، عن یحیی بن سعید، رقم الحدیث: ۵۸۶۶.

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۲۷۳، مسند آل عباس/ عبد الله بن عباس رقم الحدیث: ۳۰۶۲.

(۲) کتاب فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل، ج: ۲، ص: ۵۶۶، ۵۶۷/ فضائل علي رضی الله تعالیٰ عنه، دار العلم للطباعة والنشر، المملکة العربیة.

ﷺ نے فرمایا:

يا علي أخصمك بالنبوة و لا نبوّة بعدي.(۱)

اے علی میں مناصب جلیلہ و خصائص کثیرۂ جزیلۂ نبوت میں تجھ پر غالب ہوں اور میرے بعد نبوت اصلا نہیں۔

● ابن ابی عاصم اور ابن جریر بافادۂ تصحیح اور طبرانی اوسط اور ابن شاہین کتاب السّنہ میں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی:

میں بیمار تھا، خدمت اقدس حضور سرور عالم ﷺ میں حاضر ہوا، حضور نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز میں مشغول ہوئے۔ ردائے مبارک کا آنچل مجھ پر ڈال لیا پھر بعد نماز فرمایا:

برئت يا ابن أبي طالب، فلا بأس عليكَ ما سألتُ الله لي شيئًا إلا سألتُ لك مثله، و لا سألتُ اللهَ شيئًا إلّا أعطانيه، غير أنّه قيل لي: إنّه لا نبيّ بعدك.

اے ابن ابی طالب! تم اچھے ہوگئے، تم پر کچھ تکلیف نہیں، میں نے اللہ عزّوجلّ سے جو کچھ اپنے لیے مانگا تمھارے لیے بھی اس کی مانند سوال کیا اور میں نے جو کچھ چاہا رب عزّوجلّ نے مجھے عطا فرمایا مگر مجھ سے یہ فرمایا گیا کہ "تمھارے بعد کوئی نبی نہیں"۔

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں اُسی وقت ایسا تندرست ہوگیا گویا بیمار ہی نہ تھا۔"(۲)

(۴۲) خطیب حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إنّما عليٌّ بمنزلة هارون من موسىٰ إلّا أنّه لا نبيّ بعدي.

علی ایسا ہے جیسا موسیٰ سے ہارون (کہ بھائی بھی اور نائب بھی) مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۴۳) امام احمد مناقب أمير المومنين علي میں مختصرًا اور بغوی و طبرانی اپنی معاجیم (میں)، باوردی معرفت (میں)، ابن عدی کامل (میں) ابو احمد حاکم کُنیٰ میں بطریق امام بخاری،

---

(۱) تقريب البغية بترتيب أحاديث الحلية، ج: ۳، ص: ۸۲، بابٌ في فضل علي بن أبي طالب، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) جزاءُ الله عَدوَّه بإبائه ختمَ النبوة للإمام المحدث أحمد رضا القادري، ص: ۴٦، ۴۷، ۴۸، قادري بك ڈپو، بريلي شريف.

ابن عساکر تاریخ[1] میں سب زید بن اَبی اَوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث طویل مواخاتِ صحابہ میں راوی و هذا حديثُ أحمد[2]

جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باہم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھائی چارا کیا امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجهه نے عرض کی میری جان نکل گئی اور پیٹھ ٹوٹ گئی یہ دیکھ کر کہ حضور نے اصحاب کے ساتھ (وہ سلوک) کیا جو میرے ساتھ نہ کیا، یہ اگر مجھ سے کسی ناراضی کے سبب ہے تو حضور ہی کے لیے منانا اور عزت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

والّذي بعثني بالحق ما أخّرتُك إلّا لنفسي، و أنت مني بمنزلة هارون من موسىٰ، غير أنّه لا نبيَّ بعدي.

قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، میں نے تمھیں خاص اپنے لیے رکھ چھوڑا ہے، تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، تم میرے بھائی اور وارث ہو۔

امیر المومنین نے عرض کی مجھے حضور سے کیا میراث ملے گی؟ فرمایا جو اگلے انبیا کو ملی، عرض کی انھیں کیا ملی تھی؟ فرمایا: خدا کی کتاب اور نبی کی سنت۔ اور تم میرے ساتھ جنت میں میری صاحبزادی کے ساتھ میرے محل میں ہوگے اور تم میرے بھائی اور رفیق ہو۔

(۲۴) ابن عساکر بطریقِ عبد الله بن محمد بن عقيل عن أبيهِ عن جدّهٖ عقيل بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه راوی:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا خدا کی قسم میں تمھیں دو جہت سے دوست رکھتا ہوں، ایک تو قرابت، دوسرے یہ کہ ابو طالب کو تم سے محبت تھی۔ اے جعفر تمھارے اخلاق میرے اخلاق کریمہ سے مشابہ ہیں۔

و أمّا أنتَ يا علي، فأنتَ مني بمنزلة هارون من موسىٰ غير أني لا نبيَّ بعدي.

تم اے علی! مجھ سے ایسے ہو جیسے موسیٰ سے ہارون، مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔[3]

---

(۱) تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج:٤٢، ص: ١٦٦، ١٦٧. ترجمة: علي بن أبي طالب، دار الفكر.

(۲) فضائل الصحابه للإمام أحمد بن حنبل، ج:٢، ص: ٦٣٨، ٦٣٩، دار العلم للطباعة و النشر.

(۳) جزاء الله عدوّه بإبائهٖ ختم النبوة، ص: ٧٤، ٧٥، قادري بكڈپو، بريلي شريف.

تیسری نوع

احادیثِ اسمائے نبوی

(۲۵) عن مُحَمَّد بْن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلَّى الله عليه وسلم- قَالَ « أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِى الَّذِى يُمْحَى بِيَ الْكُفْرُ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى عَقِبِي وَأَنَا الْعَاقِبُ». وَالْعَاقِبُ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.(۱)

ترجمہ: محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد جُبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں کہ میرے سبب اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں، میرے قدموں میں لوگوں کا حشر ہوگا۔ اور ”میں عاقب ہوں“، اور **عاقب** وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

”قدموں میں حشر“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد، میرے زمانۂ نبوت و رسالت میں حشر ہوگا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، چناں چہ امام ابوزکریا محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس ”اسم پاک“ کی شرح میں لکھتے ہیں:

(يحشر النّاس على عقبي، و في بعضها: قدمي) قال العُلماء: معناهما: يحشرون على إثري و زمان نبوّتي و رسالتي، و ليس بعدي نبي، و قيل: يتّبعوني. اهـ(۲)

ترجمہ: علما فرماتے ہیں کہ ”قدموں میں حشر ہونے“ کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد اور میرے زمانۂ نبوت و رسالت میں حشر ہوگا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ میرے پیچھے پیچھے ہوں گے۔

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۶۱، باب في أسمائه صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) المنهاج في شرح صحيح مسلم ج: ۲، ص: ۲۶۱، كتاب الفضائل / باب في أسمائه ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

٢٦ عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَمِّي لَنَا نَفْسَهُ أَسْمَاءً فَقَالَ: «أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَالْمُقَفِّي وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ».(١)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے اپنے نام بتائے، تو آپ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں، احمد ہوں، مُقفّی ہوں، (نبیوں کے بعد آنے والا، جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔) حاشر ہوں (خلائق کو حشر دینے والا) اور نبیِ توبہ و نبیِ رحمت ہوں۔

چوتھی نوع

احادیثِ مُبَشِّرات

٢٧ حدثني سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: «لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ». قَالُوا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ « الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ ».(٢)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ ”نبوت سے باقی نہیں، مگر مُبَشِّرات“ صحابہ نے عرض کی حضور، وہ مُبَشِّرات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اچھے خواب۔

”اچھے خواب“ کو نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جز کہا گیا ہے اس حدیث پاک میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

نبی کے پاس اللہ عزّ وجلّ کی طرف سے جن ذرائع سے وحی آتی ہے ان میں ایک ذریعہ ”نبی کا خواب“ بھی ہوتا ہے تو حدیثِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ میرے وصال کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہو

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ٢٦١، كتاب الفضائل / باب في أسمائه صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٢) صحيح البخاري ج: ٢، ص: ١٠٣٥، كتاب التعبير / باب المبشِّرات، مجلس البركات.

جائے گا کہ میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، ہاں وحی کا ایک ذریعہ " اچھا خواب" باقی رہے گا، جس سے صالحین کو بشارت ملتی رہے گی، اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

﴿۲۸﴾ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: «الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ »[1].

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اَجزا میں سے ایک جز ہے۔

"نبوت" کوئی ایسی چیز نہیں جو کئی اَجزا سے مرکب ہو، اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ نبی آیندہ کی خبریں دیتا ہے اور اچھے خواب کے ذریعہ بھی آیندہ رونما ہونے والے امور کا اشارہ دیا جاتا ہے تو اس مناسبت سے گویا وہ اجزاے نبوت سے ہے۔

نیز نبی کا خواب وحیِ الٰہی و حجتِ شرعی ہوتا ہے، اور مومنِ صالح کا خوابِ حسن گو حجتِ شرعی نہ ہو، تاہم اِنذار و بشارت ہوتا ہے۔ "خوابِ حسن" کو "خوابِ وحی" سے یک گونہ مشابہت ہے کہ حق یہ بھی ہے اور حق وہ بھی ہے اس لیے اسے اَجزاے نبوت سے شمار کیا گیا۔

نبی کا ہر خواب حق ہوتا ہے مگر بندۂ مومن کا ہر خواب حق نہیں ہوتا کیوں کہ وہ بہت سے خواب ایسے دیکھتا ہے جن کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی، تو مومن کے اِنذار و بشارت والے خواب اپنی تعبیر کے تناسب کے لحاظ سے "خوابِ وحی" کے چھیالیسویں حصّے میں ہیں۔

بلکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تناسب کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے جس کا سبب خواب دیکھنے والے بندے کے صلاح و تقویٰ کی کمی، بیشی ہو سکتی ہے، یا سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی جو بھی مراد ہو۔

ہمارا مقصود اس شرح و بیان سے یہ ہے کہ "خوابِ حسن" حقیقت میں نبوت کا کوئی جز نہیں، بلکہ وہ نبی کے لیے وحی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے یک گونہ مشابہت کی بنا پر مومن کے "خوابِ حسن" کو جز سے تعبیر کر دیا گیا۔ تو لَمْ يَبْقَ مِنَ النبوّةِ سے مراد یہ ہے کہ:

" میری وفات کے بعد وحیِ نبوت سے کچھ باقی نہ رہے گا۔"

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۳٤، كتابُ التعبير / باب رؤيا الصالحين، مجلس البركات.

کیوں کہ میرے بعد "نبی ہونے" کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ چناں چہ حضرت انس بن مالک، حضرت اُمِ کُرز اور حضرت حُذیفہ بن اَسید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں اس پر بہت واضح طور پر دلالت کرتی ہیں:

(۲۹) حَدَّثَنَا الْمُخْتَارُ بْنُ فُلْفُلٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُولَ بَعْدِي وَلاَ نَبِيَّ ». قَالَ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «لَكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟

قَالَ « رُؤْيَا الْمُسْلِمِ، وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ ».

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ كُرْزٍ. قَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ.(۱)

ترجمہ: مختار بن فُلفُل کہتے ہیں کہ حضرتِ انس بن مالک نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت ورسالت ختم ہو گئی، میرے بعد نہ کوئی رسول ہے، نہ کوئی نبی۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں پر شاق ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہاں! مُبَشِّرات باقی ہیں" صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ، مُبَشِّرات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمان کا خواب ہے جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جُز ہے۔

اِس باب میں حضرابوہریرہ، حضرت حُذیفہ بن اَسِید، ابن عباس اور ام کُرز رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اور یہ حدیث صحیح ہے اور مختار بن فُلفُل کے طریق سے غریب ہے۔

(۳۰) حضرت امّ کُرز کعبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے کلمات یہ ہیں:

سَمِعتُ رَسولَ الله ﷺ يقول: ذهَبَتِ النبوّةُ و بَقِيَتِ المُبَشِّراتُ.(۲)

---

(۱) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۵۱، أبواب الرُؤ يا مِن رسول الله ﷺ / باب ذهَبتِ النّبوّة و بقيتِ المُبَشِّراتُ، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ● سنن ابن ماجه، ص: ۴۱۹، کتاب تعبير الرؤ يا/ باب الرُؤ يا الصالحة، بيت الأفكار الدّولية.

● وصحيح ابن حبّان ، ج: ۱۳، ص: ۴۱۱، كتاب الرُّؤ يا ، ذكر البيان بأنّ الرّؤ يا المُبَشِّرة، مؤسّسة الرّسالة، بيروت.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا کہ نبوت چلی گئی اور مُبَشِّرات باقی رہ گئے۔

(۳۱) اور حضرت حُذیفہ بن اَسِید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قالَ رسولُ الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ذَهَبَتِ النبوّة ، فلا نبوّةَ بعدي، إلّا المُبَشِّرات .[۱]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت چلی گئی تو میرے بعد دوسرے کے لیے کوئی نبوت نہیں، ہاں مُبشِّرات (سچے خواب) باقی ہیں۔

یہ احادیث کریمہ شاہد عدل ہیں کہ حضور سید کائنات علیہ افضلُ الصلوات واَزکی التسلیمات کے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، لہٰذا حضور کے بعد نہ کسی کو نبوت یا رسالت ملے گی، نہ کوئی نیا نبی یا رسول ظاہر ہوگا۔

پانچویں نوع

احادیث تمثیلِ ختمِ نبوت

حضور سید کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضلُ الصلوات واَزکی التسلیمات نے "ختمِ نبوت" کے مفہوم کو ایک دل نشیں تمثیل کے ذریعہ سمجھایا ہے جس سے معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضور آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کسی کو نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ –رضي الله عنه– أَنَّ رَسُولَ الله –صلَّى الله تعالى عليه وسلَّم– قَالَ: «إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ ، وَيَقُولُونَ: هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ، ● قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ».[۲]

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني ج: ۳، ص: ۲۰۰، رقم الحديث: ۳۰۵۱، قاهره.

(۲) ● صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۵۰۱، كتاب المناقب / باب خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم ، ج: ۲، ص: ۲۴۸، كتاب الفضائل / باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك پور

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور پہلے کے انبیا کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی اچھا اور خوبصورت گھر تعمیر کیا مگر کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھی، لوگ اس عمارت کو دیکھنے کے لیے اس کے گرد چکر لگاتے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے اور یہ کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں“۔

(۳۳) عن أبی سعید، قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَثَلِي و مَثَلُ النَّبيين كمثلِ رجل بنیٰ دارًا فَأتَمَّها، إلّا لَبِنةً وَاحِدة، فَجِئتُ أنا، و أتمَمْتُ تلك اللِّبْنَة.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور تمام نبیوں کی مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گھر بنایا تو ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ کر سب کچھ مکمل کر دیا، پھر میں آیا، تو میں نے عمارتِ نبوت کی وہ اینٹ بھر دی۔

(۳۴) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: «مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ: لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ». قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: «فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الأَنْبِيَاءَ».(۲)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور انبیا کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے کوئی محل تعمیر کیا اور سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے اسے پورا درست و آراستہ کر دیا اور لوگ اسے دیکھنے کے لیے اس میں جانے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرنے لگے، نیز یہ حسرت کے ساتھ کہنے لگے کہ کاش ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُس (آخری) اینٹ کی جگہ میں ہوں، تو مجھ پر انبیا علیہم الصلاۃ و السلام کا سلسلہ ختم ہوا۔

(۳۵) عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَثَلِي

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۴۸، كتاب الفضائل / باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۴۸، كتاب الفضائل / باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا وَأَجْمَلَهَا وَتَرَكَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لم يضعها، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبِنَاءِ وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَقُولُونَ : لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَأَنَا فِي النَّبِيِّينَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ ». (۱)

ترجمہ: حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں میں میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی محل اچھا (نقشہ اور مضبوطی وغیرہ کے لحاظ سے) اور کامل اور خوبصورت بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو نہ لگائی۔ تو لوگ اس عمارت کو ہر طرف سے دیکھتے اور اس کی اچھی تعمیر و خوبصورتی پر تعجب کرتے اور یہ اظہارِ تمنا کرتے کہ کاش اس ایک اینٹ کی جگہ پوری ہو جاتی۔ تو انبیا میں اُس ایک اینٹ کی جگہ میں ہوں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث تخریج کر کے یہ انکشاف فرمایا:

هٰذا حديث حسنٌ، صحيح، غريب.

ترجمہ: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ (۲)

ان احادیث میں ہادیِ عالم، حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی واضح اور محسوس مثال دے کر ہر عام و خاص پر یہ روشن فرما دیا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری نبی و رسول ہیں۔

جیسے کسی شاندار محل میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو، جب اس جگہ میں وہ اینٹ چُن دی جائے تو وہ محل کامل ہو جاتا ہے، اور اس میں کوئی اور اینٹ رکھنا ممکن نہیں ہوتا کہ جو کچھ امکان تھا اس آخری اینٹ نے ختم کر دیا۔

ویسے ہی حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام اور حضور سید کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور تک نبوت کے عظیم الشان محل میں صرف ایک نبی کی جگہ خالی رہ گئی تھی جو رسولوں کے سردار اور نبیوں کے تاجدار، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) ❀ جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۰۱، أبواب المناقب، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۱۵٦۱، مسند الأنصار/ حديث أبي المنذر أبي بن كعب، رقم الحديث: ۲۱۵٦۳/ ۲۱۵٦٤، بيت الأفكار الدولية، للنشر.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۰۱، أبوابُ المناقب/ باب، مجلس البركات، مبارك فور.

کے ظہور قدسی سے پوری ہوگئی اور وہ عظیم الشان محل اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ مکمل ہوگیا۔

نبی کریم ﷺ نے اس مثال سے یہ سمجھایا ہے کہ جیسے اُس محسوس محل میں آخری اینٹ بھر دینے کے بعد وہاں کوئی اور اینٹ رکھنا ممکن نہیں رہ جاتا، ویسے ہی نبیوں و رسولوں کے اس محل میں سرکار دو عالم ﷺ کے ظہور قدسی کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہ رہا۔

تو آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔

چھٹی نوع

احادیث قیادتِ انبیا و خلفاے رسول

(۳۶) عَنْ فُرَاتِ الْقَزَّازِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ قَالَ: قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ، فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلّم - قَالَ: « كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ. قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا يا رسولَ الله، قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ ». (۱)

ترجمہ: فرات قزاز سے روایت ہے کہ میں نے ابو حازم کا یہ ارشاد سنا کہ میں حضرت ابو ہریرہ کی صحبت میں پانچ سال رہا، اس دوران میں نے ان سے یہ حدیث سنی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قوم بنی اسرائیل کی قیادت انبیا فرماتے تھے، جب بھی کوئی نبی پردہ فرماتے تو ان کے بعد دوسرے نبی آجاتے۔ اور "بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں" (میرے بعد) میرے خلفا کثیر ہوں گے۔

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ، ان کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یکے بعد دیگرے ہر پہلے خلیفہ سے بیعت کرو، اور ان کا حق ادا کرو، اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۴۹۱، كتاب الأنبياء / باب ما ذكر عن بني إسرائيل، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے بہت واضح الفاظ میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ پہلے کے انبیا میں جب کوئی نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو ان کے بعد دوسرے نبی تشریف لاتے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، میری جانشینی کا کام میرے خُلفا انجام دیں گے۔

جب حضور سید الانبیا ﷺ نے صاف صاف فرمادیا: لا نبيَّ بعدي۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تو یہ کہنا کہ آپ کے بعد نبی آسکتا ہے ضرور حدیث نبوی سے انحراف ہے۔

ساتویں نوع

احادیث امتناع نبوت بعد ظہورِ قدسی

(۳۷) حدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ - صلَّى الله عليه وسلم -؟ قَالَ: مَاتَ صَغِيرًا، وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ - صلَّى الله عليه وسلم - نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت اسماعیل بن ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ بچپن میں فوت ہو گئے اور اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی ہونا مقدر ہوتا تو حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم زندہ رہتے، لیکن حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ سینتیس (۳۷) احادیث ہیں، لیکن یہ اس موضوع کی ساری احادیث نہیں ہیں، محدث جلیل امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "جزاء اللهِ عَدوَّهٗ بِاِبَائهٖ ختم النبوة" میں "ایک سو ایک" حدیثیں جمع کی ہیں اور "تذییلات" کے ساتھ تو ان کی تعداد "ایک سو اٹھارہ" تک پہنچ جاتی ہے ان میں مرفوع احادیث کی تعداد "نوے" (۹۰) ہے اور ان کے راوی صحابہ و تابعین کی تعداد "اکہتر" (۷۱) جن میں تابعین صرف گیارہ ہیں، باقی ساٹھ حضرات صحابۂ کرام ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۱٤، كتاب الأدب/ باب اسم الحزن، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

عمَّن تبعھم بإحسان۔[1]

---

(۱) رسالہ مذکورہ میں احادیث ختم نبوت کے راوی تابعین اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہرست بھی پیش کی گئی ہے، وہ فہرست آپ بھی ملاحظہ کریں۔

(صحابہ و تابعین جن میں صرف گیارہ تابعی ہیں)

گیارہ تابعی:

(۱) امام اجل محمد باقر (۲) عبد اللہ بن ابی الہذیل (۳) مجاہد مکی (۴) سعد بن ثابت (۵) علاء بن زیاد (۶) محمد بن کعب قرظی (۷) ابن شہاب زہری (۸) ابو قلابہ (۹) وہب بن منبہ (۱۰) عامر شعبی (۱۱) کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم

باقی ساٹھ صحابی، ازاں جملہ اکاون صحابہ خاص اصول مرویات میں ہیں۔

اِکاون صحابہ:

(۱۲) اُبَی بن کعب (۱۳) براء بن عازب (۱۴) جابر بن عبد اللہ (۱۵) حُذیفہ بن الیمان (۱۶) ابن زمل (۱۷) سعد بن ابی وقاص (۱۸) سہل بن سعد (۱۹) عبد اللہ بن عباس (۲۰) عرباض بن ساریہ (۲۱) امیر المومنین علی (۲۲) ام کرز (۲۳) معاذ بن جبل (۲۴) ابو منظور (۲۵) ابو امامہ باہلی (۲۶) بلال مؤذن (۲۷) جُبیر بن مطعم (۲۸) حسّان بن ثابت (۲۹) زیاد بن لبید (۳۰) سعید بن زید (۳۱) ام المومنین ام سلمہ (۳۲) عبد اللہ بن عمر (۳۳) عصمہ بن مالک (۳۴) امیر المومنین عمر (۳۵) مالک بن حویرث (۳۶) امیر معاویہ (۳۷) ابو موسیٰ اشعری (۳۸) انس بن مالک (۳۹) ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ (۴۰) حُبشی بن جنادہ (۴۱) حویصہ بن مسعود (۴۲) زید بن ارقم (۴۳) ابو سعید خدری (۴۴) ابو الطفیل عامر بن ربیعہ (۴۵) عبد الرحمٰن بن غنم (۴۶) عقبہ بن عامر (۴۷) عوف بن مالک اشجعی (۴۸) مالک بن سنان والد ابی سعید خدری (۴۹) مغیرہ بن شعبہ (۵۰) ابو ہریرہ (۵۱) اسماء بنت عمیس (۵۲) جابر بن سمرہ (۵۳) حُذیفہ بن اَسید (۵۴) ابوذر (۵۵) زید بن ابی اَوفیٰ (۵۶) سلمان فارسی (۵۷) عامر بن ربیعہ (۵۸) عدی بن ربیعہ (۵۹) عقیل بن ابی طالب (۶۰) ام المومنین صدیقہ (۶۱) محمد بن عدی بن ربیعہ (۶۲) ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

(تذییلات میں)

نو صحابی:

(۶۳) حاطب بن ابی بلتعہ (۶۴) عبد اللہ بن عمرو بن عاص (۶۵) ہشام بن عاص (۶۶) عبد اللہ بن ابی اوفیٰ (۶۷) عُبادہ بن صامت (۶۸) عبد اللہ بن زبیر (۶۹) عبید بن عمرو لیثی (۷۰) عبد اللہ بن سلام (۷۱) نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

رسالہ جزاء اللہ عدوّہ بإبائہ ختم النبوۃ ۔ ص: ۷۸، ۷۹، قادری بک ڈپو، بریلی ۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد:۲۲، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف میں شاملِ اشاعت ہے۔

یہ تفصیل شاہد ہے کہ یہ احادیث متواتر المعنیٰ ہیں، الفاظ اور واقعات گو مختلف ہیں مگر یہ سب اس مضمون پر قطعی و یقینی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ سید المرسلین ﷺ "خاتم النبیین" ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا، لہٰذا اگر کوئی آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ دجّال و کذّاب ہے۔

یہی وہ نصوص متواترہ ہیں جن کی بنیاد پر سلف و خلف کا اجماع قطعی منعقد ہوگیا کہ حضور پرنور، شافع یوم النشور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنا ناممکن و محال ہے، ورنہ اللہ عزّوجل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں اسے تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا گیا۔

ایک طرف یہ احادیث کثیرہ، متواترہ ہیں جو بار بار اعلان کر رہی ہیں کہ حضور شافع یوم النشور ﷺ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، اور اس کے دوسری طرف فرقۂ وہابیہ کا امام "تقویۃ الایمان" کے عنوان سے یہ اعلان کر رہا ہے کہ

"حضور کے بعد بھی نبی آسکتا ہے، اور ایک نہیں، بلکہ کروروں نبی آسکتے ہیں"۔

تو یہ احادیث کثیرہ، بالخصوص "احادیثِ صحیحین" سے کھلا ہوا انحراف ہے۔

اور صحابۂ کرام، تابعین عظام، فقہاے اسلام، اولیاے فخام اور بعد کے صالحین اور عامۂ امت کی شاہراہ سے جُدا راہ نکالنی ہے جو بلا شبہہ "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" [1] کی مصداق ہے۔

اس کے پیش نظر ہر صاحب عقل فیصلہ کرسکتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟

اللہ تعالیٰ ان وہابی نام نہاد محدثین کو فہم احادیث کی سعادت اور قبول حق کی توفیق بخشے اور مسلمانوں کو شاہراہِ امت پر استقامت نصیب فرمائے۔

---

(۱) یہ پوری آیت کریمہ اجماع کی بحث میں آرہی ہے۔ ۱۲ منہ۔

تیسرا مسئلہ

امتناعِ نظیر

کتاب وسنت کی روشنی میں

عقیدۂ امتناعِ نظیر کی تشریح اور اسلام میں اس کی اہمیت:

سید الانبیاء، خاتم المرسلین ﷺ کی نظیر پیدا ہونا محال ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری نبی و آخری رسول ہیں، آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنا ناممکن ہے تو پھر آپ کی نظیر آنا بھی ناممکن ہے اور سارے اوصاف و کمالات میں کسی کا آپ کے مساوی ہونا محال بالذات۔ کہ سارے اوصاف و کمالات میں آپ کا مثل وہی ہوگا جو خاتم النبیین و آخری نبی بھی ہو اور یہ وصف حضور سید عالم ﷺ کے لیے خاص ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت کریمہ، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کیا جا چکا۔

اس کے برخلاف امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی اپنے مذہب کا عقیدہ یہ بیان کرتے ہیں:

”اُس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکمِ ”کُن“ سے چاہے تو کروروں نبی اور ولی اور جن و فرشتے جبریل اور محمد ﷺ کی برابر پیدا کر ڈالے۔“(۱)

(۱) تقوية الإيمان، ص: ۲۶، الفصل الثالث في ذكر ردّ الإشراك في التصرف، راشد کمپنی، لاهور.

بلا شبہہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کروڑہا، کروڑ انسان پیدا فرمائے اور وہ جب چاہے ایک آن میں کروروں کیا، بے شمار انسان ایک حکمِ کُن سے پیدا فرما دے، آج بھی بے شمار انسانوں کا وجود اسی کے حکمِ کُن کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے، اس میں کسی مسلمان کو کیا کلام۔

لیکن وہ ذاتِ قدسی صفات جسے خداے قادر و توانا نے خاتمُ النّبیین اور آخِر المُرسلین بنا کر بھیجا، ساتھ ہی بہت سے ایسے کمالات عطا فرمائے جو دوسرے انبیا و مرسلین کو نہ ملے، اُس ذاتِ اقدس کے برابر اللہ تعالیٰ کوئی نبی پیدا فرمائے اسے کوئی مسلمان نہیں مانتا، بلکہ کوئی مسلمان اس کا بھی قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اب آپ سے کم درجے کا ہی کوئی نبی پیدا فرمائے۔

دلائلِ اہلِ سنت

(۱) قرآن عزیز کی یہ نص قطعی اس عقیدے کی روشن دلیل ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[(۱)]

محمد تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

[۲ تا ۳۷] ختم نبوت والے مقالے میں ہم نے سرکار دوعالم ﷺ کی چھتیس [۳۶] احادیث نقل کی ہیں، مثلاً:

- أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي.
- إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي.
- أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ، إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي.
- وَأَنَا الْعَاقِبُ. وَالْعَاقِبُ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.
- لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ.
- إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُولَ بَعْدِي وَلاَ نَبِيَّ.
- ذَهَبَتِ النبوّة ، فلا نبوّة بعدي.
- فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآیة: ۴۰.

- فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الأَنْبِيَاءَ.
- كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي.
- وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ - صلَّى الله عليه وسلم - نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ.

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مُرتضیٰ و نبیِ مجتبیٰ ﷺ پر نبوت ختم فرمادی، اب کوئی نبی پیدا ہونا شانِ ختمِ نبوت کے منافی ہے، پھر کروروں نبی، وہ بھی تمام صفات و کمال میں خاتَمُ النبیین کے برابر پیدا ہونا ممکن نہیں۔

ان احادیث کریمہ سے تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول مرتضیٰ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا، آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا۔ آپ عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں اس لیے اس میں کسی نئے نبی کا اضافہ ناممکن ہے۔ لہذا کروروں نبی، وہ بھی تمام صفات و کمال میں "خَاتَمَ النَّبِيّن" کے برابر پیدا ہونا محال ہے۔

امتناع النظیر پر علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو زبردست استناد:

استاذ مطلق، علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت کریمہ "وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ" سے امتناع النظیر پر دو طرح زبردست استناد کیا ہے، اور حجتِ قاطعہ قائم فرمائی ہے، ہم یہاں اس کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

تقریر استناد (۱):

آپ لکھتے ہیں:

اس قائل (امام الوہابیہ، مولوی اسماعیل دہلوی) کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ حضور سیدِ کائنات ﷺ کے تمام کمالات میں برابر کروڑوں اشخاص سے تکوین (وایجاد) کا تعلق صحیح ہے۔ جو شخص اردو زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے، اس عبارت سے اس معنیٰ کے متبادر ہونے میں شک نہیں کرے گا، حالاں کہ حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے تمام اوصاف و کمالات میں برابری رکھنے والے ایک شخص سے بھی تکوین (وایجاد) کے تعلق کا صحیح ہونا باطل ہے کیوں کہ ایسا ایک شخص بھی موجود ہوا تو

نصِ قرآنی کا کذب لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے۔ اور جسے محال بالذات لازم ہو اس سے تکوین کا تعلق صحیح نہیں ہوتا۔ (۱)

تقریر استناد (۲):

آپ تحریر فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر کا وجود ممکن ہے "اجتماعِ نقیضین کے امکان کو تسلیم کرنا ہے، اور وہ باطل ہے"۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ کوئی شخص تمام کمالات میں نبیِ اکرم ﷺ کے برابر ہے، تو دو حال سے خالی نہیں:

● وہ شخص یا تو خاتم الانبیا ہوگا ● یا خاتم الانبیا نہیں ہوگا

دونوں صورتوں میں وہ شخص حضور ﷺ کے برابر نہ ہوگا کیوں کہ وہ شخص اگر خاتم الاَنبیا ہو تو لا محالہ حضور ﷺ اُن انبیا کے زمرے میں داخل ہوں گے جن کا وہ خاتم ہے اور معاذ اللہ حضور ﷺ خاتم الاَنبیا نہ ہوں گے، پس اس شخص میں ایک ایسا کمال (خاتم الانبیا ہونا) ہوگا جو نبیِ اکرم ﷺ میں نہیں ہوگا، لہٰذا حضور ﷺ اس شخص کے برابر نہ ہوں گے۔ (اور وہ شخص آپ کے برابر نہ ہوگا، بلکہ بلند رتبہ ہوگا)

اور اگر وہ شخص خاتم الاَنبیا نہ ہو تو چوں کہ حضور ﷺ یقیناً خاتم الاَنبیا ہیں لہٰذا حضور ﷺ میں خاتم الانبیا ہونے والا ایسا کمال پایا جائے گا جو اس تقدیر پر اس شخص میں نہیں ہے پھر بھی وہ شخص حضور ﷺ کے برابر نہ ہوا، دونوں صورتوں میں مساوات فرض کرنے کے باوجود اس کا مساوی نہ ہونا لازم آیا۔ (بلفظ دیگر وہ تمام کمالات میں آپ کے برابر بھی ہوا اور برابر نہیں بھی ہوا تو یہ اجتماعِ نقیضین ہے جو محال بالذات ہے۔ نظام)

تو ثابت ہوا کہ جمیعِ کمالات میں حضور ﷺ کے برابر شخص کا موجود ہونا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ شخص تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر نہ ہو۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر شخص کا قول کرنا "اجتماعِ نقیضین" کے امکان کا قول کرنا ہے اور وہ تو محال بِالذّات ہے،

(۱) تحقيق الفتوىٰ في إبطالِ الطّغوىٰ مترجم، ص: ۱۵۵، المجمع الإسلامي، مبارك فور.

پس تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر کا موجود ہونا محال بالذات ہے۔[1]

ختم نبوت والے مقالے کے حوالے سے جن چھتیس احادیث کا سلسلۂ دلائل میں ہم نے اجمالاً ذکر کیا ہے ان سے بھی استدلال کی یہی دونوں تقریریں جاری ہوں گی۔

نزاع کیا ہے، اور بنیادی دلیل کیا:

● امام اہل سنت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک فتوے میں اس دلیل کو برقرار رکھا ہے اور اس کی تقریر اس انداز سے فرمائی ہے کہ بعض ابنائے زمان نے اس پر جو کلام کیا ہے وہ ساقط ہو جاتا ہے۔

امام اہل سنت نے پہلے یہ واضح فرمایا ہے کہ نزاع کیا ہے، پھر تقریر دلیل کو ورودِ نص پر موقوف نہیں فرمایا، گو نص سے صرفِ نظر بھی نہیں کیا، اب بہت غور سے امام موصوف کی تحریر پڑھیے، آپ رقم طراز ہیں:

● اللہ عزوجل پر واجب نہ تھا کہ یہ کمالاتِ عالیہ جو اُس نے حضور اقدس ﷺ کو محض اپنے فضل سے عطا فرمائے حضور کو عطا فرماتا، بلکہ ممکن تھا کہ محمد بن عبد اللہ کی جگہ احمد بن عبد المطلب کو دیتا، بلکہ کسی کو نہ دیتا، بلکہ سرے سے عالَم ہی نہ بناتا تو کچھ اس پر لازم نہ تھا، اس میں کسی کو نزاع نہیں۔

● جیسا کہ ارباب بصیرت کو بحمد اللہ تعالی اس میں بھی اصلاً شک وشبہہ نہیں کہ اس تقدیر پر وہ احمد بن عبد المطلب نہ ہوتے مگر حضور پُر نور کما لا یخفی علی ذوي النور کہ "حضور" اس ذاتِ کریم سے عبارت ہے جو مظہر اول وخلیفہ مطلق ہے۔

● اور اس میں بھی نزاع نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بعض اوصاف میں مشارکت ممکن، بلکہ موجود ہے۔ اللہ تعالی کے سب نبی "وصفِ نبوت" میں حضور اقدس ﷺ کے شریک ہیں۔

نزاع "مِثل من حیث ھو مِثل" میں ہے یعنی:

"حضور اقدس ﷺ کے تمام اوصاف وخصائصِ کمالیہ میں حضور کا شریک وہم سر، کہ ہر کمال کا ایک فرد حضور اقدس ﷺ کو عارض ہو اور دوسرا (فرد) اُس مثل مفروض کو۔"

یہ قطعاً مُحال بالذات ہے، کہ مِثلیّت بے اِثْنَیْنِیَّت و اِشْتِرَاك معقول نہیں (یعنی "مثل" ہونا وہیں پایا جائے گا جہاں کم از کم دو ہوں، اور دونوں تمام اوصاف میں ایک دوسرے

---

(۱) تحقیق الفتوىٰ في إبطال الطَّغوىٰ مترجم ص: ۱۶۶، المجمع الأسلامي، مبارك فور.

کے شریک ہوں۔ن) اور حضور اقدس ﷺ کے ہزارہا کمالاتِ عالیہ[1] قابلیتِ اشتراك بینَ الاِثنین سے منزّہ ہیں۔ (یعنی سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ہزاروں کمالات ایسے ہیں جو حضور کے ساتھ خاص ہیں، کوئی اُن اوصاف میں آپ کا شریک ہونے کے قابل نہیں، نہ ہی وہ اَوصاف اس قابل ہیں کہ حضور کے سوا دوسرے میں پائے جائیں۔ن) جیسے:

- خاتَمَ النبیّین
- أفضلُ المرسلین
- أوّلُ مَن خَلَقَ اللهُ
- أوّلُ شَافِع
- أوّلُ مُشَفَّع
- أوّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنهُ الأرض
- (صاحب المقام المحمود-ن)
- إلیٰ غیر ذلك

کہ **أوّل** وہ ہے کہ نہ اُس سے پہلے کوئی ہو، نہ اُس کے ساتھ کوئی ہو۔

یوں ہی **اٰخِر** وہ ہے کہ نہ اُس کے بعد کوئی ہو، نہ اُس کے ساتھ کوئی ہو۔

تو یہ (وصف اٰخر) ایک ہی پر صادق آسکے گا، اگر دوسرے کو بھی مثلاً خَاتَم (آخری نبی) مانو تو تین حال سے خالی نہیں:

- یا "وہ حضور سے پہلے ہوگا" تو وہ خَاتَم نہ رہا کہ حضور اس کے بعد ہیں،
- یا "وہ حضور کے بعد ہوگا" تو مَعَاذَاللہ حضور خَاتَم نہ رہے کہ وہ حضور کے بعد ہے۔
- یا "وہ حضور کے ساتھ ہوگا" تو دونوں خَاتَم نہ رہے کہ خَتمِیّت جس طرح مُنافیِ بَعدیّت ہے، یوں ہی نافیِ مَعِیّت۔ وعلی ہذا القیاس **اَوّلیت**۔

[یعنی ٹھیک یہی معاملہ **اوّل** کا بھی ہے کہ اس کے بھی یہی تین حال ہوں گے اور یہی استدلال ہوگا اور بہرحال یہ لازم آئے گا کہ جسے حضور کے سوا بھی اول مخلوقات، اور شافع، وغیرہ مانا ہے وہ اول ہو، اور نہ بھی ہو اور یہ مُحال بالذّات ہے۔ن]

---

(۱) "ہزارہا کمالات" مثلاً: حضور سید عالم ﷺ کا ایک کمال ہے "افضلُ المرسلین" ہونا، تو آپ مجموعی حیثیت سے بھی تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں اور انفرادی طور پر بھی ہر نبی و رسول سے افضل ہیں اور نبیوں و رسولوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے تو اس طور پر سرکار کا یہ ایک وصفِ کمال، ایک لاکھ اوصافِ کمال سے زیادہ ہوا، اب اسی طور پر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ہر وصفِ کمال کو مجموعی اور انفرادی حیثیت سے دیکھتے جائیے تو امام اہل سنت کے اس ارشاد کی صداقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جائے گی۔ ۱۲ منہ

اور پُر ظاہر کہ یہ اِستحالہ (مُحال بالذّات) کچھ اس سے ناشی نہ ہوا کہ قرآنِ مجید میں حضور کو "خاتَم" فرمایا، یا یہ اوصاف حضور کو عطا ہوئے، بلکہ ان سب سے قطع نظر کر کے اَزَل میں دیکھیے تو اُس وقت بھی یہ اوصاف اشتراك بينَ الإثنين (دو کا وصف بننے) کے قابل نہیں، اور مِثلیت (کسی کا دوسرے کے مثل ہونا) بے اشتراک ناممکن۔ تو ثابت ہوا کہ استحالۂ مِثلیت (حضور کے مثل کا محال ہونا) نفسِ ذات یعنی "نفسِ ذاتِ وحدت" کا منشأ ہے، اسی کا نام مُحال بالذّات ہے۔

واضح ہو کہ یہاں معنی اول وآخر میں مخالفین کا کلام کرنا محض فضول ہے بالفرض اگر "دو مقارنوں کو بھی اول وآخر بول دیتے ہوں" تو یہاں تو ایسا قطعاً نہیں کہ حضور کی اولیّت وآخریت بالیقین اسی معنیٰ پر ہیں کہ "نہ کوئی ساتھ ہو، نہ پہلے ہو، نہ بعد میں ہو۔

یہ تقریر محفوظ رہے تو مخالفین کے تمام دلائل کی حقیقت کھل جائے کہ وہ "محلِ نزاع" سے محض بیگانہ ہیں۔[1]

خاتَم الانبیا کے چوبیس اوصاف خاصّہ جن میں دوسرے کی شرکت ممکن نہیں:

مجھے اس فتوے پر اطلاع کے ایک عرصے بعد استاذ مطلق، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لاجواب کتاب "امتناع النظیر" ملی اور مجھے اس کی زیارت کا پہلے سے اشتیاق بھی تھا، اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ آپ نے یہ دلیل بیان فرمائی ہے، آپ نے اس مقام پر حضور خاتَم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایسے "۲۴" اوصاف جمع کیے ہیں جو دو کے درمیان مشترک نہیں ہو سکتے، بلفظِ دیگر وہ دو کا وصف نہیں بن سکتے۔ وہ اوصاف خاصّہ آپ نے اس ترتیب سے شمار فرمائے ہیں:

(۱) سارے عالم کی طرف آپ کا مبعوث ہونا۔ ارشاد باری ہے:

"لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا."[2] **ترجمہ:** تاکہ رسول عالم کو ڈر سنائیں۔

ارشاد رسالت ہے:

"بعثتُ إلى الخَلق كافّة." **ترجمہ:** میں ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا۔

---

(۱) الفتاوى الرضوية، ج:۱۸، ص: ۲۷، كتابُ العقائد والكلام، إمام أحمد رضا اكادیمی، بریلی شریف.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الفرقان: ۲۵، الاية: ۱.

(۲) رحمۃٌ للعالمین ہونا۔
(۳) آپ کے نور کا اللہ کی سب سے پہلی مخلوق ہونا۔
(۴) تخلیق کے لحاظ سے آپ کا اولِ انبیا ہونا۔
(۵) سب سے پہلے قبر سے باہر آنا۔
(۶) سب سے پہلے صعقہ قیامت سے ہوش میں آنا۔(أوّلُ مَن یفیق من الصعقة.)
(۷) سب سے پہلے آپ کو سجدے کی اجازت حاصل ہونا۔
(۸) سب سے پہلے آپ کا سجدے سے سرِ انور اٹھانا۔
(۹) سب سے پہلے آپ کا اللہ عزّ وجلّ کو مشاہدہ فرمانا۔
(۱۰) سب سے پہلے شفاعت کرنے والے۔
(۱۱) سب سے پہلے آپ کی شفاعت مقبول ہونا۔
(۱۲) سب سے پہلے آپ کا جنت کی زنجیروں کو ہلانا۔
(۱۳) سب سے پہلے بابِ جنت کو کھٹکھٹانا۔
(۱۴) سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کے لیے کھولا جائے گا۔
(۱۵) سب سے پہلے امت کو پُل صراط سے گزارنا۔
(۱۶) وسیلہ کے رتبۂ بلند سے خاص آپ کا سرفراز ہونا۔
(۱۷) آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ عزّ وجلّ کے یمین قدس میں، عرش کے داہنے ایسے مقام پر کھڑا ہونا جہاں آپ کے سوا کوئی نہیں کھڑا ہوگا۔ اور تمام اگلے، پچھلے اس مقام پر آپ کے سرفراز ہونے پر رشک کریں گے۔
(۱۸) قیامت کے دن تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا آپ کے "لواءُ الحمد" کے نیچے ہونا۔
(۱۹) شفاعتِ کبریٰ۔ (جو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اور یہ تمام اولین وآخرین کے لیے ہوگی۔)
(۲۰) اللہ عزّ وجلّ کے نزدیک آپ کا تمام اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت اور وجاہت

والا ہونا۔

(۲۱) روزِ قیامت آپ کا تمام لوگوں کا سردار ہونا۔

(۲۲، ۲۳) روزِ قیامت تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا امام و شفیع ہونا۔

(۲۴) تمام مکارمِ اخلاق اور محاسنِ افعال کی تکمیل فرمانا۔

پھر آپ نے مخصوص انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ کوئی بھی شخص ان اوصاف میں حضور کا شریک نہیں ہو سکتا کیوں کہ کسی کو ان اوصاف میں حضور کا شریک قرار دینا اس کے عدم کو لازم ہے کہ وہ شریک بھی ہو اور شریک نہ بھی ہو۔ اور یہ محال بالذات ہے تفصیل کے لیے اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔[۱] یہ اسی کا اردو ترجمہ اور اختصار ہے۔

امتناع النظیر کی دلیل پر کلام اور اس کا شافی جواب:

اس پر بعض ابناے زمان نے کلام کیا ہے کہ قرآن پاک میں حضور ﷺ کو خاتَم النبیین فرمایا گیا اس لیے آپ کی نظیر محالُ بِالغیر ہے۔ اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریرِ دلیل سے یہ گفتگو ساقط ہو جاتی ہے۔

آپ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ نصِ قرآنی ”وَ خَاتَمَ النَّبِيِّين“ پر استدلال موقوف نہیں کیوں کہ حضور سید عالم ﷺ کے لیے یہ وصفِ کمال نزولِ قرآن سے پہلے ازل میں بھی ثابت ہے اور ازل میں بھی لفظ خَاتَم دو کا وصف بننے کے قابل نہ تھا، اور بغیر اس وصف کے ثبوت کے دوسرے کا حضور کے مثل ہونا محال بالذّات ہے۔

ایک اور شبہے کا جواب: اس تقریر سے یہ امر بھی منکشف ہو گیا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کے جو اوصاف آپ کے ساتھ خاص نہیں جیسے بَشَر ہونا، نذیر ہونا، وغیرہ، وہ حضور کے سوا دوسروں میں بھی پائے جا سکتے ہیں، بلکہ پائے جاتے ہیں، جیسے قرآن حکیم میں ہے:

”قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“[۲] اے محبوب فرما دیجیے کہ میں تمھارے مثل بشر ہوں۔ یعنی بَشَریت کے وصف میں تمھارے مثل ہوں۔

---

(۱) امتناع النظیر فارسی، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ فُصِّلَت، ۴۱، الآیۃ: ۶۔

یوں ہی "نذیر" ہونا حضور کے ساتھ خاص نہیں، اللہ تعالی نے حضرات انبیا و مُرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کو نذیر بنا کر بھیجا ہے اور ہر امت میں بھیجا ہے، اس کے شواہد قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ہیں، مثلاً:

● سورۂ فاطر میں ہے:

"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ "(۱)

ترجمہ: اے محبوب! بے شک ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بھیجا خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا، اور جو کوئی گروہ تھا، سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔

● سورہ رعد میں فرمایا گیا:

"اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ "(۲)

ترجمہ: تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔

سورۃ النحل میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

"وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ."(۳)

ترجمہ: اور بے شک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو پوجو اور شیطان سے بچو تو ان میں کسی کو اللہ نے راہ دکھائی اور کسی پر گمراہی ٹھیک اتری۔

اب کوئی کہے کہ حضور کے مثل ہزاروں نذیر اور لاکھوں بشر ہیں جو نذیر اور بشر ہونے میں آپ کے جیسے ہیں تو یہ صحیح ہے۔

لیکن یہ کہ "تمام اوصافِ کمال" میں حضور کے برابر ہزاروں ہیں، یا ہو سکتے ہیں غلط ہے کیوں کہ تمام اوصافِ کمال میں وہ "اوصافِ عالیہ" بھی ہیں جو حضور کے ساتھ خاص ہیں اور ان میں کوئی حضور کے برابر و ہم سر کبھی نہ ہوا، نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة فاطر، ۳۵، الآية: ۲٤.
(۲) القرآن الحكيم، سورة الرعد، ۱۳، الآية: ۷.
(۳) القرآن الحكيم، سورة النحل، ۱٦، الآية: ۳٦.

وہابیہ کے دلائل

''حضور سید عالم ﷺ کے برابر کروروں نبی پیدا ہوسکتے ہیں'' اپنے اس عقیدے پر فرقۂ وہابیہ کے امام نے دو نقلی دلیلیں پیش کی ہیں جنھیں نقل کرکے علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت ہی واضح اور تحقیقی جوابات دیے ہیں ہم یہاں انھی کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ'' سے امام وہابیہ کے دونوں دلائل مع جوابات پیش کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

امکانِ نظیر کی پہلی نقلی دلیل اور اس کا جواب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ (۱)

ترجمہ: اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا، کیوں نہیں، اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا، سب کچھ جانتا۔ اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے، تو اس سے فرمائے ''ہوجا'' وہ فوراً ہوجاتی ہے۔

مِثْلَهُمْ کی ضمیر جمع مذکر، تمام انسانوں کی طرف راجع ہے کیوں کہ آیتِ کریمہ قیامت کے بیان میں واقع ہے لہٰذا جو قیامت میں زندہ ہوگا آیتِ مذکورہ کے تحت داخل ہوگا اور ظاہر ہے کہ ہر فردِ انسانی قیامت میں زندہ ہونے والا ہے، لہٰذا آیتِ کریمہ کے مقتضا کے مطابق ہر فرد کا مثل، قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہوگا، گویا **دلیل کی ترتیب** یوں ہوگی کہ:

- آں حضرت ﷺ قیامت کے دن زندہ ہوں گے اور یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔
- اور جو شخص قیامت کے دن زندہ ہوگا، آیتِ کریمہ کے مطابق اس کا مثل، قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ یٰسٓ: ۳۶، الآیۃ: ۸۱، ۸۲.

(نتیجہ) لہٰذا نبیِ اکرم ﷺ کا مثل قدرتِ الٰہیہ کے تحت داخل ہے— اور یہی مطلوب ہے۔

جواب :

یہ عجیب استدلال ہے جو اگلے پچھلے تمام دلائل کی وقعت خاک میں ملا رہا ہے، یہ اس آیتِ قرآنیہ کی تفسیر نہیں، البتہ قائل کی تفسیر دانی کی علامت ضرور ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

(أَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ) مع كِبَرِ جِرْمِها و عِظَمِ شأنِها (بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ) في الصِّغْرِ وَ الحِقارَةِ بِالإضافةِ إِلَيْهِما أَوْ مِثْلَهُمْ في أُصُوْلِ الذَّاتِ وَ صِفَاتِها. (انتهى)[1]

" (جس ذاتِ کریمہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) باوجود ان کے جسم کی بڑائی اور شان کی عظمت کے، (کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے افراد پیدا کرے)، جو زمین و آسمان کی نسبت بہت ہی چھوٹے ہوں یا اصولِ ذات اور صفاتِ ذات میں ان جیسے ہوں۔"

کافر اور حشرِ جسمانی کے منکر کہتے تھے:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾[2]

"بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا"

یہ آیتِ کریمہ، حشرِ جسمانی کے ان منکروں کا استبعاد دفع کرنے کے لیے ہے اور اس کا معنٰی یہ ہے کہ جس نے عظیم الشان اور بڑے بڑے جسموں والے زمین و آسمان کو پیدا کیا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے چھوٹے قد والے معمولی اَمثال کو پیدا کر دے، یا ذات کے اصول و صفات میں ان کے مثل پیدا فرما دے؟

ہاں وہ اس پر قادر ہے، وہ پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے، فرماتا ہے ہو جا! تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اس آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اَبدان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور منکروں

---

(۱) أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوي، ج:٤،ص: ٢٧٤، سورة يٰسٓ، الأيات: ٨١ ، ٨٢، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(۲) القرآن الحكيم، سورة يٰسٓ: ٣٦، الآية: ٧٨.

کے استبعاد کو دفع کرنا مقصود ہے۔

اور اس جگہ ''مثل'' سے مراد وہ ہے:

❀ جو اجزاے بدنیہ اور بدن سے تعلق رکھنے والی صفات میں مماثل ہو۔

❀ یا کوتاہ قامت اور معمولی ہونے میں مثل ہو، نہ کہ تمام کمالات میں مماثل ہو کیوں کہ حشرِ جسمانی اور اعادۂ اَبدان سے، تمام کمالات میں مماثل کا ذکر کسی طرح تعلق اور مناسبت نہیں رکھتا۔

پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اَجزاے بدنیہ اور ان سے تعلق رکھنے والے امور یا جسم اور مقدار میں ہر فردِ انسانی کا مثل، قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے، ایسے مقامات میں لفظِ ''مثل'' سے تمام کمالات میں مساوی کا سمجھنا علما کی شان سے بعید ہے۔

مقامِ تعجب ہے کہ اس قائل نے اس آیت میں واقع لفظِ ''مثل'' سے تمام کمالات میں مساوی سمجھ کر دلیل قائم کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے، آسان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱) سے استدلال کرتا، یہ آیت حضور ﷺ کے اَمثال کے امکان کیا، بلکہ وقوع پر دلالت کرتی ہے اور لفظِ مثل اس آیت میں بھی واقع ہے اور لفظِ مثل کا معنی متبادر اس قائل کے ذہن میں وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے وہ درپے ہے۔ کج فہمی اور بد اعتقادی سے خدا کی پناہ اور اُسی سے ہدایت اور راستی کی توفیق ہے۔

دوسری نقلی دلیل اور اُس کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں متعدّد جگہ مخلوقات کے موجود ہونے سے ان کے اَمثال پر اپنی قدرت کے محیط ہونے پر استدلال فرمایا ہے جیسے کہ بہت سی آیات میں زمین کے زندہ کرنے، بارش نازل کرنے سے مردوں کے زندہ کرنے پر استدلال فرمایا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ (۲)

ترجمہ: اور وہ جس نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازے سے، تو ہم نے اس سے ایک مردہ شہر زندہ فرما دیا، یوں ہی تم نکالے جاؤ گے۔

باپ کے بغیر حضرتِ آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے باپ کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا

(۱) القرآن الحكيم، سورة فُصِّلت: ٤١، الآية: ٦.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الزخرف: ٤٣، الآية: ١١.

کرنے کے امکان پر استدلال فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ [۱]

ترجمہ: عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا "ہوجا" وہ فوراً ہوجاتا ہے۔

حاصل یہ کہ استدلال کا یہ انداز قرآنِ پاک میں عام ہے، بنابریں نبی ﷺ کا وجود خود دلیل ہوگا اس امر پر کہ آپ کا مثل پیدا کرنا قدرتِ الٰہی کے لیے ممکن ہے، گویا اس صورت میں دلیل کی ترتیب یہ ہوگی کہ:

اگر نبی ﷺ کا وجود قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے تو آپ کے مثل کا وجود بھی قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہوگا، اور وجودِ نبی ﷺ قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے لہٰذا آپ کے مثل کا وجود بھی قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہوگا۔

کیوں کہ قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق قدرت کے تحت داخل ہونے یا داخل نہ ہونے میں دو مثلوں کا حکم ایک ہوتا ہے۔

جواب:

یہ شبہہ بھی وہم سے زیادہ نہیں ہے کیوں کہ **اوصاف دو قسم** کے ہیں:

(۱) جن کا اشتراک دو چیزوں کے درمیان ممکن ہو اور وہ اشتراک سے مانع نہ ہوں، مثلاً باپ کے بغیر پیدا ہونا کہ دو فردوں میں مشترک ہونے سے مانع نہیں ہے، حضرتِ آدم علیہ السلام کا اس وصف سے موصوف ہونا، حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اس وصف سے موصوف ہونے کے منافی نہیں ہے کیوں کہ بغیر باپ کے ایک شخص کے پیدا ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شخص کا اتصاف اس وصف سے منتفی ہوجائے، اسی طرح زمین کے قابل زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مُردوں کا اس سے اتصاف منتفی ہوجائے۔

(۲) جن کا اشتراک دو چیزوں میں ممکن نہ ہو مثلاً "تمام انبیا کا خاتم ہونا" کہ ایک شخص کا اس صفت سے متّصف ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ دوسرا فرد اس سے متّصف نہ ہو (یعنی ایک شخص خاتَم الانبیا ہوا، تو دوسرا خاتَم الانبیا نہیں ہوگا)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ اٰل عمران:۳، الآیۃ: ۵۹.

پس اگر کوئی ایک وصف سے موصوف ہو اور وہ وصف **قسم اول** سے ہو تو اس چیز کا وجود اس کے مثل کے ممکن ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور یہی قرآن پاک کا مطلب ہے اور اگر وہ وصف **قسم ثانی** سے ہو تو اس کے موصوف کا وجود، اس وصف میں مماثل کے وجود کے ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس شخص کا اس وصف سے موصوف ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس وصف میں اس کا شریک ممتنع الوجود ہے، ورنہ وہ وصف ممکن الاشتراک ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے۔

حضور ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے تمام کمالات میں آپ کے برابر کے ممکن ہونے پر اس قائل کا استدلال اس صورت میں قابل توجہ ہو سکتا تھا کہ یہ قائل پہلے ثابت کرتا کہ حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے تمام اوصاف کاملہ قسم اول سے ہیں اور ممکن الِاشتراک ہیں اور یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے، حق آگیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والا ہے۔ (۱)

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتناعِ نظیر کا یہ مسئلہ "عقیدۂ ختمِ نبوت" کا لازمہ ہے اور "ختمِ نبوت" امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے جس کی سند آیت کریمہ: وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۲) اور احادیث متواترہ: ● أنا العاقبُ الذي ليس بعده نبيٌّ ● أنا خاتم النبيين لا نبيَّ بعدي ● انقطعت النّبوة ● ذهبتِ النّبوة ● وغیرھا ہیں جو ختم نبوت کی بحث میں بسط کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں تو اس باب کی حدیثوں کے لیے اسی بحث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

مغالطہ سے بچیے:

ہم گزشتہ صفحات میں روز روشن کی طرح واضح کر چکے کہ وہابیہ اور اہل سنت و جماعت کے درمیان نزاع صرف ان اوصاف کے بارے میں ہے جو "ناممکنُ الاشتراک" ہیں، بلفظ دیگر حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں ان میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہو سکتا۔

اور جو صفات ممکنُ الاشتراک ہیں ان میں دوسرے لوگ شریک ہو سکتے ہیں، بلکہ شریک ہیں، ان صفات میں آپ کا مثل مُحال نہیں، بلکہ ممکن اور واقع ہے۔ کچھ وہابیہ نے ایسے ہی صفات کے متعلق بعض علما و صوفیہ کے کلام سے "امکانِ نظیر" کا ثبوت فراہم کیا ہے، حالاں کہ ان صفات میں امکانِ نظیر کے قائل ہم اہل سنت و جماعت بھی ہیں پھر ایسے کسی قول سے استناد محض بیجا بلکہ مغالطہ ہے۔

---

(۱) تحقيق الفتوىٰ في إبطال الطّغوىٰ، مترجم ص: ۱۷۰ تا ص: ۱۷۵، المجمع الإسلامي، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآية: ٤٠.

فتاوی رضویہ کے ایک اقتباس سے تائید:

ہم یہاں اس کی ایک مثال فتاوی رضویہ سے پیش کرتے ہیں:

اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہے یا محال؟

وہابیہ کے ایک متکلّم نے اس کے امکان پر ایک بھاری دلیل نہایت دعوے کے ساتھ لکھی ہے کہ یہ ایسی دلیل ہے جس کے دیکھنے کے بعد عوام وخواص اور فہیم وکم فہم کسی کو انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، وہ دلیل ہے:

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں آیت: "وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾"[1] کی تفسیر میں صاف لکھتے ہیں:

لأنها تدلُّ على القدرة علىٰ أن يبعثَ فِي كُلِّ قرية نذيرا مِثْلَ محمد وأنه لا حاجة للحضْرَةِ الإلٰهيّة إلى محمد. اھ ملتقطا.[2]

اس کے جواب میں امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو چشم کشا وضاحت فرمائی ہے وہ وہابیہ کے لیے باعث عبرت ہے، آپ فرماتے ہیں:

لفظِ مثل جس وصف کے ساتھ بولا جائے اگر صرف اسی میں مُماثَلت بتاتا ہے، نہ باقی میں، تو عبارت تفسیر تمھیں کیا مفید۔ اُس سے صرف "اِنذار" میں مُشارکت نکلی، نہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمیع اوصاف کمالیہ میں۔ پھر اسے کون مُحال مانتا ہے، تمام انبیا وصفِ "انذار" میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک تھے۔

اگر اسی قدر پر قانع ہو تو مثل کو مُحال بالغیر کیوں کہتے ہو، لاکھوں کروروں موجود بالفعل ہیں۔

اور اگر تمام اوصاف میں شرکت بتاتا ہے تو امام رازی سے کیوں استناد کرو، خود قرآنِ عظیم سے ہی نہ اِستِناد کرو کہ فرماتا ہے: "قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"[3] تمھاری سمجھ کے مطابق آیت کے یہ معنی

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الفرقان: ۲۵، الآية: ۵۱.

(۲) الفتاوى الرضوية، ج:۱۸، ص: ۲۶، كتاب العقائد والكلام، إمام أحمد رضا اكاديمى، بريلى شريف.

(۳) القرآن الحكيم، سورة فُصِّلت: ۴۱، الآية: ۶.

ہوں گے کہ "معاذ اللہ کفار تمام اوصاف کمالیہ میں حضور کے ہم سر تھے" اور یوں بھی "تو موجود بالفعل" ماننا ہوگا، استحالہ بالغیر کہ تقیۃً کہا تھا دفع ہوگیا۔ یوں فہم تحریر کی جرأت حضرات وہابیہ ہی کا کام ہے۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العليّ العظيم، والله سبحانه وتعالى أعلم.[1]

جواب کا حاصل یہ ہے کہ "وصفِ نذیر" ہو یا "وصف بشر" دونوں ممکنُ الاشتراک اوصاف سے ہیں جو حضور کے ساتھ خاص نہیں، ایسے اوصاف میں سیدُ الانبیا کے بے شمار مثل ہو سکتے ہیں اور وہ سب تحتِ قدرت ہیں، اہل سنت وجماعت ایسے اوصاف میں "امتناعِ نظیر" کے قائل نہیں۔

اور وہابیہ تمام اوصاف میں حضور کا مثل محال بالغیر مانتے ہیں اگر انذار اور بشر ہونے میں شرکت سے حضور کا تمام اوصاف کمالیہ میں مثل ہونا ثابت کرتے ہیں تو مثلِ سرکار کو محال بالغیر کیوں کہتے ہیں؟ صاف صاف دعوی کریں کہ حضور کے ہزاروں، لاکھوں کروروں اَمثال نہ صرف ممکن، بلکہ موجود بالفعل ہیں کیوں کہ وصف انذار میں تمام انبیا حضور کے شریک ہیں اور وصف بشر میں تمام انسان حضور کے شریک ہیں۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے ارباب عقل کو اس میں تدبر کرنا چاہیے تب اس طرح کے حقائق سمجھ میں آتے ہیں اسی لیے قرآن نے بار بار اس کی ہدایت فرمائی، مثلا سورہ صٓ میں فرمایا گیا:

"كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾"[2]

یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔

کاش کہ وہابی اہل حدیث تدبُّر سے کام لیتے اور کتاب وسنت خصوصًا احادیثِ صحیحین سے یوں انحراف نہ کرتے۔

---

(۱) الفتاوى الرضوية، ج:۱۸، ص: ۲۸، كتاب العقائد والكلام، إمام أحمد رضا اكاديمى، بريلى شريف.

(۲) القرآن الحكيم، سورة ص:۳۸، الآية: ۲۹.

چوتھا مسئلہ

تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتاب وسنت کی روشنی میں

اس امر پر اجماعِ امت ہے کہ حضور سید کائنات، افضل الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر فرض ہے، بلکہ اس کا درجہ بہت سے فرائض سے اعلیٰ اور بلند تر ہے۔ پھر یہ تعظیم ماں، باپ، اولاد اور احباب سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی آپ کی تعظیم و توقیر کا حکم ہے۔

مگر اس کے برخلاف وہابیہ غیر مقلدین آپ کی اس قدر تعظیم کے قائل نہیں۔ وہ آپ کے لیے **صرف بڑے بھائی کا رتبہ مانتے ہیں اور بس بڑے بھائی کی سی تعظیم کی اجازت دیتے ہیں** اور حالت نماز میں تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے، بلکہ یہاں تک صراحت کرتے ہیں کہ نماز میں آپ کا خیال بھی تعظیم کے ساتھ آجائے تو یہ نمازی کو شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا۔

دلائلِ اہلِ سنت

اہل سنت و جماعت نے تعظیم رسول کے باب میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ کتاب و سنت سے ثابت ہے، جب کہ وہابیہ کا موقف صرف ان کا اپنا خیال ہے۔ جیسا کہ ذیل کے نصوص سے ثابت ہوتا ہے۔

تعظیم رسول کے نصوص دو انواع کی ہیں:

ہم آسانی کے لیے اس بحث کے نصوص کو دو نوعوں میں بیان کرتے ہیں۔

نوع اول: نماز و بیرونِ نماز ہر حال میں تعظیم رسول کے نصوص۔

نوع دوم: بیرونِ نماز عام احوال میں تعظیم رسول کے نصوص۔

نوع اول کے نصوص

جن میں نماز و بیرون نماز ہر حال میں تعظیم رسول کا مطلق فرمان ہے

پہلا فرمانِ مطلق: اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝[1]

ترجمہ: (اے نبی) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

فَأوجبَ اللّٰهُ تعالىٰ تعزيرَه وتوقيرَه وألزمَ إكرامَه و تعظيمَه.[2]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے احترام و توقیر کو واجب اور آپ کی تعظیم و تکریم کو لازم کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں

- سب سے پہلے اللہ اور رسول پر ایمان کا حکم ہے۔
- پھر رسول کی تعظیم و توقیر کا۔
- اور اس کے بعد اللہ عزّوجلّ کی تسبیح و عبادت کا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الفتح: ۴۸، الأیۃ: ۸، ۹.

(۲) الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج:۲، ص:۵۸۷، القسم الثاني فیما یجب علی الأنام من حقوقه ﷺ/ الباب الثالث في تعظیم أمره ووجوب توقیره، دار الکتب العربي، بیروت.

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان احکام کی اہمیت اسی ترتیب کے مطابق ہو۔ لہٰذا اللہ عزّ وجلّ کی تسبیح و عبادت کارآمد نہ ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ تعظیم و توقیرِ رسول نہ ہو اور یہ تعظیم و توقیر کام نہ آئے گی جب تک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ ہو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی تعظیم و توقیر بہ حکم الٰہی فرض ہے اور یہ فرض تسبیح و عبادت کے فرض سے اعلیٰ و بلند تر ہے، جیسا کہ صحیح البخاری اور جامع الترمذی کی احادیث سے بھی عیاں ہے، یہ احادیث تیسری آیت کے ذیل میں آرہی ہیں۔

دوسرا فرمانِ مطلق: اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو ● اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے ایمان والو ● اپنی آوازیں غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اونچی نہ کرو ● اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمھارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔

ان آیات مقدسہ میں اللہ عزوجل نے اپنے نبیِ رحمت ﷺ کی تعظیم و توقیر کے لیے تین احکام صادر فرمائے ہیں:

- قول ہو یا فعل کسی بھی چیز میں رسول اللہ سے آگے نہ بڑھو۔
- اپنی آوازیں رسول اللہ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔
- رسول اللہ کے حضور چلا کر بات نہ کرو، جیسے آپس میں چلا کر بات کرتے ہو۔

یہ آداب فرائضِ لازمہ سے ہیں اور ان کی خلاف ورزی سخت حرام و گناہ، کہ اس کے باعث تمھارے اعمالِ صالحہ ضائع و برباد ہو سکتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ میں تسبیح و عبادت بھی شامل ہے اس لیے معلوم ہوا کہ تعظیمِ رسول کا درجہ تسبیح

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة الحجرات: ٤٩، الآية: ١، ٢.

وعبادت سے بڑھ کر ہے۔

اور بڑے بھائی ہرگز اس تعظیم میں رسول اللہ کے شریک یا آپ کے جیسے نہیں کہ بڑے بھائی کی ایسی بے ادبی پر اعمال کے برباد ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

تیسرا فرمانِ مطلق: ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ؕ(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو، جب رسول تمھیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔

اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ رسول جب بھی پکاریں آپ کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے، یہ حکم مطلق ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول حالتِ نماز میں کسی مسلمان کو پکاریں تو اس پر فرض ہے کہ نماز چھوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائے۔

عین حالتِ نماز میں تعظیم رسول کے درخشاں شواہد:

چناں چہ درج ذیل احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے:

پہلی شہادت: عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلّٰى، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ: «اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ»(۲)

ترجمہ: حضرت ابو سعید بن معلّٰی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہا تھا، حضور اقدس ﷺ نے مجھے بلایا، تو میں فوراً حاضر نہ ہوا، نماز کے بعد میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ عزّ وجلّ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔“

دوسری شہادت: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى أُبَيِّ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأنفال: ۸، الأية: ۲٤.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ٦٤٢، كتاب التفسير/ سورة الفاتحة، مجلس البركات

بْنِ كَعْبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أُبَيُّ» وَهُوَ يُصَلِّي، فَالتَفَتَ أُبَيٌّ وَلَمْ يُجِبْهُ، وَصَلَّى أُبَيٌّ فَخَفَّفَ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، مَا مَنَعَكَ يَا أُبَيُّ أَنْ تُجِيبَنِي إِذْ دَعَوْتُكَ؟» فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي كُنْتُ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: أَفَلَمْ تَجِدْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ «اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ». قَالَ: بَلَى، وَلَا أَعُودُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُبَی بن کعب کے پاس آئے اور فرمایا: اے اُبَی! وہ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے حضور کی طرف کچھ مڑے مگر حاضر بارگاہ نہ ہوئے، اُبَی نے مختصر نماز پڑھی، پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی اَلسَّلامُ عليك يا رسولَ الله، تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: وعليك السلام، آپ نے پوچھا: اے اُبَی! جب میں نے تجھے بلایا تھا جواب دینے اور حاضر ہونے سے کس چیز نے روک دیا؟

انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

وحیِ قرآنی میں کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی "اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتی ہے۔"

انھوں نے عرض کیا حضور! میں نے یہ وحی پڑھی ہے اور اب اِن شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کروں گا۔

حضرت ابو سعید بن معلّٰی اور حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اللہ کے رسول اعظم ﷺ نے ایسے وقت میں یاد کیا تھا جب وہ اللہ عزوجل کی سب سے افضل عبادت نماز میں مشغول تھے، اس لیے ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ پہلے نماز مکمل کر کے خدائے قدوس کی اطاعت بجالائیں، پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اطاعتِ نبوی کا فریضہ ادا کریں۔

ایک طرف نماز کی تکمیل کا معاملہ تھا اور دوسری طرف فرمانِ نبوی کی تعمیل کا۔ ان حضرات نے اپنے طور پر أهم فالأهم کا فیصلہ کر کے باری باری دونوں طاعات کی بجاآوری کی۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۱۱۱، أبواب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء في فضل فاتحة الكتاب، مجلس البركات

فرمانِ الٰہی کے اطلاق سے استدلال:

مگر مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ان حضرات کے اس فیصلے پر سرزنش کے انداز میں ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں یہ فرمان نہیں جاری کیا ہے: «اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ» جب اللہ و رسول تمھیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔

(الف) مطلب یہ ہے کہ ”حاضر ہو جاؤ“ کا حکم مطلق ہے اس لیے وہ اپنے اِطلاق کی وجہ سے حالتِ نماز کو بھی شامل ہے اور غیر حالت نماز کو بھی۔ لہذا ہر حال میں رسول اللہ کی پکار سن کر حاضر ہو جانا فرض ہے اور اس میں کچھ بھی دیر رسول اللہ کی سرزنش و ناراضی کا باعث ہے۔

نماز چھوڑ کر دربارِ رسالت میں حاضر ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی: لہذا نمازی پر فرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر نماز چھوڑ کر دربارِ مصطفیٰ میں حاضر ہو جائے، یہ امر احادیث نبویہ سے دو، دو چار کی طرح سے ظاہر و روشن ہے، تاہم، اس سلسلے میں کچھ علماے امت کے ارشادات بھی مزید تایید کے طور پر پیش ہیں:

عمدۃ القاری میں ہے:

وقالَ صاحبُ التوضيح: وصَرَّحَ أصحابنا، فقالوا: من خصائص النَّبي ﷺ أنه لو دعا إنسانا وهو في الصلاة وجب عليه الإجابة ولا يبطل صلاته.[۱]

ترجمہ: صاحب ”التوضیح“ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے صراحت فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے خصائص سے یہ بات ہے کہ حضور اگر کسی انسان کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو بھی اس پر حاضر ہو جانا واجب ہے اور اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

فتح الباری میں ہے:

تنبيه: قال (ابن التين) والذى تأول القاضيان عبد الوهّاب وأبو الوليد: أن إجابةَ النَّبي ﷺ فى الصّلاة فرضٌ، يعصى المرءُ بتركه، وأنه حكم يختصُّ

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج:۷، ص:۴۱۲، كتاب العمل في الصلاة/ باب إذا دعت الأم ولدها في الصلاة، دار الكتب العلمية.

بالنبي ﷺ.

قلتُ: ما جنح إليه القاضيان من المالكية، وهو قول الشافعية، على اختلاف عندهم بعد قولهم بوجوب الإجابة "هل تبطل الصلاة، أم لا." (۱)

ترجمہ: آگاہی: علامہ ابن التین فرماتے ہیں کہ قاضی عبد الوہاب (مالکی) اور قاضی ابو الولید (مالکی) نے فرمانِ الٰہی "حاضر ہو جاؤ" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نماز کی حالت میں بھی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا فرض ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ یہ حکم نبی امی ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

(حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ دونوں مالکی قاضیوں نے جو اختیار کیا وہی ائمہ شافعیہ کا بھی قول ہے، وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نمازی پر بارگاہ رسالت کی حاضری واجب ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ نماز چھوڑ کر جانے سے نماز باطل ہوگی یا نہیں۔

ان عبارات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی نمازی کو رسول اللہ ﷺ عین حالت نماز میں بلائیں تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ جواب دے اور نماز چھوڑ کر فوراً آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے، اس قدر پر اتفاق ہے۔

اور نماز چھوڑ کر بارگاہِ رسالت میں جانے یا جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اکثر کا موقف یہی ہے، ہمارے موجودہ علماے اہل سنت بھی اسی کے قائل ہیں، بعض شافعیہ نماز کو فاسد مانتے ہیں۔

اکثر کا موقف قوی و صحیح ہے کہ حکم الٰہی "اسْتَجِيْبُوْا" بہ معنیٰ "أَجِيْبُوْا" ہے یعنی "جواب دو، حکم بجالاؤ"۔ اور رسول اللہ کی اجابت واطاعت فی الواقع حکم الٰہی کی اجابت واطاعت ہے جیسے خود نماز پڑھنا بھی حکم الٰہی کی اجابت واطاعت ہے اسی لیے قرآن نے فرمایا:

---

(۱) ● فتح الباري، ج:۸، ص:۱۲۰، كتاب التفسير/ باب ما جاء في فاتحة الكتاب، مكتبة ابن تيمية، قاهره.

● ونحوهٗ في إرشاد الساري إلى شرح البخاري للعلامة الخطيب القسطلاني رحمه الله تعالى، ج:۷، ص: ۵، كتاب التفسير/ باب ما جاء في فاتحة الكتاب، مطبعة الكبرىٰ الأميرية، بولاق، مصر.

«اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ» ''اللہ و رسول کا جواب دو، حکم بجالاؤ''۔ حالاں کہ بلانے والے صرف رسول اللہ ہیں۔

کچھ خاص حالتوں میں سلام و کلام سے نماز فاسد نہ ہونے کے عمومی نظائر:

● امام کو لقمہ دینا بلا شبہہ امام سے کلام ہے مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کہ یہ حکم الٰہی و حکم رسول پر عمل ہے۔

● نماز میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنا ضروری ہے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه'' سلام بلا شبہہ حضور سے کلام ہی ہے، مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کہ یہ حکم الٰہی و حکم رسول پر عمل ہے۔

● حدیث ذو الیدین[1] میں سرور کائنات ﷺ نے صحابہ سے اور صحابہ نے سرکار سے ظہر یا عصر کی دو ہی رکعت پر سہواً سلام پھیرنے کے بعد کلام کیا، پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہو کی تحقیق ہونے کے بعد باقی دو رکعتیں پڑھ کر نماز مکمل کی، یہاں درمیان نماز کلام کے غیر مفسد نماز ہونے کی ایک توجیہ یہی ہے کہ رسول اللہ سے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں صراحت فرمائی، ان کے الفاظ ہیں:

والثاني : أن هذا كان خطابًا للنبيّ ﷺ وجواباً، وذلك لا يُبطِل عندنا وعند غيرنا، والمسئلةُ مشهورة بذلك.[2]

ترجمہ: دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب و جواب نبیِ کریم ﷺ سے تھا اور یہ ہمارے ائمہ شافعیہ اور دوسرے مذہب کے ائمہ کے نزدیک مفسد نماز نہیں۔ اور یہ مسئلہ مشہور ہے۔

الغرض آیات کریمہ اور احادیث نبویہ سے جو احکام ظاہر ہیں علماے امت نے انھی کی نشان دہی فرمائی ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ کسی شخص کو عین حالت نماز میں یاد فرمائیں[1] تو

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۲۱۳، كتاب الصلاة / باب السّهو في الصّلاة والسجود له، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۱٤، كتابُ الصّلاة / باب السّهو في الصلاة والسجود له، مجلس البركات.

اس پر فوراً بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا فرض ہوجاتا ہے۔ اس قدر میں علما کے مابین اختلاف نہیں پایا جاتا، یہاں تک کہ بعض علماے غیر مقلدین بھی اس کے قائل [1] ہیں اور اسی سے ہماری بحث کا تعلق ہے۔

(ب) فرمان رسالت کی بجاآوری بلاشبہہ تعظیم رسول ہے تو رسول کے بلانے پر نماز چھوڑ کر چلے جانے کی فرضیت ضرور اس بات کی دلیل ہے کہ تعظیم رسول تسبیح و عبادت سے اہم ہے۔

(ج) اور علماے امت کے قولِ قوی وراجح پر یہ نماز میں رسول اللہ کی تعظیم بھی ہے کیوں کہ نمازی جب نماز چھوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے تو اس وقت بھی وہ حکماً حالت نماز میں ہوتا ہے تو یہ عین حالت نماز میں تعظیم نبوی کا شان دار مظاہرہ ہے، اگر نماز میں غیر اللہ کی یہ تعظیم شرک ہوتی یا شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی تو کیا یہ اَجلّہ علماے اسلام اس کی اجازت دیتے، کیا یہ دلیل اس امر کی متقاضی نہیں ہے کہ وہابیہ اپنے اور اپنے امام کے موقف پر نظر ثانی کریں۔

تیسری شہادت: عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلاَةِ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلم- السَّلاَمُ عَلَى اللهِ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ. فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ، فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَقُلْ: **"التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ."**

---

(۱) فرقہ وہابیہ کے ایک اہم ستون شیخ عبید اللہ بن عبد السلام مبارک پوری اپنی کتاب "مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" میں لکھتے ہیں:

وفيه دليلٌ على أن إجابةَ النبي صلى الله عليه وسلم في الصلاة فرض يعصي المرأ بتركه، وأنه حكم يختص بالنبي صلى الله عليه وسلم.

واختلف في أن إجابة الرسول تبطل الصلاة أم لا، فقال بعض الشافعية: لا تبطلها، لأن الصلاة أيضاً إجابة. قال الطيبي والبيضاوي: ظاهر الحديث يدل على هذا.

وقيل: كان دعاه لأمر لا يحتمل التأخير وللمصلي أن يقطع الصلاة بمثله- انتهى. والأظهر من الحديث أن الإجابة واجبة مطلقاً في حقه - صلى الله عليه وسلم - كما يفهم من إطلاق الآية أيضاً، ولا دلالة في الحديث على البطلان وعدمه. إﻫ

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۷،ص: ۱۸۵، كتاب فضائل القرأن/ الفصل الأول، إدارة البحوث الإسلامية، بنارس) ۱۲ منه

فَإِذَا قَالَهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ.
"أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ".[۱]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کہا کرتے تھے: "اَلسلامُ علیٰ اللہ" (اللہ پر سلام) "اَلسّلام علیٰ فلاں" (فلاں پر سلام) تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم سے فرمایا کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس لیے وہ تمھارے سلام سے بے نیاز ہے) جب تم نماز کے "قعدہ" میں بیٹھو تو یہ کہو:

"اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ."

جب نمازی یہ کلمہ "عَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ." پڑھے گا تو اس کا سلام ہر صالح بندے کو جو آسمان یا زمین میں ہو پہنچ جائے گا (پھر پڑھے):

"أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضور سید عالم ﷺ نماز میں اَلتَّحِیَّات اور اَلسَّلام پیش کرنے کی تعلیم کس قدر اہتمام سے دیتے تھے اس کا ذکر دوسری روایت میں ہے:

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَخْبَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- التَّشَهُّدَ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، وَاقْتَصَّ التَّشَهُّدَ بِمِثْلِ مَا اقْتَصُّوا.[۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہّد کی

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۳، كتاب الصلاة/ باب التّشهُّد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.
(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷٤، كتاب الصلاة/ باب التّشهّد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

تعلیم یوں دی کہ میری ہتھیلی حضور کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی اور حضور اس طور پر مجھے تشہُّد کی تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن کی سورہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے تشہد کا پورا واقعہ پہلی حدیث کے مثل بیان کیا۔

بخاری شریف میں ایک جگہ ہے:

”وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيهِ“ ہے واو کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ:

”عَلَّمَنِي النَّبِيُّ –صلّى الله تعالى عليه وسلم– وكَفِّي بَيْنَ كَفَّيهِ التَّشَهُّدَ، كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ القُرآنِ.“[۱] ہے۔

چوتھی شہادت: ٹھیک یہی کیفیت حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بیان فرمائی ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنْ الْقُرْآنِ . . . وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ: كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ.[۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جیسے قرآن حکیم کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

ان احادیث میں حضور سید کائنات، افضل المخلوقات ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ نمازوں کے درمیان اور آخر میں آپ کی بارگاہ میں یوں سلام پیش کیا جائے:

”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ“.

اور یہ یقیناً خاص حالتِ نماز میں آپ کی تعظیم و توقیر ہے کہ سلام بابِ ادب و تعظیم و تواضع سے ہے، یوں بھی مسلمان جب بارگاہ رسالت میں نذرانہ سلام پیش کرتا ہے تو ادب و تعظیم و تواضع کے ساتھ ہی پیش کرتا ہے، معاذ اللہ کسی کے دل میں ادنیٰ سی بے ادبی کا خیال اور وہم بھی نہیں ہوتا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲،ص:۹۲۶، كتاب الاستيذان/ بابُ المُصافَحة –و– الأخذ باليدين، مجلس البركات.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷٤، كتاب الصلاة/ باب التَّشهُّد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

تشہد پڑھتے وقت حقیقی معنی کا قصد چاہیئے، نقل نہیں:

فقہا فرماتے ہیں کہ تشہد پڑھتے وقت الفاظِ تشہد کے حقیقی معانی کا قصد کرے اور معراج میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ میں جو مکالمہ ہوا تھا اس کی نقل وحکایت کا قصد نہ کرے یعنی اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ خود اللہ تعالی کی بارگاہ میں تَحِیَّات وصَلَوات اور رسول اللہ کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کر رہا ہے کہ اللہ تعالی نے مطلقا فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۱) اے ایمان والو، نبی پر صلاۃ وسلام بھیجو۔

یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے نماز وغیرِ نماز ہر ایک کو شامل ہے اور یہاں یقینا بالقصد صلاۃ وسلام بھیجنا مطلوب ہے۔

نیز حدیث تشہد کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں:

فإذا قالها أصابت كلَّ عبدٍ صالحٍ في السَّماء والأرض.

ترجمہ: جب نمازی یہ کلمہ پڑھے گا تو وہ آسمان وزمین کے ہر صالح بندے کو پہنچ جائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ سلام اسی وقت پہنچے گا جب قصداً سلام پیش کرے، نہ کہ محض نقل وحکایت کے طور پر پڑھے، اسی لیے امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

واحضر في قلبك النبيَّ صلّى الله تعالى عليه وسلم وشخصَه الكريم وقل: "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ". (۲)

ترجمہ: اپنے دل میں نبی ﷺ اور آپ کی ذات اقدس کو حاضر کرو، پھر عرض کرو: "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ". سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت وبرکات۔

اس طرح کی تصریحات دوسرے علمائے امت نے بھی کی ہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کی امامت نماز اور تعظیم رسول:

پانچویں شہادت: عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُول

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآية: ۵۶.

(۲) إحياء العلوم، ج: ۲، ص: ۳۰۴، مطلب فيما يراعي في التشهّد، دار الشعب، قاهره.

اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- وَتَخَلَّفْتُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ قَالَ: « أَمَعَكَ مَاءٌ ». فَأَتَيْتُهُ بِمِطْهَرَةٍ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ، فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَأَلْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا فِي الصَّلَاةِ يُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً، فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلم- ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ، فَصَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- وَقُمْتُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِي سَبَقَتْنَا.(١)

ترجمہ: عروہ بن مغیرہ کا بیان ہے کہ ان کے والد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ وہ اور رسول اللہ ﷺ (ایک رات) سفر میں قافلے سے پیچھے رہ گئے، جب سرکار قضاے حاجت فرما چکے تو پوچھا کہ کیا تمھارے پاس پانی ہے؟

تو میں پانی کا برتن لے کر آیا، حضور ﷺ نے اس سے پہلے اپنے دونوں کفِ دست دھوئے، پھر چہرہ دھویا، پھر جبے میں سے اپنے ہاتھ نکالنے لگے تو جبے کی آستین تنگ پڑ گئی، اس لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبے کے نیچے سے اپنے ہاتھ نکالے اور جبے کو دونوں شانوں پر ڈال دیا پھر دونوں ہاتھ دھوئے پھر سر کے چوتھائی حصے پر اور عمامہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ پھر حضور سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا، یہاں تک کہ ہم لوگ قافلے میں اس وقت پہنچے جب وہ حضرات نماز (فجر) شروع کر چکے تھے، انھیں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے اور وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔

جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں اشارے سے اپنی جگہ برقرار رہنے کا حکم دیا۔

تو انھوں نے پوری نماز پڑھائی، جب انھوں نے سلام پھیرا تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور میں بھی کھڑا ہو گیا اور جس رکعت میں ہم لوگ مسبوق ہو گئے تھے اسے ادا کیا۔

اس حدیث کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے سفر کا ہے وہ بھی

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٣٤، كتاب الطهارة/ باب المسح على الخفين، مجلس البركات، مبارك فور.

رات کا۔ اور نماز سے مراد نماز فجر ہے۔ جیسا کہ ”باب تقديم الجماعة من يصلى بهم“ میں امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تخریج کی ہے۔ (۱)

اس حدیث سے بہت سے احکام ثابت ہوتے ہیں مگر ہم یہاں صرف اس امر پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ محسوس کیا کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا تشریف لا رہے ہیں تو امامت کی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے اور ظاہر ہے کہ ہٹنا کسی عذر شرعی اور استخلاف کی وجہ سے نہ تھا، نہ ہی پہلے سے اس بارے میں کوئی فرمان نبوی جاری ہوا تھا کہ حضور صف اول میں آجائیں تو امام ہٹ جائے، اس لیے یہ ہٹنا صرف تعظیم نبی کے لیے تھا جس کا حکم کتاب وسنت کے مطلق نصوص میں پہلے سے موجود تھا، تو یہاں عین حالتِ نماز میں امام نے تعظیم نبی کا علانیہ مظاہرہ کیا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے برقرار رکھا اور اس پر کوئی نکیر نہ فرمائی مگر امام الوہابیہ نماز میں تعظیم نبی تو بڑی بات ہے تعظیم کے ساتھ نبی کے خیال پر بھی شرک کی طرف کھینچنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت نماز اور احترام رسول:

چھٹی شہادت: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلم- ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلاَةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- وَالنَّاسُ فِي الصَّلاَةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ - وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لاَ يَلْتَفِتُ فِي الصَّلاَةِ - فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ، فَرَأَى رَسُولَ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ». قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لاِبْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۸۰، كتاب الصّلاة / باب تقديم الجماعة من يصلّي، مجلس البركات.

يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم-

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ-صلّى الله عليه وسلّم-: «مَا لِي، رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ».(١)

وَ فِي رِوَايَةٍ: فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَقَ الصُّفُوفَ حَتَّى قَامَ عِنْدَ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ.(٢)

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلۂ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور ادھر نماز کا وقت ہو گیا، تو موذن حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آئے اور عرض کی، کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں؟ انھوں نے فرمایا، ہاں! تو حضرت ابو بکر نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور لوگ نماز میں تھے، تو سرکار لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (پہلی) صف میں جا کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر لوگ تالی بجانے لگے اور حضرت ابو بکر (نماز میں مشغولیت کے باعث) ادھر ادھر مڑتے نہیں تھے، جب لوگ زیادہ تالیاں بجانے لگے تو مڑے اور نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہر کر امامت کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر (فرط مسرت کی وجہ سے) حضرت ابو بکر نے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اور اس انداز سے اللہ عزوجل کی (خاموش) حمد کی۔

پھر حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ صف میں ٹھیک سے کھڑے ہو گئے اور نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر امامت شروع کر دی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! جب میں نے تم کو حکم دیا تھا تو تمھیں امامت سے کس چیز نے روکا؟ تو ابو بکر نے عرض کی کہ حضور ابن ابو قحافہ (یعنی ابو بکر صدیق) کی مجال، کہ رسول اللہ سے آگے بڑھ کر امامت کرے۔

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٧٩، كتاب الصلاة/ باب تقديم الجماعة مَن يصلي بهم إذا تأخّر الإمام و لم يخافوا مفسدة بالتقديم، مجلس البركات

(٢) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٧٩، كتاب الصلاة/ باب تقديم الجماعة من يصلي بهم، مجلس البركات، مبارك فور.

پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم لوگ تالیاں زیادہ بجا رہے تھے، جب نماز میں کچھ درپیش ہو تو "سُبْحَانَ اللّٰه" کہا کرو۔ جب "سُبْحَانَ اللّٰه" کہو گے تو امام متوجہ ہو جائے گا، ہاتھ پر ہاتھ مارنا تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے آئے اور پہلی صف میں کھڑے ہو گئے۔

سرکار کی آمد پر مقتدی صحابہ ہاتھوں پر ہاتھ مار کر حضرت صدیق اکبر کو آگاہ کرنے لگے کہ وہ پیچھے آجائیں اور آگاہی کے بعد وہ پیچھے آ بھی گئے یہ سب کچھ تعظیمِ رسول کے لیے تھا۔

مسلمان دیکھیں کہ صحابہ وافضل الصحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم عین حالت نماز میں رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کر رہے ہیں اور سرکار بذات خود مشاہدہ فرما رہے ہیں، اگر یہ شرک تھا تو کیا توحید کے سب سے بڑے داعی افضل المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک کو پسند کر کے برقرار رکھا؟ معاذ اللہ۔

ساتویں شہادت: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللّٰهِ - صلّى الله عليه وسلّم - جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ ، وَإِنَّهُ مَتَى يَقُومُ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ .

فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ». قَالَتْ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ ، وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعَ النَّاسَ ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ . فقَالَتْ لَه: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم -: « إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ » .

قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ - صلّى الله عليه وسلّم - مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً ، قالت: فَقَامَ يُهَادِى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ.

قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- قُمْ مَكَانَكَ. فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه

وسلم- حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ. قالت: فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّم- يُصَلِّي بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُو بَكْرٍ قَائِمًا. يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلاَةِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلاَةِ أَبِي بَكْرٍ.(۱)

ترجمہ :ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے اور حضرت بلال حضور کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے تو حضور نے فرمایا:

ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ابو بکر رقیق القلب انسان ہیں، وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قراءت نہ سنا سکیں گے۔ اس لیے حضور حضرت عمر کو حکم فرمادیں۔ حضور نے فرمایا:

ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کریں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے حفصہ سے کہا کہ تم حضور سے کہو کہ حضرت ابو بکر رقیقُ القلب انسان ہیں اور وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو قراءت نہیں سنا سکیں گے اس لیے حضور حضرت عمر کو حکم فرمادیں۔ تو حضرت حفصہ نے حضور سے یہ بات عرض کی، تو حضور نے فرمایا: تم لوگ (اپنی بات پر اصرار کرنے میں) حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتوں کی طرح ہو:

ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کریں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے نماز شروع کی اور ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس کیا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے چل کر مسجد میں تشریف لائے، چلنے کا حال یہ تھا کہ پائے اقدس سے زمین پر لکیریں بن رہی تھیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ **جب حضور مسجد میں تشریف لائے اور ابو بکر نے آپ کی آہٹ سنی، تو پیچھے ہٹنے لگے**، تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو، پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق کے بائیں طرف آکر بیٹھ گئے، اب رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے، اور حضرت ابو بکر کھڑے رہے،

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۸ - ۱۷۹، كتاب الصلاة/ باب: استخلاف الإمام إذا عرض له عذرٌ مِن مرض ... مَن يصلّي بالناس، مجلس البركات

حضرت ابو بکر نبی کریم ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور صحابہ حضرت ابو بکر صدیق کی اقتدا کر رہے تھے۔

ایک روایت میں "حضرت ابو بکر کی اقتدا" کی تعبیر اس طرح ہے:

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُهُمُ التَّكْبِيرَ.

نبی کریم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابو بکر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔ (یعنی: حضور امام تھے اور یہ مبلغ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز میں سرکار کی تشریف آوری کی آہٹ ملی اور آپ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے، تاکہ سرکار آگے بڑھ کر امامت فرمائیں۔

یہ ہے نماز میں تعظیمِ رسول کا جذبہ شوق، کہ سرکار سے آگے رہنا گوارا نہ ہوا، اور جب سرکار پہلو میں آئے تو دل کو قرار آگیا۔

آٹھویں شہادت: عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ أَبَابَكْرٍ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ كَشَفَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- سِتْرَ الْحُجْرَةِ فَنَظَرَ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ضَاحِكًا، قَالَ: فَبُهِتْنَا وَنَحْنُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرَحٍ بِخُرُوجِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- خَارِجٌ لِلصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِيَدِهِ: أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ.

قَالَ: ثُمَّ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَأَرْخَى السِّتْرَ، قَالَ: فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ.(۱)

ترجمہ: ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۹، كتاب الصلاة/ باب استخلاف الإمام إذا عَرض له عذر مِن مرض ... مَن يصلي بالنّاس، مجلس البركات، مبارك فور.

کے مرضِ وصال میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی امامت کرتے تھے، یہاں تک کہ دو شنبہ کے دن جب لوگ صف باندھے نماز پڑھ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے اس وقت آپ کا روے انور مصحفِ قرآن کے ورق جیسا لگتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ ہنسنے کے انداز میں مسکرانے لگے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر تو ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باہر جھانکنے اور آپ کے دیدار کی خوشی میں نماز کی حالت میں ہی بے خود ہو گئے اور **حضرت ابو بکر صدیق اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے پلٹنے لگے تاکہ صف میں آجائیں**، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے سب کو حکم دیا کہ اپنی نماز مکمل کرلو۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرے میں چلے گئے اور پردہ گرادیا اور اسی روز آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

ان احادیث طیبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام میں چار بار دو صحابۂ کرام کے امامت سے ہٹنے کا واقعہ پیش آیا۔

● ایک بار حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت سے ہٹنا چاہا، مگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر امامت جاری رکھی۔

● اور تین بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب واحترام کا یہی مظاہرہ کیا۔ اور آخری بار انھوں نے بھی حکم رسالت پر امامت جاری رکھی۔

☆ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام صف میں آئے ہی نہیں، بلکہ حجرے سے ہی باہر نہ نکلے، حضور حجرے سے باہر نکل کر صف میں تشریف لاتے تو آپ کی امامت سے شرف یاب ہونے کے لیے وہ پیچھے ضرور آتے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت عبد الرحمٰن کے واقعے میں مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھنے کی وجہ:

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے واقعہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام امامت کے لیے آگے نہ بڑھے اور مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھنے کو ترجیح دی، کیوں کہ اس واقعہ میں حضور مسبوق تھے، ان کی ایک رکعت چھوٹ چکی تھی، امام ہونے کی صورت میں بھی سرکار سلام پھیرنے کے بعد وہ چھوٹی ہوئی رکعت

پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرات صحابہ کرام بھی کھڑے ہو جاتے کیوں کہ وہ حضرات نماز میں حضور کو جیسا کرتے دیکھتے تھے ویسا ہی کرتے تھے اور انھیں حضور کی طرف سے اس کی ہدایت بھی تھی، اس صورت میں صحابہ کی نماز فجر تین رکعت ہو جاتی۔ اس خرابی سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بھی آگاہ تھے اس لیے سرکار کے اشارے پر انھوں نے امامت جاری رکھی اور پیچھے نہ ہٹے۔

علاوہ ازیں سرکار کا منصب شریف بیانِ شریعت بھی ہے تو آپ نے اپنے عمل سے مسبوق کا حکم شرعی بیان فرما دیا تاکہ آپ کی امت کے حق میں ہمیشہ کے لیے یہ سنتِ نبوی بن جائے اور حدیث پاک:

"صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي."[1]

"تم لوگ جیسا مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو ویسے ہی نماز پڑھو۔"

کے اطلاق میں مسبوق کا حکم شرعی بھی شامل ہو جائے۔

☆ چاروں بار دونوں جلیل القدر صحابۂ کرام حضور کی امامت سے شرف یاب ہونے کے لیے جاے امامت سے ہٹنے لگے اور دو بار تو حضرت صدیق اکبر نے امامت سے سبک دوش ہو کر سرکار کی اقتدا میں نماز بھی ادا کی، ایسا کیوں ہوا؟

کیا خاص ان اماموں کے لیے کتاب و سنت نے کوئی فرمان صادر کیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کی آمد پر امامت کے مصلے سے ہٹ جائیں۔؟

یا ان حضرات کو کوئی حدث لاحق ہو گیا تھا جس کے باعث جاے امام سے ہٹنا ناگزیر تھا؟ اور کیا وہ کسی شرعی اجازت کی وجہ سے حضور ﷺ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے؟

واقعہ یہ ہے کہ ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ اور حق یہ ہے کہ ان حضرات کا امامت کی جگہ سے ہٹنا، اور دوبارہ امام ہوتے ہوئے حضور کی اقتدا کرنا صرف اور صرف حضور سید کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کی تعظیم و توقیر کے لیے تھا، ان کے سامنے قرآن مقدس کا یہ فرمان تھا: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ[2] "اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔"

جو اپنے اطلاق کی وجہ سے نماز و بیرون نماز دونوں کو عام تھا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۸۸، كتاب الأذان/ باب الأذان للمسافر، مجلس البركات.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ۴۸، الآية: ۹.

ان کے پیشِ نظر ارشاد باری: " لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[۱] بھی تھا جس میں مومنوں کو دربار رسالت کا یہ ادب بتایا گیا ہے کہ "اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔"

یہ بات حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق کے اس سوال و جواب سے بہت ہی واضح وروشن ہو جاتی ہے:

فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ؟

قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[۲]

حضور سید عالم نے پوچھا: اے ابو بکر! جب میں نے تجھے امامت جاری رکھنے کا حکم دے دیا تھا تو تمھیں امامت کرنے سے کس چیز نے روک دیا؟

حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا: حضور، ابن ابو قحافہ کی یہ مجال نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے آگے رہ کر امامت کرے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب بہت واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ فرمان خداوندی: " لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[۳] (اللہ ورسول کے آگے نہ بڑھو۔) کے پیش نظر تعظیم نبی کا شاندار نمونہ پیش کر رہے تھے اور آیت کریمہ کی عملی تفسیر بن کر یہ اظہار فرما رہے تھے کہ یہ آیت نماز وبیرون نماز ہر حال میں رسول اللہ کے ادب واحترام اور تعظیم و توقیر کا حکم دیتی ہے۔

غور فرمائیے کہ

- صحابہ نماز میں تعظیم نبی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔
- مقتدی صحابہ ہاتھوں پر ہاتھ مار کر اسی تعظیم نبی کے لیے اپنے امام کو آگاہ کر رہے ہیں۔
- اور رسول اللہ ﷺ سب کچھ مشاہدہ فرما کر انکار کے بجائے برقرار رکھ رہے ہیں۔
- یہاں تک کہ قرآن مقدس علی الاطلاق اس کا حکم دے رہا ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الحجرات: ۴۹، الأية: ۱.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۱۷۹، كتاب الصلاة/ باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من يصلي بالناس، مجلس البركات.

(۳) القرآن الحكيم، سورة الحجرات: ۴۹، الأية: ۱، ۲.

اس لیے ہم اہل حق -اہلِ سنت و جماعت- حالتِ نماز میں بھی اس طرح کی تعظیمِ رسول کے قائل ہیں مگر امام الوہابیہ کی شریعت ان سب کے بر خلاف یہ فرمان جاری کرتی ہے کہ نماز میں غیر اللہ کی تعظیم شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

نویں شہادت: عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک شب نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز تہجد پڑھی تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام مسلسل قیام کو طویل سے طویل تر کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے ایک "بری بات" کا ارادہ کر لیا، ہم نے پوچھا کہ آپ نے کیا ارادہ کر لیا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ "بیٹھ کر نماز پڑھوں اور نبی کریم ﷺ کو حالتِ قیام میں رہنے دوں"

نفل نماز تو قیام پر قدرت ہونے کے باوجود بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز، بلکہ باعث اجر و ثواب ہے پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بیٹھ کر نماز تہجد پڑھنے کے ارادے کو "بُرا ارادہ" کیوں بتایا؟

اس کی وجہ ان کے ارشاد سے ہی ظاہر ہے کہ "حضور کھڑے ہوں اور میں بیٹھ جاؤں" یہ بارگاہ رسالت کی بے ادبی ہے۔

امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واتّفق العُلماءُ علىٰ أنّه إذا شقّ على المقتدي في فريضة أو نافلة القيامُ وعجز عنه، جاز له القعودُ، وإنما لم يقعد ابن مسعود لِلتّأدُّب مع النبي ﷺ.(۲)

ترجمہ: اس امر پر علما کا اتفاق ہے کہ فرض یا نفل نماز میں جب مقتدی پر کھڑا رہنا شاق ہو اور وہ

---

(۱) • صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۵۲، كتابُ التهجد/ باب طول الصّلاة في قيام الليل، مجلس البركات، مبارك فور.

• والصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۲٦٤، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب استحباب تطويل القراءة في صلاةِ الليل، مجلس البركات.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۲٦٤، كتابُ صلاة المسافِرين وقصرها/ باب استحباب تطويلِ القراءة في صلاةِ الليل، مجلس البركات.

قیام سے عاجز ہو جائے تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف نبی کریم ﷺ کے ادب واحترام کی وجہ سے نہیں بیٹھے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیام کے شاق ہونے کے باوجود صرف حضور ﷺ کے ادب واحترام میں کھڑے رہ کر نماز پڑھتے رہے تو یہاں بھی عین حالت نماز میں رسول اللہ کی تعظیم کا قصد اور اس کا عملی مظاہرہ ہے۔ یہ ہے ارشاد باری پر عمل کا جذبۂ عشق۔

خدا کرے ہمارا خصم بھی رسول اللہ کی اس تعظیم کا قائل ہو جائے۔

دسویں شہادت: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ وَرَاءَهُ، فَأَخَذَنِي، فَأَقَامَنِي حِذَاءَهُ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَى صَلاَتِهِ انْخَنَسْتُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : مَا لَكَ، أَجْعَلُكَ حِذَائِي فَتَخْنِسُ؟ قُلْتُ : مَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ حِذَاءَكَ وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ ، فَأَعْجَبَهُ، فَدَعَا اللَّهَ أَنْ يَزِيدَنِي فَهْمًا وَعِلْمًا "وفقهاً".

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.[1]

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رات کے آخری حصے میں آیا، جب آپ نماز پڑھ رہے تھے تو میں حضور کے پیچھے کھڑا ہو گیا، حضور ﷺ نے مجھے پکڑ کر اپنے برابر (داہنی جانب) کھڑا کر دیا، پھر حضور نماز پڑھنے لگے تو میں پیچھے ہٹ آیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ کیا بات ہے کہ میں نے تجھے اپنے برابر کھڑا کیا تو تم پیچھے ہٹ گئے ؟

میں نے عرض کی "حضور کسی کے لیے مناسب نہیں کہ آپ کے برابر (کھڑا ہو کر) نماز پڑھے حالاں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضور کو یہ جواب پسند آیا اور اللہ تعالی سے دعا فرمائی کہ وہ مجھے دین کی فہم اور علم وفقہ زیادہ عطا فرمادے۔

یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے، ہاں! ان حضرات نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

---

(۱) المستدرك على الصَّحيحَين، ج:۳،ص:۵۳۴، كتاب معرفة الصحابة/ دعاء النبي لابن عباس، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہ حدیث نقل کرکے ''خ، م''(۱) لکھ کر اسے بر شرط شیخین صحیح تسلیم کیا۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابن عباس کے جواب کے کلمات اس طرح ہیں:

فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَوَ يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ حِذَاءَكَ وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ.(۲)

ترجمہ: میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا کسی کے لیے یہ مناسب ہے کہ آپ کے برابر میں نماز پڑھے حالاں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حافظ نور الدین علی بن ابو بکر الہیثمی (متوفی:۸۰۷ھ) اس حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

رواه أحمد ورجاله رجالُ الصحيح.(۳)

ترجمہ: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔

وہابیوں کے امام البانی نے بھی یہ حدیث نقل کرکے یہ اعتراف کیا:

قلتُ: وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين وقد أخرجه الضياء في المختارة، من طريق الإمام أحمد.(٤)

ترجمہ: میں کہتا ہوں یہ اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے اور اسے الضیاء نے بھی ''المختارہ'' میں امام احمد کے طریق سے روایت کیا۔

حضور سید عالم ﷺ بھی نماز میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی۔ اور یہ عین حالتِ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کے لیے پیچھے ہٹ گئے اور ان کی اس تعظیم پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوش ہوکر ان کے حق میں فقہ و علم سے سرفرازی کی دعا کی اور خدائے کریم نے اسے قبول بھی فرمالیا۔

---

(۱) التلخيص للإمام الذهبي، المطبوع مع المستدرك، ج:۳، ص: ٥٣٤.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۲۷۲، مسند آل عباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۳۰٦۱، بيت الأفكار الدولية.

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۹، ص:٤٦۲، كتاب المناقب/ بابُ مناقب عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما، رقم الحديث: ١٥٥٢٦، دارُ الفكر، بيروت.

(٤) السلسلة الصحيحة، ج:۲، ص:۱۰٥، المكتبة الشاملة.

نوع دوم کے نصوص

جن میں بیرون نماز تعظیم رسول کے بے مثال نمونے ہیں

نماز کے علاوہ دوسرے احوال میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی تعظیم عام انسانوں اور اربابِ عظمت -مثل استاذ، شیخ، ماں، باپ، بڑے بھائی وغیرہ- سے زیادہ ہونی چاہیے اس کے نصوص وشواہد کثیر ہیں مگر ہم یہاں چند کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ نوع اول کے تمام نصوص بھی اس نوع کے دلائل ہیں ان کے سوا کچھ نصوص احادیث یہ ہیں۔

تعظیم رسول کا پہلا نمونہ، جو متعدّد نمونوں کا مجموعہ ہے:

(۱۰) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ (يُخْبِرَانِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۱]) . . . خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ . . . حَتَّى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى ثَمَدٍ قَلِيلِ الْمَاءِ . . . ثُمَّ إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- بِعَيْنَيْهِ قَالَ: فَوَاللَّهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- نُخَامَةً إِلاَّ وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ.

فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، وَاللَّهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ. وَاللَّهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- مُحَمَّدًا. وَاللَّهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلاَّ وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ.[۲]

ترجمہ: حضرت مِسوَر بن مخرمہ اور مروان کا بیان ہے (کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۷٤، أوّلُ كتاب الشّروط، مجلس البركات.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۷۹، كتاب الشّروط/ باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، مجلس البركات.

بیان کرتے ہیں)... رسول اللہ ﷺ حُدَیبیہ کے زمانے (ذی القعدہ ۰۶ھ) میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے... اور حُدَیبیہ کے کنارے ایک کنویں کے پاس۔جس میں پانی کم تھا۔ٹھہرے... عُروہ بن مسعود ثقفی (جو کفار قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تھا) نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو دیکھنے لگا، وہ کہتا ہے کہ:

- اللہ کی قسم، رسول اللہ ﷺ جب بھی کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی میں آتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے
- اور جب آپ انھیں کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی بجاآوری کے لیے جھپٹ پڑتے ہیں
- اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو سب کے سب آپ کا غُسالہ (دھوون) یوں لوٹنے لگتے ہیں جیسے آپس میں جنگ کرلیں گے
- اور جب آپ کلام فرماتے ہیں تو صحابہ آپ کے حضور اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں
- اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھتے۔

پھر عُروہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا اور یہ رپورٹ پیش کی:

"اے میری قوم! خدا کی قسم، میں بادشاہوں کے یہاں سفیر بن کر گیا ہوں اور خاص کر قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے شہنشاہوں کا دربار بھی دیکھا ہے۔ لیکن خدا کی قسم، میں نے کبھی کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہ دیکھا جیسی تعظیم محمد (ﷺ) کے اصحاب کو محمد (ﷺ) کی کرتے دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم وہ کھنکھار بھی تھوکتے ہیں تو وہ (زمین پر گرنے کے بجاے) کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں جاتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ انھیں کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو صحابہ غُسالہ (دھوون) کے لیے یوں ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے وہ آپس میں لڑجائیں گے۔ اور جب وہ کلام فرماتے ہیں تو صحابہ اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو نظر جما کر دیکھ نہیں پاتے۔

تعظیم رسول کا دوسرا نمونہ:

(۱۱) عَنْ أَبِي مُوسَى ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ : كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- وَهُوَ نَازِلٌ بِالْجِعْرَانَةِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَتَى النَّبِيَّ -صلى الله

عليه وسلم- أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: أَلاَ تُنْجِزُ لِي مَا وَعَدْتَنِي، فَقَالَ لَهُ: أَبْشِرْ، فَقَالَ : قَدْ أَكْثَرْتَ عَلَيَّ مِنْ أَبْشِرْ فَأَقْبَلَ عَلَى أَبِي مُوسَى وَبِلاَلٍ كَهَيْئَةِ الْغَضْبَانِ، فَقَالَ: رَدَّ الْبُشْرَى فَاقْبَلاَ أَنْتُمَا، قَالاَ: قَبِلْنَا ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: اشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا فَأَخَذَا الْقَدَحَ فَفَعَلاَ فَنَادَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ أَنْ أَفْضِلاَ لأُمِّكُمَا فَأَفْضَلاَ لَهَا مِنْهُ طَائِفَةً.(۱)

ترجمہ : حضرت ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا اور آپ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منوّرہ کے درمیان جِعرَّانَہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت بلال آپ کے ہمراہ تھے۔۔۔ حضور نے ہم دونوں کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ اس اعرابی نے ہماری بشارت ٹھکرادی، تم لوگ قبول کرلو، ہم دونوں نے عرض کی حضور، ہم نے قبول کرلیا۔

پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی کا ایک پیالا منگایا اور اس میں میں اپنے دونوں ہاتھ اور چہرے کو دھویا اور اسی میں کلّی فرمائی، پھر فرمایا کہ دونوں یہ پانی پی لو اور اپنے چہرے اور سینے پر ڈال لو، اور بشارت قبول کرو۔ تو دونوں نے پیالہ لیا اور کچھ پانی نوش کیا اور کچھ اپنے بدن پر ملنے لگے، اتنے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردے کی آڑ سے فرمایا کہ "کچھ پانی اپنی ماں کے لیے بھی بچادینا" تو دونوں نے کچھ پانی اُمّ المومنین کے لیے بھی بچادیا۔

اس حدیث پاک سے عیاں ہوتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کا غُسالہ امت کے لیے بڑی بابرکت چیز ہے اس لیے آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت بلال کو اسے پی لینے اور چہرے اور بدن پر ڈالنے کا حکم دیا اور یہی وجہ ہے کہ اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان حضرات سے اپنے لیے بھی کچھ بچانے کو کہا۔ اور سرکار نے اس پر بشارت بھی دی۔

یہ غُسالۂ نبوی کی بڑی تعظیم ہے جس کا حکم خود سیّد الرسل ﷺ نے دیا۔

تعظیمِ رسول کا تیسرا نمونہ:

(۱۲) عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ،

(۱) صحيح البخاري، ج:۲،ص:٦۲۰، كتاب الصلاة/ بابُ رفع الصَّوت في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، قَالَ: مَنْ أَنْتُمَا - أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا؟ - قَالاَ: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: «لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ البَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».(۱)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں "مسجد نبوی" شریف میں کھڑا تھا کہ اتنے میں کسی شخص نے مجھ پر کنکری پھینکی، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انھوں نے فرمایا کہ "جاؤ اور اُن دونوں کو میرے پاس حاضر کرو" میں نے انھیں حاضر کر دیا، تو آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو، یا کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ وہ "طائف" کے رہنے والے ہیں، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس شہر (مدینہ منورہ) کے ہوتے تو تمھیں سزا دیتا (کہ یہاں کے لوگ مسجد نبوی کے آداب سے واقف ہیں) تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

مساجد کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے: "إِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ" اس لیے فقہاے کرام عامۂ مساجد کا یہ ادب بیان کرتے ہیں کہ ان میں آواز نہ بلند کی جائے اور "مسجد نبوی شریف" کو خاص رسول اللہ ﷺ سے بھی نسبت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے اور قطعا وہاں آواز نہ بلند کی جائے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں حضرات کی سرزنش کی جو وجہ بیان فرمائی اس کا تقاضا یہی ہے، انھوں نے " تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " فرما کر یہ پیغام دیا ہے کہ یہاں آواز بلند کرنے پر سزا کی بات رسول گرامی وقار ﷺ سے نسبت کی وجہ سے ہے۔

تعظیم رسول کا چوتھا نمونہ:

(۱۳) عَنِ ابْنِ شِمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ، قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ . . . فَقَالَ: وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَجَلَّ فِي عَيْنِي مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ؛ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الحَالِ

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص:٦٧، كتاب الصلاة/ باب رفع الصوت في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.(۱)

ترجمہ : حضرت ابن شماسہ مہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے اپنے سفرِ آخرت کے وقت فرمایا کہ... میرے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب اور میری نگاہوں میں آپ سے زیادہ لائق تعظیم و تکریم کوئی نہ تھا، اور میں آپ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے آنکھ بھر کر آپ کا دیدار نہیں کر سکتا تھا، اگر مجھ سے آپ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا جائے تو میں نہیں بیان کر سکتا کیوں کہ میں نے حضور کو آنکھیں جما کر دیکھا ہی نہیں ہے، اگر میں اس حال میں فوت ہوتا تو مجھے امید تھی کہ میں اہل جنت سے ہوتا۔

تعظیم رسول کا پانچواں نمونہ:

(١٤) عَنْ أُسَامَةَ بْنَ شَرِيكٍ ، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ تَعَالىٰ وَسَلَّمَ- وَأَصْحَابُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَسَلَّمْتُ، ثُمَّ قَعَدْتُ.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح ولم يخرّجاه. وقال الذّهبي في التلخيص: صحيح.(۲)

ترجمہ : حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو صحابہ کرام آپ کی بارگاہ میں یوں موجود تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پھر میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔

امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی اور امام ذہبی نے بھی تلخیص میں اسے صحیح کہا۔

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٧٦، كتاب الإيمان/ باب كونِ الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحجّ، مجلس البركات.

(٢) ● سنن أبي داؤد، ص: ٤٢٤، كتاب الطب/ باب في الرّجل يتداوى، رقم الحديث: ٣٨٥٥.
● -و- مسند الإمام أحمد بن حنبل ،ص : ١٣٤٥، مسند الكوفيين / حديث أسامة بن شريك، رقم الحديث: ١٨٦٤٥.
● المستدرك على الصحيحين ،ج:١ ،ص: ١٢١، كتاب العلم/ باب أن الله تعالى لم يضع داءا إلا وضع إلخ. مع التلخيص للإمام الذّهبي رحمه الله تعالى.

یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ نبوت میں اس قدر سکون کے ساتھ ادب و تواضع کا پیکر بنے بیٹھے ہوتے تھے، جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں جو کچھ بھی حرکت محسوس کر کے اڑ جائیں۔ یہ ہے آیت کریمہ ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' کی عملی تفسیر اور نبی کریم ﷺ کی بے مثال تعظیم و توقیر۔

تعظیم رسول کا چھٹا نمونہ:

(۱۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّم- وَالْحَلاَّقُ يَحْلِقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلاَّ فِي يَدِ رَجُلٍ.[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے بال مونڈ رہا ہے اور صحابہ کرام نے حضور کو گھیر رکھا ہے کہ کہیں کوئی موے مبارک زمین پر نہ گر جائے، ان کی خواہش بس یہ تھی کہ جو بھی موے مبارک گرے وہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرے۔

موے مبارک کا یہ ادب و اجلال بلا شبہہ تعظیم نبی کا بہترین نمونہ ہے۔

☆ سرکار ابد قرار ﷺ اپنے کسی کام کے لیے حکم فرمائیں تو صحابہ کرام کا اس کی بجاآوری کے لیے دوڑ پڑنا تاکہ یہ سعادت ان کے حصے میں آئے بلا شبہہ آپ سے بے پناہ محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔

☆ اپنے محبوب و معظم کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا تعظیم ہے مگر اس سے بھی اعلیٰ تعظیم یہ ہے کہ محبوب کی بے پناہ عظمت کی وجہ سے اس کے روے زیبا پر نگاہیں نہ جم سکیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے صحابہ کرام کی اسی تعظیم کا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے اور صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کامیاب زندگی — جو جنت کی راحتِ ابدی سے سرفرازی کا احساس دلائے — کے حالات میں اسی تعظیم کا ذکر کیا ہے۔

نصف النہار کے وقت جگمگا رہے سورج پر نگاہیں جم نہیں پاتیں، اس کا سبب اس کی بے پناہ چمک ہے اور رخ مصطفیٰ پر عاشقان مصطفیٰ کی نگاہیں نہیں جم سکیں اس کا سبب آپ کی بے پناہ عظمت ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمّد و آله وصحبه وسلم۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۲،ص:۲۵۶، کتاب الفضائل/ باب قربه -صلى الله تعالى عليه وسلم- من الناس وتَبَرُّكِهِمْ به وتواضعِه لهم.

☆ سرکار کائنات ﷺ سر انور کے بال ترشوا رہے ہیں اور صحابہ آپ کے گرد و پیش پروانہ وار اس لیے جمع ہیں کہ کوئی موے مبارک زمین پر نہ گر جائے، ان کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ جو بھی موے مبارک سر سے جدا ہو وہ ان کے ہاتھوں کا تبرک بنے، یہ بلا شبہہ حضور سید عالم ﷺ سے ان کے گہرے لگاو اور حد درجہ تعظیم و محبت کی وجہ سے تھا وہ حضرات موے مبارک کی تعظیم کو بھی تعظیم نبی کا ایک حصہ مانتے تھے جس کا حکم قرآن مقدس نے دیا ہے "وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ"

☆ عام انسانوں کے وضو کا بچا ہوا پانی متبرک مانا جاتا ہے مگر اس کا غُسالہ (دھوون) متبرک نہیں سمجھا جاتا، بلکہ عموما اس سے سلیم طبائع کو گھِن ہوتی ہے اس کے بر خلاف حضور سید کائنات ﷺ کے وضو کا غُسالہ نگاہِ عشق و عرفان میں اس قدر متبرک اور قابل تعظیم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو اس کا زمین پر گرنا گوارا نہ تھا اور وہ اسے حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے کہ کاش انھیں کچھ غُسالہ میسر ہو اور وہ اسے اپنی نیک بختی شمار کریں۔

غُسالہ کی یہ تعظیم بلا شبہہ سرکار علیہ التحیۃ والثنا کی نسبت کی وجہ سے ہے اور یہ یقیناً بے مثال تعظیم ہے۔

اور ان سب سے بڑھ کر تعظیم کی اعلیٰ مثال سرکار ابد قرار ﷺ کے بلغم اور کھنکھار کی تعظیم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کا بلغم زمین پر گرے اس لیے وہ حضرات اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اس کی برکتوں سے اپنے کو مشرف کرنے کے لیے اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتے۔

کیا یہ شواہد اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ رسول اعظم ﷺ کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی سی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایک امتی کو اپنے رسول کی جیسی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے -جس کے کچھ نمونے صحابہ کرام کی زندگی سے پیش کیے گئے--ویسی تعظیم کرنی چاہیے۔

کتاب و سنت کے یہ نصوص علانیہ طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ حضور ﷺ کا مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں صرف بڑے بھائی جیسا نہیں ہے بلکہ آپ کا رتبہ اللہ عزّ و جلّ کے بعد سب سے اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے بعد آپ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کسی نمازی کو یاد فرمائیں تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ نماز چھوڑ کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے۔

ایک طرف کتاب و سنت کے یہ واضح ارشادات ہیں اور دوسری طرف اس کے مقابل شریعت

وہابیہ کا یہ عقیدہ ”صراط مستقیم“ میں ہے۔

”بہ مقتضائے «ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ» از وسوسۂ زنا خیالِ مجامعتِ زوجۂ خود بہتر است و صَرف ہمت بسوے شیخ و اَمثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشَند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاو و خر خود ست کہ خیال آں با تعظیم واجلال بہ سویدا ے دل انساں می چسپد، بہ خلافِ خیال گاو و خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود، و نہ تعظیم بلکہ مُہان و محقرمی بود، و ایں تعظیم و اجلالِ غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بہ شرک می کشد۔“(۱)

ترجمہ : ”تاریکیاں تہ بہ تہ ہیں“ کا تقاضا یہ ہے کہ زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی سے جماع کا خیال بہتر ہے۔ اور شیخ یا ان جیسے معظمین -اگرچہ وہ جناب رسالت مآب ہوں- کا تصور گاے اور گدھے کی شکل و صورت میں کھو جانے سے کئی درجے بدتر ہے کیوں کہ ان کا خیال تعظیم واِجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے، اس کے برخلاف گاے اور گدھے کا خیال نہ تو اس قدر دل سے چپکتا ہے اور نہ ہی تعظیم کے ساتھ آتا ہے، بلکہ ان کا خیال ذلت و حقارت کے ساتھ آتا ہے۔ اور غیر اللہ کی یہ تعظیم نماز میں ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں گاے، اور گدھے کا خیال تعظیم کے ساتھ نہیں، بلکہ توہین کے ساتھ آئے گا اور رسول اللہ ﷺ اور دوسرے اصحاب عظمت کا خیال تعظیم و توقیر کے ساتھ آئے گا اس لیے یہ شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا، لہذا گاے اور گدھے کا خیال لانا رسول اللہ ﷺ و دیگر اصحابِ عظمت کا خیال لانے سے کئی گنا زیادہ بُرا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جس کا ذکر نہ کتاب اللہ میں ہے، نہ سنت رسول اللہ میں، نہ اجماع میں، نہ ارشادات سلف و خلف میں، اگر کہیں اس کا ذکر ہے تو صرف وہابی فرقے کی کتاب ”صراط مستقیم“ میں، جو کھلے طور پر قرآن وسنت کے خلاف ہے، ہم نے کتب حدیث کے صفحات اور احادیث صحیحہ آپ کے سامنے رکھ دی ہیں، بغور مطالعہ فرمالیجیے، واضح ہو جائے گا کہ ”امام الوہابیہ“ کا یہ عقیدہ ”احادیثِ صحیحین“ سے کھلا انحراف ہے۔

---

(۱) صراط مستقیم، مرتّبہ مولوی اسماعیل دهلوی، ص: ۸٦.

پانچواں مسئلہ

بار گاہِ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی عزّت کتاب وسنت کی روشنی میں

تمام اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے کہ بار گاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ عزّت وفضیلت حضور سیدُالانبیاء، افضل المرسلین ﷺ کو حاصل ہے پھر مرسلین عظام اور انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو، پھر درجہ بدرجہ صحابہ، اولیا و مومنین کو عزت و کرامت حاصل ہے۔

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی سب سے بالا و والا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رُسُل اور رسولوں سے بالا ہمارا نبی

لیکن اس کے بر خلاف فرقۂ وہابیہ کا عقیدہ ہے:

”ہر مخلوق بڑا ہو، یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔“ (۱)

حالاں کہ کتاب وسنت کے نصوص اور سلف وخلف کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

کتاب اللہ کی آیات سے ثبوت:

❶ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸ (۲)

---

(۱) تقوية الإيمان ص: ۱۳، الفصل الأول في الاجتناب عن الشّرك، راشد كمپنى، ديو بند.
(۲) القرآن الحكيم، سورة المنافقون: ۶۳، الآية: ۸.

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے عزّت ہے اور اس کے رسول کے لیے عزّت ہے اور مومنین کے لیے عزّت ہے، لیکن منافق نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ عزّ و جل کی بارگاہ میں رسول اللہ کی بھی عزّت ہے اور مومنین کی بھی۔ البتہ یہ عزّت تقویٰ اور قربِ الٰہی کی بنیاد پر کم و بیش ہے۔

❷ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ[1]

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور بلاشبہہ مومنین، اولیاء اللہ، صحابہ سبھی ایک سے زیادہ ایک پرہیزگار ہیں اور انبیا و مرسلین بہت زیادہ اور سید الانبیا سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں تو اسی لحاظ سے بارگاہ الٰہی میں سب کی عزّت و کرامت ہے اور سب سے زیادہ عزّت و وجاہت والے ہمارے رسول ﷺ ہیں۔

❸ خدائے کریم ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ[2]

ترجمہ: یہ رسولوں کی جماعت، ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو درجوں بلندیاں عطا فرمائیں۔

جس قدر بارگاہ الٰہی میں فضیلت زیادہ، اسی قدر عزّت زیادہ۔

❹ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪[3]

ترجمہ: اے محبوب! ہم دیکھ رہے ہیں تمھارا بار بار آسمان کی طرف منھ کرنا، تو ضرور ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمھاری خوشی ہے۔

❺ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ[4]

ترجمہ: قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الحجرات: ٤٩، الأية: ١٣.
(۲) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ٢، الأية: ٢٥٣.
(۳) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ٢، الأية: ١٤٤.
(٤) القرآن الحكيم، سورة الضحى: ٩٣، الأية: ٥.

یہ ہے بارگاہِ الٰہی میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزّت و وجاہت کہ اللہ عزّ وجلّ آپ کے راضی اور خوش ہو جانے کی بشارت دے رہا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

❻ قرآن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کی فضیلت کی شہادت یوں دیتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.[1]

ترجمہ: تم لوگ سب سے افضل امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی۔

ظاہر ہے جو امت افضل زیادہ ہوگی اُس کی عزت بھی زیادہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثبوت:

① عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ... قال: «اللَّهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي». وَبَكَى... فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلاَ نَسُوءُكَ.[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے دعا کی: ”اے اللہ میری امت کو بخش دے، اے اللہ میری امت کو بخش دے، اور حضور (یہ دعا کرتے ہوئے) رو پڑے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا یہ پیغام سناؤ کہ ”ہم عنقریب آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے اور آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔“

اس حدیث صحیح سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جلّ وعلا اپنے محبوب کی رضا و خوشی چاہتا ہے۔

صاحب ”التحریر“ نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ امت کے کچھ افراد کو بخش کر راضی کیا جا سکتا ہے مگر کچھ افراد کے جہنم میں جانے سے غم تو ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ ”لا نَسُوءُكَ“ [ہم تجھے غمگین نہیں کریں گے] یہ بشارت دی ہے کہ نُرْضِيكَ، و لَا نُدْخِلُ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ۳، الآية: ۱۱۰.

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۱۳، كتاب / باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم لأمّته و بكائه شفقة عليهم، مجلس البركات.

عليك حزنًا، بل نُنَجّي الجميعَ۔ ہم تجھے خوش کر دیں گے اور تجھ پر کوئی غم نہیں آنے دیں گے، بلکہ پوری امت کو بخش دیں گے۔[1]

④ عن أبي هريرة، قال: ... قال (رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم):

أَنَا **سَيِّدُ النَّاسِ** يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذَلِكَ، يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **میں قیامت کے دن سارے لوگوں کا سردار ہوں۔** تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالیٰ سارے اگلوں اور پچھلوں کو ایک ہموار، کشادہ میدان میں جمع فرمائے گا۔

صحیح مسلم شریف میں اسی حدیث کی دوسری روایت اس طرح ہے:

وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ مِنْ ثَرِيدٍ وَلَحْمٍ، فَتَنَاوَلَ الذِّرَاعَ، وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاةِ إِلَيْهِ، فَنَهَسَ نَهْسَةً، فَقَالَ : أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ نَهَسَ نَهسةً أُخْرَى و قَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابَهُ لَا يَسْأَلُونَهُ، قَالَ: أَلَا تَقُولُونَ كَيْفَهْ؟ قَالُوا: كَيْفَهْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ. إلخ.[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید اور گوشت کا پیالہ پیش ہوا تو آپ نے بکرے کا دست -جو آپ کو پسند تھا- لے کر کچھ کھایا اور فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں" پھر دوبارہ کچھ کھا کر فرمایا کہ "میں روزِ قیامت تمام لوگوں کا سردار ہوں۔"

جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب اس کی وجہ نہیں دریافت کرتے، تو فرمایا: تم

---

(١) شرح صحيح مسلم للإمام النووي، ج: ١، ص: ١١٤، الباب المذكور.

(٢) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٢٨٤، كتابُ التفسير / بابُ قوله: ذرّيّة من حملنا مع نوحٍ، مجلس البركات، مباركفور.

❀ الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ١١١، كتابُ الإيمان / باب إثبات الشّفاعة، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ٦٩٥/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ٩٦٢١.

❀ جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٦٦، أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم/ باب ما جاء في الشّفاعة.

(٣) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ١١١، كتابُ الإيمان / باب إثبات الشّفاعة، مجلس البركات.

لوگ پوچھتے کیوں نہیں کہ یہ کس سبب سے ہے؟

توصحابہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ، اس کا سبب کیا ہے؟ توآپ نے فرمایا کہ لوگ ربُّ العٰلمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ (پھر آپ نے حدیث شفاعت ذکر کی)

۳ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ.[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

- میں روزِ قیامت تمام آدمیوں کا سردار ہوں،
- میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا،
- اور سب سے پہلے شفاعت کروں گا
- اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

۴ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله عليه وسلّم: «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلاَ فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلاَّ تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ وَلاَ فَخْرَ... وَ هٰذا حديث حسنٌ.[۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۴۵، كتابُ الفضائل / باب تفضيل نبينا صلى الله تعالى عليه وسلّمَ على جميع الخلائق، مجلس البركات.

❀ سنن أبي داود ص: ۵۱۰، كتاب السُّنّة/ باب في التخيير بين الأنبياء عليهم الصّلاة و السلام، بيت الأفكار الدولية، بيروت.

(۲) ● جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۲۰۱، ۲۰۲، أبوابُ المناقِب / باب ما جاء في فضل النَّبي صلى الله تعالى عليه وسلّمَ / مجلس البركات.

● و ج: ۲، ص: ۱۴۳، أبواب التفسير/ سورة بني إسرائيل، مجلس البركات.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۷۷۶، مسند أبي سعيد الخدري/ رقم الحديث: ۱۱۰۰۰.

● و ص: ۸۸۰/ رقم الحديث: ۱۲۴۹۶، بيت الأفكار الدولية.

● سنن ابن ماجه ص: ۴۶۴، كتاب الزهد/ بابُ ذكر الشّفاعة، رقم الحديث: ۴۳۰۸، بيت الأفكار الدولية.

● میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ میں فخر سے نہیں کہتا،
● میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ بھی میں کوئی فخر سے نہیں کہتا،
● اور اس روز سارے نبی۔ حضرت آدم اور ان کے سوا جتنے ہیں۔ سب میرے زیر لوا ہوں گے۔
● اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔ یہ بھی کوئی فخر سے نہیں کہتا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

⑤ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ :... **وَأَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** وَلاَ فَخْرَ ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ: میں روز قیامت سارے لوگوں کا سردار ہوں، اور کچھ فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا، اور کوئی فخر نہیں۔

⑥ عن ابن عباس ، قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ... أنا سيِّد وُلد آدم في الدنيا وفي الآخرة ولا فخر ، وأنا أوّل مَن تنشق الأرض عني وعن أمتي ولا فخر ، وبيدي لواءُ الحمد يوم القيامة ولا فخر ، و آدم وجميع الأنبياء من وُلد آدم تحته ، وإليَّ مفاتيح الجنة يوم القيامة ولا فخر ، وبي تفتح الشفاعة يوم القيامة ولا فخر ، وأنا سائق (وفي الخصائص الكبرى: سابقٌ–ن) الخلق إلى الجنة يوم القيامة ولا فخر ، وأنا إمامهم ، وأمتي بالأثر.[2]

---

(١) سنن الدارمي ج: ١، ص: ١٩٨، ١٩٩، باب ما أُعطي النَّبيُّ صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم، من الفضل، رقم الحديث: ٥٣.

❀ و شُعَب الإيمان للبيهقي ج: ٢، ص: ١٨١، بابٌ في حبّ النبي صلى الله تعالى عليه وسلّمَ، فصل في براءته فى النبوة، دار الكتب العلمية.

❀ و دلائل النبوة للبيهقي ج: ٥، ص: ٤٧٩، باب ما جاء في تحدّث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بنعمة ربّه عزّ وجلّ، دار الكتب العلمية.

❀ و دلائل النبوة لأبي نُعيم ص: ٦٤، الفصل الرابع/ ذكر الفضيلة الرابعة بأقسام الله بحياته، دار النفائس.

(٢) دلائل النبوة لأبي نُعيم ، ج: ١، ص: ٦٥، ٦٦، الفصل الرابع/ ذكر الفضيلة الرابعة باقسام الله بحياته، دار النفائس، بيروت

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- میں دنیا و آخرت میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔
- اور سب سے پہلے میں اور میری امت قبروں سے نکلے گی اور کوئی فخر نہیں۔
- اور قیامت کے دن میرے ہی ہاتھ میں لواءُ الحمد ہوگا اور تمام انبیا اس کے نیچے ہوں گے یہ بھی میں کوئی فخر سے نہیں کہتا۔
- اور میرے ہی اختیار میں جنت کی کنجیاں ہوں گی اور کوئی فخر نہیں۔
- اور مجھی سے شفاعت کی ابتدا ہوگی اور کچھ فخر نہیں۔
- اور میں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں تشریف لے جاؤں گا اور کچھ فخر نہیں۔
- اور میں ان سب کے آگے ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے ہوگی۔

یہ احادیث شاہد ہیں کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ساری کائنات میں سب سے زیادہ عزّت اور وجاہت والے ہیں۔

آپ دنیا و آخرت میں ساری اولاد آدم کے سردار ہیں، ظاہر ہے کہ خدائے قدوس کی بارگاہ سے یہ سرداری اسی کو ملے گی جو اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزّز ہو۔

قیامت کے دن سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس میں ہی "لواءُ الحمد" ہوگا جس کے نیچے تمام انبیائے کرام ہوں گے، اس سے تمام انبیا پر آپ کا اعزاز ظاہر ہے اور اسی سے ساری مخلوق پر بھی آپ کا اعزاز عیاں ہوجاتا ہے۔

بقیہ خصائص و فضائل بھی اسی امر کی شہادت دیتے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے، کیا اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کا سردار بنائے گا جو معاذ اللہ اس کی بارگاہ میں چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہو؟

کیا اللہ تعالیٰ ایسے ہی کے ہاتھ میں "لواءُ الحمد" دے گا، کیا ایسے ہی کے ہاتھ میں جنت کی کنجیاں عطا فرمائے گا، کیا ایسے ہی کے ذریعہ شفاعت کی پہل کرے گا جو۔ اللہ کی پناہ۔ چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہو۔

کیا امام الوہابیہ اور ان کے ہم نواؤں کا یہ عقیدہ احادیث مبارکہ سے کھلا ہوا انحراف نہیں ہے۔

⑦ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلَّى الله عليه وسلَّم يَنْتَظِرُونَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ، حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ، سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ ... وَ قَالَ :

قَدْ سَمِعْتُ كَلاَمَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوسَى نَجِيُّ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيسَى رُوحُه وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ،

أَلاَ وَأَنَا حَبِيبُ اللهِ وَلاَ فَخْرَ ... وَأَنَا أَكْرَمُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ وَلاَ فَخْرَ ».

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام در اقدس پر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضور باہر نکلے اور جب ان سے قریب ہوئے تو ان کا مذاکرہ سنا، اور فرمایا:

میں نے تمھاری بات سنی اور اس امر پر تمھارا تعجب کرنا بھی سنا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور واقعی وہ ایسے ہی ہیں، اور حضرت موسیٰ نجیُّ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃُ اللہ ہیں اور وہ ویسے ہی ہیں۔ اور آدم صفی اللہ ہیں اور واقعی وہ ایسے ہی ہیں۔

سُن لو، اور میں حبیبُ اللہ ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں سارے اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ عزّت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔

حبیبُ اللہ کا مقام خلیل و نجی، کلیم و صفی سب سے اونچا ہوتا ہے تو سب سے زیادہ عزّت والے حضور ہوئے اور آخری جملے میں تو اسی کا اعلان ہے۔

---

(۱) ● جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۲۰۲، بابٌ من أبواب المناقب، مجلس البركات.

● و سنن الدارمي ج: ۱، ص: ۱۹۵، باب ما أُعطي النَّبيُّ صلي الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ من الفضل، رقم الحديث: ٤٨.

علامہ سراج بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث حَسَن ہے۔[۱] پھر اس کے مضامین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور بہر حال امام الوہابیہ کے قول کی بہ نسبت ہمیں یہ حدیث عزیز ہے۔

⑧ عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسولُ الله صلّى الله عليه و سلّمَ: لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب "أسألك بحق محمد لما غفرت لي".

قال: و كيف عرفت محمّدا؟ قال: لأنك لمَّا خلقتني بيدك و نفختَ فيَّ من روحك رفعتُ رأسي فرأيتُ علىٰ قوائم العرش مكتوبا: "لآ إله إلا الله محمدٌ رَّسُول الله" فعلمتُ أنك لم تُضف إلى اسمك إلا أحبَّ الخلق إليك. قال: صدقتَ يا آدم، إنه لَأحب الخلق إليّ.

أمّا إذا سألتني بحقّهِ فقد غفرتُ لك، ولولا محمد ما خلقتُك. قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد.[۲]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش ہوگئی تو انھوں نے دعا کی:

"اے پروردگار، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کے وسیلے سے میری مغفرت فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے پوچھا، تم نے محمد -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کو کیسے پہچانا، تو انھوں نے عرض کی، جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اور میرے جسم میں روح پھونکی اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر "لآ اله إلّا الله محمّدٌ رَّسول الله" لکھا دیکھا، اس سے میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) قال الإمام أحمد رضا رضي الله تعالىٰ عنه: روى الحديث أبو نعيم عن عبد الله بن عباس بسندٍ حسن. و تحسينُه هو الّذي حَقّقه السّراج البلقيني في فتاواه كما أثر عنه (ابن حجر المكي) في "أفضل القرىٰ"، و إن خالف فيه أبو عيسىٰ رحمه الله تعالى. (تجلّي اليقين بأنّ نبينا سيّد المرسلين. ص: ۹۳، تابشِ دوم/ ارشاد نهم، رضوی دار الاشاعت، براؤں شریف)

(۲) ● المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۶۵، كتاب التاريخ/ استغفار آدم عليه السلام بحقّ محمد صلى الله تعالى عليه وسلّمَ.

● و دلائل النبوة للبيهقي ج: ۵، ص: ۴۸۹، باب ما جاء في تحدّث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلّمَ بنعمةِ ربّه عزّ و جلّ.

فرمایا: آدم تو نے سچ کہا۔ اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہیں کرتا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "صحیح الاسناد" ہے۔[1]

اور امام حاکم صاحب مستدرک کی ایک روایت میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم، تو نے سچ کہا، بے شک وہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔

اور جب کہ تو نے اُس کے حق کے وسیلے سے دعا کی ہے تو میں نے تجھے بخش دیا، اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب مستطاب "تجلّی الیقین" میں کثرت سے اس مضمون کی آیات و احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم، تاج دار بنی آدم و آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات میں سب سے زیادہ خدائے عزیز کی بارگاہ میں عزّت و کرامت و وجاہت و مرتبہ والے ہیں تو وہ فرمانِ وہابیت ضرور ان آیات و احادیثِ کثیرہ کے خلاف ہے۔

(۱) قال المحدث الجليل، الإمام أحمد رضا في كتابه "تجلّي اليقين"، قال الحاكم: " صحيح الإسناد" و أقرّه عليه العلّامه ابن أمير الحاج في الحلية والسّبكي في "شفاء السقام". أقول: و الّذي تحرّر عندي أنه لا ينزل عن درجة الحَسَن، والله تعالىٰ أعلم. ١٢ منه (تجلّي اليقين، ص: ٦٨، تابش اول، وحی اوّل)

چھٹا مسئلہ

شَفاعت

کتاب وسنت کی روشنی میں

شفاعت کا مفہوم: شَفاعت کے معنی ہیں سفارش، اور امت مسلمہ کی اصطلاح میں "شفاعت" کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے اذن سے سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس کی بارگاہ میں سفارش کر کے حساب وکتاب شروع کرانا، اور محبوبانِ خدا، بالخصوص سید الانبیا ﷺ کا بارگاہِ الٰہی میں سفارش کر کے گنہ گاروں کو بخشوانا، جہنم سے نجات دلا کر جنت کا حقدار بنانا، اور بہت سے اہل جنت کو ترقیِ درجات عطا کرنا اور بے شمار لوگوں کو بے حساب وکتاب جنت میں بھیجنا۔

یہ سارا کام اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے مگر وہ اپنے محبوب ومقرب بندوں کو سفارش کی اجازت دے گا اور پھر ان کی سفارش پر یہ انعامات عطا فرمائے گا۔

یہ عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے، جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور احادیث کریمہ تو حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مگر وہابیہ کتاب وسنت کے خلاف عقیدۂ شفاعت کو شرک کہتے ہیں، چناں چہ تقویۃ الایمان میں ہے:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر ونیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور **سفارشی** سمجھنا ان کا کفر وشرک تھا۔

سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گا گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ

شرک میں برابر ہیں۔"[۱]

اس لیے ہم یہاں کتاب وسنت سے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

آیاتِ کریمہ سے ثبوت:

❶ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾[۲]

ترجمہ: لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے۔

"یعنی جنھیں شفاعت کا اذن مل چکا ہے وہی شفاعت کریں گے۔ یا یہ معنی ہیں کہ شفاعت صرف مومنین کی ہوگی اور وہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حدیث شریف میں ہے "جو ایمان لایا، جس نے لا إله إلا الله کہا اس کے لیے اللہ کے نزدیک عہد (وقرار) ہے۔"[۳]

❷ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾[٤]

ترجمہ: اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے (شفاعت کرنے کا) اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن رحمٰن عزوجل اپنے پسندیدہ بندوں کو اذن شفاعت دے گا اور وہ شفاعت کریں گے۔

❸ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾[٥]

ترجمہ: اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرمادی جاتی ہے ایک دوسرے سے (بطریق استبشار) کہتے ہیں، تمھارے رب نے کیا ہی بات فرمائی، وہ کہتے ہیں جو فرمایا، حق فرمایا (یعنی شفاعت کرنے والوں

---

(۱) تقویۃ الایمان، ص: ۷، ۸، پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں۔ راشد کمپنی، دیوبند.
(۲) القرآن الحكيم، سورة مريم: ۱۹، الأية: ۸۷.
(۳) تفسير خزائن العرفان حاشيه كنز الإيمان، سورة مريم: ۱۹، الأية: ۸۷.
(٤) القرآن الحكيم، سورة طٰه: ۲۰، الأية: ۱۰۹.
(٥) القرآن الحكيم، سورة سبا: ۳٤، الأية: ۲۳.

کو ایمان داروں کی شفاعت کا اذن دیا) اور وہی ہے بلند، بڑائی والا۔

④ وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ﴿۲۶﴾ (۱)

ترجمہ: اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر جب کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے۔

جب فرشتے باوجودے کہ بارگاہ الٰہی میں قرب و منزلت رکھتے ہیں، پھر بھی صرف اس کے لیے شفاعت کریں گے جس کے لیے اللہ تعالی کی مرضی ہو یعنی مومنِ مُوحّد کے لیے، تو جو اللہ سے دور اور اس کے منکر ہیں ان سے شفاعت کی امید رکھنا عبث ہے۔

یہ آیات قرآنیہ اس امر کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ شفاعت حق ہے، اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے پسندیدہ بندوں-مومنوں-کی شفاعت کے لیے اذن دے گا، اور شفاعت جب اس کے اذن سے ہوگی تو قبول بھی فرمائے گا۔

⑤ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ (۲)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب اگر وہ تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کار برآری کا ذریعہ ہے کہ دوسرے کے لیے استغفار در حقیقت شفاعت ہی ہے۔

⑥ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ (۳)

ترجمہ: اور بے شک پچھلی گھڑی تمھارے لیے پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔ اور بے شک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں خدائے ذوالجلال نے اپنے پیارے رسول سیدنا احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کو بشارت دی ہے کہ اے محبوب، آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے کیوں کہ آخرت میں اللہ تعالی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة النجم: ۵۳، الآیة: ۲۶.
(۲) القرآن الحکیم، سورة النساء: ۴، الآیة: ۶۴.
(۳) القرآن الحکیم، سورة الضحیٰ: ۹۳، الآیة: ۴، ۵

آپ کو منصب شفاعت عطا فرمائے گا پھر آپ کی شفاعت کو قبول فرما کر آپ کو راضی فرما دے گا۔

حدیث نبوی سے آیتِ کریمہ کی تفسیر: چناں چہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے، اور عرض کی:

اللّٰھُمّ أُمّتي، أُمّتي وَ بَكىٰ. فقال اللہ : يا جبريلُ، اِذھَبْ إلىٰ محمّدٍ،ـــ وَ ربُّك أعلمُـــ فاسْألْه: مَا يُبْكِيْكَ، فَأتاهُ جِبرِيلُ عليه السلامُ، فَسَألَه، فأَخْبَرَهُ رسولُ اللہ صلّى اللہ تعالىٰ عليه وسلّمَ بِمَا قَالَ ـــ و هو أعلمُـ فقال اللہ تعالىٰ: يَا جِبْرِيْلُ: اِذْھَبْ إلى محمّد، فَقُلْ: اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِي أُمَّتِكَ وَ لَا نَسُوْءُكَ.[۱]

ترجمہ: "اے اللہ میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے" اور رو پڑے، تو اللہ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے۔ تو حضرت جبریل نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر رونے کا سبب دریافت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا اسے اللہ عزّ وجل کی بارگاہ میں پیش کر دیا حالاں کہ اسے اس کا خوب علم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں جا کر میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ:

"اے محبوب، آپ کی امت کی بخشش کے بارے میں ہم عن قریب آپ کو راضی کر دیں گے، اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔"

(۷) عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾[۲]

ترجمہ: قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمھاری حمد کریں۔

اس آیت کریمہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "مقام محمود" پر فائز کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مقام محمود سے مراد "منصبِ شفاعت" ہے، یہ حدیث آگے آرہی ہے۔

احادیث طیبہ سے ثبوت:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور منصب شفاعت:

(۱) عن أبي هريرة ، رضي الله عنه ، أنه قال : قلتُ: يا رسولَ اللہ، مَن أسعدُ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ بابُ دعاء النّبي صلّى اللہ تعالىٰ عليه وسلّم لأمّتهٖ و بكائه شفقةً عليهم ، مجلس البركات

(۲) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ۱۷، الأية: ۷۹

الناس بشَفاعتك يوم القيامة؟ فقال: لقد ظننتُ يا أبا هريرة، أن لا يسألني عن هذا الحديث أحدٌ أولَ منك، لما رأيت من حرصك على الحديث، "أسعدُ الناس بشفاعتي يوم القيامة مَن قال: لآ إله إلا الله، خالصاً من قِبل نفسه."(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہُریرہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یارسول اللہ، قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہوگا؟

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ مجھے یہ گمان تھا کہ اس حدیث کے بارے میں تم سے پہلے کوئی نہیں پوچھے گا کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم علم حدیث کے حریص ہو۔ "قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے لآ إلٰه إلّا الله محمدٌ رَّسولُ الله پڑھا ہوگا"۔

مسند احمد بن حنبل میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب ان الفاظ میں ہے:

شَفَاعَتِي لِمَنْ يَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا يُصَدِّقُ قَلْبُه لِسَانَهُ، و لسانُه قلبَه.(۲)

ترجمہ میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو اور دل کی تصدیق زبان کرتی ہو۔

(۲) عن جابر بن عبد الله الأنصاري، قال: قال رسولُ الله صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ: أعطيت خمسًا لم يُعْطَهنّ أحدٌ قبلي ... إلى قوله: و أعطيتُ الشَّفاعة.(۳)

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۷۲، كتاب الرقاق/ باب صفة الجنة والنار، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند المكثرين/ مسند أبي هريرة، ص: ۷۵۸، رقم الحديث: ۱۰۷۲٤، وص: ٦۰۱، رقم الحديث: ۸۰۵٦، بيت الأفكار الدولية.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۹۹، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، مجلس البركات
● وصحيح البخاري، ج:۱، ص: ٤۸، كتاب التيمّم/ قُبَيل باب إذا لم يجد ماءً ولا تُراباً. مجلس البركات، مبارك فور.
● وصحيح البخاري، ج:۱، ص: ٦۲، كتاب الصلاة/ باب قولِ النبي ﷺ "جُعِلت لي الأرضُ مسجداً و طهوراً"، مجلس البركات.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے پانچ خصائص ایسے عطا ہوئے کہ مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہ ہوئے... انہی میں ایک یہ ہے کہ **مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا۔**

③ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- «أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبعًا».(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے بارے میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں، اور گروہ انبیا میں میرے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی بارگاہ کا شفیع بنایا ہے۔

④ عَنْ عبدِ الله بن عَمرو بن العاص، أن النّبي -صلّى الله عليه وسلّم- ... رفع يدَيه وقال: «اللّٰهُمَّ أمَّتي أمَّتي». وبكىٰ. (إلى آخر الحديث)(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! میری امت کو بخش دے، اے اللہ، میری امت کو بخش دے" اور رو پڑے۔

یہ حدیث چھٹی آیت کی تفسیر کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- «لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي، شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.(۳)

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۲، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ باب دعاءِ النّبي ﷺ لأمته و بكائهٖ شفقة عليهم، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشّفاعة و إخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات.

● وصحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۳۲، كتاب الدعوات/ باب لِكُلِّ نبي دعوة مستجابة، مجلس البركات، مبارك فور.

● وصحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۱۱۲، كتاب التوحيد/ باب في المشيئة والإرادة، مجلس البركات.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے، تو ہر نبی نے اپنی اس دعا میں جلدی کی اور میں نے اسے بچا رکھا، میری وہ دعا قیامت کے دن میری امت کے لیے میری شفاعت ہے، تو یہ شفاعت إنْ شاء اللہ میری امت کے ایسے تمام افراد کے لیے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں کرتے۔

اس حدیث میں إن شاء اللہ کا استعمال تبرک کے طور پر ہوا ہے، ساتھ ہی حکم الٰہی: "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ "[1] [اور اے محبوب، ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کروں گا مگر "إن شاءَ اللہ" کے ساتھ] کی بجاآوری بھی مقصود ہے۔[2]

وفي حديث آخر: "أَن أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ". فَقَالَ كَعْبٌ لأَبِي هُرَيْرَةَ: أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّم- قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : نَعَمْ.[3]

ترجمہ: دوسری حدیث میں ہے: میں نے اپنی دعا روزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ حضرت کعب نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: کیا آپ نے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے سنا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ (میں نے خود سنا ہے)

⑥ شفاعت کبریٰ کی حدیثِ جلیل:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ... قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلَّمَ: يَجْمَعُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لاَ يُطِيقُونَ وَمَا لاَ يَحْتَمِلُونَ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: أَلاَ تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيهِ، أَلاَ تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ، أَلاَ تَنْظُرُونَ إِلَى مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ يعني إِلَى رَبِّكُمْ، فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: ائْتُوا آدَمَ.

فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الكهف: ۱۸، الآية: ۲۳.
(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للإمام النووي، ج: ۱، ص: ۱۱۳، مجلس البركات
(۳) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ باب إثباتِ الشَّفاعة و إخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات.

مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا. فَيَقُولُ آدَمُ: إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ. نَفْسِي، نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ.

فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الْأَرْضِ وَسَمَّاكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلَى قَوْمِي. نَفْسِي نَفْسِي. إِذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-.

فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ. وَذَكَرَ كَذِبَاتِهِ. نَفْسِي نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى.

فَيَأْتُونَ مُوسَى -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَيَقُولُونَ: يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَضَّلَكَ اللَّهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِتَكْلِيمِهِ عَلَى النَّاسِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ مُوسَى -صلَى الله عليه وسلَّمَ- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا. نَفْسِي نَفْسِي. إِذْهَبُوا إِلَى عِيسَى -صلى الله عليه وسلم-.

فَيَأْتُونَ عِيسَى، فَيَقُولُونَ: يَا عِيسَى، أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِنْهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا. فَيَقُولُ لَهُمْ عِيسَى -صلّى الله عليه وسلَّمَ- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ - وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا - نَفْسِي نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ -صلَى الله عليه وسلَّمَ-

فَيَأْتُونِّي ، فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَغَفَرَ اللَّهُ

لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ لأَحَدٍ قَبْلِي. ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ إِشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الأَبْوَابِ».[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ... اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اولین و آخرین کو ایک وسیع و ہموار میدان میں جمع فرمائے گا۔ سب پکارنے والے کی آواز سنیں گے اور سب ایک دوسرے کے پیش نظر ہوں گے، سورج (سروں کے) قریب آجائے گا اور لوگوں کی مصیبت و پریشانی طاقت سے باہر اور ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ جائے گی۔

تب وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم دیکھتے نہیں کہ کیسی آفت و مصیبت میں ہو، اور کس حال کو پہنچے، تم ایسی معظم شخصیت کو کیوں نہیں دیکھتے جو رب کریم کی بارگاہ میں تمھاری شفاعت کرے، تب وہ آپس میں کہیں گے کہ

- حضرت آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلاۃ و السّلام کی بارگاہ میں چلو، تو وہ لوگ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ حضور! آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ کے جسم میں پھونکی۔ اور فرشتوں کو حکم دے کر آپ کے لیے سجدۂ تعظیمی کرایا، حضور! اپنے رب کی بارگاہ میں آپ ہمارے لیے شفاعت فرمایئے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسی آفت میں ہیں اور ہمارا حال کتنا بُرا ہو چکا۔

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ١١١، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشّفاعة و إخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

- و صحيح البخاري، ج:١، ص: ٤٧٠، كتاب الأنبيا/ باب قول الله عزّ وجلّ: "ولقد أرسلنا نُوحاً إلىٰ قومه"، مجلس البركات، مبارك فور.
- و صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٦٨٤، كتاب التفسير/ باب ذرّية من حملنا مع نوح ... إلخ، مجلس البركات، مبارك فور.

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ میرے رب نے آج اس قدر اظہارِ غضب کیا ہے کہ ایسا اظہارِ غضب نہ پہلے کبھی کیا، نہ بعد میں کبھی کرے، اس نے مجھے "شجرہ" (۱) کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر [بھول سے] اُس کے خلاف سرزد ہو گیا، آج مجھے اپنی جان کی فکر ہے اور اپنی جان کا خوف ہے، تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس چلے جاؤ۔

● تو وہ لوگ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے، اے نوح آپ اہلِ زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں، اللہ نے آپ کا نام "عبدِ شکور" رکھا، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسے غم و کرب میں ہیں، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسے تباہ حال ہو چکے، تو حضرت نوح فرمائیں گے کہ آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا غضب نہ پہلے کبھی کیا، نہ بعد میں کبھی کرے، میں نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کر دی تھی، مجھے اپنی جان کا غم ہے مجھے اپنی جان کی فکر ہے، تم لوگ حضرت ابراہیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

● تب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور اہل زمین میں اس کے خلیل ہیں، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسی بلا میں گرفتار ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ ہمارا حال کتنا بدتر ہو چکا ہے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے بے شک آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا کہ ایسا غضب نہ پہلے کبھی کیا، نہ بعد میں کبھی کرے، وہ اپنی اُن تین باتوں کا حوالہ دے کر عذر کریں گے جو ان کی اپنی مراد کے لحاظ سے سچ مگر فہمِ مخاطب کے لحاظ سے خلاف واقع ہوں گی، وہ کہیں گے کہ آج مجھے اپنی فکر ہے، آج مجھے اپنا غم ہے، تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔

● اب لوگ حضرت موسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ اے موسیٰ! آپ

---

(۱) یہ خدائے کریم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: "وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" (القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۳۵.) "اس درخت کے قریب نہ جانا" مگر آپ بھول سے اس کے قریب چلے گئے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں اس کی صراحت ہے: "وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾" (القرآن الحکیم، سورۃ طٰہٰ: ۲۰، الآیۃ: ۱۱۵).

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا، اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (کنزالایمان) ۱۲ منہ

اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے مشرف فرما کر لوگوں پر فضیلت بخشی، اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لیے شفاعت فرمایئے، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسے مبتلائے آفات اور حالِ بد کا شکار ہو چکے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرمائیں گے، بے شک آج میرے رب نے وہ اظہارِ غضب فرمایا ہے کہ ایسا اظہارِ غضب نہ اس سے پہلے کبھی فرمایا، نہ آیندہ کبھی فرمائے، میں نے تو ایک ایسے شخص کو (بلا قصد) قتل کر دیا تھا جس کا مجھے حکم نہ تھا، آج مجھے اپنی جان کی فکر ہے اور اپنی پرواہ۔ تم لوگ حضرت عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

● وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے گہوارے میں لوگوں سے کلام کیا، آپ اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کو اِلقا کیا اور اس کی طرف کی روح ہیں تو آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرما دیجیے، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال کو پہنچ چکے۔

تو حضرت عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرمائیں گے کہ آج میرے رب نے جتنا شدید اظہارِ غضب فرمایا ہے ایسا نہ پہلے کبھی فرمایا، نہ بعد میں کبھی فرمائے — وہ اپنی کسی لغزش کا ذکر نہ کریں گے — مجھے اپنی جان کا خوف ہے، مجھے اپنی جان کا غم ہے، تم لوگ دوسرے کے پاس جاؤ، تم لوگ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔

● سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ اب یہ سب لوگ میرے حضور حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: یا محمد! آپ اللہ کے رسول اور خاتمُ الانبیا ہیں اور اللہ تعالیٰ نے (از راہِ انعام) آپ کے اگلے، پچھلے ذنب بخش دیے، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمایئے، حضور دیکھیں تو کہ ہم کیسے مبتلائے آفات ہیں، اور ہمارا کیا حالِ زار ہے۔ تو اب میں عرشِ اعظم کی طرف چلوں گا اور وہاں پہنچ کر اپنے رب کے لیے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثنا کے لیے میرے سینے کو ایسا کھول دے گا اور ایسے ایسے شاندار کلمات حمد و ثنا الہام فرمائے گا کہ مجھ سے پہلے کسی کا سینہ ایسے کلمات کے لیے نہ کھلا، نہ اس نے کسی کو اِلہام فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ تو میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا:

"اے میرے پروردگار، میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے"

تو حکم ہوگا کہ اے محمد! اپنی امت کے ان سب لوگوں کو۔ جن کا کوئی حساب نہیں ہوا۔ "بابِ اَیمن" [داہنے گیٹ] سے جنت میں داخل فرما دیجیے اور یہ لوگ جنت کے دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

حدیثِ شفاعت روایت کرنے والے صحابۂ کرام:

شفاعت کی احادیث (۱) حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا (۲) حضرت انس (۳) حضرت ابوسعید خدری (۴) حضرت صدیق اکبر (۵) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مرفوعًا (۶) اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفًا تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، جامع ترمذی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مُصنَّف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں منقول ہیں[1]:

ہم یہاں مزید وضاحت کے لیے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے آخری کلمات نقل کرتے ہیں:

⑦ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ-: «فَيَأْتُونِّي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي، فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ، إِرْفَعْ رَأْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، إِشْفَعْ تُشَفَّعْ.

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ رَبِّي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ.

ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ، قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ.

---

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالۂ مبارکہ "تجلّی الیقین" میں یہ افادہ فرماتے ہیں:
حدیثِ "موقف"، مفصّل، مطوّل ● احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور ترمذی و ابن خزیمہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور احمد و بزار و ابن حبان و ابو یعلی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور احمد و ابو یعلی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعًا الیٰ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ● اور عبد اللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بسندِ صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفًا روایت کی۔ (تجلّی الیقین بأنّ نبیّنا سیّدُ المرسلین، ص: ۱۱۳۰، ۱۱۴، ارشاد بست و ہفتم، تابش دوم، رضوی دار الاشاعت۔

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ – قَالَ: فَلاَ أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ – فَأَقُولُ: يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ، أَيْ: "وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ". - قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ قَتَادَةُ: أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ.(۱)

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب عزّوجل سے اِذن شفاعت چاہوں گا اور وہ مجھے اذنِ شفاعت عطا فرمادے گا، تو میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام واکرامِ خاص پر سجدے میں گر جاؤں گا اور وہ جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں رہنے دے گا، پھر فرمایا جائے گا: اے محمد، اپنا سر اٹھائیے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، جو کچھ مانگنا ہو مانگ لیجیے سب عطا کر دیا جائے گا اور شفاعت کیجیے شفاعت قبول کی جائے گی۔

تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور رب عزّوجل کی حمد و ثنا ان کلمات سے کروں گا جو مجھے میرا رب تعلیم فرمائے گا، پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی تو میں اس حد میں آنے والے سارے لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا۔

پھر میں دوبارہ سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اللہ تعالی جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں رہنے دے گا، پھر ارشاد ہوگا، اے محمد، اپنا سر اٹھائیے، اور معروضہ پیش کیجیے، آپ کی بات سنی جاے گی، جو کچھ مانگنا ہو مانگ لیجیے سب عطا کر دیا جائے گا اور شفاعت کیجیے، شفاعت قبول کی جائے گی۔

اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی حمد اس طور پر کروں گا جو مجھے میرا رب تعلیم فرمائے گا، پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، پھر میں اس حد میں آنے والے سارے لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

راوی کو شک ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسری، یا چوتھی بار فرمایا کہ میں عرض کروں گا، پروردگار! جہنم میں اب وہی لوگ رہ گئے ہیں جنھیں قرآن نے ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دے دیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں راویِ حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزم کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے:

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۰۹، کتاب الإیمان/ باب إثبات الشّفاعة وإخراج الموحّدین من النار، مجلس البرکات، مبارك فور.

❀ صحیح البخاري، ج:۲، ص: ۹۷۱، کتاب الرقاق/ باب صفة الجنّة والنّار، مجلس البرکات.

وَذَكَرَ فِي الرَّابِعَةِ « فَأَقُولُ يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ ».(۱)

ترجمہ: چوتھی بار حضور بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ پروردگار! اب جہنم میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جنھیں قرآن عظیم نے روک رکھا ہے یعنی ہمیشہ کے لیے ان کا جہنم میں رہنا لازم کر دیا ہے۔

فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: شَفَعَتِ الْمَلاَئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلاَّ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهْرٍ فِي أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيَاةِ.(۲)

ترجمہ: تو اللہ عز وجل فرمائے گا کہ فرشتے شفاعت کر چکے اور انبیا بھی شفاعت کر چکے، اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اور اب سوائے أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کے کوئی باقی نہ رہا۔

پھر وہ اُن تمام لوگوں کو جہنم سے نکال دے گا جنھوں نے کبھی کوئی کار خیر نہ کیا ہوگا اور وہ سب کے سب جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر انھیں باب جنت پر واقع ایک دریا میں — جسے "دریائے حیات" کہا جاتا ہے — ڈال دے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں حدیث شفاعت کے الفاظ اس طرح ہیں:

فَيُؤْتَى عِيسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ -صلّى الله عليه وسلم- فَأُوتَى، فَأَقُولُ: أَنَا لَهَا. فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي، فَأَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لاَ أَقْدِرُ عَلَيْهِ الآنَ، يُلْهِمُنِيهِ اللَّهُ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي.

فَيُقَالُ إِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ أَوْ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا. فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَرْجِعُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: أُمَّتِي أُمَّتِي.

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۰۹، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشفاعة و إخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور

❀ صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۱۰۱، كتاب التوحيد/ باب قول الله: "لما خلقت بيديّ".

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۰۳، كتاب الإيمان/ بابُ إثباتِ رؤيةِ المؤمنين في الآخِرة ربّهم سبحانهٗ و تعالىٰ، مجلس البركات.

فَيُقَالُ لِي: إِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا. فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُودُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي.

فَيُقَالُ لِي: إِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ.[1]

ترجمہ: پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے، میرا یہ منصب نہیں، لیکن تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔

اب لوگ میرے پاس حاضر ہوں گے تو میں فرماؤں گا: ''أَنَا لَهَا'' میں یہ شفاعت فرماؤں گا (یہ شفاعت میرا منصب ہے) میں سب کو ساتھ لے کر چلوں گا اور اپنے رب سے اذن شفاعت چاہوں گا تو مجھے اجازت عطا کی جائے گی، اب میں اللہ عزّوجلّ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی عظیم و جلیل تعریفات کروں گا جو اِس وقت میں نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ مجھے وہ کلماتِ تعریفِ الہام فرمائے گا، پھر میں اس کی بارگاہ میں سجدے میں گر پڑوں گا، تو مجھ سے کہا جائے گا، اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور اپنا مدعا پیش کیجیے سنا جائے گا، سوال کیجیے، عطا کیا جائے گا اور شفاعت فرمائیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا: اے پروردگار میری امت، میری امت (یعنی اسے بخش دے)

تو مجھے حکم ہو گا کہ اے محبوب! جائیے اور جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجیے، تو میں جا کر ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے باہر کر دوں گا۔

پھر میں اپنے رب عزّوجلّ کی بارگاہ میں رجوع ہو کر اسی کے اِلہامی کلمات سے اس کی حمد و ثنا میں رطبُ اللسان ہو جاؤں گا، پھر سجدے میں گر پڑوں گا، تو مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور اپنی بات کہیے آپ کی بات مانی جائے گی، جو کچھ مانگنا ہو مانگ لیجیے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے قبول کی جائے گی۔ تو میں عرض کروں گا کہ اے رب! میری امت کو بخش دے، اے رب! میری امت کو بخش دے۔

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١١٠، بابُ إثباتِ الشَّفاعة وإخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١١١٨، كتاب التوحيد/ باب كلام الربِّ عزّ و جلّ يوم القيامة، مجلس البركات.

تو مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محبوب جائیے اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دیجیے، تو میں جا کر ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے باہر کر دوں گا۔

پھر میں اپنے رب کی بارگاہ میں جا کر اس کے اُنہی اِلہامی کلمات سے اس کی تعریف و توصیف کروں گا، پھر سجدے میں چلا جاؤں گا، تو فرمایا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھائیے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگیے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا، اے رب! میری امت کو بخش دے، اے رب! میری امت کو بخش دے۔

تو فرمایا جائے گا، جائیے، اور جس کے دل میں رائی کے دانے سے کمتر سے کمتر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لائیے تو میں جا کر ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے باہر نکال لاؤں گا۔

ان احادیث سے بہت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ قیامت کے دن بِاِذن اللہ شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا، یہ شفاعت گنہ گارانِ امت کو جہنم سے نکالنے کے لیے بھی ہوگی اور جہنم میں جانے سے بچانے کے لیے بھی ہوگی اور حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے بھی اور رفعِ درجات کے لیے بھی۔ ان تمام شفاعتوں کا ثبوت احادیث طیبہ میں موجود ہے۔

احادیثِ شفاعت متواتر ہیں، اور شفاعت کے ثبوت پر اہل سنت کا اجماع ہے:

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وقد جاءتِ الآثارُ الّتي بلغت بمجموعها التّواترَ بصحّةِ الشَّفاعة في الآخِرة لمذنبي المؤمنين. وأجمع السَّلَفُ الصالح ومَن بعدَهم من أهل السُّنة عليها.[١]

ترجمہ: آخرت میں گنہگارانِ امت کی شفاعت کے سلسلے میں آثار اس کثرت سے وارد ہیں کہ وہ مجموعی طور پر تواتر کی حد کو پہنچتے ہیں اور سلفِ صالحین اور بعد کے اہلِ سنت کا اس پر اجماع بھی ہے۔

شفاعت کے باب میں وہابیہ کا موقف اور دلیل:

لیکن ان احادیث اور اجماعِ سلف وخلف کے برعکس وہابیہ عقیدۂ شفاعت کو شرک اور یہ عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں اور اپنے طور پر شفاعت کے وہ معانی بیان کرتے ہیں جو

---

(١) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج: ١، ص: ١٠٤، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات، مبارك فور.

امت کے عقیدے کے خلاف ہیں۔

امام الوہابیہ کے استدلال کی حقیقت:

چناں چہ تقویۃ الایمان میں امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور **سفارشی** سمجھنا ان کا کفر و شرک تھا۔

سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گا گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہیں۔"(۱)

وہابیہ کا استدلال بیجا ہے:

لآ إلٰہ إلّا اللہ، کیسا بے جا استدلال ہے کہ

- "مشرکین" اپنے "بتوں" کو سفارشی سمجھتے تھے۔
- اور "مسلمان" اپنے "رسول" کو سفارشی سمجھتے ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں کافر و مشرک ہوئے، بلکہ یہ مسلمان اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہوئے۔

اس عبارت میں مسلمانوں کو "مشرکین" کے درجے میں رکھا گیا ہے اور رسول معظم ﷺ کو "بتوں" کے درجے میں۔

کیا یہی ہے اسلام اور یہی ہے توحید خالص؟

مسلمانوں کے لیے انبیاے کرام، بالخصوص سید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا شفیع و سفارشی ہونا کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات شاہد ہیں تو کیا مشرکین کے لیے بھی کسی کا شفیع و سفارشی ہونا ثابت ہے، ایسا ہرگز نہیں، چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ"(۲)

ترجمہ: بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے بخش دے گا۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص: ۷، ۸، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں۔ راشد کمپنی، دیوبند.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النّساء: ٤، الآیۃ: ٤٨.

اللہ تعالی فرماتا ہے:

”وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝“(۱)

ترجمہ: اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش قبول کی جائے اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

”وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝“(۲)

ترجمہ: اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں! شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

ان آیات کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ شرک اور مشرک کی بخشش کبھی نہ ہوگی لہذا ان کی بخشش کے لیے کوئی سفارش بھی مقبول نہ ہوگی اور یہ مشرکین جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں انھیں ان کی سفارش کا اختیار بھی نہ ہوگا۔

اس طرح قیامت کے دن مشرکین کا نہ کوئی مددگار ہوگا، نہ سفارشی۔

● مسلمانوں کا عقیدۂ شفاعت کتاب وسنت کے موافق ہے اور مشرکین کا عقیدۂ شفاعت کتاب وسنت کے خلاف۔

● مسلمانوں کے حق میں انبیا کا شفیع ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے اور مشرکین کے حق میں ان کے معبودوں کا شفیع ہونا باطل ومردود۔

پھر مسلمانوں کو مشرکین کے درجے میں اور انبیا کو مشرکین کے معبودانِ باطل کے درجے میں رکھنا کہاں کا انصاف ہے، کیا یہی ہے اسلام، اور یہی ہے عمل بالحدیث؟

الغرض مسلمانوں کے حق میں انبیاے کرام وسیّدُ الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا شفاعت فرمانا کتاب وسنت سے ثابت ہے اس لیے مسلمانوں کا عقیدۂ شفاعت حق ہے اور اسے شرک قرار دینا کھلے طور پر کتاب وسنت سے انحراف ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة البقرہ: ۲، الآیة: ۴۸.

(۲) القرآن الحکیم، سورة الزّخرف: ۴۳، الآیة: ۸۶.

تذییل

شفاعت کی تشریح واقسام

کتاب اللہ کی آیاتِ زاہرہ اور رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ متواترہ اور سلفِ صالحین کے اجماع سے یہ حقیقت الم نشرح ہو چکی ہے کہ قیامت کے دن حضرات اَنبیاے کرام، بالخصوص سیّد الانبیا ﷺ اللہ کی بارگاہ میں اس کے مومن بندوں کی شفاعت فرمائیں گے اور وہ شفاعت قبول بھی کی جائے گی اس لیے یہ ضروری ہے کہ شفاعت کی ایسی مناسب تشریح کی جائے جو کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ہو، ایسی تشریح نہیں ہونی چاہیے کہ شفاعت کفروشرک ہو جائے اور کبھی واقع نہ ہو سکے کہ یہ تشریح نہیں، تحریف ہے اور فی الواقع یہ شفاعت کی تصدیق نہیں، انکار ہے جیسا کہ امام الطائفہ نے تقویۃ الایمان[1] میں اسی انداز کی تشریح کی ہے اسی لیے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قدّس سرُّہ نے اس کے تعلق سے اپنا یہ تاثر پیش کیا، فرماتے ہیں:

"پھر احادیثِ کثیرہ گواہ ہیں کہ اس کے گھڑے ہوئے معنی ہرگز واقع نہ ہوں گے، تو اس نے اس پردے میں اصل شفاعت سے انکار کیا کہ جو مانتا ہے وہ ہوگی نہیں، اور جو ہوگی اسے مانتا نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں وجودِ انسان کا منکر نہیں، مگر لوگ جسے انسان کہتے ہیں وہ معدوم ہے۔ موجود یہ ہے کہ اس کے پانچ ہاتھ ہوں اور بائیس کان ہوں، اور ستائیس ناکیں، اور پینتالیس منہ، اور پہاڑ پر چڑھ کر، پیڑ پر بسیرا لیتا ہو۔ ہر عاقل جانے گا کہ یہ احمق سرے سے انسان ہی کا منکر ہے اگرچہ براہ عیاری لفظ انسان کا مُقِرّ ہے۔"[2]

یہی حال امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی کی شفاعت فہمی اور تشریح شفاعت کا ہے۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص: ۲۸، ۲۷، ۲۶، الفصل الثالث في ذکر ردّ الإشراك فی التصرف (تیسری فصل اِشراک فی التصرف کی برائی کے بیان میں)، راشد کمپنی، دیو بند

(۲) حاشیہ تجلّی الیقین، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، أحادیث الشفاعۃ/ ارشاد بست وھفتم، رضوی دار الإشاعۃ، براؤں شریف، بستی

شفاعت کی اقسام:

شفاعت کا باب اللہ عزوجلّ کی اجازت سے کھلے گا اور انبیا و فرشتے اور مومنین اللہ کے اذن سے ہی شفاعت کریں گے، بغیر اذن الٰہی کے نہ فتحِ باب شفاعت ہوگا اور نہ ہی کوئی کسی کی شفاعت کرے گا۔ قرآن حکیم میں متعدّد مقامات پر اس کا تذکرہ ہے[1] اس لیے یہ شفاعت، "شفاعت بِالاِذن" کہی جاتی ہے۔

اور اس شفاعت کا سبب بارگاہ الٰہی میں شفیع کی عزت ووجاہت ہے، یا شفیع کی محبوبیت۔ شفاعت کا سبب "وجاہت" ہو تو اسے شَفَاعَة بِالوَجَاهَة سے، اور محبوبیت ہو تو اسے شَفَاعَة بالمَحبَّة سے موسوم کرتے ہیں، اس طرح شفاعت بالاذن کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہوئیں:

(۱) شفاعت بالوجاہت　　(۲) شفاعت بِالمحبت

پھر ان شفاعتوں کی کئی اقسام ہیں جو علماے امت نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

(۱) شفاعتِ کُبریٰ، حساب وکتاب کے لیے۔

---

(۱) مثلاً یہ آیات:

● "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" (البقرة: ۲، الآیة: ۲۵۵) وہ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کے اذن کے شفاعت کرے۔

● "مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ" (یونس: ۱۰، الآیة: ۳) کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

● "یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ" (طٰہٰ: ۲۰، الآیة: ۱۰۹) اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے (شفاعت کرنے کا) اذن دے دیا ہے۔

● "وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ" (سبا: ۳٤، الآیة: ۲۳) اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے۔

● "وَ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النجم: ۵۳، الآیة: ۲٦) ان کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جب کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لیے چاہے۔

ان آیات سے بہت واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت اس کے اذن کے بعد ہی ہوگی اور وہ یہ اذنِ شفاعت صرف اپنے محبوبین و مقربین کو دے گا اور وہ بھی جن کے لیے وہ چاہے یعنی مومنین کے لیے۔ الغرض ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت بغیر اذنِ الٰہی کے نہ ہوگی تو بنیادی شفاعت یہی شفاعة بالإذن ہے اور اس کا سبب بارگاہِ الٰہی میں شفیع کی وجاہت و محبوبیت ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) شفاعتِ سُعدا، بلا حساب دخول جنت کے لیے۔

(۳) شَفاعتِ عُصاۃ، جہنم سے حفاظت کے لیے۔

(۴) شَفاعتِ اہلِ نار، جہنم سے نکالنے کے لیے۔

(۵) شفاعت برائے ترقّیِ درجات، اونچے درجے کی جنت سے فائز المرام کرنے کے لیے۔[1]

"شفاعتِ کبری" کی یہ احادیث آپ کے پیش نظر ہیں کہ اہل محشر باری باری پانچ انبیاے کرام علیہم الصّلاۃ والسّلام کی بارگاہ میں حاضری دیں گے اور عرض کریں گے کہ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو یہ عزت اور یہ مقام حاصل ہے آپ ہمارے لیے شفاعت فرمائیے مگر وہ حضرات اس کی ہمت نہ کریں گے اور آخر میں جب وہ سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرضِ حال کریں گے تو سرکار فرمائیں گے "أنا لها" یہ منصبِ شفاعت میرے لیے ہے۔

کہیں گے اور نبی إذْهَبُوْا إلیٰ غَیْرِیْ
مِرے حضور کے لب پر أنَا لَها ہوگا

---

(۱) منہاج شرح صحیح مسلم میں ہے:

الشَّفَاعَةُ خَمْسَةُ أَقْسَامٍ:
أَوّلُها : مُخْتَصَّةٌ بِنَبِیِّنَا - صَلَّی اللّٰهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ - وَهِيَ الْإِرَاحَةُ مِنْ هَوْلِ الْمَوْقِفِ وَتَعْجِیلِ الْحِسَابِ.
الثَّانِیَةُ : فِي إِدْخَالِ قَوْمٍ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ، وَهَذِهِ أَیْضًا وَرَدَتْ لِنَبِیِّنَا - صَلَّی اللّٰهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ - وَقَدْ ذَكَرَهَا مُسلم.
الثَّالِثَةُ: الشَّفَاعَةُ لِقَوْمٍ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ، فَیَشْفَعُ فِیهِمْ نَبِیُّنَا -صَلَّی اللّٰهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ- وَمَنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَی. وسنبینه علی موضعها قریباً إن شاء الله تعالی.
الرَّابِعَةُ : فِیمَنْ دَخَلَ النَّارَ مِنَ الْمُذْنِبِینَ، فَقَدْ جَاءَتِ هٰذِهِ الْأَحَادِیثُ بِإِخْرَاجِهِمْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ نَبِیِّنَا ﷺ وَالْمَلَائِكَةِ وَإِخْوَانِهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ، ثُمَّ یُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالَی كُلَّ مَنْ قَالَ: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ." كما جاء في الحدیث لا یبقی فیها إلا الكافرون.
الْخَامِسَةُ : الشَّفَاعَةُ فِي زِیَادَةِ الدَّرَجَاتِ فِي الْجَنَّةِ لِأَهْلِهَا،
وَهَذِهِ لَا نُنْكِرُهَا المعتزلة ولا ینكرون أیضاً شفاعةَ الحشر الأولیٰ ، قال القاضي وقد عرف بالنقل المستفیض سوالَ السَّلف الصالح رضي الله تعالی عنهم شفاعة نبینا - صَلَّی اللّٰهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ – ورغبتهم فیها. (الصحیح لمسلم، ج:۱،ص:۱۰۴، كتاب الإیمان/باب اثبات الشفاعة وإخراج الموحّدین من النار، مجلس البركات) ۱۲ منه

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اذنِ شفاعت بارگاہ الٰہی میں آپ کی وجاہت اور محبوبیت کی وجہ سے ملے گا، پھر جب سرکار شفاعت فرمائیں گے تو آپ کی وجاہت اور محبوبیت کے اظہار کے لیے خداے پاک محض ازراہِ کرم اسے قبول فرمائے گا۔(۱) اس طرح شفاعت کُبریٰ کی احادیث "شفاعت بالاِذن" کی بھی مثال ہیں اور "شفاعت بالوجاہت" و "شفاعت بالمحبت" کی بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ دونوں "شفاعت بالاِذن" کی قسمیں ہیں۔

اقسامِ شفاعت کی تشریح دلائل کتاب وسنت کی روشنی میں:

"شفاعت بالاِذن" کی یہ تقسیم ذہن میں رکھ کر اب ہر ایک کی صحیح تشریح ملاحظہ کیجیے۔

محقق جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ایک شخص دوسرے کے سامنے کسی کی سفارش کرتا ہے تو وہ اس لیے مقبول و منظور ہوتی ہے کہ پہلے شخص کو دوسرے کے سامنے عزت و شرافت حاصل ہوتی ہے، عزت و شرافت کی چند وجہیں ہوتی ہیں:

وجاہت: جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اس نے سفارش کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں

---

(۱) اس کی نفیس وضاحت امام اہل سنت قدس سرہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

مسلمان اسی قدر کو بہ نگاہِ ایمان دیکھے اور حق جلّ وعلا کی یہ حکمت جلیلہ خیال کرے کہ کیوں کر اہل محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیاے عظام علیہم الصلاۃ والسلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا اور دفعتہً بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقیناً شفیع مشفّع ہیں۔ ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت پاتے۔

- مگر اوّلین وآخرین، موافقین ومخالفین، خلق اللہ اجمعین پر کیوں کر کھلتا کہ یہ منصب اَفخم اسی سید اکرم، مولاے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ خاصہ ہے جس کا دامنِ رفیع، جلیل ومنیع تمام انبیا ومرسلین کے دستِ ہمت سے بلند وبالا ہے۔
- پھر خیال کیجیے کہ دنیا میں لاکھوں، کروروں کان اس حدیث سے آشنا، اور بے شمار بندے اس حال کے شناسا، عرصاتِ محشر میں صحابہ وتابعین وائمہ محدثین واولیاے کاملین وعلماے عاملین سبھی موجود ہوں گے پھر کیوں کر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسی بھلا دی جائے گی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک کسی کو اصلا یاد نہ آئے گی۔
- پھر نوبت بہ نوبت حضرات انبیا سے جواب سنے جائیں گے جب بھی مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتا دیا ہے۔
- پھر حضرات انبیا علیہم الصلاۃ والثناء کو دیکھیے وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیاے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے، یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بے کار ہلاک ہوتے ہو، تمھارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہے۔

یہ سارے سامان اسی محبوب با شوکت کے اظہار عظمت واشتہار وجاہت کی خاطر ہیں۔" (رسالہ: تجلی الیقین، ص: ۱۲۳-۱۲۵، احادیث الشفاعۃ، رضوی دار الاشاعت، براؤں شریف، بستی)

قرب عطا کیا ہے اور اپنے متعلقین میں اسے عزت و امتیاز بخشا ہے، ان عزتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دیگر ماتحت افراد کے مراتب کی بلندی اور گناہ گاروں کی معافی کے لیے اسے بات کرنے کی اجازت ہے، اس کی عرض قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش مانی جاتی ہے، اگر اس معزز شخصیت کی عرض اور سفارش کو نہ مانا جائے تو اس کے رنجیدہ ہونے سے اس شخص کو (جس کی بارگاہ میں سفارش کی گئی ہے) کوئی رنج یا نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس کی عرض کو نہ ماننا اور اس کی بات کو اہمیت نہ دینا اس عزت افزائی اور بندہ نوازی کے خلاف ہے جو اس شخص کو دی گئی ہے، یہ **شفاعتِ وجاہت** ہے۔

اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کے پاس سفارش کی گئی ہے، اسے شفاعت کرنے والے کی ناخوشی سے خطرہ ہو اور سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خوف ہو کیوں کہ "**شفاعت**" کا معنی سفارش اور "وجاہت" کا معنی لحاظ اور عزت ہے، کسی لفظ سے ڈر اور فکر نہیں سمجھا جاتا۔

بایں ہمہ ہر شخص جانتا ہے کہ **شفاعت** اور **سینہ زوری** الگ الگ ہیں ــــ سفارش میں سینہ زوری نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کی بات نقصان یا ضرر کے ڈر سے مانتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سفارش مان لی، یہ سفارش کا ماننا نہیں بلکہ اپنے نقصان اور ضرر کو دور کرنا ہے، اسے **اطاعت** کہا جا سکتا ہے کیوں کہ نافرمانی کی صورت میں نقصان کا خوف ہوتا ہے۔

سفارش قبول کرنے میں کوئی خوف شامل نہیں ہوتا، مثلاً ایک صاحبِ اقتدار بادشاہ اپنے ہم نشینوں میں سے کسی کو اتنا مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اسے حاجت مندوں کی حاجتیں پیش کرنے اور مجرموں کے لیے معافی چاہنے کی اجازت ہے، اسے دوسروں کی نسبت یہ خصوصیت حاصل ہے، وہ شخص بادشاہ سے کسی ایسے گناہ کے بخشنے کی درخواست کرتا ہے جسے بخش دینا بادشاہ سے بعید نہیں ہے، بادشاہ اس کے جاہ و منزلت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس مقرب کی سفارش قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ نے اپنے کارخانہ سلطنت میں خلل کے خوف سے سفارش قبول کی ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے مقرب ترین خادم کے مقام کی رعایت اور اس کی دلداری کے لیے اس کی سفارش قبول کی ہے اور مجرموں کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔

ہاں! اگر کوئی شخص برائے نام بادشاہ ہو اور امورِ مملکت کے بست و کشاد اور قوانینِ سلطنت کے نفاذ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، دوسرے لوگ حکومت کے تمام شعبوں پر مسلط ہوں، ملک کے بست و کشاد اور نظم

وضبط پر مکمل اختیار رکھتے ہوں، ان ارباب اقتدار میں سے کوئی شخص برائے نام بادشاہ سے کسی مجرم کی معافی کا مطالبہ کرتا ہے اور بادشاہ اس خوف سے کہ اگر اس کے کہنے پر عمل نہ کیا تو اس سے ضرر پہنچے گا یعنی ظاہری حکومت بھی جاتی رہے گی، اس کے کہنے پر عمل کرتا ہے اور مجرم کا گناہ معاف کر دیتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے اس کی شفاعت قبول کر لی ہے، بلکہ بادشاہ فی الواقع ان لوگوں کا تابع اور پابند ہے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہے، اسے "فرماں برداری" اور "اطاعت" تو کہا جاسکتا ہے، قبولِ شفاعت نہیں کہا جاسکتا۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ **وجاہت وعزت**، خوف اور اندیشہ کے بغیر قبولِ شفاعت کا سبب بن سکتی ہے۔

اللہ تعالی حضرت عیسیٰ علی نبیّنا وعلیہ الصّلاۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے:

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ (۱)

"دنیا اور آخرت میں وجاہت (عزت) والے اور مقربین میں سے ہیں۔"

مفسرین اخروی وجاہت کو شفاعت پر محمول فرماتے ہیں۔ علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"الوَجَاهَةُ فِي الدُّنْيَا: النُّبُوَّةُ، وَفِي الاٰخِرَةِ: الشَّفَاعَةُ."(۲)

"یعنی وجاہت دنیا میں نبوت ہے اور آخرت میں شفاعت۔"

(۲) محبت:

جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اسے سفارشی سے محبت ہو، محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی رضاجوئی اور ہر طرح اس کے دل کو خوش کرنا منظور ہوتا ہے، دل شکنی اور رنج کے اسباب اس سے دور رکھے جاتے ہیں کیوں کہ محب، محبوب کی دل شکنی کے، بلکہ دوست دوستوں کا دل دکھانے کے روادار نہیں ہوتے، اہل محبت محبوبوں کی دل آزاری گوارا نہیں کرتے، ان کی فرمائش قبول کرتے ہیں اور ان کی سفارش قبول کرتے ہیں اور اکثر ان کی سفارش قبول کرنے میں یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہ کی گئی تو وہ غیظ وغضب میں آکر ان کو رنجیدہ کر سکتے ہیں یا غصہ میں آکر ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ اٰل عمران: ۳، الآیۃ: ۴۵.

(۲) أنوار التنزیل وأسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوي، ج:۲، ص:۱۷، دار إحیاء التراث العربي، بیروت.

سکتے ہیں کیوں کہ دلداری، محبت کا تقاضا ہے اور محبوب کی بات مان لینا اس صفت کو لازم ہے، یہ حال اس شخص سے پوچھا جاسکتا ہے جو محبت رکھتا ہو، یہ حقیقت عقلا اور نقلا ثابت ہے۔

عقلی ثبوت تو بیان ہو چکا، **نقلی ثبوت** ملاحظہ ہو:

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

كَمْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمرَيْنِ لاَ يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ.(۱)

"بہت سے گرد آلود بالوں والے خاکسار ــ جن کے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ کچھ نہ ہو اور جنھیں کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو۔۔ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالی کے حق میں قسم کھائیں تو اللہ تعالی ان کی قسم پوری کر دے گا۔"

یعنی اللہ تعالی ان کی دلداری کرے گا اور جس بات کی انھوں نے قسم کھائی ہے اسے پوری کر دے گا اور ان کی خواہش رد نہیں فرمائے گا۔

غور کیجیے! یہ "دِلداری" تقاضاے محبت ہے، ورنہ یہ خاکسار اللہ تعالی کو کون سا رنج یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

ہاں! بارگاہ ایزدی کے محبوبوں کی شان وہ ہے جو حدیث قدسی میں وارد ہوئی ہے:

فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ ، فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِه، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا.(۲) (وفي روايةٍ) وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ.(۳)

---

(۱) • جامع الترمذي، ج:۲،ص:۲۲٦، أبواب المناقب/ مناقب البراء بن مالك، رواه الترمذي عن أنس بن مالك وقال: هذا حديث حسن غريب.

• وقد أخرج هذا الحديث الحاكم في المستدرك وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرِّجاه، وقال الإمام الذهبي: صحيح. (المستدرك، ج: ۳،ص: ۲۹۲، كتاب معرفة الصحابة/ ذكر البراء بن مالك، دار المعرفة.)

• وروى البخاريُ: عن أنسٍ (بن النّضر) . . . قالَ رسولُ الله صلى الله تعالى عليه وسلَّم: إنَّ مِن عِبادِ الله مَنْ لَوْ أقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأبَرَّه" صحيح البخاري، ج:۲،ص: ٦٤٦، بابٌ: "يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ"/كتابُ التفسير، مجلس البركات .

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹٦۳، كتاب الرقاق/ باب التواضع، مجلس البركات.

(۳) المعجم الكبير للطبراني، ج:۸، ص:۲٤٤، رقم الحديث: ۷۸۳۳، رواه قاسم عن أبي أُمامة.

ترجمہ: جب میں اس بندے کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاوں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ (اور ایک روایت میں ہے) اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (یعنی اس کے اعضا میری قدرت کے مظہر اور میری رضا کے پابند ہوتے ہیں۔)

اس حدیث قدسی کی بنا پر محبوبانِ الٰہی کے قرب، عزت اور ان کی محبوبیت کے آثار پر ایمان لانا چاہیے۔

اس تمہید کے بعد سنیے!

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام مخلوق - انسان ہوں یا فرشتے، نبی ہوں یا امتی، بادشاہ ہوں یا خُدّام، جہاں تک بندگی کا تعلق ہے - یکساں نسبت رکھتی ہے کسی کو کسی لحاظ سے اس کی مِلک واقتدار میں شرکت یا اس کے ارادہ واختیار میں مُزاحمت یا اس کے حکم اور فعل میں تابِ مقابلہ نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اس کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور جس طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے، کائنات میں تصرف فرماتا ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر، نہ مددگار ہے نہ کارساز، اسے کسی وزیر کی امداد کسی مددگار کے تعاون کی حاجت نہیں ہے، کسی کی رضا اور خوش نودی سے اس کی مملکت میں رونق کا اضافہ نہیں ہوتا، نہ ہی کسی کی ناراضگی سے اس کے کارخانۂ حکمت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

ہاں! اس نے اپنی مخلوق کو مختلف مراتب اور مقامات دے کر پیدا کیا ہے، ان کے مراتب ودرجات میں بہت فرق رکھا ہے، بعض کو برگزیدہ اور بارگاہ قدس کا مقرب بنایا اور بعض کو مردود، ذلیل اور گمراہ کیا۔ دونوں قسموں میں مختلف مراتب اور متفرق درجات رکھے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے درجات کے مطابق مقام ومرتبہ عطا فرمایا ان میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق عزت وکرامت عطا فرمائی، ان میں سے ہر ایک کو بارگاہِ الٰہی میں جتنی عزت اور قرب ومحبت حاصل ہے، اس کے مطابق ان کے وابستگان اور متوسلین کی دینی اور دُنیَوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے مراتب کے مطابق اجازت عطا فرماتا ہے کہ اپنے متعلقین اور متوسلین کے لیے دنیا وآخرت میں مصیبت اور عذاب کے دفع کرنے اور منافع کے حصول کے لیے سفارش کریں، اس عزت افزائی کے ذریعے انھیں مخلوق میں ممتاز فرماتا ہے۔

اسی لیے اکثر لوگ ہر دو جہاں کی حاجتوں میں ان سے شفاعت اور سفارش کے طلب گار ہوتے ہیں اور ان مقرّبین کی شفاعت کے فیض سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ ان کی شفاعت اکثر مقبول ہوتی ہے اور قول وفعل سے ان کی ایذا رسانی اور بے ادبی کے درپے ہونے والے اکثر لوگ اللہ تعالی کے غضب میں گرفتار ہو کر دین و دنیا کو برباد کر چکے اور کرتے ہیں اور کریں گے۔

چوں کہ بارگاہ الٰہی میں مقرّبین کی عزت و وجاہت، ان کی شفاعت اور ان کے سوال کی مقبولیت کا سبب ہے اسی لیے دوسروں کی نسبت صالحین کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص از راہِ عناد یہ بات نہ مانے، یا بد عقیدگی کی بنا پر اسے شک لاحق ہو تو اسے کتبِ صحاح میں حضور سید عالم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے، کہ اسے معلوم ہو کہ جن حضرات نے حضور ﷺ سے دعا کی گزارش کی، یا شفاعت کی درخواست کی وہ دنیا وآخرت میں خیرات وبرکات سے مالامال ہوئے اور جو لوگ درپے ایذا وبے ادبی ہوئے وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہوئے اور جہنم کے نچلے طبقوں میں داخل ہوئے۔

جب شفاعت کا معنی سفارش ہے اور بارگاہ الٰہی میں شفاعت کے منظور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو اس کے کارخانۂ تقدیر پر تسلط حاصل ہو، یا سفارش کرنے والے کی دل شکنی کے سبب اس کی مملکت میں خلل کا احتمال ہو، یا اسے ضرر کے لاحق ہونے، منافع کے فوت ہونے یا رنج وملال عارض ہونے کا اندیشہ ہو (حاشا وکلّا یہ کسی کا عقیدہ نہیں ہے) بلکہ شفاعت کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اہل محبت واطاعت کو بیش از بیش انعام واکرام سے نوازا ہے اور ان کے درجات دوسری مخلوق سے بلند فرما کر انھیں اپنی بارگاہ کا مقرّب بنایا ہے۔

ہم اہل حق - اہل سنت وجماعت - اسی تشریح کے مطابق

- شفاعت بالاذن　　اور
- شفاعت بالوجاہت　　اور
- شفاعت بالمحبت

کے قائل ہیں اور کتاب وسنت کے نصوص سے اسی کو ثابت کرتے ہیں اور اجماعِ سلف وخلف بھی اسی پر ہے۔

ساتواں مسئلہ

علمِ غیبِ رسول

کتاب و سنت کی روشنی میں

خدائے علّامُ الغیوب نے اَنبیائے کرام، بالخصوص سیّد الانبیا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم الصّلاۃ و السّلام کو بے شمار غیبی علوم عطا فرمائے اور یہ سلسلہ نزولِ قرآن کی تکمیل تک جاری رہا۔

اہلِ سنت کا عقیدہ

خالص الاعتقاد میں امامِ اہلِ سنت نے اہلِ سنت کا عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے:

- ”اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزّ و جلّ کے دیے سے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسّلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریاتِ دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت کا ہی منکر ہے۔

- اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضلِ جلیل میں محمد رّسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیا، (اور) تمام جہاں سے اَتمّ و اَعظم ہے، اللہ عزّ و جلّ کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزّ و جلّ ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا“۔(۱)

---

(۱) • خالصُ الاعتقاد، لإمامِ أهل السنة، مجدّد الإسلام، مولانا أحمد رضا علیه الرحمة، ص: ۲۳، ۲٤، رضا اکادیمی، مومبائي.
• الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص:۵۸۲، کتاب العقائد والکلام/ رساله: خالص الاعتقاد، إمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

نیز اسی میں ہے:

● ”ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علما میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علومِ غیب جو مولیٰ عزّ وجلّ نے اپنے محبوبِ اعظم ﷺ کو عطا فرمائے۔ آیا: وہ روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عمومِ آیات واحادیث کا مفاد ہے، یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت اہلِ ظاہر جانب خصوص گئے ... اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا... ہمارا مختار، قولِ اخیر ہے جو عام عُرفائے کرام و بکثرت اَعلام کا مسلک ہے۔“[۱]

فرقۂ وہابیہ کا عقیدہ:

اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ کے امام مولوی اسماعیل دہلوی اپنے گروہ کا مذہب یہ بیان کرتے ہیں:

”اللہ کا سا علم کسی اور کو ثابت کرنا“ سو اس عقیدے سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ عقیدہ انبیا واولیا سے رکھے، خواہ پیر وشہید سے، خواہ امام وامام زادہ سے، خواہ بھوت وپری سے۔ **پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہو جاتا ہے۔“**[۲]

اگر کوئی مَعاذ اللہ کسی بندے کے لیے یہ مانے کہ اسے ”غیب کا علمِ ذاتی“ ہے یعنی اسے بغیر اللہ کے دیے خود اپنی ذات سے علم غیب حاصل ہے تو یہ ضرور شرک اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے کہ بغیر کسی کی عطا کے اپنی ذات سے غیب کا عالم ہونا عالمُ الغیب والشہادہ کے ساتھ خاص ہے۔

مگر یہ عقیدہ کہ اللہ کے مطلع فرمانے سے، اللہ کی عطا سے نبی کو علم غیب حاصل ہے، ہرگز شرک نہیں، بلکہ اس میں شرک کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں کہ یہ علم نبی کے لیے کتابُ اللہ وسنتِ رسول اللہ سے ثابت ہے اگر ”علم عطائی واطلاعی“ شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کسی رسولِ مُرتضیٰ کو غیب پر اطلاع نہ دیتا کہ غیب پر اطلاع دینا فی الواقع غیر اللہ کو اپنا شریک بنانا ہے۔ حق یہ ہے کہ علم عطائی واطلاعی

---

(۱) ● خالص الاعتقاد، ملتقطا ص: ۲۶، ۲۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
● رسالۃٌ مِن الفتاوی الرضویۃ، ج:۱۸، ص: ۵۸٤/ کتاب العقائد والکلام، الإمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

(۲) تقویۃ الایمان ص:۹، پہلا باب: شرک وتوحید کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند۔

بندے کے ساتھ خاص ہے، خدائے علیم وخبیر کا علم کبھی عطائی و اطلاعی ہو ہی نہیں سکتا۔

عطا اسے کیا جاتا ہے جس کے پاس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے پاس تو سب کچھ ہے سارے علوم غیبیہ- جن کی کوئی حد و انتہا نہیں- اسے ہمیشہ سے حاصل ہیں اور ہمیشہ حاصل رہیں گے، اس کے خزائنِ علم میں کیا کمی ہے کہ کوئی اسے دے گا، وہ بھی غیر اللہ، جو خود ہی محتاج اور حادث و فانی ہے، کون ہے جو اسے کسی غیب پر مطلع کرے گا، اور کون سا غیب ہے جس پر وہ ازل سے ابد تک آگاہ نہیں، تو پھر کس غیب پر کوئی بندہ اسے اطلاع دے گا؟

الغرض جب اُس علّام الغیوب کا علم عطائی، ہو ہی نہیں سکتا تو اس کی عطا و اطلاع سے انبیا کے لیے علم غیب ماننا شرک نہیں ہوگا۔ ”اللہ کا سا علم“ کسی اور کو ثابت کرنا شرک ہے تو کیا ”اطلاعی و عطائی علم“ نبی کے لیے ماننا ”اللہ کا سا علم“ ہے، جب اس کا علم عطائی ہو ہی نہیں سکتا تو بندے کے لیے یہ علم ماننا ہرگز ہرگز ”اللہ کا سا علم“ ماننا نہیں ہے، پھر شرک کہاں سے در آیا۔ یہ امر اتنا واضح و روشن ہے کہ اس میں کسی صاحبِ عقل و دانش کو کوئی تامل نہیں ہوں سکتا۔

ہاں اگر فرقۂ وہابیہ کے امام اللہ تعالیٰ کا علم کسی کی اطلاع و عطا سے مانتے ہیں اس لیے انبیائے کرام کے لیے یہ علم ثابت کرنا شرک کہتے ہیں تو بتایا جائے کہ:

- کتاب اللہ سے اس پر کیا ثبوت ہے؟
- احادیث نبویہ سے اس پر کیا ثبوت ہے؟
- سلفِ صالحین اور خلفِ ربّانیین سے اس پر کیا ثبوت ہے؟
- عقل و فہم سے اس کا کیا تعلق ہے؟

بات صاف، ستھری، بغیر کسی ہیر، پھیر کے عالمانہ وقار کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ھاتوا برھانکم إن کنتم صٰدقین، فإن لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتّقوا اللہ، و کُوْنُوا مع الصّٰدِقِیْنَ.

ہاں! ہم اہلِ حق - اہل سنت و جماعت - کا اعتقاد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ و السلام کو غیب پر اطلاع دی، بلفظ دیگر علمِ غیب عطا فرمایا یہ کتابُ اللہ و سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہے۔ اب آپ ایمانی نگاہوں سے ان دلائل کا نظارہ کیجیے۔

دلائل اہل سنت

کتاب اللہ سے غیب پر اِطلاع کے دلائل

❶ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.(۱)

ترجمہ: اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عام لوگو) وہ تمھیں غیب پر اطلاع دے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب کے لیے چن لیتا ہے۔

❷ ارشادِ ربّانی ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ.(۲)

اللہ عالمُ الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

❸ ارشادِ باری ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾.(۳)

ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

❹ ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ.(۴)

ترجمہ: اے نبی، یہ غیب کی خبریں ہم تجھے وحی کرتے ہیں (چھپے طور پر بتاتے ہیں)

❺ ارشادِ الٰہی ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾.(۵)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة آل عمران: ۳، الآية: ۱۷۹.

(۲) القرآن الحکیم، سورة الجن: ۷۲، الآية: ۲۵، ۲۶.

(۳) القرآن الحکیم، سورة التكوير: ۸۱، الآية: ۲۴.

(۴) القرآن الحکیم، سورة هود: ۱۱، الآية: ۴۹.

(۵) القرآن الحکیم، سورة النساء: ۴، الآية: ۱۱۳

ترجمہ: اور اے محبوب، ہم نے آپ کو وہ تمام علوم سکھا دیے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

❻ نیز اللہ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ (۱)

ترجمہ: یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہیں۔

یہ آیات، شہادت دے رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو غیب کی باتیں وحی کے ذریعہ بتائیں، اپنے پسندیدہ رسولوں پر اظہارِ غیب فرمایا، انھیں اِطلاع بخشی۔

ہم اسی **اِطلاع غیب**، **اِظہارِ غیب**، اور **وحیِ غیب** کو "عطاے غیب" سے تعبیر کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ عالمُ الغیب جلّ جلالہٗ نے اپنے رسولِ مجتبیٰ اور اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیبی علوم عطا فرمائے، اور آیت نمبر ۳ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو علم غیب حاصل ہے اور آپ فیّاضی وکشادہ دلی کے ساتھ اسے بیان بھی کرتے ہیں، ایسا نہیں کہ کچھ نہ بتائیں۔ ان آیاتِ کریمہ کے مطابق مسلمان حضور کے لیے علم غیب مانتے ہیں، مگر "اللہ کا سا ذاتی علم غیب" نہیں، بلکہ صرف عطائی۔ اور "وہابی" ذاتی وعطائی سب کو شرک کہتا ہے۔

امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "علم غیب عطائی" کے ثبوت میں قرآن حکیم کی آیاتِ شریفہ سے بڑا زبردست استدلال کیا ہے، ہم یہاں وہ "استدلال" انھی کے کلمات میں مختصر ترمیم والتقاط کے ساتھ نقل کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

❼ "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۸۹﴾ ع (۲)

اور اے محبوب، ہم نے تم پر "کتاب" اتاری جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ورحمت وبشارت۔

❽ خداے پاک فرماتا ہے:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة آل عمران: ۳، الآیة: ۴۹۔
(۲) القرآن الحکیم، سورة النحل: ۱۶، الآیة: ۸۹۔

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ.(۱)

ترجمہ: قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے، بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شئے کا صاف صاف، جدا جدا بیان۔

⑨ خدائے علیم کا فرمان ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ.(۲) ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

جب فرقانِ مجید ہر شئے کا روشن و مفصل بیان ہے اور اہل سنت کے مذہب میں "شئے" ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات، جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے۔

اور مِن جملۂ موجودات کتابتِ لوحِ محفوظ بھی ہے تو بلا شبہہ یہ بیانات اس کے مکتوبات کو بھی شامل ہوئے۔

اب یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھیے کہ لوحِ محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے؟

● اللہ کا ارشاد ہے:

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ.(۳)

ہر چھوٹی، بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔

● ارشادِ باری ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾(۴)

ہر شئے ہم نے ایک "روشن پیشوا" میں جمع فرمادی ہے۔

● اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾.(۵)

کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر، اور نہ کوئی خشک، مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ یونس: ۱۲، الآیۃ: ۱۱۱.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأنعام: ٦، الآیۃ: ۳۸.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ القمر: ٥٤، الآیۃ: ٥۳.

(٤) القرآن الحکیم، سورۃ یٰس: ۳٦، الآیۃ: ۱۲.

(٥) القرآن الحکیم، سورۃ الأنعام: ٦، الآیۃ: ٥۹

نکرہ تحت نفی عموم کا فائدہ دیتا ہے:

''نکرہ'' نفی کے تحت مفیدِ عموم ہے، اور لفظ ''کُل'' تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا، اور ''عام'' اِفادۂ استغراق میں قطعی ہے، اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول ہوں گے، بے دلیل شرعی ان میں تاویل و تخصیص کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے... تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نصِ صریح و قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور، صاحب قرآن۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ و صحبہٖ و بارَکَ وسلَّم۔کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات، جملہ مَا كَانَ و مَا يَكُوْنُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جو کچھ ہو چکا، اور جو کچھ قیامت تک ہو گا) اور جمیع مندرجاتِ لوحِ محفوظ کا علم دیا۔ اور شرق و غرب، سماء و ارض، و عرش و فرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔

اور جب کہ یہ علم قرآنِ عظیم کے ''تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' (ہر چیز کا روشن بیان) ہونے نے دیا اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمامِ کلامِ مجید کا ہے، نہ ہر آیت، نہ سورت کا۔ تو نزولِ جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیا علیہم الصلاۃ و التسلیم کی نسبت ارشاد ہو: ''لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ''[۱] (ہم نے تم سے کچھ رسولوں کے اَحوال نہ بیان کیے) یا منافقین کے باب میں فرمایا جاوے: ''لَا تَعْلَمُهُمْ ''.[۲] (تم انھیں نہیں جانتے) تو یہ ہرگز اُن آیات کے منافی اور اِحاطۂ علمِ مُصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمد للہ، طائفۂ وہابیہ جس قدر قصص و روایات اور اَخبار و حکایات محمد رَّسول اللہ ﷺ کے علمِ عظیم کے گھٹانے کو آیاتِ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے سب کا جواب انھیں دو فقروں میں ہو گیا۔''[۳]

اس دلیل کی بنیاد آیت کریمہ: ''وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ''[۴] ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب مقدس نازل فرما کر اللہ عزّ و جلّ نے اپنے نبی ﷺ کو ہر چیز کے بارے میں

---

(۱) القرأن الحکیم، سورۃ الغافر: ٤٠، الأیۃ: ٧٨.

(۲) القرأن الحکیم، سورۃ التوبۃ: ٩، الأیۃ: ١٠١.

(۳) ● رسالۃ: إنباء المصطفیٰ بحال سرّ وأخفی، ص: ٤، ٥، ٦، رضوی کتاب گھر، بریلی شریف.

● رسالۃٌ مِن الفتاوی الرضویۃ، ج:١٨، ص: ٦١٠، ٦١١، ٦١٢/ کتاب العقائد والکلام، الإمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

(٤) القرأن الحکیم، سورۃ النحل: ١٦، الأیۃ: ٨٩.

روشن معلومات سے آگاہ کیا۔ یہاں "تنزیل" کا لفظ عطاے غیب پر دلالت کرتا ہے۔

ان آیات کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- ایک یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کثیر امور کا علمِ غیب حاصل ہے۔
- دوسری یہ کہ یہ علم غیب خداے عالم الغیب کی عطا سے حاصل ہے، جیسا کہ وحی، تنزیل، تِبیان، اِطلاع اور اِظہار کے کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں۔

کیا خداے ذوالجلال نے اپنے انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کو امور غیبیہ سے آگاہ فرما کر انھیں اپنے علم میں شریک کر دیا؟ اور کیا قرآن مقدس کی ان آیات پر ایمان - معاذ اللہ - شرک ہے؟ خدا قوم وہابیہ کو ہدایت دے۔

احادیث سے علم غیب کا ثبوت

کثیر احادیث کریمہ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداے پاک کی عطا سے علومِ غیب حاصل تھے۔

یہ احادیث دو طرح کی ہیں:

(الف) کچھ سے عمومی و کلّی طور پر آپ کے لیے علم غیب حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے

(ب) اور کچھ سے خاص، خاص جزئی امور میں علم غیب حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کلّی و عمومی احادیث:

پہلے ہم عمومی احادیث پیش کرتے ہیں۔

① عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: «لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- خُطْبَةً، مَا تَرَكَ فِيهَا شَيْئًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ»، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَه وَجَهِلَه مَنْ جَهِلَه.[1]

ترجمہ: حضرت حُذَیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا تو قیامت

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۷۷، كتاب القدر / باب قوله: و كان أمرُ الله قدرًا، مجلس البركات، مبارك فور.

تک رونما ہونے والی تمام چیزوں کو بیان فرما دیا، جس نے یاد رکھا اسے معلوم ہے اور جس نے یاد نہ رکھا وہ بے علم ہے۔

یہی حدیث صحیح مسلم شریف میں اِن الفاظ میں ہے:

● عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلاَّ حَدَّثَ بِهِ. حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے تو آپ نے اُس وقت سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا، جس نے یاد رکھا اسے تو یاد ہے اور جو بھول گیا، بھول گیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطبہ دینے کے وقت سے قیامت تک کے جملہ مَا یَکُون کے غیبی علوم حاصل ہیں۔

② حَدَّثَنِي أبو زَيْدٍ (عَمْرُو بْنُ أَخْطَبَ) قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ **فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ** فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا.(۲)

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر ہمیں ظہر تک خطبہ دیا، پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر جاکر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا، پھر منبر سے اتر کر نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔

حضور نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس درمیان جملہ مَا کان و ما یکون (جو کچھ آپ سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ آپ کے بعد ہوگا) کی خبر دے دی، تو ہم میں زیادہ علم اُسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مَا کَان و مَا یکون کے دانائے

(۱) الصحیح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۹۰، کتاب الفِتن و أشراطِ السّاعة، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) الصحیح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۹۰، کتاب الفِتن و أشراطِ السّاعة، مجلس البرکات، مبارك فور.

غیوب ہیں۔

اور یہ اعجازِ نبوت ہے کہ آپ نے بہت ہی مختصر وقت میں اپنے اصحاب کو جمیعِ ما کان وما یکون کی خبر دے دی جو بلا شبہہ آپ کے ایک وصف ”جوامع الکلم“ کا فیضان ہے۔

(۳) عَنْ (عبد الله) ابن عُمر، قال: قالَ رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: إنَّ اللهَ -عزَّ و جلّ- قد رَفَعَ لِيَ الدُّنيا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْها وَ إِلىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إلى يوم القيامة، كأنّما أنظُرُ إلى كَفِّي هذه، جِلِّيَانٌ[1] مِّنَ الله جَلَاهُ لِنَبِيِّهٖ كَمَا جَلَا للنَّبيين من قَبْلِهٖ.[2]

ترجمہ: بے شک اللہ نے دنیا کو میرے سامنے کر دیا تو میں اسے اور قیامت تک اس میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، یہ مشاہدۂ کائنات اس روشنی کے سبب ہے جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیا کے لیے روشن فرمائی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ:

(الف) اللہ عزّ وجل نے یہ دنیا اور قیامت تک جو کچھ اس میں ہو گا سب کو حضور ﷺ کے پیش نظر کر دیا تو آپ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح تمام مَا کَان و ما یکون کا مشاہدہ فرماتے ہیں، لہذا آپ اللہ کی عطا سے ”حاضر و ناظر“ ہیں۔

(ب) حضور ﷺ ”جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو گا“ سب کا علم رکھتے ہیں کہ جب سب کچھ آپ کے پیش نظر ہے تو آپ سب سے آگاہ ہیں۔

(ج) پہلے کے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی اللہ عزّ وجلّ نے مَا کَان و ما یَکون کے غیوب عطا فرمائے تھے اور سب کچھ ان کے پیش نظر فرما دیا تھا۔

اس حدیث میں ”إنّ الله قد رفع لِيَ الدُّنيا“ اور ”جِلِّيَانٌ مِّنَ الله جلاه لِنَبِيِّهٖ“ کے الفاظ ”انبیا کے علوم غیبیہ“ کے عطائی ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں۔ تو کیا یہ عطیّہ ربانی شرک ہے؟

ان تینوں احادیث سے مجموعی طور پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضور سیّد کائنات

---

(۱) جِلّيَان: بكسر الجيم و تشديد اللام المكسورة: الإظهار و الكشف، أي هذا إظهارٌ و كشفٌ من الله. النهاية ج: ۱، ص: ۲۹۱، و لسان العرب، و تاج العروس. ۱۲ منه

(۲) المعجم الكبير للإمام الطبراني ج: ۱۳، ص: ۳۱۹/ مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، قاهره.

ﷺ نے صحابۂ کرام سے دنیا کے آغاز سے انجام تک کے سارے احوال بیان فرما دیے، یہاں تک کہ قیامت اور جنت یا جہنم میں جانے تک کے سارے غیب بتا دیے۔

قیامت کا وقت نہ بتانے کا سبب:

ان غیوب میں سب سے اہم "علمِ قیامت" ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو قرآن حکیم میں بار بار اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس کا متعیّن وقت نہ بتایا جائے کیوں کہ متعدّد آیات میں یہ صراحت ہے کہ "قیامت اچانک آئے گی" مثلاً یہ آیات:

● حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا. [1]

یہاں تک کہ جب ان (کافروں) پر قیامت اچانک آگئی، بولے، ہائے افسوس اس پر کہ اس کے ماننے میں تقصیر کی۔

● اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾. [2]

کیا (مشرک) اس سے نڈر ہو بیٹھے کہ اللہ کا عذاب انھیں آکر گھیر لے یا قیامت ان پر اچانک آجائے اور انھیں خبر نہ ہو۔

● وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً. [3]

اور کافر اس (قرآن یا دینِ اسلام) کے بارے میں ہمیشہ شک میں رہیں گے یہاں تک کہ قیامت ان پر اچانک آجائے۔

● هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾. [4]

(ظالم) کاہے کے انتظار میں ہیں مگر قیامت کے کہ ان پر اچانک آجائے اور انھیں خبر نہ ہو۔

● بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾. [5]

بلکہ قیامت ان (کافروں) پر اچانک آپڑے گی، تو انھیں بے حواس کر دے گی، پھر نہ وہ اسے پھیر سکیں گے اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأنعام: ٦، الآیة: ٣١.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ یوسف: ١٢، الآیة: ١٠٧.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الحج: ٢٢، الآیة: ٥٥.
(٤) القرآن الحکیم، سورۃ الزخرف: ٤٣، الآیة: ٦٦.
(٥) القرآن الحکیم، سورۃ الأنبیاء: ٢١، الآیة: ٤٠.

اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں اور ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کافروں پر اچانک یوں آپڑے گی کہ انھیں اس کی خبر نہ ہوگی۔

ان آیات کو نازل فرماکر "مالكِ يوم دين" جلّ جلالہٗ نے یہ اشارہ فرمادیا ہے کہ قیامت کے مقررہ وقت اور سنہ کے بارے میں خبر نہ دی جائے کیوں کہ وقت اور سنہ کی تعیین ہو جانے کے بعد قیامت کا آنا بَغْتَةً یا" اچانک" نہ ہوگا، نہ ہی بے خبری میں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ امین وَحیِ الٰہی حضرت سیّدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قیامت کا وقت دریافت کیا تو آپ نے لاعلمی نہیں ظاہر کی، بلکہ پُراسرار انداز میں وقتِ قیامت کے علم کا اظہار فرمایا، آپ کے ارشاد اقدس: "مَا الْمَسْؤُلُ عَنها بِأعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ." سے یہی ظاہر ہے۔ پھر بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علاماتِ قیامت اس طرح بیان فرمادی ہیں کہ ان کے پیش نظر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کے نزول کے بعد لوگوں کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ فلاں وقت تک صور پھونکا جائے گا۔ صحیحین وغیرہ کی حدیثوں سے یہ امر بخوبی عیاں ہے۔

④ رسول اللہ نے عین جنت اور عین جہنم کا مشاہدہ کیا:

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ ، أَنَّهَا قَالَتْ . . . فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلاَّ قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ.(۱)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں کہ . . . جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ خُسوف اور سورج گہن کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا:

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱٤٤، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ النّساء مع الرّجالِ في الكسوف، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۲٦، كتاب الجمعة / بابُ مَن قال في الخطبة بعدَ الثناء "أمّا بعد"، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۳۱، كتابُ الوضوء / بابُ بابُ من لم يتوضأ إلّا مِنَ الغشي المثقّل، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۸، كتاب العلم / بابُ من أجابَ الفتيا بإشارة اليد والرّاس، مجلس البركات.

"میں نے اس مقام پر وہ تمام چیزیں دیکھ لیں جنھیں پہلے نہیں دیکھا تھا یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو بھی دیکھ لیا۔"

اس حدیث میں "شئ" کا لفظ نکرہ ہے جو "نفی" کے تحت واقع ہے اور ایسا نکرہ عام ہوتا ہے۔ اور لفظ "" میں تو یوں بھی بے پناہ عموم ہے، امام شمس الدین محمد کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

"لفظُ الشّيء أعمُّ العام وقد وقع نكرةً في سياق النّفي أيضا."[۱]

ترجمہ: لفظ "شيء" عام سے بھی زیادہ عام ہے پھر وہ نکرہ بھی ہے جو نفی کے بعد واقع ہے۔ (اور ایسا نکرہ یوں بھی عام ہوتا ہے۔ ن)

تو "ما من شيء" کے عموم میں ہر چیز شامل ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی شامل ہے، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ جلد ہی اس کی صراحت بھی پیش کریں گے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع "ما کان و ما یکون" کے صرف دانائے غیوب ہی نہ تھے بلکہ خدائے قدیر و بصیر نے آپ کو ان تمام اشیا کا مشاہدہ بھی کرا دیا تھا۔

⑤ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ (بالجماعة- ن) . . .

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ. فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُودًا، وَلَوْ أَصَبْتُهُ [أخذْتُه-[۲]] لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا. وَأُرِيتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ.[۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ سورج گہن کی نماز (دو رکعت) پڑھی۔

(بعد نماز) صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ، ہم نے دیکھا کہ آپ اپنے مقامِ نماز سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لینا چاہتے ہیں، پھر دیکھا کہ آپ پیچھے چلے آئے۔

تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے جنت دیکھی اور اس کے انگور کا ایک خوشہ ہاتھ بڑھا کر

---

(۱) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري المعروف بشرح الكرماني، ج:۲، ص:۶۸، كتاب العلم / باب من أجاب الفُتيا، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۹۸، كتابُ الكسوف، مجلس البركات.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۴۴، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ الكسوف جماعة، مجلس البركات.

لینا چاہا۔[1] اگر میں لے لیتا تو تم لوگ رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔

اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی تو میں نے آج جیسا بھیانک منظر کبھی نہیں دیکھا۔ (اُس وقت میں پیچھے ہٹ آیا۔)

اس حدیث کے کلمات خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں:

- میں نے جنت کا خوشہ انگور لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہے۔
- وہ خوشہ انگور تمھارے پاس لا دیتا تو تم لوگ رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔
- جہنم کا بھیانک منظر دیکھ کر پیچھے ہٹ آیا۔

یہ کلمات شاہد ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے عین جنت اور عین جہنم کا مشاہدہ کیا؛ کیوں کہ جنت کا خوشہ ہاتھ میں لینا اور اسے لانے کی صورت میں اس کی برکاتِ لامتناہی کا ظہور اور جہنم کے بھیانک منظر سے نماز میں پیچھے ہٹ آنا عینِ جنت اور عینِ جہنم کے دیکھنے کی دلیل ہیں۔

دیوار قبلہ میں جنت اور جہنم کا عکس دیکھ کر کوئی صاحب عقل سلیم اس کے خوشے ہاتھ میں نہ لے گا، نہ اسے لانے پر اس کی برکاتِ لامتناہی بیان کرے گا، نہ ہی جہنم کا عکس دیکھ کر کوئی بلند ہمت، مرد عاقل پیچھے ہٹے گا۔

موبائل وغیرہ کی اسکرین اور آئینے میں کیسے کیسے خوشنما اور بھیانک مناظر سامنے آتے ہیں مگر کیا کوئی عقل مند ان کے ساتھ اصل مناظر کا سا معاملہ کرتا ہے؟ ہر گز نہیں، اس کا اعتراف سبھی کو ہے تو ان محسوسات کی روشنی میں عین جنت و جہنم اور ان کی عکوس کے فرق کو بھی سمجھنا چاہیے۔

ہاں بعض احادیث نبویہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے دیوار قبلہ میں جنت اور جہنم کا عکس دیکھا، مگر وہ الگ واقعہ ہے اور یہ اس سے الگ ایک دوسرا واقعہ ہے۔

⑥ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ –صلى الله عليه وسلم– يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ –صلى الله عليه وسلم– . . . فَصَلَّى

---

(۱) قال الإمام النووي رحمه الله تعالى في المنهاج شرح صحيح مسلم، ج:۱، ص: ۲۹۷، معنى "تناولتُ" صددت يدي لأخذه. ۱۲ منه

بِالنَّاسِ . . . فقال: فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، فَصَلُّوا حَتَّى تَنْجَلِيَ.

مَا مِنْ شَيْءٍ تُوعَدُونَهُ إِلاَّ قَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلاَتِي هَذِهِ .

لَقَدْ جِيءَ بِالنَّارِ وَذَلِكُمْ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ مَخَافَةَ أَنْ يُصِيبَنِي مِنْ لَفْحِهَا . . . ثُمَّ جِيءَ بِالْجَنَّةِ، وَذَلِكُمْ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَقَدَّمْتُ، حَتَّى قُمْتُ فِي مَقَامِي.

وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوا إِلَيْهِ، ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ لاَ أَفْعَلَ.

فَمَا مِنْ شَيْءٍ تُوعَدُونَهُ إِلّا وقَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلاَتِي هَذِهِ.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں حضرت ابراہیم بن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے روز گہن لگا، تو آپ نے صحابہ کو نماز گہن پڑھائی۔

پھر فرمایا: جب تم کچھ بھی گہن دیکھو تو نماز پڑھو یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔

تم لوگوں سے جن جن چیزوں کا بھی وعدہ ہے وہ ساری چیزیں میں نے اپنی اس نماز میں دیکھ لیں۔ جہنم میرے سامنے کی گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب تم لوگوں نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، میں اس کی آنچ لگنے کے اندیشے سے پیچھے ہٹ آیا تھا۔

اس کے بعد جنت میرے پیش نظر کی گئی، یہ اُس وقت کی بات ہے جب تم لوگوں نے مجھے آگے بڑھتے دیکھا اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کچھ پھل لینے چاہے تاکہ تم لوگ بھی اسے دیکھ لو، پھر میری رائے یہ ہو گئی کہ ایسا نہ کروں۔

"تم سے جن چیزوں کا وعدہ ہے وہ تمام چیزیں میں نے اپنی اس نماز میں دیکھ لیں۔"

ان احادیث میں "مَا مِن شَيءٍ كُنتُ لَمْ أَرَهُ" اور "مَا مِن شَيءٍ تُوعَدُوْنَهُ" کے الفاظ ان تمام چیزوں کو عام و شامل ہیں جنھیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ساتھ ہی ان تمام چیزوں کو بھی عام و شامل ہیں جن کا بندوں سے کتاب و سنت میں وعدہ کیا گیا ہے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان تمام چیزوں کا مشاہدہ بھی کرا دیا گیا۔

اس عموم میں اَحوالِ قبر، اَہوالِ قیامت، حشر و نشر، حوض کوثر، جنت، جہنم اور دیدار باری بھی

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱،ص:۲۹۷، ۲۹۸، کتابُ الکسوف ، مجلس البرکات.

شامل ہیں، چنانچہ امام شمس الدین کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"فإن قلتَ: هل فيه دلالة على أنه صلى الله تعالى عليه وسلم رأى في هذا المقام ذات الله تعالى؟

قلتُ: نعم، إذ الشّيءُ يتناوله والعقلُ لا يمنعه والعرفُ لا يقتضي إخراجه."[1]

ترجمہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے ذات جامع صفات کا بھی دیدار کیا؛ کیوں کہ لفظ "شيء" اسے بھی شامل ہے اور عقل اس کے شمول سے مانع نہیں اور عرفِ شرع اسے شے کے عموم میں عدمِ شمول کا مقتضی نہیں۔

"رویت" کا حقیقی مفہوم "چشم سر سے مشاہدہ کرنا" ہے اور ● جنتی انگور لینے کے لیے ہاتھ بڑھانا، ● اس سے قریب ہونے کے لیے آگے بڑھنا ● اور جہنم کی آنچ سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنا بھی عین جنت اور عین جہنم کے مشاہدے کی دلیل ہیں۔

الغرض ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں سے جن جن چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے، ان تمام چیزوں کا اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشاہدہ بھی کرا دیا، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کی عطا سے بے شمار غیوب کے دانائے راز اور دانائے غیوب ہیں۔

⑦ اللہ نے اپنا دستِ قدرت اپنے محبوب کے دو شانوں کے درمیان رکھ کر ہر چیز روشن فرمادی:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: احْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ذَاتَ غَدَاةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، حَتَّى كِدْنَا نَتَرَاءَى عَيْنَ الشَّمْسِ، فَخَرَجَ سَرِيعًا، فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ، فَقَالَ لَنَا: عَلَىٰ مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ، ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا فَقَالَ: ... أَنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ، فَتَوَضَّأْتُ، فَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي، فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي فَاسْتَثْقَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، ... فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّىٰ لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ...

---

(۱) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري المعروف بشرح الكرماني، ج:۲، ص:۶۸، كتاب العلم / باب من أجاب الفُتيا، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

قال أبو عيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ. سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هٰذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ..(۱)

ترجمہ: حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے (مسجد میں) آنے سے رُکے رہے، یہاں تک کہ لگتا تھا سورج طلوع ہو جائے گا، اتنے میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا جلدی میں نکلے، نماز کی تکبیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر اعلان فرمایا کہ تم لوگ صف میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو، پھر حضور نے ہماری طرف رخ کر کے فرمایا کہ:

"میں رات بیدار ہوا، وضو کیا اور جو ہو سکا نماز پڑھی، پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی اور طبیعت بوجھل ہو گئی، اتنے میں میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کا اچھی صفت میں دیدار کیا، میں نے دیکھا کہ میرے رب نے اپنے دستِ قدرت کو میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، تو میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی، اور میں نے (ہر چیز) پہچان لی۔"

امام ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حَسَن، صحیح ہے، میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

"كُلُّ شيءٍ" یعنی "ہر چیز" کے عموم میں ساری کائنات شامل ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائناتِ عالم کی تمام اَشیا کا علم رکھتے اور پہچانتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں حضور کے لیے روشن ہیں۔

مگر یہ تمام چیزیں کیا سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی اپنی ذات سے روشن ہیں؟ اور آپ کا یہ علم و عرفان ذاتی ہے؟ ایسا نہیں۔

بلکہ اللہ عزّ و جل نے اپنے فضل خاص سے یہ اعزاز عطا فرمایا، کہ "دستِ قدرت کو حضور کے سینۂ اقدس پر رکھا" اور ہر چیز روشن ہو گئی۔ —— تو یہ علم و عرفان خاص عطیۂ ربّانی ہے۔

⑧ مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: «أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى؟ قُلْتُ: رَبِّ لاَ أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ

(۱) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۱۵٦، أبواب التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مباركپور.

بَيْنَ كَتِفَيَّ حتى وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ **فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.**(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب بڑے شانِ جمال و زیبائی کے ساتھ ظاہر ہوا، اور دریافت کیا، کہ اے محمد، ملائکہ مُقرَّبین کس چیز کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی، پروردگار، مجھے نہیں معلوم۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ کرم میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور **مجھے "مشرق و مغرب کے درمیان" کی ساری چیزوں کا علم ہو گیا۔**

"ما بَيْنَ المشرقِ و المغرب" کا لفظ زمین سے لے کر آسمان تک جو کچھ بھی مشرق و مغرب میں ہے سب کو عام ہے کیوں کہ "مَا" الفاظِ عموم سے ہے اور "المشرِقِ و المغرِب" اپنے اطلاق کی وجہ سے زمین و آسمان دونوں کو شامل ہے۔ اس کی تایید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

" فَعَلِمتُ مَا في السَّمٰوٰتِ وَ مَا في الأرض "(۲)

ترجمہ: تو مجھے وہ سب کچھ معلوم ہو گیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے۔

حدیث نبوی کی ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے قدیر کے عطیۂ خاص سے وہ سب کچھ معلوم ہو گیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے اور جو دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کی وسعتوں میں ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے ترجمہ و شرح میں رقم طراز ہیں:

"پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمین بود" عبارت ست از حصولِ تمامۂ علومِ جزوی و کلّی و احاطۂ آں۔(۳)

ترجمہ: "میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا سب جان لیا" اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو تمام علومِ جزوی و کلی حاصل ہو گئے اور آپ نے ان سب کا احاطہ کر لیا۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۱۵٦، أبواب التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۱۵۵، أبوابُ التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) أشِعّة اللمعات ج: ۱، ص: ۳۵۷، باب المساجد و مواضع الصلاة/ الفصل الثاني، مكتبه حبيبيه، پاكستان.

⑨ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کا مشاہدہ کیا:

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلمَ- "إِنَّ اللهَ زَوَى لِيَ الأَرْضَ حَتّٰى رَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا." (۱)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، یہاں تک کہ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو دیکھ لیا۔

کسی چیز کو دیکھنا اس کے علم کا ذریعہ ہوتا ہے تو مشارق ومغارب کو دیکھ لینا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو مشارق ومغارب کا علم غیب حاصل ہے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود سمٹ کر نگاہ نبوت کے سامنے ہوگئی اور اس کے علوم جو پہلے غیب تھے آپ کے لیے شھادۃ ہوگئے۔

⑩ آسمان کی چھوٹی، بڑی باتیں سرکار نے بیان فرمادیں:

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَمَا فِي السَّمَاءِ طَيْرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحِهِ إِلاَّ ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا. (۲)

نقلهُ الحافظ نورُ الدين عليُ بن أبي بكر الهيثمي في "مجمع الزوائد" وقال : رواه الطَّبراني ورجالهُ رجالُ الصحيح. (۳)

ترجمہ: حضرت عطا سے روایت ہے کہ صحابیِ رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ آسمان میں کوئی پرندہ پَر مارنے والا ایسا نہیں جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم نہ دیا ہو۔

اس حدیث کو حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد" میں نقل کر کے لکھا کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا، اور اس کے رجال "صحیح" کے رجال ہیں۔

⑪ عَنْ أَبِي ذَرٍّ ، قَالَ : تَرَكَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا طَائِرٌ يُقَلِّبُ جَنَاحَيْهِ فِي الْهَوَاءِ ، إِلّا وَهُوَ يُذَكِّرُنَا مِنْهُ عِلْمًا. (٤)

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۹۰، كتاب الفِتَن و أشراطِ الساعة، مجلس البركات، مبارك فور.
(۲) مسند أبي يعلى الموصلي، ج: ۹، ص: ٤٦، دار المأمون للتراث، دمشق.
(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۸، ص: ٤٧٢، كتاب علامات النبوة/ بابٌ في ما أوتي من العلم، رقم الحديث: ۱۳۹۷۳، دار الفكر.
(٤) المعجم الكبير للإمام الطبراني، ج: ۲، ص: ۱۵٦/ مسند أبي ذر الغفاري، قاهره.

ذکره الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي وقال: رواه أحمد والطّبراني ورجال الطبراني رجال الصّحيح غير محمد بن عبد الله بن يزيد المقري وهو ثقة، إهـ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حال میں چھوڑ کر تشریف لے گئے کہ ہوا میں جو پرندہ بھی اپنے پَر ہلاتا ہے اس کے بارے میں آپ نے اپنے علم کا ذکر فرمادیا۔

اس حدیث کو حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں ذکر کرکے یہ لکھا کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کے رجال ''صحیح'' کے رجال ہیں، ہاں محمد بن عبداللہ یزید مقری صحیح کے رجال سے نہیں، تاہم ثقہ ہیں۔

ان احادیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوٹی سی چھوٹی چیز اور ایک ایک جزئی بات کا علم تھا۔

خصوصی و جزئی احادیث

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ خاص خاص واقعات اور جزئی امور میں کثرت کے ساتھ غیب کی خبریں دی ہیں جن میں ماضی کی خبریں بھی ہیں اور حال و مستقبل کی بھی، پسِ پُشت کی خبریں بھی ہیں اور قبروں میں پیش آنے والے حالات اور دِلوں کے اَسرار کی بھی۔ یہاں تک کہ کون شہید ہوگا اور کون جنتی، اور کس کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور کون بُری موت مرے گا، ان سارے غیوب کی خبریں احادیث صحیحہ میں موجود ہیں اور سب درج بالا عمومی و کلّی احادیث کی تصدیق فراہم کرتی ہیں۔ اس نوع کی احادیث بے شمار ہیں، ہم اس مختصر میں سب کا احاطہ نہیں کرسکتے تاہم کچھ احادیث نذرِ قارئین ہیں:

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: . . . مَتَى السَّاعَةُ ؟ قَالَ: مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ. . . . ثُمَّ أَدْبَرَ، فَقَالَ: رُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ ، جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ.[2]

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۸، ص: ۴۷۲، كتاب علامات النبوة/ بابٌ في ما أوتي من العلم، رقم الحديث: ۱۳۹۷۱، دار الفكر، بيروت، لبنان.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۴۴، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ الكسوف جماعة، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز مجمع عام میں تشریف فرماتھے کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر یہ سوال کیا کہ "قیامت کب آئے گی"؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "مجھے سائل سے زیادہ قیامت کا علم نہیں۔"

پھر وہ شخص واپس ہوا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ اسے واپس لاؤ، مگر انھیں کچھ بھی نظر نہ آیا، تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جو لوگوں کو دین سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب بلیغ میں غور فرمایئے، آپ یہ نہیں فرمارہے ہیں کہ "مجھے قیامت کے وقت کا علم نہیں"

بلکہ یہ فرمارہے ہیں کہ:

"قیامت کے بارے میں مجھے سائل سے زیادہ علم نہیں۔"

اس کا حاصل دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں جو علم آپ کو حاصل ہے وہی مجھے بھی حاصل ہے اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ قیامت کا وقت بتانے سے اشارۃً منع کردیا گیا ہے، وہی مجھے بھی معلوم ہے۔ یہ تو خدائے علّام الغیوب کا سرِّ مکنون ہے جس کا اظہار شان نبوت کے مناسب نہیں۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ حدیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم قیامت کی دلیل ہے مگر یہ ایک سرّ مخفی تھا اس لیے آپ نے قیامت کے وقت سے لوگوں کو آگاہ نہیں کیا، ہاں، قیامت کا علم ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اللہ کی عطا سے رسول اللہ کو بھی حاصل ہے جیسا کہ آپ کے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے جن کا تفصیلی بیان امام اہلسنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسائل "الدولة المكية اور الفيوضات الملكيّة" میں ہے۔

⑭ سرکار نے کثرت سے قیامت کی علامتیں بیان فرماکر ایک حد تک قیامت کے وقت سے آگاہ فرمادیا:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو، ... قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ - لاَ أَدْرِي: أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ

أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ عَامًا - فَيَبْعَثُ اللهُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ.

ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ.

ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ، فَلاَ يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلاَّ قَبَضَتْهُ ... قَالَ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-.

قَالَ: «فَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلاَمِ السِّبَاعِ لاَ يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَلاَ يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا. ... ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ. إلى آخر الحديث.[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

● میری امت میں دجّال نکلے گا جو چالیس ... تک ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے "چالیس دن" فرمایا، یا "چالیس مہینے" یا "چالیس سال"۔

● پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کو۔ جو عُروہ بن مسعود ثقفی کے مشابہ ہوں گے۔ (آسمان سے) بھیجے گا، وہ دجّال کو تلاش کر کے ہلاک کر دیں گے۔ پھر لوگ سات سال تک (یوں خوش گوار ماحول میں) رہیں گے (کہ) دو آدمیوں کے درمیان کوئی عداوت نہیں ہوگی۔

● پھر اللہ عزّوجل شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر رہنے والے ایسے تمام لوگوں کی روح قبض کر لے گی جن کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہوگا۔

راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے یہ سب باتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں، سرکار نے مزید فرمایا کہ:

"پھر بُرے لوگ رہ جائیں گے جو چڑیوں کی طرح جلد باز اور درندہ صفت، بے عقل ہوں گے، وہ نہ کوئی اچھی بات اچھی سمجھیں گے اور نہ بُری بات بُری۔

● پھر (قیامت کا) صور پھونکا جائے گا۔"

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ٤٠٣، كتاب الفِتَن و أشراطِ السّاعة/ بابُ ذكرِ الدّجّال، مجلس البركات، مبارك فور.

⑭ حضرت نَواس بن سَمعان کلابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علاماتِ قیامت کی جو تفصیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں "چالیس دن" کا واضح بیان موجود ہے، وہ فرماتے ہیں:

قُلْنَا: يَا رَسُولَ الله، وَمَا لَبْثُهُ فِي الأَرْضِ؟ قَالَ: «أَرْبَعُونَ يَوْمًا، يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ».[1]

ترجمہ: ہم نے عرض کی یا رسول اللہ، وہ زمین میں کب تک رہے گا؟ تو آپ نے فرمایا: چالیس دن۔ (اس کا) ایک دن سال بھر کے برابر ہوگا، ایک دن ایک ماہ کے برابر، اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر، اور باقی دن تمھارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

حضرت نَواس بن سمعان کی حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے:

فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ، فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ، وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ».[2]

ترجمہ: اللہ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ان کی بغلوں کے نیچے سے نکلے گی اور ہر مومن و مسلم کی روح قبض کر لے گی اور بدترین لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح جماع کریں گے، تو انھی پر قیامت قائم ہوگی۔

ان احادیث میں علاماتِ قیامت کی ترتیب بہت واضح الفاظ میں یہ بیان کی گئی ہے:

(ا) دجّال کا خروج: یہ ہمارے دنوں کے لحاظ سے ایک سال، دو ماہ، چودہ دن اس زمین پر رہے گا۔

(ب) حضرت عیسیٰ - علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام - کا آسمان سے نزول۔ آپ دجّال کا تعاقب کر کے اسے موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ٤٠١، كتاب الفِتَن و أشراطِ السّاعة/ باب ذكر الدّجال، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ٤٠٤، كتاب الفِتَن و أشراطِ السّاعة/ باب ذكر الدّجال، مجلس البركات، مبارك فور.

(ج) پھر سات سال بعد اللہ تعالیٰ وہ ٹھنڈی اور پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ہر صاحبِ ایمان کی روح کو قبض کر لے گی اور روے زمین پر صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے، کہیں کوئی اللہ، اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔

(د) پھر صور پھونکا جائے گا اور ان بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

حضور سید عالم ﷺ کے یہ ارشادات روز روشن کی طرح دلالت کرتے ہیں کہ ابھی اسلام زندہ ہے، ابھی ایمان باقی ہے۔

وہ ہَوا تو اُس وقت چلے گی جب قیامت بہت ہی قریب آچکی ہوگی، اور اس سے پہلے دجّال کا خروج ہو چکا ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر اسے ہلاک کر چکے ہوں گے۔

ساری دنیا یقین رکھتی ہے کہ ابھی نہ وہ دجّالِ اکبر آیا، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔

امام الوہابیہ کے مطابق وہ ہَوا چل چکی جو ہر مومن و مسلم کی روح قبض کر لے گی:

مگر امامِ فرقۂ وہابیہ کے مطابق وہ ہوا بہت پہلے چل چکی، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

"پھر اللہ آپ ہی ایک ایسی باو بھیجے گا کہ سب اچھے بندے جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا مر جاویں گے اور وہی لوگ رہ جاویں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں، ... سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا"۔ (۱)

"پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا"

اس کا مطلب صاف صاف یہی ہے کہ وہ ہوا چل چکی، سارے مسلمان دنیا سے اٹھا لیے گئے، اور روے زمین پر صرف کفار رہ گئے۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب سب مسلمان اٹھا لیے گئے اور صرف کافر رہ گئے تو خود جناب بھی تو انہی میں سے ہوئے۔

یہ ہے امامِ فرقۂ حدیث کا فہم حدیث اور مذہب واعتقاد جو بلا شبہہ حدیث نبوی کے مخالف ہے۔

خیر، یہ تو ایک ضمنی گفتگو درمیان میں آگئی، ہم تو ان احادیث نبویہ سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ:

حضور سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیبی علوم عطا فرمائے ہیں، ان احادیث میں جن غیبی خبروں کا تذکرہ ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) قیامت آنے سے پہلے دجّال کا خروج ہوگا۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان ص: ۳۸، الفصل الرابع في ذکرِ ردِّ الإشراك في العبادۃ، راشد کمپنی، دیو بند.

(۲) وہ چالیس دن تک اس روے زمین پر رہے گا۔

(۳-۶) اس کا ایک دن سال بھر کا، دوسرا دن ایک ماہ کا، تیسرا دن ایک ہفتہ کا اور بقیہ دن معمول کے مطابق ہوں گے۔

(۷) اس کے بعد آسمان سے حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبیّنا وعلیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائیں گے۔

(۸) دجّال کا تعاقُب کر کے اسے ہلاک کریں گے۔

(۹) اس کے بعد سات سال کا زمانہ بڑے امن و محبت و سکون کا زمانہ ہو گا۔

(۱۰) پھر ایک پاکیزہ، ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہلِ ایمان دنیا سے اٹھا لیے جائیں گے۔

(۱۱) زمین پر صرف بُرے لوگ رہ جائیں گے۔

(۱۲) پھر انھی پر قیامت برپا ہو گی۔

حدیث ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کی ہے پوری حدیث میں اور زیادہ غیبی اَخبار ہیں ان غیبی اَخبار کی بنا پر ہم یہی مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے دانائے غیوب ہیں۔

اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیاں جس ترتیب سے بیان فرمائی ہیں اس سے زمانۂ نزولِ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہی اہلِ علم کو قیامت کے اِمکانی وقت کا اندازہ ہو جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کے دلوں سے کینہ نکل جائے گا، مال کی محبت چلی جائے گی، اور ان کی نگاہ میں ایک سجدہ دنیا و متاعِ دنیا سے بہتر ہو گا۔

(۱۴) آنے والے زمانے کی خبر کہ: "اللہ حسنِ مجتبیٰ کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا":

عَنْ أَبِي مُوسٰى، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ (البصري) يَقُولُ: اسْتَقْبَلَ -وَاللهِ- الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعَاوِيَةَ بِكَتَائِبَ أَمْثَالِ الْجِبَالِ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: إِنِّي لَأَرىٰ كَتَائِبَ لَا تُوَلِّي حَتّٰى تَقْتُلَ أَقْرَانَهَا. فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: -وَكَانَ وَاللهِ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ- أَيْ عَمْرو، إِنْ قَتَلَ هٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ، وَهٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ مَنْ لِي بِأُمُورِ النَّاسِ، مَنْ لِي بِنِسَائِهِمْ، مَنْ لِي بِضَيْعَتِهِمْ.

فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرٍ، فَقَالَ: اذْهَبَا إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ، فَاعْرِضَا عَلَيْهِ، وَقُولَا لَهُ، وَاطْلُبَا إِلَيْهِ. فَأَتَيَاهُ، فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا، وَقَالَا لَهُ، وَطَلَبَا إِلَيْهِ.

فَقَالَ لَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ: إِنَّا بَنُو عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَدْ أَصَبْنَا مِنْ هَذَا الْمَالِ، وَإِنَّ هٰذِهِ الأُمَّةَ قَدْ عَاثَتْ فِي دِمَائِهَا. قَالاَ: فَإِنَّهُ يَعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا، وَيَطْلُبُ إِلَيْكَ وَيَسْأَلُكَ. قَالَ: فَمَنْ لِي بِهَذَا؟ قَالاَ: نَحْنُ لَكَ بِهِ. فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلاَّ قَالاَ: "نَحْنُ لَكَ بِهِ". فَصَالَحَه.

فَقَالَ الْحَسَنُ: وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- عَلَى الْمِنْبَرِ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ، وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَعَلَيْهِ أُخْرىٰ، وَيَقُولُ « إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، **وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ**». [1]

ترجمہ: ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حَسَن بصری سے یہ فرماتے سنا کہ حضرت حَسَن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت مُعاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کے مثل لشکر لے کر گئے، تو حضرت عَمرو بن عاص نے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو واپس نہیں لوٹ سکتا، جب تک کہ اپنے مقابل سارے لوگوں کو قتل نہ کر دے، اس پر حضرت معاویہ نے کہا- اور امیر معاویہ دونوں (امیر معاویہ و عَمرو بن عاص) میں بہتر تھے- اے عَمرو، اگر اِن لوگوں نے اُن لوگوں کو، اور اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے میرے پاس کون ہوگا، میرے پاس ان کی عورتوں کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہوگا۔ ان کے بے سہارا بچوں اور اپاہجوں کے لیے کون ہوگا؟

پھر انھوں نے قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے دو آدمیوں - عبد الرحمٰن بن سَمُرہ اور عبد اللہ بن عامر- کو حضرتِ حَسَن مجتبیٰ کے پاس اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ: "اُن صاحب کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح پیش کرو، ان سے گفتگو کرو، اور انھیں صلح کی طرف بلاؤ"۔

یہ دونوں نمائندے حضرت حسنِ مجتبیٰ کی خدمت میں آئے اور آپ سے ملاقات کر کے بات چیت کے دوران صلح کی پیش کش کی۔

اس پر حضرت حسنِ مجتبیٰ نے فرمایا کہ "ہم عبد المطلب کی اولاد ہیں، ہم نے یہ مال پایا ہے اور یہ قوم اپنے خون میں لتھڑی ہوئی ہے"

ان دونوں نے کہا کہ وہ (حضرت مُعاویہ) آپ کی خدمت میں اتنا، اتنا پیش کرتے ہیں۔ اور صلح کے طالب ہیں اور صلح کا سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۷۲، ۳۷۳، كتاب الصُّلح/ باب قولِ النّبي صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم للحسن بن علي: ابني هذا سيِّد، و لعلَّ الله أن يُّصلِح به بين فئتَين عظيمتَين، مجلس البركات، مبارك فور.

حضرت حَسَن نے پوچھا: اس کا ضامن کون ہے؟ تو دونوں نے عرض کیا کہ ہم ضامن ہیں۔
الغرض حضرت حَسَن مجتبیٰ جو بھی سوال کرتے، سب کے جواب میں یہ دونوں نمائندے یہی کہتے کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس پر حضرت حسن مجتبیٰ نے صلح کر لی۔

حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرہ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر جلوہ افروز دیکھا اور حَسَن بن علی حضور کے پہلو میں تھے، حضور کبھی مجمع کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف، اور فرماتے: **"میرا یہ بیٹا سیّد ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"**(۱)

اس حدیث میں "دو بڑی جماعتوں" سے مراد حضرت امیر مُعاویہ اور حضرت امام حَسن رضی اللہ تعالیٰ کے دونوں لشکرِ جرار ہیں۔ اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بلاشبہہ غیب کی اہم خبر ہے۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ حَسن مجتبیٰ آیندہ خلافت اور صلح کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے، اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے تیس سال بعد ہزاروں صحابہ و تابعین نے اس "غیبی خبر" کی صداقت کا منظرِ جمیل اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ کیا ایسی غیبی خبر کی تصدیق بھی شرک ہو سکتی ہے؟

⑮ حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر فتح خیبر کی پیشگی بشارت:

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِي خَيْبَرَ، وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ، فَقَالَ: أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللهُ فِي صَبَاحِهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ -أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ- غَدًا رَجُلاً يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ -أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ- يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ». فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ، فَقَالُوا: هَذَا عَلِيٌّ. فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ .(۲)

ترجمہ: حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے غزوۂ خیبر

---

(۱) نزہۃ القاری، کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ۔

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۵۲۵، كتاب المناقب/ باب مناقب علي بن أبي طالب أبي الحسن القُرشي، مجلس البركات، مبارك فور.

میں پیچھے رہ گئے تھے، انھیں آشوبِ چشم ہو گیا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ میں تو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جا رہا ہوں، تو یہ نکل پڑے اور نبیِ اکرم ﷺ سے جا ملے۔ جب اس شب کی شام ہوئی جس کی صبح میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں کل عَلَم ایک ایسے شخص کو عطا کروں گا، یا عَلَم ایسا شخص لے گا جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں، یا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔"

ہم نے دیکھا کہ حضرت علی آ گئے حالاں کہ ہمیں ان کے آنے کی امید نہ تھی، لوگ کہنے لگے یہ تو حضرت علی ہیں۔ آ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو عَلَم عنایت فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کو "آنے والے کل میں کیا ہوگا" اس کی خبر تھی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک تو پیچھے رہ گئے تھے، دوسرے آشوبِ چشم سے پریشان تھے اس لیے کسی کو یہ توقع نہ تھی کہ فتحِ خیبر کا سہرا ان کے سر سجے گا، مگر وہ آ گئے اور جیسا کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے آپ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا تو وہ شفایاب بھی ہو گئیں، پھر آپ نے حضرت علی کو عَلَم عطا فرما کر میدانِ جنگ کے لیے روانہ فرما دیا تو دنیا یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ انھوں نے اپنی خداداد قوت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قلعۂ خیبر کو فتح بھی کر لیا اور سرورِ کونین ﷺ کی بشارت کا سبھی نے اپنے سر کی آنکھوں سے نظارہ کیا۔ کیا یہ حدیثِ صحیح سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیب دانی کی واضح دلیل نہیں ہے، اور کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپ کو کل آئندہ میں رونما ہونے والے واقعات کی خبر ہے۔

(۱۶) دنیا اور آخرت کے احوالِ خیر سے آگاہی اور بشارت:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَىٰ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ: «تَعْبُدُ اللهَ، لاَ تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلاَةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ».

قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لاَ أَزِيدُ عَلَىٰ هٰذَا شَيْئًا أَبَدًا وَلاَ أَنْقُصُ مِنْهُ. فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: « **مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا** ».[1]

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۳۱، كتاب الإيمان / باب السُّؤال عن أركانِ الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسولَ اللہ، مجھے ایسا عمل بتائیے جس کو کرکے میں جنت میں داخل ہوجاؤں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ● اللہ کی عبادت کرو، ● اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرو، ● اور فرض نماز پابندی سے ادا کرو، ● اور فرض زکات بھی ادا کرو ● اور رمضان کے روزے رکھو۔

تو اُن صحابی نے عرض کیا، قسم اُس ذاتِ یگانہ کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میں ان فرائض پر (اپنی طرف سے) کچھ بھی، اور کبھی بھی زیادہ نہ کروں گا، نہ ان میں کوئی کمی کروں گا۔

جب وہ واپس ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جسے اہل جنت کے کسی آدمی کو دیکھنے سے مسرّت ہو تو وہ اسے دیکھ لے"۔

اس حدیث میں حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیب کی تین خبریں دی ہیں جیسا کہ امام ابوزکریا محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس انکشاف سے عیاں ہے، فرماتے ہیں:

فالظاهرُ منه: أنّ النّبيّ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّمَ- عَلِمَ:

● أنّهٗ يُوْفِي بمَا الْتزَمَ، ● وأنّهٗ يدومُ على ذٰلِك، ● و يدخُلُ الجَنَّةَ.[1]

ترجمہ: ارشادِ نبوی سے ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ ● اُن صحابی نے جن طاعات کا التزام کیا ہے انھیں پورا کریں گے ● اور وہ انھیں ہمیشہ کریں گے ● اور جنت میں داخل ہوں گے۔

بلاشبہہ یہ تینوں باتیں غیبی اَخبار ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھیں، ساتھ ہی یہ "غیبی اَخبار" اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور سید انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ وہ اَعرابی کل آیندہ کیا کریں گے۔

⑰ مدینہ سے سیکڑوں میل دور رونما ہونے والے واقعات سے سرکار نے بروقت آگاہ کیا:

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ، فَقَالَ: « أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۳۱، كتابُ الإيمان/ بابُ السُّؤال عن أركانِ الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتَّى أَخَذَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللهِ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ ».(۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو حضرت زید، حضرت جعفر، اور حضرت ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر جنگ سے ان کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی دے دی۔ آپ نے فرمایا:

- زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور وہ شہید ہوگئے،
- پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے،
- پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔

یہ خبر دیتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سیفُ اللہ (خالد بن ولید) نے جھنڈا تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینۂ منورہ میں قیام پذیر تھے مگر جنگ مُوتہ میں پیش آنے والے اہم واقعات کی غیبی خبریں اس طور پر دے رہے تھے جیسے کوئی اپنی ہتھیلی کے نشانات دیکھ دیکھ کر بتاتا جائے۔

اس حدیث پاک میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آٹھ غیب کی خبریں دی ہیں، دو، دو خبریں جنگ کا جھنڈا ہاتھ میں لینے اور شہید ہونے کی۔ دو ہاتھ میں جھنڈا لینے اور فتح یاب ہونے کی۔ تو ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا شبہہ دانائے غیوب ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مُوتہ سے سیکڑوں کلو میٹر(۲) دور رہتے ہوئے خبر دے رہے ہیں کہ کون کہاں فوت ہو رہا ہے تو آپ کو "بأيّ أرضٍ تَموتُ" کا بھی علم ہے۔

⑱ رسول نے یہ بتا دیا کہ کون، کہاں مرے گا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقام بدر میں پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَذَا مَصْرَعُ فُلاَنٍ. وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الأَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا، قَالَ: فَمَا مَاطَ

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۶۱۱، كتاب المغازي/ باب غزوةِ مُوتَة مِن أرضِ الشام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) "سیکڑوں کلو میٹر" مُوتہ: ملک شام کا ایک قصبہ ہے جس کا فاصلہ مدینہ منورہ سے جدید آلات پیمائش کے مطابق ۹۸۷ کلو میٹر، ۹۰۰ میٹر بتایا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ.

أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ.[۱]

ترجمہ: یہ فلاں کے ہلاک ہونے کی جگہ ہے اور آپ اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر فرماتے، یہاں اور یہاں۔ (یعنی فلاں، فلاں یہاں، یہاں قتل ہوکر گریں گے) راویِ حدیث کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے جو نشان دہی فرمائی تھی اس جگہ سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کوئی نہ گرا۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

و فيه معجزتان مِن أَعْلامِ النبوة. أحدُهما: إخبارُه -صلَّى الله تعالىٰ عليه وسلم- بمَصرعِ جَبابِرَتهم، فلم يتعدّ مَصْرَعَه. إلخ.[۲]

اس حدیث میں دو معجزے ہیں جو نبوت کے دلائل سے ہیں۔ پہلا معجزہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ظالموں کے قتل ہونے کی جگہ بتادی تو کوئی اس سے اِدھر اُدھر نہ گرا۔

(۲۰) حضور پُر نور سید المرسلین ﷺ کا یہ ارشاد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ، خدا کی قسم کھا کر بیان کیا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رویتِ ہلال کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ أَنْشَأَ (عُمَرَ -ن) يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- كَانَ يُرِينَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالأَمْسِ يَقُولُ: «هَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ». قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: فَوَالَّذِى بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَئُوا الْحُدُودَ الَّتِي حَدَّ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-.[۳]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سے اہل بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک روز پہلے ہمیں اہل بدر کی ہلاکت گاہیں دکھادی تھیں اور بتادیا تھا کہ فلاں کل یہاں ہلاک ہوگا اِن شاءاللہ۔

حضرت عمر نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، رسول اللہ

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتابُ الجهاد و السِّيَر، بابُ غزوة بدر، مجلس البركات.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتاب الجهاد والسِّير/ باب غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۸۶، ۳۸۷، كتاب الجنّةِ وصفةِ نعيمها وأهلها، مجلس البركات، مبارك فور.

ﷺ نے ہر ایک کے ہلاک ہونے کی جو جگہ بتائی تھی کوئی اس سے ادھر ادھر نہ گرا۔

اب یہاں آیت کریمہ "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" کو بھی پیش نظر رکھیے تو کتاب وسنت میں موافقت کی واضح صورت سامنے آئے گی کہ کون کہاں مرے گا یہ کسی کو نہیں معلوم، لیکن خدائے علیم وخبیر کے بتانے سے رسول اللہ ﷺ کو معلوم بھی ہے اور بتاتے بھی ہیں۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کو معلوم تھا کہ کون کہاں مرے گا۔ اور اس سلسلے میں آپ نے جو فرمایا وہی ہو کر رہا۔

⑳ پیٹھ پیچھے ظاہر وباطن کا نظارہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ الله -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: « هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا، وَالله مَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلاَ خُشُوْعُكُمْ وَإِنِّي لأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي ».[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ یہاں ہے، اللہ کی قسم مجھ پر تمھارا رکوع و خشوع مخفی نہیں ہے، میں بلا شبہہ تم کو اپنی پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

㉑ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: « أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي، وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ».[2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم رکوع و سجود صحیح طور پر ادا کرو، میں اللہ کی قسم تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، اور کبھی آپ نے فرمایا: جب تم لوگ رکوع اور سجدہ کرتے ہو تو میں تم لوگوں کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

حضور سید عالم ﷺ نے ان احادیث میں اپنی غیب دانی کے دو ثبوت دیے ہیں:

● ایک یہ کہ آپ اپنی پشت کے پیچھے ہونے والے امور کو دیکھتے ہیں، کون رکوع و سجود صحیح طور پر ادا کر رہا ہے اور کون غلط طور پر ادا کر رہا ہے یہ سب کچھ سرکار مشاہدہ فرماتے ہیں۔

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص: ١٠٢، كتاب الأذان/ باب الخشوع في الصّلاة، مجلس البركات؛
(٢) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ١٠٢، كتاب الأذان/ باب الخشوع في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

● دوسرے یہ کہ قلبی کیفیات پر بھی آپ کی نظر ہے۔ خشوع و خضوع کا تعلق دل کے نہاں خانے سے ہے مگر وہ بھی آپ کی نگاہ سے مخفی نہیں۔

⑭ دنیا کے غیبی احوال اور قبر کے ناقابل ادراک اسرار کی خبر:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ»، ثُمَّ قَالَ: «بَلَىٰ، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ». ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلَىٰ كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً. فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: «لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا -أَوْ- إِلَىٰ أَنْ يَيْبَسَا».[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن پر اُن کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے۔ اور ان کو کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا دشوار ہو،

پھر آپ نے فرمایا:

ان دونوں میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا، پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگا کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر رکھ دیا۔ آپ سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا، تاکہ یہ شاخیں جب تک خشک نہ ہوں ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔

اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حال اور ماضی دونوں زمانوں کے غیوب کی خبر دی ہے۔

● آپ بتارہے ہیں کہ دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے، یہ زمانۂ حال کا غیب ہے۔

● اور آپ نے اس عذاب کا سبب بتایا کہ ایک پیشاب کے ناپاک چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۴، ۳۵، كتاب الوضوء/ بابٌ مِن الكبائر أن لا يستتر من بوله، مجلس البركات، مبارك فور.

دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ یہ دونوں گناہ زمانۂ ماضی کے ہیں۔

ان دونوں نے اپنی زندگی میں یہ گناہ نہ جانے کب کب کیے ہوں گے مگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں کی خبر پورے جزم کے ساتھ دے رہے ہیں جو بلا شبہہ غیبی اخبار ہیں۔

﴿۴۴﴾ قیامت کی پہلی نشانی، جنت کی پہلی غذا اور بعض اسرارِ خلقت کی خبر:

حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلامٍ بَلَغَهُ مَقْدَمُ النَّبِيِّ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- الْمَدِينَةَ ، فَأَتَاهُ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ ، فَقَالَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلاثٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ نَبِيٌّ.

- مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟
- وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ؟
- وَمَا بَالُ الْوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَىٰ أَبِيهِ أَوْ إِلَىٰ أُمِّهِ؟

قَالَ: أَخْبَرَنِي بِهِ جِبْرِيلُ آنِفًا. قَالَ ابْنُ سَلامٍ: ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلائِكَةِ ، قَالَ:

- أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ.
- وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ، فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ.
- وَأَمَّا الْوَلَدُ ، فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ.

قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللهِ.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ عبد اللہ بن سلام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کی اطلاع ملی تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انھوں نے کہا کہ میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

(۱) قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟

(۲) اہلِ جنت سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟

---

(۱) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۵۶۱، كتاب بنيان الكعبة/ بعد باب كيف آخى النبي ﷺ بين أصحابه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) اولاد کبھی اپنے والد کے مُشابِہ ہوتی ہے اور کبھی اپنی ماں کے مُشابِہ ہوتی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟

حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی حضرت جبرئیل نے مجھے اس کی خبر دی ہے، ابن سلام نے کہا وہ تو فرشتوں میں یہودیوں کے دشمن ہیں۔

حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

● قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک عظیم آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

● اور اہل جنت کی سب سے پہلی غذا مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

● رہا اولاد کا باپ یا ماں کے مُشابِہ ہونا، تو اس کا سبب یہ ہے کہ جب مرد کا نطفہ عورت کے مادۂ منویہ پر سبقت لے جاتا ہے تو اولاد مرد کے مُشابِہ و ہم شکل ہوتی ہے اور جب عورت کا مادۂ تولید مرد کے نطفے پر سبقت لے جاتا ہے تو اولاد ماں کے مُشابِہ و ہم شکل ہوتی ہے۔

یہ جواب سن کر وہ بول پڑے: أشهد أَن لَآ إِلٰه إلّا الله و أنّك رسولُ الله۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(۴۴) حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شہادت کی خبر:

عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- صَعِدَ أُحُدًا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ. فَقَالَ: اثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ.[۱]

ترجمہ: حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک نے یہ حدیث بیان کی کہ نبیِ اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمر و عثمان اُحد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ان مقدس ہستیوں کی وجہ سے (خوشی میں) ہلنے لگا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے اُحد! ٹھہر جا، کیوں کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صِدّیق اور دو شہید ہیں۔

اس حدیث میں "دو شہید" سے مراد حضرت سیّدنا عمر فاروق اعظم اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں، یہ دونوں خلفاے راشدین سے ہیں اور یہ اپنے اپنے عہد خلافت میں شہید ہوئے۔

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۵۱۹، كتاب المناقب، تحت "باب" بعد "باب" قول النبي ﷺ: لو كنتُ متخذًا خليلاً، مجلس البركات، مبارك فور.

حضور سید عالم ﷺ نے جس وقت اِن حضرات کی شہادت کی غیبی خبر دی تھی اس کے برسوں بعد اس کی صداقت دنیا کے سامنے آئی اور وہ حضرات شہید ہوگئے۔

اس حدیث میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا نے تین تین غیب کی خبریں دی ہیں:

❁ ایک یہ کہ یہ حضرات زندگی کی آخری سانس تک صاحب ایمان رہیں گے۔

❁ دوسری خبر یہ کہ خاتمہ بھی ایمان پر ہی ہوگا۔

❁ تیسری خبر یہ کہ موت شہادت کی ہوگی۔

اور حق یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے جیسی خبر دی تھی ویسی ہی اور اسی ترتیب سے پوری بھی ہوئی۔

⑳ ذوالخُویصرہ تمیمی کے بے ادب گروہ کے ظہور اور ان کے احوال کی خبر:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَقْسِمُ، جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ، فَقَالَ: اعْدِلْ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: وَيْلَكَ، و مَنْ يَعْدِلُ، إِذَا لَمْ أَعْدِلْ. قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبْ عُنُقَهُ. قَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِم، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِم ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.»(۱)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ (مالِ غنیمت) تقسیم فرمارہے تھے، اتنے میں عبد اللہ ذو الخُویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا: یا رسولَ اللہ ﷺ آپ انصاف کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا: تیری ہلاکت ہو، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا۔ یہ سن کر حضرت عُمر بن خطّاب نے عرض کیا: حضور مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑادوں، تو آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کہ اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے جن کی نماز کے آگے تم اپنی نماز کو اور جن کے روزے کے مقابل اپنے روزے کو معمولی سمجھوگے۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذُوالخُویصرہ تمیمی کے جس گروہ کی خبر دی ہے وہ گروہ آج بھی پایا جاتا ہے، اور یہ وہی گروہ ہے جو حضور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے، آپ کے بہت سے

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، كتابُ استتابة المعاندين والمرتدّين وقتالهم/ باب من ترك قتالَ الخوارج للتألُّف، مجلس البركات، مبارك فور.

فضائل کا انکار کرتا ہے مگر نمازیں اس کثرت سے پڑھتا ہے کہ ہم ان کے مقابل اپنی نمازوں کو معمولی تصور کرتے ہیں، اس "پہچان" کے لوگوں کو پہچان لیجیے تو خود ہی سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے علم غیب کی تصدیق ہو جائے گی۔

(۲۶) قربِ قیامت میں چلنے والی پُر اسرار ہوا کی حیرت انگیز تاثیر پر آگاہی اور یقینی خبر:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: « إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ أَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ فَلاَ تَدَعُ أَحَدًا فِي قَلْبِهِ. قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ: مِثْقَالُ حَبَّةٍ، وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ إِلاَّ قَبَضَتْهُ». (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزّ و جل یمن سے ایک ہوا بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی تو جس کے دل میں ایک دانہ برابر، یا ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ ہوا اس کی روح قبض کر لے گی۔

یہ ہوا حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے آسمان سے نزول اور دجّالِ لعین کے قتل کے بعد چلے گی جیسا کہ صحیح مسلم، کتابُ الفِتن میں حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث میں اس کا ذکر ہے اور حدیث نمبر ۱۴ کے ضمن میں حضرت نواس بن سمعان کی روایت میں بھی بیان ہوا۔

مگر فرقۂ وہابیہ کے امام کے مطابق "وہ ہوا چل چکی" جس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا سے سارے ایمان والے اٹھ گئے اب صرف کافر ہی کافر رہ گئے۔ اپنا اقرار، اپنے حق میں حجت ہوتا ہے، دوسروں پر نہیں، امام الطائفہ کو اقرار ہے کہ وہ ہوا چل چکی تو یہ ان کے اوپر حجت ہے، ان کی مرضی وہ اپنے لیے جو چاہیں اقرار کریں، لیکن ہم مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہوا اُس وقت چلے گی جب قیامت قائم ہونے کا وقت قریب سے قریب تر آچکا ہوگا۔ اور بہر حال اُس ہوا کے چلنے کی خبر ضرور اَخبارِ غیب سے ہے۔

امام الطائفہ کے بقول تو یہ غیبی خبر ظہور میں آچکی، پھر بھی وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عقیدۂ غیب کو مطلقاً شرک کہتے ہیں۔ اس سے ان کی فہمِ حدیث کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور عمل بالحدیث کا بھی۔

(۲۷) حضرت ثابت بن قیس کے حسنِ خاتمہ اور ان کے جنتی ہونے کا اظہار و بشارت:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۷۵، كتاب الإيمان/ باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله، مجلس البركات، مبارك فور.

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" إِلَى آخِرِ الآيَةِ. جَلَسَ ثَابِتٌ فِي بَيْتِهِ، وَقَالَ: أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَسَأَلَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ. فَقَالَ: "يَا أَبَا عَمْرٍو مَا شَأْنُ ثَابِتٍ، أَشْتَكىٰ؟". قَالَ سَعْدٌ: إِنَّهُ لَجَارِي، وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوٰى. قَالَ فَأَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهُ، قَوْلَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فَقَالَ ثَابِتٌ: أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلَى رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ. فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَقَالَ رَسُولُ اللهِ: -صلّى الله عليه وسلّم-: **"بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ"**.[۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیتِ کریمہ: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"[۲] (اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند مت کرو) نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ گئے، انھوں نے کہا کہ میں تو جہنمی ہو گیا (وہ اس خیال کے باعث) نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے سے بھی رک گئے، نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ سے دریافت کیا کہ اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے، کیا وہ بیمار ہے؟ تو سعد نے کہا: حضور وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کی کسی بیماری کا علم نہیں۔

اس کے بعد حضرت سعد "ثابت" کے پاس گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال معلوم کرنے کی بات ذکر کی، تو ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی ہے (لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ) اور تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں میری آواز سب سے زیادہ بلند رہتی تھی۔ تو میں جہنمی ہوں۔

حضرت سعد نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنتی ہے۔

حضرت انس کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:

قال: فكنّا نراه يمشي بين أَظْهُرِنا رجلٌ من أهل الجنة.[۳]

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۷۵، كتاب الإيمان/ بابٌ في الرّيح التي تكون في قرب القيامة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) القرآن الكريم، سورة الحجرات: ٤٩، الآية: ٢.

(۳) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۷۵، كتابُ الإيمان/ باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله، مجلس البركات، مبارك فور.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس ہمارے درمیان چلتے تو ہم ان کے تعلق سے یہ اعتقاد رکھتے کہ وہ جنتی آدمی ہیں۔

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے غیب کی دو خبریں دی ہیں:

- پہلی خبر یہ کہ ثابت بن قیس بن شماس ایمان پر فوت ہوں گے،
- دوسری خبر یہ کہ جنتی ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کو "دانائے غیوب" جانتے تھے اسی لیے وہ حضرت ثابت بن قیس کو جنتی مانتے تھے۔

(۲۸) حضرت مالک بن دُخشُن کے لیے تصدیق وایمانِ قلبی کی شہادت:

أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الأَنْصَارِيّ، أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله تعالى عنه -وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الأَنْصَارِ- أَنَّهُ أَتىٰ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي وَإِذَا كَانَتِ الأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ لَهُمْ. وَدِدْتُ أَنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ تَأْتِي فَتُصَلِّي فِي مُصَلًّى، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالىٰ».

قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَأَبُوبَكْرٍ الصِّدِّيقُ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتّٰى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ». قَالَ: فَأَشَرْتُ إِلىٰ نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ.

قَالَ: وَحَبَسْنَاهُ عَلىٰ خَزِيرٍ صَنَعْنَاهُ لَهُ. قَالَ: فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فاجتمعوا، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُنِ أو ابْنُ الدُّخَيْشِنِ. فَقَالَ بَعْضُهُمْ: ذٰلِكَ مُنَافِقٌ لاَيُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: لاَ تَقُلْ لَهُ ذٰلِكَ أَلاَ تَرَاهُ قَدْ قَالَ: **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، يُرِيدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ،** قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّمَا نَرٰى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلىٰ الْمُنَافِقِينَ. قَالَ

رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ-: فَإِنَّ اللهَ عزّ و جلّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ.[۱]

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع انصاری نے مجھے خبر دی کہ حضرت عِتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ - جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُن انصاری اصحاب میں سے تھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے —— رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسولَ اللہ! میری نظر کمزور ہو گئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ جو میرے اور ان کے درمیان ہے بہنے لگتا ہے۔ تو میں ان کی مسجد تک نہیں جا سکتا کہ انھیں نماز پڑھاؤں۔ میں چاہتا ہوں یا رسولَ اللہ کہ آپ میرے گھر چلیں اور میرے گھر میں نماز پڑھ دیں کہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنا لوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اِن شاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ حضرت عتبان نے بتایا کہ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر سورج بلند ہونے کے بعد تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت طلب فرمائی، میں نے حضور کو اجازت دی، گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور بیٹھے نہیں، فرمایا تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمھارے گھر میں نماز پڑھوں، تو میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور صف لگائی۔ حضور نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیر دیا۔

ہم نے حضور کے لیے خزیرہ (ایک قسم کا کھانا) تیار کیا تھا، اس کے لیے روک لیا۔ اب گھر میں محلے والوں میں سے کثیر تعداد (میں لوگ) جمع ہو گئے۔ ان میں سے کسی نے کہا مالک ابن دُخشن یا دُخَیشِن کہاں ہے؟ کسی نے کہا وہ منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مت کہو، کیا تم نہیں جانتے کہ **اس نے اللہ عزّ و جل کی رضا کے لیے لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھا ہے۔** اس شخص نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول خوب جانتے ہیں، ہم اس کی توجہ اور اس کی خیر خواہی منافقین کی جانب دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" پڑھ لیا۔ اللہ نے اسے جہنم پر حرام فرما دیا ہے۔[۲]

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۶۰، كتاب الصّلاة/ باب المساجد في البيوت، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) نزهة القاري، ج: ۲، ص: ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، كتاب الصلاة، دائرة البركات، گھوسی.

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مالک بن دُخشن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں فرمایا:

لَا تَقُلْ ذٰلكَ، أَلَا تراهُ، قد قال: " لَآ إِلٰه إِلّا الله " يُر يد بِذٰلك وَجْهَ اللهِ.

اسے منافق مت کہو، کیا تم نہیں جانتے کہ:

" اس نے اللہ عزّوجل کی رضا کے لیے، رضا کے ارادے سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله کہا ہے۔"

دوسری روایت میں "يُر يدُ بذٰلك" کی جگہ " يَبْتَغِي بِذٰلك وَجهَ الله. "[1] ہے **یعنی اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اس نے کلمہ پڑھا ہے۔**

اللہ کی "رضا کا ارادہ" دل کا فعل ہے اور اللہ کی " رضا چاہنا" بھی دل کا فعل ہے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ خبر دے رہے ہیں کہ مالک بن دُخشن نے دل سے کلمہ پڑھا ہے، اس نے اللہ کی رضا کے ارادے سے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے کلمہ پڑھا ہے، ایسا نہیں ہے کہ منافقوں کی طرح زبان سے پڑھ لے اور دل میں کفر چھپائے رکھے۔

تو اس ارشاد پاک کے ذریعہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مالک بن دُخشن کے دل میں چھپے ہوئے ایمان و تصدیق کی خبر دی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قَدْ نصَّ النبيُّ –صلّى الله عليه وسلّمَ– علىٰ إيمانهٖ باطِنًا و براءته من النّفاق.[2]

یقیناً نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صراحت فرما دی کہ وہ دل سے مومن ہیں اور نفاق سے بری۔

(۲۹) ایک بہت ہی رازدارانہ مکتوب، حاملِ مکتوب اور مقامِ گرفتاری کی حیرت انگیز خبر:

أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ الله بْنُ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا –رضى الله عنه– يَقُولُ: بَعَثَنِي رَسُولُ الله –صلّى الله عليه وسلّمَ– أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ، وَ قَالَ: انْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ، فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً وَمَعَهَا كِتَابٌ، فَخُذُوهُ مِنْهَا. فَانْطَلَقْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا إِلَى الرَّوْضَةِ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ، فَقُلْنَا: أَخْرِجِي

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۵۸، كتابُ التهجُّد / بابُ صلاَة النوافل جماعةً. مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج:۱، ص:۴۶، كتاب الإيمان/ باب الدليل على أنّ من مات على التّوحيد إلخ، مجلس البركات، مبارك فور.

الْكِتَابَ. فَقَالَتْ: مَا مَعِي مِنْ كِتَابٍ. فَقُلْنَا: لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ. فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا، فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-، فَإِذَا فِيهِ:

"مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-".

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: يَا حَاطِبُ، مَا هٰذَا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لاَ تَعْجَلْ عَلَيَّ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ، وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا، وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ بِمَكَّةَ، يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا يَحْمُونَ بِهَا قَرَابَتِي، وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلاَ ارْتِدَادًا وَلاَ رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الإِسْلاَمِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: لَقَدْ صَدَقَكُمْ، قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ. قَالَ: إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلىٰ أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ،

فَقَالَ سُفْيَانُ: وَأَيِّ إِسْنَادٍ هٰذَا.[1]

ترجمہ: عبید اللہ بن ابو رافع نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اور زُبیر اور مقداد بن اسود کو بھیجا، فرمایا چلتے رہو یہاں تک کہ "روضۂ خاخ" تک پہنچو، وہاں ایک ہودج نشین عورت ہوگی اس کے پاس ایک خط ہے، یہ خط اس سے لے لو، ہم چلے، ہمارے گھوڑے ہمیں دوڑاتے رہے، یہاں تک کہ روضہ تک پہنچے، وہاں ہمیں ایک ہودج نشین عورت ملی، ہم نے اس سے کہا خط نکالو، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: "خط نکالو، یا کپڑے اتارو" اس نے خط کو اپنی چوٹی سے نکالا۔

ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے:

"یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے کچھ مشرکین کے نام تھا وہ مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض باتوں کی خبر دے رہے تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص: ٤٢٢، كتاب الجهاد/ باب الجاسوس، مجلس البركات.

فرمائیں، میں قریش میں سے نہیں ہوں، ان میں آکر رہنے لگا ہوں۔ حضور کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ میں رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ ان کے اہل و عیال اور اَموال کی حفاظت کرتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ جب قریش سے میرا کوئی نسبی تعلق نہیں تو میں ان پر ایک احسان کروں جس کی وجہ سے وہ لوگ میرے رشتہ داروں کی حمایت کریں، میں نے کفر، یا ارتداد، یا اسلام کے بعد کفر پر رضا مندی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حاطب نے تم سے سچی بات کہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، حضور نے ارشاد فرمایا: یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تمھیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے بارے میں یہ فرمایا ہے "اب تم جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا"۔

سفیان نے کہا کہ اس حدیث کی سند کیا ہی عمدہ ہے۔[1]

یہ مسلمانوں کے ایک اہم جنگی راز کی جاسوسی تھی اس لیے اسے اِمکانی حد تک مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی ہوگی، مگر سرور کائنات ﷺ کی غیب دانی نے اس "رازِ مخفی" کو بھی اِفشا کر دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ حضور ﷺ نے خود سے یہ غیب دریافت کر لیا، بلکہ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدائے علّام الغیوب کے اطلاع دینے سے آپ کو اس "رازِ مخفی" کا علم ہوا۔ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ (القرآن الحکیم)

تو ثابت ہوا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ اطلاع خاص فضلِ خداوندی ہے۔

(۳۰) آخری جہنمی اور آخری جنتی کے بارے میں علم یقینی کا اظہار، اور اس پر انعاماتِ ربانی کی خبر:

عَنْ عَبْدِ الله بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله -صلّى الله عليه وسلّمَ-: «إِنِّي لأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ. رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ،

---

(۱) نزهة القاري، ج: ٦، ص: ٢٥٤، ٢٥٥، ٢٥٦، باب الجهاد، دائرة البركات، گھوسی.

فَيَأْتِيهَا، فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلأَى، فَيَرْجِعُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، وَجَدْتُهَا مَلأَى، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلأَى، فَيَقُولُ الله تعالى لَهُ: اذْهَبْ، فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں آخری جہنمی کو جو جہنم سے نکلے گا اور آخری جنتی کو جو جنت میں داخل ہوگا ضرور جانتا ہوں، یہ وہ آدمی ہے جو جہنم سے گھسٹتے ہوئے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں جائے گا تو اسے خیال گزرے گا کہ وہ بھر چکی ہے تو وہ واپس چلا آئے گا، اور عرض کرے گا، پروردگار! جنت تو بھر چکی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ۔

حضور فرماتے ہیں کہ وہ دوبارہ جنت میں جائے گا تو یہ سمجھے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے تو واپس آجائے گا اور عرض کرے گا، میرے رب! جنت تو مجھے بھری ہوئی ملی، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ کہ تیرے لیے جنت کی وسعت و کشادگی دنیا کے برابر ہے اور اس کے دس گنا اور زیادہ ہے۔

(۳۱) جہنم سے سب سے آخر میں نجات پانے والے کی بخشش کا دل چسپ واقعہ اور اہم غیبی خبر:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم-: «إِنِّي لأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ، وَآخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، رَجُلٌ يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ: اعْرِضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ وَارْفَعُوا عَنْهُ كِبَارَهَا. فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوبِهِ، فَيُقَالُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا. فَيَقُولُ: نَعَمْ! لاَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِ ذُنُوبِهِ أَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ. فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً. فَيَقُولُ: "رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ لاَ أَرَاهَا هٰهُنَا". فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہہ میں

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۰۵، كتاب الايمان/ بابُ إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات.
(۲) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۰۶، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات.

یقین کے ساتھ اُس آدمی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور جہنم سے سب سے بعد میں نکلے گا، یہ وہ آدمی ہے جو قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ، اور بڑے بڑے گناہ الگ رکھو۔ تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے پیش نظر کر دیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں، فلاں دن یہ اور یہ گناہ کیے تھے اور فلاں، فلاں دن وہ اور وہ گناہ کیے تھے، تو وہ کہے گا: ہاں! وہ انکار نہیں کر سکے گا، اور وہ ڈر رہا ہوگا کہ کہیں اُس کے بڑے گناہ بھی نہ پیش کر دیے جائیں۔ اب اس سے کہا جائے گا کہ "تیرے لیے ہر بدی کی جگہ ایک نیکی کا اجر ہے" تب وہ بول پڑے گا کہ پروردگار، میں نے کچھ اور بھی گناہ کیے ہیں جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے داڑھ کے دانت بھی ظاہر ہو گئے۔

جہنم سے رہا ہونے والے آخری جنتی کے واقعہ میں غیب دانی کے متعدّد شواہد:

ان احادیث میں حضور سید عالم ﷺ کی غیب دانی کے متعدّد شواہد موجود ہیں مثلاً:

❀ آپ کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ جہنم سے نکلنے والا آخری جہنمی اور جنت میں جانے والا آخری جنتی کون ہے۔

❀ اس جنتی کے سامنے پہلے اس کے گناہ صغائر لائے جائیں گے پھر ہر گناہ کو نیکی سے بدل دیا جائے گا۔

❀ ابتداءً جب وہ اپنے گناہ دیکھے گا تو خائف ہوگا، پھر لطفِ ایزدی سے اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو جائے گا کہ وہ اپنے گناہِ کبائر کے پیش نہ ہونے کا شکوہ کرے گا۔

❀ یہ جہنم سے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔

❀ وہ دو بار جنت میں جائے گا اور یہ سمجھے گا کہ جنت بھر چکی ہے اس لیے ہر بار واپس آکر بارگاہِ الٰہی میں التجا کرے گا کہ یہ جنت تو بھر چکی ہے۔

❀ پھر اللہ تعالیٰ اس جنت کو دنیا کے برابر، پھر اس کے دس گنا اور وسیع فرما دے گا، اور اسے حکم ہوگا کہ اب جنت میں چلے جاؤ۔

یہ شواہد ایک مسلم کو یہ مان لینے کے لیے کافی ہیں کہ حضور ﷺ خدائے کریم کی عطا سے غیبی امور کو جانتے ہیں۔

اکتیس حدیثوں کا ماحصل:

یہ اِکتیس (۳۱) احادیث ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کو خدائے علّامُ الغیوب نے بے شمار علومِ غیبیہ عطا فرمائے، انھی بے شمار میں مَا کَانَ و مَا یَکُونَ کے تمام تر غیبی علوم بھی شامل ہیں۔

ہاں! آپ کو یہ سارے علوم ایک ساتھ اور ایک ہی وقت میں نہیں عطا کیے گئے، بلکہ مختلف اوقات میں عطا کیے جاتے رہے یہاں تک کہ نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ آپ کو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک اور جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے تک کے سارے غیوب عطا فرمادیے گئے۔ اللہ عزّ وجل نے اپنی کتاب کو "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"(۱) "ہر چیز کا روشن بیان" بتایا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ پوری کتاب ہر چیز کا روشن بیان ہے، اس لیے جمیع مَا کَانَ و ما یَکونُ کا علم جمیع کتاب کے نزول کے ساتھ مانا جاتا ہے۔

اس سے پہلے جزوی طور پر کچھ ایسے حالات اور واقعات پیش آسکتے ہیں جن کا علم آپ کو نہ ہو، اور بعد میں بتایا جائے، کچھ مخصوص حالات میں آپ ازراہِ تواضع بھی علم غیب کی نفی فرمادیتے ہیں یا کسی مصلحت کی بنا پر سکوت اختیار فرماتے ہیں۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النحل، ۱٦، الأیۃ: ۸۹.

علم غیب کی نفی کے دلائل

کتاب و سنت میں ایسے نصوص بھی پائے جاتے ہیں جن سے بظاہر آپ کے دانائے غیوب ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً:

❶ ارشادِ باری ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ (۱)

ترجمہ: اے محبوب فرمادیجیے، کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ غیب کو نہیں جانتے مگر اللہ۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

حالاں کہ قرآن حکیم کی متعدّد آیات میں نبیوں و رسولوں کے غیب جاننے کا ذکر ہے تو کیا ان آیات میں۔ خدا کی پناہ۔ تعارض ہے؟

❷ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ (۲)

ترجمہ: اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، غیب اللہ ہی جانتا ہے۔

حالاں کہ متعدّد آیات کریمہ میں آپ نے پڑھا کہ اللہ کے اطلاع دینے سے نبی بھی غیب جانتے ہیں، تو کیا یہ آیت اُن آیات کے معارض ہے؟

❸ ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ (۳)

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کے پاس ● قیامت کا علم ہے ● اور وہی بارش برساتا ہے ● اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے ● اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا ● اور کوئی نہیں جانتا کہ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ۲۷، الآیۃ: ۶۵.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأنعام: ۶، الآیۃ: ۵۹.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ لقمان: ۳۱، الآیۃ: ۳۴.

وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ جاننے والا، خبردار ہے۔

یہ پانچوں چیزیں "جمیع ما کَانَ و ما یَکون" میں شامل ہیں اس لیے حضور سید عالم ﷺ خداے پاک کی اطلاع سے ان سارے غیوب سے واقف ہیں، بلکہ جزئی طور پر ان کی شہادتیں بھی احادیثِ نبویہ میں موجود ہیں تو کیا وہ احادیث صحیحہ، کثیرہ اِس آیتِ کریمہ کے معارض ہیں؟

حق یہ ہے کہ نہ آیاتِ کریمہ کے درمیان باہم کوئی تعارض ہے، اور نہ ہی آیات و احادیث نبویہ کے درمیان کوئی تعارض ہے؛ کیوں کہ دونوں طرح کی آیات، یا آیات و احادیث کا معنیٰ/مراد الگ الگ ہے۔

اب ان کے درمیان تطبیق کی مختلف صورتیں ملاحظہ فرمائیں:

تطبیق (۱):

جن آیات و احادیث میں غیر اللہ سے علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں اس سے مراد غیب کا علمِ ذاتی ہے جو بغیر کسی کی عطا و اطلاع کے خود ذاتِ الٰہی کے لیے ازلاً، اَبداً حاصل ہے، اِسے کچھ علما "علمِ استقلالی" بھی کہتے ہیں کہ یہ علم، ذاتِ الٰہی کے لیے مستقل طور پر بغیر کسی واسطے کے حاصل ہے۔

اور جن آیات و احادیث میں اَنبیا و سیّد الاَنبیا ﷺ کے لیے علم غیب کا اِثبات کیا گیا ہے وہاں اس سے مراد غیب کا علم عطائی و اِطلاعی ہے جس کے لیے کتاب و سنت میں مختلف تعبیرات اختیار کی گئی ہیں مثلاً:

- تنزیل، تِبیان
- اِطلاع علَی الغیب
- اِظہار علَی الغیب
- تعلیم
- و إعلام
- جَلاہ لِنبیّہ
- وَضعَ یَدَہٗ بین کتِفَيّ۔
- وغیرہ کلمات

جو اللہ عزّ و جلّ کی طرف سے غیب کا علم دیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ تقسیم پہلے سے علماے دین کرتے آئے، مثلاً علامہ محمد عبد الرؤوف مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۵۲-۱۰۳۱) لکھتے ہیں:

و أما قوله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-: «إلّا هُو» فمفسّر بأنّه لا يعلمها أحدٌ بذاته، ومن ذاته، إلّا هو، لكن قد تُعلم بإعلام الله تعالى، فإنّ ثمّه من يّعلمها

وقد وجدنا ذلك لغير واحد.[1] إلخ.

ترجمہ: نبیِ کریم ﷺ کے ارشاد: "ان پانچ غیبوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو ان غیبوں کا **علمِ ذاتی** نہیں کہ وہ اس کی ذات سے حاصل ہوں، لیکن خدا کے بتانے سے یہ غیوب معلوم ہوجاتے ہیں اور بے شک ایسے خواص موجود ہیں جو انھیں جانتے ہیں۔

جب اثباتِ غیب کی آیات واحادیث میں علمِ غیب سے مراد علمِ عطائی واِطلاعی ہے تو یہیں سے متعیّن ہوجاتا ہے کہ نفیِ غیب کی آیات واحادیث میں غیب سے علمِ عطائی واِطلاعی کے بجائے کچھ اور مراد ہے اسی کو ہم "علمِ غیبِ ذاتی واستقلالی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

فرقۂ وہابیہ حضرات اَنبیاے کرام وسید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام سے علمِ غیب کی نفی میں جتنی آیات واحادیث پیش کرتا ہے ان میں علمِ ذاتی واستقلالی کی نفی ہے کہ یہ حضرات خود بخود بغیر اللہ کے دیے اور بغیر اس کی اِطلاع کے علمِ غیب نہیں رکھتے، ان میں "اِطلاع" یا "اِظهار على الغيب" جیسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ ذہن ملے کہ ان حضرات سے علمِ عطائی کی نفی کی گئی ہے۔

ہم ساری آیات واحادیث پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے دونوں طرح کی آیات واحادیث میں انھی کے الفاظ وکلمات کے پیشِ نظر تطبیق دیتے ہیں، اور جو لوگ اَنبیاے کرام وسید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی غیب دانی کا مطلقاً انکار کرتے ہیں وہ لوگ اثباتِ غیب کی آیات واحادیث کا انکار کرتے ہیں، آخر جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے انھیں علمِ غیب سے سرفراز کیا ہے جیسا کہ ہماری پیش کردہ آیات سے ثابت ہے تو اس کا انکار کیوں کیا جاتا ہے، اور نہ صرف انکار، بلکہ بڑی جرأت کے ساتھ اسے شرک بھی کہا جاتا ہے۔

تطبیق (۲):

جن آیات واحادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمِ غیب خاصۂ خدا ہے، اللہ عزّوجلّ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں "علمِ غیب" سے مراد علمِ محیط، تفصیلی ہے اور جن آیات واحادیث میں خاص بندوں کے لیے علمِ غیب کا اثبات ہے ان میں "علمِ غیب" سے مراد غیر محیط، اجمالی ہے۔

---

(۱) فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج: ٥، ص: ٥٢٦، رقم الحديث: ٨١٩٠، دار المعرفة، بيروت، لبنان.

ارشادِ باری ہے:

- وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (۱)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

- وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (۲)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

- وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (۳)

ترجمہ: اور بے شک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

آیۃ الکرسی میں ہے:

- وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (٤)

ترجمہ: اور وہ اس کی معلومات میں سے کچھ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

- وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (٥)

ترجمہ: اور تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

سب کچھ معلوم ہو تو "علمِ محیط" ہے اور کچھ معلوم ہو، کچھ نہ معلوم ہو تو "علمِ غیر محیط" ہے۔

یہ دونوں طرح کی تطبیقات پہلے کے علما نے کی ہیں چناں چہ امام اہلِ سنت لکھتے ہیں:

امام اجل ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے "فتاویٰ" پھر امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے "فتاویٰ حدیثیہ" میں فرماتے ہیں:

"معناها: لا يعلم ذلك اِستقلالا، وعلمَ إحاطة بكلِّ المعلومات إلا اللهُ

(١) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ٣٣، الأية: ٤٠.
(٢) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الأية: ١٢٦.
(٣) القرآن الحكيم، سورة الطلاق: ٦٥، الأية: ١٢.
(٤) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ٢، الأية: ٢٥٥.
(٥) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ١٧، الأية: ٨٥.

تعالیٰ. یعنی آیت میں غیر خدا سے نفیِ علم غیب کے یہ معنیٰ ہیں کہ ● غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا، ● اور ایسا علم کہ جمیعِ معلومات کو محیط ہو جائے۔ یہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔"(۱)

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ علمِ مطلق اجمالی بھی بجائے خود اتنا کثیر ہے کہ علمِ ما کانَ و ما یَکونَ کو شامل ہے۔

تطبیق (۳):

یا وہ آیات و احادیث جن میں بندوں سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے، ایسے وقت کی ہیں جب اللہ نے آپ کو ان واقعات کا علم نہیں دیا تھا، اس سلسلے میں امام اہلِ سنت، مجدد اسلام، امام احمد رضا قدّس سرہ فرماتے ہیں:

"اور جب کہ یہ علم (جمیع مَا کانَ و ما یکون) قرآن عظیم کے "تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ"،(۲) (ہر چیز کا روشن بیان) ہونے نے دیا، اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمامِ کلامِ مجید کا ہے، نہ ہر آیت، نہ سورت کا۔ تو نزولِ جمیعِ قرآن شریف سے پہلے اگر بعض اَنبیا علیہم الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو: "لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡكَ"(۳) (کچھ انبیا کے احوال تم سے نہیں بیان کیے)، یا منافقین کے باب میں فرمایا جاوے: "لَا تَعۡلَمُهُمۡ"(٤) (تم انھیں نہیں جانتے) تو یہ ہر گز ان آیات کے منافی اور اِحاطۂ علمِ مصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمد للہ طائفۂ وہابیہ جس قدر قصص و روایات اور اَخبار و حکایات محمد رّسول اللہ ﷺ کے علمِ عظیم کے گھٹانے کو آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے سب کا جواب انھی دو فقروں میں ہو گیا۔

یہ قصص و روایات دو حال سے خالی نہیں۔

(۱) یا تو ان قِصص کی تاریخ معلوم ہوگی۔ (۲) یا نہیں۔

---

(۱) ● أنباء المصطفیٰ، ص: ۲۱، ۲۲، بریلی.

● الفتاوی الرضویة، ج: ۱۸، ص: ٦٢٢/ کتاب العقائد والکلام/ رسالہ: إنباء المصطفیٰ إمام أحمد رضا اکادیمی، بریلی.

(۲) القرأن الحکیم، سورة النحل: ١٤، الأیة: ۸۹.

(۳) القرأن الحکیم، سورة المؤمن: ٤٠، الأیة: ۷۸.

(٤) القرأن الحکیم، سورة التوبة: ۹، ١٧، الأیة: ۱۰۱.

(الف) اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو ان سے استناد جہالت ہے کہ جب تاریخ مجہول ہے تو ان کا تمامِ نزولِ قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول۔

(ب) اور اگر تاریخ معلوم ہو اور وہ تاریخ "تمامیِ نزولِ قرآن سے پہلے کی ہو" تو اس سے استدلال بھی جہالت و نادانی ہے۔

(ج) اور اگر تاریخ تمامیِ نزولِ قرآن کے بعد کی ہو مگر مدعاے مخالف میں نصِّ صریح نہ ہو تو اس سے استناد بھی بے جا ہے۔

مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انھیں اقسام کی ہیں۔

اِن آیات (اِثباتِ غیب کی آیات) کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح، صریح، قطعیُ الاِفادہ نہیں دِکھا سکتے۔

... ہاں تمام مخالفین کو دعوتِ عام ہے فَأَجْمِعوا شُرکائکُمْ چھوٹے، بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدّلالۃ، یا ایک حدیثِ متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف، صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامیِ نزولِ قرآن کے بعد بھی اشیاے مذکورۂ مَا کَانَ و مَا یکون سے فلاں امر حضور اقدس ﷺ پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا[1] فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ.[2] [3]

ہم یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس محققانہ گفتگو کی تایید میں **امام الوہابیہ کے دو دلائل** نقل کرتے ہیں جو انھوں نے رسولِ مجتبیٰ ﷺ سے علم غیب کی نفی میں قائم کیے ہیں تاکہ ناظرین مثالوں کی روشنی میں سمجھ سکیں کہ ان کے مذہب کی بنیاد کس قدر کمزور ہے۔ امام الوہابیہ لکھتے ہیں:

(۴) أَخْرَجَ البخاريُّ عَن أمِّ العَلاءِ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ الله –صلّی الله تعالیٰ علیه وسلَّمَ–: وَاللهِ لَا اَدْرِيْ – وَ أَنَا رَسُوْلُ اللهِ– مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ.[4]

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۲٤۔

(۲) القرآن الحكيم، سورة يوسف: ۱۲، الآية: ۵۲۔

(۳) ● رسالة: إنباء المصطفیٰ بحالِ سِرّ و أخفیٰ - (بالتقاط وتسهيل) ص: ۵، ٦، ۷۔

● الفتاوی الرضوية، ج:۱۸، ص: ٦۱۲، كتاب العقائد والكلام، الإمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي۔

(٤) مشكاة المصابيح، ج: ۲، ص:٤۵٦، كتاب الرقاق/ باب البكاء والخوف، مجلس البركات.

مشکات کے بابُ البکاء والخوف میں لکھا ہے کہ بخاری نے ذکر کیا کہ نقل کیا اُمّ العلاء نے کہ کہا پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ: قسم اللہ کی، کہ نہیں جانتا میں — حالاں کہ میں رسول، اللہ کا ہوں – کہ کیا معاملہ ہوگا مجھ سے، اور کیا تم سے۔

یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں، خواہ قبر میں، خواہ آخرت میں، سواس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ نبی کو، نہ ولی کو۔ نہ اپنا حال، نہ دوسرے کا"۔[1]

یہ استدلال کتنا مضبوط ہے، امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنیے:

- "قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث خود آحاد ہے،...
- اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں۔
- خود احادیثِ صحیح بخاری و مسلم میں اس کا ناسخ موجود ہے کہ:

جب یہ آیتِ کریمہ: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ .[2] اتری تو صحابہ نے عرض کی:

هنِيًا لك يا رسولَ الله، لَقَدْ بَيَّنَ اللهُ لَكَ مَا ذَا يُفْعَلُ بِكَ، فَمَاذا يُفْعَلُ بِنَا يا رسولَ الله؟ .

حضور کو مبارک ہو، خدا کی قسم، یہ تو اللہ عزّوجل نے صاف بیان فرمادیا کہ "حضور" کے ساتھ کیا ہوگا۔ اب رہا یہ کہ: ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟

اس پر یہ آیت کریمہ اُتری:

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ۝[3]

تاکہ داخل کرے اللہ، ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتیں، ہمیشہ رہیں ان میں، اور مٹا دے اُن سے اُن کے گناہ۔ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔[4]

---

(١) تقوية الإيمان ص: ٢٣، الفصل الثاني في ردِّ الإشراك في العلم، راشد کمپنی، دیو بند.
(٢) القرآن الحكيم، سورة الفتح، ٤٨– الآية: ٢.
(٣) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ٤٨، الآية: ٥.
(٤) ● رسالة: إنباء المصطفى بحال سِرّ و أخفى، ص: ٨، رضوی کتب خانه، بريلی شريف.
● الفتاوى الرضوية، ج:١٨، ص: ٦١٣، كتاب العقائد والكلام/ رسالة إنباء المصطفى، إمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

اس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) امام الطائفہ نے حضور سید عالم ﷺ سے علمِ غیب کی نفی کے لیے جو حدیث نقل کی ہے وہ اَخبارِ آحاد سے ہے جب کہ آپ کے لیے علمِ غیب کا ثبوت قرآن حکیم کی آیاتِ قطعیہ سے ہے اور آیاتِ قطعیہ کے مقابل خبرِ واحد سے - جو ظنی ہے - استدلال بے جا ہے۔

(ب) صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ امام وہابیہ کی مستند حدیث، آیتِ کریمہ "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ" سے پہلے کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ اللہ کیا معاملہ فرمائے گا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے صحابہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا، اور وہ "فوزِ عظیم" ہے۔ بلکہ جب قرآن میں آگیا کہ اللہ تعالیٰ حضور کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا تو وہ تو سبھی کو معلوم ہو گیا۔ اسی لیے مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ حضور کو یقیناً یہ معلوم ہے کہ اللہ عزوجل آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔

تو ● ایک تو خبرِ واحد ● دوسرے ظنّی ● وہ بھی منسوخ کا سہارا لے کر سرورِ کائنات ﷺ کی شان گھٹانا کتنی بے جا بات ہے۔

یہ ہے امامِ اہلِ حدیث کا فہمِ حدیث۔

نیز امام اہلِ سنت فرماتے ہیں:

اور اس کا یہ قول کہ "حضور ﷺ کو اپنے اور اپنی امت کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں" کفر ہے کہ یہ بہت سی روشن آیات کا انکار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ۔ (۱)

ترجمہ: (اے محبوب!) یقیناً آپ کی آخرت، دنیا سے بہتر ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے: وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ۔ (۲)

ترجمہ: یقیناً عن قریب آپ کو آپ کا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الضحی: ۹۳، الأیۃ: ٤.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الضحی: ۹۳، الأیۃ: ٥.

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ۔[۱]

ترجمہ: اس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو، نہ ایمان والوں کو جو آپ کے ساتھ ہیں۔ ان کا نور ان کے آگے، پیچھے دوڑ رہا ہوگا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ۔[۲]

ترجمہ: عن قریب آپ کو آپ کا رب "مقامِ محمود" عطا فرمائے گا۔

نیز فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ ۔[۳]

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ، تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمھیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

نیز فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلُ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ ۔[٤] ☆ علی قراءة الرفع قراءة ابن كثير و عامر.

ترجمہ: برکت والا ہے اللہ، وہ اگر چاہے تو تمھارے لیے اس (خزانے و باغ سے جس کی طلب یہ کافر کر رہے ہیں) سے بہتر کر دے جنّتیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور تمھارے لیے اونچے محلات بنائے گا۔

ان آیات کی تفسیر و تشریح میں جو احادیث متواتر المعنیٰ وارد ہیں وہ تو ایک بحرِ بے کراں ہیں مگر یہ لوگ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔[۵]

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ٤٨، الأية: ٨.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ١٧، الأية: ٧٩.

(۳) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ٣٣، الأية: ٣٣.

(٤) القرآن الحكيم، سورة الفرقان: ٢٥، الأية: ١٠.

(٥) ● الدولة المكية، النظر الأول، ص:٢٨، ٢٩، ٣٠، النظر الأول من القسم الأول، استانبول.
● رسالة: إنباءُ المصطفى بحال سرِّ واخفىٰ، ص: ٢٣، ٢٤، رضوى كتب خانه، بريلى.
● الفتاوى الرضوية، ج:١٨، ص: ٦٢٣، كتاب العقائد والكلام/رسالہ: إنباء المصطفىٰ، إمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

(۵) امام الوہابیہ مشکات کے بابُ إعلانِ النکاح سے بخاری شریف کی ایک حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

"ربیع ایک بی بی تھیں انصار میں سے، ان کی شادی میں پیغمبر خدا تشریف لائے اور ان کے پاس آبیٹھے، سو ان لوگوں کی کئی چھوکریاں کچھ گانے لگیں، اس میں پیغمبر خدا کی تعریف میں یہ بات کہی (و فینا نبيٌّ یَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ[1]) کہ "ان کو اللہ نے ایسا مرتبہ دیا ہے کہ آیندہ کی باتیں جانتے ہیں"۔ **سو اس کو پیغمبر خدا نے منع کیا،** اور فرمایا کہ "یہ بات مت کہہ، اور جو کچھ پہلے گاتی تھیں وہی گائے جاؤ"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی انبیا و اولیا یا امام یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں، بلکہ حضرت پیغمبر کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔"[2]

حدیث مذکور سے ظاہر یہ ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گانے بجانے کی محفل میں نعت شریف کا کوئی شعر یا مصرعہ پڑھنا ناپسند کیا، اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضور کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک فی العلم، یا غلط ہے۔

اس بارے میں **امام اہل سنت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جگہ یہ لکھا:**

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لَھْوِ مُباح میں تو اپنا ذکرِ کریم ناپسند فرمایا اور انصار کی کمسن لڑکیوں نے شادی کی تقریب کے بعد گانے میں یہ مصرع پڑھا:

"وَ فِینَا نَبِيٌّ یَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ"۔ ہم میں وہ نبی ہیں جو آیندہ کی باتیں جانتے ہیں۔

تو ان کو منع فرما دیا: دَعِي ھٰذِہٖ و قُولِي بِالَّذِي کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ۔ اسے رہنے دو، اور وہی کہے جاؤ جو کہہ رہی تھیں۔

---

(۱) ● صحیح البخاري، ج:۲، ص: ۷۷۳، کتاب النکاح / باب ضرب الدّفّ في النکاح والولیمة، مجلس البرکات، مبارك فور.
● مشکاة المصابیح، ج:۲،ص: ۲۷۱، کتاب النکاح / باب إعلان النکاح والخطبة والشرط، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) تقویة الإیمان ص: ۲۲، ۲۳، الفصل الثاني في ردّ الإشراك في العلم، راشد کمپنی، دیو بند.

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرّہ العالی "اِحیاء العلوم شریف" کتابُ مسئلةِ السّماع میں فرماتے ہیں:

وَ لِذَا لَمَّا دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بیتَ الرُّبَیّع بنتِ مُعوِّذٍ و عندها جَوارٍ یُغَنِّیْنَ، فَسَمِعَ إِحداهُنّ تقولُ: "وَ فِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ" عَلیٰ وَجْهِ الغناءِ. فَقَالَ- صلی اللهُ تعالیٰ علیه وسلّمَ-: دَعِيْ هٰذَا وَ قُوْلِي مَا کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ.

وهٰذِهِ شَهَادَةٌ بِالنّبوّة فَزَجَرَها عَنْها، وَ رَدَّها إلی الغِنَاءِ الّذِی هُوَ لَهْوٌ؛ لِأَنّ هٰذا جِدٌّ مَحْضٌ، فلا یُقرَن بصورةِ اللّهوِ."[1]

"یعنی یہ مِصرع حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی گواہی تھا کہ خدا کے بتانے سے اصالۃً غیب کا جاننا نبوت ہی کی شان ہے تو حضور پُر نور ﷺ نے نہ چاہا کہ اسے صورتِ لہو میں شامل کیا جائے، لہٰذا اس سے روک دیا۔"

وہابیہ اس حدیث کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، بات صرف اتنی تھی۔

اگر حضور "نسبتِ علمِ غیب" ہی ناپسند فرماتے تو کن سے۔؟ کم فہم عورتوں سے، وہ بھی لڑکیوں سے۔؟ اور جب مردِ عاقل "مالک بن عوف ہوازنی" رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا قصیدۂ نعتیہ حضور میں عرض کیا ہے، جس میں فرمایا:

"وَ مَتیٰ تَشَا یُخبِرْكَ عَمَّا فِي غَدٍ۔ توجب چاہے یہ نبی تجھے آیندہ کی باتیں بتادیں" تو ان پر کیوں نہ انکار فرمایا، حالاں کہ انھوں نے تو ان لڑکیوں سے بہت زیادہ کہا جس سے قیامت تک کے کُل غیبوں کا بالفعل حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہونا، یا کم از کم اُن کا جان لینا حضور کے اختیار میں دے دیا جانا ظاہر... انکار فرمانا درکنار، حضور پر نور ﷺ نے اس قصیدے کے صلے میں ان کے لیے کلمۂ خیر فرمایا اور انھیں خلعت پہنایا اور انھیں ان کی قوم ہوازن و قبائل ثمالہ و سلمہ و فہم پر سردار مقرر فرمایا کما رواہ المعانی (أبو الفرج المعاني بن زکریا النهروالي) في "الجلیس والأنیس" بطریق الحرماذی عن أبي عبیدة بن الجرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و ابن إسحاق عن أبی وجزة

---

(۱) إحیاء العلوم، ج: ٦، ص: ١١٧٥، کتابُ أداب السّماع و الوجد / الباب الثاني في أثار السّماع و آدابه / المقام الثاني، دار الشعب، قاهره.

یزید بن عبید السعدي.[1]

اِس اقتباس سے یہ افادات حاصل ہوئے۔

(الف) بچیوں نے یہ پڑھ کرکہ: "ہم میں وہ نبی ہیں جو آیندہ کی باتیں جانتے ہیں" نبوت کی شہادت دی ہے کہ "نبوّت" کے معنی ہی ہیں "غیب کی خبر دینا"[2] اور نبی ﷺ "شہادتِ نبوت" سے نہیں روک سکتے۔

(ب) اس کلمہ سے روکنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ آیندہ کی باتیں نہیں جانتے، اور یہ وجہ کیسے ہو سکتی ہے جب کہ خود آپ نے احادیث صحیحہ میں بار بار اس کا اعلان فرمایا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعتِ نبی اور شہادتِ نبوت جیسی عظیم چیز کا ذکر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے گانے بجانے کی محفل میں پسند نہ فرمایا، گو وہ گانا، بجانا مباح تھا کہ مُعظّمات کا ذکر مجلسِ معظّم میں ہونا چاہیے۔

(ج) یہی وجہ ہے کہ حضرت مالک بن عوف ہوازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ مصرع پڑھا:

"وَ مَتیٰ تَشَا يُخْبِرْكَ عَمَّا فِي غَدٖ"

"تو جب چاہے یہ نبی تجھے آیندہ کی باتیں بتادیں"

تو حضور سید عالم ﷺ نے انھیں نہ روکا، حالاں کہ یہ کلمہ: "وَ فِينا نبيٌّ يَعْلَمُ مَا في غَدٖ" سے بڑھ کر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت مالک "بارگاہ عرش جاہ" میں پڑھ رہے تھے، نیز اس میں عموم بہت ہے۔

---

(۱) ● الفتاوى الرضوية، ج: ۱۰، النصف الاخير، ص: ۲۶، ۲۷، رساله: الكشف شافيا، كتاب الحظر و الإباحة.

● الفتاوى الرضوية، ج:۱۵، ص: ۷۵٤، كتاب الحظر والإباحة، الإمام أحمد رضا اكاديمى، بريلي.

● الجليس الصالح والأنيس الناصح للإمام المعافي عن أبي عبيدة بن الجرّاح رضى الله تعالى عنه، ج:۱، ص: ٤٧٣، ٤٧٤، احسن ما قيل فى وصف الماء، المكتبة الشاملة.

(۲) امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

النبوّة: هي الاِطْلَاعُ عَلَى الغَيْبِ۔ نبوت کا معنی ہے غیب کی اطلاع دینا، آگاہ کرنا۔ عربی لغت کی کتاب المنجد میں ہے: و النّبوّة: الإخبارُ عن الغيب أو المستقبلِ بإلهام مِن الله ... الإخبار عن الله و ما يتعلّق به۔ اللہ کے اِلہام کے ذریعہ غیب یا آیندہ کی خبر دینا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں خبر دینا۔ (ص: ۷۸۴) ۱۲ منہ

ممکن ہے کسی کو یہ شبہہ ہو کہ حضرت مالک بن عوف کی حدیث صحاح میں نہیں ہے اس لیے اس سے استدلال ضعیف ہے۔

مگر یہ شبہہ اس لیے ناقابلِ اعتنا ہے کہ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کا وہ مصرع کثیر احادیث صحاح، بلکہ احادیث صحیحین کا خلاصہ ہے جن کا ایک انتخاب ہم نے گزشتہ اوراق میں پیش کیا۔

واقعہ یہ ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لیے امام الطائفہ نے اسے کیا سے کیا بناڈالا۔

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہوا کہ:

(۱) غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اور یہ "علمِ ذاتی" ہے جو بغیر کسی کے دیے اسے اپنی ذات سے حاصل ہے۔ اور بلا شبہہ علم ذاتی خداے وحدہٗ لا شریک کے ساتھ خاص ہے، یہ مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار علوم غیب عطا فرمائے اور انھیں مَا کانَ و ما یکون کے غیبوں پر اطلاع بخشی ۔ یہ "علمِ عطائی" ہے جو بندوں کے ساتھ خاص ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ کے لیے ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اسے عطا کرنے والا نہیں۔

(۳) کسی بندے کے لیے "اللہ کا سا علم" ماننا شرک ہے۔ امام اہل سنت، مجدد اسلام لکھتے ہیں:

"علم ذاتی اللہ عزّ و جلّ سے خاص ہے، اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔"(۱)

واضح ہو کہ "اللہ کا سا علم"، علمِ ذاتی و علم محیط تفصیلی ہے جو خدا کے ساتھ خاص ہے اور کسی بھی بندے کے لیے ناممکن و محال ہے۔

(۴) ہم اہل حق - اہل سنت و جماعت - اَنبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے یا کسی بھی بندے کے لیے "علمِ ذاتی" اور علم محیط، تفصیلی نہیں مانتے، بلکہ صرف اور صرف علم عطائی، اِجمالی مانتے ہیں۔

(۵) فرقۂ اہل حدیث کے امام، انبیاء و مرسلین کے لیے "علم عطائی" ماننے کو بھی "اللہ کا سا

---

(۱) ● خالص الاعتقاد، ص:۹، ۱۰، رضا اکادیمی، ممبئی
● الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، ص: ۱۳، النظر الأوّل من القسم الأول، استانبول.
● الفتاوی الرضویۃ، ج:۱۸، ص: ۵۷۱/ کتاب العقائد والکلام/ رسالۃ: الدولۃ المکیّۃ، إمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

علم" بتاتے اور اسے "شرک" ٹھہراتے ہیں مگر یہ سوفیصد غلط ہے۔ اسے "اللہ کا سا علم" اور "شرک" ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ:

- اس کے قائلین کتاب اللہ کی آیتوں اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں سے یہ ثابت کریں کہ اس خدائے غنی و بے نیاز کا علم عطائی ہے،
- ساتھ ہی یہ بھی واضح کریں کہ اسے علم غیب کس نے عطا کیا اور کب عطا کیا؟

نام اس فرقے نے اپنے لیے بڑے اچھے اچھے تجویز کیے "اہلِ حدیث، اَثری، سَلفی"، اس لیے ہم گزارش کرتے ہیں کہ اپنے نام کی کچھ تو لاج رکھیے، "اہل حدیث" ہیں تو حدیث پیش کیجیے، "اثری" ہیں تو "اثر" لائیے "سلفی" ہیں تو سلف صالحین سے نقل پیش کیجیے کہ اللہ کا علم عطائی ہے، اور فلاں نے، فلاں وقت اسے عطا کیا، اگر نہیں پیش کر سکتے اور ہرگز ہرگز نہیں پیش کر سکتے تو توبہ کر کے زمرۂ اہل حق میں شامل ہو جائیے۔

علمِ الٰہی اور علمِ نبوی میں طرح طرح سے بنیادی فرق کی وضاحت

ہم اس باب میں امامِ اہل سنت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے "علمِ الٰہی" اور "علمِ نبوی" کے درمیان فرق واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ اہل انصاف پر یہ عیاں ہو جائے کہ ہم اہلِ سنت نبیِ کریم ﷺ کے لیے ہرگز ہرگز "اللہ کا سا علم" نہیں مانتے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

- اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کا علم عطائی۔
- اللہ تعالیٰ کا علم اُس کی ذات کے لیے واجب ہے اور مخلوق کا علم اس کی ذات کے لیے ممکن۔
- اللہ تعالیٰ کا علم ازلی، سرمدی، قدیم، حقیقی ہے کہ ہمیشہ سے ہے۔ ایسا نہیں کہ پہلے نہ تھا، پھر ہوا۔ اور مخلوق کا علم حادث، کہ پہلے نہ تھا، پھر ہوا۔
- اللہ تعالیٰ کا علم غیر مخلوق ہے اور مخلوق کا علم مخلوق ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیرِ قدرت نہیں اور مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے زیرِ قدرت و زیرِ اختیار ہے۔
- اللہ کا علم باقی رہنا واجب ہے اور مخلوق کا علم ایسا نہیں، اس کا فنا ہونا ممکن ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیّر محال ہے اور خلق کے علم میں تغیّر ممکن۔

ومع هذه التفريقات لا يتوهّم المساواةَ إلّا الّذين أعمَى اللهُ أبصارَهم.(۱)

---

(۱) الدولة المكية بالمادة الغيبية، ص: ۳۰، النظر الثاني من القسم الأول، استانبول.

نیز فرماتے ہیں:

● کسی مخلوق کا معلوماتِ الٰہیہ کو بتفصیلِ تام، محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی، بلکہ اگر تمام اہلِ عالم - اگلے، پچھلوں - سب کے جملہ علوم جمع کیے جائیں تو اُن کو علومِ الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصّے کو دس لاکھ سمندروں سے ہے۔[1]

نیز لکھتے ہیں:

علمِ ذاتی اور علم محیط تفصیلی اللہ عزّوجلّ کے ساتھ خاص ہیں، بندوں کے لیے صرف یک گونہ علم بعطاے الٰہی ہے۔[2]

نیز فرماتے ہیں:

ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں اور بعطاے الٰہی بھی **بعضِ علم** ہی ملنا مانتے ہیں۔[3]

علم الٰہی اور علم نبوی میں ایسے واضح فرق اور روشن تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اسے "اللہ کا سا علم" اور "شرک" کہے تو بلا شبہہ یہ بڑی زیادتی ہے۔

---

(۱) ● خالص الاعتقاد ص: ۱۰.
● الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص: ۵۷۱، ۵۷۲، کتاب العقائد والکلام، الإمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.
● الدولة المکّیة، ص: ۲۱، ۲۲، النظر الأول من القسم الأول، استنابول.

(۲) ● خالص الاعتقاد، ص: ۱۱.
● الدولة المکیة، ص: ۳۶، النظر الثالث، استانبول.
● الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص: ۵۷۲/کتاب العقائد والکلام/ رسالة: الدولة المکّیة، إمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

(۳) ● خالص الاعتقاد ص: ۱۱.
● الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص: ۵۷۲، کتاب العقائد والکلام، إمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.
● الدولة المکیة، النظر الخامس.

آٹھواں مسئلہ

عقیدۂ حاضر و ناظر

کتاب و سنت کی روشنی میں

عقیدۂ حاضر و ناظر سے اہل سنت کی مراد:

اللہ عزّوجلّ نے اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہوتے ہوئے عالم کے احوال سے اس طرح باخبر ہوتے ہیں جیسے آپ وہاں بذات خود جلوہ فرما ہوں اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوں، اس مفہوم کو ہم "حاضر و ناظر" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ مگر اس کے برخلاف وہابیہ اسے شرک کہتے ہیں۔ ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے کتاب و سنت اور اجماع امت کے شواہد ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

کتاب اللہ کی شہادت:

(۱) قرآن پاک میں اللہ عزّوجلّ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ [1]

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب: ۳۳، الأیة: ۴۵

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو شاہد و مُبَشِّر و نذیر بنا کر بھیجا۔

(الف) عربی زبان میں شاھد کا لفظ حاضر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کے کثیر شواہد ہیں:

مثلاً: خود قرآن پاک میں ہے:

"اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾"[۱]

ترجمہ: یا ہم نے فرشتوں کو عورت پیدا کیا اور وہ (کفار) حاضر تھے۔

اس آیت کریمہ میں بھی شاہد بہ معنی حاضر استعمال ہوا ہے، جیسا کہ زبان عربی کے واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

- حجۃ الوداع کے خطبے میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ."[۲] حاضر، غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔

یہ حدیث صحیح بخاری شریف کے کتاب العلم، کتاب المغازی/باب حجۃ الوداع، کتاب الأضاحی، کتاب الفتن، کتاب التوحید میں بھی ہے، الفاظ میں کہیں شروع میں "أَلَا" کا اضافہ ہے اور کہیں بغیر فا کے صرف لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ ہے۔

اس حدیث میں شاہد کا لفظ غائب کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔

- نماز جنازہ کی دعا میں ہے: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا و شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا"[۳]

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الصّٰفّٰت: ۳۷، الآية: ۱۵۰.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۲۳٤، كتاب المناسك/ باب الخطبة أيام مِنىٰ، مجلس البركات.

(۳) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج: ۳۷، ص: ۲٤۸، مسند الأنصار، رقم الحديث: ۲۲۵۵٤، مؤسسة الرسالة: عن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه.

● سنن أبي داؤد، ص: ۵٤۹، كتاب الجنائز / باب الدعاء للميت، رقم الحديث: ۳۱۹۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

● جامع الترمذي، ج:۱، ص: ۱۲۱، أبواب الجنائز / باب ما يقول في الصلاة على الميت، مجلس البركات، مبارك فور.

● سنن ابن ماجه، ص: ۲۵۲، كتاب الجنائز / باب ما جاء في الدعاء فى الصلاة على الجنازة، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

● رواه أحمد وأبو داود والترمذي والنسائي وابن حبان والحاكم عن أبي هريرة، وأحمد وأبو يعلى والبيهقي وسعيد بن منصور في سنن عن أبي قتادة رضى الله تعالى عنهما. خرَّجه الإمام أحمد رضا رحمه الله تعالى في كتاب الجنائز من فتاواه، ج:٤، ص:۸۹، سنى دار الإشاعت.

اس میں بھی شاہد کا لفظ غائب کا مقابل ہے۔ اور غائب وہ ہے جو حاضر نہ ہو تو شاہد وہ ہوگا جو حاضر ہو۔

اس تشریح سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حاضر بنا کر بھیجا ہے۔ اور حاضر شخص اگر صاحب نظر ہو تو ناظر بھی ہوتا ہے لہٰذا حضور اقدس ﷺ حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔

(ب) لغات القرآن کے موضوع پر مستند کتاب "المفردات" میں ہے:

الشهودُ والشهادة: الحضور مع المشاهدة إما بالبصر أو بالبصيرة۔[1]

شہود اور شہادت کا معنی ہے "حاضر ہونا ناظر ہونے کے ساتھ" ناظر ہونا بَصَر سے ہو یا بصیرت سے۔ "گواہ" کو بھی شاہد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مُشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ اس تشریح کے پیش نظر شاہد کا معنی ہی حاضر و ناظر ہوا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو شاہد بتا کر آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر حجتِ قطعی قائم فرمادی۔

آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر کثیر احادیث بھی ناطق ہیں، اب ہم یہاں چند احادیث نقل کرتے ہیں:

احادیث کی شہادت:

(١) مدینہ شریف سے بیت المقدس کا نظارہ اور اس کے اوصاف کی خبر:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: «لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ

---

(١) المفردات في غريب القرآن للإمام الراغب الاصفهاني، ج:١، ص:٣٥٢، مكتبة نزار مصطفى الباز.

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الشهود و الشهادة کا درج بالا معنی تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقد يقال: للحضور مفردا، قال: " عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ (السجدة: ٦) لكن الشهود بالحضور المجرد أولىٰ. والشهادة مع المشاهدة أولىٰ إهـ.

کبھی شہادت کا لفظ تنہا حضور کے معنی میں آتا ہے چناں چہ ارشاد باری " عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ " میں شہادت کا معنی صرف حضور ہے۔ لیکن شہود تنہا "حضور" کے معنی میں اولیٰ ہے اور شہادۃ "حضور مع المشاہدۃ" کے معنی میں اولیٰ ہے۔

ہمارے استدلال میں دونوں طرح کے مفاہیم کی رعایت ہے، پہلا استدلال اس معنی اولیٰ کے مطابق ہے اور دوسرا استدلال معنی اول کے مطابق ہے۔ ١٢ منہ

أُثْبِتْهَا. فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونِّي عَنْ شَيْءٍ إِلاَّ أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میں حطیم کعبہ میں جلوہ افروز تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے، انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں دریافت کیا جن کے جوابات میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھے تو اس کے باعث مجھے بڑی تکلیف ہوئی، ایسی تکلیف جو کبھی نہ ہوئی تھی۔ [کیوں کہ ان کے سوالات لایعنی تھے پھر بھی وہ جواب نہ پاتے تو معجزۂ معراج کا انکار کر دیتے]

حضور کا بیان ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے پیش نظر کر دیا، اور اب کفار قریش مجھ سے جو کچھ بھی سوال کرتے میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر ان کے جوابات دے دیتا۔

(۲) یہی واقعہ ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے:

عن جابر بن عبد اللہ، أنَّ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم قال: لما كذَّبتني قريش قمت في الحجر فجلَّى اللہ لي بيت المقدس فطفقت أُخبرهم عن أياته وأنا أنظر إليه.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب قریش نے (میرے معجزۂ معراج کے تعلق سے) مجھے جھٹلایا تو میں حطیم کعبہ میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیت المقدس کو ظاہر کر دیا تو میں اس کی نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر مشرکین کو بتانے لگا۔

کہاں کعبہ شریف اور کہاں بیت المقدس۔ دونوں کے درمیان لمبی مسافت حائل ہے مگر مُنوّرِ کائنات، فخر موجودات حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے سے سارے حجابات دور کر دیے گئے اور آپ نے مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہتے ہوئے بیت المقدس کی تمام نشانیاں اس طرح بتادیں جیسے آپ وہاں موجود ہوں اور سب کچھ دیکھ رہے ہوں۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۹۶، كتاب الإيمان/ باب الإسراء برسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم إلى السمٰوٰت و فرض الصلوات، مجلس البركات

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۹۶، كتاب الإيمان/ باب الإسراء برسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم إلى السمٰوٰت، مجلس البركات

تو یہ احادیث آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

③ حضرت ابو ہریرہ کا تین راتیں شیطان کو چوری میں گرفتار کرنا۔ اور سرکار کا اس کے تعلق سے متعدد غیبی خبریں بیان کرنا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضى الله عنه - قَالَ وَكَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم - بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ ، فَأَخَذْتُهُ ، وَقُلْتُ: وَاللَّهِ لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم-. قَالَ: إِنِّي مُحْتَاجٌ ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ ، وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ . قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَأَصْبَحْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ - صلّى الله عليه وسلم - « يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ » . قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَعِيَالاً فَرَحِمْتُهُ ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ . قَالَ: « أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ » . فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم - إِنَّهُ سَيَعُودُ .

فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم- . قَالَ: دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ لاَ أَعُودُ ، فَرَحِمْتُهُ ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ، مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَعِيَالاً، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ. قَالَ « أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ ».

فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ، فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ ، فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - وَهَذَا آخِرُ ثَلاَثِ مَرَّاتٍ، أَنَّكَ تَزْعُمُ لاَ تَعُودُ ثُمَّ تَعُودُ . قَالَ: دَعْنِي أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا . قُلْتُ: مَا هُوَ ؟ قَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ (اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ) حَتَّى تَخْتِمَ الآيَةَ ، فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ وَلاَ يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ . فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - « مَا قَالَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ » . قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ ، يَنْفَعُنِي اللَّهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ . قَالَ « مَا هِيَ » . قُلْتُ: قَالَ لِي: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتَّى تَخْتِمَ (اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ) وَقَالَ لِي: لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ وَلاَ يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ

حَتَّى تُصْبِحَ، وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ. فَقَالَ النَّبِيُّ - صلّى الله عليه وسلم - « أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ » . قَالَ: لَا . قَالَ « ذَاكَ شَيْطَانٌ » .(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکات (صدقہ فطر) کی حفاظت پر مامور فرمایا تو (رات میں) میرے پاس ایک شخص آیا اور لپ بھر بھر کر غلے میں سے لینے لگا، تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا میں محتاج ہوں اور میرے پاس بے سہارا بچے ہیں اور مجھے غلے کی سخت حاجت ہے۔ حضرت ابو ہُریرہ کا بیان ہے کہ یہ حال سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابو ہُریرہ تمھارا رات کا قیدی کیا ہوا؟

وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس نے شدید حاجت اور بے سہارا بچوں (کے بھوکے ہونے) کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آگیا اور اسی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا، تو حضور (دانائے غیوب) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنو! وہ بلا شبہہ، یقیناً تجھ سے جھوٹ بول کر گیا ہے، آج پھر آئے گا"۔

حضرت ابو ہُریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آئے گا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ وہ آئے گا۔

میں اس کی تاک میں تھا کہ اتنے میں وہ آگیا اور غلہ اٹھانے لگا، تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ (آج) تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عدالت میں ضرور پیش کروں گا۔ تو وہ کہنے لگا: مجھے چھوڑ دو، میں محتاج ہوں، میرے بے سہارا بچے ہیں جن کا نفقہ میرے ذمہ ہے، اب میں اس کے بعد نہیں آؤں گا۔ مجھے رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح کو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابو ہُریرہ! تیرا رات والا قیدی کہاں گیا؟"

میں نے عرض کی، یا رسولَ اللہ، اس نے آج بھی وہی عذر پیش کیا کہ سخت محتاج ہے، عیال دار ہے تو مجھے رحم آگیا اور اس کی راہ خالی کر دی۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! وہ یقیناً تجھ سے جھوٹ بول کر گیا ہے، آج پھر آئے گا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۱۰، كتاب الوكالة/ باب إذا وكّل رجلا فترك الوكيلُ شيئًا فأجازه الموكل فهو جائز، مجلس البركات

تومیں آج بھی اس کی تاک میں لگ گیا، اتنے میں وہ آیا اور لپ سے اٹھا اٹھا کر غلہ لینے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور یہ بتادیا کہ "آج میں تجھے ضرور رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر کروں گا، یہ تیسرا اور آخری موقع ہے، تم کہتے ہو کہ دوبارہ نہیں آؤ گے، پھر آجاتے ہو"۔

اس نے کہا: مجھے چھوڑ دیجیے میں آپ کو کچھ ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں جن سے اللہ آپ کو نفع دے گا۔ میں نے پوچھا، وہ کون سے کلمات ہیں: اس نے کہا کہ جب بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو "آیۃ الکرسی: لَآ إِلٰه إِلَّا هو الحيُّ القيوم" آخر تک پڑھ لیا کرو، تو اللہ کی طرف سے ایک محافظ صبح تک وہاں رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا۔

میں نے اس کی راہ خالی کردی۔ صبح ہوئی (اور سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: "رات تیرے قیدی نے کیا کہا؟" میں نے عرض کی، یارسول اللہ! اس نے کہا کہ وہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھا دے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے فائدہ دے گا۔ تو میں نے اس کی راہ خالی کردی۔ حضور نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے کہا کہ اس نے مجھے یہ بتایا ہے کہ جب تم اپنے بستر پر (سونے کے لیے) جاؤ تو آیۃ الکرسی شروع سے آخر تک پڑھ لیا کرو "اَللّٰه لا إله إلَّا هو الحيُّ القيوم" اس نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک محافظ صبح تک تمھارے پاس رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا۔ اور صحابۂ کرام اچھی بات کے سب سے زیادہ شائق تھے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"سنو! یہ بات تو اس نے بلا شبہہ سچ کہی ہے اور وہ ہے بڑا جھوٹا۔"

ابو ہُریرہ! تمھیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تم کس سے گفتگو کرتے رہے ہو؟

انھوں نے عرض کیا نہیں۔ تب حضور (دانائے غیوب) ﷺ نے فرمایا: "وہ شیطان ہے۔"

صدقہ فطر کے غلے سے چوری کے یہ واقعات رات کے ہیں جن کا علم چور کو تھا، یا حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ خود حدیث نبوی سے ایسی کوئی شہادت نہیں فراہم ہوتی کہ دوسروں کو بھی ان واقعات کا علم تھا مگر حضور نبیِ رحمت ﷺ نے ان واقعات کی تفصیلات کا تذکرہ اس طور پر فرمایا ہے جیسے آپ وہاں حاضر ہوں اور نگاہِ نبوت سے حال اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا نظارہ فرمارہے ہوں۔

ذرا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ میں غور فرمائیے:

"اے ابوہریرہ! تمھارا رات والا قیدی کیا ہوا؟"

یہ سوال واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ:

الف: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آنے والے شخص کی چوری کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ب: حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے گرفتار کر لیا، سرکار اس کا بھی مُشاہدہ فرما رہے تھے۔

ج: سرکار کی نظر غلے کے محافظ اور چور کی گفتگو پر بھی تھی۔

د: حضور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ چور کو چھوڑ دیا گیا۔

ہ: بلکہ حضور کی نظر چور کے دل کے اندر چھپے ہوئے جھوٹ پر بھی تھی، اس لیے فرمایا کہ "یقیناً جھوٹ بول کر گیا ہے۔"

و: اور آپ نے یہ فرما کر کہ: "سیعود" آج پھر آئے گا" یہ اعلان فرما دیا کہ آپ آنے والے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات پر بھی نظر رکھتے ہیں۔

دو جملوں میں سرکار ابد قرار علیہ وعلیٰ آلہٖ الصّلاۃ والسلام نے اپنے حاضر وناظر ہونے کے چھ شواہد کی رہنمائی فرمادی، پھر دوسری رات کے واقعہ میں بھی یہ سارے شواہد موجود ہیں تو اس طرح یہ بارہ شواہد ہوئے۔

تیسری رات کے واقعہ کے سلسلے میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوہُریرہ سے یہ پوچھا کہ "رات تیرے قیدی نے کیا کیا؟" یعنی کیا تعلیم دی؟ یہ سوال بھی شروع کے چار شواہد کی نشان دہی کرتا ہے اور یہ ذہن دیتا ہے کہ آج کی شب غلے کے محافظ اور چور کی گفتگو بدل گئی ہے، پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "وھو کذوب، وہ بڑا جھوٹا ہے" فرما کر اس بات پر حجت تمام فرمادی کہ آپ کی نگاہ چور کے نہاں خانۂ قلب کو بھی دیکھتی ہے۔ یہ پانچ شواہد ہوئے جو آپ کے حاضر وناظر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اخیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ وہ چور کوئی انسان نہیں ہے، بلکہ شیطان ہے، حضرت ابوہُریرہ تین شب سے جس چور کو پکڑ رہے تھے اور اس سے گفتگو بھی کر رہے تھے اسے اب تک پہچان نہ سکے کہ یہ کون ہے مگر نگاہ نبوت نے لباس انسانیت میں چھپے ہوئے شیطان کو دیکھ کر پہچان لیا، غور فرمائیے جو چور کے پاس حاضر تھا اور ناظر بھی وہ تو نہ پہچان سکا مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دور

رہ کر بھی اس طرح اسے پہچان لیا جیسے آپ اس کو لباس شیطنت بدلتے وقت دیکھ رہے ہوں۔

اس طرح اس حدیث میں راقم الحروف کے بطور اٹھارہ شواہد ہوئے جن سے آپ کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ حضرات وہابیہ کے قلوب پر اگر اتنے شواہد گراں گزریں تو کم کر سکتے ہیں مگر عمل بالحدیث کے دعوے کا اتنا احترام تو کریں کہ عقیدۂ حاضر وناظر کو شرک کہہ کر اس حدیث سے کھلا انحراف نہ کریں۔

کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے ان شواہد اور نصوص سے روز روشن کی طرح عیاں اور ثابت ہو گیا کہ حضور سید عالم ﷺ حاضر وناظر ہیں لیکن وہابیہ نے ان تمام نصوص کو پس پشت ڈال کر اس عقیدہ کو شرک قرار دیا ہے۔ ان کے امام رقم طراز ہیں:

"اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا، اور قدرت تصرف کی ثابت کرنی، سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے، گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ۔ اور اس بات میں اولیا و انبیا میں اور جن و شیطان میں اور بھوت اور پری میں کچھ فرق نہیں، یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا۔ خواہ انبیا و اولیا سے، خواہ پیروں و شہیدوں سے، خواہ بھوت و پری سے۔"[1]

﴿۴﴾ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ ، فَقَالَ: « أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتَّى أَخَذَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللهِ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ ».[2]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو حضرت زید، حضرت جعفر، اور حضرت ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر جنگ سے ان کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی دے دی۔ آپ نے فرمایا: زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ یہ خبر دیتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۔یہاں تک کہ سیف اللہ (خالد بن ولید) نے جھنڈا تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

---

(۱) تقوية الإيمان، ص: ۸، ۹، پہلا باب: "توحید اور شرک کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۶۱۱، كتاب المغازي/ باب غزوة موتة من أرض الشام، مجلس البركات، مبارك فور.

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینۂ منورہ میں قیام پذیر تھے مگر جنگ موتہ میں پیش آنے والے اہم واقعات کی غیبی خبریں اس طور پر دے رہے تھے جیسے کوئی اپنی ہتھیلی کے نشانات دیکھ دیکھ کر بتاتا جائے۔

یہ حدیث بہت ہی واضح طور پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

⑤ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقام بدر میں پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

هٰذَا مَصْرَعُ فُلاَنٍ. وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الأَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا، قَالَ: فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.[1]

یہ فلاں کے (قتل ہو کر) گرنے کی جگہ ہے اور آپ اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر فرماتے، یہاں اور یہاں۔ (یعنی فلاں، فلاں یہاں، یہاں قتل ہو کر گریں گے) راوی حدیث کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جو نشان دہی فرمائی تھی اس جگہ سے کوئی بھی ہٹ کر اِدھر اُدھر نہ گرا۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وفيه معجزتان مِن أَعْلامِ النبوة. أحدُهما: إخبارُهُ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمَصرع جَبابِرَتهم، فلم يتعدّ مَصْرَعَه. إلخ.[2]

اس حدیث میں دو معجزے ہیں جو نبوت کے دلائل سے ہیں۔ پہلا معجزہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کے ظالم سرداروں کے قتل ہونے کی جگہ بتادی تو کوئی اس سے اِدھر اُدھر نہ گرا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آنے والے زمانے میں درپیش ہونے والے واقعات کو اسی طور پر دیکھ رہے تھے جیسے آپ عین جائے وقوع پر تشریف فرما ہوں اور اپنی چشمان نبوت سے ملاحظہ فرما رہے ہوں۔

اس طرح یہ حدیث عقیدۂ حاضر و ناظر کا واضح ثبوت ہے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتابُ الجهاد و السِّيَر/ بابُ غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتاب الجهاد والسِّير/ باب غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

⑥ عَنْ (عبد الله) ابن عمر، قال: قالَ رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: إنَّ اللهَ -عزَّ و جلّ- قد رَفَعَ لِيَ الدُّنيا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْها وَ إِلَىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إلى يوم القيامة، كأنّما أنظُرُ إلى كَفِّي هذه، جِلِّيَانٌ[1] مِّنَ الله جَلَاهُ لِنَبِيِّهِ كَمَا جلاه لِلنّبيين من قَبْلِهِ.[2]

بے شک اللہ نے دنیا کو میرے سامنے کر دیا، تو میں اسے اور قیامت تک اس میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، یہ مشاہدۂ کائنات اس روشنی کے سبب ہے جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیا کے لیے روشن فرمائی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین.

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ:

اللہ عزّ و جل نے یہ دنیا اور قیامت تک جو کچھ اس میں ہوگا سب کو حضور ﷺ کے پیش نظر کر دیا اور آپ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح تمام مَا کَان و ما یکون کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو اس حدیث سے اہل سنت و جماعت کے اس عقیدے کی روشن تایید ہوتی ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عطا سے "حاضر و ناظر" ہیں۔

ہم نے یہاں صرف نمونے کے طور پر کچھ حدیثوں کو پیش کیا ہے ورنہ اس عقیدے کے ثبوت میں کثیر احادیث نبویہ وارد ہیں۔ صحیحین میں علامات قیامت کے تعلق سے جو احادیث تخریج کی گئی ہیں ان میں سے زیادہ تر حدیثوں سے اس عقیدے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے "علوم غیبیہ کی بحث" میں بھی اس نوع کی کچھ حدیثیں ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہوگا۔

اجماعِ امت کی شہادت:

کتاب و سنت کے یہی وہ دلائل واضحہ ہیں جن کی بنا پر امت مسلمہ نے حضور سید عالم جنابِ محمّد رسول اللہ ﷺ کو بالا جماع حاضر و ناظر تسلیم کیا اور اجماع امت بجاے خود ایک مستقل دلیل ہے، ہاں

---

(۱) جِلِّيَان: بكسر الجيم و تشديد اللام المكسورة: الإظهار و الكشف، أي هذا إظهار و كشفٌ من الله. النهاية ج: ۱، ص: ۲۹۱، و لسان الغرب، و تاج العروس.

(۲) المعجم الكبير الكبير للإمام الطبراني، ج: ۱۳، ص: ۳۱۹، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، قاهره.

یہ دلیل صرف قائلین اجماع پر حجت ہوگی۔

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت اہل سنت اور فرقۂ وہابیہ دونوں کے نزدیک مسلّم ہے، وہ اپنے ایک رسالہ "سلوكُ أقربِ السُّبل" میں یہ انکشاف فرماتے ہیں:

"باچندیں اختلافات و کثرتِ مذاہب کہ در علماے امت ست، یک کس را دریں مسئلہ ہیچ اختلافے نیست کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ حقیقتِ حیات، بے شائبہ مجاز و توہُّمِ تاویل دائم و باقی ست و بر اعمال امت حاضر و ناظر۔ و مر طالبین حقیقت و متوجہان آں حضرت را مفیض و مربّی ست۔"[1]

ترجمہ: "علماے امت کے درمیان اس قدر اختلاف و کثرتِ مذاہب کے باوجود اس مسئلہ میں ایک شخص کا بھی کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر مجاز کے شائبہ اور تاویل کے وہم کے حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ و باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر۔ اور خاص کر حقیقت کے طالبوں اور آں حضرت کی طرف توجہ کرنے والوں کے لیے فیض رساں و مربّی ہیں۔"

جب علماے امت بلا اختلاف آپ کو زندہ و باقی اور احوال امت پر حاضر و ناظر مانتے ہیں تو یہ اس عقیدے پر اجماع امت ہوا اور احادیث متواتر المعنیٰ شاہد ہیں کہ امت کا اجماع خطا سے معصوم ہے اس لیے یہ بھی ایک قوی دلیل ہے اور جو شخص اجماع کو حجت نہ مانے اس پر کتاب و سنت کے وہ دلائل تو ضرور حجت ہیں جو پچھلے صفحات میں مذکور ہوئے۔ وللہ الحمد۔

---

(۱) سلوكُ أقرب السُّبل بالتَّوجه إلى سيّد الرسل ﷺ. برحاشیہ کتاب أخبار الأخيار فی أسرار الأبرار، ص: ۱۶۱، کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند

نواں مسئلہ

توسُّل و نِدا

احادیث کریمہ کی روشنی میں

وسیلہ کی لغوی تشریح: وسیلہ کے معنی ہیں ذریعہ، سببِ قرب، قربت، وہ چیز جس کے ذریعہ دوسرے کا قرب حاصل ہو، جو دوسرے تک رسائی کا سبب بنے۔ مسلمانوں کے عرف میں اس سے مراد "اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ" ہے خواہ وہ ذریعہ کوئی عملِ صالح ہو یا بندۂ صالح۔

لسان العرب میں ہے:

● والوَسِيلة: القُرْبة-- ووَسَّل فلانٌ إِلى الله وسِيلةً: إِذا عَمِل عملاً تقرَّب به إِليه-- والوَسِيلةُ: ما يُتقَرَّبُ به إِلى الغَيْر.[1]

وَسِيلة: قربت، وَسَّل فلانٌ إِلى الله وسِيلةً. فلاں عملِ صالح کر کے اللہ کا مقرب ہوا۔

وَسِيلة: جس کے ذریعہ دوسرے کا تقرب حاصل ہو۔

● والذَّرِيْعَةُ: الوَسِيلةُ. والذَّرِيْعَةُ: السببُ إِلى الشَّيء، يُقال: فلانٌ ذَرِيعتي إِليك، أَي سَبَبي ووُصْلَتي الذي أَتسبَّبُ به إِليك. ثم جُعلتِ الذريعةُ مثلاً لِكل شيء أَدْنى من شيء وقَرَّب منه.[2]

(۱) لسان العرب، ص: ٤٨٣٧، دار المعارف.

(۲) لسان العرب، ص: ١٤٩٨، دار المعارف.

ذريعة: وَسِيلة، شئے تک رسائی کا سبب، کہا جاتا ہے: فلانٌ ذَرِيعتي إليك. فلاں تم تک رسائی کے لیے میرا سبب اور رابطہ ہے، پھر لفظ ذريعة کا استعمال ہر اس چیز کے لیے ہونے لگا جو کسی دوسری چیز سے قریب کر دے۔

تاج العروس میں ہے:

الوَسيلَةُ: والسَّبَبُ إلى شيءٍ، يُقال: فلانٌ ذَريعَتي إليكَ: أي سبَبي ووُصْلَتي الّذي أَتَسَبَّبُ به إليكَ.[1]

شئے تک پہنچنے کا سبب، کہا جاتا ہے: "فلانٌ ذَريعَتي إليكَ" فلاں تمھارے پاس میری رسائی کا ذریعہ ورابطہ ہے۔

ان امور پر سب کا اتفاق ہے کہ:

- بغیر کسی وسیلے کے اللہ تعالی سے کچھ مانگنا، اور اس کی بارگاہ میں دعا کرنا جائز ہے۔

ارشاد باری ہے:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً"[2].

ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

نیز ارشاد ربّانی ہے:

"اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" [3]

ترجمہ: دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

- اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عبادات، اذکار اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔
- یہ عقیدہ بھی اجماعی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی معبود ماننا، اور اس حیثیت سے اسے بارگاہِ الٰہی کا مقرب سمجھ کر وسیلہ بنانا شرک ہے جو عفو و مغفرت کے دائرے سے باہر ہے۔

لیکن اللہ کے کسی مقرب بندے- نبی، ولی، صالح- کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں،

---

(۱) تاج العروس من جواهر القاموس، ج: ۲۱، ص: ۱۲، المجلس الوطنى للثقافة و الفنون.
(۲) القرآن الحكيم، سورة الأعراف:۷، الأية: ۵۵.
(۳) القرآن الحكيم، سورة البقرة:۲، الأية: ۱۸۶.

اس میں نزاع ہے۔

ہم اہل حق - اہل سنت وجماعت - کے نزدیک یہ جائز، بلکہ مندوب ہے، اور وہابیہ اسے بدترین بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔

محلِ نزاع

"مُسلِم صادق اپنے معبود برحق "اللّٰہُ الرحمٰن" کی بارگاہ میں دعا کرے اور اس کے سب سے پیارے رسول محمد ﷺ یا دوسرے نبی یا رسول، یا صحابی یا ولیِ مقرب کو وسیلہ بنائے۔

یا مُسلِم صادق ان نفوس قدسیہ میں سے کسی کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا کر ان سے دعا کرائے۔ پھر ان حضرات قدس سے قریب ہو کر انھیں وسیلہ بنائے یا دور رہ کر، اور ان کی حیات میں انھیں وسیلہ بنائے یا بعدِ وصال انھیں مظہرِ قدرتِ الٰہی سمجھ کر دور سے پکارے اور دعا کرائے یا نزدیک سے۔"

اہل سنت وجماعت کے نزدیک یہ سب جائز و درست ہے مگر وہابی ان میں سے اکثر کو شرک قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کے مذہب کی اہم کتاب "تقویۃ الایمان" کی درج ذیل عبارات ناطق ہیں:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے ... مگر یہی پکارنا ... اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔"(۱)

اللہ کی بارگاہ میں اس کے جن مقربین کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ وسیلہ بنانے والوں کے حق میں سفارشی اور وکیل ہوتے ہیں، اسے شرک کہنا فی الواقع انبیا اور اولیا سے توسّل کو شرک کہنا ہے۔

تو اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ انبیا اور اولیا سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسُّل شرک ہے اور جو ایسا کرے وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں۔

اس عبارت میں "پکارنے" کو بھی شرک میں شمار کیا ہے۔ مگر ایک دوسرے مقام پر "دور سے پکارنے" کو شرک کہا ہے چناں چہ لکھتے ہیں:

"یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ "یا

(۱) تقویۃ الایمان، ص:۷، ۸، پہلا باب: "توحید اور شرک کے بیان میں"، راشد کمپنی، دیوبند۔

حضرت، تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے"۔ اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ "ہم نے کچھ شرک نہیں کیا، اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی، بلکہ دعا کروائی ہے، سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے شرک ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جب ہی ان کو اس طرح پکارا۔"(۱)

اس عبارت میں صراحت ہے کہ:

بزرگوں سے دعا کرا سکتے ہیں مگر انھیں دور سے "دعا" کے لیے پکارنا شرک ہے۔

فرقہ وہابیہ کے پاس اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں نہ کتاب اللہ سے، نہ سنت رسول اللہ سے، نہ اجماع سے، نہ سلف وخلف سے۔ اور دلائل کے نام پر وہ جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں وہ "محلِ نزاع" سے بالکل بیگانہ ہیں۔ "محلِ نزاع" کیا ہے:

"مسلم صادق کا نبی یا ولی کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا" اور ان دانش مندوں کے جتنے دلائل ہیں ان سب کا تعلق مشرکین اور ان کے باطل معبودوں سے ہے۔

- کہاں مسلمِ صادق ــــــ اور ــــــ کہاں مشرک۔
- کہاں مُقرّبانِ بارگاہ ــــــ اور ــــــ کہاں معبودانِ باطل۔

"شرک" کبھی معاف نہ ہوگا اس لیے مشرک کا کوئی وسیلہ اس کے کام نہیں آئے گا۔ اور جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں وہ شفیع نہ ہو سکیں گے۔

لیکن مسلم صادق کا وسیلہ انبیا و اولیا ہیں اور وہ بارگاہ الٰہی میں ان کے شفیع ہیں۔ جو آیات مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے بارے میں ہیں وہ آیات یہ حضرات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں، پھر سمجھتے ہیں کہ توحید کا حق ادا کر دیا۔

ہم یہاں سب سے پہلے انھی وہابی حضرات کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

فرقۂ وہابیہ کے دلائل

پہلی دلیل اور جواب: امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی نے "توسّل" کے شرک ہونے پر

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص:۲۰، ۲۱، الفصل الثاني في ردّ الإشراك في العلم، راشد کمپنی، دیوبند۔

-جیسا کہ ابھی گزرا- یہ دلیل قائم کی ہے:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے... مگر یہی پکارنا... اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا۔"

یہ بھی کہنا چاہیے تھا:

"ساتھ ہی وہ ان بتوں کو اپنا معبود جانتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔"

تاکہ یہ واضح ہو جاتا کہ ان کا اصل کفر و شرک بتوں کو معبود سمجھنا اور ان کی پوجا کرنا تھا، پھر ان کو معبود جان کر ان سے توسل بھی شرک ہوگا، اس لیے نہیں کہ اصل توسل شرک ہے، بلکہ اس لیے کہ بتوں کو معبود جاننا اور ان کی پوجا کرنا شرک ہے۔

کیا اس برے اعتقاد کے ساتھ کوئی اللہ تعالی کو خالق اور رازق مانے تو وہ مشرک نہ ہوگا؟ ہوگا ضرور! مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالی کو خالق اور رازق مانتا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بتوں کو معبود جانتا ہے۔

کوئی شخص بتوں کو اپنا معبود مانے اور اس عقیدے کے ساتھ سیدنا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانے تو کیا وہ مشرک نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا! مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو "اللہ کا رسول" مانتا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بتوں کو معبود مانتا ہے۔

گفتگو نہ "مشرک" میں ہے، نہ بتوں کو وسیلہ بنانے میں، بلکہ گفتگو "مسلم صادق" میں ہے اور انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانے میں۔

ہم کہتے ہیں مسلمِ صادق کا انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور تم اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہو کہ "مشرک" کا اپنے بتوں کو وسیلہ بنانا شرک ہے اس لیے مسلمان کا انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا بھی شرک ہوگا۔ ہے کوئی نسبت دعوی اور دلیل میں؟

اگر اس طرح کا استناد روا ہو تو دنیا سے امان اٹھ جائے اور تمھارے لیے ہر اچھی چیز کو برا کہنا آسان ہو جائے۔ مثلاً:

ہم کہیں گے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے ان کے لیے جنت ہے۔

اور تم کہو گے:

ہر گز نہیں مشرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور پھر آیتوں پر آیتیں تلاوت کرنا شروع کردو۔

اگر آپ ہمارا موقف نہیں سمجھ سکتے اور محل نزاع کو ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکتے تو پھر اس طرح کالایعنی استدلال کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو کافر و مشرک بتاتے رہیں گے۔ قارئین ایک بار پھر تقویۃ الایمان کی وہ "مشرک ساز" عبارت پڑھ لیں، پھر دیکھیں کہ دعوے اور دلیل میں اسی طرح کی بے ربطی ہے یا نہیں۔

وہابیوں کے پاس مسلمانوں کو مشرک بنانے کی دلیل یہی ہے کہ کفار و مشرکین کے عقیدۂ شرک سے مسلمانوں کے عقیدۂ اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور "محل نزاع" سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

دوسری دلیل اور جواب: یہ حضرات مسلمانوں کے عقیدۂ توسل کو شرک قرار دینے کے لیے کچھ آیات بھی پیش کرتے ہیں، آپ بھی ان کی تلاوت کیجیے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ [1]

ترجمہ: "اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش مانی جائے، اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے، نہ ان کی مدد ہو۔"

اس آیت کریمہ کا تعلق کفار و مشرکین سے ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار مشرکین کا کوئی وسیلہ اور کوئی سفارش اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوگی۔

(۳) دوسرے مقام پر ہے:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ [2]

ترجمہ: جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے، دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گے ان کے اسباب و تعلقات۔

یہ آیت کریمہ بھی کفار و مشرکین کے بارے میں ہے:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الأیۃ: ۴۸.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الأیۃ: ۱۶۶.

"یہ روز قیامت کا بیان ہے جب مشرکین اور ان کے پیشوا جنھوں نے انھیں کفر کی ترغیب دی تھی ایک جگہ جمع ہوں گے اور عذاب نازل ہوتا ہوا دیکھ کر ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے۔"
(خزائن العرفان)

(۴) ارشاد ربانی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ (۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ تم ان کو پکارو جنھیں اللہ کے سوا تم نے اپنا معبود سمجھ رکھا ہے، وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے، نہ پھیر دینے کا۔ وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تمھارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے۔

ان آیات کا تعلق بھی کفار و مشرکین سے ہی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پوجتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ (۲)

ترجمہ: "اے نبی! آپ مشرکوں سے کہیے کہ تم انھیں پکارو جنھیں تم اللہ کے سوا معبود بنا بیٹھے ہو وہ تو ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں اور زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ، اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار۔

یہ آیت کریمہ بھی کفار و مشرکین کے بارے میں ہے۔

اس مقام پر وہابی علما اپنے امام، علامہ ابن القیم کی ایک عبارت سے بھی استناد کرتے ہیں جو انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھی ہے، وہ عبارت یہ ہے:

"وقد قطع الله تعالى كُلَّ الأسباب التي تعلَّق بها المشركون جميعا، ... فالمشرك

(۱) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ۱۷، الأية: ۵۶، ۵۷.
(۲) القرآن الحكيم، سورة سبا: ۳۴، الأية: ۲۲.

إنما يتخذ معبوده لما يعتقد أنه يحصل له به من النفع، والنفعُ لا يكون إلا مَن فيه خصلة من هذه الأربع:

● إمّا مالك لما يريد عابده منه، ● فإن لم يكن مالكا كان شريكا للمالك، ● فإن لم يكن شريكا له كان مُعينا له وظهيرا، ● فإن لم يكن مُعينا ولا ظهيرا كان شفيعا عنده.

فنفى الله سبحانَه المراتبَ الأربع نفيا مترتبا، متنقلا من الأعلى إلىٰ ما دونه، فنفى الملك، والشركة، والمظاهرة، والشفاعة التي يظُنُها المشرك، وأثبت شفاعة لا نصيب فيها لمشرك، وهي الشَّفاعةُ بإذنه. فكفى بهذه الآية نورا، وبرهانا . . . وقطعا لأصول الشرك ومواده لمن عقلها، والقرانُ مملوء من أمثالها ونظائرها."(۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

مشرکین نے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود بنایا ہے انھیں اپنا "نافع" اعتقاد کر کے معبود بنایا ہے، اور "نافع" چار طرح کے افراد ہو سکتے ہیں:

● یا تو وہ اس چیز کا مالک ہو جو مشرک اس سے چاہتا ہے۔
● یا وہ مالک کا شریک ہو کہ وہ بھی کچھ دے سکتا ہے۔
● یا وہ مالک کا معین و مددگار ہو۔
● یا وہ مالک سے سفارش کر سکتا ہو۔

ترتیب وار یہ چار مراتب ہیں، ان میں ہر پہلا مرتبہ دوسرے سے اعلیٰ ہے اور ہر دوسرا مرتبہ پہلے سے ادنیٰ و کمتر۔

اللہ تعالی نے اس آیت کریمہ میں نفع رسانی کے چاروں مراتب کو مسترد کر دیا ہے اور مشرک جن بنیادوں پر غیر اللہ کو اپنا معبود بناتا ہے ان تمام بنیادوں کو ڈھا دیا ہے کہ وہ معبود باطل نہ کسی چیز کا مالک ہے، نہ شریک، نہ معین و مددگار، نہ شفیع و سفارشی، تو یہ آیتِ کریمہ عقل والوں کے نزدیک شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کافی ہے۔

---

(۱) ● الضوء المنير على التفسير لابن القيم الجوزية،ج:٥،ص:٨٢، ٨٣، مؤسّسة النور للطباعة والتجليد.

● بدائع التفسير، الجامع لما فسّره الإمام ابن القيم الجوزية، ج:٢،ص: ٣٤١، دار ابن الجوزى للنشر والتوزيع.

ان الفاظ پر ایک بار پھر نگاہ ڈالیے:

● فنفى . . . الشفاعة التي يظنُّها المشرك.

مشرک اپنے معبود باطل سے جس شفاعت (یا وسیلے) کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اللہ تعالی نے اس کی بھی نفی فرمادی۔

● وأثبت شفاعة لا نصيب فيها لمشرك وهي الشفاعة بإذنه .

ہاں! اللہ تعالی نے ایک شفاعت برقرار رکھی ہے، اور وہ "شفاعت بالاِذن" ہے (جو انبیا و اولیا مسلمانوں کے لیے کریں گے) اس میں کسی مشرک کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

قطعاً لِأُصول الشّرك ومواده لِمَنْ عَقَلها.

● یہ آیت کریمہ ارباب عقل کے نزدیک شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کافی ہے۔

الغرض چاروں آیات اور وہابیوں کے امام ابن القیم کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ اور شفیع نہیں ہے اور خدا کے سوا جن کو وہ پوجتے ہیں وہ ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ نہ ان کی شفاعت کریں گے نہ کوئی مدد۔ ان آیات کا تعلق مومنوں سے نہیں ہے مگر یہ بات عقل والے سمجھتے ہیں لِمَنْ عَقَلَهَا .

پھر ان نصوص سے یہ استدلال کیوں کر بجا ہوا کہ مسلمانوں کا اللہ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ و شفیع نہ ہو گا۔ یہ وہابی دانشوروں کا عجب استدلال ہے "مارے گھٹنا پھوٹے سر"۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ کوئی ایسی محکم، غیر مؤول آیت پیش کیجیے، جس سے یہ ثابت ہے کہ مسلم کامل انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا شرک ہے۔

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا اللّٰهَ" وكونوا مع الصادقين."

دلائلِ اہلِ سنت

علمائے اہل سنت نے توسّل کے جواز پر کتاب و سنت سے دلائل قائم کیے ہیں، ہم چند دلائل یہاں قلم بند کرتے ہیں:

آیات سے توسل کا ثبوت:

① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۱)

(۱) القرآن الحكيم، سورة المائدة: ۵، الأية: ۳۵.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو (جس کی بدولت تمھیں اس کا قرب حاصل ہو) اور اس کی راہ میں کوشش کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳ .[1] [اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو۔] اور حدیث غار[2] سے عیاں ہے۔

مقبول بارگاہ الٰہی کی ذاتِ شریف کو وسیلہ بنانے میں اختلاف ہے فرقہ وہابیہ اس کو شرک کہتا ہے اور ہم اہل سنت وجماعت اس کے بھی جواز واستحسان کے قائل ہیں۔

ہمارا استناد اس آیت کریمہ سے اس طرح ہے کہ وسیلہ طلب کرنے کا حکم تقویٰ کے بعد ہے، تقویٰ کے تحت تمام اعمال صالحہ کی بجاآوری اور برے کاموں سے بچنا داخل ہے، اس لیے طلب وسیلہ سے اعمال صالحہ کی بجاآوری مراد نہ ہوگی بلکہ مقربین کو وسیلہ بنانا مراد ہوگا۔ مخالفین جو وسیلہ سے اعمال صالحہ مراد لیتے ہیں ان سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال صالحہ مقبول ہیں یا نہیں، یہ ہمیں نہیں

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۱۵۳.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۲۹۴، ۲۹۵، كتاب البيوع/ باب إذا اشترى شيئا لغيره بغير إذنه فرضي، مجلس البركات.

حدیث غار: حدیث غار ایک طویل حدیث ہے جس کا انتخاب بقدر ضرورت یہ ہے:

إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: انْطَلَقَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتَّى أَوَوُا الْمَبِيتَ إِلَى غَارٍ فَدَخَلُوهُ فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ فَقَالُوا إِنَّهُ لَا يُنْجِيكُمْ مِنْ هَذِهِ الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ...

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ پہلے زمانے کے تین شخص کہیں جا رہے تھے، سونے کے وقت ایک غار کے پاس پہنچے، اس میں یہ تینوں شخص داخل ہو گئے، پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے گری جس نے غار کو بند کر دیا، انھوں نے کہا: اب اس سے نجات کی، سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ تم اپنے عملِ صالح کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرو ---

پھر ایک نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا، اور دوسرے نے اپنی چچازاد بہن کو مالی تعاون کا، اور تیسرے نے اپنے ایک مزدور کو اجرت سے بہت زیادہ عطا کرنے کا ذکر کر کے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ. الٰہی! اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہے تو یہ چٹان ہٹا دے۔ فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوا يَمْشُونَ. وہ چٹان ہٹ گئی اور یہ تینوں اس غار سے نکل کر چلے گئے۔ (التقاط از صحیح البخاری، ج:۱، ص:۳۰۲، ۳۰۳، باب من استاجر أجيرا فترك أجره، مجلس البركات)

معلوم، پھر بھی ان سے توسّل جائز ہے اور حضرات انبیاے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ضرور مقبولِ بارگاہ خداوندی ہیں تو ان سے توسل بدرجہ اَولیٰ جائز ہے۔ اعمالِ صالحہ اسی وقت تقرب کا ذریعہ بن سکتے ہیں جب وہ مقبولِ بارگاہِ خداوندی ہوں اور انبیا اور اولیا کی یہ مقدس جماعت یقیناً مقبولِ بارگاہ ہے اس لیے یہ حضرات ضرور تقرب کا ذریعہ بنیں گے۔

(۲) وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (۱)

ترجمہ: اور اے محبوب! جب وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، اگر وہ آپ کے حضور حاضر ہوں، پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں۔

ظالم و معصیت کار جہاں سے بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کریں اللہ سے کرم کی امید ہے مگر "آپ کے حضور حاضر ہوں" فرما کر "حاضرِ بارگاہِ رسالت" ہونے کی رہنمائی فرمائی گئی تاکہ رسول اللہ ان کا وسیلہ بن کر بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے شفاعت فرمائیں تو اللہ ضرور ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم فرمائے گا۔ مجرمین کا بارگاہ رسالت میں حاضر ہونا "آپ کی ذاتِ اقدس سے توسّل" کے لیے ہے اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا ان کے حق میں استغفار شفاعت ہے۔

تو اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے توسّل جائز و مطلوب و مندوب ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ توسّل سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے دعا کرانے کے لیے ہے۔

احادیث سے توسّل کا ثبوت:

(۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، كَانَ - إِذَا قُحِطُوا - اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا- قَالَ: فَيُسْقَوْنَ. (۲)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الآية: ٦٤.

(۲) ● صحيح البخاري، ج: ١، ١٣٧، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء.

● و- ص: ٥٢٦، كتاب المناقب/ ذكر عباس بن عبد المطلب، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط زدہ ہوتے تو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش برسنے کی دعا مانگتے۔ آپ عرض کرتے:

"اے اللہ! ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے اور تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں تو ہم پر بارش برسا دے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر بارش برسنے لگتی تھی۔

اس حدیث کے الفاظ

- اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ . (عباس کے وسیلے سے بارش برسنے کی دعا کرتے)
- كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا. (ہم تیری بارگاہ میں نبی کو وسیلہ بناتے تھے)
- إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا. (ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں۔)

سے بہت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محبوبانِ خدا بالخصوص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ سے توسّل جائز ہے اور وسیلے کی برکت سے دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

حدیث کے کلمات "بِعَمِّ نَبِيِّنَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مبارکہ سے صحابہ کرام کا توسّل سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قربِ خاص اور قرابت داری کی بنا پر تھا جو بارگاہِ الٰہی میں جلد قبولیت کا باعث تھا، اس حیثیت سے ان سے توسّل گویا سرکار ابد قرار سے ہی توسّل تھا۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنا کر دو باتوں کا افادہ فرمایا:

ایک: یہ کہ غیر نبی کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے جب کہ وہ صالح ہو اور قربِ خداوندی کے منصب پر فائز ہو۔

دوسرے: یہ کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت نسبی کی وجہ سے یہ توسّل گویا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی توسّل ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی ولی اللہ اور صاحبِ کرامت صحابی جلیل تھے، اور بارگاہ الٰہی کے ایسے مقرب خاص جن کی زبان سے صادر شدہ کلماتِ بابرکات کی موافقت میں اللہ عزّ وجل نے آیات قرآنی نازل فرمائیں، اس لیے ان کی دعا بے اثر نہ ہوتی مگر وہ خود دعا فرماتے تو یہ افادات نہ حاصل ہوتے اور ممکن ہے قبولیت میں وہ سرعتِ اثر نہ ہوتی جو وہ چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے عم نبی

مکرم کے وسیلے سے دعا فرمائی۔

علاوہ ازیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعد وصال توسّل کے بارے میں حدیث آگے آ رہی ہے۔

② حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ.[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، وہ ابو طالب کا یہ شعر گنگنارہے تھے:

"حضور گورے رنگ والے ہیں، آپ کے روے زیبا کے وسیلے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے،
آپ یتیموں کے سہارا اور بیواؤں کو پناہ دینے والے ہیں"

سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے زیبا کو وسیلہ بنا کر بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا آپ کی ذاتِ شریف سے توسّل ہے تو یہ حدیث ذاتِ نبی سے توسّل کی دلیل ہے۔

③ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ ، أَنَّ رَجُلاً ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ فَقَالَ : أُدْعُ اللهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ : إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ- فَقَالَ: ادْعُهْ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ :

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى ، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.''[2]

ترجمہ: حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ حضور، میرے لیے خداے کریم سے عافیت کی دعا مانگیے، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: اگر چاہو تو ابھی یہ دعا نہ مانگوں اور یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اور اگر چاہو تو ابھی دعا کر دوں؟

---

(۱) صحيح البخاري ، ج: ۱ ،ص:۱۳۷، أبواب الاستسقاء / باب سؤال النّاس الإمام الاستسقاء ، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) سنن ابن ماجه، ص: ۷۹۹، بابُ ما جاء في صلاة الحاجة.

اس نے عرض کیا: حضور! دعا فرمادیجیے۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اچھی طرح وضو کرو، اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو:

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی ﷺ کے وسیلے سے، یا رسولَ اللہ! میں نے آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت کے سلسلے میں اپنے رب کی طرف توجہ کی تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! حضور ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔"

اب اس حدیث کے کلمات پر غور فرمائیے:

(الف) "نابینا صحابی حاضرِ خدمت ہوے اور بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی"

یہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک سے توسُّل ہے تاکہ آپ اُن کی بینائی کے لیے دعا فرمادیں۔

(ب) "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، رحمت والے نبی کے وسیلے سے"

نابینا صحابی نے ان کلمات کے ذریعہ حضور کی ذات کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بناکر خود دعا کی ہے۔

(ج) "یارسول اللہ میں نے آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کی" یہ رسول اللہ ﷺ کو دور سے غائبانہ پکارنا بھی ہے۔ اور آپ کی ذاتِ شریف کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا بھی۔

ان دونوں صورتوں میں سرور کونین ﷺ کی ذاتِ شریف کو نابینا صحابی نے اپنی دعا کی مقبولیت کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ یعنی "ذاتِ نبی" سے توسُّل تینوں صورتوں میں ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی صورت (الف) میں سرکار کی ذات کو وسیلہ بنایا گیا ہے خود سرکار سے دعا کرانے کے لیے۔ اور دوسری اور تیسری (ب وج) صورتوں میں "ذاتِ اقدس کو وسیلہ بنایا گیا ہے اپنی دعا کی قبولیت کے لیے۔

(د) "اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ، اے اللہ میرے حق میں حضور کی سفارش کو قبول فرما۔"

اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنے نابینا صحابی کے لیے سفارش فرمائی تھی، بہ لفظ دیگر دعاے شفا فرمائی تھی، اور یہ حق ہے کیوں کہ نابینا نے حضور سے دعا کی درخواست کی تھی اور سرکار نے یہ درخواست منظور بھی فرمائی تھی اس لیے نابینا صحابی نے اپنی دعا میں اسے ذکر فرمایا:

تو اس کو بنیاد بناکر پوری حدیث کو "توسُّل بالدّعا" پر محمول کرنا بیجا ہے۔ کیوں کہ "ب" اور

"ج" دو صورتوں میں تو اپنی دعا کی قبولیت کے لیے ذات انور کو ضرور وسیلہ بنایا گیا ہے۔ پھر جیسا کہ راقم سطور نے وضاحت سے بیان کیا یہاں "توسُّل بالدّعا" میں بھی ذات نبی سے توسل ہے کہ دعا کرانے کے لیے آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا۔ اب وہابی مجتہدین اپنے مخصوص عقیدے سے اس حدیث پاک کا موازنہ کر کے خود فیصلہ کریں کہ یہ سب کچھ شرک ہے یا اس میں کہیں ایمان کی کچھ رمق بھی ہے؟

یہ حدیث صحیحین میں نہیں ہے لیکن صحیحین کی شرط پر صحیح ہے چناں چہ ● حافظ ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

هذا حديث صحيح على شرط الشَّيخين ولم يخرّ جا.(۱)

ترجمہ: یہ حدیث شیخین (امام بخاری وامام مسلم) کی شرط پر صحیح ہے، اور ان حضرات نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

● امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی "علیٰ شرطِهما" لکھ کر اس کو برقرار رکھا۔

● اور جامع الترمذی میں ہے:

قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسنٌ، صحيح، غريب.(۲)

ترجمہ: امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔

● امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے یہ حدیث تخریج کر کے لکھا:

هذا لفظ حديث العباس، زاد محمد بن يونس في روايته، قال: فقام وقد أبصرَ، وَرَوَ يناهُ في كتاب الدّعوات بإسنادٍ صحيحٍ عن روح بن عبادة، عن شعبة ففعل الرجلُ، فبرأ.(۳)

ترجمہ: محمد بن یونس کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ نابینا دعا کے بعد بینا ہو کر کھڑے ہوئے، ہم نے یہ حدیث کتابُ الدّعوات میں اسناد صحیح سے روح بن عُبادہ سے بروایتِ شعبہ روایت کی

---

(۱) المستدرك مع التلخيص للذهبي، ج:۱، ص:۳۱۳، كتاب صلاةِ التطوع/ دعاءُ ردِّ البصر، دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۱۹۷، أبواب الدّعوات/ باب في انتظار الفرج وغير ذلك، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة/ السفر السادس، ص: ۱۶۶، ۱۶۷/ باب ما في تعليمه الضرير ما كان فيه شفاءه، دار الكتب العلمية، بيروت.

ہے اس کے الفاظ ہیں کہ

"نابینا نے تعلیم نبوی کے مطابق عمل کیا تو شفایاب ہو گئے۔"

● امام منذری فرماتے ہیں:

رواه الترمذي وقال: حديثٌ صحيحٌ، غريبٌ. والنَّسائي وابنُ خزيمة في صحيحهِ والحاكم فقال: صحيحٌ على شرطِ البخاري ومسلم.[1]

☆ اس حدیث میں حاجت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو ندا بھی ہے اور آپ سے توسّل والتجا بھی۔

☆ پھر یہ ندا وتوسّل نابینا صحابی نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، بلکہ حضور سید عالم ﷺ نے انھیں یہ طریقہ تعلیم فرمایا۔

☆ نابینا صحابی نے یہ نماز حضور ﷺ کے سامنے نہ پڑھی، بلکہ مسجد میں جا کر پڑھی، پھر حضور کی بارگاہ میں بینا ہو کر حاضر ہوئے، جیسا کہ آنے والی حدیث (۴) کے الفاظ "ثُمّ إئتِ المسجدَ فصلّ فيه ركعتين" شہادت دیتے ہیں۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ نابینا صحابی نے سرکار کی تعلیم فرمائی ہوئی دعا مسجد میں نماز کے بعد کی، تو بارگاہِ الٰہی میں نابینا کی دعا اور حضور کو ندا اور آپ سے التجا سب آپ کے غائبانہ میں ہوئی اور یہ وہابی مذہب میں شرک ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ شرک کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے؟

(۴) رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد توسّل کا ثبوت:

عَنْ أبي أمامة بن سهل بن حُنَيف عن عمِّهِ عثمان بن حُنَيف -رضي الله تعالى عنه- أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان -رضي الله تعالى عنه- في حاجة، فكان عثمانُ لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته فلقي عثمانَ بن حُنَيف فشكى ذلك إليه، فقال له عثمانُ بن حُنيف: اِئتِ الميضأة فتوضأ، ثم ائتِ المسجد، فصلِ فيه ركعتين، ثم قل:

"اللّٰهُمَّ إني أسألك وأتوجَّه إليكَ بنبيِّنا محمّد صلّى الله عليه وسلَّمَ نبيِّ الرحمة، يا محمدُ، إني أتوجّه بك إلى ربي، فيُقضىٰ لي حاجتي".

---

(۱) ● الترغيب والترهيب، ج:۱،ص: ۳۱۰، كتاب النوافل/ الترغيب في صلاة الحاجة، مكتبة المعارف، الرياض.

● وہابیوں کے امام البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح لکھا ہے (مصدر سابق)

وتذكر حاجتك ورُح إليَّ حتى أروح معك، فانطلق الرجلُ فصنع ما قال له، ثم أتى بَابَ عثمان بن عفان -رضي الله تعالى عنه- فجاء البوَّاب، حتى أخذ بيدِهٖ فأدخله، عثمان بن عفان -رضي الله تعالى عنه- فأجلسه معه على الطنفسة، فقال: حاجتك؟ فذكر حاجته فقضاها له، ثم قال له: ما ذكرت حاجتك، حتى كانت هذه السَّاعة وقال: ما كانت لك من حاجة فَاذكرها،

ثم إن الرجل خرج من عنده فلقي عثمان بنَ حُنيف، فقال له: جزاكَ اللهُ خيرا ما كان ينظر في حاجتي ولا يلتفت إليَّ حتى كلَّمتَه فيَّ.

فقال عثمان بن حُنيف: والله ما كلَّمتُه ولكنّي شهدت رسولَ الله -صلى الله عليه وآله وسلم-، وأتاه رجل ضرير، فشكى إليه ذهابَ بصره، فقال له النَّبيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: أفتصبر فقال: يا رسولَ الله ليس لي قائد وقد شقَّ عليَّ.

فقال له النبي صلى الله عليه وآله وسلم: إئت الميضأة، فتوضأ، ثم صلِّ ركعتين ثم ادعُ بهذه الدعوات.

قال ابنُ حُنيف: فوالله ما تفرَّقنا وطال بنا الحديث، حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط.[1]

ترجمہ: ابوامامہ بن سہل بن حُنیف سے روایت ہے کہ ان کے چچا حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں اپنی کسی ضرورت سے جاتا، آتا رہتا تھا اور حضرت امیر المومنین اس کی طرف نہ توجہ فرماتے، نہ اس کی ضرورت پر نظر فرماتے تو وہ شخص حضرت عثمان بن حُنیف سے ملا اور ان سے اس بات کی شکایت کی۔ تو حضرت عثمان بن حُنیف نے فرمایا کہ وضو خانے پر جاکر وضو کرو، پھر مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یوں عرض کرو:

”اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی۔نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یارسولَ اللہ! بے شک میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔“

---

(١) المعجم الصغير للإمام الطبراني، ص: ١٨٣، ١٨٤، باب الطاء، مَن اسمه الطاهر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اس کے بعد اپنی حاجت ذکر کرو۔ پھر شام کو میرے پاس آنا، تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ اس شخص نے وضو و نماز کے بعد بارگاہِ الٰہی میں دعا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ندا والتجا کی۔ پھر حضرت امیر المومنین کے دروازے پر گیا تو دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں لے گیا، اور آپ نے اسے اپنی مسند پر بٹھا کر پوچھا کہ کیا کام ہے؟ اس شخص نے اپنی حاجت بتائی تو حضرت امیر المومنین نے فوراً اس کی حاجت پوری کر دی، پھر فرمایا، اتنے دنوں میں تم نے اب اپنی حاجت بیان کی، آیندہ تمھیں جب کوئی حاجت پیش آئے تو آکر بتا دینا۔ (حاجت روائی کر دی جائے گی)

وہ آدمی حضرت امیر المومنین کے پاس سے رخصت ہو کر حضرت عثمان بن حُنیف کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاے خیر دے، امیر المومنین میری حاجت پر نظر نہ فرماتے تھے، نہ میری طرف نگہ التفات فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے میرے بارے میں ان سے سفارش فرمائی۔

تو عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، میں نے تو امیر المومنین سے کچھ بھی نہیں کہا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا آپ کے پاس ایک نابینا صحابی آئے اور اپنے نابینا ہونے کی شکایت کی، نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو۔ تو وہ کہنے لگے، حضور، مجھے کوئی راہ بتانے والا نہیں ہے اور یہ میرے لیے شاق ہے۔

تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جاکر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اور یہ دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حُنیف نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، ہم لوگ ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ آدمی ہمارے پاس بینا ہو کر آگیا جیسے اسے کبھی آنکھوں میں تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

یہ حدیث صحیح ہے چناں چہ امام حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی اس حدیث کی متعدّد سندیں ذکر کے لکھتے ہیں:

والحديث صحيح.[1] یہ حدیث صحیح ہے۔

امام حافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری (۵۸۱-۶۵۶) لکھتے ہیں:

"قال الطبراني بعد ذكر طُرُقه: والحديثُ صحيح."[2]

ترجمہ: امام طبرانی نے اس حدیث کے طُرق ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

---

(۱) المصدر السابق.

(۲) الترغيب والترهيب، ج:۱، ص: ۳۱۰، كتاب النوافل/ الترغيب في صلاة الحاجة ودعائها، مكتبة المعارف، الرياض.

امام منذری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ائمہ نقد وتنقیح سے ہیں۔ انھوں نے اس تصحیح کو مسلّم وبرقرار رکھا۔

حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیِ رسول ہیں، بارگاہِ رسالت سے براہ راست تعلیم وتربیت پائی ہے، احادیث نبویہ کے مفاہیم ومقاصد عالیہ پر گہری نظر رکھتے تھے انھوں نے عہد عثمانی کے ایک حاجت مند کو حاجت برآری کے لیے وہی دعا تعلیم فرمائی جو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں ایک نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی۔ اور اس دعا میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لفظ "یا" سے ندا بھی ہے، اور آپ سے "التجا" بھی، اور بارگاہ الٰہی میں آپ کی ذات شریف سے "توسُّل" بھی۔ الغرض وہ چاروں صورتیں یہاں بھی ذاتِ رسالت سے توسل کی پائی جاتی ہیں جو حدیث (۳) میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں۔

فرق یہ ہے کہ حدیث (۳) میں ذات رسالت سے توسل کی چاروں صورتیں حضور کی حیات ظاہری سے متعلق ہیں اور اس حدیث میں توسُّل کی چاروں صورتیں سرکار کے وصال کے بہت بعد پائی گئی ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیِ رسول حضرت عثمان بن حُنیف یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کی حیات ظاہری میں بھی ندا اور التجا وتوسُّل جائز ہے اور بعد وصال بھی۔ اسی لیے تو خلافتِ عثمانی میں انھوں نے ایک حاجت مند کو وہ دعا تعلیم فرمائی۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ توسُّل اس قدر پسند آیا کہ فوراً ان کی دعا قبول فرمالی، اور حضرت عثمان تک ان کی رسائی بھی آسان ہوگئی، اور ان کی حاجت بھی پوری ہوگئی، بلکہ آئندہ کے لیے حاجت روائی کی بشارت بھی مل گئی۔

کیا خیر القرون میں یہ سب شرک کا کاروبار ہو رہا تھا، کیا حضرت عثمان بن حُنیف نے شرک کی تعلیم دی تھی، اور کیا اس بندۂ خدا نے اپنی حاجت کے لیے شرک کا کام کیا تھا، وہ صحابی نہیں، تو تابعی ضرور تھے جو ایک قول پر "وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"(۱) کے اعزاز سے مشرف تھے۔ اس لیے ندا وتوسُّل کو شرک قرار دینا احادیث صحیحہ، سلفِ صالحین کے عمل اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات سے انحراف ہے۔

⑤ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ:۹، الآیۃ:۱۰۰.

النُّكْرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْزَاءِ أَوْسُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ :

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ : انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ، فَاجْعَلُوا مِنْهُ كِوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لاَ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ.

قَالَ : فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ , فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ.(۱)

ترجمہ: حضرت اَوس بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ اہل مدینہ شدید قحط سے دوچار ہو گئے تو انھوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی (تاکہ وہ دعا کریں یا کوئی تدبیر بتائیں)

انھوں نے فرمایا: آپ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور دیکھیں اور اس کی چھت میں آسمان کی طرف متعدّد مقامات پر سوراخ کر دیں تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔

اوس بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ اہل مدینہ نے قبر مبارک کی چھت کھول دی تو خوب بارش ہوئی، زمین پر (ہر طرف) سبزے اگ آئے، اونٹ فربہ ہو گئے اور ان کے بدن پر چربی چڑھ گئی۔ اور (چربی کی کثرت کی وجہ سے) اس سال کا نام ”چربی کا سال“ رکھ دیا گیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ:

(الف) اہل مدینہ نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم پر حضور رحمتِ عالم، محبوبِ ربِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو بارگاہ الٰہی میں ”وسیلے“ کے طور پر پیش کیا اور زبانِ حال سے گویا یہ التجا کر دی کہ پروردگار عالم یہ تیرے پیارے رسول ہیں جنھیں تو نے رحمۃ للعالمین بنایا، ہم انھی کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے اور بارانِ رحمت کے نزول کی امید رکھتے ہیں۔

یہاں نماز، روزہ، حج وغیرہ طاعات وعبادات کے وسیلے سے دعا نہیں کی گی ہے بلکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان سے چھت کا حجاب ہٹا کر یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ الٰہ العالمین ہم بے سہاروں کے پاس تیری بارگاہ تک رسائی کے لیے جو سب سے محبوب اور مقبول ذریعہ ہے وہ مصطفیٰ جانِ رحمت ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب وہ ہیں، ان کی قبر شریف ہے اور تیرا فیضان کرم۔

یہ بلا شبہہ ”ذاتِ شریف“ سے توسّل ہے اور وہ بھی وصال کے بعد۔

---

(۱) مسند الدارمي المعروف بـ سنن الدارمي، ج:۱، ص: ۲۲۷، بابُ ما أكرَمَ الله تعالىٰ نبيه، بعد موته ﷺ ، رقم الحديث: ۹۳.

(ب) محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تشریح کی ہے:

وسبب رفع حجاب میان، قبر شریف وآسمان، آں باشد کہ این طلبِ شفاعت است از قبر شریف زیراکہ در حیات آں حضرت استسقا کردند بذات شریف، وچوں ذاتِ شریف وے در پردہ شد امر کردہ عائشہ کہ کشف کردہ شود قبر شریف تا باراں بیارد، گویا استسقا کردند بقبر، ودر حقیقت استسقا واستشفاع است بذاتِ شریف وے، وکشفِ قبر مبالغہ است درآں۔(۱)

ترجمہ: قبر شریف اور آسمان سے حجاب ہٹانے کا سبب یہ ہے کہ یہ قبر شریف سے طلبِ شفاعت ہے کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اہل مدینہ آپ کی ذات شریف سے بارش کے لیے درخواست کرتے تھے اور جب آپ پردہ فرما گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے قبر شریف کھولنے کا حکم دیا تاکہ بارش ہو تو یہ بظاہر قبر شریف کو بارش کے لیے وسیلہ بنانا ہوا۔ اور حقیقت میں یہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات شریف سے التجا ہے کہ آپ بارگاہ الٰہی میں بارش کے لیے سفارش کردیں، دعا فرمائیں اور قبر انور سے حجاب ہٹانا مبالغہ کے لیے ہے۔

اس تشریح کے مطابق اہل مدینہ نے کشفِ حجاب کر کے ذاتِ اقدس کو وسیلہ بنایا تاکہ آپ بارگاہِ الٰہی میں بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمائیں اور سفارش کریں۔

پہلی تشریح (الف) میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریف دلالتِ حال کے بطور وسیلہ بن رہی ہے نزول رحمت وفیضان کرم کے لیے۔

اور دوسری تشریح (ب) پر ذات شریف کو گویا وسیلہ بنایا گیا ہے بارگاہِ الٰہی میں نزول رحمت کی سفارش ودعا کے لیے۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ سرکار وصال کے بعد دوبارہ زندہ فرما دیے گئے اور آپ کی بارگاہ میں امت کے احوال پیش ہوتے ہیں۔ دوسری توجیہ زیادہ مناسب ہے اور پہلی تشریح بھی بجا ہے۔ اور دونوں ہی صورتوں میں آپ کے وصال کے بعد آپ کی ذات اقدس کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔

اب وہابی حضرات کو اختیار ہے کہ جو تشریح چاہیں پسند فرمائیں ہم تو بس اتنا ہی عرض کرسکتے ہیں کہ آپ اپنا مخصوص عقیدہ قبول حدیث کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں۔

---

(۱) ☆ اشِعَّة اللمعات، ج:٤، ص:٣٢٩، كتاب الفضائل والشمائل/ باب الكرامات/ الفصل الثاني.
☆ لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، ج:٩، ص: ٥١٩، ٥٢٠، كتاب الفضائل والشمائل/ باب الكرامات/ الفصل الثاني، دار النوادر.

اس حدیث پر امام ابن حبان نے اپنی معلومات کی بنا پر کچھ کلام کیا ہے اور بعد میں محدثِ وہابیہ شیخ البانی نے بھی وہی روش اپنائی مگر حق یہ ہے کہ ان کو حقیقت حال کا علم نہ ہوسکا، اور صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کے رجال قوی، قابل حجت ہیں اس کی تحقیق امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے۔ اور فتح المنان شرح دارمی کے انکشافات سے بھی یہ عیاں ہے۔ (١)

---

(١) قوله: ''حدثنا أبو النعمان'':

هو محمدُ بن الفضل السدوسي الملقب بعارم، أحدُ مشايخ الإسلام المتفق على الاحتجاج بهم، وحديثه في الكتب الستة، تقدمت ترجمته في حديث رقم ٢٧.

وأما قول الشيخ الألباني ''بأنه اختلط في آخر عمره، ولا يدرىٰ هل سمع منه الدارمي قبل الاختلاط أو بعده، ثم رده لحديث الباب'' فنلتمس للشيخ العذر ، ونُحسِن به الظن بأنه لم يقف على كلام الدار قطني فيه، ففي ''سؤالات أبي عبد الرحمٰن السلمي للدارقطني'' قال : وقال : عارم أبو النعمان ثقة، وتغير بآخره وما ظهر عنه بعد اختلاطه حديث منكر. اهـ. ولذلك تعقّب الذهبي في الميزان ابن حبان لقوله: ''اختلط في آخر عمره، وتغير حتى كان لا يدري ما يحدث به، فوقع في حديثه المناكير الكثيرة، فيجب التنكب عن حديثه فيما رواه المتأخرون، فإذا لم يعلم هذا من هذا ترك الكل، ولا يحتج بشيء منها.

قال الذهبي متعقباً:

فهذا قول حافظ العصر - يعني الدارقطني - الذي لم يأت بعد النسائي مثله، فأين هذا القولُ من قول ابن حبان الخساف المتهور، ولم يقدر ابن حبان أن يسوق له حديثا منكرا، فأين ما زعم؟!، بل من مفرداته : عن حماد، عن حميد، عن أنس مرفوعا: اتقوا النار ولو بشق تمرة، وقد كان حدث به قبل عن حماد، عن حميد، عن الحسن مرسلا، وهو أصح لأن عفان وغيره رووه عن حماد. اهـ.

قلت: ومن المعلوم أن وجود الأفراد في الثقة لا تخرجه عن هذا الوصف ولا تقدح فيه.

وقال الذهبي في السير بعد أن أورد كلام أبي داود ''أنه اختلط'' قال : فرج عنا الدارقطني في شأن عارم فقال: تغير بآخره، وما ظهر له بعد اختلاطه حديثٌ منكر، وهو ثقة، فانظر إلى قول أمير المؤمنين في الحديث أبي الحسن، فأين هذا من قول ذاك الخساف المتفاصح أبي حاتم ابن حبان في عارم . . . ثم قال :فأين ما زعمت من المناكير الكثيرة؟ ! فلم يذكر منها حديثا. آهـ.

وأما قول الشيخ الألباني: ''ولا يدرى سمع منه الدارمي قبل الاختلاط أو بعده''، يلزمه أن يضعف روايات البخاري في الصحيح، لأن البخاري ليس بأقدم سماعاً من الدارمي - الذي هو في عداد شيوخه - من أبي النعمان.

قوله : ''ثنا سعيد بن زيد'':

هو ابن درهم الأزدي، الجهضمي أخو حماد بن زيد، ممن اختلف فيه، فوثقه ابن معين، وقال الإمام أحمد: ليس به بأس، وقال أبو حاتم والنسائي: ليس بالقوي، لكنه صالح الحديث.

قلت: لكنه مع هذا صالح الحديث إن شاء الله فقد استشهد به البخاري في صحيحه ، وقال

ابن عدي الذي سبر حديثه : له غير ما ذكرت أحاديث حسان ، وليس له متن منكر لا يأتي به غيره، وهو عندي في جملة من ينسب إلى الصدق .اهـ. وأما قول الشيخ الألباني في أحكام التوسل : فيه ضعف، فإنما قصد أنه لا ينزل حديثه عن رتبة الحسن، لأنه قال في الإرواء [٥/ ٣٣٨]: وفي سعيد بن زيد - أخو حماد - كلام لا ينزل به حديثه عن رتبة الحسن إن شاء الله . اهـ، وقد صحح حديثه الحافظ الذهبي في السير [١٠/ ٢٦٩] عقب إيراده حديث عارم، عنه، وهو حديث أبي سعيد الخدري مرفوعا: نهى أن يشرب الرجل وهو قائم، وأن يلتقم فم السقاء فيشرب منه، وجوَّدَ إسناده ابنُ القيم في الفروسية [/ ٢٠]، وتقدم أن الحافظ لم يضعفه في تقريبه، بل قال :صدوق له أوهام، وقد قال هذه العبارة في غير واحد من رجال الصحيحين.

قوله» :''ثنا عمرو بن مالك النكري'':

هو بضم النون المشدّدة، كنيته أبو يحيى، ويقال : أبو مالك البصري، ذكره ابن حبان في الثقات وقال : يعتبر حديثه من غير رواية ابنه عنه وحديث الباب بحمد الله من غير رواية ابنه عنه، ووثقه الذهبي في الميزان، وقال ابن حجر : صدوق له أوهام، ولو قال: صدوق يجتنب من حديثه ما كان من رواية ابنه عنه لكان أولى لقول ابن حبان المتقدم، أما قول الشيخ الألباني في تمام المنة [/ ١٣٨] بعد نقل كلام ابن حبان: وكل هذا يفيد أنه لا يحتج بما انفرد به ، فمعارض بقوله في الإرواء [٥/ ٦٠٨]: وعمرو بن مالك النكري وهو ثقة.

اس سے معلوم ہوا کہ البانی ایک ہی راوی کی توثیق اور تضعیف دونوں کرتے ہیں۔ راوی کی حدیث اگر البانی کے مذہب کے موافق ہے تو توثیق کی اور اگر مخالف ہے تو کسی نہ کسی حیلے سے تضعیف کردی۔ یہ ہے پیشوائے وہابیہ کی شانِ جرح وتعدیل۔

قوله : ''ثنا أبو الجوزاء أوس بن عبد الله'':

الربعي، البصري أحد فقهاء التابعين والعلماء العاملين، ممن خرج على الحجاج لتأخيره الصلاة، يقال: إنه قتل بالجماجم، وثقة أبو حاتم، وأبو زرعة، والعجلي، والجمهور، وحديثه في الكتب الستة، قال الحافظ في التقريب: ثقة يرسل كثيراً.

قلت: حديثه هنا متصل، وما كان عن عمر، وعلي رضي الله عنهما فهو مرسل كما بينه ابن أبي حاتم، عن أبي زرعة.

(فتح المنان شرح كتاب الدارمي، المسمى بـ : المسند الجامع ، ج:١،ص: ٥٦٠، ٥٦١، ٥٦٢، باب ما أكرم الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته، دار البشائر الإسلامية، بيروت.)

وحديث الباب إسناده صالح لما تقدم - بِغَضِّ النظرِ عن كونه يؤيد مذهبا معيناً - وذلك لأني لم أر أحداً ضعفه بحجة، وقد نقل الشيخ الألباني عن الشيخ ابن تيمية في الرد على البكري، قوله: ''ليس بصحيح، ولا يثبت إسناده ، وأنه كذب'' وأنا ممن يحسن الظن بالشيخ الألباني، فأقول: لعله لم يدر أن الشيخ ابن تيمية لم يتكلم على رجال الدارمي ولا تطرق إليهم، بل ولا وقف عليه الشيخ من حديث الدارمي فإنه قال في أول كتابه (ص/ ٢٧): «وأما ما ذكره من أن أهل المدينة شكوا إلى عائشة... '' الحديث قال: ذكر هذا فيما أظن محمد بن الحسن بن زبالة فيما صنفه في أخبار المدينة،

⑥ عَنْ مَالِكِنِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ''يَا رَسُولَ اللهِ، اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا''، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مَسْقِيُّونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ، لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.[1]

ترجمہ: مالکُ الدار – جو حضرت عمر کی جانب سے غلّے کے خازن تھے – روایت کرتے ہیں کہ (ایک بار) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر قحط سالی آئی، تو ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر آیا اور عرض کی: **یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے، کیوں کہ آپ کی امت ہلاکت کے قریب ہے**، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے، پھر اس سے کہا گیا: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے سلام کہو، اور انھیں خبر دو کہ تم پر بارش رحمت نازل ہوگی، اور یہ بھی کہو: سمجھ داری کو لازم پکڑو، سمجھ داری کو لازم پکڑو، وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی۔ تو حضرت عمر رو پڑے پھر کہا: اے میرے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس میں جس سے میں عاجز ہوں۔

یہ حدیث صحیح ہے اور جن صاحب نے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا خواب میں دیدار کیا ہے وہ صحابی رسول بلال بن حارث مزنی ہیں، چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وروىٰ ابنُ أبي شيبة بإسناد صحيح من رواية أبي صالح السّمان عن مالك الدار. وكان خازن عمر ..... وقد روى سيف في الفتوح: أن الذي رأى

وجوابه من وجهين : أحدهما أن هذا محمد بن زبالة ضعيف لا يحتج به، ثم بعد ذلك أبطل الحديث ولم يثبته في [ص/ ٦٧] لكون محمد بن الحسن بن زبالة في إسناده ، فأما لو كان الشيخ تطرق إلى رجال الدارمي، لكان في المسألة كلام آخر، نعم وقد ذكر حديث الباب الحافظ أبو الفرج بن الجوزي في كتابه ''الوفا'' باب: في الاستسقاء بقبره ﷺ، ولم يعلق عليه بشيء وهو الذي تعرف في هذا الفن، والمتشدد في الرواة، ومع ذلك لم يضعفه ولا أدخله موضوعاته .

(فتح المنان شرح كتاب الدارمي، المسمى بـ : المسند الجامع ، ج:١،ص: ٥٦٤، ، دار البشائر الإسلامية، بيروت.) ١٢ منه

(١) مصنَّف ابن أبي شيبة، ج: ١٢، ص: ٣١، ٣٢، كتاب المناقب/ ما ذكر في فضل عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، الدار السلفية.

في المنام المذكور هو بلالُ بن الحارث المزني أحد الصحابة.[1]

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث بہ اسناد صحیح ابو صالح سمان سے اور انھوں نے حضرت عمر کے خازن مالک دار سے روایت کی... اور محدث سیف نے ''الفتوح'' میں روایت کیا کہ خواب میں جس خوش نصیب کو حضور کی زیارت ہوئی تھی وہ آپ کے صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی تھے۔

اس حدیث سے عیاں ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد خلافت فاروقی میں ایک صحابی (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے روضہ انور پر حاضر ہوکر عرض کیا: ''یارسول اللہ، اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے''۔

اس سے دو باتوں کا ثبوت فراہم ہوا:

☆ سرکار کے وصال کے بعد آپ کو یارسول اللہ کہہ کر ندا والتجا۔

☆ بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے آپ سے توسّل۔

روضہ انور پر حاضر ہوکر یہ عرض کرنا کہ:

''یارسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے۔'' یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرانے کے لیے آپ کو وسیلہ بنانا ہے تو یہ بھی ذات نبی سے توسّل ہے۔

فرقہ وہابیہ کے محدث کبیر، شیخ البانی نے اس حدیث پر کئی طرح سے کلام کر کے اسے ساقط الحجت قرار دیا ہے حالاں کہ یہ حدیث واقع میں صحیح اور قابل حجت ہے۔ مسند جامع (مسند دارمی) کے شارح ابو عاصم نبیل بن ہاشم عمری (ولادت: ۱۳۸۰ھ) نے شیخ البانی کے کلام کا جائزہ لے کر حدیث کی صحت پر مناسب گفتگو کی ہے۔ ہم وہ پوری گفتگو یہاں نقل کرتے ہیں، ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔[2]

---

(۱) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج:۲، ص: ۴۹۵، کتاب الاستسقاء، المکتبة السلفية.

(۲) وهذا الحديث أبطله الشيخ الألباني لأسباب، منها: أن مالك الدار غيرُ معروف العدالة والضبط، ومنها: أن ابن أبي حاتم لما ذكره لم يحك فيه توثيقا، ولم يذكر له راوياً غير أبي صالح، ومنها: أن قول الحافظ في الفتح ليس نصاً في تصحيح جميع السند، بل من أبي صالح فقط، ولولا ذلك لما ابتدأ هو الإسناد من عند أبي صالح، ولقال رأساً: عن مالك الدار، قال: ولكنه -أي الحافظ- تعمَّد ذلك ليلفت النظر إلى أن ههنا شيئا ينبغي النظر فيه.

والعلماءُ إنما يفعلون ذلك لأسباب، منها أنهم قد لا يحضرهم ترجمة بعض الرواة، فلايستجيزون لأنفسهم حذف السند كله، لما فيه من إيهام صحته لا سيما عند الاستدلال به، بل يوردون منه ما فيه موضع للنظر فيه، وهذا هو الذي صنعه الحافظُ رحمه الله . اهـ . كلام الشيخ الألباني، والذي قاله مجرد احتمال قدح به في أمانة الحافظ.

فأقول: قوله: ''إن مالك الدار غير معروف العدالة'' فيه نظر، ● فقد ذكره ابن سعد في طبقاته، واسمه مالك بن عياض الدار مولى عمر فقال: انتموا إلى جبلان من حمير ، روى عن أبي بكر الصديق وعمر رحمهما الله ، روى عنه أبو صالح السمان، وكان معروفاً. اهـ. ● وذكره ابن حبان في ثقاته وقال نحو ما قال ابن سعد، ● وذكره خليفةُ ابن خياط في الطبقات في حلفاء بني عدي بن كعب بن لؤي .

وأما قوله:''إن ابن أبي حاتم لما ذكر . . .'' الخ كأن الشيخ لم يدر أن البخاري أيضا ذكره في تاريخه، وأورد أثره، وسكت عنه هو وابن أبي حاتم وهذا توثيق منهما كما مشى عليه الحافظ في ''تعجيل المنفعة'' ومشى عليه الشيخ أيضا في ''الإرواء'' وغيره من كتبه.

وأما قوله : «إن تصحيح الحافظ له ليس نصاً في تصحيح جميع السند، وربما لم يحضره رجال جميع السند . . .'' فأقول: أهل العلم لا يعدون هذا الرد من الحجة في شيء، والمشهور عنهم : أن من حفظ حجةٌ على من لم يحفظ، والذي يقنع في هذا هو الواقع لأنه الحجة ، فإن كان ما ذكره الحافظ لا يوافق الواقع تركنا قوله لمخالفته، وقد بحثنا فوجدنا ابن أبي شيبة قد قال في ''المصنف'' [۱۲/ ۳۱، ۳۲] كتاب الفضائل، باب فضائل أبي بكر الصديق: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن مالك الدار - وكان خازن عمر على الطعام ...'' الحديث، فهذا إسناد على شرط الصحيح غير ''مالك الدار'' وفيه الكلام المتقدم، ومما يدل على صحة الحديث وأنه غير ضعيف قول الإمام البخاري في تاريخه: مالك بن عياض الدار أن عمر قال في قحط: يا رب لا آلوا إلا ما عجزت عنه، قاله علي، عن محمد بن خازم، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن مالك الدار، وسكت عنه ، فلو كان ضعيفا لقال : ولا يصح، أو لعلق عليه بشيء كعادته في ذلك كما علق على حديث أسماء بن الحكم الفزاري لما روى عن علي بن أبي طالب: ''كنت إذا سمعت من رسول الله ﷺ حديثا نفعني به ...'' قال : لم يرو عنه إلا هذا الحديث، وحديث آخر لم يتابع عليه، وقد روى أصحاب النبي بعضهم عن بعض ولم يحلف بعضهم بعضا. اهـ. ومثل هذا في تاريخه كثير، فلما رأينا البخاري سكت عن حديث مالك الدار بعد إيراده له في تاريخه عرفنا أنه صحيح عنده، والله أعلم.

(فتح المنان شرح كتاب الدارمي، المسمى بـ: المسند الجامع لأبي محمد عبد اله بن عبد الرحمن، ج:۱ ،ص: ٥٦٥، ٥٦٦، بابُ ما أكرم الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته، دار البشائر الإسلامية، بيروت.)

اس گفتگو سے یہ امر منقح ہوکر سامنے آجاتا ہے کہ زیر بحث حدیث کے راوی ''مالک دار'' کا نام مالک بن عیاض دار ہے، آپ معروف العدالہ ہیں، امام ابن سعد اور خلیفہ بن خیاط نے ان کا تذکرہ اپنے طبقات میں اور امام ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے۔

یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''التاریخ الکبیر'' میں ان کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کا اثر بھی روایت کیا ہے اور ان کی جرح سے سکوت اختیار کرکے ان کی توثیق فرمائی ہے۔ الغرض یہ حدیث صحیح وقابل حجت ہے۔

⑦ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ : اسْتَسْقَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَامَ الرَّمَادَةِ بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ هَذَا عَمُّ نَبِيِّكَ الْعَبَّاسُ ، نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ فَاسْقِنَا ، فَمَا بَرِحُوا حَتَّى سَقَاهُمُ اللَّهُ ، قَالَ : فَخَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ، فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرَى لِلْعَبَّاسِ مَا يَرَى الْوَلَدُ لِوَالِدِهِ، يُعَظِّمُهُ، وَيُفَخِّمُهُ ، وَيَبَرُّ قَسَمَهُ فَاقْتَدُوا أَيُّهَا النَّاسُ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَمِّهِ الْعَبَّاسِ ، وَاتَّخِذُوهُ وَسِيلَةً إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيمَا نَزَلَ بِكُمْ.(۱)

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رمادہ والے سال (جب زمین تپش سے جل کر راکھ کی طرح ہو گئی تھی) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلے سے بارش کے لیے دعا کی، الفاظ یہ تھے:

”اے اللہ یہ تیرے نبی کے چچا عباس ہیں ہم ان کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتے ہیں تو ہم پر بارش برسا دے۔“

وہ لوگ ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ اللہ نے بارش رحمت برسا دی۔

ابن عمر کا بیان ہے کہ پھر حضرت عمر نے لوگوں کو یہ خطبہ دیا:

اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس کو اسی طرح قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے اولاد اپنے والد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، آپ حضرت عباس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کی قسم پوری کرتے تھے تو اے لوگو! حضور کے چچا عباس کی تعظیم و تکریم میں حضور کی اقتدا کرو اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں اپنے مصائب میں وسیلہ بناؤ۔“

اس حدیث کے الفاظ:

- اسْتَسْقَى عُمَرُ بِالْعَبَّاسِ.(عباس بن عبد المطلب کے وسیلے سے بارش کی دعا کی۔)
- نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ.(ہم عباس کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتے ہیں۔)
- وَاتَّخِذُوهُ وَسِيلَةً إِلَى اللهِ.(عباس کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ۔)

ولی اللہ کی ذات شریف سے توسل کی واضح دلیل ہیں۔

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:۳، ص: ۳۳٤، كتاب معرفة الصحابة/ باب استسقى عمر عام الرمادة بالعباس رضی الله تعالى عنه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وصحّ نحوه من حديثِ أنسٍ فَأمّا داؤد فمتروكٌ.[1]

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی داؤد متروک ہیں اور حدیث انس اس کے ہم معنی ہے جو صحیح ہے۔

ہم نے یہ حدیث یہاں تائید کے طور پر پیش کی ہے۔

⑧ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَبَيْنَا النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- يَخْطُبُ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ الله ''هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا''، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا وَضَعَهَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلىٰ لِحْيَتِهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى. وَقَامَ ذٰلِكَ الأَعْرَابِيُّ، أَوْ قَالَ: غَيْرُهُ— فَقَالَ: يَا رَسُولَ الله: تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا ، وَلاَ عَلَيْنَا. فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلاَّ انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِي ''قَنَاةُ'' شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلاَّ حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.[2]

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں پر قحط پڑا تو جمعہ کے دن جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور عرض کی: **یارسولَ اللہ!** مال تلف ہو گیا اور بچے فاقہ کررہے ہیں تو آپ ہمارے لیے اللہ سے (بارش کی) دعا کیجیے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، اس وقت آسمان میں ایک ٹکڑا بھی بادل کا نظر نہ آتا تھا، مگر قسم اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سمیٹنے بھی نہ پائے تھے کہ بادل پہاڑوں کی طرح چھا گیا، اور ابھی آپ اپنے منبر پر سے اترے بھی نہیں تھے کہ میں نے بارش کا پانی آپ کی داڑھی مبارک پر ٹپکتے ہوئے دیکھا۔ یہ بارش دن بھر ہوتی رہی، پھر دوسرے، تیسرے اور

---

(۱) تلخيص المستدرك للإمام الذهبي،ج:۳،ص: ۳۳٤،دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) صحيح البخاري ، ج: ۱، ص: ۱۲۷، كتاب الجمعة/ باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، مجلس البركات.

✿ الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۲۹٤، كتاب صلاة الاستسقاء، مجلس البركات.

چوتھے دن جاری رہی، یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک برستی رہی۔

تو وہی اَعرابی یا (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) فرمایا کہ (کوئی) دوسرا (آدمی خطبہ کے وقت) پھر کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کی: **یارسولَ اللہ!** (بارش کی کثرت سے) مکان گر گئے اور مال ڈوب گئے، حضور آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیے، تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اور عرض کی:

"اے اللہ! ہمارے آس پاس مینہ برسا اور ہم پر نہ برسا"

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بادل کے جس ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتے وہ ہٹ جاتا اور پورا مدینہ (بادل سے صاف ہو کر) مثل حوض کے ہو گیا اور "قناۃ" نامی نالہ ایک مہینے تک بہتا رہا اور جو شخص بھی کسی طرف سے آتا وہ موسلا دھار بارش کی خبر دیتا۔

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ ایک اعرابی صحابی نے دوبار حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں استغاثہ کرتے ہوئے عرض کیا:

"یَا رَسُولَ اللہ، مال تباہ ہو گیا۔ یَا رَسُولَ اللہ، گھر منہدم ہو گئے، آپ ہمارے لیے دعا فرمائیے۔"

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یَا رَسُولَ اللہ! کہنا اور آپ کی ذات کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔ دعا تو وہ صحابی بھی کر سکتے تھے مگر حضور کے پاس گئے تاکہ آپ کی ذاتِ شریف کو بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے وسیلہ بنائیں۔

یہاں وسیلہ ذاتِ رسالت کو ہی بنایا گیا ہے اور دعا کی درخواست بھی حضور سے ہی کی گئی ہے۔ اگر یہ امور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعدِ وصال شرک ہوتے تو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے اپنی حیات ظاہری میں ہی فوراً منع فرما دیتے کہ جو چیز شرک ہوتی ہے وہ کبھی معاف نہیں ہوتی، نہ حیات میں، نہ بعد وفات۔ اس لیے یہاں حیات ظاہری کے ساتھ جواز کو خاص کرنا بے معنی ہے۔ قرآن حکیم میں مطلقاً فرمایا گیا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ [1]

اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور اس سے چھوٹے گناہوں کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ٤٨.

احادیث سے ندا کا ثبوت:

حضور سید عالم ﷺ کو آپ کی حیات ظاہری میں یا رسول اللہ یا اس کے ہم معنی لفظ سے پکارنے کے شواہد صحیحین میں بے شمار ہیں اور آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کو پکارنے کے شواہد صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بہت ہیں، ہم یہاں چند کا انتخاب پیش کرتے ہیں:

⑨ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابنِ مَسْعُوْدٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلاَةِ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلّم-: السَّلاَمُ عَلَى اللهِ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ. فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ -صَلَى الله تعالى عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ. فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَقُلِ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ''السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ'' السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.

فَإِذَا قَالَهَا: أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ.

أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ.''[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو کہتے: ''السَّلاَمُ عَلَى اللهِ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ'' اللہ پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو۔ تو ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: اللہ تو خود سلام ہے، جب تم میں سے کوئی نماز کے ''قعدہ'' میں بیٹھے تو کہے:

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ	اللہ کے لیے ساری تحیات، نمازیں اور
''السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ	پاکیزہ کلمے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام ہو،
اللهِ وَبَرَكَاتُهُ''. السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى	اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ ہم
عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.	پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔

نمازی جب یہ کلمہ (السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.) کہے گا تو زمین و آسمان کے ہر صالح بندے کو سلام پہنچ جائے گا۔ (اس کے بعد یہ پڑھے)

---

(۱) ❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۷۳، كتاب الصلاة/ باب التشهد في الصلاة. مجلس البركات.
❀ صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۱۵، كتاب الاذان/ باب التشهد في الصلاة، مجلس البركات.
❀ سنن أبي داؤد، ص: ۱۳۹، كتاب الصلاة/ باب التشهد.

أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پھر جو دعا چاہے اختیار کرے۔

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ہے، اور دوسری کتب صحاح میں بھی محدثین نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔ اور اس پر چاروں ائمۂ مذاہب اور ان کے مقلدین، نیز سلف و خلف کا عمل رہا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق یہ تشہُّد خاص نماز ہی میں پڑھا جاتا ہے، جس میں حضور سید الانبیا ﷺ کی بارگاہ میں سلام بھیجنے کے یہ کلمات وارد ہیں: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ. سلام ہو آپ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔

پھر یہ تشہد پڑھنے کا حکم حضور اقدس ﷺ کی حیات ظاہری میں بھی تھا اور آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اس لیے اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو "أَيُّهَا النَّبِيُّ" اور "يا نبي" کہہ کر پکارنا مطلقاً جائز ہے۔ نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی، آپ کی حیاتِ ظاہری میں بھی، اور بعد میں بھی۔

یہیں سے "يا رسولَ الله" اور "يا نبيَّ الله" کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ ندا شرک ہوتی تو حضور اقدس ﷺ ہرگز ہرگز اس کی تعلیم نہ دیتے، نہ امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ وہابی اس کو شرک قرار دیتے ہیں جو یقیناً صحیحین سے کھلا ہوا انحراف ہے۔

(۱۰) عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ، -رَضِيَ اللهُ عَنْهَا- زَوْجَ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلَّمَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: أَقْبَلَ أَبُوبَكْرٍ -رَضِيَ الله عَنْهُ- عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكَنِهِ "بِالسُّنْحِ" حَتَّى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صلّى الله عليه وسلَّمَ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللهِ! لَا يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.[1]

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۲۷، كتاب الجمعة/ باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، مجلس البركات

ترجمہ: ابن شہاب زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ نے بتایا کہ حضرت عائشہ زوجۂ نبی کریم ﷺ نے انھیں بتایا، کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد) اپنی جائے سکونت مقامِ "سنح" سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے تو مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے گفتگو نہ کی، اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے، پھر نبی ﷺ کی زیارت کے قصد سے حاضرِ بارگاہ ہوئے۔ آپ کو یمنی چادر اوڑھائی گئی تھی، آپ کے چہرے سے چادر اٹھائی پھر آپ پر جھکے اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا پھر روئے اور عرض کیا: **اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔** اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا، جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آچکی۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رحمت عالم ﷺ کے وصال اقدس کے بعد "یا نبیَّ اللہ کہہ کر آپ کو خطاب کیا جس سے بعد وصال "یا رسولَ اللہ، یا نبیَّ اللہ" کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ "قریب سے پکارنا جائز ہے اور بعید سے پکارنا شرک ہے" محض بیجا بات ہے "شرک" کبھی اور کسی حال میں معاف ومباح نہیں ہے اس لیے قریب وبعید دور ونزدیک سب کا حکم یکساں ہوگا۔ قریب سے پکارنا شرک نہیں تو دور سے پکارنا بھی شرک نہ ہوگا۔

رجال غیب سے استمداد ونِدا:

رجالِ غیب نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں مگر اللہ کے اذن سے وہ پکارنے والوں کی پکار سنتے اور ان کی مدد کرتے ہیں احادیث نبویہ سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ہم یہاں اپنے سنی بھائیوں کے لیے دو حدیثیں نقل کرتے ہیں:

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بن مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللهِ، احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ للهِ فِي الأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

(۱) ❀ المعجم الكبير للطبراني، ج: ۱۰، ص: ۲۶۷، رقم الحديث: ۱۰۵۱۸، قاهره
❀ مسند أبي يعلى، ج: ۹، ص: ۱۷۷، رقم حديث: ۵۲۶۹، دار المامون للتراث، بيروت.

فرمایا: صحرا میں جب تم میں سے کسی کا جانور بھاگ جائے تو وہ پکارے: اے اللہ کے بندو! اسے میرے لیے روکو۔ اے اللہ کے بندو! اسے میرے لیے روکو۔ کیوں کہ زمین میں اللہ کا کوئی بندہ حاضر ہوتا ہے، جو اُسے تمھارے لیے جلد روک لے گا۔

⑫ عَنْ عُتْبَةَ بن غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لا نَرَاهُمْ، وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز کھو جائے، یا وہ کوئی مدد چاہے اور وہ ایسی سرزمین میں ہو جہاں کوئی انیس وغم خوار نہ ہو تو وہ یوں پکارے: ”اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو“ کیوں کہ (وہاں) اللہ کے کچھ ایسے بندے (موجود ہوتے) ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھ پاتے۔ (عتبہ کہتے ہیں کہ) اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

ان احادیث کریمہ سے یہ امور واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں:

☆ انبیاے کرام اور صالحین عظام کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے، خواہ اپنی دعا میں انھیں وسیلہ بنایا جائے یا ان کو وسیلہ بنا کر ان سے دعا کرائی جائے۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ کو دور ونزدیک سے، حیات ظاہری میں اور وصال کے بعد یا رسولَ اللہ کہنا یا اس کے ہم معنی لفظ سے پکارنا جائز ہے۔

☆ یہ برابر سلف وخلف کا معمول رہا ہے آج بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا۔

☆ اولیاء اللہ کو غائبانہ پکارنا جائز ہے اور ان سے استغاثہ بھی شرعاً مندوب ہے۔

الغرض ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل سنت وجماعت ”توسُّل اور نداے یارسول اللہ“ کے جواز کا موقف اختیار کر کے منہاج شریعت سے ذرہ برابر بھی منحرف نہیں ہوئے، بلکہ وہی پورے طور پر منہاج شریعت پر قائم ہیں۔ اور جو لوگ ”توسُّل اور نداے یارسول اللہ“ کو ناجائز اور شرک بتاتے ہیں وہ یقیناً منہاج شریعت سے منحرف ہو چکے ہیں۔ وہابی غیر مقلدین کا یہی حال ہے۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، ج: ۷، ص: ۴۸، رقم الحديث: ۱۳۷۳۷، دارُ الكتب العلمية، بيروت.

دسواں مسئلہ

تصرفاتِ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام

کتاب و سنت کی روشنی میں

قادر مطلق جلّ وعلا نے اپنے محبوب و مُقرب بندوں - اَنبیا، اَولیا، شُہدا - کو بہت کچھ تصرفات کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ مثلاً:

- بیماروں کو شفا دینا
- نابینا کو بینائیِ چشم عطا کرنا
- فریاد کرنے والوں کی امداد کرنا
- مشکلات سے دوچار مجبوروں کی دستگیری کرنا
- فتح و شکست دینا
- مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ، وغیرہ۔

مگر فرقۂ وہابیہ قادر مطلق کے اذن و عطا سے بھی انبیا و اولیا کے لیے اس طرح کے تصرفات ماننے کو شرک کہتا ہے۔

دلائلِ اہلِ سنت

قرآن حکیم کی کثیر آیات اور بے شمار احادیثِ نبویہ سے انبیا و اولیا کے لیے بِاِذن اللہ عالم میں تصرفات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف چند آیات اور احادیث کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، پھر

واضح کریں گے کہ فرقۂ وہابیہ ان آیات و احادیث سے اعراض کرتا ہے۔

کتاب اللہ سے تصرفات کا ثبوت:

﴿۱﴾ اللہ عزّوجلّ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے خصوصی انعامات یاد دلاتے ہوئے ان کے تصرفات کا ذکر فرماتا ہے، ارشاد ہے:

وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْۚ(۱)

ترجمہ: اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا، پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مُردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلاۃ و السلام اللہ تعالیٰ کے اِذن سے

- مٹی کی مورت کو اپنی پھونک سے زندہ پرندہ بنا دیتے۔
- مادر زاد نابینا کو بینائیِ چشم عطا فرما دیتے۔
- سفید داغ والے کو شفایاب فرما دیتے۔
- مُردوں کو زندہ کر دیتے۔

یہ بلا شبہہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلاۃ و السلام کے عظیم معجزات ہیں جو یقیناً ان کے عظیم تصرفات سے بھی ہیں۔

﴿۲﴾ بلکہ خود **حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے ان تصرفات کا ذکر کیا ہے،**

چناں چہ سورۂ آلِ عمران میں ہے:

”اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ، : ۵، الأیۃ: ۱۱۰.

فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿ۚ۴۹﴾"(۱)

ترجمہ: (حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا:) میں تمھارے پاس ایک نشانی لایا ہوں (جو میرے نبی ہونے کی دلیل ہے) تمھارے رب کی طرف سے کہ ● میں تمھارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے ● اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو ● اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے ● اور تمھیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو ● اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

③ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو تصرفات عطا ہوئے، ان کا ذکر ان آیات میں ہے۔

ارشاد ہے:

وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ یُسَبِّحۡنَ وَ الطَّیۡرَ ؕ وَ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۹﴾ (۲)

ترجمہ: اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مُسخّر فرما دیے کہ تسبیح کرتے اور پرندے (مُسخّر فرما دیے) اور یہ ہمارے کام تھے۔

④ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَ الطَّیۡرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ﴿ۙ۱۰﴾ (۳)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو۔ اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا۔

⑤ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ﴿ۙ۱۸﴾ وَ الطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَ شَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾ (۴)

ترجمہ: اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو، بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔ بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ مُسخّر فرما دیے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے۔ اور پرندے جمع کیے ہوئے، سب اس کے فرماں بردار تھے، اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران، :۳، الآیۃ: ۴۹.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأنبیاء، : ۲۱، الآیۃ: ۷۹

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ سبا: ۳۴، الآیۃ: ۱۰

(۴) القرآن الحکیم، سورۃ صٓ، : ۳۸، الآیات: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰.

اور قول فیصل دیا۔

ان آیات سے استشہاد یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد-علیٰ نبیّنا و علیه الصلاۃ و السلام- کے لیے

- پہاڑوں کو مُسخَّر کر دیا۔
- اور پرندوں کو بھی مسخر فرمایا۔
- اور لوہے کو نرم فرمایا۔
- اور آپ کو مضبوط سلطنت عطا فرمائی۔

یہ عالَم کون میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھلے ہوئے تصرفات ہیں جو خداے قادر و توانا نے آپ کو عطا فرمائے۔

خداے قدیر نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز میں اتنی زبردست تاثیر ودیعت فرمادی تھی کہ آپ کی تسبیح سن کر پہاڑ اور پرندے بھی بلند آواز سے تسبیح شروع کر دیتے، اور آپ کے ہاتھ میں خداے قادر و توانا نے وہ حرارتِ اثردی تھی کہ لوہا دستِ اقدس میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تو یہ اللہ کی عطا سے آپ کی آواز اور ہاتھ کا تصرف ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جیسے وہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل بتاتا ہے:

"وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ (۱)

اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ". (۲)

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت کی طرف سے جو تصرفات عطا ہوئے، ان کا ذکر قرآن پاک اس طرح کرتا ہے:

وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ؕ وَ کُنَّا بِکُلِّ شَیْءٍ

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأنفال: ۸، الآیة: ۱۷.
ترجمہ: اے محبوب، وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (کنزالایمان) ۱۲ منہ

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأنفال: ۸، الآیة: ۲۴.
ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمھیں اُس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔ (کنزالایمان) ۱۲ منہ

عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾ (۱)

ترجمہ: اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مُسخّر کر دی کہ اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور شیطانوں میں سے وہ جو اس کے لیے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے اور ہم انھیں روکے ہوئے تھے۔

⑦ وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ (۲)

ترجمہ: اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی، اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ، اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو ان میں ہمارے حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔

⑧ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ (۳)

ترجمہ: (حضرت سلیمان نے) عرض کیا اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو، بے شک تو ہی ہے بڑی دین والا۔ تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کر دی کہ اس کے حکم سے نرم، نرم چلتی جہاں وہ چاہتا۔ اور دیو بس میں کر دیے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔

یہ آیات حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے ان تصرفات کی شاہد ہیں:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأنبیاء: ۲۱، الأیات: ۸۱، ۸۲.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ سبا: ۳٤، الأیات: ۱۲، ۱۳.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ ص: ۳۸، الأیات: ۳۵، ۳٦، ۳۷، ۳۸.

- ہوا آپ کے کنٹرول میں ہے جو آپ کے حکم سے مہینوں کے راستے چند ساعتوں میں طے کرتی ہے۔
- جن اور شیاطین آپ کے تابعِ فرمان ہیں، جو آپ کے حکم کے مطابق طرح طرح کے محل بناتے اور دوسرے مشکل کام انجام دیتے ہیں۔
- اور ان میں جو شریر وفتنہ پرور ہیں ان کے پاوں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا ہے۔

(۹) حضرت یوسف علیہ السلام کے جو واقعات قرآن مقدس نے بیان کیے ہیں ان میں ایک چشم کشا واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَ اْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ[1]

ترجمہ: میرا یہ کرتا لے جاؤ، اور اسے میرے والد کے منھ پر ڈال دو، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لے آؤ، جب (ان کے بھائیوں کا یہ) قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو یہاں (کنعان میں) ان کے والد نے کہا، بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ (بہک) گیا ہے۔ بیٹے بولے، خدا کی قسم، آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں، پھر جب خوشی سنانے والا آیا، اس نے وہ کُرتا یعقوب کے منھ پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی آنکھیں واپس آگئیں (روشن ہوگئیں)۔

ان آیات سے مجموعی طور پر یہ امور معلوم ہوئے:

- حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد حضرت سیدنا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں (فراقِ یوسف) میں جا چکی تھیں۔
- حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی تھی کہ میرا کُرتا والد ماجد کے چہرے پر ڈال دیا جائے تو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔
- اور ہوا بھی یہی کہ وہ کُرتا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر پڑتے ہی فوراً آپ کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ یوسف: ۱۲، الآیات: ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶.

نابینا آنکھوں کو اپنے کرتے کے ذریعے بینا و روشن کر دینا بلا شبہہ عظیم تصرف ہے۔

⑩ ایک عالمِ کتاب نے تختِ بلقیس حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے دربار میں کیسے حیرت انگیز طریقے سے حاضر کیا، اس کا تذکرہ ان آیات میں ہے:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۫(۱)

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے، اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو، ایک بڑا خبیث جن بولا کہ وہ تخت میں حضور کی بارگاہ میں حاضر کر دوں گا، اس سے پہلے کہ حضور اجلاس برخاست کریں، اور بے شک میں قوت والا، امانت دار ہوں۔ (اور) ”جس کے پاس کتاب کا علم تھا“ اس نے عرض کی کہ میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ پھر جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بلقیس شہر سبا کی ملکہ تھی اور اس کا تخت طول میں اَسّی گز، عرض میں چالیس گز، سونے، چاندی کا بنا ہوا، جواہرات سے مرصَّع تھا۔ شہر سَبا سے روانگی کے وقت اس نے اپنا تخت سات محلوں میں سے سب سے پچھلے محل میں محفوظ کر کے تمام دروازے مقفل کر دیے تھے اور ان پر پہرہ دار بھی مقرر کر دیے۔ (ماخوذ از خزائن العرفان)

غرض یہ کہ ”عالمِ کتاب“ نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ایسے عظیم اور محفوظ تخت کو طویل مسافت کے باوجود پلک جھپکنے سے پہلے بارگاہ سلیمانی میں حاضر کر دیا جو بلا شبہہ اللہ عزوجل کی عطا سے ایک حیرت انگیز تصرف ہے، ایک ”عالمِ کتاب“ مقرب بارگاہِ خداوندی ہو جائے تو اسے تصرف کی ایسی طاقت دی جاتی ہے تو انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان تو بہت ہی اَرفع و اعلیٰ ہے۔

⑪ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ایک تصرف کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے:

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ۲۷، الأیات: ۳۸، ۳۹، ۴۰.

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ[(۱)]

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو، فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہ نکلے، (اور) ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

ڈنڈا مار کر پتھر جیسی سخت اور ٹھوس چیز سے پانی جیسے رقیق کے بارہ چشمے بہا دینا بلا شبہہ ایک عظیم تصرف ہے جو ایک پیغمبر جلیل الشان کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ ہاں یہ بھی ایک حقیقت واقعہ ہے کہ یہ سب کچھ باذن اللہ ہوا، اور الحمد للہ ہم اہل حق انبیا و اولیا کے لیے اِذنِ الٰہی سے ہی تصرفات کے قائل ہیں۔

سُنیوں کی تشفی کے لیے ایک تفسیری وضاحت:

تفاسیر میں ہے:

جب بنی اسرائیل نے سفر میں پانی نہ پایا، شدت پیاس کی شکایت کی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، آپ کے پاس ایک مربَّع پتھر تھا، جب پانی کی ضرورت ہوتی آپ اس پر عصا مارتے (اور) اس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے اور یہ سب سیراب ہو جاتے، یہ بڑا معجزہ ہے۔

لیکن سیّد الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انگشت مبارک سے چشمے جاری فرما کر جماعت کثیرہ کو سیراب فرمانا اس سے بہت اعظم و اعلیٰ ہے کہ عضو انسانی سے چشمے جاری ہونا پتھر کی نسبت زیادہ تعجب خیز ہے۔[(۲)]

⑫ فرشتوں کے تصرفات کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے:

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾[(۳)]

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۶۰.

(۲) ● لباب التأويل في معاني التنزيل المسمى بـ تفسير الخازن، ج:۱، ص:۴۸، ۴۸، تحت الآية: "وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ"، دار الكتب العلمية، بيروت.

● مدارك التنزيل وحقائق التأويل المعروف بـ تفسير النسفي، ج:۱، ص:۵۰، تحت الآية: "وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ"، أبناء مولوى محمد بن غلام رسول السُورتي، مومبائی.

● خزائن العرفان حاشية كنز الإيمان.

(۳) القرآن الحكيم، سورة النّٰزعٰت: ۷۹، الأيات: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵.

ترجمہ: قسم ان فرشتوں کی کہ سختی سے جان کھینچیں، اور ان کی جو نرمی سے بند کھولیں، اور ان کی جو آسانی سے پیریں، پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں، پھر کام کی تدبیر کریں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اِذن سے روحیں بھی قبض کرتے ہیں، اور دنیا کے تمام امور کی تدبیر بھی فرماتے ہیں۔

احادیث سے تصرفات کا ثبوت:

اس باب میں احادیث نبویہ کثرت سے وارد ہیں اور وہ بھی مختلف انواع کی ہیں، مثلاً: • سیّد کائنات ﷺ کی انگشت مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہونا • آپ کے کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت کا ظہور • درختوں کی اطاعت وشہادت • استن حنانہ کا دست شفقت کے اثر سے سکون وقرار پانا • آپ کی ہتھیلی میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا • درخت اور پہاڑ کا سلام عرض کرنا • گوہ، بھیڑیا، اور ہرن کا آپ کی رسالت کی خبر وشہادت دینا • نابینا کو بینائی چشم عطا کرنا • ٹوٹے ہوئے عضو اور نکلی ہوئی آنکھ کو بغیر کسی آپریشن کے دستِ رحمت سے ٹھیک کر دینا۔ • قابل رشک قوتِ حافظہ عطا کرنا • زبان سے نکلی ہوئی باتوں کا تیر بہ ہدف ہونا • زمین اور زمین کے خزانوں کا مالک ومختار ہونا • چاند شق کرنا • اور ڈوبا ہوا سورج لوٹا دینا • جنت عطا فرمانا • شکست خوردہ لشکر کو فتح یاب کرنا۔

اور اس طرح کے کثیر معجزات وتصرفات جو احادیث میں وارد ہیں، ہم اس مختصر میں سب کا احاطہ نہیں کر سکتے اس لیے صرف چند معجزات وتصرفات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) عَنْ سَلِمَةَ بنِ الأكْوَعِ ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حُنَيْنًا ... فَوَلّىٰ صَحَابَةُ رسول الله صلّى الله عليه وسلَّمَ، ... فَلَمَّا غَشُوا رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ **ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِنَ الأَرْضِ** ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهِ وُجُوهَهُمْ فَقَالَ: شَاهَتِ الْوُجُوهُ. فَمَا خَلَقَ اللهُ مِنْهُمْ إِنْسَانًا إِلاَّ مَلأَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ.[1]

حضرت سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ ہم نے جنگ حنین میں حضور سرورِ عالم ﷺ کی

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص:۱۰۱، كتابُ الجهاد والسِّير/ باب غزوة حُنين، مجلس البركات، مبارك فور.

معیت میں جہاد کیا۔ صورت ایسی پیش آئی کہ اصحاب کے قدم اکھڑ گئے جب مشرکین نے حضور اقدس ﷺ کو ہجوم کر کے گھیر لیا، آپ اپنی سواری سے اتر آئے اور زمین سے ایک مشت خاک لے کر ان کے منہ پر ماردی، اور فرمایا: "چہرے بگڑ جائیں" شاهتِ الوجوه۔ ان میں سے ہر ہر فرد کی دونوں آنکھوں میں مٹی بھر گئی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ نے لشکر اَعدا کو ایک مشت خاک کے ذریعہ شکست دی اور مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ یہ بلا شبہہ خداے پاک کی دی ہوئی قوت سے کائنات میں عظیم تصرف ہے۔

(۲) رسول اللہ نے دستِ مبارک پھیر کر ٹوٹی ہوئی پنڈلی درست فرمادی:

صحابیِ رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چند جوانوں پر مشتمل ایک دستہ حضرت عبد اللہ بن عتیک کی کمان میں ابو رافع یہودی کے پاس بھیجا جو رسول اللہ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا، مختصر یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عتیک ابو رافع یہودی کے محل کے زینے سے اتر رہے تھے کہ گر پڑے اور پنڈلی ٹوٹ گئی، اب آگے کی روداد انھیں کے الفاظ میں سنیے، فرماتے ہیں:

فَعَصَّبْتُهَا بِعِمَامَةٍ، ... فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي ... فَانْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: «ابْسُطْ رِجْلَكَ» فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا، فَكَأَنَّهَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ.[1]

ترجمہ: میں اس کو عمامہ سے باندھ کر اپنے اصحاب کی طرف چلا، پھر حضور اقدس کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا، حضور نے فرمایا: پاوں دراز کرو، میں نے دراز کیا، حضور نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیا تو پاوں ایسا ٹھیک ہو گیا جیسے کبھی اس میں کوئی شکایت و تکلیف تھی ہی نہیں۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے دست مبارک پھیر کر ٹوٹی پنڈلی ٹھیک کر دی۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۵۷۷، كتاب المغازي/ باب: ... أبي رافع عبد الله بن أبي الحقيق، مجلس البركات، مبارك فور.

③ زمین کے خزانوں کی چابیاں رسول اللہ کے اختیار میں:

عن عقبة بن عامر أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- خرج يومًا، فصلّىٰ على أهل أُحُد صلاتَه على الميت ثم انصرف إلى المنبر فقال: إنّي فرط لكم و أنا شهيد عليكم و إني والله لأنظر إلى حوضي الآن، و إنّي قد أعطيتُ مفاتيحَ خزائنِ الأرض أو مفاتيحَ الأرض و إنّي والله ما أخاف عليكم أن تُشركوا بعدي و لكنّي أخاف عليكم أن تتنافَسُوا فيها.(۱)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز مدینہ شریف سے نکلے اور آسودگانِ اُحُد کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر منبر پر آئے اور فرمایا میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچا رہوں گا اور میں تمھاری گواہی دوں گا اور بے شک میں اِس وقت بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئیں، اور بے شک مجھے خدا کی قسم یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم لوگ دنیا میں رغبت کرو گے۔

④ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلَّمَ - : «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الكَلِمِ، وَنُصِرتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَأَنْتُمْ تَنْتَثِلُونَهَا ».(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جوامعَ الکلم (معانی کثیرہ کے جامع اور ممکن حد تک مختصر کلمات) کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور خوف و رُعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی، میں نے دیکھا کہ میرے پاس زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور وہ سب میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔ ابو ہُریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۲۵۰، كتاب الفضائل/ باب إثباتِ حوضِ نبينا صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ و صفاته، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۹۹، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، مجلس البركات.

گئے اور تم لوگ وہ خزانے اور فتوحات نکال رہے ہو۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضور سید عالم ﷺ کے دست اقدس میں ہیں تو آپ کو ان خزانوں میں تصرف کا اختیار بھی ہے۔ کیوں کہ خزانوں کی کنجیاں اسی لیے عطا کی جاتی ہیں کہ ان میں تصرف کیا جائے۔ خود مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ لکھتے ہیں:

"جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے، قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے، جب چاہے تو کھولے، جب چاہے نہ کھولے۔" (۱)

بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق ممالک فتح ہوئے اور خزانے بھی خوب ملے اور مسلمانوں کی حکومت دنیا کے بڑے حصے پر قائم ہوگئی۔

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ . . . "واعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ . . . فاعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں تھے، اسی درمیان نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور یہود سے فرمایا: یقین جانو کہ زمین کے مالک اللہ و رسول ہیں ۔۔۔ پھر یقین جانو کہ زمین کے مالک اللہ و رسول ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ مالک زمین ہیں۔ ہاں اس حدیث کا سبب نزول خاص ہے مگر اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کی ملکیت جزیرۃ العرب کی زمینوں کے ساتھ خاص نہ ہوگی، بلکہ عام رہے گی۔

⑥ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّمَ- قَالَ: مَنْ يَّضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. (۳)

---

(۱) تقوية الإيمان، ص: ۸، الفصل الثاني في رد الإشراك في العلم، راشد کمپنی، دیو بند.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۴۴۹، كتاب الجهاد/ بابُ إخراج اليهود، مجلس البركات.

(۳) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۵۹، كتاب الرقاق/ بابُ حفظِ اللسان، مجلس البركات.

ترجمہ: جو مجھے اپنی زبان و شرمگاہ کی ضمانت دے (کہ وہ ان سے میری نافرمانی نہ کرے گا) میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ اللہ عزوجل کی عطا سے جنت کے مالک ہیں، یا کم از کم اس میں تصرف کے لیے ماذون و مختار۔

⑦ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب اسلمی کو جنت عطا فرمائی:

حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ كَعْبٍ الأَسْلَمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَأَتِيْهِ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: « سَلْ ». فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: «أَوَغَيْرَ ذَلِكَ ؟». قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ « فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ ».[1]

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، ایک شب میں نے وضو کا پانی اور دوسری ضروریات — مسواک، کنگھی، کپڑا وغیرہ — خدمتِ اقدس میں حاضر کیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "سَلْ" [مانگ لو] میں نے عرض کی کہ "میں جنت میں حضور کی رفاقت مانگتا ہوں (کہ جنت میں حضور کے ساتھ رہوں)۔ حضور ﷺ نے پوچھا: کچھ اور؟ میں نے عرض کی: میرا مقصود یہی ہے۔ حضور نے فرمایا: تب کثرتِ سجود کے ذریعہ میری اعانت کرو۔

زبان رسالت سے نکلا ہوا لفظ "سَلْ" [مانگ لو] مطلق ہے، کیا مانگو، کتنا مانگو، دنیا کی نعمتیں مانگو، یا آخرت کی نعمتیں مانگو، کسی چیز کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے اس لیے اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی جو چیز اور جو نعمت چاہو مانگ لو، اور جتنی اور جیسی چاہو مانگ لو، سب عطا ہو گا۔

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مطلق کا اطلاق یہی چاہتا ہے، علمائے امت نے بھی یہیں سمجھا اور یہی صراحت فرمائی۔ چناں

---

(۱) صحيح البخاري ، ج: ۱، ص: ۱۹۳، كتاب الصلاة/ باب فضلِ السجود والحثّ عليه، مجلس البركات، مبارك فور.

چہ فاضل اجل حضرت علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباري شرحِ مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

وَيُؤْخَذُ مِنْ إِطْلَاقِهِ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- الْأَمْرَ بِالسُّؤَالِ أَنَّ اللهَ تَعَالىٰ مَكَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ.(۱)

ترجمہ: حضور سید عالم ﷺ نے "مانگنے کا حکم مطلق" دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قدرت بخشی ہے کہ حق جلّ وعلا کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمادیں۔

شیخ شیوخِ علماء الہند، شیخ محقق حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکاۃ میں فرماتے ہیں:

از اطلاقِ سوال کہ فرمود "بخواہ" تخصیص نہ کرد بہ مطلوبے خاص، معلوم می شود کہ کار ہمہ بہ دست ہمت وکرامت اوست ﷺ۔ ہر چہ خواہد، ہر کرا خواہد بہ اذنِ پروردگارِ خود بدہد۔(۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ربیعہ سے مطلقا فرمایا: "سَل" [مانگ لے] کسی مخصوص چیز یا نعمت سے "مانگنے" کو خاص نہ فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے کام حضور سید عالم ﷺ کے دست کرامت میں ہیں جو کچھ چاہیں اور جس کے لیے چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے دیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ:

☆ دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں، تمام مرادیں حضور سید کونین ﷺ کے اختیار میں ہیں، اور آپ ہر طرح کی حاجت پوری فرماسکتے ہیں۔

☆ یہاں تک کہ آپ جنت بھی عطا فرسکتے ہیں اور اپنی جنت میں کسی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیں تو رکھ بھی سکتے ہیں، اسی لیے آپ نے حضرت ربیعہ بن کعب کی درخواست منظور فرمالی۔

تو یہ کائنات میں باذنِ اللہ نبی کریم ﷺ کا اپنے قصد واختیار سے تصرف ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج:۲، ص: ۵۶۷، كتابُ الصلاة/ باب السُّجود وفضله، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) أشعّة اللمعات شرح مشكاة، ج: ۱، ص:۴۲۵، كتاب الصلاة/ بابُ السجود وفضله، مكتبه حبيبيه پاكستان.

چاند پر تصرف کی احادیث:

کائنات عالم میں حضور سید عالم ﷺ کے تصرف واقتدار کا بیّن ثبوت معجزۂ شق القمر ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کی "سورۃ القمر" میں ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ [1]

ترجمہ: قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا اور اگر (مشرکین مکہ) کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو چلا آتا ہے۔

صِحاح کی احادیث کثیرہ میں اس معجزے کا بیان ہے ہم یہاں ان میں سے چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

(۸) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءً بَيْنَهُمَا. [2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ انھیں کوئی معجزہ دکھائیں، تو آپ نے انھیں چاند کے دو ٹکڑے (کر) دکھائے، انھوں نے حرا پہاڑ کو چاند کے ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

دونوں ٹکڑوں کے درمیان سرور کائنات ﷺ نے اتنا زیادہ فاصلہ اس لیے کر دیا تاکہ کسی کو بعد میں فریب نظر کا شبہہ نہ واقع ہو اور اس کا ضمیر پوری طرح مطمئن ہو کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوتِ خداداد سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے، پھر مشرکین کے ایمان کا اور مومنین کے مزید ایقان واذعان کا سبب بنے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة القمر: ٥٤، الأيات: ١، ٢.

(۲) ❀ صحيح البخاري، ج:١، ص:٥٤٦، كتاب بنيان الكعبة/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:٢، ص:٣٧٣، كتاب صفاتِ المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

⑨ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- شِقَّتَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- اشْهَدُوا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں (اعجاز نبوت سے) چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگ گواہ ہو جاؤ۔"

گواہ بنانے کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ شقِّ قمر کا یہ معجزہ رات میں ظاہر ہوا تھا جب لوگ عموماً سو رہے ہوتے ہیں، اور بیدار رہنے والے بھی سب باہر نہیں ہوتے، اور باہر رہنے والے بھی سب کے سب آسمان کی طرف برابر نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے اس لیے دیکھنے والوں کو چاہیے کہ اچھی طرح دیکھ کر گواہ بن جائیں تاکہ بعد میں دوسرے لوگوں کو اس معجزے کی قرار واقعی خبر دے سکیں اور وہ ان کے ایمان کا، یا ایمان میں جلا و استحکام کا سبب بنے۔

⑩ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُونَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلّى الله عليه وسلّم: اشْهَدُوا.(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ چاند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں (آپ کے اعجاز سے) دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر، اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ ہو جاؤ۔

یہ آسمان پر حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعجاز و تصرف کی عظیم نشانی تھی اس لیے آپ نے حکم

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص:۵۱۳، كتاب المناقب/ باب سوال المشركين أن يُريهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم آية فأراهم انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ الصحيح لمسلم،ج:۲،ص:۳۷۳،كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ❀ صحيح البخاري، ج:۲،ص:۷۲۱،كتاب التفسير/ باب "وانشق القمر وإن يرد أية يعرضوا"، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ الصحيح لمسلم،ج:۲،ص:۳۷۳،كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

دیا کہ تم لوگ اس کے گواہ ہو جاؤ۔

یا یہ مطلب ہے کہ تم نے دلیل نبوت کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ دلیل نبوت کا ظہور شہادتِ نبوت کا مقتضی ہے چناں چہ بارہا ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے کے ظہور کے وقت خود بھی اپنی رسالت کی شہادت کا اعلان فرمایا، صحیحین میں ایسی متعدّد احادیث ہیں۔

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَصَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ لَنَا: اشْهَدُوا اشْهَدُوا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ چاند پھٹ گیا اور ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو حضور ﷺ نے ہم سے فرمایا: تم لوگ (میرے اس تصرف کے) گواہ بن جاؤ، تم لوگ (میرے اس تصرف کے) گواہ بن جاؤ۔

معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے اس لیے مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے معجزے کا مطالبہ کیا، اور آپ نے اپنی قدرت وتصرف کا حیرت انگیز مظاہرہ فرماتے ہوئے آسمان پر جگمگانے والے چاند کے ہی دو ٹکڑے کر دیے۔ اور نہ صرف یہ کہ دو ٹکڑے کیے، بلکہ ہر ٹکڑے کو الگ الگ اتنا دور کر دیا کہ ”حرا“ پہاڑ ان دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں آ گیا۔ یہ آسمان پر تصرف نبوی کی واضح دلیل ہے۔

انشقاق قمر سے متعلق شارح بخاری(۲) کی نفیس تحقیق

نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح بخاری میں احادیثِ شقِ قمر پر اچھی اور جامع بحث کی ہے ہم یہاں افادۂ عام کے لیے اسے نقل کرتے ہیں:

”انشقاق القمر کی حدیث امام بخاری نے تین صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیهم

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۲، ص:۷۲۱، كتاب التفسير/ باب ”وانشقّ القمرُ وإن يروا آية يعرضوا“، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲، ص:۳۷۳، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر.

(۲) شارح بخاری: نائب مفتی اعظم ہند، فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابق صدر دار الافتاء وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

أجمعین سے روایت کی ہے: **ایک** حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ **دوسرے** حضرت انس بن مالک۔ **تیسرے** حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان میں سے اخیر کے دو صاحبان اس وقت موجود نہیں تھے۔ حضرت انس مدینہ طیبہ میں تھے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس بعثت نبوی کے ساتویں سال پیدا ہوئے۔ (اکمال)

تو بظاہر ان دونوں حضرات سے روایت مروی ہوئی پھر بھی اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس پر محدثین کا اتفاق ہے کہ صحابی کی مرسل حدیث متصل کے حکم میں ہے، اس لیے کہ صحابی نے یا تو اسے کسی صحابی سے سن کر روایت کیا ہے یا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر۔

رہ گئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ اس وقت موجود تھے جیسا کہ مناقب اور تفسیر کی روایات میں تصریح ہے۔

بیہقی نے دلائل میں انھی سے روایت کی ہے کہ میں نے چاند کے ایک ٹکڑے کو اس پہاڑ پر دیکھا ہے جو منیٰ میں تھا اور ہم مکہ میں تھے۔ اس روایت سے مناقب کی ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں ہوا تھا، اور چاند کا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا جو منیٰ میں تھا۔ مکہ معظمہ سے حرا اور منیٰ دونوں پورب جانب ہیں۔ اس لیے یہ روایت اس کے بھی معارض نہیں کہ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے بیچ دیکھا۔

ان صحابہ کرام کے علاوہ **حضرت عبد اللہ بن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ معجزہ مروی ہے۔ نیز **حضرت جبیر بن مطعم** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو پارہ ہوا، یہاں تک کہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک اس پہاڑ پر اور دوسرا اس پہاڑ پر۔ تو مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جادو کر دیا ہے۔ ان کے بعض نے بعض سے کہا اگر انھوں نے جادو کر دیا ہے تو استطاعت رکھتے ہیں کہ سب لوگوں پر جادو کر دیں۔

علاوہ ازیں **حضرت علی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چاند دو ٹکڑے ہوا اور ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ **حضرت حذیفہ بن یمان** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس کے مثل مروی ہے۔ یہ کل سات صحابہ کرام ہوئے۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب:

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر چاند کا دو ٹکڑے ہونا صحیح ہوتا تو ایسی عجیب و غریب بات لوگوں سے چھپی نہیں رہتی اور یہ بطریق تواتر منقول ہوتا، نیز اہل نجوم اور تاریخ والے اسے جانتے اور اپنی کتابوں میں اسے ذکر کرتے۔

جواب یہ ہے کہ:

- یہ واقعہ رات میں ہوا، اُس وقت لوگ گھروں میں ہوتے ہیں اور سوئے رہتے ہیں۔
- پھر یہ واقعہ ایک آن کے لیے ہوا تھا۔ اسے وہی شخص دیکھ سکتا تھا جو اس وقت چاند پر نظر رکھتا ہو عام طور پر لوگ رات کو جاگتے بھی ہیں تو اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، کون ہے جو آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہتا ہے۔ چاند میں گہن لگتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ معمولی اور تھوڑی دیر رہتا ہے تو اس کو چند ہی لوگ دیکھ پاتے ہیں۔
- علامہ عینی نے نقل فرمایا ہے کہ مکہ والوں نے کہا کہ یہ ابن ابو کبشہ (یعنی سیّدنا محمد رسول اللّٰہ ﷺ) کا جادو ہے۔ سفر کرنے والوں سے پوچھو اگر انھوں نے دیکھا ہو تو سچ ہے، ورنہ جادو ہے۔

جو لوگ سفر میں گئے تھے جب واپس آئے، تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے چاند دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہاں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظّمہ میں ہوا، اسے صرف وہی لوگ دیکھ سکتے تھے جو مکہ معظمہ کے آس پاس اُن حدود میں تھے جو مکہ میں چاند کو دیکھ سکیں۔ رہ گئے دور دراز کے لوگ تو وہ اختلاف مطالع کی بنا پر مکہ کے افق پر چمکنے والے چاند کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ بھلا کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اور شبہہ کا جواب:

قاضی بیضاوی نے فلاسفہ کی تقلید جامد میں آیت کریمہ ”اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ۝“[1] کی تفسیر میں کہا: ”ينشق عند مجيء القيامة“ یعنی قیامت آنے پر شق ہوگا۔

---

(١) القرآن الحكيم، سورة القمر: ٥٤، الآية: ١.

اسے علمانے کئی طرح سے رد کیا ہے:

اولاً: انشق ماضی کا صیغہ ہے، اور نصوص کے ظاہر سے عدول بلا دلیل جائز نہیں۔

ثانیاً: ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ'' اس کی دلیل ہے کہ یہ اعجاز قیامت قائم ہونے سے پہلے ہوگا۔

ثالثاً: آگے فرمایا گیا: ''وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ [1] اگر یہ لوگ آیت دیکھتے ہیں تو اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ رہنے والا جادو ہے۔''

ظاہر ہے کہ قیامت کے دن کفار اس قسم کی بات نہیں کہیں گے۔ اس دن تو ان پر حق واضح ہو جائے گا۔

رابعاً: اسے نشانی فرمایا گیا۔ اور نشانی کی ضرورت اسی دنیا میں ہے۔ قیامت کے روز کوئی نشانی طلب کرنے والا نہیں رہے گا۔ [2]

پانی میں تصرف کی احادیث

⑫ عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِإِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لأَنَسٍ: كَمْ كُنْتُمْ قَالَ: ثَلاَثَ مِأَةٍ ، أَوْ زُهَاءَ ثَلاَثِ مِأَةٍ. [3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک برتن پیش کیا گیا، اس وقت آپ مقام زوراء پر تھے، آپ نے اپنا دست اقدس اس برتن میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے لگا، جس سے صحابہ نے وضو کیا۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة القمر: ٥٤، الآية: ٢.

(۲) نزهة القاري شرح صحيح البخاري، ج:۷،ص:۷۷، ۷۸، كتاب المناقب/ بابُ انشقاق القمر، رضوی کتاب گھر، دهلی.

(۳) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص:٥٠٤، كتاب المناقب/ باب علاماتِ النُّبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:٢٤٦، كتاب الفضائل/ باب تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

راوی حدیث حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کتنے تھے؟ توانھوں نے بتایا کہ تین سو تھے یا اس کے قریب۔

(۱۳) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَحَانَتْ صَلاَةُ الْعَصْرِ فَالْتُمِسَ الْوَضُوءُ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ بِوَضُوءٍ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ يَدَهُ فِي ذَٰلِكَ الإِنَاءِ فَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتَّى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِم.[۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور پانی تلاش کرنے پر بھی دست یاب نہ ہو سکا آخر کار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا برتن لا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دست مبارک رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں، میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے ابل رہا ہے تو لوگ وضو کرنے لگے یہاں تک کہ سب نے وضو کر لیا۔

(۱۴) حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِي بَعْضِ مَخَارِجِهِ وَمَعَهُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَانْطَلَقُوا يَسِيرُونَ، فَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً يَتَوَضَّؤُونَ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ يَسِيرٍ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَدَّ أَصَابِعَهُ الأَرْبَعَ عَلَى الْقَدَحِ ثُمَّ قَالَ: قُومُوا فَتَوَضَّؤُوا، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ حَتَّى بَلَغُوا فِيمَا يُرِيدُونَ مِنَ الْوُضُوءِ. وَكَانُوا سَبْعِينَ ، أَوْ نَحْوَهُ.[۲]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص:۵۰۴، كتابُ المناقب/ بابُ علاماتِ النّبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۲۴۵، كتابُ الفضائل/ بابُ تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص:۵۰۴، ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۲۴۵، كتابُ الفضائل/ بابُ تفضيلِ نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے، آپ کے ہمراہ آپ کے اصحاب بھی تھے، دورانِ سفر نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا جس سے وضو کرتے۔

ایک صحابی ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لے کر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس سے وضو فرمایا، پھر چاروں انگلیاں اس پیالے پر دراز فرمادیں اور صحابہ سے فرمایا: اٹھو، وضو کرو۔ تو لوگ وضو کرنے لگے، یہاں تک کہ سب کے سب وضو سے فارغ ہو گئے اور یہ حضرات ستر یا اس کے قریب تھے۔

⑮ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: حَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَوَضَّأُ. وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ فَوَضَعَ كَفَّهُ فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ فَضَمَّ أَصَابِعَهُ فَوَضَعَهَا فِي الْمِخْضَبِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ جَمِيعًا قُلْتُ: كَمْ كَانُوا، قَالَ: ثَمَانُونَ رَجُلاً.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نماز کا وقت آگیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد سے قریب تھا وہ گھر چلے گئے، اور باقی لوگ رہ گئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پتھر کا ایک برتن لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا، آپ نے اس میں اپنی ہتھیلی رکھی تو برتن کے چھوٹا ہونے کے باعث ہتھیلی اس میں پھیل نہ سکی، اس لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگلیاں سمیٹ کر برتن میں رکھیں تو (پانی اس کثرت سے اُبلنے لگا کہ) سارے لوگوں نے اس سے وضو کرلیا۔

حضرت حمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ یہ لوگ کتنے تھے؟ فرمایا کہ اسّی (۸۰) لوگ تھے۔

⑯ عَنِ الْبَرَاءِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ : كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِاْئَةٍ.

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۵، كتاب المناقب/ بابُ علاماتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۲۴۵، كتاب الفضائل/ بابُ تفضيلِ نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا حَتَّى لَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً فَجَلَسَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- عَلَى شَفِيرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا حَتَّى رَوِينَا وَرَوِيَتْ ، -أَوْ صَدَرَتْ - رَكَائِبُنَا.(۱)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مقام حُدَیبیہ میں قیام کے زمانے میں ہم لوگ چودہ سو افراد تھے، حُدَیبیہ ایک کنواں ہے، اس کا سارا پانی ہم لوگوں نے نکال لیا، اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے اور پانی مانگا، پھر اس پانی سے کُلی فرما کر اسے کنویں کے اندر ڈال دیا، ہم لوگ کچھ دیر رکے رہے پھر پانی نکال کر پینے لگے یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور ہماری سواریاں بھی پانی پی کر آسودہ ہو گئیں۔

(۱۷) عَنْ عَلقَمةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ : كُنَّا نَعُدُّ الآيَاتِ بَرَكَةً وَأَنْتُم تَعُدُّونَهَا تَخْوِيفًا كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِي سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ: اطْلُبُوا فَضْلَةً مِنْ مَاءٍ فَجَاؤُوا بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَلِيلٌ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ ثُمَّ قَالَ: ''حَيَّ عَلَى الطَّهُورِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ'' فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے تلمیذ حضرت علقمہ تابعی کو خطاب کر کے) فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول نشانیوں کو برکت شمار کرتے تھے اور تم (گروہ تابعین) ان نشانیوں کو (مشرکین کو) ڈرانے کا واقعہ سمجھتے ہو۔

ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور پانی کی کمی ہو گئی، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کچھ بچا ہوا پانی تلاش کرو، تو صحابہ کرام ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا تو آپ نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال کر فرمایا: ''آجاؤ پاک کرنے والے، برکت والے پانی کے پاس، اور برکت اللہ کی

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علاماتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علاماتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

طرف سے ہے۔" میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا ہے۔ اور جس وقت کھانا کھایا جاتا ہم لوگ کھانے سے سبحان اللہ کی آواز سنتے۔

⑱ صحابیِ رسول حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار فقہاے صحابہ میں ہوتا ہے، فتح خیبر کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے، متعدّد غزوات میں شریک ہوئے، آپ حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ انکشاف فرماتے ہیں کہ ایک صحابی جُنبی ہو گئے جو پانی کے فقدان کی وجہ سے غسل نہ کر سکے اور دوسرے صحابہ پیاسے رہ گئے۔

اب اس کے بعد کا واقعہ انھی صحابیِ رسول کے الفاظ میں سنیے:

فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ، فَدَعَا فُلاَنًا - كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ، نَسِيَهُ عَوْفٌ - وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ: اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ ، أَوْ سَطِيحَتَيْنِ - مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا، فَقَالاَ لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ، قَالَتْ: عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوفًا. قَالاَ لَهَا: انْطَلِقِي إِذًا، قَالَتْ: إِلَى أَيْنَ. قَالاَ: إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَتْ: الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ، قَالاَ: هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ فَانْطَلِقِي، فَجَاءَا بِهَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ قَالَ: فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ ، أَوِ السَّطِيحَتَيْنِ - وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوا وَاسْتَقُوا فَسَقَى مَنْ سَقَىٰ (مَن شَاءَ) وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ ، وَكَانَ آخِرَ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، قَالَ: اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: اجْمَعُوا لَهَا، فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ حَتَّى جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوهَا فِي ثَوْبٍ وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا. قَالَ لَهَا: تَعْلَمِينَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا وَلَكِنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا. فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ قَالُوا مَا حَبَسَكِ يَا فُلاَنَةُ قَالَتْ: الْعَجَبُ لَقِيَنِي رَجُلاَنِ فَذَهَبَا بِي إِلَى هَذَا الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللّٰهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هَذِهِ وَهَذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى

وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ - تَعْنِي السَّمَاءَ وَالأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ حَقًّا. . . فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا: مَا أُرَى أَنَّ هَؤُلاَءِ الْقَوْمَ يَدَعُونَكُمْ عَمَدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الإِسْلاَمِ، فَأَطَاعُوهَا فَدَخَلُوا فِي الإِسْلاَمِ.(۱)

ترجمہ: لوگوں نے حضور سے پیاس کی شکایت کی۔ تو حضور وہیں پڑاؤ کے لیے ٹھہر گئے اور "فلاں" کو بلایا، ابو رجاء ان کا نام لیتے تھے مگر عوف بھول گئے اور علی کو بھی بلایا اور فرمایا تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔

یہ دونوں چلے تو انھیں ایک عورت ملی جو پانی سے بھری ہوئی دو پکھالوں یا بڑے مشکیزوں کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ ان حضرات نے اس عورت سے پوچھا: پانی کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے پاس کل اسی وقت تھی اور ہمارے مرد پیچھے رہ گئے۔ ان دونوں نے اس سے کہا، ایسا ہے تو چل، اس نے پوچھا: کہاں۔ دونوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں۔ اس نے کہا: وہی جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نے کہا: ہاں وہی جنھیں تو سمجھتی ہے انھی کے پاس چل۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسے لائے اور واقعہ بیان کیا۔

راوی کا بیان ہے، اسے اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی کریم ﷺ نے برتن منگایا اور اس میں دونوں پکھالوں یا مشکیزوں کے دہانے سے کچھ پانی انڈیلا اور ان کے منہ باندھ دیے۔ اور اس کے نیچے کا تنگ منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ پانی خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ۔ تو جس کو پینا تھا پیا اور جس نے چاہا جانوروں کو پلایا۔ اور سب کے آخر میں ایک برتن پانی اسے دیا جسے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور فرمایا جاؤ اسے اپنے اوپر ڈال لو (نہالو)۔ اور وہ عورت کھڑی وہ سب دیکھتی رہی جو اس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ اور خدا کی قسم جب ان مشکیزوں سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت زیادہ بھرے ہیں بہ نسبت اس وقت کے جب ان سے پانی لینا شروع کیا گیا تھا۔

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۴۹، كتاب التيمم / باب الصعيدُ الطّيّبُ وَضُوءُ المسلم يكفيه مِنَ الماءِ، مجلس البركات، مبارك فور.

● -و ص: ۵۰۴، كتاب المناقب / بابُ عَلَامَاتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

● -والصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۴۰، كتابُ الصّلاة / بابُ قضاء الصّلاة الفائتة، مجلس البركات، مبارك فور.

اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے لیے کچھ جمع کرو تو لوگوں نے اس کے لیے عجوہ، آٹا، ستو کھانے کے سامان اکٹھا کر دیا اور ایک کپڑے میں باندھ دیا اور اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا اور کھانے کا کپڑا اس کے آگے رکھ دیا۔ اب حضور نے اس سے فرمایا: ہم نے تیرے پانی سے کچھ کم نہ کیا۔ ہاں اللہ ہی وہ ہے جس نے ہمیں پانی پلا دیا۔

اس کے بعد عورت اپنے گھر والوں کے پاس گئی چوں کہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تھی تو گھر والوں نے پوچھا اے فلانہ تجھے کس چیز نے روکا۔ اس نے کہا تعجب انگیز بات ہے مجھے دو شخص ملے اور مجھے ان کی خدمت میں لے گئے جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔ تو انھوں نے ایسا ایسا کیا۔ خدا کی قسم وہ شخص اس کے اور اس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے۔ اور اس نے اپنی بیچلی اور کلمے کی انگلیوں سے اشارہ کیا، ان دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا، اس کی مراد زمین اور آسمان تھی۔ یا وہ یقیناً اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اس عورت نے ایک دن اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تم کو بالقصد چھوڑ دیتے ہیں تو کیا اب تمھیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہے؟ قوم نے اس کی بات مان لی اور سب اسلام میں داخل ہو گئے۔

مسلم میں ففرّغ کی جگہ فمَجَّ في العزلاوَين العُلْيَاوَين ہے۔ اور بیہقی وطبرانی میں ہے: فمضمض في الماء وأعاده في أفواه المزادتين. پانی میں کلی کر کے مشکیزوں کے منہ میں ڈال دیا اس کی برکت سے پانی سب نے پیا، جانوروں کو پلایا مگر کم نہ ہوا۔

اس حدیث میں صابی کا لفظ آیا ہے اس کے بارے میں امام بخاری بتا رہے ہیں کہ اس کے معنی "ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے" کے ہیں۔ عرب کے جاہل حضور اقدس ﷺ کو "صابی" اس بنا پر کہتے تھے کہ حضور نے قریش کے مذہب کے بجائے دین ابراہیمی اختیار فرمایا تھا۔[1]

اس حدیث میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ ان صحابیہ بی بی نے حالت کفر میں، حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس میں کوئی گستاخی نہیں کی، بلکہ ادب کا لحاظ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تو یہ کہا: "وہ جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔" خود انھوں نے صابی نہیں کہا۔ اس کا فائدہ ان کو یہ ملا کہ ایمان

---

(۱) نزہۃ القاری، معمولی ترمیم کے ساتھ۔

نصیب ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی اگر محبوبان بارگاہ کا ادب کرتا ہے تو اسے فائدہ پہنچتا ہے۔
یہ حدیث پانی میں سرور کائنات ﷺ کے تصرف اور معجزے کی واضح دلیل ہے۔

(۱۹) عَنْ جَابِرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ- قال: عطِش الناسُ يوم الحُدَيبية و رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- بين يديه ركوةٌ فتوضّأ منها، ثم أقبل الناسُ نحوَه فقال رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: مالكم؟ قالوا يا رسولَ الله! ليس عندنا ماء نتوضّأ به و لا نشرب إلّا ما في ركوتك، قال:
فَوَضَعَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ، فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُورُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ الْعُيُونِ. قَالَ: فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا.
فَقُلْتُ لِجَابِرٍ: كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا، كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً.[۱]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (صلحِ حدیبیہ کے موقع پر) اپنا دست اقدس چھاگل (چمڑے کا پانی کا برتن) میں ڈالا تو انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی جوش مارنے لگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے اس چشمہ سے پانی پیا اور وضو کیا، حضرت جابر سے دریافت کیا گیا کہ آپ حضرات کتنے تھے؟ فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو سب کو کفایت کرتا، ہم پندرہ سو تھے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام کے لیے بڑی مشکل گھڑی تھی کہ سب پیاسے تھے اور وہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا، مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے مختصر سے پانی میں اپنی انگشت ہائے مبارک رکھ کر اسے دریائے رحمت بنا دیا، جس سے پورا مجمع سیراب ہوا۔ اور پانی کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ حضرات ایک لاکھ بھی ہوتے تو سیراب ہو جاتے۔ اسی کی ترجمانی کی ہے ایک عاشقِ رسول نے ؂

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ، واہ

یہ یقیناً بہت بڑی مشکل کشائی اور بہت بڑا تصرف ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۵۹۸، كتاب المغازي/ بابُ غزوة الحُدَيبية، مجلس البركات، مبارك فور.

کھانے میں تصرف کی حدیث

(۲۰) عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ: لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ، فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ قَالَتْ: نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِي وَلَاثَتْنِي بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: فَذَهَبْتُ بِهِ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ، فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ: فَقُلْتُ: نَعَمْ قَالَ: بِطَعَامٍ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- لِمَنْ مَعَهُ: قُومُوا، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ، فَأَتَتْ بِذَلِكَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: فِيهِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ.

ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا.

ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا.

ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا.

ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا.

وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ، أَوْ ثَمَانُونَ - رَجُلًا.[1]

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۱۷۹، كتاب الأشربة/ باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاهٔ بذلك واستحباب الاجتماع على الطّعام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۲۰۳، ۲۰۴، أبواب المناقب/ باب ما جاء في آياتِ نبوة النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- وما قد خصَّه الله به، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت اسحاق بن عبد اللہ بن ابو طلحہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت انس بن مالک سے یہ فرماتے سنا کہ حضرت ابو طلحہ نے (اپنی زوجہ، یعنی حضرت انس کی والدہ) امِ سُلیم سے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور بھوکے ہیں۔ توکیا تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے عرض کی، ہاں ہے۔ پھر انھوں نے جَو کی کچھ روٹیاں نکالیں اور ایک چادر کے ایک حصے میں اسے لپیٹ کر میرے ہاتھ کے نیچے رکھ دیا اور چادر کا دوسرا حصہ مجھے اڑھاکر رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں وہ کھانا لے کر گیا، رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب تھے تو میں انھیں کے پاس کھڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تجھے ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: چلو (ابو طلحہ کے گھر) پھر حضور چل پڑے اور میں نے حضور سے پہلے جاکر حضرت ابو طلحہ کو خبر دی کہ حضور اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ تو حضرت ابو طلحہ نے اپنی زوجہ سے کہا: اے اُمِ سُلیم! رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ غریب خانے پر تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس ان کی ضیافت کے لیے کوئی چیز نہیں تو انھوں نے فرمایا اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں (کہ اس میں کیا مصلحت ہے)۔

پھر ابو طلحہ رسول اللہ ﷺ کے خیر مقدم کے لیے نکل پڑے اور آگے بڑھ کر سرکار سے ملاقات کی، پھر حضور کے ہمراہ اپنے گھر آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے (حضرت انس کی والدہ سے) فرمایا: اے اُمِ سُلیم! تیرے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہو لاؤ، تو انھوں نے وہی روٹیاں پیش کر دیں۔ پھر سرکار کے حکم سے ان روٹیوں کے ٹکڑے کیے گئے اور اُمِ سُلیم گھی لائیں جو سالن کی جگہ کام آیا۔ پھر اللہ عزوجل نے جو کچھ چاہا رسول اللہ ﷺ نے اس کھانے پر پڑھا، اور (ابو طلحہ سے) کہا کہ:

- دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔ انھوں نے اجازت دی تو دس آدمیوں نے آکر وہ کھانا کھایا اور آسودہ ہو گئے۔ یہ لوگ باہر گئے،
- تو سرکار نے فرمایا کہ دس آدمیوں کو اور گھر میں بلا لو تو دس آدمی اور آئے اور وہ بھی تناول فرما

کر شکم سیر ہو گئے۔ یہ لوگ باہر نکلے،

● تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دس کو اور بلا لو، تو دس اور بلاے گئے یہ حضرات بھی اسی کھانے میں سے لے لے کر کھانے لگے یہاں تک کہ آسودہ ہو گئے۔ یہ لوگ باہر نکلے،

● تو حضور نے فرمایا دس اصحاب کو اور اندر آنے کی اجازت دو، انھیں اجازت ملی، وہ آئے اور کھانے لگے یہاں تک کہ آسودہ ہو گئے، اس طرح باری باری سارے لوگوں نے آکر کھانا تناول کیا اور سب کے سب آسودہ ہوتے گئے، یہ لوگ ستر یا اسّی مرد تھے۔

حضرت اُم سُلیم نے سرکار کے لیے جَو کی چند روٹیاں چھپا کر بھیجی تھیں تاکہ آپ اسے تناول فرمالیں اور قوت بحال ہو جائے مگر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت نے اپنے صحابہ کو چھوڑ کر تنہا کھانا پسند نہ فرمایا اور دعوت عام کردی۔

چند روٹیوں کے ٹکڑے اور گھی پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا، پھر باذن اللہ اس میں ایسی برکت ہوئی کہ اسّی کے قریب لوگوں نے اسے تناول فرمایا اور آسودہ ہو گئے۔

یہ بلا شبہہ عالم کون میں حضور نبی مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصرف و اعجاز ہے۔

پھل میں تصرف کی حدیث

(۲۱) حَدَّثَنِي جَابِرٌ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ - صلّى الله عليه وسلّمَ- فَقُلْتُ: إِنَّ أَبِي تَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا وَلَيْسَ عِنْدِي إِلاَّ مَا يُخْرِجُ نَخْلُهُ، وَلاَ يَبْلُغُ مَا يُخْرِجُ سِنِينَ مَا عَلَيْهِ فَانْطَلِقْ مَعِي لِكَيْ لاَ يُفْحِشَ عَلَيَّ الْغُرَمَاءُ فَمَشَى حَوْلَ بَيْدَرٍ مِنْ بَيَادِرِ التَّمْرِ فَدَعَا ثُمَّ آخَرَ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ فَقَالَ: انْزِعُوهُ فَأَوْفَاهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَبَقِيَ مِثْلُ مَا أَعْطَاهُمْ.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد فوت ہو گئے اور ان کے ذمہ لوگوں کا قرض تھا تو میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے والد اپنے ذمے لوگوں کا

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۵، ۵۰۶، كتاب المناقب / باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

قرض چھوڑ کر فوت ہو گئے اور میرے پاس جو آمدنی ہے وہ بس کھجور کے باغ کی پیداوار ہے جو کئی سالوں میں بھی ان کے قرض کی مقدار تک نہیں پہنچ سکتی، تو حضور میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ قرض خواہ میرے ساتھ سخت کلامی نہ کریں،

حضور ﷺ (تشریف لے گئے اور) کھجور کے ایک ڈھیر کے ارد گرد چل کر دعا فرمائی، پھر دوسرے ڈھیر کے گرد چل کر دعا کی اور اس پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا، کھجور ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دو تو اس سے تمام قرض خواہوں کے قرض ادا ہو گئے اور مالِ قرض کی مقدار کھجور بچ بھی گئی۔

قرض اتنا زیادہ تھا کہ باغ کی کئی سال کی پیداوار بھی اس کی ادائگی کے لیے ناکافی تھی مگر رحمۃٌ لّلعالمین ﷺ نے ڈھیر پر تشریف فرما ہو کر آسمان سے برکتوں کے نزول کا رشتہ اس سے جوڑ دیا اب وہ خیر و برکت کا روز افزوں سمندر تھا جس سے کتنا بھی نکالو کوئی کمی نہ واقع ہو، بلکہ اور اضافہ ہوتا چلا جائے۔ سالہا سال کی پیداوار کی مقدار نکل جانے کے بعد بھی اتنا بچ رہا جو برسہا برس کی پیداوار سے حاصل ہوتا۔ یہ کھجوروں میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصرف کی روشن دلیل ہے، آپ نے ڈھیروں کے چاروں طرف پہلے گردش فرمائی تاکہ برکت اس حصار کے اندر رہے، باہر فضاؤں میں بکھر نہ جائے۔

لکڑی کی بے قرار شاخ کو قرار عطا فرمانا

(۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- كَانَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ إِلَيْهِ فَحَنَّ الْجِذْعُ فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ.[۱]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کھجور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، جب منبر بن گیا تو سرکار ستون کو چھوڑ کر منبر پر (خطبہ دینے کے لیے) تشریف لے گئے اس کے باعث وہ ستون رونے لگا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لائے اور اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (تو وہ چپ ہو گیا)۔

(۲۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- أَنَّ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۶، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

وسلَّمَ- كَانَ يَقُومُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى شَجَرَةٍ ، أَوْ نَخْلَةٍ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ، أَوْ رَجُلٌ - يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَجْعَلُ لَكَ مِنْبَرًا، قَالَ: إِنْ شِئْتُمْ، فَجَعَلُوا لَهُ مِنْبَرًا فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ دُفِعَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَضَمَّهُ إِلَيْهِ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّنُ قَالَ كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھجور کے ایک ستون سے (خطبہ کے وقت) ٹیک لگایا کرتے تھے، ایک انصاری خاتون یا مرد نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنادیں، حضور نے فرمایا: چاہو تو بنا سکتے ہو۔ توانھوں نے آپ کے لیے منبر تیار کر دیا، جب جمعہ کا دن آیا، سرکار منبر پر تشریف لے گئے تو کھجور کا وہ ستون بچے کی طرح رونے لگا، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اسے اپنے سینے سے یوں لگا لیا جیسے روتے ہوئے بچے کو چپ کرایا جاتا ہے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ وہ اس وجہ سے رونے لگا کہ اپنے پاس ذکر سنا کرتا تھا۔

ہم اہل محبت اسے بھی سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصرف مانتے ہیں کہ آپ نے کھجور کی شاخ پر ٹیک لگا کر اذن الٰہی سے اس میں زندگی کی روح پھونک دی، اسے انسانوں جیسا صاحبِ فہم وادراک بنا دیا، اور اس کے نہاں خانے میں اپنی محبت کی چاشنی ڈال دی یہی وجہ ہے کہ اسے فراق رسول کا احساس ہوگیا اور زبانِ رسالت سے ذکر الٰہی سننے کی لذت سے محرومی پر تڑپ اٹھا اور بچوں کی طرح رونے لگا

استن حنانہ از ہجر رسول ۔۔۔ بانگ می زد ہم چو ارباب عقول

پھر جب محبوب رب العالمین نے اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا تو اس کی تسکین ہوگئی اور روتے، روتے چپ ہوگیا جیسے روتے بچے سینے سے لگا لینے کے بعد آہستہ آہستہ چپ ہو جاتے ہیں۔

لکڑی کی روتی ہوئی شاخ کو سینے سے لگا کر تسکین وقرار عطا فرمانا یقیناً صاحبِ اختیار رسول کا تصرف واعجاز ہے۔

---

(۱) صحیح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۶، کتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

شیطانوں پر قدرت و تصرف کی دلیل

(۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلاتِي فَأَمْكَنَنِي اللهُ مِنْهُ فَأَخَذْتُهُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبُطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ أَخِي سُلَيْمَانَ: "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي"(۱) فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سرکش جن نے رات اچانک مجھ پر حملہ کر دیا تاکہ نماز فاسد کر دے، تو اللہ نے مجھے اس پر قابو دیا اور میں نے اسے پکڑ لیا، پھر میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھو، اتنے میں مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا یاد آئی: "اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہو"۔ تو میں نے اسے ذلت و خواری کے ساتھ بھگا دیا۔

مسلم شریف کی حدیث میں: "إن الله أمكنني منه فَذَعَتُّهُ" ہے یعنی اللہ نے مجھے قدرت عطا فرمائی اور میں نے اس سرکش جن کا گلا سختی سے دبا دیا۔

سرکش جن نے اپنی بے پناہ قوت کے باوجود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اچانک حملہ کیا وہ بھی اس وقت جب آپ نماز میں "كأنك تراه"(۳) کی استغراقی کیفیت میں تھے مگر آپ نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے نہ صرف یہ کہ اس کا ناپاک حملہ ناکام کیا، بلکہ اس کو پکڑ کر سختی سے اس کا گلا بھی دبوچ دیا اور بعد میں اسے ذلت کے ساتھ بھاگنے پر بھی مجبور کر دیا۔

یہ شیطانوں پر آپ کی قدرت و تصرف کی دلیل ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة ص: ۳۸، الآية: ۳۵.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۴۸۶، ۴۸۷، كتاب الأنبياء/ باب قولِ الله عز وجل: وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۲۰۵، كتاب المساجد ومواضعِ الصلاة/ باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۲، كتاب الإيمان/ باب سؤالِ جبريل النبي عن الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

خوشۂ جنت پر تصرف

(۲۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَصَلَّى قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تُنَاوِلُ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ:إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج کو گہن لگا تو آپ نے "نمازِ خسوف" پڑھی، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ، ہم نے دیکھا کہ آپ کچھ لے رہے ہیں، پھر دیکھا کہ پیچھے ہٹ گئے، تو حضور نے فرمایا کہ مجھے (اس جگہ) جنت کا مشاہدہ کرایا گیا تو میں نے جنت کے انگور کا ایک خوشہ ہاتھ میں لیا (پھر چھوڑ دیا) اور اگر میں اسے لے لیتا تو تم لوگ اسے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستِ تصرف واقتدار جنت تک دراز ہے۔

درختوں پر اختیار و تصرف

(۲۶) عَنْ عُبادة بن الوليد بن عُبادةَ بن الصّامت قَالَ: خرجتُ أنَا وَأبي نَطلبُ العلمَ . . . حتى أتينا جابرَ بن عبد الله في مسجدهٖ فقال . . . سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حَتَّى نَزَلْنَا وَادِيًا أَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَقْضِي حَاجَتَهُ فَاتَّبَعْتُهُ بِإِدَاوَةٍ مِنْ مَاءٍ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهِ.

فَإِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِي فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- إِلَى إِحْدَاهُمَا فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ: «انْقَادِى عَلَيَّ بِإِذْنِ اللَّهِ». فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيرِ الْمَخْشُوشِ الَّذِي يُصَانِعُ قَائِدَهُ حَتَّى أَتَى الشَّجَرَةَ الأُخْرَى فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ: « انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ ». فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذَلِكَ حَتَّى

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۱۰۳، كتاب الأذان/ بابُ رفعِ البصر إلى الإمام في الصّلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَيْنَهُمَا لأَمَ بَيْنَهُمَا -يَعْنِي جَمَعَهُمَا- فَقَالَ «الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ». فَالْتَأَمَتَا.

قَالَ جَابِرٌ: فَخَرَجْتُ أُحْضِرُ مَخَافَةَ أَنْ يُحِسَّ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِقُرْبِي فَيَبْتَعِدَ - وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ: فَيَتَبَعَّدَ - فَجَلَسْتُ أُحَدِّثُ نَفْسِي فَحَانَتْ مِنِّي لَفْتَةٌ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- مُقْبِلاً وَإِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا، فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلَى سَاقٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَقَفَ وَقْفَةً فَقَالَ بِرَأْسِهِ هَكَذَا - وَأَشَارَ أَبُو إِسْمَاعِيلَ بِرَأْسِهِ يَمِينًا وَشِمَالاً - ثُمَّ أَقْبَلَ فَلَمَّا انْتَهَى إِلَيَّ . . .

قَالَ: فَأَتَيْنَا الْعَسْكَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- «يَا جَابِرُ نَادِ بِوَضُوءٍ». فَقُلْتُ: أَلاَ ! وَضُوءَ ، أَلاَ ! وَضُوءَ ، أَلَا ! وَضُوءَ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: مَا وَجَدْتُ فِي الرَّكْبِ مِنْ قَطْرَةٍ.

وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يُبَرِّدُ لِرَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- الْمَاءَ فِي أَشْجَابٍ لَهُ عَلَى حِمَارَةٍ مِنْ جَرِيدٍ قَالَ: فَقَالَ لِي: «انْطَلِقْ إِلَى فُلاَنِ بْنِ فُلاَنٍ الأَنْصَارِيِّ فَانْظُرْ هَلْ فِي أَشْجَابِهِ مِنْ شَيْءٍ». قَالَ: فَانْطَلَقْتُ إِلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيهَا، فَلَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلاَّ قَطْرَةً فِي عَزْلاَءِ شَجْبٍ مِنْهَا لَوْ أَنِّي أُفْرِغُهُ لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ. فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلاَّ قَطْرَةً فِي عَزْلاَءِ شَجْبٍ مِنْهَا لَوْ أَنِّي أُفْرِغُهُ لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ.

قَالَ: «اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهِ». فَأَتَيْتُهُ بِهِ فَأَخَذَهُ بِيَدِهِ فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ بِشَيْءٍ لاَ أَدْرِي مَا هُوَ وَيَغْمِزُهُ بِيَدَيْهِ ثُمَّ أَعْطَانِيهِ فَقَالَ: «يَا جَابِرُ نَادِ بِجَفْنَةٍ» . فَقُلْتُ: يَا جَفْنَةَ الرَّكْبِ. فَأُتِيتُ بِهَا تُحْمَلُ فَوَضَعْتُهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِيَدِهِ فِي الْجَفْنَةِ هَكَذَا فَبَسَطَهَا وَفَرَّقَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ وَضَعَهَا فِي قَعْرِ الْجَفْنَةِ وَقَالَ: «خُذْ يَا جَابِرُ فَصُبَّ عَلَيَّ وَقُلْ: بِاسْمِ اللَّهِ». فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ: بِاسْمِ اللَّهِ.

فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَتَفَوَّرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- ثُمَّ

فَارَتِ الْجَفْنَةُ وَدَارَتْ حَتَّى امْتَلَأَتْ فَقَالَ: «يَا جَابِرُ نَادِ مَنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ بِمَاءٍ». قَالَ: فَأَتَى النَّاسُ فَاسْتَقَوْا حَتَّى رَوُوْا قَالَ: فَقُلْتُ: هَلْ بَقِيَ أَحَدٌ لَهُ حَاجَةٌ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- يَدَهُ مِنَ الْجَفْنَةِ وَهِيَ مَلْأَى.[1]

ترجمہ: عُبادہ بن ولید بن عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلبِ علم کے لیے نکلے ... تو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی مسجد میں آئے، انھوں نے (ایک حدیث طویل بیان کرتے ہوے یہ بھی) بتایا:

(الف) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، راستے میں ایک کشادہ وادی میں ٹھہرے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضاے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پردے کی جگہ ڈھونڈھی مگر کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے قضاے حاجت کے وقت پردہ کر سکیں، وادی کے کنارے دو درخت تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک ڈالی پکڑ کر فرمایا:

"اللہ کے اذن سے میری اطاعت کرو"۔

تو وہ درخت مطیع ہو کر آپ کے ساتھ یوں چلنے لگا جیسے وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل ہو تابع ہو کر چلتا ہے اور شتربان اسے جدھر کھینچتا ہے، پھر سرکار علیہ التحیۃ والثناء دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی بھی ایک ڈالی پکڑ کر فرمایا:

"اللہ کے اذن سے میری اطاعت کرو"

تو وہ بھی آپ کے ساتھ اسی طرح مطیع ہو کر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ جب سرکار دونوں کے درمیان آدھے آدھ کی مسافت پر آ گئے تو دونوں کو یک جا کر کے فرمایا:

"اللہ کے اذن سے تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل جاؤ"

تو دونوں مل گئے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں تیز، تیز چلتے ہوئے اس خیال سے نکلا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے اپنے قریب محسوس کر کے دور چلے جائیں۔ پھر میں بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا، کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ملتقطا، كتاب الزهد/ باب حديث جابر الطويل، مجلس البركات، مبارك فور.

رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، اور وہ دونوں درخت الگ الگ ہوکر اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ذرا سا ٹھہر کر (درختوں کو) سر سے دائیں، بائیں (جانے کا) اشارہ فرمایا۔ پھر سرکار میرے پاس تشریف لائے۔

(ب) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر ہم لوگ لشکر میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! پانی کے لیے اعلان کردو (کہ حاضر کیا جائے) تو میں نے کہا: "آگاہ! پانی لاؤ، سنو! پانی لاؤ، سنو! پانی لاؤ۔"

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے تو قافلے میں ایک قطرہ بھی پانی نہ ملا۔ ہاں! ایک انصاری صحابی ایک پرانا مشکیزہ درخت کی شاخ میں لٹکا کر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے (ان کے بارے میں) مجھ سے فرمایا کہ فلاں بن فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ اس کے مشکیزے میں کچھ پانی ہے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے جا کر ان کے مشکیزے میں دیکھا تو اس میں بس ایک قطرہ پانی ملا، اگر میں اسے اُنڈیلتا تو گھڑے کے خشک حصے میں وہ جذب ہوجاتا، میں نے رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض حال کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ اور وہ مشک لے کر آؤ" میں نے وہ مشک حاضر کردی، سرکار نے اسے اپنے دست بابرکت میں لیا اور اس سے کچھ کلام فرمانے اور دبانے لگے، میں نہیں جانتا کہ آپ نے اس سے کیا کلام فرمایا، پھر وہ مشک مجھے دے کر فرمایا، اے جابر! ٹب لانے کا اعلان کردو تو میں نے یہ اعلان کردیا۔ تو میرے پاس ایک ٹب اٹھا کر لا گیا، میں نے اسے سرکار کے سامنے رکھ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے انگلیاں کشادہ کرکے دست اقدس کو ٹب کی گہرائی میں رکھ دیا اور فرمایا، اے جابر! یہ مشک پکڑو اور بسم اللہ پڑھ کر میرے ہاتھ پر پانی ڈالو تو میں نے بسم اللہ پڑھ کر حضور کے دست مبارک پر پانی ڈالا، میں نے دیکھا کہ پانی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے جوش مار کر ابلنے لگا، پھر ٹب میں بھی پانی جوش مار کر گردش کرنے لگا، یہاں تک کہ بھر گیا، تب حضور ﷺ نے فرمایا: "اے جابر! اعلان کردو کہ جسے پانی کی حاجت ہو آجائے" وہ فرماتے ہیں کہ لوگ آئے اور پانی پی پی کر سیراب ہوگئے، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پکارا کہ کوئی اور بھی باقی ہے جسے پانی کی حاجت ہو۔ اس کے

بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس ٹب سے نکال لیا اور اس وقت بھی وہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔

اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو تصرفات و مُعجِزات کا ذکر ہے۔ **پہلا: تصرف** درختوں کی اطاعت کا اور **دوسرا: تصرف** پانی کی کثرت کا۔

انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونے کے واقعات کثیر ہیں اور اس بارے میں کچھ احادیث گزشتہ سطور میں گزر چکی ہیں۔

عالم نباتات پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصرفات کے یہ نمونے ملاحظہ فرمائیے کہ:

☆ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باری باری دو درختوں کی ایک ایک ڈالی پکڑ کر اطاعت کا حکم دیا تو وہ آپ کے ساتھ مسخر ہو کر کھنچتے ہوئے چلے آئے۔

☆ آپ نے دونوں درختوں کو یک جا کر کے باہم مل جانے کا حکم دیا تو دونوں مل گئے۔

☆ اور جب تک سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف فرما رہے وہ دونوں باہم مل کر آپ کے لیے آڑ بنے رہے۔

☆ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔

☆ اور اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے۔

☆ اور اظہر یہ ہے کہ سرکار کے سرانور کا اشارہ پا کر وہ درخت اپنی اپنی جگہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔

تو یہ تیرہ تصرفات و معجزات ہوئے، انھی کی طرف اشارہ کیا ہے، امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اس ارشاد سے:

وفي هذا الحديث مُعجِزَاتٌ ظاهِراتٌ لرسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-.[1]

اس حدیث میں یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روشن معجزات ہیں۔

(۲۷) عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلىٰ رسول الله -صلى الله عليه و سلم- فقال: بم أعرف أنك نبي؟ قال: إن دعوت هذا العذق من هذه النخلة تشهد أني

---

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجّاج، ج:۲، ص:٤١٨، باب حديث جابر الطويل، مجلس البركات، مبارك فور.

رسول الله ؟ فدعاه رسول الله -صلى الله عليه و سلم- فجعل ينزل من النخلة حتى سقط إلى النبي -صلى الله عليه و سلم- ثم قال: ارجع، فعاد فأسلم الأعرابي. قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن غريب صحيح.(۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "اگر میں اس درخت خرما کے خوشے کو بلادوں تو تم شہادت دوگے کہ یقیناً اللہ کا رسول ہوں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بلایا، تو وہ درخت خرما سے اترنے لگا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آگرا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "واپس لوٹ جاؤ" تو وہ لوٹ گیا، یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہوگیا۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، غریب، صحیح ہے۔

اور غیر مقلدوں کے امام شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح بتایا۔

فرمان رسالت سن کر درخت پر لگے خوشہ خرما کا خود سے ٹوٹ جانا، درخت سے اترنا اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر ہونا، پھر واپسی کا حکم سن کر لوٹ جانا، درخت پر چڑھنا اور اپنی جگہ سیٹ ہوجانا بلاشبہ عالم نباتات میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا کے متعدّد تصرفات و معجزات ہیں۔

قرآن حکیم کی منقولہ آیات اور احادیث نبویہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاے کرام کو بِاِذنِ اللہ عالم میں تصرف کی قدرت حاصل ہے دشمن کو شکست دینا، اپنوں کو فتح عطا کرنا، مشکلات میں پھنسے لوگوں کی دستگیری کرنا، مادر زاد اندھوں کو بینائیِ چشم عطا کرنا، مریضوں کو شفا دینا، لوہے کو موم بنادینا، زمین کے خزانوں کی کنجیاں اپنے پاس رکھنا یہ سب کھلے تصرفات ہیں، جنھیں ہر صاحبِ عقل و فہم تسلیم کرتا ہے۔

مگر اس کے برخلاف جماعت وہابیہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ کی عطا سے بھی انبیا کے لیے یہ تصرفات ماننا شرک ہے چناں چہ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں:

"عالم میں ارادے سے تصرف کرنا، اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا اور

(۱) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۲۰۳، أبواب المناقب/ باب ما جاء في أيات نبوة النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- وما قد خصّه الله به، مجلس البركات، مبارك فور.

روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست و بیمار کرنا، فتح و شکست دینی، اقبال و ادبار دینا، مرادیں پوری کرنا، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، بُرے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیا، اولیا کی، پیر و شہید کی، بھوت، پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے، اور اس کو اِشرَاك في التصرف کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بہ خود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"[1]

تصرفات نبوت کے تعلق سے وہابی مذہب کے یہ عقائد اور پھر ہمارے پیش کردہ نصوصِ کتاب و سنت کو ایک بار پھر پڑھ کر موازنہ کیجیے تو عیاں ہو جائے گا کہ یہ مذہب کتاب و سنت کے نصوص کے خلاف ہے۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص: ۱۹، پہلا باب: "توحید اور شرک کے بیان میں"، راشد کمپنی، دیوبند۔

گیارہواں مسئلہ

شارعِ اسلام ﷺ کے

تشریعی اختیارات کے شواہد

احادیث نبویہ سے

تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حاکم محض اللہ ہے، قرآن حکیم میں ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾[1] حکم نہیں مگر اللہ کا۔ تاہم اللہ۔ عزّوجلّ۔ کے اذن وعطا سے شریعت کے احکام رسول اللہ ﷺ کو سپرد ہیں، آپ جس بات میں جو چاہیں حکم جاری فرمادیں وہ بھی شریعت ہے۔ کثیر احادیث نبویہ سے اس عقیدے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، لیکن امام الوہابیہ اس اعتقاد کو شرک قرار دیتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:

- فقط پیغمبری کا دعویٰ ہے اور پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے کہ بُرے کام پر ڈرا دیوے اور بھلے کام پر خوشخبری سنادیوے... انبیا و اولیا کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سو اُن میں بڑائی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں اور بُرے، بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔[2]
- کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اسی کے حکم کو اپنی سند سمجھنا، یہ بھی انھی باتوں میں سے ہے کہ خالص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی ہیں۔ پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة يوسف: ۱۲، الأية: ۴۰.

(۲) تقوية الإيمان ص: ۲۱، الفصل الثاني في ردّ الإشراك في العلم، راشد كمپنى، ديو بند.

شرک ثابت ہوتا ہے... یا خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انھیں کا حکم ہے، ان کا جو جی چاہتا تھا اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے اور وہی بات ان کی امت پر لازم ہو جاتی تھی، سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اصل حاکم اللہ ہے اور پیغمبر خبر دینے والا ہے۔"(۱)

امام الوہابیہ کا یہ عقیدہ کہ

"پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے کہ بُرے کام پر ڈرا دیوے اور بھلے کام پر خوش خبری سنا دیوے۔"

صاف صاف اعلان کر رہا ہے کہ وہ حضور جانِ نور ﷺ کے لیے عطاے الٰہی سے تشریعی اختیارات نہیں مانتے اور یہ ہرگز نہیں تسلیم کرتے کہ اللہ نے احکامِ شرع آپ کو تفویض کر دیے ہیں، اور آپ جس بات میں جو چاہیں حکم جاری کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دوسرے اقتباس میں حضور ﷺ کے لیے اس طرح کے اعتقاد کو شرک قرار دیا ہے حالاں کہ کتاب و سنت سے آپ کے لیے تشریعی اختیارات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ہم سب سے پہلے اس بارے میں علما کی تصریحات، پھر کتاب و سنت سے اس کے دلائل و شواہد پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

☆ زمانۂ قدیم سے عرف علماے کرام میں حضور اقدس ﷺ کو شارع کہتے ہیں، علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

قَدِ اشْتَهَرَ إطْلَاقُه عَلَيْهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ؛ لِأَنَّه شَرَعَ الدِّيْنَ وَ الْأَحْكَامَ.(۲)

ترجمہ: "سید عالم -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- کو شارع کہنا مشہور و معروف ہے اس لیے کہ حضور نے دین و احکام دین کی شریعت نکالی۔"

ائمۂ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- کو سپرد ہیں:

- جو بات چاہیں واجب کر دیں۔
- جو چاہیں ناجائز فرما دیں۔

---

(۱) تقوية الإيمان ص: ۳٦، الفصل الثالث في ذكر ردّ الإشراك في التصرف، راشد کمپنی، دیو بند.

(۲) شرح الزرقاني على المواهب اللدنّية، ج:٤، ص:۱۹٦، الفصل الأول في ذكر أسمائه الشريفة الـمُنْبِئَةُ على كمال صفاتِه المنيفة، دار الكتب العلمية.

● جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کر دیں۔

☆ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی - قدّس سرہ الربّاني - میزان الشریعۃ الکبریٰ، بابُ الوضو میں حضرت سیدی علی خوّاص - رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ - سے نقل فرماتے ہیں:

كَانَ الإِمَامُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - مِنْ أَكْثَرِ الْأَئِمَّةِ أَدَبًا مَّعَ اللهِ تَعَالىٰ وَ لِذٰلِكَ لَمْ يَجْعَلِ النِّيَّةَ فَرضًا وَ سَمّٰى الْوِتْرَ وَاجِبًا لِكَوْنِهِمَا ثَبَتَا بِالسُّنَّةِ، لَا بِالْكِتَابِ. فَقَصَدَ بِذٰلِكَ تَمْيِيْزَ مَا فَرَضَهُ اللهُ تَعَالىٰ وَ تَمْيِيْزَ مَا أَوْجَبَهُ رَسُوْلُ اللهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِنَّ مَا فَرَضَهُ اللهُ تَعَالىٰ أَشَدُّ مِمَّا فَرَضَه رسُولُ اللهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مِنْ ذَاتِ نَفْسِهٖ حِيْنَ خَيَّرَهُ اللهُ تَعَالىٰ أَنْ يُّوْجِبَ مَا شَاءَ أَوْ لَا يُوْجِبَ.[1]

ترجمہ: ”امام ابو حنیفہ - رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ - ان اکابر ائمہ میں ہیں جن کا ادب اللہ - عَزَّوَجَلَّ - کے ساتھ بہ نسبت اور ائمہ کے زائد ہے اسی واسطے انھوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کیا اور وتر کا نام واجب رکھا کہ یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں، نہ کہ قرآنِ عظیم سے۔ تو امام نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ کے فرض اور رسول اللہ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - کے فرض میں فرق و تمیز کر دیں اس لیے کہ خدا کا فرض کیا ہوا اُس سے زیادہ موکد ہے جسے رسول اللہ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - نے خود اپنی طرف سے فرض کر دیا جب کہ اللہ عزّوجل نے حضور کو اختیار دے دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کر دیں، جسے نہ چاہیں نہ کریں۔“

☆ مزید فرمایا:

كَانَ الْحَقُّ تَعالىٰ جَعَلَ لَهٗ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَّشْرَعَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهٖ مَا شَاءَ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ تَحْرِيْمِ شَجَرِ مَكَّةَ فَإِنَّ عَمَّهُ الْعَبَّاسَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - لَمَّا قَالَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ: "إِلَّا الإِذْخِر" فَقَالَ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: "إِلَّا الإِذْخِر" وَ لَوْ أَنَّ اللهَ تعالىٰ لَمْ يَجْعَلْ لَهٗ أَنْ يُّشَرِّعَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهٖ لَمْ يَتَجَرَّأْ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَّسْتَثْنِيَ شَيْئًا مِمَّا حَرَّمَهُ اللهُ تعالىٰ.[2]

ترجمہ: ”حق تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ منصب عطا فرمایا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی

---

(۱) ميزان الشريعة الكبرىٰ، ج:۱، ص:۱۳۶، باب الوضوء، المطبعة الكستيلة، مصر.

(۲) ميزان الشريعة الكبرىٰ، ج:۱، ص:۵۳، فصلٌ في بيان جملةٍ من الأمثلة المحسوسة ... إلخ، المطبعة الكستيلة، مصر.

طرف سے مقرر فرمادیں، جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''اِذْخِرْ'' نامی گھاس کو اس حکم سے نکال دیجیے'' فرمایا: ''اچھا، نکال دی، اس کا کاٹنا جائز کردیا'' اگر اللہ سبحانہٗ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں تو حضور ہرگز یہ جرأت نہ فرماتے کہ جو چیز خدا نے حرام کی ہے اس میں سے کچھ کو مستثنیٰ فرما کر مباح کردیں۔''

☆ امام قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

مِنْ خَصَائِصِهٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أَنَّه كَانَ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْأَحْكَامِ.[۱]

ترجمہ: ''سید عالم ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے، جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔''

☆ علامہ زرقانی نے شرح میں بڑھایا (مِنَ الْأَحْكَامِ) وغیرھا۔[۲] جس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں، حضور جس چیز سے چاہیں، جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

☆ امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ شریف میں ایک باب وضع فرمایا:

بَابُ اِخْتِصَاصِهٖ ﷺ بِأَنَّهٗ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْأَحْكَامِ.[۳]

'' اس بات کا بیان کہ خاص نبی ﷺ کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں، جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔''

اِن عبارات سے یہ فوائد حاصل ہوئے:

الف- خدائے قدیر نے اپنے محبوب، حضور سید کائنات ﷺ کو شریعت میں قانون

---

(۱) المواهب اللدنّية بالمنح المحمدية، ج:۲،ص:۶۸۹، المقصد الرابع في المعجزات والخصائص/ الفصل الثاني خص به، المكتب الإسلامي.

(۲) شرح الزرقاني على المواهب اللدنية، ج:۷،ص:۳٤٦، المقصد الرابع/ الفصل الثاني، دارُ الكتب العلمية.

(۳) الخصائص الكبرىٰ، باب اختصاصه صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ بأنه يخص من شاء بما شاء.

سازی کا خصوصی اختیار عطا فرمایا ہے، لہٰذا آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو چیز فرض نہ ہو وہ چاہیں تو کسی پر فرض فرمادیں۔

ب۔اور چاہیں تو نہ فرض کریں۔

ج۔اور چاہیں تو جو چیز حرام نہ ہو اسے حرام فرمادیں۔

د۔اور چاہیں تو جو چیز خدا نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔

ہم یہاں ان تمام امور کے **شواہد وحیِ قرآنی اور احادیث نبویہ سے** پیش کرتے ہیں:

وحیِ قرآنی سے ثبوت:

حضور کے حکم سے کام فرض ہو جاتا ہے اگرچہ وہ بجائے خود فرض نہ ہو

ارشاد باری ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ(۱)

ترجمہ: ”نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد، نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کردیں اللہ ورسول کسی بات کا کہ انھیں کچھ اختیار رہے اپنے معاملہ کا۔اور جو حکم نہ مانے اللہ ورسول کا تو وہ صریح گمراہی میں بہکا۔“

یہاں ائمۂ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے قبلِ طلوعِ آفتابِ اسلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا اور متبنّٰی بنایا تھا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور سید عالم ﷺ کی پھوپھی، اُمیہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں سید عالم ﷺ نے انھیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کا پیام دیا، اول تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لیے خواستگاری فرماتے ہیں، جب معلوم ہوا کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے طلب ہے، انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی۔اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا، اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔اسے سن کر دونوں بہن، بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہو گیا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب:۳۳، الآیۃ:۳۶.

ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللہ عزّوجلّ کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پر خواہی نخواہی راضی ہو جائے خصوصًا جب کہ وہ اس کا کفو نہ ہو، خصوصًا جب کہ عورت کی شرافتِ خاندان کواکبِ ثریّا سے بھی بلند و بالا ہو، بااین ہمہ اپنے حبیب ﷺ کا دیا ہوا پیام نہ ماننے پر رب العزۃ جلّ جلالہ نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرضِ الٰہی کے ترک پر فرمائے جاتے اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا یعنی رسول جو بات تمہیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہو گئی، مسلمانوں کو اُسے نہ ماننے کا اصلاً اختیار نہ رہا، جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہو جائے گا۔

دیکھو رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہو جاتا ہے اگر چہ فی نفسہٖ خدا کا فرض نہ تھا، ایک مباح و جائز تھا۔

احادیث نبویہ سے ثبوت:

حضور چاہیں تو فرض نہ کریں

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ، فَحُجُّوا»، فَقَالَ رَجُلٌ: أَ كُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ ـــــ فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-:

"لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ."

ثُمَّ قَالَ: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ». [(۱)]

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم صحابہ کو خطبہ دیا تو فرمایا: " اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا، تو حج کرو" ایک صحابی نے عرض کی: " یا رسولَ اللہ، کیا ہر سال حج فرض ہے؟ " تو حضور خاموش رہے، یہاں تک کہ انھوں نے تین بار یہی سوال کیا، تب رسول اللہ

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۴۲۲، كتاب الحجّ / باب فرض الحج مرةً في العمر، مجلس البركات، مبارك فور.

ﷺ نے فرمایا:

" اگر میں فرمادیتا: ہاں! تو حج فرض ہو جاتا، اور تم لوگ ہر سال کر نہیں سکتے۔

اس حدیث سے یہ امر تو بہت واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور سائل کے جواب میں "ہاں" فرما دیتے تو حج ہر سال فرض ہو جاتا لیکن آپ نے اپنی امت پر رحمت و شفقت کی وجہ سے "ہاں" کہنے کے بجائے سکوت اختیار فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ نے یہ نہ چاہا کہ ہر سال حج فرض ہو، اس لیے "ہاں" نہ فرمایا، لہذا حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

میں جو باتیں بیان کرنا چھوڑ دوں ان کے بارے میں تم لوگ سوال کرنے سے احتراز کرو؛ کیوں کہ تم سے پہلے کے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیا سے سوالات اور اختلافات زیادہ کرتے تھے۔ لہذا میں جب کسی چیز کا حکم دوں تو تم لوگ اس پر اپنی استطاعت بھر عمل کرو، اور جب تمھیں کسی چیز سے روکوں تو اسے چھوڑ دو۔

اس مضمون کی دوسری احادیث کا خلاصہ اب آپ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاحظہ فرمائیں، آپ ارقام فرماتے ہیں:

(٢) امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا، وَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ. [1]

ترجمہ: " ہر سال فرض نہیں اور میں ہاں کہہ دوں تو فرض ہو جائے۔"

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابنُ مَاجه. (احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ)

(٣) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَقُوْمُوْا بِها وَ لَوْ لَمْ تَقُوْمُوْا بِهَا عُذِّبْتُمْ. [2]

ترجمہ: " اگر میں ہاں فرمادوں تو واجب ہو جائے اور اگر واجب ہو جائے تم بجا نہ لاؤ اور اگر بجا

---

(١) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ١١٣، مسند علی ابن أبي طالب، بيت الأفكار الدولية.
● جامع الترمذي، ج:١، ص: ١٠٠، أبواب الحج/ باب ما جاء كم فرض الحج، مجلس البركات
● جامع الترمذي، ج:١، ص: ١٣١، أبواب التفسير/ باب ومن سورة المائدة، مجلس البركات
● سنن ابن ماجه، ص: ٣١٥، كتاب المناسك/ باب فرض الحج، بيت الأفكار الدولية.
(٢) سنن ابن ماجه، ص: ٣١٥، كتاب المناسك/ باب فرض الحج، بيت الأفكار الدولية.

نہ لاؤ تو عذاب کیے جاؤ۔" رَوَاهُ ابنُ مَاجه. (ابنِ ماجہ)

اور مضمون اخیر کہ "ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ، مجھے چھوڑے رہو" یہ بھی صحیح مسلم و سنن نسائی میں اسی حدیث ابی ہریرہ کے ساتھ ہے کہ فرمایا:

لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ.(۱)

ترجمہ: "اگر میں فرماتا ہاں تو ہر سال واجب ہو جاتا اور بے شک تم نہ کر سکتے۔"

حرمت کے حکم عام سے خارج کرنا:

میزان الشریعۃ الکبریٰ کی عبارت میں "اِذْخِرْ" نامی گھاس کا حرمت کے حکمِ عمومی سے استثنا ہے، یہ مضمون متعدّد احادیث صحیحہ میں ہے:

④ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیحین میں مروی ہے:

فَقَالَ العَبَّاسُ -رضي الله تعالى عنه-: إِلَّا الإِذْخِر لِصَاغَتِنَا وَ قُبُوْرِنَا، فَقَالَ: "إِلَّا الإِذْخِرْ".(۲)

ترجمہ: "عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مگر اذخر کہ وہ ہمارے سناروں اور قبروں کے کام آتی ہے، فرمایا مگر اذخر۔"

⑤ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیحین میں روایت ہے:

قَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ : "إِلَّا الإِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوْتِنَا وَ قُبُوْرِنَا" فقال النَّبِيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: "إِلَّا الإِذْخِرَ."(۳)

---

(۱) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٣٢، كتاب الحج/ باب فرض الحج مرة في العمر، مجلس البركات.
● سنن النسائي، ص: ۲۸۳، كتاب مناسك الحج/ باب وجوب الحج، بيت الأفكار الدولية.
● سنن ابن ماجه، ص: ۲۰، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، بيت الأفكار الدولية.

(۲) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۲٤٧، كتاب العمرة/ باب لا ينفر صيد الحرم، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٣٨،٤٣٩، كتاب الحج/ باب تحريم مكة، مجلس البركات.

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۲۲، كتاب العلم/ باب كتابةِ العلم، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٣٩، كتاب الحج/ باب تحريم مكة، مجلس البركات.

ترجمہ: ”ایک مرد قریشی نے عرض کی مگر اذخر، یا رسول اللہ! کہ ہم اسے اپنے گھروں اور قبروں میں صرف کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا مگر اذخر۔“

(۶) صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنن ابن ماجہ میں روایت ہے:

فَقَالَ الْعَبَّاسُ -رضی الله تعالیٰ عنه- إِلَّا الإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِلْبُيُوْتِ وَ الْقُبُوْرِ.
فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صلی الله تعالى عليه وسلم-: ”إِلَّا الإِذْخِر.“[1]

ترجمہ: ”عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مگر اذخر کہ وہ گھروں اور قبروں کے لیے ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مگر اذخر۔“

”اذخر“ ایک خوشبودار گھاس تھی جسے لوگ اپنی مختلف ضرورتوں میں استعمال کرتے تھے، جب سرکار دوعالم ﷺ نے مکۂ معظمہ کے نباتات کاٹنے کی ممانعت فرمائی تو یہ ممانعت اِذخر کو بھی عام تھی، پھر اپنے چچا حضرت عباس کی درخواست پر اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی جو بلا شبہہ آپ کے تشریعی اختیار کی دلیل ہے۔

حضرت ابو بردہ کو قربانی کے ایک حکم سے الگ کر دیا:

(۷) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلاَةِ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صلی الله تعالى عليه وسلم- أَبْدِلْهَا، قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي إِلاَّ جَذَعَةٌ- قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ - هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ: اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.[2]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ان کے ماموں) حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (نماز کے بعد) اس کے بدلے میں دوسرے جانور کی قربانی کرو، انھوں نے عرض کی: حضور! میرے پاس بس چھ ماہ کا بکری کا ایک بچہ ہے جو سال بھر کے جانور سے اچھا ہے۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اس کے بدلے میں اس کی قربانی کر دو۔ اور تیرے بعد ہرگز اتنی عمر کے بچے کی قربانی کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگی۔

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۲۴۷، كتاب العمرة/ باب لا ينفر صيد الحرم، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۴۳۸، ۴۳۹، كتاب الحج/ بابُ تحريم مكة، مجلس البركات.
(۲) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۳۲، كتاب العيدين/ باب الخطبة بعد العيد، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۱۵۴، كتاب الأضاحي/ باب وقتها، مجلس البركات.

صاحب شریعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانوروں میں چھوٹے جانور کی عمر ایک سال مقرر فرمائی ہے اس لیے قربانی کے باب میں عام قانونِ شریعت یہ ہے کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی جائز نہیں، یہ حکم ساری امتِ مسلمہ کو عام ہے مگر یہاں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بردہ کو صرف چھ ماہہ بکری کی قربانی کی اجازت عطا فرما رہے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ خداے قدوس نے آپ کو شریعتِ نبوی میں قانون سازی کا خصوصی اختیار دیا ہے۔ اور اسی اختیار کو استعمال کر کے آپ نے حضرت ابو بردہ کو قربانی کے حکم عام سے الگ فرما دیا ہے چناں چہ صاحبِ ارشاد الساری اس کا انکشاف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

خصوصية له لا تكون بغيره إذ كان له -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم- أن يخصَّ من شاءَ بما شاءَ من الأحكام.[1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے کرم سے یہ خصوصیت حضرت ابو بردہ کو عطا ہوئی جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اس لیے کہ نبی ﷺ کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں اور جس حکم سے چاہیں الگ فرما دیں۔

حضرت عقبہ بن عامر کے لیے چھ ماہہ بکری کی قربانی جائز فرمادی:

(٨) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَسَمَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بَيْنَ أَصْحَابِهِ ضَحَايَا، فَصَارَتْ لِعُقْبَةَ جَذَعَةٌ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صَارَتْ جَذَعَةٌ قَالَ: ضَحِّ بِهَا.[2]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب میں قربانی کے جانور تقسیم کیے۔ ان کے حصہ میں بکری کا ایک چھ ماہہ بچہ آیا، تو انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو چھ ماہ کا بچہ ہے، سرکار نے فرمایا: اسی کی قربانی کردو۔

سرکار کائنات ﷺ نے ان پر بھی وہی نوازشِ خسروانہ فرمائی کہ خاص ان کے حق میں چھ ماہہ بکری کی قربانی جائز کردی جب کہ دوسروں کو اس کی اجازت نہیں، یہ ہے تشریع کا خصوصی اختیار کہ

---

(١) إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٢١٣، كتاب العيدين/ باب الخطبة بعد العيد، مطبعة الكبرى، بولاق مصر.

(٢) ● صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٨٣٢، كتاب الأضاحي/ بابُ قسمةِ الأضاحي بين الناس، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ١٥٥، كتابُ الأضاحي، بابُ سنّ الأضحية، مجلس البركات، مبارك فور.

حضور جس کو، جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں۔ اس کا ثبوت خود اسی حدیث کی ایک روایت سے بھی فراہم ہوتا ہے جس میں سرکار سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: ولا رخصة فيها لأحد بعدك.[۱] تمھارے بعد اور کسی کے لیے اس میں رخصت نہیں۔

حضرت ام عطیہ کو نوحہ کی اجازت:

(۹) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لاَ يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلاَ يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ[۲]) قَالَتْ: كَانَ مِنْهُ النِّيَاحَةُ. قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِلَّا آلَ فُلاَنٍ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَسْعَدُونِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلاَ بُدَّ لِي مِنْ أَنْ أُسْعِدَهُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- « إِلَّا آلَ فُلاَنٍ ».[۳]

ترجمہ: حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "اے نبی جب آپ کے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا شریک کچھ نہ ٹھہرائیں گی"۔ (اور کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔)

وہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! آلِ فلاں کو اس حکم سے الگ کر دیجیے کیوں کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں میری ایک میت پر میرے ساتھ نوحہ کیا تھا، تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ ان کی میت پر نوحہ کروں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ، آل فلاں کو اس حکم سے الگ کر دیا۔

امام نووی فرماتے ہیں:

هذا محمول على الترخيص لأم عطية في أل فلان خاصة كما هو ظاهر ولا يحل النياحة لغيرها ولا لها في غير أل فلان كما هو صريح في الحديث وللشارع

---

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقى، ج:۹،ص:۲۷۰، كتاب الضحايا/ باب يجزئ الجذع، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الممتحنة: ۶۰، الأية:۱۲.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۰۴، كتاب الجنائز/ فصلٌ في نهيِ النساء عن النياحة، مجلس البركات، مبارك فور.

أن يخص من العموم ما شاء[۱].

ترجمہ: یہ حدیث ام عطیہ کو خاص آل فلاں پر نوحہ کے سلسلے میں رخصت عطا کرتی ہے۔ ان کے سوا دوسری عورتوں کو نہیں، اور ان کو بھی آل فلاں کے علاوہ کے لیے نہیں، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اختیار ہے کہ حکم عام سے جو کچھ چاہیں خاص فرمادیں۔

امّ سلمہ انصاریہ کو نوحہ کی خصوصی رخصت:

(۱۰) سمعتُ شهر بن حوشب قال: حدثَتْنا أم سلمة الأنصارية، قالت : قالت امرأة من النّسوة: ما هذا المعروف الذي لا ينبغي لنا أن نعصيك فيه ؟ قال: لا تنحن. قلت: يا رسول الله، إن بني فلان قد أسعدوني على عمّي ولا بد لي من قضائهن، فأبى عليَّ فأتيته مرارا فأذن لي في قضائهن، فلم أنح بعد على اخائهن ولا غيره حتى الساعة.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن. وفيه عن أم عطية رضي الله عنها، قال عبد بن حميد: أم سلمة الأنصارية هي أسماء بنت يزيد بن السكن.[۲]

ترجمہ: ام سلمہ انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ایک خاتون نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور وہ بھلی بات کیا ہے جس کی خلاف ورزی ہمارے لیے روا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نوحہ نہ کرو" میں نے عرض کی، یا رسول اللہ: بنو فلاں نے (زمانۂ جاہلیت میں) میرے ساتھ میرے چچا پر نوحہ کیا ہے۔ اور مجھے اس کا بدلہ چکانا ضروری ہے، آپ نے انکار فرمادیا، میں نے بار بار خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی، تو آپ نے نوحہ کا بدلہ چکانے کی اجازت دے دی اس کے بعد میں نے آج تک کسی پر نوحہ نہ کیا۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اور اس باب میں ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی حدیث مروی ہے۔ عبد بن حمید فرماتے ہیں کہ یہ ام سلمہ انصاریہ اسما بنت یزید بن سکن ہیں۔

ایک اور خاتون کو نوحہ کی اجازت:

(۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا- قَالَ: لَمَّا بَايَعَ النِّسَاءُ " وَ لَا

---

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، ج:۱، ص:۳۰۴، كتاب الجنائز/ فصلٌ في نهيي النساء عن النياحة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۱۶۴، أبواب التفسير/ سورة الممتحنة، مجلس البركات، مبارك فور.

تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى "[1] قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَاكَ تَشْتَرِطُ عَلَيْنَا أَنْ لا نَتَبَرَّجَ، وَإِنَّ فُلَانَةَ قَدْ أَسْعَدَتْنِي، وَقَدْ مَاتَ أَخُوهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: اذْهَبِي فَأَسْعِدِيهَا، ثُمَّ تَعَالَيْ فَبَايِعِينِي.[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام عورتوں سے اس شرط پر بیعت لے رہے تھے کہ وہ بے پردہ نہ رہیں جیسے "اگلی جاہلیت" کی بے پردگی۔[3] تو ایک خاتون نے عرض کی یارسول اللہ آپ ہم پر شرط لگا رہے ہیں کہ بے پردہ نہ رہیں، حالاں کہ فلاں عورت نے میرے بھائی کی وفات پر میرے ساتھ نوحہ کیا تھا (اور عورتیں بے پردہ ہو کر ہی، نوحہ کرتی تھیں) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ تم بھی اس کے ساتھ نوحہ کرلو، پھر آکر مجھ سے بیعت کرلینا۔ (تاکہ شرط بیعت کی خلاف ورزی نہ ہو)

اسلام میں نوحہ کی حرمت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں اور آیت کریمہ: " وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ " کے عموم میں یہ بھی شامل ہے ان سب کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو تین عورتوں کو نوحہ کی اجازت دے کر اسلام کے حکم عام سے انھیں خاص فرما دیا امام نووی فرماتے ہیں:

وللشارع أن يخص من العموم ما شاء.[4]

ایک بیوہ کو تین دن سوگ کے بعد بناؤ سنگار کی اجازت:

(۱۲) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ: لَمَّا أُصِيبَ جَعْفَرٌ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: تَسَلَّبِي ثَلَاثًا، ثُمَّ اصْنَعِي مَا شِئْتِ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ:

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب:۳۳،الأية: ۳۳.

(۲) سنن النسائي، ص: ۴۳۹، كتاب البيعة/ باب بيعة النساء، بيت الأفكار.

(۳) "اگلی جاہلیت" سے مراد قبل اسلام کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں عورتیں اتراتی نکلتی تھیں، اپنی زینت و محاسن کا اظہار کرتی تھیں کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسے پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضا اچھی طرح نہ ڈھکیں۔ اور "پچھلی جاہلیت" سے اخیر زمانہ مراد ہے جس میں لوگوں کے افعال پہلوں کے مثل ہو جائیں گے۔

(۴) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، ج:۱،ص: ۳۰۴، كتاب الجنائز، حديث أم عطية، مجلس البركات.

وَأَطْعَمَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ بِخَيْبَرَ خَمْسِينَ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ فِي كُلِّ سَنَةٍ.(۱)

ترجمہ: اسما بنت عمیس فرماتی ہیں کہ جب (ان کے شوہر) حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "تین دن سنگار سے بچو، پھر جو چاہو کرو"۔

محمد بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابو طالب کو ہر سال پچاس وسق خیبر کی کھجوریں دیتے تھے۔

قرآن مقدس کے فرمان کے مطابق بیوہ پر چار مہینے دس دن سوگ فرض ہے۔ اور سوگ کے لیے ترکِ زینت لازم ہے مگر حضرت اسما بنت عمیس کو اس حکم عام سے خاص کر کے تین روز ترکِ زینت کے بعد بناؤ سنگار کی اجازت دے دی۔

ایک صحابی کے لیے مال کے بجائے قرآن سکھانے کو مہر مقرر کرنے کی اجازت:

(۱۳) عن أبي النعمان الأزدي، أن رجلا خطب امرأة، فقال النّبيُّ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: "أصدِقها" قال: ما عندي شيء. قال أما تُحسن سورةً من القرآن فأصدقها السورة، ولا تكون لأحد بعدك مهرا."

ثم رأيته في كتاب أبي علي بن السكن ساقه بسنده إلى يعقوب بن إبراهيم الدورقي.(۲)

ترجمہ: ابوالنعمان ازدی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو مہر دو۔ اس شخص نے عرض کی: میرے پاس کچھ بھی نہیں، حضور نے فرمایا: کیا تم قرآن حکیم کی کوئی سورت نہیں پڑھتے؟ تم مہر میں اسے سورت ہی سکھا دو، اور تیرے بعد یہ کسی کے لیے مہر نہ ہوگا۔ (کتاب ابی علی بن سکن)

مہر کے لیے مال متقوم ہونا چاہیے، ارشاد باری ہے:

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج:٤، ص:٣٧، ذكر جعفر بن أبي طالب، مكتبة الخانجي، قاهره.

(۲) الإصابة في تمييز الصحابة، ج:٧، صفحة: ٤١٤، حرف النون/ أبو النعمان الأزدى، دار الجيل، بيروت.

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ.[1]

ترجمہ: اور ان (محرمات) کے سوا جو بھی عورتیں ہیں تمھیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

اور "قرآن سکھانا" مال نہیں پھر بھی نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کے حق میں قرآن سکھانے کو مہر مقرر کرنے کی اجازت دی تو یہ مہر کے حکم عام سے استثنا ہوا جو آپ کے تشریعی اختیار کی دلیل ہے۔

خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر کر دیا:

(١٤) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ، أَنَّ عَمَّهُ حَدَّثَهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- "ابْتَاعَ فَرَسًا مِنْ أَعْرَابِيٍّ فَاسْتَتْبَعَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لِيَقْضِيَهُ عَنْ فَرَسِهِ، فَأَسْرَعَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الْمَشْيَ وَأَبْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ، فَطَفِقَ رِجَالٌ يَعْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِيَّ فَيُسَاوِمُونَهُ بِالْفَرَسِ لَا يَشْعُرُونَ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ابْتَاعَهُ، فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هَذَا الْفَرَسَ وَإِلَّا بِعْتُهُ.

فَقَامَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِيِّ، فَقَالَ: «أَوَلَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟» قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: لَا وَاللَّهِ مَا بِعْتُكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «بَلَى، قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ»، فَطَفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ: هَلُمَّ شَهِيدًا.

فَقَالَ خُزَيْمَةُ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ، فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- عَلَى خُزَيْمَةَ، فَقَالَ: «بِمَ تَشْهَدُ؟»، فَقَالَ: بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَجَعَلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ.[2]

ترجمہ: عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ ان کے چچا - جو نبی کریم ﷺ کے اصحاب سے

---

(١) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الآية: ٢٤.

(٢) • سنن أبي داود، ص: ٣٩٩، كتاب الأقضية، باب إذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له أن يحكم به، رقم الحديث: ٣٦٠٧.

• سنن النسائي، ص: ٤٨١، كتاب البيوع، باب التسهيل في ترك الإشهاد على البيع.

• شرح معاني الآثار، ج:٢، ص: ٢٨٢، كتاب القضاء والشهادات/ باب القضاء باليمين على الشاهد.

ہیں - نے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تاکہ گھوڑے کا دام ادا کردیں، پھر رسول اللہ ﷺ تیز تیز چلنے لگے اور اعرابی آہستہ آہستہ۔ اتنے میں کچھ لوگوں نے اعرابی سے اس گھوڑے کا بھاو تاو شروع کردیا، انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اسے خرید لیا ہے۔ (اعرابی کی نیت بگڑ گئی اور) اس نے رسول اللہ ﷺ کو پکار کر کہا: اگر آپ اس گھوڑے کو خریدنا چاہتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ میں اسے بیچ دیتا ہوں" سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: میں نے یہ گھوڑا تم سے خرید لیا ہے۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم میں نے اسے آپ کے ہاتھ نہیں بیچا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں میں نے اسے تم سے خرید لیا ہے۔ اعرابی کہنے لگا تو گواہ لایئے۔

یہ سن کر حضرت خُزیمہ بن ثابت نے کہا: أنا أشهد أنك قد بايعته. میں گواہی دیتا ہوں کہ تونے یقیناً حضور کے ہاتھ بیچا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ تم گواہی کیسے دے رہو (تم تو یہاں موجود نہیں تھے) انھوں نے عرض کیا، حضور اس لیے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے بیع کی تصدیق فرمادی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے (خوش ہوکر) تنہا حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر کردیا۔

(۱۵) یہ حدیث حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس طرح منقول ہے، اس کے الفاظ ہیں:

صدَّقتك بما جئتَ به وعلمت أنك لا تقول إلّا حقًّا فقال رسولُ الله -صلي الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: من شهدله خزيمة أو شهد عليه فحسبهُ.[۱]

ترجمہ: میں نے حضور کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی ہے اور مجھے یقیناً معلوم ہے کہ آپ سچ ہی فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خزیمہ جس کے حق میں یا جس کے خلاف گواہی دیں وہ

---

(۱) ● مسند ابن أبي شيبة، ج:۱،ص:۳۷، مسند خزيمة بن ثابت ، رقم الحديث:۱۹، دار الوطن، الرياض.

● كتاب التاريخ الكبير للبخاري، ج:۱،ص:۸۶، ۸۷ مختصرا، القسم الأول من الجزء الأول، رقم الحديث: ۳۸، دار الكتب العلمية.

● المعجم الكبير للطبراني، ج:٤،ص: ۸۷، خزيمة بن ثابت الأنصاري ذوالشهادتين، مكتبة ابن تيمية، قاهره.

تنہا (ثبوت کے لیے) کافی ہے۔

(۱۶) یوں ہی یہ حدیث حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اس حدیث کے کلمات ہیں:

أنا أصدّقك على خبر السّماء ألا أصدّقكَ على الأعرابي، فجعل رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- شهادته بشهادة رجلين، فلم يكن في الإسلام رجل تجوز شهادته بشهادة رجلين غير خزيمة بن ثابت.[1]

ترجمہ: حضور میں آسمان کی خبروں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں تو اس اعرابی کے مقابل آپ کی تصدیق نہ کروں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر کر دیا۔ اس طرح سوائے خزیمہ بن ثابت کے اسلام میں کوئی شخص نہیں جس کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر ہو۔

قرآن حکیم نے شہادت سے کسی امر کے ثبوت کے لیے دو دین دار مردوں کی شہادت لازم قرار دی ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے:

"وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ"[2]۔

ترجمہ: اور اپنے دو عادل مردوں کو شاہد بناؤ۔

یہ حکم ہر مرد مسلم کو عام ہے مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حکم عام سے حضرت خزیمہ بن ثابت کو الگ کر کے تنہا ان کی شہادت کو ثبوت کے لیے کافی ٹھہرایا جو آپ کے تشریعی اختیار کی واضح دلیل ہے۔

ایک صحابی کو اپنے روزے کا کفارہ کھانے کی اجازت دی:

(۱۷) أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلَّمَ- إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ: مَا لَكَ، قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ،

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ-: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا، قَالَ: لَا، قَالَ:

(۱) بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، ج:۱، ص:۹۳۰، ۹۳۱، باب فضل خزيمة بن ثابت، رقم الحديث: ۱۰۲۶.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الطلاق:۶۵، الآية: ۲.

فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ : لاَ فَقَالَ : فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ: لَا، قَالَ:فَمَكَثَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ- قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ فَقَالَ: أَنَا قَالَ: خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ : أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ ؟ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا -يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ: أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.(۱)

ترجمہ: حمید بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے، آپ کے پاس ایک صاحب آئے اور عرض کی، یارسول اللہ، میں ہلاک ہوگیا۔ حضور نے پوچھا کیا بات ہے عرض کی، میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا:

● (اس کے کفارے میں) غلام آزاد کر سکتے ہو؟ عرض کیا نہیں۔

● دریافت کیا کہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ عرض کیا: نہیں۔

● پوچھا: تو کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کیا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک ٹوکرا (۱۵ ر صاع / ۶۱ کلو ۱۰ ۴۱ گرام) کھجوریں پیش ہوئیں تو حضور نے پوچھا وہ سائل کہاں ہے؟ جواب دیا: میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا:

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۲۵۹، كتاب الصّوم/ باب إذا جامَعَ في رمضان، مجلس البركات.

● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۵٤، كتاب الصيام/ باب تحريم تغليظِ الجماع، مجلس البركات، مبارك فور.

● جامع الترمذي، ج :۱،ص:۹۰، أبواب الصوم/ باب ما جاء في كفارة.

● سنن أبي داود، ص:۲۷۱، كتاب الصوم/ باب كفارة من أتى أهله في رمضان، رقم الحديث: ۲۳۹۰.

● السنن الكبرى للنسائي، ج:۳،ص:۳۱۲، ۳۱۳، كتاب الصيام/ باب ما يجب على من جامع امرأته في شهر رمضان، رقم الحديث: ۳۱۰٤.

● سنن ابن ماجه، ص: ۱۸۳، كتاب الصيام/ باب ما جاء في كفارة مِن أفطر يوما من رمضان، رقم الحديث: ۱٦۷۱.

● یہ کھجوریں لے کر (فقرا میں) خیرات کردو۔
اس شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ، کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر؟ اللہ کی قسم، مدینہ منورہ میں کوئی گھر میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، پھر فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلادے۔

(۱۸) یہ حدیث حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[1]

(۱۹) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما[2]

(۲۰) اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم

نے بھی روایت فرمائی ہے۔ الفاظ میں کچھ فرق کے ساتھ سب کا مفہوم ایک ہے، حضرت مولیٰ علی کی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے:

قال: ''فأطعِم ستّين مسكينا، لكل مسكين مُداً'' قال : ما أجده. فأمر له رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- بخمسة عشر صاعا، قال: ''أطعِمه ستين مسكينا'' قال: والذي بعثك بالحقِّ ما بالمدينة أهل بيت أحوج منا، قال: انطلق فكُلْهُ أنتَ وَعيالُكَ ، فقد كفّر الله عنك.[3]

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے، ہر مسکین کو ایک مُد۔ اس شخص نے عرض کی، مجھے اس کی بھی استطاعت نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ساٹھ مسکینوں میں پندرہ صاع کھجوریں تقسیم کردے، تو عرض کیا قسم ہے اس ذات واحد کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مدینہ میں کوئی گھر ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے، تب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جا اسے (۱۵/ صاع کھجور) تو کھالے اور تیرے بچے بھی، اللہ تعالی اسی کو تیری طرف سے کفارہ کردے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۵۵، كتابُ الصيام/ باب تغليظ تحريمِ الجماع، مجلس البركات.

(۲) المعجم الأوسط للطبراني، ج:۸، ص: ۱۳۱، ۱۳۲، رقم الحديث، رقم الحديث: ۸۱۸۲.

(۳) سنن الدار قطني، ج:۳،ص: ۲۰۰، ۲۰۱، كتاب الصيام، باب ما اتى أهله في رمضان، رقم الحديث: ۲۳۹۵، موسسة الرسالة

إنّ النّبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- أمر رجلا أفطر في رمضان أن يُعتِق رقبة أو يصوم شهرين أو يُطعم ستين مسكينا(١)۔

ترجمہ: ایک شخص نے رمضان کا روزہ توڑ دیا، اسے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ (کفارہ میں) غلام آزاد کرے، یا دو مہینے کا مسلسل روزہ رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ پہلی حدیث میں صدقہ کرنے کا لفظ اگرچہ مطلق ہے مگر اس سے مراد ساٹھ مسکینوں کو دینا یا کھلانا ہے جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ وضاحت ہوتی ہے۔

کفارہ یہ نہیں ہے کہ جو گناہ کا مرتکب ہو وہ صدقے کا مال خود کھالے، یا اپنے اہل وعیال کو کھلادے، بلکہ کفارہ یہ ہے کہ صدقے کا مال دوسرے مسکینوں کو کھلائے یا ان کو خیرات کرے اور ارشاد رسول: "فتصدق به" اور "يطعم ستين مسكينا"۔ کا یہی مطلب ہے لیکن سرور کائنات ﷺ نے یہاں اپنے تشریعی اختیار کا اظہار فرماتے ہوئے عام قانون کفارہ کے برعکس اپنے ایک مسکین صحابی کو یہ اجازت دے دی کہ وہ خود کھالیں اور ان کے اہل وعیال کھالیں یہی ان کے حق میں کفارہ گناہ ہو جائے گا۔

امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں:

إنما كان هذه رخصة له خاصة، ولو أن رجلا فعل ذلك اليوم لم يكن له بد من التكفير(٢)۔

یہ محض اس شخص کے لیے رخصت خصوصی تھی، آج کوئی ایسا جرم کرے تو اسے کفارہ دیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کفارۂ گناہ کے عام قانون سے بری نہیں کیا ہے۔

جوان صحابی کو ایک خاتون کا دودھ پینے کی اجازت اور حرمتِ رضاعت کا ثبوت:

(٢١) عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لِعَائِشَةَ، إِنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْكِ الْغُلَامُ الأَيْفَعُ الَّذِى مَا أُحِبُّ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيَّ. قَالَ: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَمَا لَكِ فِي

(١) الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٣٥٥، كتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع، مجلس البركات.

(٢) سنن أبي داود، ص: ٢٧١، كتابُ الصوم / باب كفارة من أتى أهله فى رمضان، رقم الحديث: ٢٣٩١.

رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- أُسْوَةٌ قَالَتْ: إِنَّ امْرَأَةَ أَبِي حُذَيْفَةَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ سَالِمًا يَدْخُلُ عَلَيَّ وَهُوَ رَجُلٌ وَفِي نَفْسِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْهُ شَيْءٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- «أَرْضِعِيهِ حَتَّى يَدْخُلَ عَلَيْكِ».(۱)

ترجمہ: زینب بنت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ نے ام المومنین، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ آپ کے پاس ایک نوجوان لڑکا آتا ہے جسے میں اپنے پاس آنا پسند نہیں کرتی، حضرت عائشہ نے فرمایا: کیا تمھارے لیے رسول اللہ کی سنت (بہتر) نمونہ نہیں ہے؟

انھوں نے (اس کی تشریح کرتے ہوئے) فرمایا: ابو حُذیفہ کی بیوی (سہلہ بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے عرض کی، یا رسول اللہ: (ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام) سالم میرے پاس آتا جاتا ہے اور وہ مرد ہو چکا ہے اور میں اس کی وجہ سے حضرت ابو حُذیفہ کے دل میں ناگواری محسوس کرتی ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو دودھ پلادو تاکہ وہ تمھارے پاس جا، آسکے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کو عمومی دلیل قرار دیتی تھیں، اس لیے یہ اشارہ دیا کہ وہ نوجوان ان کا رضاعی بھائی ہے اور رضاعی بھائی اپنی بہن کے پاس آسکتا ہے جیسا کہ نسبی بھائی آسکتا ہے، حضرت مسروق کی روایت میں ان کا یہ توضیحی بیان بھی ہے:

فقلتُ: يا رسول الله، إنه أخي من الرضاعة.(۲)

---

(۱)● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٦٩، كتاب الرضاع/ فصل فى رضاعة الكبير، مجلس البركات
● سنن النسائي، ص: ۳٥٠، كتاب النكاح/ باب رضاع الكبير.
● سنن ابن ماجه، ص: ۲۱۱، كتاب النكاح/ باب رضاع الكبير.
● مسند الإمام أحمد، ص:١٨٩٤، مسند النساء/ حديث السيدة، عائشة، رقم الحديث: ۲٥۹۲۹.

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٦٩، كتاب الرضاع/ فصل في رضاع الكبير، مجلس البركات.
● سنن النسائي، ص: ۳٥۱، كتاب النكاح / باب رضاع الكبير.
● سنن ابن ماجه، ص: ۲۱۱، كتاب النكاح/ باب لا رضاع بعد فصال.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:١٩٨٢، مسند النساء / حديث أم سلمة زوج النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم- رقم الحديث: ۲۷۱۹٦.

ترجمہ: یارسول اللہ وہ میرا رضاعی بھائی ہے۔

مگر دوسری امہات المومنین سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کو خاص حضرت سالم کے لیے ایک استثنائی فرمان مانتی تھیں۔ اسی لیے حضرت ام سلمہ نے نکیر فرمائی اور آج سوائے کچھ غیر مقلدین کے ساری امت کا یہی موقف ہے۔

(۲۲) أَخْبَرَنِي أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ أَنَّ أُمَّهُ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّهَا أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- كَانَتْ تَقُولُ: أَبَى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلَّمَ- أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ: وَاللَّهِ مَا نَرَى هَذَا إِلاَّ رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- لِسَالِمٍ خَاصَّةً فَمَا هُوَ -بِداخل علينا- أَحَدٌ بِهَذِهِ الرَّضَاعَةِ وَلاَ رَائِينَا۔[1]

ترجمہ: ابوعبیدہ بن عبد اللہ بن زمعہ نے بتایا کہ ان کی ماں زینب بنت ابوسلمہ نے بتایا کہ ان کی ماں ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (سالم جیسے جوان کی شیر نوشی کے پیش نظر) فرماتی تھیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام ازواجِ طاہرات نے اس طرح کی رضاعت کے رشتے سے کسی کو اپنے پاس آنے سے انکار فرمادیا، اور سب نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا:

اللہ کی قسم ہم لوگ اسے بس ایک رخصت سمجھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص سالم کو عطا فرمائی تھی۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کے رشتہ رضاعت کی وجہ سے نہ کسی کو ہمارے پاس لاتے۔ نہ کوئی ہمارے پاس آسکتا ہے، نہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔

(۲۳) عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ سَهْلَةَ ، امْرَأَةِ أَبِي حُذَيْفَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَدُخُولَهُ عَلَيْهَا ، فَزَعَمَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَمَرَهَا أَنْ تُرْضِعَهُ فَأَرْضَعَتْهُ وَهُوَ رَجُلٌ بَعْدَمَا شَهِدَ بَدْرًا۔[2]

ترجمہ: عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ان کے پاس آتے جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ٤٦٩، كتاب الرضاع/ فصلٌ في رضاعة الكبير، مجلس البركات.

(۲) ● الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج:٣، ص:٨٢، ذكر سالم مولى أبي حذيفة.

● المستدرك على الصحيحين، ج:٤، ص:٦١، كتاب معرفة الصحابة/ باب الرضاع في الكبير.

نے انھیں حکم دیا کہ وہ اسے دودھ پلادیں توانھوں نے سالم کو دودھ پلادیا حالاں کہ اس وقت وہ مرد تھے اور اس سے پہلے بدر میں شریک ہو چکے تھے۔

دودھ پلانے کی اجازت دو سے ڈھائی سال کی عمر تک کے بچے کے لیے ہے چناں چہ ارشاد باری ہے:

"وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ"(۱)

ترجمہ: مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ یہ (مدت) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۔(۲)

ترجمہ: اور شکم میں حمل رہنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) مہینے ہے۔

مگر حضور سید عالم ﷺ نے اس قانون رضاعت سے حضرت سالم کو الگ کر کے انھیں جوانی کی حالت میں ایک خاتون کا دودھ پینے اور پلانے کی اجازت دی۔ ساتھ ہی اس پر رضاعی رشتے کا حکم بھی جاری فرمادیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا اختیار عطا فرمایا ہے۔

دو صحابہ کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت:

(٢٤) حَدَّثنا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَنْبَأَهُمْ: " أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي الْقُمُصِ الْحَرِيرِ فِي السَّفَرِ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا، أَوْ وَجَعٍ كَانَ بِهِمَا ".(۳)

ترجمہ: قتادہ نے یہ حدیث بیان کی کہ انس بن مالک نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) القرآن الكريم، سورة البقرة:۲، الأية: ۲۳۳.

(۲) القرآن الكريم، سورة الأحقاف:٤٦، الأية: ۱۵.

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۸٦۸، كتاب اللباس/ باب ما يرخص للرّجال، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۱۹۳، كتاب اللباس/ بابُ إباحة لبس الحرير للرجال.
● جامع الترمذي، ج:۱، ص: ۲۰۵، كتاب اللباس/ باب ما جاء في الرخصة في لبس الحرير.
● سنن أبي داؤد، ص: ٤٤٤، كتاب اللباس/ باب لبس الحرير بعذر.
● سنن ابن ماجه، ص: ۳۸۷، كتاب اللباس/ باب من رخص له في لبس الحرير.
● سنن النسائي، ص: ۵۳۸، كتاب الزينة/ باب الرخصة في لبس الحرير.

عبد الرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام کے بدن میں خارش کی وجہ سے انھیں ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دے دی۔

ریشم اس امت کے مردوں پر حرام ہے، مگر افضل المرسلین ﷺ نے اپنے دو صحابہ کو اس حکم سے بری فرمادیا۔

حیض وجنابت کی حالت میں چند اہل بیت کو مسجد میں جانے کی اجازت:

(۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-: لَقَدْ أُعْطِيَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ثَلاَثَ خِصَالٍ، لأَنْ تَكُونَ لِي خَصْلَةٌ مِنْهَا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْطَى حُمْرَ النَّعَمِ.

قِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ؟ قَالَ: • تَزَوَّجُهُ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- • وَسُكْنَاهُ الْمَسْجِدَ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَحِلُّ لَهُ فِيهِ مَا يَحِلُّ لَهُ ، • وَالرَّايَةُ يَوْمَ خَيْبَرَ.

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علی کو تین فضائل ایسے عطا ہوئے کہ ان میں سے ایک فضیلت بھی میرے لیے ہوتی تو یہ مجھے سرخ اونٹوں کی عطا سے زیادہ پسندیدہ ہوتی۔ (سرخ اونٹ عربوں کے نزدیک بہت پسندیدہ مال تھے) عرض کیا گیا کہ امیر المومنین وہ تینوں باتیں کیا کیا ہیں؟ فرمایا:

- رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے ساتھ ان کا نکاح۔
- مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہائش کہ ان کے لیے مسجد میں وہ بات حلال تھی۔ جو رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال تھی۔ (یعنی جنابت کی حالت میں رہنا جیسا کہ دوسری احادیث میں یہ بیان موجود ہے۔)
- اور فتح خیبر کا علم پانا۔ (سب کی آرزو تھی کہ وہ علم اسے ملے مگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو دیا۔)

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:۳،ص:۱۲۵، كتاب معرفة الصّحابة، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲٦) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- لِعَلِيٍّ «يَا عَلِيُّ لاَ يَحِلُّ لأَحَدٍ أَنْ يُجْنِبَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرُكَ». قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ قُلْتُ لِضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ: مَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: لاَ يَحِلُّ لأَحَدٍ يَسْتَطْرِقُهُ جُنُبًا غَيْرِي وَغَيْرُكَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، غَرِيبٌ لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ سَمِعَ مِنِّي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ هَذَا الْحَدِيثَ وَاسْتَغْرَبَهُ.(۱)

ترجمہ: ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: اے علی، میرے اور تمھارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ اس مسجد میں جنابت کی حالت میں داخل ہو۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، غریب ہے، ہم یہ حدیث اسی سند سے جانتے ہیں امام محمد بن اسماعیل نے مجھ سے یہ حدیث سنی تو انھوں نے اسے غریب قرار دیا۔

(۲۷) عَنْ جَسْرَةَ، قَالَتْ: أَخْبَرَتْنِي أُمُّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِلَى الْمَسْجِدِ، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: أَلا إِنَّ هَذَا الْمَسْجِدَ لا يَحِلُّ لِجُنُبٍ، وَلا لِحَائِضٍ إِلا لِلنَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ وَفَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ، وَعَلِيٍّ. أَلا بَيَّنْتُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا.(۲)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کو نکلے تو بلند آواز سے پکار کر فرمایا:

سنو! یہ مسجد کسی جنبی اور حائض کے لیے حلال نہیں، مگر ● نبی ﷺ ● اور آپ کی ازواج مطہرات ● اور خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا ● اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے حلال ہے، سن لو! میں نے تم سے صاف صاف بیان کر دیا کہ کہیں بھٹک نہ جاؤ۔

جنابت اور حیض کی حالت میں کسی بھی مرد و عورت کو مسجد میں جانا حرام ہے یہ اسلام کا عمومی

---

(۱)● جامع الترمذي، ج:۲، ص:۲۱٤، أبواب المناقب/ باب مناقب علي بن أبي طالب.
● مسند أبي يعلى، ج:۲، ص:۳۱۱، من مسند أبي سعيد الخدري، دار المامون، للتراث.
● السنن الكبرى للبيهقي، ج:۷، ص: ٦٦، كتاب النكاح/ باب دخوله المسجد جنبا، مجلس دائرة المعارف حيدر آباد.

(۲)● المعجم الكبير للطبراني، ج:۲۳، ص:۳۷۳، ۳۷٤، عن أم سلمة.
● السنن الكبرىٰ للبيهقي، ج:۷، ص: ٦٥، كتاب النكاح/ باب دخوله المسجد جنبا، مجلس دائرة المعارف.

قانون ہے جس کا اطلاق ہر شخص پر ہوتا ہے مگر حضور سید عالم ﷺ نے اپنے آپ کو اور کچھ اہل بیت کو اس قانون کے برخلاف مسجد میں حیض اور جنابت کی حالت میں جانے کی اجازت دی وہ حضرات یہ ہیں:

* ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن
* حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
* حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

سونے کے حکم عام سے، حضرت براء بن عازب کو رخصت:

عن البراء -رضی الله عنه- قال: أمرنا النبي -صلی الله تعالی علیه وسلم- بسبع ... ونهانا عن سبع: عن خاتم الذهب، أو قال: حلقة الذهب وعن لبس الحرير.[1]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا۔۔۔ اور سات چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے سونے کی انگوٹھی، سونے کے حلقہ اور ریشم پہننے سے منع فرمایا۔

اسلام کا یہ قانون تمام مسلمان مردوں کو عام ہے ان میں سے کسی کو سونے کی انگوٹھی، یا حلقہ پہننا جائز نہیں۔ لیکن رسول مجتبیٰ ﷺ نے اس قانونِ عام سے اپنے ایک صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت دے دی۔

(۲۹) حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى الْبَرَاءِ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُولُونَ لَهُ : لِمَ تَخَتَّمُ بِالذَّهَبِ وَقَدْ نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ الْبَرَاءُ : بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَبَيْنَ يَدَيْهِ غَنِيمَةٌ يَقْسِمُهَا ، سَبْيٌ وَخُرْثِيٌّ قَالَ : فَقَسَمَهَا حَتَّى بَقِيَ هٰذَا الْخَاتَمُ ، فَرَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَى أَصْحَابِهِ ثُمَّ خَفَضَ ، ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ ، ثُمَّ خَفَّضَ ، ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ ، ثُمَّ قَالَ : أَيْ بَرَاءُ فَجِئْتُهُ حَتَّى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، فَأَخَذَ الْخَاتَمَ فَقَبَضَ عَلَى كُرْسُوعِي ثُمَّ قَالَ : خُذ، الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللهُ وَرَسُولُهُ ، قَالَ :

(۱) ● صحیح البخاري، ج:۲، ص: ۸۷۱، کتاب اللباس/ باب خواتم الذهب، مجلس البرکات.
● الصحیح لمسلم، ج:۲، ص:۷۸، کتاب اللباس/ باب تحریم استعمال إناء الذهب، مجلس البرکات.

وَكَانَ الْبَرَاءُ يَقُولُ : كَيْفَ تَأْمُرُونِي أَنْ أَضَعَ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللهُ وَرَسُولُهُ ؟.(۱)

ترجمہ: "محمد بن مالک نے کہا میں نے براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا، لوگ ان سے کہتے تھے: آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں حالاں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے؟

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، حضور کے سامنے اموالِ غنیمت غلام ومتاع حاضر تھے، حضور تقسیم فرما رہے تھے، سب بانٹ چکے، یہ انگوٹھی باقی رہی، حضور نے نظر مبارک اٹھا کر اپنے اصحاب کرام کو دیکھا، پھر نگاہ نیچی کرلی، پھر نظر اٹھا کر ملاحظہ فرمایا پھر نگاہ نیچی کرلی، پھر نظر اٹھا کر دیکھا اور مجھے بلایا: اے براء! میں حاضر ہو کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا، سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی، پھر فرمایا: پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"۔

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: تم لوگ کیوں کر مجھے کہتے ہو کہ میں وہ چیز اُتار ڈالوں جسے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لے پہن لے جو کچھ اللہ ورسول نے پہنایا"۔ جَلّ جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔(ترجمہ از اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۳۰) مالک واحمد وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ.(۲)

ترجمہ: "اگر مشقتِ امت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرمادیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں۔"

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۳۵۷، مسند الكوفيين/ حديث البراء بن عازب، رقم الحديث:۱۸۸۳.

(۲) ● مؤطا إمام مالك، ج:۱،ص:۱۱۲، كتاب الصلاة/ باب ما جاء في السِّواك.
- ● مسند الإمام أحمد، ص: ۵۵٤، مسند المكرين، مسند أبي هريره.
- ● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۲۲، كتاب الجمعة/ باب السِّواك يوم الجمعة، مجلس البركات.
- ● الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۱۳۸، كتاب الطهارة/ باب السِّواك، مجلس البركات
- ● سنن النسائي، ص: ۱۹، كتاب الطهارة/ باب الرخصة في السواك بالعشي للصائم.
- ● سنن ابن ماجه، ص: ٤۷، كتاب الطهارة وسننها/ باب السواك.

علما فرماتے ہیں: یہ حدیث متواتر ہے۔ قالہٗ، في التیسیر وغیرہ۔

● احمد ونسائی نے انھیں (حضرت ابو ہریرہ) سے بسند صحیح یوں روایت کی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ بِوُضُوءٍ وَ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ بِسِواكٍ.[1]

ترجمہ: ”امت پر دشواری کا لحاظ نہ ہو تو میں ان پر فرض کردوں کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔“

یہ حدیث نقل کرکے اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے زبردست استدلال فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

امر کی قسمیں اور ان کا حکم

أقول: امر دو قسم ہے:

ایک حتمی: جس کا حاصل ایجاب اور اس کی مخالفت معصیت۔ جیسے ارشادِ باری ہے:

«فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ».[2]

ترجمہ: تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔

دوسرا ندبي: جس کا حاصل ترغیب اور اس کے ترک میں وسعت۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: أُمِرْتُ بِالسِّوَاكِ حتىّٰ خَشِيْتُ أَنْ يُّكْتَبَ عَلَيَّ.[3]

”مجھے مِسواک کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کر دیا جائے۔

أَحْمَدُ عَنْ وَّاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ -رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ- بِسَنَدٍ حَسَنٍ.

امر ندبي تو یہاں قطعاً حاصل ہے تو ضرور نفی حتمی کی ہے۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد، ص: ٥٦٥، مسند المكيين/ مسند أبي هريرہ.

(۲) القرآن الحكيم، سورة النور: ٢٤، الآية: ٦٣.

(۳) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:١١٣٣، مسند المكيين/ حديث واثلة بن الأسقع من الشاميين.

امر حتمی بھی دو قسم کا ہے: **ظنی** جس کا مفاد وجوب اور **قطعی** جس کا مقتضٰی فرضیت۔

ظنّیت (خواہ من جهة الرواية یا من جهة الدّلالة) ہمارے حق میں ہوتی ہے حضور سید عالم ﷺ کے علوم سب قطعی یقینی ہیں جن کے سراپردہ عزت کے گرد ظنون کو اصلاً بار نہیں تو قسم واجبِ اصطلاحی حضور کے حق میں متحقق نہیں، وہاں یا فرض ہے یا مندوب، نَصَّ عَلَيْهِ الْإِمَامُ الْمُحَقِّقُ حَيْثُ أُطْلِقَ فِي الْفَتْحِ.

اب واضح ہو گیا کہ ان ارشادات کریمہ کے قطعاً یہی معنی ہیں کہ میں چاہتا تو اپنی امت پر ہر نماز کے لیے تازہ وضو اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنا فرض فرما دیتا مگر ان کی مشقت کے لحاظ سے میں نے فرض نہ کیے۔ اور اختیار احکام کے کیا معنی ہیں۔ وللہ الحمد.[۱]

قرآن حکیم کی ایک آیتِ کریمہ اور اُنچاس احادیث نبویہ آپ کے پیش نظر ہیں، ان سے بہت واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ احکام تشریعی حضور سید عالم ﷺ کو اللہ عزّ و جلّ نے تفویض فرما دیے ہیں، مگر فرقۂ وہابیہ کے امام اسے شرک قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) یہ عنوان امام اہل سنت، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ: "والأمنُ والعلى لِناعِتي المصطفى بدافع البلا" سے معمولی تصرف کے ساتھ ماخوذ ہے۔ ۱۲ منہ.

بارہواں مسئلہ

مدینۂ منوّرہ کے حرم ہونے کے شواہد

احادیثِ نبویہ سے

مکۂ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ حرم بنایا اور مدینۂ طیبہ کو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم بنایا، اسی لیے مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کو حَرَمین شریفین کہا جاتا ہے، یہ دونوں شہر امن و امان کے شہر ہیں، وہاں کے جانوروں کو بِدکانا، انھیں شکار کرنا، وہاں کے درخت کاٹنا، وہاں کی گھاس چھیلنا، وہاں کسی کا خون بہانا جائز نہیں۔ کچھ احکام میں دونوں حرم میں فرق بھی ہے مگر یہ مقام اس کی تفصیل کا نہیں۔

کثیر احادیث نبویہ۔ جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ اس امر کی شاہد ہیں کہ حضور شارع اسلام، ناطق وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حَرَم بنایا، لہٰذا حدودِ حرم کا احترام ضروری ہوگا، اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ کے امام نے بہت سخت بات لکھ دی، ان کے الفاظ پڑھیے:

"بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں جیسے ... اس کے گھر کی طرف دور، دور سے قصد کر کے سفر کرنا، ... اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مواشی نہ چگانا یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتائے ہیں ... پھر جو کسی پیر و پیغمبر کو یا بھوت و پری کو سجدہ کرے ... یا ایسے مکانوں میں دور دور سے قصد کر کے جاوے ... وہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے ... تو اس پر شرک

ثابت ہوجاتا ہے اس کو اِشراك في العبادة کہتے ہیں، یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی۔
پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں، یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے... ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"(۱)

پیرو پیغمبر کو بہ نیّتِ عبادت سجدہ کرنا ضرور شرک ہے، لیکن تعظیماً پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا، وہاں کا شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا ہرگز شرک نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے شہر مقدس کو حرم بنا کر خود اس کے ادب واحترام کا حکم جاری فرمادیا ہے۔ احادیث نبویہ میں اس کے کثیر شواہد موجود ہیں، ہم یہاں چند پیش کرتے ہیں۔(۲)

دلائلِ اہلِ سنت

مدینہ منورہ کے حرم ہونے کے شواہد، احادیث طیبہ سے:

① عن أنس بن مالك أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا.(۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کیا: "الٰہی! بے شک ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مکہ معظمہ کو حرم کردیا اور میں مدینہ طیبہ کی دونوں پتھریلی زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔"

② عن عبد الله بن زيد بن عاصم أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه

---

(۱) تقوية الإيمان ص:۱۰، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں، راشد کمپنی دیوبند

(۲) یہ شواہد ہمیں امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب: "الأمن والعلی" میں یک جا مل گئے، ہم نے وہیں سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، البتہ سند میں اصل راوی حدیث "صحابی رسول" کے ذکر اور خاص طریقے پر حوالوں کی تخریج کا اضافہ کیا ہے۔ ۱۲ منہ

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:٤٧٧، كتاب الأنبياء/ باب يزفون النسلان في المشي، مجلس البركات.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:٥٨٢، كتاب المغازي/ غزوة أحد، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤١، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:٨٨٣، ٨٨٤، مسند المكثرين/ مسند أنس بن مالك، رقم الحديث:١٢٥٣٨.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:٣١١، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

وسلم- قال: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لأَهْلِهَا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيمُ لأَهْلِ مَكَّةَ.[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے مکۂ معظمہ کو حرم بنادیا اور اس کے ساکنوں کے لیے دعا فرمائی، اور بے شک میں نے مدینہ طیبہ کو حرم کردیا جس طرح انھوں نے مکے کو حرم کیا۔ اور میں نے اس کے پیمانوں میں اس سے دونی برکت کی دعا کی جو دعا انھوں نے اہل مکہ کے لیے کی تھی۔"

③ أخبرني عامر بن سعد بن أبي وقّاص، عن أبيه أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَي الْمَدِينَةِ أَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا.[2]

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک میں حرم بناتا ہوں دو سنگلاخ مدینہ کے درمیان کو کہ اس کی ببولیں نہ کاٹی جائیں اور اس کا شکار نہ مارا جائے۔"

④ عن رافع بن خديج قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ -عليه الصلاة والسلام- حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا.[3]

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۸٦، كتاب البيوع/ باب بركة صاع النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۱۷، أول مسند المدنيين/ حديث عبد الله بن زيد، رقم الحديث: ١٦٥٦.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱٦۳، ١٦٤، مسند العشرة / مسند أبي إسحاق سعد بن أبي وقاص، رقم الحديث: ۱٥۷۳.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الحج / باب فضل المدينة.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک ابراہیم نے مکہ معظمہ کو حرم کردیا اور میں مدینہ کے دونوں سنگلاخ کے درمیان کو حرم کرتا ہوں"

⑤ عن أبي سعيد . . . قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: اَللّٰهُمّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجعَلَهَا حَرَمًا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا أَنْ لاَ يُهَرَاقَ فِيهَا دَمٌ وَلاَ يُحْمَلَ فِيهَا سِلاَحٌ لِقِتَالٍ وَلاَ يُخْبَطَ فِيهَا شَجَرَةٌ إِلاَّ لِعَلْفٍ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "الٰہی! بے شک ابراہیم نے مکہ معظمہ کو حرام کر کے حرم بنادیا اور بے شک میں نے مدینہ کے دونوں کناروں میں جو کچھ ہے اسے حرم بناکر حرام کردیا کہ اس میں کوئی خون نہ گرایا جائے، نہ لڑائی کے لیے اسلحہ باندھیں، نہ کسی پیڑ کے پتے جھاڑیں مگر جانور کو چارہ دینے کے لیے۔"

⑥ عن أبي قتادة أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-... قال .... اَللّٰهُمّ إِنِّي قَدْ حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا كَمَا حَرَّمْتَ عَلَى لِسَانِ إِبْرَاهِيمَ الْحَرَمَ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "الٰہی بے شک میں نے تمام مدینہ کو حرم کردیا جس طرح تو نے زبانِ ابراہیم پر حرم محترم کو حرم بنایا۔"

هو وَ أحمد و الرُّوْيَانِي عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضي الله تعالى عنه.(۲)

⑦ عن جابر قال: قال النبّي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ بيت الله وَ أَمَّنَهُ وَ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ بَيْنَ لاَبَتَيْهَا لاَ يُقْطَعُ عِضَاهَا وَلاَ يُصَادُ صَيْدُهَا.(۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۳، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۶۷، ۱۶۴، مسند الأنصار / حديث أبي قتادة الأنصارى، رقم الحديث: ۲۳۰۰۷.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۰، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۰، كتاب الصيد / صيد المدينة.

ابراہیم نے بیت اللہ کو حرم بنادیا اور امن والا کردیا اور میں نے مدینہ طیبہ کو حرم کیا کہ اس کے خار دار درخت بھی نہ کاٹے جائیں اور اس کے جانور شکار نہ کیے جائیں۔"

⑧ عن ابن المسيّب، أنّ أبا هريرة قال: حَرَّمَ رَسُولُ الله -صلى الله عليه وسلم- مَا بَيْنَ لَابَتَي الْمَدِينَةِ. وَجَعَلَ اثْنَيْ عَشَرَ مِيلاً حَوْلَ الْمَدِينَةِ حِمًى.(۱)

ترجمہ: سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ "تمام مدینہ طیبہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم کردیا اور اس کے آس پاس بارہ، بارہ میل تک سبزہ و درخت کو لوگوں کے تصرف سے اپنی حمایت میں لے لیا۔"

⑨ عن رافع بن خديج -رضي الله تعالى عنه- أنَّ رَسُولَ الله -صلى الله عليه وسلم- حَرَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَي الْمَدِينَةِ.(۲)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ "بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمام مدینہ طیبہ کو حرم بنادیا۔"

⑩ حَدَّثَنا عاصمٌ، قال: قُلْتُ لأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَحَرَّمَ رَسُولُ الله -صلى الله عليه وسلم- الْمَدِينَةَ؟ قَالَ نَعَمْ.- الحديث زَادَ أَبُوْ جَعْفَرَ فِي رِوايةٍ: لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا- وَ لِمُسْلِمٍ في أخرىٰ: نَعَمْ، هِيَ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى خَلاها فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَعلَيْهِ لَعْنَةُ الله وَ الملائكةِ و النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.(۳)

ترجمہ: حضرت عاصم بیان کرتے ہیں کہ "میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، کیا مدینہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم بنادیا؟ فرمایا: ہاں، اس کا پیڑ نہ کاٹا جائے، اس کی گھاس نہ چھیلی جائے، جو ایسا کرے اس

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۵۱، فضائل المدينة/ باب حرم المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۲، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۷۳۵، مسند المكثرين/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۱۰۳۲۲.
● مصنف عبد الرزّاق، ج:۹، ص:۲۹۰، كتاب حرمة المدينة، رقم الحديث: ۱۷۱۴۵.

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۰، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۰، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۱، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۲، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

پر لعنت ہے اللہ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی۔"

⑪ عن سليمان بن أبي عبد الله قال: رأيتُ سعد بن أبي وقّاص ... فقال ... إنَّ رَسُوْلَ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- حَرَّمَ هٰذا الْحَرَمَ.(۱)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابو وقّاص کا بیان ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس حرم محترم کو حرم بنایا۔

⑫ عن شُرَحبيل، قال: أتانا زيدُ بنُ ثابت -رضى الله تعالى عنه- ونحنُ نُنصب فخاخاً لنا بالمدينة فرمى بها، وقال: أَ لَمْ تَعْلَمُوا أنَّ رسولَ الله -صلى الله عليه و سلم- حَرَّمَ صَيْدَهَا.(۲)

ترجمہ: حضرت شُرحبیل کہتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں جال لگا رہے تھے، زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، جال پھینک دیا اور فرمایا: تمھیں خبر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کا شکار حرام قرار دیا ہے۔

ابو بکر بن ابی شیبہ نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث یوں روایت کی:

إنّ النَّبِيَّ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- حَرَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.(۳)

"بے شک نبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے پورے مدینۂ منورہ کو حرم کر دیا۔"

⑬ عن أبي سعيد الخدري أنَّ رَسُوْلَ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- حَرَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُّعْضَدَ شَجَرُهَا أَوْ يُخْبَطَ.(۴)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمام مدینے کو حرم بنا دیا ہے کہ اس کے پیڑ نہ کاٹے جائیں، نہ پتے جھاڑیں۔"

ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف فرماتے ہیں میں نے ایک چڑیا پکڑی تھی، اسے لیے ہوئے باہر گیا، میرے والد ماجد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے، شدت سے میرا کان مل کر چڑیا کو

---

(۱) سنن أبي داود، ص: ۲۳۲، كتاب المناسك/ بابٌ في تحريم المدينة، رقم الحديث: ۲۰۳۷.

(۲) شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

(۳) مُصنّف ابن أبي شيبة، ج:۱۲، ص: ۳۹۰، باب حرمة المدينة، الفاروق الحديثية، قاهرة.

(٤) شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

چھوڑ دیا اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینے کا شکار حرام فرمادیا ہے۔"

⑭ عن صالح بن إبراهيم، عن أبيه، قال: اصطدتُ طيراً بالقنبلة، فخرجتُ به في يدي، فلقيني أبي عبد الرحمن بنُ عوف فقال: مَا هذا؟ فقلتُ: طيرٌ، اصطدتُه بالقنبلة، فحرَّك أذني عركاً شديداً، ثمّ أرسله من يديّ، ثمّ قال: حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ - صلى الله تعالىٰ عليه وسلم - صَيْدَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.[1]

یہ ۱۴ر حدیثیں ہیں، جن میں شروع کی حدیثوں میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہم نے مدینہ طیبہ کو حرم کر دیا" اور بعد والی حدیثوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ "حضور کے حرم کر دینے سے مدینہ طیبہ حرم ہو گیا"، حالاں کہ یہ صفت خاص اللہ عزوجل کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے جنگل کا حرم ہونا نہ فقط انھی چودہ احادیث سے ثابت ہے بلکہ ان کے سوا اور بہت احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ مثلاً:

⑮ عن أنس بن مالك، عن النبي -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا.[2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ یہاں سے یہاں تک حرم ہے اس کا پیڑ نہ کاٹا جائے۔"

⑯ عن أبي هريرة، عن النّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- قال: المَدِيْنَةُ حَرَمٌ. الحديث.[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ حرم ہے"

---

(١) شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١١، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

(٢) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٥١، فضائل المدينة/ باب حرمة المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤١، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:٩٥١، مسند المكثرين/ مسند أنس بن مالك، رقم الحديث: ١٣٥٧٤.

● شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١٢، كتاب الصيد والذبائح/ باب صيد المدينة.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤٢، كتاب الحج/ بابُ فضلِ المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

هُمَا (أي البخاري ومسلم) وَ الطَّحَاوِيُّ وَ ابنُ جَرِيْرٍ وَّ اللفظُ لمسلم.

⑰ عن علي ... عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: الْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إلى كذا - وَ لِمُسْلِمٍ وَ الطَّحَاوِي مَا بَيْنَ عَيْرٍ إلى ثَوْرٍ - الحديث - زَادَ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوُد فِي رِوَايَةٍ: لَا يُخْتَلٰي خَلَاهَا وَ لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا.[1]

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مدینہ کوہ عیر سے جبل ثور تک حرم ہے۔

احمد اور ابو داود نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا کہ

اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اور اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے۔"

⑱ عن سهل بن حنيفة قال: هوى رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم- بيده إلى المدينة فقال: إِنَّهَا حَرَمٌ اٰمِنٌ.

ترجمہ: سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دستِ مبارک سے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: "بے شک یہ امن والی حرم ہے۔"

هُوَ (أي مسلم) وأَحْمَدُ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ أَبُوْ عَوَانَةَ.[2]

⑲ حدثنا شهرٌ، قال ابنُ عباس: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم-: لِكُلِّ نَبِيٍّ حَرَمٌ وَ حَرَمِي الْمَدِيْنَةُ.[3]

---

(١) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٥١، فضائل المدينة/ بابُ حرمةِ المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤٢، كتاب الحج/ بابُ فضلِ المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:٩١، مسند الخلفاء الراشدين/ مسند علي بن أبي طالب، رقم الحديث: ٦١٥.
● شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١٠، كتاب الصّيد والذبائح/ باب صيد المدينة.
● سنن أبي داود، ص: ٢٣٢، كتاب المناسك/ باب في تحريم المدينة، رقم الحديث: ٢٠٣٤.

(٢) ● الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤٣، كتاب الحج/ بابُ فضلِ المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:١١٣٠، مسند المكيين/ حديث سهل بن حنيف، رقم الحديث: ١٦٠٧٢.
● شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١١، كتاب الصّيد/ باب صيد المدينة.

(٣) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٢٦٣، مسند آل العبّاس/ مسند عبد الله بن عبّاس، رقم الحديث: ٢٩٢٢.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کے لیے ایک حرم ہوتی ہے اور میری حرم مدینہ ہے۔"

⑳ عن جابر، انَّ النَّبِيَّ -صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- حَرَّمَ كُلَّ دَافَّةٍ أَقْبَلَتْ عَلَى الْمَدِيْنَةِ مِنَ الْعِضَةِ. الحديث۔[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے ہر گروہ مردم کو کہ حاضرِ مدینہ ہو اس کے خاردار درخت ممنوع فرمادیئے۔

㉑ عن أبي أيوب الأنصاري -رضي الله تعالى عنه- أنه وجد غِلمانا قد ألجؤوا ثعلباً إلى زاوية، فطردهم، قال مالِكٌ: لا أعلم إلّا أنه قال: أ في حرم رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم- يُصنَعُ هذا؟[2]

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لڑکوں نے ایک روباہ کو گھیر کر ایک گوشے میں کر دیا تھا، ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکوں کو بھگا دیا۔

امام مالک فرماتے ہیں اور مجھے اپنے یقین سے یہی یاد ہے کہ فرمایا:

"کیا رسول اللہ ﷺ کی حرم میں ایسا کیا جاتا ہے؟"

㉒ ابنُ مسعود – يَبْعَثُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْبَقِيْعَةِ وَ مِنْ هٰذَا الْحَرَمِ سَبْعِيْنَ أَلْفًا يَّدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ يَشْفَعُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِي سَبْعِيْنَ أَلْفًا وُجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ.[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس بقیع اور اس حرم سے ستر ہزار شخص ایسے اٹھائے گا کہ بے حساب جنت میں جائیں گے اور ان میں ہر ایک ستر ہزار کی شفاعت کرے گا، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔"

---

(۱) مصنّف عبد الرزّاق، ج: ۹، ص: ۲۶۱، كتابُ الأشربة/ باب حرمة المدينة رقم الحديث: ۱۷۱۴۷.

(۲) شرح معاني الآثار، ج: ۲، ص: ۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۳) الفردوس بمأثور الخطاب، ج: ۵، ص: ۲۶۰، باب الياء، دار الكتب العلمية.

الغرض اس باب میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں جن سے روز روشن کی طرح یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے مدینۂ منورہ کو حَرَم بنایا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا وہی ادب مقرر فرمایا جو مکۂ معظمہ کے جنگل کا ہے۔

مگر امام الطائفہ اسے شرک قرار دیتے ہیں، الفاظ یہ ہیں:

"گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے بتائے ہیں، پھر جو کوئی کسی پیر، پیغمبر یا بھوت و پری کے مکانوں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے تو اس پر شرک ثابت ہے۔"

یہ فرمان احادیثِ نبویہ، بالخصوص احادیثِ صحیحین سے کھلا انحراف ہے، خدائے پاک اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

تیرہواں مسئلہ

"اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول" کہنا جائز ہے

احادیث نبویہ سے روشن ثبوت

بندہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کرتا ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو نہیں کرتا، مثلاً وہ سفر کرنا چاہتا ہے تو سفر کرتا ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو نہیں کرتا، یا چاہے تو کھانا کھاتا اور پانی پیتا ہے اور نہ چاہے تو نہیں کھاتا، نہیں پیتا۔ یہ بات روزمرہ کے مشاہدات سے ہے جو سب جانتے، مانتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادر مطلق نے انسان کو "چاہنے" اور "نہ چاہنے" کی قوت بخشی ہے۔ ہاں بغیر اللہ تعالیٰ کی عطا کے بندے کے پاس ذاتی طور پر اپنی کوئی چاہت و مشیت نہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی مشیت ذاتی ہے کہ یہ وصف خاص اس قادر مطلق کو اپنی ذات سے بغیر کسی کی عطا کے حاصل ہے۔

خدائے قدیر و توانا کی عطا سے بندے کی چاہت بھی یک گونہ اثر رکھتی ہے اس لیے یہ کہنا جائز ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ چاہے، پھر اللہ کے رسول ﷺ"

ہاں یہ نہیں کہنا چاہیے:

"اللہ چاہے اور اللہ کے رسول۔ جل وعلا و ﷺ"

درس گاہِ نبوی سے براہ راست فیض پانے والے نفوس قدسیہ کے سینوں میں عقیدۂ توحید جس قدر راسخ اور پختہ تھا آج اس کی مثال نہیں مل سکتی پھر بھی وہ حضرات اپنی بول چال میں کہا کرتے تھے:

"ما شاءَ اللہُ وما شاءَ محمد۔ یا۔ ما شاءَ اللہُ وما شِئْتَ" جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد (ﷺ)- یا- جو چاہے اللہ اور جو چاہیں آپ، یا رسول اللہ۔ تو حضور سید عالم ﷺ نے اسے شرک سے نہیں شمار فرمایا، بلکہ ابتداءً منع بھی نہیں فرمایا، جب کچھ یہود و نصاریٰ نے اسے "شرک" قرار دیا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد میں اپنے اصحاب کو اس کی جگہ "مَا شاءَ اللہُ ثم مَا شَاءَ محمد-یا- ثُمَّ مَا شِئْتَ" کہنے کی ہدایت فرمائی جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کبھی کسی مریضِ قلب کو شرک کا وہم ہو سکتا تھا، یا کوئی اسے شرک کہہ کر مذہب اسلام اور صحابہ کرام کی مقدس ہستیوں کو مطعون کر سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہم اہل حق- اہل سنت وجماعت- "ما شاءَ اللہُ ثُمَّ مَا شَاءَ رسولُ اللہ" کہنے کی اجازت دیتے ہیں اور سرور کائنات ﷺ کی ہدایت کو اپناتے ہیں۔

اس کے برخلاف عہد حدیث کے امامِ اہلِ حدیث اسے "شرك في العادة" قرار دیتے ہیں، آں موصوف اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں:

"الفصل الخامس في ردِّ الإشراك في العادات۔ فصل پانچویں اِشراک فی العادات کی بُرائی کے بیان میں"(۱) پھر اس کے تحت یہ خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"أخرج في شرح السُّنّة عن حُذيفة عن النّبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- قال: لا تقولوا ما شاء الله وما شاء محمدٌ، وقولوا: ما شاء الله وحدهٗ"۔

مشکات کے "باب الاسامی" میں لکھا ہے کہ شرح السنۃ میں ذکر کیا کہ نقل کیا حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ یوں نہ بولا کرو: "جو چاہے اللہ اور محمد"۔ اور بولا کرو جو چاہے اللہ فقط۔

ف یعنی جو اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملا دے خواہ کتنا ہی بڑا ہو اور کیسا ہی مقرب، مثلاً یوں نہ بولے کہ "اللہ و رسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جاوے گا" کہ سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔"(۲)

صاحب تقویۃ الایمان نے جو ضابطہ بیان کیا ہے اس کی ایک مثال "اللہ و رسول کے چاہنے" کی دی ہے۔ اور اسے "شرک فی العادات" سے شمار کیا ہے۔

---

(۱) تقویۃ الإيمان، ص: ۴۰، الفصل الخامس في ردّ الإشراك في العادات، راشد کمپنی، دیو بند۔

(۲) تقویۃ الإيمان، ص: ۵۰، الفصل الخامس في ردّ الإشراك في العادات، راشد کمپنی، دیو بند۔

حالاں کہ حضور سید عالم -ﷺ- نے حدیث مذکور میں اسے قطعاً شرک نہ فرمایا، شرک تو دہلوی صاحب کی شریعتِ جدیدہ نے بتایا ہے، ناظرین اس حدیث کو بار بار پڑھیں۔

تاکہ آپ کو اچھی طرح یہ اذعان ویقین حاصل ہو جائے کہ حدیث نبوی میں کہیں شرک کی بات اشارۃً یا کنایۃً بھی نہیں کہی گئی ہے، بلکہ اس کے بر خلاف حدیث نبوی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم: "ما شاءَ اللهُ وما شاءَ مُحمّدٌ ﷺ" کہا کرتے تھے یعنی: جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد ﷺ" تو یہ اس کلمے کے شرک نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ یہ کلمہ ایک حیثیت سے بارگاہِ الٰہی کے ادب کے شایانِ شان نہ تھا اس لیے سرکار نے فرمایا کہ یوں نہ کہا کرو، بلکہ صرف "ماشاءاللہ" کہا کرو۔

اگر وہ کلمہ بولنا شرک تھا تو کیا صحابہ کرام شرک کی بولی بولتے رہتے تھے اور کیا وہ حضرات معاذ اللہ مشرک تھے؟

خدا کی پناہ، اگر ایسا ہوتا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ان حضرات سے سب سے پہلے توبہ وتجدید ایمان کراتے، پھر کوئی ادب سکھاتے۔

امام الوہابیہ کا حدیث متّصل کو چھوڑ کر حدیث منقطع سے استدلال

علاوہ ازیں یہ حدیث منقطع ہے خود صاحب مِشکاۃ نے اسے منقطع بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند حضور سید کائنات ﷺ تک متّصل نہیں ہے، درمیان میں کہیں سے سلسلۂ سند ٹوٹا ہوا ہے اس لیے اطمینان کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حضور سید الانبیا ﷺ کی زبان پاک سے نکلی ہوئی بات ہے پھر تو اس سے عدم جواز پر بھی استدلال بجا نہ تھا، تو ایسی حدیث سے شرک پر استدلال کرنا کتنی بڑی زیادتی ہے۔ ایک تو یہ حدیث منقطع اور ناقابل استدلال ہے۔ دوسرے استدلال بھی کیا تو شرک جیسے سب سے بدترین گناہ کے اثبات کے لیے جو ناقابل عفو کبیرہ ہے۔

صاحب مشکات نے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے "نہ کہو: جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں۔ بلکہ یوں کہو کہ: جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ "اور چاہے فلاں" کی جگہ "پھر چاہے فلاں" کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد: "وفي روايةٍ منقطعا"[1] لکھ کر حضرت حُذیفہ

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص: ۴۰۸، کتابُ الآداب/ باب الأسامي، مجلس البرکات۔

والی یہ حدیث نقل کی ہے:

حدیث متّصل پیش نظر ہے پھر بھی اسے چھوڑ کر حدیث منقطع سے استدلال کیا جارہا ہے وہ بھی مشرک بنانے کے لیے، اسے سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ شرحِ حدیث کے نام پر انصاف و دیانت کا خون کیا گیا ہے۔

دلائلِ اہلِ سنت

"اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول" کے جواز کی احادیث:

اب ہم حضور سید الانبیا ﷺ کی کچھ احادیث شریفہ پیش کرتے ہیں جن سے یہ امر بخوبی عیاں ہو جائے گا کہ اپنے امور کو اللہ تعالی، پھر رسول اللہ ﷺ کی مشیت کے حوالہ کرنا جائز ہے۔

(۱) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ، أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ، فَقَالَ : نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ.

وَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ - فَقَالَ : أَمَا وَاللّٰهِ، إِنْ كُنْتُ لأَعْرِفُهَا لَكُمْ ، قُولُوا : مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ. (۱)

ترجمہ: حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ملاقات کسی کتابی سے ہو گئی تو اس نے کہا کہ تم لوگ کیا ہی اچھی قوم ہو اگر تم لوگ شرک نہ کرتے، تم لوگ کہتے ہو "جو چاہے، اللہ عزّوجلّ اور جو چاہیں محمد ﷺ۔

اس کا ذکر اس مسلمان نے نبی کریم ﷺ سے کیا، تو حضور نے فرمایا: سنو! اللہ کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم لوگ یہ بات کہتے ہو، اب یوں کہا کرو: "مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ." جو اللہ چاہے، پھر محمد ﷺ چاہیں۔

(۲) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الشَّوَارِبِ ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ سَخْبَرَةَ ، أَخِي عَائِشَةَ لأُمِّهَا ، عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وسَلَّمَ- بِنَحْوِهِ. (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجه، ص:۲۲۹، كتاب الكفارات/ بابُ النّهي أن يقال "ما شاء اللهُ و شئتُ".

(۲) سنن ابن ماجه، ص:۲۲۹، كتاب الكفارات/ بابُ النّهي أن يقال "ما شاء اللهُ و شئتُ".

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ کے ماں شریک بھائی طفیل بن سخبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث حُذیفہ کے ہم معنی حدیث روایت کی۔

(۳) عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِيٍّ ، امْرَأَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ قَالَتْ : إِنَّ حَبْرًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ ''مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتَ'' وَتَقُولُونَ ''وَالْكَعْبَةِ''، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : قُولُوا: مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شِئْتَ. وَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ.(۱) هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. قال الإمام الذّهبي في التلخيص : صحيح.

ترجمہ: قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون قُتیلہ بنت صیفی کا بیان ہے کہ ایک یہودی عالم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگ شرک کرتے ہیں، آپ لوگ کہتے ہیں ''جو چاہے اللہ اور جو چاہوں میں'' -یا جو چاہیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- اور آپ لوگ کہتے ہیں ''کعبہ کی قسم'' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم لوگ یوں کہو'' ما شاءَ اللّٰہُ ثم شئتَ'' جو چاہے اللہ تعالیٰ پھر جو چاہیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم -اور قسم میں ''وَرب الکعبة'' کہا کرو، یعنی رب کعبہ کی قسم۔

امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(٤) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ ، أَنَّ عَامِرَ بْنَ الطُّفَيْلِ لَمْ يَدْخُلِ الْمَدِينَةَ إِلاَّ بِأَمَانٍ مِنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: يَا عَامِرُ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ. قَالَ: نَعَمْ عَلَى أَنَّ لِي الْوَبَرَ وَلَكَ الْمَدَرَ. قَالَ: هَذَا لاَ يَكُونُ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: يَا عَامِرُ ، اذْهَبْ حَتَّى نَنْظُرَ فِي أَمْرِكَ إِلَى غَدٍ.

فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِلَى الأَنْصَارِ فَقَالَ : مَاذَا تَرَوْنَ ؟ إِنِّي قَدْ دَعَوْتُ هَذَا الرَّجُلَ فَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْوَبَرُ وَلِي الْمَدَرُ فَقَالُوا :

''مَا شَاءَ اللَّهُ ، ثُمَّ شِئْتَ يَا رَسُولَ اللهِ''

مَا أَخَذُوا مِنَّا عِقَالاً إِلاَّ أَخَذْنَا مِنْهُمْ عِقَالَيْنِ فَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:٤،ص:٢٩٧.

تلخيصُ الإمام الذّهبي المطبوع مع المستدرك، ج:٤،ص: ٢٩٧، كتاب الأيمان والنذور / باب تسبيح ديك رجلاه في الأرض وعنقه تحت العرش.

فَرَجَعَ عَامِرٌ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ لَهُ: أَسْلِمْ تَسْلَمْ. يَا عَامِرُ قَالَ : لَيْسَ إِلاَّ ذٰلِكَ ، فَأَبَى إِلاَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْوَبَرُ وَلِلنَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الْمَدَرُ ، فَأَبَى النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-. (۱)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ عامر بن طفیل رسول اللہ -ﷺ- سے امان لے کر مدینہ منورہ آیا، جب وہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا: ”اے عامر! اسلام قبول کرلو، محفوظ رہوگے“ تو اس نے کہا:

”ٹھیک ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دیہی علاقوں پر میری حکومت ہو، اور شہروں پر آپ کی“ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ مجھے منظور نہیں، ” أَسْلِمْ تَسْلَمْ “ اسلام قبول کرلو، محفوظ ہوجاؤ گے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عامر! ابھی تم چلے جاؤ، ہم تمھارے بارے میں کل تک غور کریں گے۔ پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو بلا کر فرمایا: تمھاری کیا راے ہے، میں نے اس شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا مگر یہ کہ دیہات پر حکومت اس کی ہو اور شہر پر میری۔ تو انصار نے عرض کیا:

”مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ“۔

”جو اللہ تعالیٰ چاہے پھر یا رسولَ اللہ آپ چاہیں“۔

وہ لوگ ہماری ایک رسی بھی لے لیں گے تو ہم ان سے دو رسیاں چھین لیں گے، آگے اللہ ورسول کو خوب معلوم ہے کہ کیا مناسب ہے۔

پھر عامر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا تو حضور نے فرمایا: اے عامر اسلام قبول کرلو محفوظ ہوجاؤ گے، اس کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے، تو اس نے انکار کردیا اور قبول اسلام کے لیے اپنی وہی شرط پیش کردی تو نبی کریم ﷺ نے اسے نامنظور فرمادیا۔

ان احادیث سے یہ امر بہت واضح ہو کر سامنے آگیا:

- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ ۔(جو چاہے اللہ، پھر چاہیں محمد)
- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتُ ۔(جو چاہے اللہ، پھر چاہوں میں)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:٤،ص: ٨٣، ٨٤، كتاب معرفة الصحابة / ذكر فضيلة أخرى للأوس والخزرج لم يقدر ذكرها من فضائل الأنصار.

- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ ۔(جو چاہے اللہ، پھر چاہیں آپ)
- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ یَا رَسُولَ اللهِ۔(جو چاہے اللہ، پھر چاہیں آپ، یارسول اللہ ﷺ)

کہنا جائز ہے اور اس کی اجازت خود ہادی اسلام، سید المرسلین ﷺ نے دی ہے، اور بھی متعدّد احادیث میں اس کی صراحت ہے، اس کی ایک مضبوط دلیل "حدیث ابرص واقرع واعمٰی" بھی ہے جو صحیح البخاری میں اس طرح ہے:

حدیث ابرص واقرع واعمٰی

(۵) حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ -أَبْرَصَ •وَأَقْرَعَ • وَأَعْمَى - بَدَا لِلّٰهِ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا:

فَأَتَى **الأَبْرَصَ** فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ : لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لَوناً حَسناً . فَقَالَ : فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيكَ ؟ قَالَ : الإِبِلُ، أَوْ قَالَ : البَقَرُ -شَكَّ الرَّاوِي - فَأُعطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ ، فَقَالَ : بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا .

فَأَتَى **الأَقْرَعَ**، فَقَالَ: أَيُّ شَيءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَذِرَنِي النَّاسُ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ وأُعْطِيَ شَعراً حَسَناً . قَالَ : فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: البَقَرُ، فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلاً، وَقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا.

فَأَتَى **الأَعْمَى**، فَقَالَ : أَيُّ شَيءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : أَنْ يَرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ النَّاسَ؛ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرهُ. قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : الغَنَمُ ، فَأُعْطِيَ شَاةً والداً ، فَأَنْتَجَ هذَانِ، وَوَلَّدَ هَذَا ، فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ الإِبِلِ ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ البَقَرِ ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الغَنَمِ .

ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى **الأَبْرَصَ** فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ : رَجلٌ مِسْكِينٌ قَدِ انقَطَعَتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلا بَلاغَ لِيَ اليَومَ إلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الحَسَنَ، والجِلْدَ الحَسَنَ، وَالمَالَ، بَعِيراً أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي، فَقَالَ : الحُقُوقُ كَثِيرةٌ . فَقَالَ : كَأَنِّي اعرِفُكَ ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فقيراً فأعطَاكَ اللهُ !؟ فَقَالَ : إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا المَالَ كَابِراً عَنْ كَابِرٍ ، فَقَالَ : إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ .

وَأَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذا ، وَرَدَّ عَلَيهِ مِثْلَ مَا رَدَّ هٰذَا، فَقَالَ : إنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ .

وَأَتَى الأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ : رَجُلٌ مِسْكِينٌ وابنُ سَبيلٍ انْقَطعتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي، **فَلا بَلاغَ لِيَ اليومَ إلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ** ، أَسأَلُكَ بالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصرك شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفرِي ؟ فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أعمَى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ ما أَجْهَدُكَ اليَومَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ للهِ -عزّوجلّ- وفي روايةٍ لِلبخاري: لَا أحمد اليومَ. فَقَالَ: أَمْسِكْ مالَكَ فِإنَّمَا ابْتُلِيتُمْ . فَقَدْ رضيَ اللهُ عنك ، وَسَخِطَ عَلَى صَاحِبَيكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

قوم بنو اسرائیل میں تین شخص تھے ● اَبرص (سفید داغ والا) ● گنجا ● اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینا چاہا (تاکہ وہ لوگوں کے لیے درسِ عبرت بنیں) تو ان کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا۔

● وہ فرشتہ "سفید داغ والے" کے پاس آیا اور اس سے دریافت کیا کہ تجھے کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا: اچھا رنگ، اچھی کھال اور مجھ سے وہ عیب دور ہو جائے جس کے باعث لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ سفید داغ ختم ہو گیا، پھر اسے اچھا رنگ اور اچھی کھال عطا کر دی گئی۔

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۴۹۲، كتابُ أحاديث الأنبياء/ بابُ حديث أبرص واقرع وأعمى، مجلس البركات .

● الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۴۰۸، كتاب الزهد/ فصل في حديث الأبرص والأقرع والأعمى .

● رياض الصالحين من كلام سيد المرسلين، ص: ۳۰، ۳۱، بابُ المراقبة ، مجلس البركات، واللفظ له.

و"النَّاقةُ العُشَرَاءُ" بضم العين وفتح الشين وبالمد: هي الحامِل. قوله: "أَنْتَجَ" وفي رواية: "فَنَتَجَ" معناه: تولّى نِتاجها، والناتج لِلناقةِ كالقابِلةِ للمرأةِ. وقوله: "وَلَّدَ هَذَا" هُوَ بتشديد اللام: أي تولى ولادتها، وَهُوَ بمعنى أَنتج في الناقة ، فالمولّد ، والناتج ، والقابلة بمعنى ؛ لكن هَذَا لِلحيوان وذاك لِغيرِهِ . وقوله: "انْقَطَعَتْ بي الحِبَالُ" هُوَ بالحاءِ المهملةِ والباءِ الموحدة : أي الأسباب. وقوله: "لا أَجْهَدُكَ" معناه: لا أشقُّ عليك في ردِّ شيء تأخذه أَوْ تطلبه مِن مالي. وفي رواية البخاري: "لا أَحْمَدُكَ" بالحاءِ المهملة والميمِ ومعناه: لا أحمدك بترك شيء تحتاج إِلَيْه إهـ-رياض الصالحين، ص: ۳۱، ۳۲، مجلس البركات. ۱۲ منه .

فرشتے نے پوچھا: تجھے مال کون سا پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ یا گائے۔ راوی کو شک ہے کہ حضور نے کیا فرمایا: البتہ سفید داغ والے اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گائے۔ اسے دس مہینے کی حاملہ اونٹنی دی گئی اور فرشتے نے اس میں برکت کی دعا کی۔

● پھر وہ فرشتہ "گنجے" کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا چیز زیادہ محبوب و پسند ہے؟ اس نے کہا: اچھے بال، اور مجھ سے یہ عیب دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے ناگوار رکھتے ہیں۔ تو فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے اچھے بال عطا کر دیے گئے۔

فرشتے نے پوچھا کہ تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ گنجے نے کہا گائے تو اسے فرشتے نے ایک حاملہ گائے دے دی اور دعا کی کہ اللہ تجھے اس گائے میں برکت دے۔

● پھر وہ فرشتہ "اندھے" کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا چیز زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے؟ اس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نگاہ واپس کر دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھوں۔

فرشتے نے پوچھا اور تجھے مال کون سا زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: بکری۔ تو فرشتے نے اسے حاملہ بکری دے دی۔

پھر اونٹنی، گائے اور بکری کے خوب بچے ہوئے، یہاں تک کہ ایک جنگل ایک کے اونٹوں سے بھر گیا اور ایک جنگل دوسرے کی گایوں سے اور ایک جنگل تیسرے کی بکریوں سے۔

نرالے انداز کا امتحان:

(الف) اس کے بعد وہ فرشتہ "سفید داغ والے" کے پاس اس کی صورت اور حالت میں آیا اور فریاد کی کہ "میں مسکین آدمی ہوں، سفر میں میرے تمام اسباب اور وسائل ختم ہو چکے ہیں، **منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے، پھر تیری مدد کے۔** میں تجھ سے اس ذات کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ، اچھی کھال اور مال (اونٹ) عطا کیے تاکہ میں منزل مقصود تک پہنچ سکوں۔

تو اس نے جواب دیا کہ حقوق بہت ہیں۔ فرشتے نے کہا: لگتا ہے کہ میں تجھے پہچانتا ہوں، کیا تجھے سفید داغ کا مرض نہ تھا جس کے باعث لوگ تجھ سے گھن کرتے تھے (تو اللہ نے تجھے شفا دی) کیا تو محتاج نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا، اس نے کہا میں تو کئی پشتوں سے اس مال کا وارث و مالک ہوں۔

فرشتے نے کہا:

''اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالی تجھے پہلے جیسا کردے۔''

(ب) وہ فرشتہ گنجے کے پاس اس کے بھیس میں آیا اور اس سے وہی ساری باتیں کیں جو سفید داغ والے سے کی تھیں اور گنجے نے فرشتے کو وہی سارے جوابات دیے جو سفید داغ والے نے دیے تھے، تو فرشتے نے اس کے حق میں بھی وہی محرومی کی دعا کردی کہ:

''اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اسی حال میں کردے جیسا پہلے تھا۔''

(ج) اب وہ فرشتہ اندھے کے پاس اس کی صورت میں آیا اور التجا کی کہ میں مسکین آدمی ہوں اور مسافر ہوں، سفر میں تمام اسباب وذرائع ختم ہو چکے ہیں، **اب پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں مگر یہ کہ اللہ مدد فرمائے پھر تم مدد کرو۔** میں تجھ سے اُس ذات کے واسطے سے۔ جس نے تجھے نگاہ عطا فرمائی۔ ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ منزل مقصود تک میرا سفر تمام ہو سکے۔

اس نے کہا: ہاں، میں واقعی اندھا تھا، تو اللہ نے مجھے آنکھیں عطا فرمائیں اور فقیر و محتاج تھا، تو اللہ تعالی نے مجھے غنی کر دیا، تم جو کچھ چاہو لے لو، آج تم اللہ کے نام پر جو کچھ بھی لوگے میں تمھیں اس سے نہیں روکوں گا، اور نہ ہی کوئی حاجت کی چیز نہ لینے پر تمھاری ستائش کروں گا۔

فرشتے نے کہا تم، اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ قصہ یہ ہے کہ تم تینوں کا امتحان تھا تو اللہ تم سے راضی ہے اور سفید داغ والے اور گنجے سے ناراض۔

اس حدیث جلیل سے کئی افادات حاصل ہوئے:

(الف) یہ کہنا جائز ہے کہ منزل تک پہنچنے یا حاجت پوری ہونے کی کوئی صورت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے، پھر تیری مدد کے۔

(ب) حاجت کے وقت غیرُ اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے اور یہ آیتِ کریمہ: ''وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ''[1] کے منافی نہیں۔

فرشتے معصوم ہوتے ہیں، ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اس فرشتے نے تین تین بار الگ الگ اشخاص سے اپنی لاچاری ظاہر کرتے ہوئے مدد مانگی ''فَلَا بَلَاغَ إِلَّا بِاللهِ ، ثُمَّ بِكَ''، ساتھ

(۱) القرآن الحكيم، سورة الفاتحة: ۱، الآية: ۵.
ترجمہ: اور ہم تجھی سے مدد مانگیں۔

ہی ایک سے اونٹ کا، دوسرے سے گائے کا اور تیسرے سے بکری کا سوال کیا۔

(ج) اللہ عزوجل کی طرف سے مدد اس کی مشیت کے ساتھ ہی ہوگی، ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی کی مدد فرمائے اور اس کی مشیت نہ ہو۔ یوں ہی بندہ بعطائے الٰہی کسی کی مدد کرے اور اس کی مشیت نہ ہو، تو اس سے ثابت ہوا کہ جب "لَا بَلَاغَ إِلَّا باللهِ ، ثُمَّ بِكَ" کہنا جائز ہے تو "مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ رَسُولُ اللهِ" کہنا بھی جائز ہے کہ مدد مشیت سے جدا ہو کر نہیں پائی جاتی۔

اور شروع کی چار حدیثیں، تو شہادت دے رہی ہیں کہ مصطفی جان رحمت ﷺ نے خود اپنی زبان پاک سے یہ اجازت دے دی کہ تم لوگ "مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ" کہا کرو۔ جن میں سے دو حدیثیں "سننِ ابن ماجہ" کی ہیں جو صحاحِ ستّہ سے ہے۔

امام اہلِ حدیث نے شرح السُّنّہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ **ایک** تو منقطع وضعیف ہے۔

دوسرے اس میں وَشَاءَ محمد یا ثمّ شاء محمد کے شرک ہونے کا دور دور تک کوئی اشارہ بھی نہیں ہے، یہ ہے حدیث پر امام اہل حدیث کا عمل اور یہ ہے صحیحین کا قبول۔ اب حق و باطل کا فیصلہ خود منصف ناظرین کو کرنا چاہیے۔

چودہواں مسئلہ

مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی شناعت

احادیث نبویہ کی روشنی میں

مسلمانانِ اہل سنت و جماعت جو دل سے کلمۂ شہادت کی تصدیق کرتے، زبان سے اس کا اقرار کرتے اور حمایتِ سنت وردِّ بدعت فرماتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے لیل ونہار حدیث نبوی:

"یَشْهَدُوْا أَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ یُؤْمِنُوْا بِيْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ."[1]

کی واضح تفسیر اور "اتّبِعُوا السَّوادَ الأعْظَم"[2] کی نمایاں تصویر ہیں، فرقۂ وہابیہ بڑی بے باکی کے ساتھ انھیں کافر و مشرک قرار دیتا ہے، کبھی وہ ایسی ہوا چلاتا ہے کہ عامۂ امتِ مسلمہ مشرک قرار پاتی ہے اور روز مرّہ کی زندگی میں بات بات پر شرک کے فتوے جاری کرتا ہے، جنھیں ان مہربانوں سے سابقہ پڑا ہے وہ ان کے اس طرح کے خصائل سے بخوبی آگاہ ہیں اور ہم عن قریب ان کی مذہبی کتابوں سے کچھ شواہد بھی پیش کریں گے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم ج: ۱، ص: ۳۷، کتاب الإیمان، مجلس البرکات.

(۲) ❀ المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۵، كتاب العلم/ باب لا يجمع الله هذه الأمة على الضّلالة أبدا.

❀ ومشكاة المصابيح، ص: ۳۰، كتاب الإيمان/ باب الاعتصام بالكتاب والسنة، مجلس البركات.

قال صاحب المشكاة: "رواه ابن ماجه من حديث أنس" لكن لم أجده في سننه بهذا اللفظ وهو أخرجه بلفظ "فعليكم بالسّواد الأعظم". ۱۲ منه

سب سے پہلے ہم یہاں کچھ احادیث نبویہ سے اپنے مسلمان بھائیوں کو شاد کام کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی ایمانی نگاہوں سے مشاہدہ کرلیں کہ انھیں مشرک کہنے والے احادیث مبارکہ پر عمل کر رہے ہیں، یا ان سے منحرف ہیں۔

- یہ حضرات کبھی عامۂ مسلمین کو مشرک بتاتے ہیں۔ اور
- کبھی انفرادی طور پر مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

اس مناسبت سے ہم یہاں دو انواع کی حدیثیں نقل کرتے ہیں:

پہلی نوع کی حدیث کا مفاد یہ ہوگا کہ پوری امت مسلمہ کبھی مشرک نہیں ہوگی۔

اور **دوسری نوع** کی احادیث کا مفاد یہ ہوگا کہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا خود کافر یا مشرک ہونا ہے کیوں کہ کوئی مسلمان کسی کے کافر یا مشرک کہہ دینے سے کافر یا مشرک نہیں ہوتا، جیسے حلال مطعومات یا مشروبات، وغیرہ کسی کے حرام کہہ دینے سے حرام نہیں ہو جاتے۔

اس بحث سے ہمارا مقصود حضرات وہابیہ کی اصلاح بھی ہے کہ شاید کسی وہابی کے دل میں ان احادیث سے خوفِ خدا پیدا ہو اور وہ مسلمانوں کو مشرک بنانے سے توبہ و رجوع کرلے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ.

نوعِ اول کی حدیث

پوری امت مسلمہ کبھی مشرک نہیں ہوگی

(۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ النَّبِيّ -صلى الله تعالى عليه وسلّم- خَرَجَ يَوْمًا ... فقال: ... وَ إِنِّي وَ اللهِ، مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي وَ لٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا.[1]

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۷۹، كتاب الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، مجلس البركات.
❀ الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۵۰، كتاب الفضائل / باب إثباتِ حوضِ نبيّنا صلى الله تعالى عليه وسلم و صفاتِهِ، مجلس البركات.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز باہر نکلے ... تو فرمایا ... اللہ کی قسم، یقیناً مجھے تم پر یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ زمین کے خزانوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کرو گے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "سارے مسلمان مشرک ہو جائیں" اس کا کوئی اندیشہ نہیں، ہاں گاہے گاہے بعض اس کا شکار ہو سکتے ہیں، چناں چہ عمدۃ القاری، فتح الباری اور ارشاد الساری وغیرہ میں اس حدیث کی یہی تشریح کی گئی ہے کلمات سب کے یہ ہیں:

معناهُ: علىٰ مجموعكم؛ لأنّ ذٰلك قَدْ وقَعَ مِنَ البعضِ، و العياذ بالله تعالىٰ. [1]

ترجمہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: میں تم سب لوگوں کے مشرک ہو جانے کا خوف نہیں کرتا، کیوں کہ بعض لوگ تو مشرک ہوئے ہیں، اللہ کی پناہ۔

امام ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فإنّ معناهُ: ... أنها لا ترتدّ جملةً و قد عصمها الله تعالى مِن ذٰلك. [2]

ترجمہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت مجموعی طور پر مرتد نہیں ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ نے امت کو اس سے معصوم فرما دیا ہے۔

اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دیتا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ تقلید شرک اور مقلدین مشرک ہیں جیسا کہ تقلید کی بحث میں ہے، حالاں

(۱) ❀ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج: ٨، ص: ٢٢٧، كتابُ الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، دار الكتب العلمية، بيروت.

❀ فتح الباري بشرح صحيح البخاري، ج: ٣، ص: ١٦٩، كتاب الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، مصر.

❀ إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٤٤٠، كتاب الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، المطبعة الكبرىٰ الأميرية، بولاق، مصر.

(۲) المنهاج في شرح الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ٢٥٠، كتاب الفضائل/ بابُ إثباتِ حوضِ نبيِّنا صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ و صفاتِهِ، مجلس البركات.

کہ تقلید کا ثبوت عہد رسالت و عہد صحابہ سے ہے اور بارہ سو سال سے زیادہ ہوئے اہل اسلام — جن میں بڑے بڑے محبوبانِ خدا، عاشقانِ رسول، کاملانِ امت، اولیا، صُلحا، علما، ائمہ، اور دیگر مومنین ہیں۔ تقلید کرتے آرہے ہیں اور عرصۂ دراز سے **سَوادِ اعظم اہل سنت و جماعت چار مذاہبِ تقلید۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ میں منحصر ہو چکے ہیں**، جیسا کہ علامہ سیّدی احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

مَنْ شَذّ عن جمهور أهل الفقه و العلم والسّواد الأعظم فقد شذّ في ما يُدخِلُه في النّار، فعَلَيْكُمْ مَعَاشِرَ المؤمنين باتّباع الفرقة النّاجية المسمّاة بـ "أهل السُّنّة والجماعة" فإنّ نصرةَ الله تعالىٰ و حفظه و توفيقه في موافقتِهم، و خذلانه و سخطه في مخالَفتِهم.

وهٰذه الطائفةُ النّاجيةُ قد اجتمعت اليوم في مذاهب أربعةٍ و هُم الحنفيون و المالكيون والشّافعيّون و الحنبليّون — رحمهمُ الله تعالىٰ — و مَن كان خارجًا عن هٰذه الأربعة في هٰذا الزّمان فهو مِن أهل البدعة والنّار.[1]

ترجمہ: جو شخص جمہور فقہا و علما اور سوادِ اعظم سے الگ ہوا، وہ ایسے عقیدے کے ساتھ الگ ہوا جو اسے جہنم میں داخل کرے گا، تو اے مومنوں کے گروہ! تم پر فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت کی پیروی لازم ہے؛ کیوں کہ اللہ کی مدد، اس کی حفاظت اور اس کی توفیق اہلِ سنت کی موافقت میں ہے، اور اس کی مدد سے محرومی اور اس کی ناراضی اہل سنت کی مخالفت میں ہے۔

اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذاہب — حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی — میں مجتمع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے۔ اس زمانے میں جو ان چاروں مذاہب سے باہر ہے وہ بدعتی و جہنمی ہے۔

اس عبارت سے یہ عیاں ہے کہ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت چار مذاہب:

❀ حنفی، ❀ مالکی، ❀ شافعی، ❀ حنبلی

میں منحصر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اہل سنت و جماعت مقلد ہیں اور یہ سب انھی چاروں

---

(۱) حاشية العلّامة الطحطاوي على الدّر المختار، ج: ٤، ص: ١٥٣، كتاب الذبائح، دارُ المعرفة، بيروت.

میں سے کسی ایک امام معین کی تقلید کرتے ہیں، تو یہ سب وہابی مذہب میں معاذاللہ مشرک ہوئے۔

فرقۂ وہابیہ کے معتمد و مستند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ ''الإنصاف'' میں لکھتے ہیں:

بَعْدَ المائتَيْنِ ظَهَرَ فِيْهِم التَّمَذْهُبُ للمجتهدين بأعيانِهم، و قَلَّ مَنْ كَانَ لَا يَعْتمِدُ على مذهبِ مجتهدٍ بِعَيْنِه.[1]

ترجمہ: دو صدی بعد تقلید شخصی ظاہر و عام ہوئی اور ایسے افراد کم یاب ہو گئے جو کسی ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔

تو اس لحاظ سے بارہ سو سال کے ائمہ، فقہا، علما، اولیا، صُلحا، عامۂ مومنین غیر مقلدوں کے مذہب میں مشرک ہوئے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''میں یہاں صرف ان **ائمہ دین و علماے مستندین کے چند اَسما شمار کرتا ہوں** جو خاص اپنے ارشادات و تصریحات کی رو سے مذہب غیر مقلدین پر کافر و مشرک ٹھہرے، والعیاذ باللہ ربّ العالمین۔ ان میں سے ہیں:

(۱) امام ابوبکر احمد بن اسحاق جوزجانی تلمیذ التلمیذ امام محمد

(۲) امام ابن السمعانی (أبو سعد عبد الكريم بن أبي بكر محمد، السمعاني المروزي الشافعي، متوفى: ٥٦٢ھ)

(۳) امام کیاہراسی (أبو الحسن علي بن محمد علي الطبري المعروف بالكياهراسي، متوفى: ٥٠٤ھ)

(۴) امام اجل امام الحرمین (أبو المعالی الجويني المقلب بـ إمام الحرمين عبد الملك بن عبد الله بن يوسف متوفى: ٤١٩ھ)

(۵) امام محمد محمد محمد غزالی (أبو حامد محمد بن محمد بن محمد بن أحمد الغزالي، متوفى: ٥٠٥ھ)

---

(۱) الإنصاف في بيانِ سببِ الاختلاف، ص: ١٩، بابُ حكايةِ حالِ النّاس قبلَ المائةِ الرّابِعةِ، مكتبة ايشيق، استانبول.

(۶) امام برہان الدین صاحب ہدایہ

(۷) امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری، صاحبِ خلاصہ

(۸) امام کمال الدین محمد بن الہمام (صاحب فتح القدير)

(۹) امام علی خوّاص (۱۰) امام عبد الوہاب شعرانی

(۱۱) امام شیخ الاسلام زکریا انصاری

(۱۲) امام ابن حجر مکی

(۱۳) علامہ ابن کمال باشا، صاحبِ ایضاح واصلاح

(۱۴) علامہ علی بن سلطان محمد قاری مکی

(۱۵) علامہ شمس الدین محمد، شارحِ نقایہ

(۱۶) علامہ زین الدین مصری، صاحبِ بحر

(۱۷) علامہ عمر بن نجیم مصری، صاحبِ نہر

(۱۸) علامہ محمد بن عبد اللہ غزی تمر تاشی، صاحبِ تنویر الابصار

(۱۹) علامہ خیر الدین رملی، صاحب فتاوی خیریہ

(۲۰) علامہ سیدی احمد حموی، صاحبِ غمز

(۲۱) علامہ محمد بن علی دمشقی، صاحبِ دُرو خزائن

(۲۲) علامہ عبد الباقی زرقانی، شارحِ مواہب

(۲۳) علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر بن محمد بن حسین حسینی، صاحبِ جواہر اخلاطی

(۲۴) علامہ شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی

(۲۵) علامہ احمد شریف مصری طحطاوی

(۲۶) علامہ آفندی امین الدین محمد شامی

(۲۷) صاحبِ مُنیہ[1] (امام محمد بن محمد الرشید کاشغری، متوفی: ۷۰۵ھ)

(۲۸) صاحب سراجیہ (الفتاوی السراجیہ - علامہ سراج الدین اوشی)

---

(۱) **مُنية** - پورا نام "مُنية المصلي" ہے، فقہ حنفی کی کتب معتمدہ سے ہے۔ ۱۲ منہ

(۲۹) صاحب جواہر (جواہر الفقہ- شیخ الاسلام عمر نظام الدین، متوفی بعد ۶۰۰ھ)

(۳۰) صاحب مصفّیٰ (ابوالبرکات امام حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی، م: ۷۱۰ھ)

(۳۱) صاحب ادب المقال

(۳۲) صاحب تتار خانیہ (امام عالم بن علائی حنفی، متوفی: ۶۸۶ھ)

(۳۳) صاحب مجمع (الانھر) (مولانا عبد الرحمن بن الشیخ محمد بن سلیمان، ج: ۱۰۷۸)

(۳۴) صاحبِ کشف (علامہ عبد العزیز بخاری، م: ۷۳۰ھ)

(۳۵) مؤلفان عالمگیریہ، کہ باقرارِ مؤلف امداد المسلمین پانچ سو علما تھے۔ یہاں تک کہ...

(۳۶) جناب شیخ مجدد الفِ ثانی (شیخ احمد سرہندی)

(۳۷) شاہ ولی اللہ صاحب (محدث دہلوی)

(۳۸) شاہ عبد العزیز صاحب (محدث دہلوی)

(۳۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حتی کہ خود

(۴۰) میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے اتباع و مقلدین، مگر یوں کہ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ۔[۱]

(ترجمہ: تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔) والحمد للہ رب العلمین! ان میں وہ بھی ہیں جن سے خود امام العصر و دیگر متکلّمینِ طائفہ نے استناد کیا، اور ان کے اقوالِ باہرہ و کلماتِ قاہرہ کو- جو اصولِ طائفہ کے صریح بیخ کن تھے چھپالیا۔

ان حضرات کا اپنے مباحثہ میں تقلیدِ شخصی کے وجوب و عدمِ وجوب کی بحث چھیڑ دینا نِرا فریب ہے کہ اہلِ تعیین و اصحابِ تخییر دونوں فریق جوازِ تعیین و (تقلید شخصی میں) عدم حرج کو تسلیم کیے ہوئے ہیں، جن کے نزدیک سرے سے تقلید شرک و کفر ہے اُن کے مسلک سے اسے کیا تعلّق"۔[۲]

- ہندوستان میں فرقۂ وہابیہ کے بانی تقویۃ الایمان میں ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"پھر اللہ آپ ہی ایک ایسی باو بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحشر: ۵۹، الأیۃ: ۲.

(۲) الفتاوی الرضویۃ، جلد: ۳، ص: ۳۰۷، باب الإمامۃ / رسالہ: النّھي الأکید عن الصّلاۃ وراء عِدَی التقلید، سنی دار الاشاعت، مبارك فور.

ایمان ہوگا مرجاویں گے اور وہی لوگ رہ جاویں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہو جائے گا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔"(۱)

یہاں امام الوہابیہ نے صاف صاف لکھ دیا" سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا" یعنی وہ ہوا چل چکی جس سے تمام ایمان والے مرگئے اور قدیم شرک (یعنی بت پرستی) بھی رائج ہو گیا، تو پھر دنیا میں نہ اسلام رہا، نہ کوئی مسلم۔

● علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی رد المختار، کتاب الجہاد میں ان کا یہی عقیدہ لکھا، چناں چہ فرماتے ہیں:

لكنّهم اعتقدوا أنّهم هُمُ المسلمون، وأنّ مَنْ خَالَفَ اعتقَادَهم مشركون.(۲)

ترجمہ: ان کا عقیدہ ہے کہ بس وہی مسلمان ہیں، اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ مشرک ہیں۔

الغرض یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہ دنیا میں صرف اپنے فرقے کو مسلمان جانتے ہیں اور اپنے سوا دنیا کے بے شمار مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں حالاں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرمادیا تھا:

إِنِّي وَ اللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي.

"اللہ کی قسم یقیناً مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے" اس طرح کے خطابات میں گو اولین مخاطب اصحاب رسول ہوتے ہیں مگر مراد قیامت تک کے سارے مسلمان ہوتے ہیں تو یہ وہابیہ کا صحیح البخاری کی اس حدیث پاک سے انحراف ہے۔

نوعِ دوم کی احادیث

مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر پلٹ جاتا ہے

صحیح مسلم شریف میں ہے:

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَة، أنّ رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: إذا قال الرجلُ: هَلَكَ النّاسُ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.

---

(۱) تقوية الإيمان ص: ۳۸، الفصل الرابع في ذكر ردّ الإشراك فى العبادة، راشد كمپنى، ديو بند.

(۲) ردالمحتار، ج:٦، ص:٤١٣، كتاب الجهاد/ باب البُغاة، دار الكتب العلمية، بيروت.

اور مسند احمد بن حنبل کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: إِذَا سَمِعْتُمْ رَجُلاً يَقُولُ: قَدْ هَلَكَ النَّاسُ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.(۱)

ترجمہ: حضرات ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص یہ کہے -یا- جب تم کسی شخص سے یہ کہتے سنو کہ "لوگ ہلاک ہو گئے" تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔

شرک بجائے خود بڑی ہلاکت ہے اور اپنے سوا تمام اہل اسلام کو مشرک بنانا یہ کہنے کے مرادف ہے کہ "لوگ ہلاک ہو گئے" تو ارشاد رسالت کے مطابق سب سے زیادہ ہلاکت کا شکار اور شرک کی نجاست سے آلودہ وہی ہے۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لأَخِيهِ "كَافِرٌ". فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ».(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن دینار کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو "کافر" کہے تو دونوں میں سے ایک یقیناً کافر ہو گا، جسے کہا: اگر وہ واقعی کافر تھا تو یہ حکم بجا ہے، ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رضى الله تعالى عنه- أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۳۲۹، كتاب البر والصِّلة والأدب/ بابُ النَّهي عن قول "هلك النّاس"، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۷۱۸، مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۱۰۰۰۶، بيت الأفكار الدولية.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۵۷، كتاب الإيمان/ باب بيانِ حالِ إيمان من قال لأخيه المسلم "يا كافر"، مجلس البركات.

❀ صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۰۱، كتاب الأدب/ بابٌ من أكْفَرَ أخاه بغير تأويلٍ فهو كما قال، مجلس البركات.

عليه وسلم- قَالَ: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لأَخِيهِ: "يَا كَافِرُ" فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا».(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کلمہ گو کو "اے کافر" کہے تو دونوں میں سے ایک پر یہ حکم ضرور جاری ہوگا۔

⑤ عَنْ أَبِي ذَرٍّ -رضي الله تعالى عنه- أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: «لاَ يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوقِ، وَلاَ يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلاَّ ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ».(۲)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ: جو بھی شخص کسی مرد مسلم کو فاسق یا کافر کہتا ہے اور وہ در حقیقت فاسق یا کافر نہ ہو تو وہ کلمہ اسی پر پلٹ آتا ہے (کہ وہ فاسق یا کافر ہو جاتا ہے۔)

⑥ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: ... «وَمَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ، - أو- قَالَ: عَدُوُّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ».(۳)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ: جس نے کسی مرد مسلم کو "کافر" یا "اللہ کا دشمن" کہا اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے گا۔

⑦ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: مَا أَكْفَرَ رَجُلٌ رَجُلًا قَطُّ إِلاَّ بَاءَ أَحَدُهُمَا بِهَا، إِنْ كَانَ كَافِرًا وَإِلاَّ كَفَرَ بِتَكْفِيرِهِ.(۴)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہو ہی جاتا ہے۔ جسے کافر کہا ہے اگر وہ کافر ہو تو خیر،

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۰۱، كتاب الأدب/ بابٌ من أكفَرَ أخاه بغير تأويل فهو كما قال، مجلس البركات.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۸۹۳، كتاب الأدب / باب ما يُنهى عن السِّبابِ واللعن، مجلس البركات.

(۳) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۵۷، كتاب الإيمان/ باب ما تقدّم، مجلس البركات.

(٤) صحيح ابن حبان ج: ۱، ص: ٤٨٣، كتاب الإيمان/ باب صفات المومنين، فصلٌ ذكر البيان بأنّ من أكفر إنسانا، فهو كافرٌ لا محالة، مؤسّسة الرسالة.

ورنہ (مسلمان کو) کافر کہنے کی وجہ سے یہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

ان احادیث نبویہ کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو کافر، یا فاسق، یا اللہ کا دشمن اعتقاد کرکے اسے کافر، یا فاسق، یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ واقع میں ایسا نہ ہو تو یہ کہنے والا خود کافر، یا فاسق، یا اللہ کا دشمن ہو جائے گا۔

کفر پلٹنے کی تشریحِ نفیس

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی **تشریح نفیس** فرما کر اس کے مفہوم کو دل میں اتارنے کی سعیِ حسن فرمائی ہے وہ تشریح آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، آپ رقم طراز ہیں:

"وجہ اس پلٹنے کی جس طرح اربابِ قلوب نے افادہ فرمائی یہ ہے کہ مسلمان کا حال مثل آئینہ کے ہے، جب اس نے اسے کافر، یا مشرک یا فاسق کہا اور وہ ان عیوب سے پاک تھا تو حقیقۃً یہ اوصافِ ذمیمہ اسی کہنے والے میں تھے جن کا عکس اُس آئینۂ الٰہی میں نظر آیا اور یہ اپنی سفاہت سے اُس کریہ، بدنما شکل کو آئینۂ تاباں کی صورت سمجھا، حالاں کہ دامنِ آئینہ اُس لوث و غبار سے صاف منزّہ ہے۔

... عُلما فرماتے ہیں جب اس نے اپنے اعتقاد میں اسے کافر سمجھا اور وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اس نے دینِ اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔...

توضیح اس دلیل کی یہ ہے کہ کافر نہیں، مگر وہ جس کا دین کفر ہے۔ اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہو سکیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (۱)

نیز ارشادِ باری ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (۲)

اب یہ شخص جو مثلاً زید مومن کو کافر کہتا ہے اس کے یہ معنیٰ کہ اس کا دین کفر ہے اور زید واقع میں بے شک ایک دین سے متّصف ہے جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا، تو لَا جَرَم یہ خاص اُسی دین کو کفر بتا رہا ہے جس سے زید اِتّصاف رکھتا ہے اور وہ دین نہیں، مگر اِسلام، تو بالضرورۃ اس نے دینِ اسلام کو کفر ٹھہرایا، اور جو دینِ اسلام کو کفر قرار دے قطعاً کافر۔" (۳)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الدھر: ۷۶، الأیۃ: ۳، (ترجمہ: حق مانتا یعنی مومن یا ناشکری کرتا یعنی کافر)۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ السجدۃ: ۳۳، الأیۃ: ٤، (ترجمہ: اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے (کہ ایک میں اللہ کا خوف ہو، دوسرے میں کسی اور کا)۔

(۳) الفتاوی الرضویۃ ج: ۳، ص: ۳۰۹، باب الإمامۃ / رسالہ: النھي الأکید عن الصّلاۃ وراء عِدی التقلید، سنی دار الإشاعت، مبارک فور۔

ان احادیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سارے مسلمان کبھی کافر یا مشرک نہ ہوں گے، نہ ہی کسی کے کافر یا مشرک کہہ دینے سے کسی مسلمان کے ایمان و اسلام پر کوئی حرف آئے گا، بلکہ مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے والے خود ہی اپنے اعتقادِ فاسد کی بنا پر کفر و شرک کی دَلدَل میں پھنس جائیں گے۔

یہ حضرات اہل سنت و جماعت کو جن عقائد کی بنیاد پر مشرک یا کافر گردانتے ہیں وہ سارے عقائد کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اجماع امت سے ثابت ہیں جیسے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قادر مطلق کی اطلاع سے غیبی علوم کا عقیدہ، آپ کی تعظیم و توقیر کے فرض ہونے کا عقیدہ، آپ کے آخر الانبیا ہونے کا عقیدہ، آپ کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں دعا و طلب مغفرت کا عقیدہ، آپ کی شفاعت کا عقیدہ، باذنِ اللہ تصرفات انبیا علیہم السلام کا عقیدہ، استخارہ کے جواز کا عقیدہ، اور ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید عرفی بلفظ دیگر ان کے اتباع کا عقیدہ۔

گزشتہ صفحات میں ہم یہ عقائد کتاب و سنت سے ثابت کر چکے، بلکہ بیش تر عقائد کے بارے میں یہ بھی واضح کر چکے کہ یہ متفق علیہ و اجماعی ہیں اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایسے عقائد صرف اسلامی عقائد ہیں، یہ کبھی کفر نہیں ہو سکتے۔

وضاحت:

یہاں یہ امر واضح رہے کہ اگر کسی فرد یا فرقے کا عقیدہ کتاب و سنت و اجماعِ امت سے متصادم ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی جس پر بہت سے نصوص دلالت کرتے ہیں جیسے:

- لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط[1] حیلے، بہانے نہ بناؤ، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے۔
- كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ.[2] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ عرب کافر ہو گئے۔
- وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ.[3] اللہ کی قسم میں اُن سب سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکات کے درمیان فرق کریں (کہ نماز کو تو فرض مانیں اور زکات کی فرضیت کا انکار کر دیں)

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے غلام احمد قادیانی کی تکفیر کی کہ اس نے کتاب و سنت و اجماع کے برخلاف نبی ہونے کا دعویٰ کیا، یوں ہی اگر کوئی ایسا عقیدہ ظاہر کرے جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ سنتِ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة التوبة:۹، الآية: ٦٦.
(۲) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۱۸۸، كتاب الزكاة/ بابُ وجوبِ الزكاة. مجلس البركات.
(۳) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۱۸۸، كتاب الزكاة/ باب وجوب الزكاة. مجلس البركات.

رسول اللہ میں، نہ اس پر اجماع امت ہو، نہ سلفِ صالحین سے منقول ہو۔ غرض یہ کہ "بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَ لَا اٰبَاءُکُمْ کا مصداق اور "یُؤْمِنُوْا بِي وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ"[1] کا منافی ہو تو وہ "لَا تَعْتَذِرُوْا" جیسے نصوص کے مخاطبین میں ضرور شامل ہوگا۔

لیکن جس جماعت یا فرد کے عقائد ایسے نہ ہوں، بلکہ وہ کتاب و سنت کے نصوص پر مبنی ہوں جیسے عقائد اہل سنت و جماعت تو ان کے کلمے کا احترام فرض ہوگا۔

⑧ عن ابن عمر، قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: كفّوا عن أهل لَآ إِلٰهَ إِلَّا الله، لا تكفّروهم بذنب.[2]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَآ إِلٰه إِلّا الله کہنے والوں سے زبان روکو، اور کسی گناہ کی وجہ سے ان کی تکفیر نہ کرو۔

محدث جلیل، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ النّهي الأكيد میں اس حدیث کے بارے میں لکھا:

أخرجه الطبراني في الكبير بسندٍ حسنٍ۔

ترجمہ: امام طبرانی نے معجم کبیر میں "سند حسن" سے اس کی تخریج فرمائی۔

⑨ عن عائذ بن عمرو المزني، عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- أنّه قال: قال النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: الإسلامُ يعلو، ولا يعلىٰ.[3]

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمرو مُزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام غالب ہے، مغلوب نہیں۔

عمدۃ القاری میں ہے:

الدّار قطني أَخرَجَه في كتاب النكاح في سننه بسند صحيح على شرط

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۳۷، كتاب الإيمان، مجلس البركات.

(۲) المعجم الكبير للطبراني ج: ۱۲، ص: ۲۷۲، حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، ملتقى أهل الأثر، قاهره.

(۳) ❀ سنن الدار قطني، ج: ٤، ص: ۳۷۱، كتاب النكاح/ باب المهر، مؤسّسة الرسالة، بيروت.
❀ صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۸۰، كتاب الجنائز/ باب إذا أسلم الصّبي، مجلس البركات.

الحاكم.[1]

ترجمہ: دار قطنی نے اپنی سنن میں یہ حدیث حاکم کی شرط پر سند صحیح کے ساتھ تخریج کی۔

یہ احادیث مزید تذکیر و نصیحت کے لیے ہیں، خدا کرے کہ "وہابی اہل حدیث" رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت کو قبول کرلیں اور مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے سے باز آئیں۔

آپ ان حدیثوں کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں، پھر امام الوہابیہ کے فرمان دیکھیں کہ بات بات پر انھوں نے مسلمانوں کو کس طرح مشرک بنایا ہے، مثلاً:

- عبد النبی، غلام محی الدین، غلام معین الدین نام رکھنا۔[2]
- اللہ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو غیب سے آگاہ ماننا۔
- اللہ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو صاحب تصرف ماننا۔
- اللہ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر ماننا۔
- اللہ کے اذن سے رسول اللہ ﷺ کو شفیع سمجھنا۔
- رسول اللہ ﷺ کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا۔

اور اس طرح کے بہت سے امور جن کا ثبوت کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ہے سب شرک ہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والے مشرک۔

یہ بے جا احکام و عقائد کثیر احادیث کریمہ بالخصوص احادیث صحیحین سے انحراف ہے۔

---

(۱) عمدة القاري، ج: ۸، ص: ۲٤٤، كتاب الجنائز/ بابُ إذا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ.

(۲) تقوية الإيمان، ص: ۵، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند۔

پندرھواں مسئلہ

تقلیدِ عرفی کا وجوب
کتاب وسنت کی روشنی میں

نو پیدا فروعی مسائل میں اجتہادِ مطلق کے منصب پر فائز فقہاے دین کی تقلید و اتباع پر عامۂ امت کا اجماع ہے اور یہ تقلید نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دی گئی ہے، امتِ مسلمہ کا یہی مذہب ہے۔

اس کے بر خلاف وہابی اسے شرک قرار دیتے ہیں اور اس کے ثبوت میں وہ آیات پیش کرتے ہیں جو مشرکین کی اندھی تقلید کے باب میں نازل ہوئی ہیں، مشرکین نے امورِ شرک وکفر میں اپنے آبا و اَجداد کے اعتقاد و عمل کا سہارا لے کر عقل و خرد کے بر خلاف ان کی اندھی تقلید کی جو بلا شبہہ شرک ہے۔

لیکن امت مسلمہ مرحومہ کتاب و سنت کی ہدایت پر نو پید فروعی مسائل میں فقہاے مجتہدین کی تقلید کرتی ہے۔ تو یہ تقلید فی الواقع کتاب و سنت کا اتباع ہے۔ (۱)

---

(۱) یہاں سے واضح ہوا کہ مشرکین کی اندھی تقلید اور مومنین کی تقلیدِ عرفی میں بڑا فرق ہے۔ **(الف)** مشرکین امور کفر و شرک میں اپنے باپ، داداؤں کی تقلید کرتے ہیں اور مومنین فروعی امور میں اپنے فقہاے مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں۔ **(ب)** امور کفر و شرک مردود ہیں، کبھی یہ معاف نہ ہوں گے جب کہ فروعی امور کے احکام کتاب و سنت سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور استنباط باعث اجر و ثواب ہے جیسا کہ احادیث نبویہ میں اس کی بشارت ہے۔ **(ج)** امور کفر و شرک میں تقلید مذموم بلکہ کفر و شرک ہے اور فروعی امور میں اہل علم کی طرف رجوع کا حکم خود قرآن نے دیا ہے جو تقلید عرفی کی اصل ہے۔

الغرض بحث ہے فروعی امور میں کتاب و سنت سے ماخوذ و مستنبط احکام میں ماہرین کتاب و سنت کی پیروی و تقلید کی، تو اس کے عدم جواز پر امور کفر و شرک میں مشرکین کی اندھی تقلید سے استدلال بڑی زیادتی ہے، اس طرح کا استدلال حضرات وہابیہ کی ہی شان ہے۔ ۱۲ منہ

ہم سب سے پہلے تقلید کی لغوی و شرعی تشریح پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اس سلسلے میں کتاب و سنت کی ہدایات اصل مصادر سے پیش کریں گے۔

تقلید کا لُغوی اور شرعی مفہوم:

لغت میں: تقلید کے معنی ہیں: ”گلے میں قلادہ ڈالنا، ہار پہنانا“۔

آدمی جس کی پیروی کرتا ہے اس کے گلے میں گویا امامت و عظمت کا ہار ڈال دیتا ہے، یا خود اپنے گلے میں اس کے قول و فعل کے اتباع کا قلادہ ڈال لیتا ہے۔

عرفِ ناس میں تقلید یہ ہے کہ جو شخص کسی فن کا ماہر اور اسپیشلسٹ ہو اس کی بات کو اس کی دلیل پر آگہی کے بغیر صرف اس بنا پر تسلیم کر لیا جائے کہ اس کے ساتھ یہ حسنِ ظن و حسنِ اعتقاد ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے دلائلِ فن کی مضبوط بنیادوں اور نیک نیتی پر قائم ہونے کی وجہ سے صحیح اور راجح ہوتا ہے۔

● کتابُ التعریفات میں ہے:

التقليد: عبارةٌ عن اتّباع الإنسان غيرَهُ فيما يقول أو يفعل، معتقداً للحقّيّة من غير نظر وتأمل في الدّليل، كأنّ هذا المتبع جعل قولَ الغيرِ أو فعله قلادةً في عُنُقه.[١]

ترجمہ: تقلید: یہ ہے کہ انسان دوسرے کے قول یا فعل کی پیروی اس کی دلیل میں غور و فکر کیے بغیر حق اعتقاد کر کے کرے۔

گویا اتباع کرنے والے نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا قلادہ و ہار بنا لیا۔

● مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت میں ہے:

(التقليد: العملُ بقولِ الغيرِ مِن غيرِ حُجّةٍ) . . . والمرادُ بـ"الحجّة" حُجّةٌ مِن الحُجَجِ الأربع، وإلّا فقولُ المجتهد دليلُهُ وَحُجِيّتُه كأخذ العاميّ من المجتهد.[٢]

ترجمہ: تقلید: نام ہے دوسرے کے قول پر بلا دلیل عمل کا۔ دلیل سے مراد کتابُ اللہ، سنت

---

(١) كتابُ التعريفات للإمام علي بن محمد بن علي الجرجاني (م: ٨١٦هـ)، ص:٥٨، رقم اللفظ: ٤١١، دار الكتاب العربي، بيروت.

(٢) فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:٢، ص: ٤٤٤، خاتمة: الاجتهاد / فصل التقليد، دارُ إحياء التراث العربي.

رسول اللہ، اجماع امت ہے، ورنہ مجتہد کا قول اس کی دلیل ہے (جس کی طرف رجوع کا کتاب وسنت میں حکم ہے۔)

● قمرالاقمار، بحث تقلید اور شرح المنار میں ہے:

التقليد: اتباع الرجل غيره فيما سمعه بقول أو في فعله على زعم أنه محقِق بلا نظر في الدليل فكأنّ المقلِّد جعل قول الغير و فعله قلادة في عنقه.[1]

ترجمہ: تقلید یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے قول یا فعل کا اتباع اس حسنِ ظن پر کرے کہ وہ محقق ہے اور اس کی دلیل پر اس کی نظر نہ ہو گویا مقلد نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا قلادہ بنالیا۔

کارگاہِ حیات میں تقلید کی مثالیں:

جیسے ماہر طبیب یا اسپیشلسٹ ڈاکٹر غور وخوض اور تحقیق کے بعد جب مرض کی تشخیص اور اس کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہر طبقے کا انسان یہی حسنِ ظن رکھتا ہے کہ اس کی تشخیص وتجویز صحیح ہے اور اس سے کوئی دلیل طلب کیے بغیر اس کے مطابق علاج شروع کر دیتا ہے، اور شفایاب ہوجاتا ہے، بلکہ ایک عام آدمی کا اس سے اس کی تشخیص وتجویز پر دلیل مانگنا حماقت تصور کیا جاتا ہے۔ اور اس سے بھی بڑی حماقت یہ ہوگی کہ کوئی انگریزی دواؤں کے نام اور کام پڑھ کر خود سے ہی اپنے اور دوسروں کے پیچیدہ امراض کا علاج شروع کر دے۔ بلکہ یہ قانوناً جرم بھی ہے۔

یا جیسے کسی ماہر حساب داں کا تحقیق کے ساتھ تیار کیا ہوا حساب یا کسی ماہرِ لسان کا اپنی زبان کے الفاظ کی تشریح، یا کسی ماہرِ صرف ونحو کی کسی جملے یا صیغے کی ترکیب وتعلیل پر اسی حسن ظن کی بنیاد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ تقلید زندگی کے ہر شعبے اور انسانوں کے ہر طبقے میں پائی جاتی ہے، جس کا انکار محض مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ خود دینیات کے باب میں بھی کثیر امور میں تقلید کا رواج عمومی طور پر پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ علم حدیث میں خود آج کل کے مدعیان حدیث بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

محدثین کرام اور ائمۂ ناقدینِ حدیث نے اپنی تحقیق کی بنا پر احادیث نبویہ کے مختلف مدارج۔

---

(۱) ❀ قمر الأقمار حاشية نور الأنوار، ص: ۲۲۰، مبحث أفعال النبي، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ حاشية الحسامي، ص: ۹۴، باب متابَعة أصحابِ رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ– مجلس البركات، مبارك فور.

مقبول، صحیح، متابع، شاہد، محکم، مختلف الحدیث، ناسخ، منسوخ، معلّق، مرسَل، معضَل، منقطع، مدلّس، مضطرب، مصحف، محرف، وغیرہ مقرر کیے، جنھیں سب بے چون و چراں تسلیم کرتے ہیں۔ پھر ان مدارج کے مطابق ائمۂ حدیث، احادیثِ شریفہ پر صحیح، حَسَن، ضعیف، معروف، منکر وغیرہا کا حکم بھی صادر فرماتے ہیں۔ اور امت ان کی تحقیق اور حکم پر اعتماد کرکے ان کے بیان کردہ مدارجِ حدیث کے مطابق عمل کرتی ہے، کیوں کہ ان کے ساتھ یہ حسن ظن رکھتی ہے کہ انھوں نے پوری تحقیق کے بعد ہی ایسا کیا ہے، اور آج کے عمل بِالحدیث کے نام نہاد دعوے دار بھی کتاب و سنت سے اس کی دلیل طلب کیے بغیر اسے تسلیم کرتے ہیں، یہ سب تقلید ہی تو ہے۔

رجالِ حدیث پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں رُواۃ کے تعلق سے جو کچھ بھی جرح وقدح کی گئی ہے اور اصول حدیث کی کتابوں میں ثقہ اور ضعیف راویوں کی معرفت کے لیے جو مراتبِ جرح و تعدیل نیز احکامِ جرح و تعدیل بیان کیے گئے ہیں سب ان کو بے دلیل تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی بلا شبہہ تقلید ہی ہے۔

تقلید کی قسمیں اور ہر ایک کی شرعی حیثیت

تقلید دو طرح کی ہو سکتی ہے۔

(۱) حقیقی (۲) عرفی

تقلید حقیقی: یہ ہے کہ کسی انسان کے قول کی پیروی صرف اس بنا پر کی جائے کہ یہ اس کا قول ہے۔ اور اس کے پس پشت حقیقت میں کوئی دلیل شرعی نہ ہو جیسے افعالِ کفر و شرک میں پہلے کے کفار و مشرکین کی پیروی، یہ کھلے طور پر بے دلیل ہے، بلکہ اس کے بطلان پر کتاب و سنت کے دلائل قائم ہیں۔ عرف عام میں اس کا نام "اندھی تقلید" ہے کیوں کہ جیسے اندھا اندھے کے پیچھے چلتا ہے اور دونوں میں سے کسی کے پاس نورِ دلیل نہیں ہوتا اسی طرح تقلید حقیقی میں بھی کسی کے پاس نورِ دلیل نہیں ہوتا۔ وہابیوں نے تقلید کے شرک ہونے پر کتاب و سنت سے جو نصوص پیش کیے ہیں وہ سب اسی تقلیدِ حقیقی سے متعلق ہیں، اور انھوں نے یہ سارے نصوص اپنے ائمہ وہابیہ کی پیروی میں اہل حق پر چسپاں کیے ہیں۔ تو یہ بھی تقلیدِ حقیقی ہے۔ خواہ وہ اپنے بطلان کی شناعت کے لحاظ سے صرف حرام ہو یا کفر و ارتداد بھی۔

تقلیدِ عرفی: یہ ہے کہ ماہر کتاب و سنت۔ جسے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع بھی کہا جاتا ہے۔ کی پیروی فقہی، فروعی امور میں اس بنا پر کی جائے کہ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ میں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم عن قریب اس بارے میں کتاب و سنت کے کچھ نصوص اِن شاء اللہ تعالیٰ پیش کریں گے تو اس طرح حقیقت میں یہ کتاب و سنت کی پیروی ہوگی اور اس پر تقلید کا اطلاق ایک ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے محض عرفاً ہوگا، بہ لفظ دیگر یہ فی الواقع اللہ عز و جل اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات و احکام کی اطاعت و اتباع ہے جسے ہمارے عرف میں مجازاً تقلید کہا جاتا ہے، اس کو حرام یا شرک کہنا کتاب و سنت کے مقابل ایک نیا فرمان جاری کرنا ہے، جو وہابیہ ہی کی شان ہے۔

تقلید کن امور میں کی جاتی ہے اور کن امور میں نہیں:

امورِ دینیہ کئی طرح کے ہیں:

(۱) وہ امور جن کا تعلق اصولِ دین و عقائد اسلام سے ہے، یہ قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہوتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ ایک ہے، سمیع و بصیر، علیم و خبیر، سبّوح و قدّوس، ازلی و ابدی ہے، قرآن مقدس اللہ کا کلام ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے سب سے افضل رسول اور آخری نبی ہیں۔

(۲) وہ احکام و شرائع جو کتاب و سنت کے صریح نصوص سے ثابت ہوں، اور اجتہاد و قیاس پر ان کی بنیاد نہ ہو، جیسے نماز پنج گانہ و جمعہ و روزۂ رمضان و زکات و حج کی فرضیت۔ نماز میں قیام، قراءت، اور رکوع و سجود کی فرضیت، وغیرہ اور قتلِ ناحق و غصب، و کذب و غیبت و خیانت و حسد و ظلم و عقوقِ والدین کی حرمت، وغیرہ۔

(۳) وہ احکام جو اجماع امت یا اجماع اہلِ سنت سے ثابت ہوں کہ اجماع کی طرف رجوع عرفاً تقلید نہیں ہے، بلکہ یہ فی الواقع کتاب و سنت کی طرف رجوع ہے۔ کیوں کہ اجماع کی حجّیت کتاب و سنت سے ثابت ہے اور خود اجماع بھی عموماً کتاب اللہ کی کسی آیت یا رسول اللہ کی کسی حدیث کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

(۴) وہ احکام جو کتاب و سنت کے نصوص سے اجتہاد و استنباط کے ذریعہ نکالے جائیں جیسے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت، وضو کے لیے ہاتھوں کو کہنیوں اور پاؤں کو ٹخنوں کے ساتھ دھونا، طلاق

والی عورت کی عدت تین حیض ہونا، کھجور، گیہوں، جَو، نمک، سونا، چاندی چھ چیزوں کے سوا دوسرے اموال کی خرید و فروخت میں سود کا تحقق، سفر میں جمع بینَ الصَّلاتین اور اس طرح کے کثیر مسائل جن کے احکام صراحت کے ساتھ کتاب و سنت میں نہیں پائے جاتے اور اب تو زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے بے شمار مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔

تقلید صرف آخری نوع کے مسائل میں کی جاتی ہے، باقی امور دائرۂ تقلید سے باہر ہیں، ظاہر ہے کہ ہر شخص، بلکہ ہر عالم کتاب و سنت کے بحرِ معانی کی گہرائیوں میں پہنچ کر احکام شرعیہ کو تلاش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، پھر تلاش و جستجو میں ہر کوئی سیپ اور موتی میں امتیاز نہیں کر سکتا، اس لیے آخری نوع کے احکام و شرائع میں فقہاے مجتہدین کی تقلید لازمی و ضروری ہوئی۔ اب ہم اس کے دلائل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے مختصراً پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

کتاب اللہ سے تقلید عرفی کے وجوب کے دلائل:

کتاب اللہ کی آیات سے تقلید عرفی [1] کا وجوب کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ [2]

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

---

(۱) **تقلید عُرفی:** جو بظاہر مجتہد مطلق مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ کی اور واقع میں کتاب و سنت کی پیروی ہو اور صرف ظاہر کے پیش نظر، نیز براہ راست اور بواسطہ اتباع کتاب و سنت میں امتیاز کے لیے عام بول چال میں اسے مجازاً تقلید کہا جائے۔ ۱۲ منہ

(۲) القرآن الحکیم، سورة التوبة: ۹، الآية: ۱۲۲.

اس آیت کریمہ سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:

(أ) اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں پر فقہ سیکھنا فرض فرمایا۔

(ب) اور عام مسلمانوں کو اس سے معاف فرمایا، مگر انھیں بالکل آزاد بھی نہ رکھا کہ یہ سب کے سب مکلف ہیں، اور ان پر احکام شرعیہ کا امتثال فرض ہے۔

(ج) اس لیے فقہا پر لازم فرمایا کہ وہ عام مسلمانوں کو ڈرائیں اور فقہی احکام بتائیں اور عام مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ وہ فقہا کی بات پر عمل کریں اور یہی تقلید ہے۔

امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"جب احکام الٰہیہ ہر عام وعامی پر ہیں، آزاد کوئی نہ چھوڑا گیا اور فقہ سیکھنے کو صاف فرما دیا کہ سب سے نہیں ہو سکتا، ہر گروہ سے بعض اشخاص سیکھیں اور اپنی قوم کو احکام بتائیں کہ وہ مخالف حکم سے بچیں، تو صاف صاف عام لوگوں کو ان فقیہوں کی بات پر چلنے کا حکم ہوا اور اسی کا نام آج کے عرف میں تقلید ہے، جس کی فرضیت قرآن کریم کے نص قطعی سے ثابت ہوئی۔"[1]

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے احکام ہیں، جن کا علم ابتداءً بغیر تصریحِ شارع یا اجتہادِ مجتہد کے حاصل نہیں ہوتا، اور آدمی حلال و حرام اور جائز و واجب دین کے جتنے احکام اس پر ہیں سب کا عالم نہیں، نصوصِ شریعت کے معانی کا سب کو احاطہ نہیں، منصوص سے مسکوت کا حکم نکالنے پر سب کو قدرت نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو نہ علم ہے، نہ بصیرت، نہ اجتہاد کی قدرت، کیا وہ شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دیے گئے ہیں؟

ایسا ہرگز نہیں۔ تو پھر ان کے لیے احکام الٰہی جاننے کی کیا سبیل ہے؟ کیا خود دیکھیں حالاں کہ وہ نگاہ نہیں رکھتے یا یہ کہ ہدایت وارشاد والے علما کی طرف رجوع کریں، امورِ دین میں ان پر اعتماد کریں، جو وہ فرمائیں مطیع ہو کر اس پر کاربند رہیں، یہی حق ہے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

قرآن کریم کی درج بالا آیت کریمہ میں اسی پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔[2]

---

(۱) حاشیة أطائب الصيّب على أرض الطيب" مِن رسائل الفتاوى الرضوية، ج: ۱۱، ص: ۳۱۸، رضا اکادیمی، مومبائی.

(۲) "أطائب الصيِّب على أرض الطيِّب" من رسائِل الفتاوى الرضوية، ج: ۱۱، ص: ۳۱۸، ۳۱۹، رضا اکادیمی.

دوسری دلیل:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

② فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۟ۙ (۱)

ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو۔

③ عَنْ "جابرٍ قال: . . . فَلمّـا قَدِمْنَا عَلَى النَّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- . . . فقال: ألّا سألُوا إذ لم يعلموا فإنّما شفاءُ العيّ السؤال. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: کیوں نہ پوچھا جب معلوم نہیں تھا کہ مرضِ جہل کی شفا تو بس سوال ہی ہے۔

④ عن عطاء ابن أبي رباح أنه سمع عبدَ الله ابنِ عباس قال: أصاب رجلاً جرحٌ في عهد رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- ثم احتلم فأمر بالاغتسال، فاغتسل فمات فبلغ ذلك رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- فقالَ قتلوه، - قتلهم الله- ألم يكن شفاء العي السؤال. (۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص عہد رسالت میں زخمی ہو گیا، پھر اسے احتلام ہوا تو اسے غسل کرنے کا حکم دیا گیا، اس نے غسل کیا اور فوت ہو گیا، یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو فرمایا: اسے غسل کا حکم دینے والوں نے ہلاک کر دیا، اللہ انھیں ہلاک کرے، کیا مرض جہل کی شفا دریافت کرنا نہ تھا۔ (٤)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النحل: ١٦، الآية: ٤٣

❀ القرآن الحكيم، سورة الأنبياء: ٢١، الآية: ٧

(۲) سنن أبي داؤد، ص: ٦٢، كتاب الطهارة/ بابٌ في المجروح يَتَيَمَّمُ، بيت الأفكار الدولية.

(۳) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٢٧٢، مسند أل العباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ٣٠٥٧.

● سنن أبي داؤد، ص: ٦٢، كتاب الطهارة/ بابٌ في المجروح يتيمم، رقم الحديث: ٣٣٧.

● سنن ابن ماجه، ص: ، كتاب الطهارة/ باب في المجروح تصيبه الجنابة فيخاف على نفسه إن اغتسل، رقم الحديث: ٥٧٢.

(٤) "قَتَلَهُمُ الله، اللہ انھیں ہلاک کرے" یہ حکم تشدیداً ہے، تاکہ امت ایسے مسئلے بتانے سے احتراز کرے جواسے معلوم نہ ہو کہ اس کا انجام بخیر نہیں۔ ۱۲ منہ

ان نصوص میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو بات تمھیں معلوم نہ ہو وہ علما سے پوچھ لو تاکہ اس کے مطابق عمل کرو اور علما سے مسئلہ پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرنا عرفاً تقلید کہلاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر مسلمان بالبداہت (کھلے طور پر) جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے اس پر کچھ فرض ہیں، کچھ حرام۔ کچھ حدیں ہیں، کچھ احکام۔ اور ان میں جو جاہل ہے وہ اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ جاہل ہے، اور یہ کہ جب تک بتایا نہ جائے خود جان لینے سے عاجز ہے، اور خوب جانتا ہے کہ بے عمل کیے چھٹکارا نہیں اور بے علم، عمل کا یارا نہیں اور بے سیکھے علم نہ آئے گا، تو بداہتہً اس کے ذہن میں خود آجائے گا کہ اس پر ایسے سے پوچھنا لازم ہے جو مسئلہ بتا کر ہدایت فرمائے اور بے شک یہ زمانۂ صحابۂ کرام سے لے کر آج تک برابر فرضیت نماز و دیگر فرائض کی طرح متواتر ہے۔ بلکہ وہ ہر انسان کی جِبلی (فطری) بات ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ لہٰذا ہر گروہ کے عوام کو دیکھیے گا کہ اپنے یہاں کے اہل علم و دانش کے پاس آتے اور جنھیں اپنا طبیب سمجھتے ان سے مرض جہل کی دوا پوچھتے ہیں، اس لیے کہ وہ یقیناً اپنے دل سے جان رہے ہیں کہ ہم اسی طور پر اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوں گے اور بلا شبہہ یہ تقلید ہی سے ہے، نہ کہ اجتہاد سے۔"(۱)

غرض یہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور انسانوں کے تواتر سب سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو، اسے اہل علم سے معلوم کر کے عمل کیا جائے اور یہی عرفِ مسلمین میں تقلید ہے جو در اصل کتاب و سنت کی اطاعت ہے۔

تیسری دلیل:

⑤ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے اُولُو الأمر کا۔

---

(۱) أطائب الصیّب علی أرض الطیّب مِن رسائل الفتاوی الرضویة، ج: ۱۱، ص: ۳۱۹، رضا اکادیمی.

(۲) القرآن الحکیم، سورة النساء: ٤، الآیة: ٥٩

اس آیت کریمہ میں اُولُو الأمْر سے مراد فقہاے مجتہدین ہیں، جیسا کہ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس: "وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" يعني أهل الفقه والدين. و كذا قال مجاهد و عطاء و الحسن البصري و أبو العالية "وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" يعني العلماء. والظاهرُ - والله أعلم- أنها عامّة في كل أولي الأمر من الأمراء، والعلماء كما تقدّم.(۱)

ترجمہ: علی بن ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "أولو الأمر" سے مراد فقہا و ائمۂ دین ہیں، یوں ہی مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے کہ "اولو الامر" سے مراد علما ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمہ تمام اصحابِ امر-حُکّام و علما- کو عام ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔

سُنن دارمی "بابُ الاقتداء بالعلماء" میں بھی اولو الامر سے مراد "اہل فقہ" کو ہی بتایا گیا ہے۔ اُمَرا کی اطاعت امورِ شرعیہ میں ماتحتوں پر واجب ہے۔ اور خود اُمَرا پر فقہا کی اطاعت واجب ہے۔ تو فقہا ان کے لیے بھی اولو الامر ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے یہ دعا فرمائی: کہ اے اللہ! ان کو دین کا فقیہ بنا، اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما۔

● عن ابن عباس قال: كانَ رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- في بيت ميمونة، فوضعتُ لَهُ وَضوء من الليلِ، فقالت له ميمونةُ: وَضَعَ لَكَ هذا عبدُ الله بن عباس، فقال: اللّٰهُمّ فقّهه في الدين و علّمه التأويل.(۲)

(۱) تفسير ابن كثير، ج: ۱، ص: ۵۱۸، دار المعرفة، بيروت.

(۲) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج: ۵ ص: ۲۱۵، رقم الحديث: ۳۱۰۲، مسندُ عبد الله بن عباس، مؤسسة الرسالة، بيروت. ● أيضاً، ج: ۴، ص: ۲۲۵، رقم: ۲۳۹۷، مؤسّسة الرسالة/ ● وأيضاً ص: ۲۲۶، مسند آل العباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۲۳۹۷، بيت الأفكار.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے، میں نے حضور کے وضو کے لیے پانی رکھا تو حضرت میمونہ نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ یہ پانی عبد اللہ بن عباس نے رکھا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (خوش ہوکر) یہ دعا فرمائی: "اے اللہ ابن عباس کو دین کا فقیہ اور تفسیر قرآن کا عالم بنا"۔

● عن ابن عباس قال: ضمّني رسولُ الله –صلى الله تعالى عليه وسلم– وقال: اَللّٰهُمّ علّمهُ الكتاب.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لگا کر یہ دعا فرمائی: "اَللّٰهُم عَلِّمْهُ الْكِتَاب." اے اللہ! اسے کتاب (قرآن مقدس) کا علم عطا فرما۔

● عن ابن عباس، أن النبي –صلى الله تعالى عليه وسلم– قال: ... "اَللّٰهُم فقِّهْهُ في الدِّين."[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی: اے اللہ اسے دین کا فقیہ بنا۔

تو آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ ایمان والوں پر اللہ کی اطاعت بھی واجب ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہا کی اطاعت بھی واجب ہے۔ اللہ عزّ و جل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب تو ظاہر ہے۔ اور فقہاے مجتہدین کی اطاعت ایسے امور میں واجب ہے جن کے احکام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے صراحتًا ثابت نہیں، بلکہ انھیں فقہاے دین نے کتاب و سنت کے نصوص سے اجتہاد کر کے نکالا ہے، اسی کو ہم اہل حق اپنی بول چال میں تقلید کہتے ہیں، تاکہ براہ راست اور بواسطۂ مجتہد اتباع کتاب و سنت میں آسانی کے ساتھ امتیاز ہو سکے۔ مطلق سر کا مسح فرض ماننا کتاب اللہ کا اتباع براہِ راست ہے اور چوتھائی سر کا مسح فرض ماننا یہ کتاب اللہ کا اتباع بواسطۂ مجتہد ہے اور یہ تقلید محض عرفًا ہے، کیوں کہ اللہ عزوجل کے حکم سے ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص:١٧، كتاب العلم/ باب قول النبي –صلى الله تعالى عليه وسلم–: اللّٰهُم علِّمه الكتاب، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٦، كتاب الوضوء/ بابُ وضعِ الماء عند الخلاء، مجلس البركات، مبارك فور.

چوتھی دلیل:

اللہ عزّوجل ارشاد فرماتا ہے:

⑥ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (۱)

ترجمہ: اور اگر اس میں رسول اور اپنے اولو الامر کی طرف رجوع کرتے تو ضرور وہ لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو ان میں سے استنباط کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ علم دو طرح کا ہے، **ایک** وہ جو بہ نصِ قرآن حاصل ہو، **دوسرا** وہ جو قرآن و حدیث سے استنباط کے ذریعہ حاصل ہو۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ دینی امور میں ہر شخص کو دخل دینا جائز نہیں، بلکہ جو اہل ہو اسی کو استنباط کرنا چاہیے اور جو اس کا اہل نہ ہو اسے اہل کی طرف رجوع کرنا چاہیے قرآن پاک اسی کا حکم دیتا ہے۔

یہ اور اس نوع کی دوسری آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر شخص نصوصِ قرآن و سنت سے احکام اخذ کرنے کا اہل نہیں اسی لیے اس پر فقیہ مجتہد کی اطاعت اور اس کی طرف رجوع لازم ہے۔

یہی وہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر ائمۂ مذاہبِ اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے، اور یہ فی الواقع ان آیات قرآنیہ پر عمل اور اللہ عزّوجل کی اطاعت ہے۔

احادیث رسول اللہ سے تقلید عرفی کے وجوب کا ثبوت

احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ سے بھی تقلید کا جواز ثابت ہوتا ہے، دو احادیث، آیات سے استدلال کے ضمن میں گزر چکی ہیں، ساتھ ہی چار آیات بھی۔ اب چند احادیث مزید ذکر کرتے ہیں:

پانچویں دلیل:

⑦ عن ناسٍ من أصحاب معاذ من أهل حمص عن معاذ بن جبل أنّ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- لـمَّـا بعثه إلى اليمن • قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضي بكتاب الله • قال: فإن لم تجد في كتاب الله، قال: فبسُنَّـة رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- • قال: فإن لم تجد في سُنَّـة رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- • قال: أجتهد رأيي و لا آلو • قال: فضرب رسولُ الله علىٰ صدره و قال: الحمد لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضىٰ به رسول الله.

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الآية: ٨٣.

رواه الترمذي و أبو داود و الدارمي.(۱)

ترجمہ: حمص کے رہنے والے حضرت معاذ بن جبل کے کچھ اصحاب سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ● دریافت کیا کہ تمھارے سامنے جب کوئی مقدمہ آے گا تو فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کی: کتاب اللہ سے۔ ● سرکار نے پوچھا: کتاب اللہ میں حکم نہ ملے تو؟ عرض کی سنت رسول اللہ سے۔ ● سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں بھی تمھیں حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟

عرض کی: اپنی طاقت بھر کوشش کر کے اپنی راے سے کتاب و سنت سے اجتہاد کروں گا۔

وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا:

"تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے مبعوث کو آپ کے پسندیدہ طریقے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ حدیث صحیح، مشہور، قابل حجت ہے۔(۲)

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۳۲٤، باب العمل في القضاء و الخوف منه/ الفصلُ الثاني، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج: ۱، ص: ۱۵۹، أبواب الأحكام عن رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ-، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ سنن أبي داود، ص: ۳۹۷، كتاب الأقضية/ باب اجتهاد الرائ في القضاء، بيت الأفكار.

❀ سنن الدارمي، ج:۱، ص: ۲٦۷، كتابُ الفتيا وما فيه من الشدّة، دار المغني للنشر والتوزيع.

❀ السُنن الكبرى للإمام البيهقي، ج:۱،ص:۱۱٤، كتاب أداب القاضي/ بابُ ما يقضي به القاضي و يُفتي، مجلس دائرة المعارف، حيدر أباد.

(۲) اس حدیث کی صحت میں کلام ہے مگر راجح صحت ہے جیسا کہ امام ابن عبد البر مالکی اور خطیب بغدادی کی یہ تصریحات شاہد ہیں:

امام ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی "شرح ترمذی" میں لکھتے ہیں:

(حديثُ معاذ في القياس) رواه أبو عيسىٰ عن شعبة، عن محمد بن عُبيد الله أبي عون الثقفي، عن الحارث بن عمر بن أخي المغيرة بن شعبة، عن أناس من أهل حمص، عن معاذ: وقال: ليس إسناده بمتصل.

(الإسناد) اختلف الناس في هذا الحديث: **فمنهم** من قال: إنه لا يصح، **ومنهم** من قال: هو صحيح و**الدّين** (أي الحقُّ - ن) القول بصحّته، فإنه حديث مشهور يرو يه شعبة بن الحجاج، رواه عنه جماعة من الرفقاء والأئمة. منهم يحيى بن سعيد و عبد الله بن المبارك و أبو داود الطيالسي. والحارثُ ابن عمرو الهذلي: الذي يروي عنه وإن لم يعرف إلا بهذا الحديث فكفى برواية شعبة عنه و بكونه ابن أخ لِلمُغِيْرةِ بن شعبة في التعديل له والتعريف به- وغاية حظه في مرتبته أن يكون من الأفراد ولا يقدح ذلك فيه ولا (يقدح أن يكون) أحد من أصحاب معاذ مجهولا

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نو پیدا مسائل میں اپنی رائے سے اجتہاد کی اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد پر اہل یمن کا عمل و اتباع تقلید ہے، پھر یہ تقلید در اصل تقلید شخصی بھی ہے تو اس حدیث سے مطلق تقلید کا جواز بھی ثابت ہوا اور خاص تقلید شخصی کا جواز بھی۔

چھٹی دلیل:

⑧ مالك، عن ثور بن زيد الديلمي، أنَّ عمرَ بن الخطاب استشار في الخمر يشربها الرجل ، فقال عليُّ بنُ أبي طالب: نرىٰ أن تجلده ثمانين، فإنه إذا شرب سكر و إذا سكر هذىٰ، و إذا هذىٰ افترى - أو كما قال- فجلد عمر في

ويجوز أن يكون فى الخبر إسقاط الأسماء عن جماعة ولا يدخله ذلك في حيز الجهالة، إنما يدخل في المجهولات إذا كان واحدا فيقال: حدثني رجلٌ حدثني إنسان ولا يكون الرجل للرجل صاحبا حتى يكون له به اختصاص فكيف وقد زيد تعريفا بهم أن أضيفوا إلى بلد وقد خرّج البخاري الذي شرط الصحة في حديث عروة البارقي سمعتُ "الحيّ" يتحدّثون عن عروة ولم يكن ذلك الحديث في جملة المجهولات. وقالَ مالك في القسامة: أخبرني "رجال من كُبراء قومهٖ" وفي الصحيح عن الزهري حدَّثنى "رجال" عن أبي هريرة من صلّى على جنازة فله قيراط.

(الأصول) في مسائل (الأولى) لو اتفق على صحة هذا الحديث لم يكن ذلك أصلا في التعلق عند علمائنا الأصوليين في إثبات الاجتهاد لأن خبر الواحد على أصلهم لا تعلق به فيه ولكن أقول إنه ينضاف على أصلهم إلى غيره **فيكون مجموعها من باب التواتر المعنوي** كشجاعة أبي بكر الصديق وجُودهٖ بماله على الدين وفي مصالح المسلمين. (عارضة الأحوذي بشرح صحيح الترمذي، ج:٦،ص: ٧٢، ٧٣، ٧٤، أبواب الأحكام/ باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، دار الكتب العلمية، بيروت. ● أيضاً: ج:٣، ص: ٣٠١، ٣٠٢، دار الفكر، بيروت)

خطیب بغدادی اس حدیث کی متعدّد روایات اپنی کتاب "الفقيه والمتفقه" میں نقل کر کے لکھتے ہیں:

فإن اعترض المخالف بأن قال: لا يصح هذا الخبر، لأنه يروى عن أناس من أهل حمص لم يسمّوا فهم مجاهيل، فالجواب: أن قولَ الحارث بن عمرو (عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ)؛ يدل على شهرة الحديث، وكثرة رُواتهٖ، وقد عرف فضل معاذ وزهده، والظاهر من حال أصحابهٖ الدين والثقة والزهدُ و الصلاحُ، وقد قيلَ: إن عبادة بن نسي رواه عن عبد الرحمن بن غنم، عن معاذ ، وهذا إسناد متصل، ورجاله معروفون بالثقة، على أنّ أهل العلم قد تقبّلوه واحتجوا به، فوقفنا بذلك على صحته عندهم. (كتاب الفقيه والمتفقه، ج:١،ص: ٤٧٢، باب القول فى الاحتجاج لصحيح القياس ولزوم العمل به ، دار ابن العربي للنشر والتوزيع، المملكة العربية.)

الخمر ثمانين. [1]

ترجمہ: امام مالک نے ثور بن زید دیلمی سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خمر کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علی نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اسے ۸۰/ کوڑے مارے جائیں، کیوں کہ جب پیے گا نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا بیہودہ بکے گا اور افترا کرے گا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۸۰/ کوڑے لگوائے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد کو حاضرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تسلیم کیا تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید ہوئی پھر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ایک شرعی منشور کی حیثیت سے نافذ کیا جو بلا انکار نکیر قبول کیا گیا تو اس پر صحابۂ کرام کا اجماع بھی ہوا۔

ساتویں دلیل:

⑨ عن عِكرمة: أنّ أهل المدينة سألوا ابنَ عباس عن امرأةٍ طافت ثمّ حاضت. قال لهم: تنفر. قالوا: لانأخذ بقولك و ندعُ قول زيد ، قال: إذا قَدِمْتم المدينة فاسئلوا، فقدموا المدينة فكان في من سألوا أم سُلَيم فذكرت حديث صفية. [2]

ترجمہ: عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ سوال کیا کہ جس عورت نے طواف زیارت کر لیا ہو پھر اس کو حیض آجائے۔ (تو کیا وہ طواف وداع کیے بغیر جا سکتی ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جا سکتی ہے۔

اہل مدینہ نے کہا: ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت کے قول کو ترک نہیں کریں گے۔ (حضرت زید کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جا سکتی)۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا۔ جب وہ مدینہ گئے تو اس مسئلے کی تحقیق کی اور حضرت ام سُلیم سے بھی پوچھا انھوں نے حضرت صفیہ کی یہ حدیث بیان کی۔ (کہ ایسی صورت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صَفیہ کو طوافِ وداع کیے بغیر جانے کی

---

(۱) الموطا للإمام مالك، ص: ٤٧١، كتاب الأشربة/ باب الحد في شرب الخمر، المكتبة العصرية ، بيروت.

(۲) صحيح البخاري ، ج: ۱، ص: ۲۳۷، كتاب المناسك/ باب إذا حاضتِ المرأة بعد ما أفاضت، مجلس البركات، مبارك فور.

اجازت دی تھی)۔

جب اہل مدینہ کو حضرت صفیہ کی حدیث مل گئی تو انھوں نے حضرت ابن عباس کے پاس جاکر حق کا اعتراف کرلیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فرجعوا إلى ابن عباس فقالوا: وجدنا الحديث كما حدثتنا.(۱)

ترجمہ: پھر اہل مدینہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے اور کہا جس طرح آپ نے ہم کو حدیث سنائی تھی ہمیں اسی طرح حدیث مل گئی۔ وہ حدیث یوں ہے:

(۱۰) عن عائشة أن صفيّة بنت حُيَيٍّ زوج النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- حاضت، فذكر ذلك لرسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ- فقال: أحَابِستُنا هي، قالوا: إنّها قد أفاضت، قال: فلا إذن.(۲)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زوجہ نبی اکرم حضرت صفیہ بنت حُیی کو (موسم حج میں) حیض آگیا، اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا صفیہ ہمیں (سفر سے) روک دے گی؟ حاضرین نے عرض کیا: حضور! یہ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ تو سرکار نے فرمایا کہ: تب تو سفر میں کوئی بات نہیں۔

اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ اہل مدینہ حدیث رسول پر اطلاع سے پہلے تک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ -جو فقہاے صحابہ سے تھے- کے قول پر عمل کرتے تھے اور فقیہ مجتہد کے اجتہاد پر عمل ہمارے عرف میں "تقلید" سے عبارت ہے۔

حدیث پر اطلاع سے پہلے تک "اجتہاد پر عمل" سے چارہ نہ تھا اس لیے ان حضرات نے تقلید کی اور جب حدیث رسول مل گئی تو اسے اختیار کرلیا کہ حدیث صحیح ملنے کے بعد خود مجتہد کا مذہب وہی حدیث ہوجاتی ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج: ۳، ص: ۵۸۸، كتاب الحج، دارُ الفكر، بيروت.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۲۳۷، كتاب المناسك/ باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) اس مسئلے کی کامل تحقیق امام اہل سنت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب "الفضل الموهبي في معنى "إذا صحّ الحديثُ فهوَ مذهبي" میں ہے۔ یہ کتاب فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۱ (مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی) میں شامل اشاعت ہے۔ منہ

آٹھویں دلیل:

(۱۱) حدثنا أبو قيس، قال: سمعت هُزَ يلَ بن شُرَحْبِيْلَ، يقول: سُئل أبو موسى عن اِبنَةٍ وابنَةِ ابن وأخت-فقال: للابنة النِّصف و للأخت النصف- وائتِ ابنَ مسعود فسيُتابِعُني، فسَئِل ابنُ مسعود وأُخبر بقول أبي موسى.

فقال: لقد ضللتُ إذن وما أنَا من المهتدين-أقضي فيها بما قضى النّبي- صلى الله تعالى عليه وسلم-: للابنة النصف، ولابنة الابن السُّدس (تكملةَ لثُلُثَين)، وما بقى فللأخت.

فأتينا أبا موسىٰ، فأخبرناه بقول ابن مسعود، فقال: "لا تسئلوني مادام هذا الحِبر فيكم."[1]

ترجمہ: ہُزیل بن شُرحِبیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ بیٹی، پوتی اور بہن کا حصہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بیٹی اور بہن دونوں کے لیے نصف نصف ہے۔ (آپ نے پوتی کو محروم کر دیا) اور تم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جاؤ، وہ بھی میری موافقت کریں گے۔ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں بھی وہ سوال پیش ہوا اور ساتھ ہی حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب بھی بتا دیا گیا۔

یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے ان کی موافقت کی تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یاب نہ رہوں گا، میں اس قضیہ کے بارے میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

بیٹی کے لیے باپ کے ترکے سے نصف ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ، تاکہ بیٹیوں کا دو تہائی مکمل ہو جائے، بقیہ ترکہ بہن کا ہے۔

پھر ہم لوگ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس آئے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا جواب انھیں بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ **"جب تک یہ فقیہِ متبحر تمھارے درمیان موجود ہے تم لوگ مجھ سے مسئلہ نہ دریافت کرو۔"**

مسند احمد بن حنبل کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۹۷، كتاب الفرائض/ باب ميراث ابنةِ ابن مع اِبنَةٍ، مجلس البركات، مبارك فور.

فقال أبو موسىٰ: لا تسئلوني عن شيء ما دام هذا الحِبر بين أظهركم.[1]

ترجمہ: جب تک یہ فقیہِ ماہر تمھارے درمیان موجود ہے مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں مت دریافت کرنا۔

اور مسند ابوداوٗد طیالسی کے الفاظ یہ ہیں:

فقال: لا تسألونا عن شيء ما دام هذا الحبر فيكم.[2]

ترجمہ: ہم صحابہ سے تم لوگ کسی چیز کے بارے میں دریافت نہ کرنا جب تک یہ عالم متبحر تمھارے درمیان موجود ہے۔

نویں دلیل:

⑫ عن يحيي بن سعيد، أنِ رجلاً سأل أبا موسى الأشعري، فقال: إني مصصتُ من امرأتي من ثديها لبنا، فذهب في بطني، فقال: أبو موسىٰ: لا أراها إلا قد حرمت عليك.

فقال عبد الله بن مسعود: انظر، مَاذَا تفتي به الرجل؟ فقال أبو موسى: فما تقول أنت؟ فقال عبد الله بن مسعود: لا رضاعة إلّا ما كان في الحولين.

فقال أبو موسى: لا تسألوني عن شيء ما كان هذا الحبر بين أظهركم.[3]

ترجمہ: یحيٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کی پستان سے دودھ چوس لیا اور وہ میرے شکم میں چلا گیا ہے؟

تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ میری رائے تو یہی ہے کہ وہ تجھ پر حرام ہو گئی۔

---

(١) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٣٧٠، مسند المكثرين/ مسند عبد الله بن مسعود، بيت الأفكار الدولية، الرياض.

(٢) مسند أبي داود الطيالسي (المتوفى: ٢٠٤هـ) ج:١، ص: ٢٩٢/ ما أسند عبد الله بن مسعود -رضي الله تعالى عنه- دار هجر.

(٣) ● الموطأ للإمام مالك بن أنس (المتوفى: ١٧٩هـ) برواية يحيىٰ، ج:٢، ص: ١٢٥، ١٢٦، كتاب الرضاع/ باب ما جاء في الرضاعة بعد الكبر، دارُ الغرب الإسلامي.

● والسُّنن الكبرىٰ للبيهقي، ج:٧، ص:٤٦٢، كتابُ الرضاع / باب ما جاء في تحديد ذلك بالحولين، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم غور کر لو کہ اس آدمی کو کیا فتوی دے رہے ہو؟

تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رضاعت صرف دو سال تک ہے۔ (یعنی حرمت کا ثبوت صرف دو سال کی عمر تک رضاعت سے ہوتا ہے۔ نظام)

تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ جب تک یہ حبر الامت تمھارے درمیان تشریف فرما ہیں مجھ سے کسی قضیہ کا حکم مت پوچھنا۔

امام طبرانی کی معجم کبیر میں یہ الفاظ منقول ہیں:

لا تسئلوني عن شيء ما دَام هذا الحبر بين ظهرانيكم.[1]

معجم کبیر کی دوسری روایت میں ہے:

لا تسئلونَا عن شيءٍ ما قام هذا الحبر بيْن أظهُرنا من أصحاب رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-.[2]

ترجمہ: جب تک یہ فقیہ جلیل الشان یا یہ صحابیِ رسول ہمارے، تمھارے درمیان قیام فرما ہیں مجھ سے یا ہم اصحاب رسول سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال مت کرو۔

دسویں دلیل:

⑬ عن قتادة، عن زرارة، أنّ سعد بن هشام بن عامر... أتى ابنَ عباس، فسئله عن وتر رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-.

فقال ابنُ عباس: ألا أدلُّك على أعْلمِ أهل الأرض بوتر رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-؟ قال: مَن؟ قال: عائشة، فأتِها، فسلها، ثم ائتني، فأخبِرني بردِّها عليك، فانطَلقْتُ إليها، ... قال: فانطلقتُ إلى ابن عباس، فحدّثته بحديثها فقال: صدقت. -الحديث-.[3]

---

(١) المعجم الكبير للطبراني، ج:٩، ص: ٩٢/ عبد الله بن مسعود الهذلي، قاهرة.

(٢) المعجم الكبير للطبراني، ج:٩، ص: ٩٢/ عبد الله بن مسعود الهذلي، قاهرة.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٢٥٥، ٢٥٦، باب صلاة الليل، مجلس البركات.

ترجمہ: قتادہ، زرارہ سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ہشام بن عامر حضرت ابن عباس کے پاس آئے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اس ہستی کا پتہ نہ بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں روے زمین کی سب سے بڑی عالم ہے؟

انھوں نے پوچھا کہ یہ کون سی ہستی ہے؟ فرمایا: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال پیش کرو، اور وہ جو جواب ارشاد فرمائیں مجھے بھی آکر بتاؤ... سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا... اور انھوں نے جواب میں جو حدیث سنائی اسے ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا، تو انھوں نے حضرت عائشہ کی تصدیق کی۔

گیارہویں دلیل:

(۱۴) عن قيس بن أبي حازم، قال: جاء رجلٌ إلىٰ معاوية فسئَله عن مسئلة، فقال: سل عنها عليَّ بن أبي طالب، فهو أعلمُ، فقال: يا أمير المومنين جوابك فيها أحبُّ إليَّ من جوابِ عليّ.

فقال: بئسَ ماقلتَ ولؤم ما جئت، لقد كرهتَ رجلا كان رسولُ الله - صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ- يعزه بالعلم عزّا، ولقد قال له رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ-: أنت منّي بمنزلة هارون من موسى غير أنه لا نبي بعدي.

وكان عمر إذا أشكل عليه شيء يأخذ منه.[١]

ترجمہ: قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: تم اس کے بارے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرو کہ وہ زیادہ علم والے ہیں، تو اس شخص نے کہا اے امیر المومنین! آپ کا جواب میری نگاہ میں حضرت علی کے جواب سے زیادہ محبوب ہے۔

تو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ تم نے بہت بری بات کہی اور قابلِ ملامت خیال ظاہر کیا، تم نے ایسے عظیم انسان سے ناگواری ظاہر کی ہے جس کے علم کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس کی عزت فرماتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا "تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

(١) كتاب فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل، ص: ٦٧٥.

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے، اِلّا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں" اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں جب کوئی مسئلہ مشتبہ ہوجاتا تو حضرت علی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کتاب و سنت اور فقہ واجتہاد کے بہت بڑے عالم تھے اس لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اور حضرت امیر معاویہ نے حضرت علی سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع کا یہ حکم میری نگاہ میں وجوبی ولازمی تھا کیوں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو جب اپنے جواب کی غلطی کا احساس ہوا تب انھوں نے فرمایا تھا: "لا تسئلوني ما دام هذا الحبر فيكم." [1]

اپنے جواب کی غلطی کا احساس ہونے پر فقیہ متبحر کی طرف رجوع کا حکم وجوبی ہی ہونا چاہیے جیسا کہ آیت کریمہ: "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾" [2] کا یہی تقاضا ہے۔

اور حضرت امیر معاویہ کو حکم شرعی کا صحیح جزم واتقان ہوتا تو حضرت علی کی طرف رجوع کا حکم نہ دیتے آخر وہ تمام مسائل بارگاہ مرتضوی میں تو نہیں بھیجتے تھے اس لیے یہ بھی وجوب کا ہی متقاضی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں علم تھا اسی لیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سن کر انھوں نے "صدقتْ" فرمایا یعنی انھوں نے سچ مسئلہ بیان فرمایا، مگر چوں کہ وہ اعلم تھیں اس لیے انھوں نے ان کی طرف رجوع کا حکم دیا تو حکم استحبابی ہوا۔

الغرض ● حضرت ابو موسی اشعری ● اور حضرت امیر معاویہ ● اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان احادیث میں اعلم کی طرف رجوع کا حکم دے کر در اصل تقلید شخصی کا حکم دیا ہے۔ اب جہاں رجوع کا حکم وجوبی ہوگا وہاں تقلید شخصی واجب ہوگی اور جہاں استحبابی ہوگا وہاں تقلید شخصی مستحب ہوگی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد اقدس "عليكم بسُنَّتي وسنَّة الخلفاء الراشدين." [3]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۹۷، كتاب الفرائض / باب ميراث ابنة ابن مع ابنة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة النحل: ۱۶، الآية: ۴۳.

(۳) ● ترجمہ: تم پر لازم ہے میری سنت کی پیروی اور خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی۔

● سنن ابن ماجه، ص:۱۷، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

کا حکم وجوبی، لازمی اسی لیے صادر فرمایا ہے کہ آپ اَعلمُ الخلائق ہیں لہذا آپ کی سنت کی پیروی کی جائے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاے راشدین۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم، حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ساری امت میں سب سے زیادہ اعلم ہیں اور یہ حضرات اپنی ترتیب خلافت کے لحاظ سے اپنے اپنے عہد خلافت میں اَعلمُ الاصحاب تھے اس لیے ان کے فرمان خصوصی اور طریقہ مرضیہ کی پیروی اتباع سنت بھی ہے اور غیر مجتہد صحابہ کے حق میں تقلید بھی، جو بلاشبہہ تقلید شخصی سے ہی عبارت ہے۔

تقلید عرفی کی بنیاد دلیل شرعی پر ہوتی ہے جب کہ تقلید حقیقی بے دلیل، اندھی تقلید ہوتی ہے:

کفار و مشرکین امور کفر و شرک میں اپنے آبا و اَجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں ان کے پاس اس کے لیے شرع کی کوئی روشنی نہیں ہوتی، اس کے بر خلاف اہل اسلام فقہی فروعی امور میں اپنے مجتہد کی تقلید دلیلِ شرعی کی بنیاد پر کرتے ہیں جس کے انوار سے حق روشن و تاباں نظر آتا ہے، اس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ

دلائل شرعیہ دو طرح کے ہیں:

اجمالیہ ، تفصیلیہ

تفصیلی دلائل سے مراد جزئی دلائل ہوتے ہیں۔ ان میں ایک ایک حکم پر الگ الگ دلالت ہوتی ہے، جیسے چوتھائی سر کے مسح کے وجوب کی دلیل حدیثِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اور اجمالی دلائل سے مراد کلی دلائل ہوتے ہیں۔ یہ دلائل تنہا تنہا کثیر احکام پر ایک ساتھ دلالت کرتے ہیں۔ جیسے:

- "اَطِیْعُوا اللّٰهَ" حکم مانو اللہ کا۔
- وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ حکم مانو رسول کا اور اولو الامر یعنی فقہا کا۔
- فَسْــٴَـلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اہل علم سے پوچھو۔
- یہ دلائل کُلّی ہیں جن کا تعلق کثیر احکام سے ہوتا ہے۔ تفصیلیہ کا علم مجتہد کو ہوتا ہے اور وہی ان کے جاننے کا مکلف ہے، اور دلائلِ اجمالیہ کا علم مقلد کو بھی ہوتا ہے اور انھی دلائلِ اجمالیہ کی بنیاد پر

وہ اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔

یہاں سے یہ امر بھی عیاں ہو گیا کہ تقلید کی تعریف میں "عمل بغیر دلیل" کے لفظ سے فقہا کی مراد "دلیل تفصیلی" ہوتی ہے یعنی مجتہد کی دلیل جزئی، تفصیلی کے علم کے بغیر وہ اس کے قول پر عمل کرے۔ یہ ہر گز مراد نہیں کہ اس کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں، نہ تفصیلی، نہ اجمالی۔ کیوں کہ دلیل اجمالی، بلکہ دلائل اجمالیہ کا علم اسے قطعاً ہوتا ہے، جن کے چند نمونے اوپر مذکور ہوئے۔

فتاوی رضویہ کے ایک اقتباس سے تنویر و توضیح:

ہم یہاں اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے فتاوی رضویہ "رسالہ اجلی الاعلام" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس کا تعلق مسلم الثبوت "بحثِ تقلید" کی ایک عبارت کی شرح سے ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدّس سرّہ رقم طراز ہیں:

● (التقليدُ) الحقيقي هو (العملُ بقول الغير من غير حُجّةٍ) أصلا (كأخذ العامي) مِن مِثله و هذا بالإجماع ، إذ ليس قول العامي حجة أصلًا، لا لنفسهٖ و لا لغيرهٖ (و) كذا أخذ (المجتهد من مثله) علىٰ مذهبِ الجمهور من عدم جواز تقليد المجتهد مجتهدًا آخر.

و ذلك لأنه لما كان قادرًا على الأخذ عن الأصل فالحجّةُ في حقّهٖ هو الأصل و عدولُه عنه إلى ظنِّ مثلهٖ عدولٌ إلى ما ليس حجة في حقّهٖ فيكون تقليدًا حقيقيًا، فالضمير في "مثلهٖ" إلىٰ كلٍ من العامي والمجتهد، لا إلى المجتهد خاصةً.

● و إذا عرفت أن التقليدَ الحقيقيَّ يعتمد انتفاء الحجّة رأسًا (فالرجوعُ إلى النّبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- أو إلى الإجماع) و إن لم نعرف دليلَ ما قاله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو قاله أهلُ الإجماع تفصيلًا (ليس منه) أي من التقليد الحقيقي لوجود الحجّة الشرعيّة ، و لو إجمالًا (و كذا) رجوع (العامي) من ليس مجتهدًا (إلى المفتي) و هو المجتهد (و) رجوع (القاضي إلى) الشّهود (العدول) و أخذهما بقولهم ليس من التقليد في شيء، لا نفس الرجوع و لا العمل بعده (لإيجاب النّص) ذلك الرجوعَ والعملَ (عليهما) فيكون العملُ بحجّة و لو إجمالية كما عرفت. هذا هو حقيقة التقليد.

(و لكن العرف) مضى (على أن العامي مقلد للمجتهد) فجعل عمله بقوله من دون معرفة دليله التفصيلي تقليدًا لهٗ و إن كان إنّما يرجع إليه لأنّه مأمورٌ شرعًا

بالرجوع إليه، و الأخذ بقوله فكان عن حجّة لا بغيرها، و هذا اصطلاح خاص بهذه الصورة فالعمل بقول النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- و بقول أهل الإجماع لا يسمّيه العُرف أيضًا تقليدًا.[1]

ترجمہ: "تقلید حقیقی" یہ ہے کہ غیر کے قول پر کسی بھی طرح کی دلیل کے بغیر عمل کیا جائے، جیسے کوئی عامی اپنے جیسے عامی کی تقلید کرے، یہ تو بالاجماع تقلید حقیقی ہے، کیوں کہ عامی کا قول اس کے لیے، یا کسی کے لیے بھی بالکل حجت نہیں، یوں ہی مجتہد کا اپنے جیسے کسی مجتہد کے قول کو اختیار کرنا بھی مذہب جمہور پر تقلید حقیقی ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں، کیوں کہ جب وہ اصل کتاب و سنت سے اخذ احکام پر قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے اور اسے چھوڑ کر اپنے ہی جیسے دوسرے کے ظن کی طرف رجوع اس کے لیے حجت نہیں، اس لیے یہ تقلید حقیقی ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلم الثبوت کے قول "مثلہٖ" میں ضمیر "ہ" کا مرجع عامی بھی ہے اور مجتہد بھی، خاص مجتہد ہی اس کا مرجع نہیں ہے۔

اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ تقلید حقیقی میں مقلد کے پاس بالکل کسی بھی طرح کی دلیل نہیں ہوتی اور وہ بے دلیل ہی اعتماد کر کے کسی کا پیرو بن جاتا ہے۔ تو واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ اور اہل اجماع کی طرف رجوع تقلید حقیقی نہیں، کیوں کہ یہاں حجتِ شرعیہ (قولِ رسول و قولِ اجماع) اجمالی طور پر موجود ہے گو کہ ہمیں قولِ رسول اور قولِ اہلِ اجماع کی دلیل جزئی نہیں معلوم ہے۔

یوں ہی عامی غیر مجتہد کا فقیہِ مجتہد کی طرف رجوع اور قاضیِ شریعت کا عادل گواہوں کی طرف رجوع اور ان کا مفتی اور گواہوں کے قول پر عمل تقلید نہیں ہے، نہ تو رجوع تقلید ہے اور نہ ہی اس کے بعد کے عمل کا اس سے کوئی علاقہ ہے، کیوں کہ نصِ شارع نے یہ رجوع، پھر عمل ان پر واجب فرما دیا ہے، تو یہ عمل دلیل شرعی پر ہوا، گو کہ یہ دلیل جزئی نہیں، اجمالی ہے، یہ ہے تقلید کی حقیقت (یعنی دلیل شرعی کلی پر عمل) لیکن عرفاً اسے تقلید اور عامی کو مجتہد کا مقلد کہا جاتا ہے، کیوں کہ اسے مجتہد کی دلیلِ جزئی تفصیلی کا عرفان نہیں حاصل ہوتا، حالاں کہ وہ مجتہد کی طرف رجوع اس لیے کرتا ہے کہ شریعت نے اسے اس کی طرف رجوع اور اس کے قول پر عمل کا حکم دیا ہے، تو یہ عمل و رجوع دلیل کی بنا پر ہے، بلا

---

(۱) الفتاوی الرضوية، ج: ۱، ص: ۳۸۴، كتاب الطهارة/ باب المياه/ رساله: "أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقاً على قول الإمام" رضا اكاديمى.

دلیل نہیں اور یہ اصطلاح اسی صورت کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور اہلِ اجماع کے قول پر عمل کو عرفِ شرع میں تقلید نہیں کہا جاتا۔

اس اقتباس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مقلد کتاب و سنت کے دلائلِ اجمالیہ، کُلّیہ کی روشنی میں اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے، جو محض عرفاً تقلید ہے، اور شرعاً وہ تقلید نہیں بلکہ کتاب و سنت کا اتباع اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

ہاں اگر عام آدمی اپنے جیسے عام آدمی کی تقلید کرے جیسے غیر مقلد عوام اپنے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں تو یہ تقلید حقیقی ہے اور یہی حرام ہے کیوں کہ یہ مولوی مجتہد نہیں ہوتے، بلکہ اجتہاد کے مقام سے بہت دور ہوتے ہیں، اس لیے وہ بھی عامی ہوئے گو وہ اپنے منھ سے کچھ بھی دعویٰ کریں۔

واضح ہو کہ تقلیدِ حقیقی امورِ حرام میں حرام اور امور شرک میں شرک ہے اور اسی کو ہم ”اندھی تقلید“ سے موسوم کرتے ہیں کیوں کہ یہاں مقلد کے پاس دلیل شرعی و عقلی کی روشنی نہیں ہوتی بلکہ خالص جہل کی تاریکی ہوتی ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ امر بخوبی عیاں ہو جاتا ہے کہ ”تقلید عُرفی“ در اصل اجتہادی امور میں کتاب و سنت کی اطاعت ہے اور اسے شرک یا حرام کہنا کتاب و سنت سے کھلا ہوا انحراف ہے جو حضراتِ وہابیہ کے ہی شایانِ شان ہے۔

تقلید اور مقلدین کے بارے میں وہابیہ کا موقف:

اب ذرا تقلید اور مقلدین کے بارے میں وہابیہ کا موقف ملاحظہ فرمایئے، ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

”باقی رہی ”تقلید وقتِ لاعلمی“ سو یہ چار قسم ہے....

قسم ثالث: حرام و بدعت ہے، اور وہ تقلید ہے بطور تعیین کے، بزعم وجوب کے، برخلاف قسم ثانی کے۔

قسم رابع: شرک ہے۔ اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا، پھر اس کو حدیث صحیح، غیر منسوخ، غیر معارض، مخالف مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم ہوئی تو اب وہ مقلد بدستاویز ان عذرات کے جن سے سابقاً بخوبی جواب دیا گیا ہے، یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا، اور

یا اس میں بدون سبب کے تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو، طرف قول امام کے لے جاتا ہے۔
غرض کہ وہ مقلّد، مذہب اپنے امام کا نہیں چھوڑتا۔

سوان قسموں سے قسم اول اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں، کیوں کہ ان دونوں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں، لیکن قسم ثالث اور رابع بے شک معرکہ آرا اور محطِّ انظار ہے۔

تقلید کے شرک ہونے پر وہابی دلیل:

قسم رابع کو اس مقام پر مدلل کیا جاتا ہے۔

تو واضح ہو جائے کہ شرک ہونے پر ایسی تقلید کے، آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی بہت سی دال ہیں، اور بہت علما نے ان آیات اور احادیث سے شرک ہونا ایسی تقلید کا ثابت کیا ہے۔ پس نقل کر دینا اقاویل ان علما کا جن میں وہ آیات اور احادیث موجود ہیں مستغنی ہے، آیات کے ذکر کرنے سے علاحدہ،

تو سنو کہ تفسیر نیشاپوری میں، ضمن اس آیت: (اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.)[1] کے مذکور ہے کہ یہ مراد نہیں کہ "یہود و نصاریٰ نے اپنے علما اور درویشوں کو خدا ٹھہرایا تھا، بلکہ مراد یہ ہے کہ اطاعت انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کی، بر خلاف حکم، خدائے تعالیٰ اور رسول کے، کی تھی۔"[2]

وہابی دلیل کا محاسبہ متعدّد جہات سے:

شیخ الکل نے تقلید کی چار قسمیں کر کے پہلی اور دوسری قسم کی اجازت دی ہے، حالاں کہ ہم اسے تقلید نہیں، تقلید سے آزادی سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں۔

ہم لوگ تقلید شخصی کے قائل ہیں اس کو یہ حرام و بدعت قرار دیتے ہیں اور ہم - الحمد للہ - گزشتہ صفحات میں دلائل کتاب و سنت سے اس کا جواز اور وجوب ثابت کر چکے ہیں۔

یہ تقلید کی چوتھی قسم کو شرک کہتے ہیں، اور وجہ بتاتے ہیں کہ:

"مقلد نے لاعلمی کے وقت مجتہد کا اتباع کیا، پھر اس کو حدیث صحیح، غیر منسوخ، غیر معارض اس مجتہد

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ:۹، الآیۃ: ۳۱.
ترجمہ: یہود و نصاریٰ نے اپنے اَحبار اور راہبوں کو **اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔**

(۲) معیار الحق فی تنقید تنویر الحق، ص: ۸۰، ۸۱، أقسام التقلید، جامعۃ تعلیم القرآن والحدیث، سیالکوٹ.

کے مذہب کے خلاف معلوم ہوئی تاہم وہ مقلد اس حدیث کو قبول نہ کرے، یا بلا وجہ کی تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو اپنے امام کے قول کی طرف لے جائے مگر اپنے امام کا مذہب نہ چھوڑے تو یہ تقلید شرک ہے۔"

ہم مقلدین ایسی تقلید سے بیزار ہیں، آج امت کا سوادِ اعظم تقلید شخصی کا قائل ہے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلّد ہے مگر شیخ الکل نے جس تقلید کا ذکر کیا ہے اس کا کوئی قائل نہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے کہ تقلید کس طرح کے مسائل میں کی جاتی ہے اور کس طرح کے مسائل میں نہیں کی جاتی، ایک بار پھر وہ مسائل ذہن نشین فرمالیں:

(۱) وہ مسائل اصولِ دین و عقائد اسلام سے نہ ہوں۔

(۲) نہ ہی ایسے احکام و شرائع سے ہوں جو کتاب و سنت کے صریح نصوص سے ثابت ہوں۔

(۳) نہ ہی وہ اجماعِ امت یا اجماعِ اہل سنت سے ثابت ہوں کہ اجماع کی طرف رجوع فی الواقع کتاب و سنت کی طرف ہی رجوع ہے۔

(۴) رہ گئے وہ مسائل جو کتاب و سنت کے نصوص سے اجتہاد و استنباط کے ذریعہ نکالے گئے ہوں انھی میں امام معین کی تقلید کی جاتی ہے کیوں کہ اب عام طور سے عوام و خواص اجتہاد و استنباط سے عاجز ہیں، کسی مسئلے میں کوئی حدیث صحیح، غیر معارض، غیر منسوخ معلوم ہو تو اس کے لیے نہ اجتہاد کی حاجت ہے، نہ تقلید کی اجازت۔

(الف) "إذا صحّ الحديث فهوَ مذهبي" کا اعلان اور عمل:

ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ واضح فرمان پہلے ہی جاری کر دیا ہے:

"إذَا صَحّ الحَدِيْثُ فَهُوَ مذْهبِي."

"جب حدیث صحیح ہو (یعنی فقہی اصول کے مطابق حدیثِ صحیح مل جائے) تو وہی میرا مذہب ہے۔"

اور اسی کے مطابق ان کے مقلدین عمل پیرا ہیں۔

☆ ہم حنفی المذہب ہیں، تاہم متعدّد مسائل میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے بجائے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زُفر رحمہم اللہ علیہم کے مذہب پر عمل کرتے ہیں، بلکہ وقتِ ضرورت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم کا مذہب بھی اختیار کرتے ہیں۔ اس کے شواہد • ہدایہ • شروحِ ہدایہ • فتاوی قاضی خاں • بحر الرائق • بدائعُ الصنائع • در مختار • رد المحتار • فتاوی رضویہ • رسالہ: الظفر لقولِ زُفر • "مجلس شرعی کے فیصلے" جلد اول • و جلد دوم • "جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، جلد اول • دوم • سوم

• چہارم • پنجم • فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول • وغیرہ کتب معتمدہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ہمارے یہاں فقہا کا ایک طبقہ ہے "اصحاب ترجیح"[1] ان کا کام ہی یہ ہے کہ اپنے ائمہ مذہب کے دلائل کی قوت وضعف کا پوری باریک بینی سے جائزہ لیں اور جس قول کی دلیل با قوت ہو اسے راجح اور جس قول کی دلیل ضعیف ہو اُسے مرجوح قرار دیں، پھر عموماً ان کے فیصلے پر عمل اور فتوی جاری ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں اس کے نظائر بے شمار ہیں۔

(ب) شرعی دلائل کی روشنی میں ائمہ کی تقلید واطاعت:

مذاہب اربعہ کے ماننے والے علما وفقہا کبھی آنکھ بند کر کے اپنے امام کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ وہ طاقت بھر اپنے اپنے اماموں کے قول کی دلیل کتاب وسنت سے تلاش کرتے ہیں، پھر باہم علمی مباحثے کرتے ہیں اور تمام دلائل کے درمیان موازنہ کر کے محاکمہ بھی فرماتے ہیں، پھر جسے جس دلیل کی قوت اور معارض سے اس کی حفاظت یا راجح وغیر منسوخ ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اسے اختیار کرتا ہے اور اس طرز عمل سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس نے اپنے امام کی اندھی تقلید نہیں کی ہے، بلکہ دلائلِ کتاب وسنت کے اجالے میں عُرفاً تقلید کی اور حقیقت میں خدا ور سول کی اطاعت کی ہے۔ اس کے شواہد

• شرح معانی الآثار للامام الطحاوی • احکام القرآن للامام الجصاص الرازی
• واَحکامُ القرآن للامام القرطبی • مؤطا امام محمد • ونصب الرایہ لِلامام الزیلعی
• فتح القدیر شرح ہدایہ • عمدۃ القاری • وفتح الباری شروح صحیح البخاری
• شرح مسلم للامام النووی • حاجز البحرین لِلامام احمد رضا القادری
• الحواشی الجلیہ علی شرح صحیح مسلم • فتح المنان للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی • وغیرہ

میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور اس کتاب کا تیسرا باب "فروعی مسائل" تو اسی حقیقت کی تفہیم کے لیے ہے، ہر صاحب نظر کھلی آنکھوں سے محسوسات کی طرح اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

(ج) اپنے ائمہ کے بعض اقوال پر شذوذ کا حکم اور اس کے خلاف فتوی وعمل:

یہی وجہ ہے کہ یہ علما وفقہا اپنے ائمہ کے بعض اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ شاذ ہے، امام

---

(۱) (في طبقات الفقها) الخامسة طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبي الحسن القدوري وصاحب الهداية، وأمثالها وشأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض كقولهم هذا أولى وهذا أصح رواية وهذا أرفق للناس. (مقدمة رد المحتار على الدر المختار في شرح تنوير الأبصار، ج:۱، ص:۵۷)

اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ قبورِ مسلمین پر بیٹھنا جائز، خلافِ اولیٰ ہے، کچھ حنفی فقہا نے اس کی حمایت بھی کی جیسا کہ محدث شہیر مولانا احمد علی سہارن پوری مرحوم نے حاشیہ صحیح بخاری[1] میں طحاوی اور عینی وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

لیکن امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "إِذَا صَحَّ الحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِي." پر عمل کرتے ہوئے قبور مسلمین پر بیٹھنے اور چلنے پھرنے کو حرام قرار دیا اور اس موضوع پر آپ نے ایک رسالہ بھی تصنیف فرمایا ہے جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث، پھر نصوصِ مذہبی سے استناد کیا ہے۔

امام ابو زکریا نووی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا (ائمہ اربعہ میں سے) کسی دوسرے امام کے مذہب کو ترجیح دیا ہے، مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں:" وأقوى المذاهب هنا مذهبُ مالك رحمه الله تعالى".

راقم الحروف نے اپنے حواشی شرح صحیح مسلم[2] کے ابتدائیہ میں "ترجمة الإمام أبي زكريا" کے تحت اس کے کچھ اور بھی شواہد پیش کیے ہیں۔

(د) دلائل میں شدید کش مکش کی صورت میں تحرّی قلب پر عمل:

یہ فقہی مذاہب

- دلائل میں تعارض
- یا قوت وضعف
- یا عموم وخصوص
- یا مشترک ومؤوّل
- یا اطلاق وتقیید
- یا نسخ وعدمِ نسخ
- یا اختلافِ قول وفعلِ رسول جیسے ناگزیر اسباب کی بنیاد پر وجود میں آئے
- یا پھر اس وجہ سے کہ کسی مجتہد تک دلیلِ شارع پہنچی اور کسی تک نہیں پہنچی
- کسی کو ناسخ کا علم ہوا اور کسی کو نہیں ہوا
- یا اختلافِ اسباب وعلل کی وجہ سے

---

(۱) الحواشي النافعة للمحدث الشهير أحمد علي السهارنفوري على صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۸۲، كتاب الجنائز / باب الجريد على القبر، مجلس البركات.

(۲) الحواشی الجليّة في تأييد مذهب الحنيفة علي المنهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج:۱، ص:۱۵، مجلس البركات، مبارك فور.

● یا کلماتِ شارع میں کثرتِ عِلل کے احتمال کی وجہ سے۔

● ایک وجہ، اجتہاد میں اصابت وخطا بھی ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے اسباب ووجوہ کبھی مجتہد کے نزدیک ایسی کش مکش پیدا کر دیتے ہیں کہ تحرّیِ قلب کے سوا کوئی اور راہ نظر نہیں آتی اِلّا یہ کہ توفیق ایزدی شاملِ حال ہو جائے۔

پھر یہی دشواری فقہاے مقلدین کو بھی پیش آتی ہے تو جس کی تحرّیِ قلب جس امام کے اجتہاد کے صواب یا قوی وراجح ہونے پر ہو جائے وہ اسی کے مذہب کو اختیار کیے رہتا ہے جیسے چار لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور تحرّیِ صواب کے بعد ان کا قلب الگ الگ جہتوں کے جہت قبلہ ہونے پر جم جائے تو ہر ایک پر اپنی جہتِ تحرّی پر نماز پڑھنا فرض ہے۔ اور یہ کہنا بیجا ہے کہ ان میں سے تین نے حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی اور اپنی رائے کو شریعت بنا لیا، یا معاذ اللہ شرک کیا، پھر ائمہ اربعہ کے مقلدین پر یہ حکم لگانا کیوں کر بجا ہوگا۔

تو اس مقام پر آیت کریمہ: "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"(۱) [یہود ونصاریٰ نے اپنے اَحبار اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا] سے استدلال نہایت بیجا ہے کیوں کہ یہود ونصاریٰ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام کے بر خلاف اپنے اَحبار اور راہبوں کے احکام پر عمل کرتے تھے یعنی اللہ ورسول نے جو چیز حلال فرما دی اسے حرام ٹھہراتے تھے اور جس چیز کو اللہ ورسول نے حرام فرمایا اسے حلال قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا لفظ اس کا شاہد ہے اور مفسرین کرام نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔(۲)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة التوبة:۹، الاية:۳۱-

(۲) چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

● "اتخاذهم أربابا": أنهم أطاعوهم في الأمر بالمعاصي وتحليلِ ما حَرَّمَ اللهُ وتحريمِ ما حَلَّله . . . (الحديثُ النبوي) عديّ بن حاتم رضى الله تعالى عنه : انتهيتُ إلى رسول الله -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وفي عُنُقي صَليبٌ مِن ذهبٍ،

فقال: "أ لَيْسُوا يُحَرِّمون مَا أحلَّ الله فتُحرِّمونَه، ويُحِلّون مَا حَرَّمَه فتُحِلّونَه"؟ قلتُ: بَلىٰ، قال: فتلك عبادتهم. (الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل فى وجوه التأويل، ج:۲، ص:۲۵۲، تحت الأية: اتَّخَذُوا أَحْبارَهُمْ وَرُهْبانَهُمْ أَرْباباً مِنْ دُونِ اللّٰهِ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

ترجمہ: "یہود ونصاریٰ کا اپنے علما اور پادریوں کو رب بنانے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاصی کا اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے کا حکم دیتے تو یہود ونصاریٰ ان کی اطاعت وفرماں برداری کرتے۔

(حدیث نبوی) حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میرے گلے میں

جب کہ ہم مسلمان اور ہمارے مجتہدین کرام اس سے بیزار ہیں، جو حکم کتاب و سنت کے نص مُفسَّر یا محکم غیر مؤوّل، غیر منسوخ کے خلاف ہو گا وہ مردود ہے:

⑮ قال (القاسمُ بنُ محمّد): أخبرتْني عائشةُ: أنَّ رسولَ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- قَالَ: مَنْ عَمِلَ عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردّ. [1]

ترجمہ: اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی عمل کیا وہ مردود ہے۔

(ہ) ائمۂ مجتہدین کتاب و سنت میں مضمر احکام کے کاشف ہوتے ہیں:

ہمارے ائمہ مجتہدین اپنے اجتہاد کے ذریعہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے احکام کے کاشف و مظہر ہیں، یہ اللہ و رسول کی اطاعت کے لیے اجتہاد یا استنباط فرماتے ہیں، یہ نفوس قدسیہ کبھی حکم الٰہی و حکم رسالت کے برخلاف کوئی حکم صادر نہیں کر سکتے، یہ حضرات آیت کریمہ: "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"[2]، "کُنْتُمْ

سونے کی صلیب تھی، تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: کیا یہ احبار اور راہب اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہیں کرتے تو تم لوگ بھی حرام مانتے ہو اور کیا یہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کرتے تو تم لوگ بھی حلال کر لیتے ہو۔

تو انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہی ان کی عبادت ہے۔

● وأخرج أبو الشيخ والبيهقي في شُعَب الإيمان عن حُذَيفةَ رضي الله تعالي عنه {اتخذُوا أحْبارهم ورُهبانهم} قال: أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنَّهم أطاعوهم في مَعصِيَةِ اللهِ.

(الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ج:٤، ص:١٧٤، تحت الآية: اتخذوا أحبارهم، ورُهبانهم، دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: حضرت ابو الشیخ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ (اتخذُوا أحْبارهم ورُهبانهم) کی تفسیر میں حضرت حُذیفہ نے فرمایا: وہ اپنے پادریوں کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ کی معصیت میں ان کا اتباع کرتے تھے۔

● {اتخذوا} أي أهلُ الكتاب {أحبارَهم} علماءَهم {ورُهبانَهم} نُسَّاكهم {أَرْبَابًا} آلهةً {مِّن دُونِ اللهِ} حيث أطاعوهم في تحليلِ ما حرَّم اللهُ وتحريمِ ما أحلَّ اللهُ.

(مدارك التنزيل وحقائق التأويل المسمى تفسير النسفي، ج:٢، ص:١٣٤، تحت الآية المذكور، أبناء مولوي محمد بن غلام رسول، موومبائي)

ترجمہ: اہل کتاب نے اپنے علما اور اپنے درویشوں کو معبود بنا لیا اللہ کے علاوہ، کیوں کہ انھوں نے اللہ کی حرام کردہ اشیا کو حلال کرنے اور حلال کردہ اشیا کو حرام کرنے میں اپنے علما اور درویشوں کی اطاعت کی۔

● ایسا ہی تفسیر جلالین، ص:۱۵۸ میں بھی ہے جس میں مفسرین کرام نے قول راجح کو اختیار کرنے کا التزام کیا ہے۔ ۱۲ منہ

(١) ● الصحيح لمسلم، ج:٢، ص:٧٧، كتابُ الأقضية/ باب نقض الأحكام الباطنة وردّ محدَثاتِ الأمور، مجلس البركات

● صحيح البخاري تعليقًا، ج:٢، ص:١٠٩٢، كتاب الاعتصام/ باب قوله: "وكذلك جعلناكُم أُمَّةً وَّسطاً"، مجلس البركات.

(٢) القرآن الحكيم، سورة الفاطر: ٣٥، الآية:٢٨-

خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"[(۱)] کے سچے مظہر اور "اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأنبِياء"[(۲)] کے بہتر مصداق ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بتقاضاے بشری اجتہاد کی راہ میں کہیں ان کا قدم کچھ پھسل جائے، مگر ان کی نیت نیک ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے اجتہاد پر ثواب کے حقدار ہوتے ہیں خود سید کائنات ﷺ نے اس کی شہادت دی ہے۔

⑯ عن عمرو بن العاص، أنّه سمع رسولَ الله -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يقول: إذا حكم الحاكمُ فاجتهدَ، فأصابَ له أجران. وإذا حكمَ فاجتهد ثم أخْطَأ فله أجر.[(۳)]

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے سنا جب حاکم (قاضی) کوئی فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور درست اجتہاد کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اور جب حاکم فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور خطا ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

غور فرمایئے، اللہ کے محبوب، سید الانبیا ﷺ اپنی امت کے فقہاے مجتہدین کی ستائش فرما رہے ہیں اور انھیں ان کے فعلِ خیر پر اجر و ثواب کی بشارت دے رہے ہیں، مگر جماعتِ غیر مقلدین کے شیخ الکل انھیں یہود و نصاریٰ کے اَحبار اور راہبوں کے مساوی قرار دے رہے ہیں، کہاں وہ اَحبار و راہبین، جو اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف حکم صادر کرتے تھے اور کہاں یہ اللہ والے، پاک باز نفوس جو کتاب و سنت کے فرمان کے آگے ہر گھڑی سر تسلیم خم کیے رہتے اور "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبي." کا اعلان کرتے تھے۔

افسوس! کیا یہی ہے معیار حق؟

یہ حضرات خیرِ امت کے فقہاے مجتہدین ہیں جو کتاب و سنت سے اجتہاد فرماتے ہیں جیسا کہ ان کے مذہب کی کتابیں شاہد عدل ہیں۔

اور الحمد للہ ہم مقلدین ایسے مقدس اماموں کے اجتہادی مسائل کو اختیار کرتے ہیں۔ اور فقہاے مرجّحین کی تنقیح کو پیش نظر رکھ کر جس قول کے صواب ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اَحبار و رُہبان پر ائمہ ہُدیٰ کا اور یہود و نصاریٰ پر خیرِ امت کا قیاس باطل و مردود ہے، احادیثِ نبویہ میں اس کی مذمت وارد ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران:۳، الآية:۱۱۰-

(۲) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۹۳، أبوابُ العلم / باب ما جاءَ في فضل الفقهِ على العِبادةِ، مجلس البركات.

(۳) صحيح البخارى، ج:۲، ص:۱۰۹۲، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، مجلس البركات، مبارك فور.

(و) صحیحین کے بہت سے رجال مقلّد ہیں:

صحاح سِتّہ بالخصوص صحیحین کے بہت سے رجالِ حدیث ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقلدین ہیں، تو کیا یہاں بھی آپ کا "معیارِ حق" یہی رہے گا۔ ہم چند حنفی اور شافعی مقلدین کا تذکرہ کرتے ہیں:

(۱) مَكّي بن إبراهيم البلخي[۱] رحمه الله تعالى

یہ امام احمد و بخاری و مسلم و ابوداود و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ کے راوی ہیں[۲]، صحیح البخاری کی گیارہ (۱۱) ثُلاثیات ان سے مروی ہیں۔[۳]

(۲) إمام أبو عاصم النبيل الضحّاك بن مخلد[۴] رحمه الله تعالى

آپ سے صحیح البخاری کی چھ (۶) ثلاثیات مروی ہیں۔[۵]

---

(۱) مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة للكردري، ٧٧٧، ٧٧٨.
قال: هو المكّي بن إبراهيم البلخي، دَخَل الكوفَةَ سَنَةَ أربعين ومائة، فلزِمَهُ وسَمع منه الحديث والفقه، وكان يحبُّهُ و يتعصَّبُ بمذهبه، أكثر عنه الرّواية.

(۲) تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ج:٨، ص:٤٨٦، رقم الترجمة: ٦١٧٠، موسّسة الرسالة.

(۳) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:٢١، كتاب العلم / باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٧١، كتاب الصلاة / باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلي والسترة.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٧٢، كتاب الصّلاة / باب الصلاة إلى الاسطوانة.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٧٩، كتاب مواقيت الصلاة / باب وقت المغرب.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٦٨، كتاب الصوم / باب صيام يوم عاشوراء.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٠٥، كتاب الإجارة / باب إن أحال دين الميت على رجل جاز.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٤١٥، كتاب الجهاد / باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٤٢٧، كتاب الجهاد / باب من رأى العدّو فنادى بأعلىٰ صوته يا صباحاه.
● صحيح البخاري، ج:٢، ص:٦٠٥، كتاب المغازي / باب غزوة خيبر.
● صحيح البخاري، ج:٢، ص:٨٢٦، كتاب التفسير / باب آنية المجوس والميتة.
● صحيح البخاري، ج:٢، ص:١٠١٧، ١٠١٨، كتاب الديات / باب إذا قتل نفسه خطأ فلا دية له.

(٤) الجواهر المضية فى طبقات الحنفية، ج:٢، ص:٢٧٢-٢٧٥، رقم الترجمة: ٦٦٥.

(٥) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٥٧، كتاب الصوم / باب إذا نوى بالنهار صوما.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٠٥، كتاب الكفالة / باب من تكفّل عن ميت دينا فليس له أن يرجع.
● صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٣٦، كتاب المظالم والقصاص / باب هل تكسر الدّنان التي فيها الخمر.
● صحيح البخاري، ج:٢، ص:٦١٢، كتاب المغازي / باب بعث النبي أسامة بن زيد إلى الحرقات.
● صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٨٣٥، كتاب الأضاحي / باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها.
● صحيح البخاري، ج:٢، ص:١٠٧٠، كتاب الأحكام / باب مَن بايع مرّتين.

(۳) محمد بن عبد الله الأنصاري البصري[۱] رحمه الله تعالی
آپ سے صحیح البخاری کی تین (۳) ثلاثیات مروی ہیں۔[۲]

(٤) عبد الله بن المبارك[۳] رحمه الله تعالی

(٥) فضل بن موسیٰ الرازی[۴] رحمه الله تعالی

(٦) وكيع بن الجرّاح[۵] رحمه الله تعالی

(٧) يحييٰ بن سعيد القطّان[۶] رحمه الله تعالی

---

(١) الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:٣، ص:١٩٩-٢٠٣، رقم الترجمة: ١٣٥٠.

(٢) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٧٢، كتاب الصلح/ باب الصلح في الدية.

● صحيح البخاري، ج:٢، ص:٦٤٦، كتاب التفسير / باب " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ".

● صحيح البخاري، ج:٢، ص:١٠١٧، كتاب الديات/ باب السنّ بالسنّ.

(٣) مناقب الإمام الأعظم للكردری، ص:٢٠٢.

و به إلى محمد بن مقاتل قال: سمعت ابن المبارك، يقول: وقد سئل متىٰ يحلّ للرجل أن يفتي أو يلي القضاء قال: إذا كان بصيرا بالحديث والرأى عارفًا بقول أبي حنيفة، حافظاً له. وهذا محمول على إحدى الروايتين عن أصحابنا وقبل استقرارِ المذهب، أما بعد التقرر فلا حاجة إلى هذا لأنه لا يمكنه إلّا التقليد.

☆ عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، باب: ١٠، ص: ١٧١.

عن عبد الله بن المُبارك قال: قول أبي حنيفة عندنا كالأمر عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ إذا لم نجد أثراً.

(٤) مناقب الإمام الأعظم للكردری، ص:٦٥٥.

و به عن الفضل بن موسى الرازى وكان أحفظ لأحاديث الرسول وسمع من الإمام الكثير وكان يحث الناس على اتباعه.

(٥) ● مناقب الإمام الأعظم للكردری، ص:١٠١٦.

عن يحيي بن معين قال: ما رأيت مثل وكيع - و يفتي بقول الإمام وكان يسمع منه شيئا كثيرا-

● وتذكرة الحفاظ، ص:٣٠٧، ج:١، وقال: يفتي بقول أبي حنيفة.

(٦) مناقب الإمام الأعظم للكردری، ص:١٠١٦.

عن يحيي بن معين، قال: ... وكان يحيي بن سعيد القطّان يفتي بقوله أيضاً.

☆ سير أعلام النبلاء، ج:٣، ص:٤١٦٦.

وكان في الفروع على مذهب أبي حنيفة فيما بلغنا إذا لم يجد النصّ.

(۸) شُعیب بن إسحاق[۱] رحمه الله تعالى

(۹) عبد الغفار بن داؤد[۲] رحمه الله تعالى

(۱۰) محمد بن عبد الله بن المثنّٰی[۳] رحمه الله تعالى

(۱۱) مُعلّٰی بن منصور الرازی[۴] رحمه الله تعالى

(۱۲) لیث بن سعد[۵] رحمه الله تعالى

(۱۳) حُسین بن حفص[۶] رحمه الله تعالى

(۱٤) إبراهیم بن یوسف بن میمون البلخی[۷] رحمه الله تعالى

(۱٥) بِشر بن ولید الکندی الحنفی[۸] رحمه الله تعالى

(۱٦) زُهَیر بن مُعاوِیة[۹] رحمه الله تعالى

(۱۷) شریك بن عبد الله[۱۰] رحمه الله تعالى

(۱۸) أحمد بن یسار الشافعي[۱۱] رحمه الله تعالى

---

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي،ج:۱۲،ص:۱۸٥ – وکان یذهب في فروع الفقه مذهب أبي حنیفة.
☆ تهذیب التهذیب، ج:۲، ص:۱۷۱ – روی عن أبیه وأبي حنیفة وتَمَذْهَبَ له.

(۲) تاریخ الإسلام للذهبی،ج:۱٦،ص:۲۲٦ – قال ابن یونس: کان ثقة، ثبتا، فقیها علی مذهب أبي حنیفة.

(۳) تهذیب التهذیب ج:۳،ص:٦۱٥ – إنه فقیه عفیف ولکنَّه یَاتَـمُّ بقَوْلِ أبي حنیفة.

(٤) الجواهر المضیة في طبقات الحنفیة، ج:۳،ص:٤۹۲،٤۹۳، رقم الترجمة: ۱٦۸۰، وکان حنفي المذهب.

(٥) ● الجواهر المضیة في طبقات الحنفیة، ج:۲،ص:۷۲۰، رقم الترجمة: ۱۱۳۱، إن اللیث حنفي المذهب.
● إرشاد الساري لشرح صحیح البخاري فی تیسیر الحدیث، باب إطعام الطعام من الإسلام (حدثنا اللیث
... الإمام الجلیل المشهور الحنفی المذهب فیما قاله ابن خلکان.
وقال الإمام أحمد رضا في الفتاوی الرضویة، ج:۱،ص:٦۲٥.
اللیث بن سعد کان حنفیا.

(٦) الجواهر المضیة في طبقات الحنفیة، ج:۲،ص:۱۰۸، رقم الترجمة: ٤۹۹، وهو الذی نقل فقه أبي حنیفة إلی أصفهان وأفتی لمذهبه.

(۷) سیر أعلام النبلاء، ج:۱،ص:۷۱۸ – کان من الأئمة الحنفیة.

(۸) سیر أعلام النبلاء، ج:۱، ص:۱۲۱۱ – الإمام العلامة المحدث، الصادق، قاضی العراق، أبو الولید الکندی الحنفی.

(۹) الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة، ج:۲،ص: ۲۱۱–۲۱۲، رقم الترجمة: ٦۰۰.

(۱۰) الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة، ج:۲،ص: ۲٤۸،۲٤۹، رقم الترجمة: ٦٤۲.

(۱۱) سیر أعلام النبلاء، ج:۱،ص:۷۹۰ – قد عدّ فی الفقهاء الشافعیة.

(۱۹) حسن محمد صباح الشافعي[۱] رحمه الله تعالى

(۲۰) علي بن معبد[۲] رحمه الله تعالى

(۲۱) علي بن مسهر الكوفي[۳] رحمه الله تعالى

(۲۲) قاسم بن معن الكوفي[۴] رحمه الله تعالى

(۲۳) حبان بن على العنزي الكُوفي رحمه الله تعالى

(۲٤) مندل بن على العنزي الكوفي[۵] رحمه الله تعالى

(۲۵) عبد الرزاق بن الهمام[٦] رحمه الله تعالى

(۲٦) يحيىٰ بن معين[۷] رحمه الله تعالى

---

(۱) تهذيب التهذيب، ج:۱، ص:٤۱۳ —وكان يذهب مذهب أهل العراق، فَتَـرَكَهُ وتفقّه للشافعي.

(۲) تهذيب التهذيب، ج:۳، ص:۱۹۳ —وكان يذهب مذهب أبي حنيفة.

(۳) ● الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:۲، ص:٦۱۳، ٦۱٤، رقم الترجمة: ۱۰۱٤.

● مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۱۰۳۳.

لزم الإمام وتفقّه عليه وسمع منه الكثير– وبه عن يحيى بن نصير، قال: قال عليّ: خرج الإمام من الدنيا وهو عليّ غضبان لأنى كنت أجالس الإمام بالغدوات وسفيان بالعشيات فكان يقول لي: ما قال الشيخ، فأخبره بمسائل، وكان يقول لي الإمام: لم تأتى رجلا يأخذ منك شعلتك ولا يحمدك.

(٤) مناقب الإمام الأعظم للكردري، ص:۱۰۳۳.

القاسم بن معن بن عبد الرحمٰن بن عبد الله بن مسعود الكوفي، الفقيه صحب الإمام وتفقّه عليه وروى عنه، ولي القضاء بالكوفة بعد شريك، كان إماما فى الفقه، بحرا فى العربية مقدما فيه.

(۵) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۱۰۳۱، ۱۰۳۲.

ومنهم حبان ومندل ابنا علي العنزي الكوفي . . . وقدم مندل في بغداد أيام المهدي، سمع الرأى من الإمام وتفقّه عليه، وكان الإمام يقر بهما و يتلطف بِهِـما، وذكر السمعاني عن جعفر بن عون، أنهما كانا من الزم الناس مجلس الإمام.

(٦) مناقب الإمام الأعظم للكردري، ص:۱۰٤٦.

إمام صنعاء أكثر عن الإمام الرواية.

(۷) مناقب الإمام الأعظم للكردري، ص:٦۳۸.

و به عن يحيى بن معين قال: القراءة عندي قراءةُ حمزة والرأيُ رأيُ الإمام، على هذا أدركتُ الناس.

(٢٧) المغيرة[1] رحمه الله تعالى

(٢٨) محمد بن طلحة بن مصرف[2] رحمه الله تعالى

(٢٩) يحيىٰ بن آدم[3] رحمه الله تعالى

(٣٠) يزيد بن هارون[4] رحمه الله تعالى

(٣١) حسن بن عرفة العبدي[5] رحمه الله تعالى

(٣٢) خلف بن أيوب[6] رحمه الله تعالى

یہ مقلّد راویانِ حدیث کی ایک مختصر فہرست بطور نمونہ پیش کی گئی ہے، تفصیل کے لیے رجالِ

---

(١) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٤٢.

وبه عن جرير بن عبد الحميد قال: أفتى المغيرة فتوى، فنوزع فيها، فقال: بلغنى أن الفتى الخزاز الذى يكون فى دار عمرو بن حريث يقول بمثله، يعنى الإمام قال جرير فى غير هذه الرواية عن المغيرة إنهم إذا سألوا عن شيء وأجابه قال: هذا قول أبي حنيفة.

(٢) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٤٥.

وبه عن أبي تميلة يحيي بن واضح، قال: تجارينا فى ذكره مع محمد بن طلحة بن مصرف فقال ابن طلحة: يا أبا تميلة إذا وجدت عنه قولا فعليك به فإنك لا تجد عنه قولا إلا نضيحا.

(٣) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٤٨.

وبه عن على بن المدينى كان يحيي بن آدم عالما بالناس وبأقاويلهم، كثير الفقه والحديث وكان يميل إلى أبي حنيفة ميلا شديدا.

(٤) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٥٢.

روى عنه مع كبر سنه وفضله وسَألَهُ عن مسائل وكان مائلا إليه روى عنه إبراهيم بن عبد العزيز أنه سئل متى يفتي الرجل ؟ قال إذا كان مثل أبي حنيفة ، ثم قال: لا غنى عن النظر فى كتبه وعلمه وبه يتفقّه الرجل.

(٥) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٥٧.

وبه عن الحسن بن عرفة العبدى إنه قال: لا نكذب الله فى أنفسنا، امامنا فى الفقه هو، وفى الحديث الثورى، فإذا اتفقا فلا أبالي بمن خالفهما.

(٦) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٦٤.

وبه عن عبد الله بن الأزهر سُئل خلف بن أيوب عن مسئلة فقال: قال أبو حنيفة وأبو يوسف فيه كذا. فقيل له: ما تقول فيه أنت؟ قال: أقول لك عن جبلَى حديدٍ وأنت تقول فيه ما تقول؟

سير أعلام النبلاء، ج:٢، ص:١٦٢٥،- خلف بن أيوب الإمام المحدثُ الفقيه مفتى المشرق، إن سعيد العامرى، البلخى، الحنفى، الزاهد، عالم أهل بلخ تَفَقَّهَ على القاضى أبي يوسف رحمه الله تعالى.

حدیث کی کتابیں، خاص کر طبقات الحنفیۃ اور طبقات الشافعیہ وغیرہا کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اگر تقلید شرک ہے تو بے شمار احادیث صحیحہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، کیا وہابی حضرات اس کی بھی جرأت کریں گے۔

وہابی بھی تقلید کرتے ہیں:

اور حق یہ ہے کہ خود غیر مقلدین بھی ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید کرتے اور ان کے مذہب کے مطابق فتاوی جاری کرتے ہیں، جیسا کہ ''فتاوی نذیریہ'' وغیرہ کے مطالعہ سے عیاں ہے۔

پھر ان کے عوام اپنے مذہب کے متون مثل کنز الحقائق، عَرف الجادي، نزُلُ الابرار، وغیرہ پڑھ کر، یا کسی غیر مقلد عالم سے پوچھ کر یا سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں، ان کی تقلیدِ بے دلیل میں کیا کلام۔ کیا ان سب پر مشرک ہونے کا وہی فرمان جاری ہوگا، کروروں، اربوں، بلکہ بے شمار مقلدین کو مشرک قرار دینے سے پہلے ذرا ایک بار تو اپنے مقلدین کا جائزہ لے لیتے، نیز حدیث نبوی ''الإسلامُ یعلو ولا یُعلیٰ''[1] کا مفہوم ذرا ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ وما علینا إلا البلاغ.

(۱) صحیح البخاري، ج:۱، ص:۱۸۰، کتاب الجنائز / باب إذا أسلم الصّبي، مجلس البرکات.

سولھواں مسئلہ

اِجماعِ امت

کتاب وسنت کی روشنی میں

اللہ عزّوجلّ نے امت محمدیہ ﷺ کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ جس حکم پر اس کا اجماع واتفاق ہو جائے وہ خطا سے پاک اور حجت ہوتا ہے۔ اور اس سے انحراف فرمانِ نبوت سے انحراف کی طرح گناہ ہے۔ جیسا کہ کتابُ اللہ وسنتِ رسول اللہ اس کے شاہد ہیں، ہم یہاں اس کے ثبوت میں پانچ دلائل ذکر کرتے ہیں۔

دلائلِ اہل سنت

پہلی دلیل، مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ اختیار کرنے پر جہنم کی وعید:

❶ اللہ عزّوجلّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾ (۱)

اور جو رسول کا خلاف کرے اس کے بعد کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الأية: ١١٥.

جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

اس آیت کریمہ میں:

(۱) رسول کی مخالفت کرنے

(۲) اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلنے

دونوں کا ایک ہی حکم بیان کیا ہے کہ "ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی راہ پر چلنا واجب ہے، جیسا کہ رسول کریم ﷺ کی راہ پر چلنا واجب ہے اور "اجماع" بلاشبہہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ایسی راہ جس پر سبھی چلتے ہیں؛ اس لیے اس کا اتباع واجب ہوا۔ اور ثابت ہوا کہ اجماعِ امت حجت ہے۔

دوسری دلیل، سابقہ امتوں پر امت محمدیہ کی شہادت حجتِ لازمہ ہے:

❷ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[1]

ترجمہ: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں سب امتوں میں افضل کیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔

اس آیت کریمہ میں سابقہ امتوں پر امتِ محمدیہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ان کے قول و شہادت کو ان پر حجتِ لازمہ قرار دیا گیا ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کا قول خطا سے پاک ہے، اور یہی ان کے اجماع کے خطا سے معصوم ہونے کی دلیل ہے۔

تیسری دلیل، احادیث متواترہ کی شہادت کہ امت کا اجماع خطا سے محفوظ ہے:

حضور سید عالم ﷺ کے ارشادات کریمہ اس مفہوم پر تواتر کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، کہ امت کا اجماع خطا سے محفوظ ہے اور اس کا اتباع واجب ہے۔

چناں چہ مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں حدیث: لا تجتمع أمّتي على ضلالةٍ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۱۴۳

کے تحت ہے:

"فإنَّه متواترُ المعنى" فإنّه قد ورد بألفاظ مختلفة يفيد كلُّها العِصْمَةَ وبلغت رُوَاةُ تلك الألفاظ حَدَّ التواتر.[1]"

ترجمہ: حدیث "میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی" معنیٰ کے لحاظ سے متواتر ہے کیوں کہ یہ مختلف الفاظ سے وارد ہے۔ اور اس کے سارے ہی الفاظ امت کے خطا سے معصوم ہونے کا افادہ کرتے ہیں، ساتھ ہی ان الفاظ کے رُواۃ حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔

امام محقق ابن امیر الحاج[2] اور امام قاضی بیضاوی[3] اور امام جمال الدین اسنوی رحمہم اللہ[4] نے بھی یہی صراحت کی ہے، یہ تمام حضرات اس مضمون کی احادیث کو معنیً متواتر قرار دیتے ہیں۔

کشف الاسرار شرح اصول بزدوی میں بھی یہی انکشاف کیا گیا ہے، کلمات یہ ہیں:

إنّ الروايات تظاهرت عن الرسول -صلّى الله عليه وسلّمَ- بِعصمة هذه الأمّة عن الخطأ بألفاظ مختلفة على لسان الثقات من الصحابة كعُمر وابنه وابن مسعود وأبي سعيد الخدري وأنس بنِ مالك وأبي هريرة وحُذيفة بن اليمان وغيرهم مع اتفاق المعنىٰ كقوله عليه السلام "لا تجتمع أمّتي على الخطأ" ... إلىٰ غيرها من الأحاديث التّي لا تحصىٰ كثرة ولم تزل كانت ظاهرة مشهورة بين الصّحابة والتابعين إلى زماننا هذا.[5]

ترجمہ: اس امت کے خطا سے معصوم ہونے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے روایات کثیر ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: "لا تجتمِعُ أمتي على الخطأ" (میری امت

---

(۱) فواتح الرحموت، ج: ۲، ص: ۲۷۲، الأصل الثالث: الإجماع، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(۲) التقرير و التحبير على التحرير، ج: ۳، ص: ۸۵، الباب الرابع: الإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) منهاج الوصول إلى علم الأصول على هامش التقرير ج: ۲، ص: ۱۶۳، الكتاب الثالث في الإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت

(٤) نهاية السُؤل في شرح منهاج الوصول على هامش التقرير ج: ۲، ص: ۱۶۶، الكتاب الثالث في الإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت

(۵) كشف الأسرار على أصول فخر الإسلام البزدوي ج: ۳، ص: ۲۵۸، الصدف پبلیشر، كراتشي

گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور یہ روایات ثقہ صحابۂ کرام - جیسے ● عُمر ● ابن عمر ● ابن مسعود ● ابوسعید خدری ● انس بن مالک ● ابوہُریرہ ● اور حُذیفۃُ بن الیمان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک ہی مفہوم کے مختلف الفاظ سے منقول ہیں۔ امت کے خطا پر جمع نہ ہونے کے سلسلے میں احادیث بے شمار ہیں اور یہ صحابۂ کرام و تابعین عظام کے زمانے سے ہمارے زمانے تک مشہور ہیں۔

یہی صراحت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱) نے بھی کی ہے۔

ہم یہاں اس طرح کی احادیث و روایات کا ایک انتخاب قدرے بسط کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امت کا اجماع ضلالت و گمراہی پر نہیں ہوسکتا۔ اور جس امر پر امت کا اجماع منعقد ہو وہ خطا سے پاک و حجت ہے۔

یہ احادیث اپنے مضامین کے لحاظ سے کئی انواع کی ہیں، ہم جملہ احادیث کا احاطہ نہیں کرسکتے تا ہم جو احادیث پیش نظر ہیں ان کا انتخاب **پانچ انواع** کے ذیل میں نذر قارئین کرتے ہیں:

نوع اول کی احادیث:

اس نوع کی احادیث و روایات میں یہ صراحت ہے کہ امت کا اجماع گمراہی پر نہ ہوگا، اللہ عزّ و جل نے اسے گمرہی سے محفوظ و مامون کردیا ہے۔ کلماتِ احادیث یہ ہیں:

① عن أبي مالك يعني الأشعري ، قال: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- : "إن الله أجاركم من ثلاث خلال:

- أنْ لايدعُو عليكم نبيُّكم فتهلِكوا جميعًا،
- وأن لا يُظْهِرَ أهلَ الباطل علىٰ أهل الحقّ،
- و أن لا تجتمعوا علىٰ ضلالة."(۲)

ترجمہ: حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں سے تمھیں پناہ عطا فرمائی:

---

(۱) المستصفىٰ مِن علم الأصول ج: ۱، ص: ۱۷۳، الباب الأول من مبحث الإجماع ، دارُ إحياء التراث العربي.

(۲) سنن أبي داؤد، ج: ۳، ص: ۱۳۰، كتاب باب الفتن والملاحم ، حديث: ۴۲۵۳، دارُ المعرفة، بيروت، لبنان.

پہلی بات یہ کہ تمھارے نبی تمھاری تباہی و بربادی کی دعا نہ فرمائیں کہ تم سب نیست ونابود کر دیے جاؤ۔

دوسری بات یہ کہ اللہ عزّوجلّ اہلِ باطل کو اہلِ حق پر غلبہ نہیں دے گا۔

تیسری بات یہ کہ تمھارا اجماع کسی گمراہی پر نہ ہوگا۔

④ عن أبي بصرة الغفاري ، صاحب رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، أنّ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- قال: سألتُ ربي عزّ و جلّ أربعًا، فأعطاني ثلاثا و منعني واحدة،

- سألتُ الله عزّ وجلّ أن لَّا يُجْمِعَ أُمَّتي على ضلالة فأعطانيها،
- وسألتُ الله عزّ وجلّ أن لا يُهلكهم بالسّنين، كما أهلك الأمم قبلهم، فأعطانيها،
- و سألت الله عزّ و جلّ أن لا يُلبِسهم شِيَعًا، و يُذِيقَ بعضهم بأسَ بعضٍ، فمنعنيها.[۱]

ترجمہ: صحابیِ رسول اللہ حضرت ابوبصرہ غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزّوجلّ سے چار باتوں کا سوال کیا تو اس نے مجھے تین باتیں عطا فرمائیں اور ایک سے منع فرمادیا۔

- میں نے اللہ عزّوجلّ سے سوال کیا کہ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمادیا۔
- اور میں نے اللہ عزّوجلّ سے سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ فرمائے جیساکہ پہلے کی امتوں کو ہلاک فرمایا تو اس نے یہ دعا بھی قبول فرمالی۔
- اور میں نے اللہ عزّوجلّ سے سوال کیا کہ میری امت مختلف فرقوں میں تقسیم نہ ہو اور ایک دوسرے کو ایذا نہ پہنچائیں تو اسے قبول نہیں فرمایا۔[۲]

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل ، ص: ۲۰۲۹، حديث : ۲۷۷٦٦، بيت الأفكار الدولية.

(۲) "امت کی مختلف فرقوں میں تقسیم" کا فیصلہ مُبْرَم و ناقابلِ تبدیل تھا، اور آخر کار امت تہتّر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو گئی جن میں ایک فرقہ "اہل سنت وجماعت" جنتی، باقی سب جہنمی ہیں جیساکہ احادیثِ نبوی میں وارد ہے، یہ احادیث آگے آرہی ہیں۔ ۱۲ منہ

③ حَدَّثَنِي أَبُو خَلَفٍ الأَعْمَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ-، يَقُولُ: ''إِنَّ أُمَّتِي لاَ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ.''[۱]

ترجمہ: ابو خلف اعمٰی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی، لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی پیروی اپنے اوپر لازم کرلو۔

④ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- قَالَ: «إِنَّ اللهَ لاَ يَجْمَعُ أُمَّتِي -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- عَلَى الضَّلاَلَةِ وَيَدُ اللهِ على الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ، شَذَّ إِلَى النَّارِ».[۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کو -یا فرمایا- اُمّتِ محمد -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کو گمراہی پر نہیں جمع فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- «يَدُ الله مَعَ الْجَمَاعَةِ».[۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کا دستِ رحمت جماعت کے ساتھ ہے۔

⑥ عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر قال: قال رسولُ الله -صلّى الله عليه و آلِه و سلَّمَ- : ''لا يجمع الله هذه الأمةَ على الضَّلالة أبدا'' و قال :

---

(۱) سنن ابن ماجه، ج: ۲، ص: ۱۳۰۳، كتاب الفتن / باب السّواد الأعظم، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن/ بابُ لزوم الجماعة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۳) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن / بابُ لزوم الجماعة، مجلس البركات ، الجامعة الأشرفية، مبارك فور

"يد الله على الجماعة، فاتّبعوا السّواد الأعظم، فإنه من شذّ، شذّ في النار". [۱]

ترجمہ: عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزّوجلّ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دستِ قدرت جماعت پر ہے تو سوادِ اعظم کی پیروی کرو، جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

اس حدیث کو امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سات طُرق سے روایت کرنے کے بعد یہ انکشاف فرمایا:

فقدِ استقرّ الخلاف في إسناد هذا الحديث على "المعتمر بن سليمان" و هو أحدُ أركان الحديث من سبعة أوجهٍ لا يسعنا أن نحكم أن كلّها محمولة على الخطأ بحكم الصواب ... و لكنّا نقول: إنَّ المعتمر بن سليمان أحدُ أئمة الحديث و قد رُوي عنه هذا الحديث بأسانيد يصحّ بمثلها الحديث، فلا بدَّ من أن يكون له أصلٌ بأحد هذه الأسانيد .

ثم وجدنا للحديث شواهدَ من غير حديث المعتمر لا أدّعي صِحّتها و لا أحكم بتوهينها، بل يلزمني ذكرها لإجماع أهل السُّنة على هذه القاعدة من قواعد الإسلام. [۲]

ترجمہ: اس حدیث کی اسناد میں اختلاف "معتمر بن سلیمان" پر ٹھہر جاتا ہے اور وہ اس حدیث کے سات طُرق کے ارکان میں سے ایک ہیں، ہمیں یہ روا نہیں کہ ہم یہ حکم صادر کر دیں کہ یہ تمام طُرق درست ہونے کے بجائے خطا پر محمول ہیں۔

ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ "معتمر بن سلیمان" ائمۂ حدیث میں سے ایک ہیں اور ان سے یہ حدیث جس طرح کی اسانید سے مروی ہے ویسی اسانید سے مروی احادیث صحیح ہوتی ہیں۔ تو ضرور ہے کہ ان اسانید میں سے کسی سند کے ساتھ اس کی کوئی اصل ہو۔

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۵، كتاب العلم/ باب لا يجمع الله هذه الأمّة على الضلالة أبدًا، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱٦، كتاب العلم، باب من شَذَّ شُذَّ في النار.

پھر ہم اس حدیث کے لیے حدیث معتمر کے سوا کچھ شواہد بھی پاتے ہیں جن کے صحیح ہونے کا دعویٰ ہم کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں، بلکہ مجھ پر ان شواہد کا ذکر لازم ہے کیوں کہ دلائل اسلام -کتاب وسنت واجماع- میں سے اس دلیل (اجماع) پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

⑦ حدّثنا موسى بن هارون، حدّثنا العباس بنُ عبد العظيم، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا إبراهيم بن ميمون العدني - و كان يسمى "قريش اليمن" و كان من العابدين المجتهدين - قال: قلتُ لأبي جعفر: و اللهِ لقد حدّثني ابن طاؤس عن أبيه قال: سمعتُ ابن عباس يقول: قال رسول الله -صلّى الله عليه و سلَّمَ-: لا يجمع الله أمّتي على ضلالة أبدا و يد الله على الجماعة.

(قال) الحاكم: فإبراهيم بن ميمون العدني هذا قد عَدَّلَه عبدُ الرزاق، وأثنىٰ عليه، و عبد الرزاق إمام أهل اليمن و تعديلُه حجَّةٌ و قد روي هذا الحديث عن أنس بن مالك.[1]

ترجمہ: امام حاکم صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ موسیٰ بن ہارون نے ہم سے حدیث بیان کی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عباس بن عبد العظیم نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے ابراہیم بن میمون عدنی نے حدیث بیان کی، اور انھیں "قریش یمن" سے بھی موسوم کرتے ہیں، یہ عابدین مجتہدین سے تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے کہا کہ اللہ کی قسم مجھ سے ابن طاؤس نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد طاؤس نے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **اللہ تعالیٰ کبھی میری امت کا اجماع ضلالت پر نہیں فرمائے گا، اور اللہ کا دستِ کرم جماعت پر ہے۔**

امام حاکم فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن میمون عدنی کو امام عبد الرزاق نے عادل بتایا ہے اور ان کی ثنا کی ہے، اور امام عبد الرزاق امامِ اہل یمن ہیں اور ان کی تعدیل حجت ہے اور یہ حدیث حضرت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔

---

(١) المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ١١٦، كتاب العلم/ بابُ مَن شذّ، شذّ في النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

إبراهيمُ عَدَّلَهُ عبدُ الرزّاق وَ وَثَّقه ابنُ معين. اهـ.[۱]

امام عبد الرزاق نے ابراہیم کی تعدیل اور امام ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

⑧ عن أنس بن مالك: عن النّبي -صلى الله عليه و آله و سلم-: أنه سأل ربَّهُ أربعا:

- سأل ربَّهُ أن لا يموت جوعا، فأعطىٰ ذلك،
- وسأل ربه أن لايجتمعوا على ضلالة، فأعطىٰ ذلك. إلخ.[۲]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم سے چار باتوں کا سوال کیا:

- آپ نے سوال کیا کہ بھوک کے سبب موت نہ آئے، تو اللہ عزوجل نے اسے عطا فرما دیا۔
- دوسری چیز یہ کہ آپ کی امت گمراہی پر اجماع نہ کرے تو یہ بھی عطا فرما دیا۔

نوع دوم کی احادیث:

اس نوع کی حدیثوں میں یہ صراحت ہے کہ جماعتِ مسلمین کی موافقت و اتباع لازم ہے اور ان سے علاحدگی و مخالفت اسلام کی روش سے علاحدگی و مخالفت ہے، الفاظِ احادیث یہ ہیں:

⑨ عن خالد بن وهبان عن أبي ذر، قال: قال رسولُ الله -صلّى الله عليه و سلَّمَ-: مَن فارقَ الجماعة قِيْدَ شِبْرٍ فقد خَلع رَبْقَةَ الإسلام من عُنقه.[۳]

ترجمہ: خالد بن وہبان سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ الگ کر دیا۔

⑩ عن عبد الله بن دينار، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: يَا

---

(۱) التلخيص للذهبي على هامش المستدرك ج: ۱، ص: ۱۱۷، كتاب العلم، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، ۱۱٦، كتاب العلم/ بابُ من شذّ، شذّ في النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۳) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، كتاب العلم/ بابُ من فارقَ الجماعة، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللهِ –صلّى الله عليه وسلَّمَ– فِينَا، فَقَالَ:

«أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ.

أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ. مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ. مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ».

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ، غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام جابیہ[2] میں ہمیں خطبہ دیا، آپ نے فرمایا:

اے لوگو! میرا قیام تمھارے درمیان اسی طور پر ہے جس طور پر ہمارے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے۔[3] آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں اپنے اصحاب، پھر تابعین، پھر تبعِ تابعین کے اِتّباع واِطاعت کی تاکید کرتا ہوں، اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی

---

(۱) ● جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن/ باب لزوم الجماعة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

● والمستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱٤، كتاب العلم/ باب خطبة عمر –رضي الله تعالى عنه– بالجاهلية، مكتب المطبوعات الإسلاميه، بيروت، لبنان

(۲) دمشق کے قریب ایک بستی کا نام۔ قاموس ۱۲ منہ

(۳) اس سے مراد اپنے اس منصبِ شریف کا اظہار ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "خلیفۂ راشد" اور "قائم مقام" ہیں، آپ کا فرمان بھی شریعت ہے اور آپ کی سنت کی پیروی بھی واجب ہے جیسا کہ ارشادِ رسالت ہے: عليكم بسنّتي و سنّةِ الخلفاء الرّاشدين.

ترجمہ: تم لوگوں پر میری اور میرے خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔

(● جامع الترمذي، ج:۲، ص:۹۲، كتاب العلم/ باب ما جاء في الأخذ بالسنة وإجتناب البدع ● سنن ابن ماجه، ص: ۲۲، كتاب المقدمة/ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم الحديث: ٤۲، ٤۳ ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۲۳٤ ● مسند الشاميين، حديث العرباض بن سارية، رقم الحديث: ۱۷۲۷۲ تا ۱۷۲۷۵ ● سنن الكبرى للبيهقي، ج:۱۰، ص: ۱۱٤، كتاب آداب القاضي / باب ما يقضي به القاضي و يفتي به المفتي ● المستدرك على الصحيحين، ج:۱، ص: ۹٥ تا ۹۷.)

قسم کھائے گا جب کہ اس سے قسم کا مطالبہ نہ ہوگا، اور شاہد گواہی دے گا حالاں کہ اس سے شہادت کے لیے نہ کہا جائے گا۔

آگاہ رہو کہ کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ خلوت نہیں کرتا مگر ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ **تم پر جماعت کا ساتھ لازم ہے، اور تم جدا ہونے سے بچو،** کیوں کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے دور ہو جاتا ہے۔ تم میں سے **جو کوئی اونچے درجے کی جنت کی خواہش رکھتا ہے وہ جماعت کی پیروی لازم کر لے۔** جو شخص اپنی نیکی سے خوش ہو اور بدی سے غمگین، وہ مومن کامل ہے۔ یہ حدیث اس طریق سے حَسَن، صحیح، غریب ہے۔

مشکاۃ المصابیح، باب مناقب الصحابہ/فصل ثانی ص:۵۵۴، میں یہ حدیث ابتدائی الفاظ میں فرق کے ساتھ منقول ہے، اس کے تحت مِرقاۃ المفاتیح اور لمعاتُ التنقیح میں ہے:

إسنادُه صحيحٌ، و رِجالُه رِجالُ صحيحٍ، إلّا إبراهيم بن الحسن الخثعمي فإنه لم يخرّج له الشّيخان، وهو ثقة، ثبتٌ. ذكرَه الجزري. فالحديثُ بكماله إمّا صحيح أو حَسَنٌ. اهـ.[1]

ترجمہ: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کے رِجال، صحیح کے رِجال ہیں، سوائے ابراہیم بن حسن خثعمی کے کہ شیخین -امام بخاری و امام مسلم- نے ان سے حدیث کی تخریج نہیں کی مگر وہ ثقہ و عادل ہیں۔ امام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ صراحت فرمائی۔ تو یہ پوری حدیث یا تو صحیح ہے یا حَسَن۔

اس حدیث کو امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مستدرک میں اپنی سند سے تخریج کیا ہے اور ساتھ میں اس کے دو شاہد بھی ذکر کیے ہیں اور اسے شرطِ شیخین پر صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

هذا حديثٌ صحيح على شرط الشَّيخين، فإنّي لا أعلم خلافًا بين أصحاب عبد الله بن المبارك في إقامة هذا الإسناد عنه، و لم يخرِّجاه (و له شاهدان) عن محمد بن سوقة قد يُستشهد بمثلهما في مثل هذه المواضع ... و قد رويناه بإسناد صحيح عن سعد بن أبي وقّاص عن عمر رضي الله عنهما.[2]

---

(۱) ● مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج:۱۱، ص: ۱۵۹، كتاب المناقب/ الفصل الثاني، دار الكتب العلمية، بيروت،
● وحاشية المشكاة عن لمعات التنقيح، ص: ۵۵٤.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱٤، كتاب العلم/ باب خطبة عمر -رضي الله تعالى عنه- بالجابية، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

ترجمہ: یہ حدیث حضرات شیخین [امام بخاری و امام مسلم] کی شرط پر صحیح ہے کیوں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مبارک سے اس اِسناد کے درست ہونے میں ان کے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا، البتہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

اور محمد بن سُوقہ کی روایت سے اس حدیث کے دو شاہد بھی ہیں اس طرح کے مقامات پر ایسی حدیثوں سے استشہاد کیا جاتا ہے اور ہم نے یہ حدیث اسنادِ صحیح سے سعد بن ابی وقاص کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حدیث ابن عمر کے بارے میں اپنی تحقیق یہی بیان فرمائی: "علی شرطِهما" یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے۔ اور حدیث سعد بن وقّاص کے تعلق سے فرمایا: و هذا صحیح، یہ حدیث صحیح ہے۔[1]

⑪ حدّثني أبوإدريس الخولاني أنه سمع حُذيفة بنَ اليمان يقول: كان الناس يسألون رسولَ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه و آلهٖ وسلَّمَ- عن الخير و كنتُ أسأله عن الشر مخافة أن يدركني، فقلت: يا رسول الله، إنّا كنّا في جاهلية و شرّ، فجاء الله بهذا الخير، فهل بعد هذا الخير مِن شر؟ قال: نعم ... قلت: فما تأمرني إن أدركتُ ذلك؟ قال:

"تلزَم جماعة المسلمين و إمامهم"، قلت: فإن لم يكن لهم إمام ولا جماعة ؟ قال: فاعتزل تلك الفِرَق كلها، و لو أن تعَضّ بأصل شَجَرة حتّى يُدركك الموتُ و أنت كذلك".[2]

ترجمہ: ابوادریس خولانی کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے "خیر" کے بارے میں دریافت کرتے اور میں حضور سے "شر" کے بارے میں دریافت کرتا کہ مجھے یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ کہیں کوئی شر مجھے درپیش نہ ہو جائے۔

---

(١) التلخيص للإمام الذهبي على هامش المستدرك ج: ١، ص: ١١٤، كتاب العلم.

(٢) صحيح البخاري ج: ١، ص: ٥٠٩، كتاب المناقب/ بابُ علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري ج: ٢، ص: ١٠٤٩، كتاب الفتن / بابٌ كيف الأمر إذا لم تكن جماعة.

❀ الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ١٢٧، كتاب الإمارة/ بابُ وجوبِ ملازمة جماعة المسلمين إلخ.

میں نے عرض کی یا رسولَ اللہ! ہم لوگ زمانۂ جاہلیت و زمانۂ شر میں تھے پھر اللہ تعالیٰ [آپ کا] یہ زمانۂ خیر لایا، کیا اس خیر کے بعد بھی "شر" کا دور آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

میں نے پوچھا تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اگر وہ "شر" کا زمانہ میرے عہد میں آجائے، تو آپ نے فرمایا کہ **جماعتِ مسلمین اور ان کے امام کے ساتھ برابر جڑے رہنا**۔ میں نے پوچھا: حضور! اگر مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو، کوئی جماعت نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ ان سارے فرقوں سے الگ رہو، اگرچہ تمھیں درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ اسی حال میں تمھیں موت آجائے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "المستدرک" میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد یہ انکشاف فرماتے ہیں:

هٰذا حديثٌ مُخَرَّجٌ في الصَّحيحين هكذا، و قد خَرَّجاه أيضًا مختصرًا من حديث الزهري عن أبي إدريس الخولاني و إنّما خرّجتُه في كتاب العلم؛ لأنّي لم أجد للشيخين حديثًا يدل على أن الإجماع حجة غير هذا وقد خرَّجت في هذه المواضع من أحاديث هذا الباب ما لم يخرِّجاه.[1]

ترجمہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اس حدیث کی تخریج اسی طور پر ہے اور شیخین نے اس کی تخریج مختصراً بھی ابو ادریس خولانی سے کی ہے اور میں نے اس کی تخریج کتاب العلم میں اس لیے کی کہ میں نے اس کے سوا شیخین کی کوئی حدیث نہیں پائی جو اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرے اور میں نے اس مقام پر کچھ اور بھی احادیث تخریج کی ہیں جن کو شیخین نے تخریج نہیں کیا۔

(۱۲) عن خالد بن وهبان عن أبي ذر قال: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالى عليه و آله و سلَّمَ-: مَن خالفَ جَماعة المسلمين شِبْرًا فقد خلع رَبْقَة الإسلام من عنقه.[2]

ترجمہ: خالد بن وہبان حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **جو جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی مخالفت کرے اس**

---

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب العلم/ باب الأمر بلزوم جماعة المسلمين و إمامهم، ج:۱، ص: ۱۱۳، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة قِيد شبر فقد خلعَ ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف.

نے اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اتار پھینکا۔

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کے ایک راوی خالد کے متعلق یہ وضاحت فرمائی:

خالد بن وهبان لم يجرح رواياته و هو تابعي معروف إلّا أنّ الشَّيخَين لم يخرّجاه وقد روي هذا المتن عن عبد الله بن عمر بإسنادٍ صحيحٍ على شرطهما.[1]

ترجمہ: خالد بن وہبان اپنی روایات میں مجروح نہیں، یہ معروف تابعی ہیں مگر یہ کہ شیخین۔ امام بخاری و امام مسلم۔ نے ان کی حدیث تخریج نہیں کی، البتہ یہ متن حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شرطِ شیخین پر اسنادِ صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

⑬ حدَّثني الحارث الأشعري قال : قال رسول الله -صلى الله عليه و آله و سلم- : آمركم بخمس كلمات أمَرَني الله بهن :

● الجماعة و● السمع و● الطاعة و● الهجرة و● الجهاد في سبيل الله فمَن خَرج من الجَماعة قيد شِبر فقد خلع ربقةَ الإسلام من رأسه إلا أن يرجع.[2]

ترجمہ: حارث اشعری نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں پانچ ایسی باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے:

● جماعت کی پیروی ● حاکم کی بات سننا ● اس کی اطاعت کرنا ● ہجرت ● اور اللہ کے راستے میں جہاد۔

توجو جماعت سے ایک بالشت کی مقدار باہر ہوا اس نے اپنے سر سے اسلام کا پٹہ نکال دیا مگر یہ کہ دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے۔

امام حاکم نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شبر فقد خلعَ ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، ۱۱۸، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شِبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

هذا حديث صحيح على ما أصلناه في الصحابة إذا لم نجد لهم إلا راويا واحدا فإن الحارث الأشعري صحابي معروف سمعت أبا العباس محمد بن يعقوب يقول: سمعتُ الدوري يقول: سمعتُ يحيى بن معين يقول: الحارث الأشعري له صحبة. (و لهذه اللفظة من الحديث شاهد) عن رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله وسلَّمَ.[1]

ترجمہ: یہ حدیث ہمارے اس اصول کے مطابق صحیح ہے کہ جب ہم صحابۂ کرام میں کسی کے لیے صرف ایک ہی راوی پائیں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور حارث اشعری معروف صحابی ہیں۔

میں نے ابوالعباس محمد بن یعقوب سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوری سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن معین سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ حارث اشعری کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔[2] اور حدیث کے اس لفظ کا رسول اللہ ﷺ سے ایک شاہد بھی ہے۔

⑭ عن ابن عمر قال : سمعتُ رسولَ الله صلى الله تعالى عليه وآلہٖ و سلَّمَ يقول : مَن فارق أُمّةً فلا حجّة له .[3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو امت (جماعتِ مسلمین) سے الگ ہوا؛ اس کے لیے کوئی حجت نہیں۔

⑮ قد اتفق الشيخان على إخراج حديث غيلان بن جرير عن زياد بن رياح عن أبي هريرة أنّ رسول الله –صلى الله عليه و آلہٖ وسلَّمَ– قال : مَن

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۸، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲) الحارث بن الحارث الأشعري، الشامي، صحابيٌّ، يكنى أبا مالك تفرد بالرواية عنه أبو سلام، وفي الصحابة أبو مالك الأشعرى، اثنان غير هذا.

تقریب میں ہے کہ حارث بن حارث اشعری شامی صحابی ہیں، ان کی کنیت ابومالک ہے، ابوسلام ان سے روایت میں متفرد ہیں اور صحابہ میں ابومالک اشعری نام کے دو حضرات ہیں جو ان کے سوا ہیں۔ (تقریبُ التہذیب، ص:۸۵، رقم الترجمہ:۱۰۱۴، موسسۃ الرسالہ۔)

(۳) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص:۱۱۸، كتاب العلم / باب مَن فارق الجماعة شبرا دخل النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

فارق الجماعة فمات، مات موتةً جاهليةً.[1]

ترجمہ: شیخین غیلان بن جریر بروایت زیاد بن ریاح بروایت ابو ہریرہ اس حدیث کی تخریج پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو جماعت سے جدا ہو کر فوت ہوا، اس کی موت جاہلیت جیسی موت ہوئی۔

⑯ عن ربعي بن حراش قال: أتيتُ حُذيفةَ بن اليمان ليالي سار الناس إلى عثمان فقال: سمعتُ رسولَ الله -صلى الله تعالىٰ عليه و سلَّمَ- يقول: مَن فارق الجماعة و استذلَّ الإمارة لقي الله و لا حجة له.

تابعه أبو عاصم عن كثير.[2]

ترجمہ: رِبعی بن حراش کا بیان ہے کہ جن دنوں فسادیوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا میں حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وہ فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا:

"جس نے جماعت سے علاحدگی اختیار کی اور قیادت اسلامی کو ذلیل کیا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لیے کوئی دلیل نہ ہوگی۔"

ابو عاصم نے بروایت کثیر بن ابو کثیر حضرت ربعی بن حراش کی متابعت کی۔

هذا حديثٌ صحيح فإن كثير بن أبي كثير كوفي سكن البصرة، رَوىٰ عنه يحيى بن سعيد القطان و عيسى بنُ يونس و لم يذكر بِجرح.[3]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے، اس لیے کہ اس حدیث کے راوی کثیر بن ابو کثیر کوفی ہیں وہ بصرہ میں رہے، ان سے یحییٰ بن سعید قطّان اور عیسیٰ بن یونس نے حدیث روایت کی اور کسی جرح کا ذکر نہ کیا۔

⑰ عن فضالة بن عبيد: عن رسول الله -صلى الله عليه و اٰلِهٖ وسلَّمَ-:

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۸، ۱۱۹، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة شبراً، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۹، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة شبرا دخل النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۳) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۹، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة شبرا دخل النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

أنهٔ قال : ثلاثة لا تسأل عنهم : ● رجل فارق الجماعة و عصى إمامه فمات عاصيا. ● و أمة أو عبد أبَق من سيِّده فمات. ● وامرأة غاب عنها زوجُها و قد كفاها مؤنة الدنيا فتبرَّجت بعده. فلا تسأل عنهم.[۱]

ترجمہ: فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین لوگوں کے بارے میں سوال مت کرنا۔

- جو شخص جماعت سے جدا ہوا، اپنے امام کی نافرمانی کی اور نافرمان ہی فوت ہو گیا۔
- باندی یا غلام جو اپنے آقا سے بھاگ جائے اور اسی حال میں فوت ہو۔
- جس عورت کا شوہر غائب ہو گیا، اور اس نے اس کے لیے بقدر کفایت نفقہ کا انتظام کر دیا پھر بھی وہ غیروں کے سامنے آراستہ ہو کر نکلے۔

ان تینوں کے بارے میں مجھ سے مت پوچھنا۔

هذا حديث صحيحٌ على شرط الشَّيخَين فقدِ احتجّا بجميع رُواته و لم يخرِّجاه و لا أعرف له علة.[۲]

ترجمہ: یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے کہ دونوں حضرات نے اس حدیث کے سارے رُواۃ کو حجت مانا ہے، ہاں ان سے حدیث کی تخریج نہیں کی، اور میں اس کی کوئی علت نہیں جانتا۔

(۱۸) عن أبي هُريرة قال: قال رسول الله -صلّى الله عليه و آلهٖ و سلَّمَ-: الصلاة المكتوبة إلى الصلاة المكتوبة التي بعدها كفَّارة لما بينهما. و الجمعة إلى الجمعة و الشهر إلى الشهر يعني من شهر رمضان إلى شهر رمضان كفَّارة لما بينهما. ثم قال بعد ذلك : إلّا من ثلاث، فعرفت أن ذلك من أمر حدث فقال : إلّا من الإشراك بالله ونكثِ الصفقة و تركِ السنةِ قلتُ : يا رسولَ الله، أما الإشراكُ بالله فقد عرفناه، فما نكثُ الصفقة وتركُ السنة ؟ قال : أما نكث الصّفقة أن تبايع رجلا

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۹، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة و استذل الإمارة لقي الله و لا حجة له عند الله، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۲۰، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة و استذل الإمارة لقي الله و لا حجة له عند الله، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

بیمینك ثم تُخلِف إليه فتقابله بسیفك، و أما تركُ السُّنة فالخروج من الجماعة.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرض نماز سے دوسری فرض نماز کے درمیان جو گناہ ہوئے ان کا کفارہ وہ نمازیں ہیں۔ اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے درمیان جو گناہ ہوئے ان کا کفارہ رمضان کے روزے ہیں۔

ہاں یہ معافی تین مجرمین کے سوا کے لیے ہے:

● جو شرک باللہ کرے۔ ● عہد کو توڑ دے۔ ● سنت کو چھوڑ دے۔

میں نے عرض کی: یا رسولَ الله ! "شرك بِالله" تو ہم جانتے ہیں، عہد کو توڑنے اور سنت کو چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟

تو آپ نے فرمایا: "عہد توڑنا" یہ ہے کہ تم کسی حاکم سے بیعت کرو پھر عہد شکنی کر کے تلوار لے کر اس کے مقابلے میں آجاؤ۔ اور "سُنّت چھوڑنے" سے مراد "جماعتِ مسلمین" سے خروج ہے۔

هذا حديث صحيح على شرط مسلم فقدِ احتجَّ بعبد الله بن السائب بن أبي السائب الأنصاري و لا أعرف له علة.[2]

ترجمہ: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن سائب بن ابو السائب انصاری کو حجت مانا ہے اور میں ان میں کوئی علت نہیں جانتا۔

⑲ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَافْتَرَقَتِ النَّصَارَىٰ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَإِحْدَى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ هُمْ ؟ قَالَ: "هُمُ الْجَمَاعَةُ."[3]

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۹، ۱۲۰، كتاب العلم/ باب الصّلاة المكتوبة إلى الصّلاة المكتوبة و الجمعة إلى الجمعة والشهر إلى الشهر كفّارة لما بينهما، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المصدر السابق.

(۳) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۷۵، باب افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

ترجمہ: عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود اکہتّر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے، ان میں سے ایک گروہ جنتی ہے اور ستّر فرقے جہنمی۔ اور نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے، جن میں اکہتّر فرقے جہنمی ہیں اور ایک جنتی۔

اور قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جن میں سے ایک جنتی ہے اور بہتر جہنمی۔

عرض کی گئی: یارسول اللہ، یہ جنتی گروہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ "جماعت" ہے۔

(۲۰) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلاَّ وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ان میں سوائے ایک کے سارے فرقے جہنمی ہوں گے اور وہ ایک ناجی فرقہ "جماعت" ہے۔

(۲۱) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: إِنَّ هَذِهِ الأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلاَّ وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.[2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک یہ امت اکہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان میں سوائے ایک فرقے کے جو جماعت ہے سارے فرقے جہنمی ہوں گے۔

(۲۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: افْتَرَقَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً -أَوْ قَالَ:- اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَتَزِيدُ هَذِهِ الأُمَّةُ فِرْقَةً وَاحِدَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلاَّ السَّوَادَ الأَعْظَمَ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا أُمَامَةَ! مِنْ رَأْيِكَ أَوْ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ؟ قَالَ: إِنِّي إِذًا لَجَرِيءٌ بَلْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ

---

(۱) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۷٦، بابُ افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۲) السّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۷٦، بابُ افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

غَيْرَ مَرَّةٍ ، وَلاَ مَرَّتَيْنِ ، وَلاَ ثَلاَثَةٍ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ بنو اسرائیل اکہتر(۷۱) یا فرمایا بہتر(۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور اس امت میں ایک فرقہ اور زیادہ ہوگا، ان میں ”سوادِ اعظم“ کے سوا سارے فرقے جہنمی ہیں۔

ایک شخص نے پوچھا: اے ابواُمامہ، یہ بات آپ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں، یا آپ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے؟

تو انھوں نے فرمایا کہ اپنی رائے سے کہوں تو یہ جرأت ہوگی، میں نے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارہا سنا ہے۔

(۲۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: مَا كَانَ اللهُ لِيَجْمَعَ هَذِهِ الأُمَّةَ عَلَى الضَّلالَةِ أَبَدًا، وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ هَكَذَا، فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ.[2]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس امت کا اجماع ضلالت پر نہیں کرائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت **جماعت** پر ہے تو تم پر ”سوادِ اعظم“ کی پیروی لازم ہے کیوں کہ جو سوادِ اعظم سے الگ ہوگا وہ جہنمی ہوگا۔

(۲۴) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ.[3]

ترجمہ: حضرت اُسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دستِ رحمت **جماعت** پر ہے۔

(۲۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عَاصِمٍ الأَشْعَرِيِّ، سَمِعَ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-

---

(۱) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۷۸، بابُ افتراقِ الأمّة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۲) السُّنة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸٦، بابُ افتراق الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۳) السُّنة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸۷، بابُ افتراق الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ قَدْ أَجَارَ أُمَّتِي مِنْ أَنْ تَجْتَمِعَ عَلَى ضَلالَةٍ.[1]

ترجمہ: حضرت کعب بن عاصم اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس بات سے حفاظت عطا کر دی ہے کہ وہ گمرہی پر مجتمع ہو۔

(۲۶) عن يسير بن عَمْرو قال، سمعتُ أبا مسعود يقول: عليكم بالجَماعة، فإنَّ الله لا يجمع أمَّةَ محمد -صلّى الله عليه وسلَّمَ- على ضلالة.[2]

ترجمہ: حضرت یسیر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے اس لیے کہ اللہ عزّوجلّ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

ان احادیث میں ”جَماعة“ کو جنتی گروہ بتایا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جَماعتِ مسلمین کا عقیدہ و مذہب حق ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جَماعت پر ”اللہ عزّوجلّ کا دستِ رحمت“ ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ عزّوجلّ کا دستِ رحمت ہو وہ حق و ہدایت ہی ہوگا، کبھی ضلالت و گمراہی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث میں واضح الفاظ میں یہ رہنمائی بھی فرما دی گئی ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو کہ اللہ امتِ محمدیہ کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث میں جماعت سے علاحدگی اختیار کرنے والے کو جہنمی بتایا گیا۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اجماعِ مسلمین حق ہے، حجت ہے اور اس کی مخالفت گمراہی اور جہنم میں جانے کا ذریعہ۔

نوعِ سوم، مومنین شُہداءُ اللہ ہیں:

اس نوع کی احادیث میں مومنین کو ”شُہدَاءُ اللہ“ کہا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جس بات کی شہادت دیں گے وہ عنداللہ واجب ہو جائے گی۔ کلماتِ حدیث یہ ہیں:

(۲۷) عن أنس -رضي الله عنه قال-: مُرَّ على النَّبيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-

---

(۱) السُّنة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸۸، بابُ افتراق الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۲) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸۹، بابُ افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

بجنازة، فأثنوا عليها خيرا، فقال: وجبت. ثم مُرّ بأخرىٰ، فأثنوا عليها شرًّا -أو قال:- غير ذلك، فقال: وجبت. فقيل: يا رسول الله، قلت لهذا وجبت، ولهذا وجبت؟ قال: شهادة القوم، المؤمنون شُهداءُ الله في الأرض.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو حاضرین نے اس کی تعریف کی، حضور نے فرمایا: "واجب ہوگئی"

پھر آپ کے پاس سے دوسرا جنازہ گزرا تو حاضرین نے اس کی برائی بیان کی، آپ نے فرمایا کہ "واجب ہوگئی"۔

عرض کی گئی: یارسولَ اللہ! آپ نے اس کے لیے بھی کہا "واجب ہوگئی" اور اُس کے لیے بھی فرمایا کہ "واجب ہوگئی" (یہ تو قابل تشریح ہے)۔

تو آپ نے فرمایا کہ "مسلمانوں کی شہادت واجب ہوگئی" مومنین زمین میں اللہ کے شُہدا (گواہ) ہیں۔

﴿۲۸﴾ عن أبي بكر بن أبي زهيرِِ الثقفي عن أبيه قال: سمعتُ النبي -صلى الله عليه و آلہٖ وسلم- بالنُّباء أو بالنباوة يقول: يوشِكَ أن تعرفوا أهلَ الجنة من أهل النّار، أو قال: خِيارَكم من شِرارِكم قيل: يا رسولَ الله بماذا؟ قال: بالثناء الحسن و الثناءِ السيىءِ أنتم شهداءُ بعضِكم على بعض.[2]

ترجمہ: ابوبکر بن ابوزہیر ثقفی سے روایت ہے کہ ان کے والد ابوزہیر ثقفی نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقام "نُباء" یا "نَباوہ"[3] میں سنا آپ ارشاد فرمارہے تھے کہ قریب ہے تم اہل

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۶۰، كتاب الشهادات/ باب تعديل كم يجوز، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور

❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۰۸، كتاب الجنائز/ بابٌ في قبول شفاعة الأربعين.

(۲) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۲۰، كتاب العلم/ باب أنتم شُهداءُ بعضكم على بعض، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۳) ● النُّباء: بالضم والمد: موضع بالطائف، عن نصر (معجم البلدان، ج:۵،ص: ۲۵۵، باب النون والباء وما يليها.)

● النبَاوَة: بالفتح، وبعد الألف واو مفتوحة، قال ابن الأعرابي: النبوَة: الارتفاع، والنَّبوَة: الجَفْوَة... وكل مرتفع من الأرض. نباوة موضعٌ بالطائف، وفي الحديث: خطب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوما بالنباوة ومن الطائف. (معجم البلدان، ج:۵، ص: ۲۵۷، باب النون والباء وما يليها، دار....

جنت اور اہل جہنم کو پہچان لو گے، یا فرمایا: اپنے اچھوں اور بُروں کو پہچان لو گے۔
عرض کی گئی: یا رسولَ اللہ! یہ پہچان کیسے ہوگی؟ تو فرمایا کہ ذکرِ حسَن اور ذکرِ بد کی وجہ سے۔
(مسلمان جس میت کا ذکرِ حسَن کریں گے وہ اچھا اور جنتی ہوگا، اور جس میت کا ذکرِ بد کریں گے وہ بُرا اور جہنمی ہوگا) تم میں کے بعض، بعض پر گواہ ہوں گے۔

هذا حديث صحيح الإسناد و قال البخاري : أبو زهير الثقفي سمع النبي -صلّى الله عليه و سلَّمَ- و اسمه معاذ. فأما أبو بكر بن أبي زهير فمن كبار التابعين وإسناد الحديث صحيح ولم يخرِّجاه.(۱)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ابو زُہیر ثقفی نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے، ان کا نام مُعاذ ہے، اور ابو بکر بن زہیر کبارِ تابعین سے ہیں، حدیث کی اسناد صحیح ہے البتہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

نوعِ چہارم، اہل السُّنہ اور محدثین کی جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی:

اس نوع کی احادیث میں علما و محدثین کے گروہ کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ غالب رہیں گے۔ یہاں اس نوع کی صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے:

(۲۹) عن المغيرة بن شعبة، عن النبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، قال: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين، حتى يأتيَهم أمرُ الله، وهم ظاهرون.(۲)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ غالب رہیں گے۔

یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا حضرت امیر معاویہ(۳) حضرت ثوبان اور

---

(۱) المصدر السابق.
(۲) صحيح البخاري ج:۲، ص: ۱۰۸۷، كتاب الاعتصام بالسُّنة/ باب قولِ النّبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحقّ، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.
(۳) صحيح البخاري ، ج:۱، ص: ۴۳۹، كتاب الجهاد/ باب قول الله: "فإنَّ لِله خُمُسَه"، مجلس البركات، مبارك فور

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم[(۱)] سے بھی مروی ہے۔

اس حدیث میں "گروہِ امت" سے مراد "علما و محدثین کا گروہ" ہے بلفظ دیگر اہل سنت و جماعت کا گروہ ہے۔ چناں چہ امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وأمّا هذه الطّائفة فقال البخاري: هُم أهلُ العلم. وقال أحمدُ بن حنبل: إن لم يكونوا أهل الحديث فلا أدري مَن هُم. قال القاضي عياض: إنّما أراد أحمدُ " أهلَ السنة و الجماعة" و من يعتقد مذهبَ أهل الحديث قلت: و يحتمل أنّ هذه الطائفة ... ومنهم فقهاء ومنهم محدّثون و منهم زُهّاد. اھ[(۲)]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: یہ گروہ اہل علم کا گروہ ہے اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر وہ گروہ محدثین کا نہ ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر وہ کون لوگ ہیں۔ امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ "محدثین" سے امام احمد بن حنبل کی مراد "اہلِ سنت و جماعت" نیز وہ سب لوگ ہیں جو محدثین کے عقیدے پر ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ گروہ کئی انواع کا ہو سکتا ہے، فقہا، محدثین، زاہدین۔

یہ انواع جتنے بھی ہوں وہ سب اہلِ سنت و جماعت سے ہی ہیں اور سب حق پر ہیں۔

ان احادیث میں اہل السنۃ اور محدثین کی جماعت کے حق پر قائم رہنے کی شہادت بہت ہی واضح الفاظ میں دی گئی ہے جو ان کے اجماع کے حجت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و فيه دليل لكون الإجماع حجةً وهو أصحُّ ما يُستدلُّ به من الحديث.

ترجمہ: یہ حدیث اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے اور یہ دلائلِ اجماع میں سب سے زیادہ صحیح دلیل ہے۔[(۳)]

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی شہادت عند اللہ مقبول ہے تو ان کی شہادت حجت ہوئی، لہٰذا ان کا اجماع بھی حجت ہوگا کہ یہ اجماع اس بات کی شہادت ہے کہ حکم شریعت

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۳، ص: ۱۴۳، كتاب الإمارة/ باب قوله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۱۴۳، كتاب الإمارة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۱۴۳، كتاب الإمارة، مجلس البركات، مبارك فور.

تمام اہل سنت کے نزدیک یہ ہے۔

امام حافظ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجماع کے حجت ہونے پر نو احادیث کی تخریج کی ہے ان میں سے کچھ احادیث کے شواہد و مُتابَعات بھی ذکر فرمائے ہیں، پھر اخیر میں ان احادیث کی صحت کا فیصلہ بھی سنایا ہے، چناں چہ ارقام فرماتے ہیں:

فقد ذكرنا تسعة أحاديث بأسانيد صحيحة يستدلّ بها على الحجة بالإجماع، و استقصيتُ فيه تحرِّيا لمذاهب الأئمّة المتقدّمين رضى الله تعالىٰ عنهم.[۱]

ترجمہ: ہم نے اسانیدِ صحیحہ سے نو حدیثیں ذکر کیں جن سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس بارے میں میں نے تلاش و جستجو کر کے ائمۂ متقدمین کے مذاہب کا احاطہ کر لیا ہے۔

ہم نے اس مبحث میں یہ جملہ احادیث شامل کر لی ہیں۔

نوع پنجم، مسلمان جو کام اچھا سمجھیں، اچھا • اور جو کام بُرا سمجھیں بُرا ہے:

اس نوع کا مضمون یہ ہے کہ مسلمان جو کام اچھا سمجھیں وہ اچھا اور جو کام بُرا سمجھیں وہ بُرا ہے، یہ ایک ہی حدیث ہے جو موقوف ہے اور سند کے لحاظ سے صحیح، حسن ہے، اس کی ایک روایت مرفوعًا بھی ہے۔

(۳۰) عن عبد الله ، قال: مَا رَأى المسلمون حَسَنًا فهو عند الله حَسَنٌ، و مَا راٰه المسلمون سَيِّئًا فهو عند الله سَيِّءٌ وقد رأى الصحابةُ جَميعا أن يستخلفوا أبا بكر -رضي الله تعالىٰ عنه-. هذا حديثٌ صحيح الإسناد ولم يخرِّجاه، وله شاهد أصح إلا أنَّ فيه إرسالًا.[۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان جو چیز اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک

---

(۱) المستدرك للحاكم ج:۱، ص:۱۲۰، كتاب العلم/ أنتم شهداء بعضكم إلخ، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲) ❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۳۰۹، مسند المكثرين/ مسندُ عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۳۶۰۰، بيت الأفكار الدولية.

❀ المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج:۳، ص:۷۸، ۷۹، كتاب معرفة الصحابة/ يتجلى الله لعباده عامة ولأبي بكر خاصة، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۹، ص:۱۱۸، ما أسند عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۸۵۸۳، القاهرة.

بھی اچھی ہے اور مسلمان جسے بُری سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے اور تمام صحابہ نے یہ (اچھا) سمجھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنالیں (تو اللہ ضرور ان کے خلیفہ ہونے پر راضی ہے)

یہ حدیث صحیح الاِسناد ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو اس سے صحیح تر ہے مگر وہ مرسَل ہے۔

حلیۃ الاولیا کے الفاظ یہ ہیں:

فَما رَاٰہ المومنون حَسَنًا فھو (عند اللہ) حَسَن و ما راٰہ المؤمنون قبیحًا فھو عند اللہ قبیح.[1]

ترجمہ: جس کام کو اہلِ ایمان حَسَن جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حَسَن ہے اور جس کام کو اہلِ ایمان قبیح جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

اس حدیث میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

"مسلمان جو چیز اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔"

اس سے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ "جماعتِ مسلمین" کا یہ استحسان خطا سے پاک ہے کیوں کہ اللہ عزّوجلّ کے نزدیک وہی چیز اچھی ہوگی جو خطا سے پاک ہو۔ اور جو چیز عند اللہ خطا سے پاک اور اچھی ہو وہ حجت ہوگی۔

چوتھی دلیل، اجماعِ علما اور اجماعِ اہلِ حرَمین امام بخاری کے نزدیک حجت ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اجماع کی حجیت کے قائل ہیں جیسا کہ بخاری شریف کے اس "ترجمۃ الباب" سے عیاں ہوتا ہے۔

بابُ ما ذکر النَّبيُّ -صلّی اللہ تعالی علیه و سلَّمَ- و حَضَّ علیٰ اتّفَاقِ أھلِ العلمِ و مَا أجمع علیه الحرمان، مکّةُ وَ المدینةُ.[2]

ترجمہ: ان امور کا بیان جن کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا اور اہلِ علم کے اتفاق اور حرمین

---

(۱) حِلیۃ الأولیاء، ص: ۳۷۵، ج: ۱، ذکر الطفاوی الدوسی، دار الفکر، بیروت.

(۲) صحیح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسُّنّةِ، مجلس البرکات، مبارك فور.

شریفین - مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ - کے اجماع کی رغبت دلائی۔

عنوان باب سے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل علم کے اتفاق اور حرمین طیبین زادھما اللہ تعالیٰ شرفا و تکریما کے اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں اجماع کی دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے:

- ایک عصر کے فقہاے مجتہدین کا کسی امرِ دین پر اتفاق ــــ اصلِ اجماع یہی ہے۔
- حرمین شریفین کے فقہا کا اتفاق ــــ یہ اجماعِ اضافی ہے جو حرمین طیبین کے فضائلِ کثیرہ کی بنا پر امام بخاری کے نزدیک حجت ہے۔

چناں چہ امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(على اتّفاق أهل العلم) ... و إذا اتّفق أهلُ عصر من أهل العلم على قولٍ حتّى ينقرضوا ولم يتقدّم فيه اختلاف فهو إجماع.

(قوله: ما أجمعَ عليه الحرمان) ... أراد أنّ ما اجتمع عليه أهلُ الحرمين من الصّحابة و لم يخالف صاحبٌ مِن غيرهما فهو إجماع، كذا قيّده ابنُ التين. اھ[1]

ترجمہ: "اتفاقِ اہل علم" کی صورت یہ ہے کہ ایک عصر کے اہلِ علم کا کسی قول پر اتفاق ہو پھر وہ فوت ہو جائیں اور پہلے سے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہو تو وہ **اجماع** ہے۔

اور "اجماعِ اہلِ حرمین" سے مراد یہ ہے کہ کسی قول پر حرمین شریفین کے صحابۂ کرام کا اتفاق ہو اور غیر حرمین کے کسی صحابی کا اختلاف نہ ہو تو وہ **اجماع** ہے۔

علامہ ابن التین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ قید ذکر فرمائی۔

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چوبیس حدیثیں تخریج فرمائی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کے متبرک مقامات اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی جگہ اور ریاضُ الجنّہ وغیرہ کا تذکرہ ہے ان میں کچھ امور اجماعی بھی ہیں جن کی نشان دہی امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری جلد ۱۷ میں احادیثِ باب کی شرح میں فرمائی ہے۔ مثلاً اس باب کی نویں حدیث ہے:

---

(۱) عمدة القاري بشرح صحيح البخاري ج: ۲۵، ص: ۸۱، كتابُ الاعتصام بالكتاب و السّنة ... ما أجمع عليه الحرمان، دار الكتب العلمية، بيروت.

عن أنس بن مالك: أنّ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- قال: "اللّٰهم بارِك لَهُمْ فِي مِكْيالِهم، و بَارِك لهم في صَاعِهم و مُدِّهِم" يعني أهل المدينة.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ، اہل مدینہ کے پیمانے میں برکت دے اور ان کے صاع اور مُد میں برکت دے۔

اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و مناسَبةُ هذا الحديث للترجمة أنّ قدر الصّاع ممّا اجتمع عليه أهل الحرمين بعد العهد النبوي و استمرّ، فلمّا زاد بنو أُميّة في الصّاع لم يتركوا اعتبار الصّاع النبوي فيما ورد فيه التقديرُ بالصّاع مِن زكاةِ الفطر و غيرها، بل استمرّوا على اعتباره في ذلك و إنِ استعملوا الصّاع الزائد في شيء غير ما وقع فيه التقدير بالصّاع كما نبّه عليه مالكٌ و رجع إليه أبو يوسف في القصّة المشهورة.[2]

ترجمہ: عنوانِ باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ عہد نبوی کے بعد اہلِ حرمین نے "نبوی صاع" کی مقدار پر اجماع کر لیا اور بعد میں بھی وہ اجماع برقرار رہا، پھر جب بنو امیہ نے صاع کی مقدار میں اضافہ کیا تو انھوں نے صدقۂ فطر وغیرہ جن چیزوں کے بارے میں صاعِ نبوی کی مقدار وارد تھی اسے ترک نہیں کیا، بلکہ برابر اس کا اعتبار کرتے رہے اور جن چیزوں کی مقدار صاعِ نبوی سے متعیّن نہ تھی ان میں اپنے اضافی صاع کا اعتبار کیا، اس پر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متنبّہ فرمایا ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصہ مشہورہ میں اسی کی طرف رجوع فرمایا۔

واضح ہو کہ اس بحث سے ہمارا مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجماع کی حقانیت کے قائل ہیں اور صحیح البخاری کا یہ ترجمۃ الباب بھی اسی کا شاہد ہے کہ اجماع حق ہے، ممکن ہے، واقع ہے اور ساتھ ہی معمول بہ بھی۔ تو فرقۂ وہابیہ کا انحراف نہ صرف احادیثِ بخاری سے ہے، بلکہ امام بخاری سے بھی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري ج:۲، ص: ۱۰۹۰، كتابُ الاعتصام بالكتاب و السُّنّة، باب ما .... أجمع عليه الحرمان، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) فتح الباری ج: ۱۷، ص: ۲۲٤، دار إحياء التراثِ العربي، بيروت.

پانچویں دلیل، جرحِ رُواۃ کے جواز پر اہل سنت اور فرقہ وہابیہ کا اتفاق:

احادیث کریمہ کے راویوں میں جو عیوب پائے جاتے ہیں انھیں بیان کرنا اور لوگوں میں ان عیوب کی اشاعت کرنا جائز ہے مثلاً یہ کہ فلاں راوی بد حافظہ ہے، فاسق ہے، مُدلّس ہے، کذّاب ہے، وَضّاع ہے، مُتّہم ہے، متروک ہے، شیعی ہے، بدعتی ہے، بھیک مانگتا تھا راوی بن گیا، اَسلاف کو گالیاں دیتا ہے، قدری ہے، معتزلی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

احادیث نبویہ کے مطابق یہ عیب جوئی و عیب گوئی غیبت ہے جو حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔ لیکن **جرحِ رُواۃ** کے جواز پر اجماعِ امت کی وجہ سے یہاں عَیب جوئی بھی جائز ہے اور عیب گوئی بھی۔ امام ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

اعلم أنَّ جرح الرُّواة جائز، بل واجب بالاتفاق للضرورة الدّاعية إليه لصيانة الشريعة المكرَّمة وليس هو من الغيبة المحرّمة، بل من النصيحة لله تعالىٰ ورسوله -صلّى الله عليه و سلَّمَ- والمسلمين ولم يزل فُضَلاءُ الأئمة وأخيارُهم وأهلُ الورع منهم يفعلون ذلك كما ذكر مسلمٌ في هذا الباب عن جماعات.[۱]

ترجمہ: راویوں کی جرح بالاتفاق جائز بلکہ واجب ہے کہ شریعتِ مکرمہ کی حفاظت کے لیے ضرورتِ شرعیہ اس کی داعی ہے اور یہ غیبتِ حرام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور مسلمانوں کی خیر خواہی سے ہے اور ہمیشہ ائمۂ اربابِ فضل و صالحین اور اہلِ ورع و تقویٰ راویوں پر جرح کرتے رہے ہیں جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ائمۂ دین کی جماعتوں سے "بابُ بَيانِ أنّ الإسنادَ مِن الدّين "میں نقل کیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ایک تفصیلی باب میں کثیر علماے امت سے رُواۃ کی جرح نقل کی ہے، پھر آخر میں یہ انکشاف فرمایا ہے:

"وأشباهُ ما ذكرنا من كلام أهل العلم في مُتَّهمي رواةِ الحديث، و إخبارهم عن معايبهم كثير، يطول الكتابُ بذكره على استِقصائه، وفيما ذكرنا

---

(۱) المنهاج شرح "الصحيح لمسلم" للنووي، ج: ۱، ص: ۲۰، بابُ بيانِ أنّ الإسناد مِن الدِّين، مجلس البركات، مبارك فور.

كفاية لمن تفهّم وعقل مذهب القوم فيما قالوا مِن ذلك وبينّوا.

وإنّما ألزَموا أنفسهم الكشف عن معايبِ رُواةِ الحديث، وناقلي الأخبار، وأفتوا بذلك حين سُئلوا لما فيه من عظيم الخطر، إذ الأخبار في أمر الدين إنما تأتي بتحليل، أو تحريم، أو أمر، أو نهي، أو ترغيب، أو ترهيب. فإذا كان الراوي لها ليس بمعدنٍ للصدق والأمانة، ثم أقدم على الرواية عنه من قد عرفه، ولم يبين ما فيه لغيره ممن جهل معرفته كان آثما بفعله ذلك، غاشًّا لعوام المسلمين، إذ لا يؤمن على بعض من سمع تلك الأخبار أن يستعملها، أو يستعمل بعضُها. ولعلّها، أو أكثرها أكاذيبُ لا أصل لها.''(۱)

ترجمہ: ہم نے متّہم راویانِ حدیث اور ان کے عیوب کے بارے میں گزشتہ صفحات میں اہلِ علم کے جو اقوال و بیانات نقل کیے ہیں اس طرح کے اقوال بہت ہیں، اُن سب کے ذکر سے کتاب طویل ہو جائے گی اور ہم نے جتنے شواہد ذکر کر دیے ہیں وہ اربابِ عقل و فہم کے لیے کافی ہیں۔

اور ائمۂ حدیث و ناقدینِ حدیث نے راویانِ حدیث کے عیوب لازمی طور پر اس لیے بیان فرمائے اور مسئلہ پوچھنے پر اس کے جواز کا فتویٰ اس لیے دیا کہ اس میں دین کی عظیم مصلحت ہے۔ [جو بیانِ عیوب کے مَفسَدہ پر غالب ہے] کیوں کہ یہ حدیثیں دین کے امور - حلال، حرام، امر، نہی، ترغیب، ترہیب - کے بارے میں وارد ہیں اور جب راوی صادق و امین نہ ہو اور یہ جانتے ہوئے کوئی ثقہ اس کے احوال سے بے خبر مسلمانوں سے اس کے حوالے سے حدیث روایت کرے تو وہ گنہگار ہوگا اور عوام مسلمین کو دھوکا دینے والا قرار پائے گا کیوں کہ جو لوگ یہ حدیثیں سنیں گے وہ ان سب پر یا بعض پر عمل کر سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ تمام یا اکثر حدیثیں گڑھی ہوئی ہوں جن کی کوئی اصل نہ ہو۔

کتاب و سنت میں تحریم غیبت کی صراحت کے باوجود علماے امت کے اتفاق کی بنیاد پر جرحِ رواۃ کی اجازت اجماعِ امت کی حجیت کی واضح دلیل ہے۔

اس تفصیل سے عیاں ہو گیا کہ اجماعِ امت خطا سے پاک اور حجتِ شرعی ہے اس کا ثبوت خود کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ہے۔ اور جرحِ رُواۃ کا قائل فرقۂ وہابیہ بھی ہے جس کا ثبوت اجماع سے ہے، اس کے باوجود وہابیہ اجماعِ امت کو نا قابلِ حجت قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۲۰، باب بيان أنّ الإسناد من الدّين ... مجلس البركات، مبارك فور.

احادیثِ متواترہ کے مقابل فرقۂ وہابیہ کا موقف:

● چناں چہ مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خاں بن نواب صدیق حسن خاں (وفات ۱۳۳۶ھ ــــ ۱۹۱۷ء) اپنی کتاب "عرفُ الجادِی" میں لکھتے ہیں:

"پس ضرورت شد کہ پردہ از روے اجماع کہ ہیبت و خشیتِ آں در دلہاے خاص و عامہ بسیار ست برانداز یم وآنچہ در مکمنِ بطون ست بر منصۂ شہود جلوہ گر سازیم۔

وبعد ازاں کہ اجماع چیزے نیست، قیاسِ مصطلح کہ آں را دلیلِ رابع قرار دادہ اند خود مکفی المؤنہ شد۔ نہ ماند مگر آں کہ ادِلّۂ دینِ اسلام و ملتِ حقۂ خیر الانام منحصر در دو چیز ست۔ یکے: کتابِ عزیز، و دیگر سنتِ مطہرہ۔ وماوراے ایں ہر دو کدام حجتِ نیّرہ و برہان قاطع نیست۔"(۱)

ترجمہ: تو ضرورت ہے کہ اجماع کے چہرے سے پردہ ہٹادیں جس کا خوف اور ہیبت عوام و خواص کے دلوں میں بہت ہے اور جو کچھ نہاں خانۂ دل میں ہے اسے منظر عام پر جلوہ گر کر دیں۔

اور اس کے بعد کہ اجماع کوئی چیز نہیں ہے فقہا کا قیاسِ اصطلاحی - جسے وہ دلیل رابع قرار دیتے ہیں - خود ہی ہمارے ردو ابطال سے بے نیاز ہو گیا (کہ جب فقہا کا اتفاق و اجماع کوئی چیز نہیں تو ایک فقیہ کے قیاس کی کیا حیثیت)

اب ادِلّۂ دینِ اسلام دو چیزوں میں منحصر رہ گئے، ایک کتابِ عزیز، اور دوسری سنتِ مطہرہ۔ اور ان دو کے سوا کوئی بھی چیز حجتِ نَیّرہ و بُرہان قاطع نہیں ہے۔

● غیر مقلدوں کے امام، میاں نذیر حسین دہلوی اپنی کتاب "معیار الحق" میں اجماع کے تعلق سے اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

"اجماع شرعی کے واسطے دو امر ضروری ہیں:

پہلا امر: یہ کہ اتفاق سارے مجتہدینِ ہم عصر کا اِس امت سے، اوپر امر شرعی کے متحقق ہو ــــ اور

دوسرا امر: یہ کہ سند اس کی قرآن اور حدیث سے پائی جائے، کیوں کہ نہ پایا جانا سند کا مستلزم خطا کو ہوگا، اور حکم کرنا دین میں بلا دلیل خطا ہے، ...

اس واسطے کہ اجماعِ شرعی عبارت ہے قولِ کُل سے اور قول، کُل کا بلا دلیلِ شرعی کے باطل

(۱) عَرفُ الجادی مِن جنان هَدی الهادی ص: ۳، ناشر جمعیت اہل سنت (یعنی جمعیت وھابیت)، لاھور

ہے تو یہ اجماع بھی باطل ہوگا۔"(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ کُل امت کا اجماع جس کی سند کتاب و سنت سے معلوم نہ ہو حجتِ شرعی نہیں۔

اور ہم اہل حق اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ

خدائے قدیر نے اس امت کو یہ اعزاز و شرف بخشا ہے کہ اس کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا جیساکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ متواترہ اس کی شاہد ہیں اس لیے اجماعِ کُل کی بنیاد بہر حال کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ پر ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا علم نہ ہو، اس لیے جب اجماعِ کُل متحقق ہوگا تو ضرور اس کے لیے کوئی مستند شرعی ہوگا، لہٰذا وہ خطا سے معصوم اور حجت شرعی ہوگا۔

آپ ایک بار وہ احادیث متواترہ پھر پڑھ لیجیے، یہ شرط کہیں نہیں ملے گی کہ اجماع کی سند کتاب و سنت سے معلوم ہو تب وہ گمراہی سے پاک ہوگا۔

لہٰذا اجماع کو مطلقاً حجت نہ ماننا، یا سند کا علم نہ ہو تو اسے حجت نہ ماننا بہر حال رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ صحیحہ متواترۃُ المعنیٰ سے انحراف ہے، ساتھ ہی یہ صحیحین سے بھی انحراف ہے کہ احادیث مذکورہ میں بہت سی احادیث صحیحین کی بھی ہیں۔

● نواب نور الحسن خاں نے اجماع کو بے اعتبار ثابت کرنے کے لیے اپنی کتاب "عرف الجادی" میں لمبی بحث کی ہے اور اس پر کئی طرح کے "منع" قائم کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ کسی امر پر اجماع ممکن ہی نہیں ہے، کلمات یہ ہیں:

" حاصل آں کہ وارد بر اجماع منوعات اند:

اول: منع امکانش۔ دوم: منع وقوعش۔ سوم: منعِ امکانِ نقلِ آں۔ چہارم: منع وقوع نقل۔"(۲)

ترجمہ: حاصل یہ کہ اجماع پر کئی ایک "منع" وارد ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ اس کا اِمکان ممنوع ہے۔

---

(۱) معیار الحق، باب دوم: تقلید ائمہ، مشمولہ کتاب انتصار الحق ص: ۴۲۳، طلبۃ درجہ سابعہ، جامعہ اشرفیہ۔

(۲) عَرف الجادي، مِن جنان هَدى الهادي، ص: ٦.

دوسرے یہ کہ اس کا وقوع ممنوع ہے۔
تیسرے یہ کہ اِمکانِ نقل ممنوع ہے۔
چوتھے یہ کہ وقوعِ نقل ممنوع ہے۔
ایک طرف پیشوائے وہابیہ کی یہ صراحت پیش نظر رکھیے اور دوسری طرف سرورِ کائنات علیه أفضل الصّلوات و أزکی التّحیات کی احادیثِ متواترہ کا نظارہ کیجیے جو شہادت دے رہی ہیں کہ اجماع ممکن بھی ہے اور واقع بھی، کیا اسی کا نام ہے عمل بالحدیث؟

آگاہی

ہم یہاں اپنے برادران دینی کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اجماع کی حُجیت پر تمام اہل قبلہ کا اتفاق عہد سلف میں ہی ہو چکا ہے، اس لیے اس کے بعد کے زمانے میں کبھی کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ خرقِ اجماع ہے جو شرعًا بہت معیوب اور نا قابلِ اِعتنا ہے۔
مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:
(مسألة: الإجماعُ حجّةٌ قطعًا) و یفید العلمَ الجازمَ (عند الجمیع) مِن أهلِ القبلة (و لا یُعتدّ بشرذمة مِن الخوارج والشِّیعة، لأنّهم حادثون بعد الاتفاق) یُشكِّكون في ضروریاتِ الدّین مثلَ السّوفسطائیّة في الضّروریات العَقْلِیّةِ. اھ)[1]
ترجمہ: مسئلہ: **اجماع**، جمیع اہل قبلہ کے نزدیک قطعًا حجت ہے اور علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے اور خوارج و شیعہ کے چھوٹے سے گروہ (کے اختلاف) کا شمار و اعتبار نہ ہوگا کیوں کہ یہ گروہ جمیعِ اہلِ قبلہ کے اتفاق کے بعد ظاہر ہوا جو ضروریاتِ دین میں بھی شک پیدا کرتا ہے جیسا کہ گروہ سوفسطائیہ ضروریاتِ عقل میں شک پیدا کرتا ہے۔
اور وہابی غیر مقلدین کا یہ گروہ تو بہت بعد کی پیداوار ہے پھر ان کا کیا شمار و اعتبار۔
الغرض احادیث صحیحہ، متواترۃُ المعنیٰ اور قرآن حکیم کی آیات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع خطا سے پاک ہے، حجت ہے، اس کا اتباع لازم اور اس کی مخالفت حرام و گمراہی ہے کہ یہ مخالفت فی الواقع آیاتِ قرآنِ حکیم اور احادیثِ متواترہ سے روگردانی و اِنحراف ہے۔

---

(۱) فواتح الرحموت ج: ۲، ص: ۲۶۹، الأصل الثالث: الإجماع، دار إحیاء التراث العربي، بیروت.

چند اہم اجماعی امور کا تجزیہ

(۱) اجماع کے اقسام واحکام:

بنیادی طور پر اجماع کی دو قسمیں ہیں: • اجماعِ متواتر • اجماعِ آحاد

"اجماعِ متواتر" قطعی ہوتا ہے جس کا منکر اسلام سے باہر ہو جاتا ہے اور "اجماعِ آحاد" ظنی ہوتا ہے اس کا منکر اسلام سے باہر نہیں ہوتا، ہاں گمراہ قرار پاتا ہے۔

خبر متواتر کی حجیت باب عقائد سے ہے، قرآن مقدس کا کتاب اللہ ہونا، نمازِ پنج گانہ اور روزے اور حج وزکات کا فرض ہونا اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ برحق ہونا سب اعتقادیات سے ہیں۔

"اجماع قطعی" - یا - "اجماع اقویٰ" کے سوا اجماع کی ساری قسمیں عقائد وفروع میں مشترک ہیں مثلاً: ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت کی محافظت پر اجماع، مساجد کی حاضری سے عورتوں کی ممانعت پر اجماع، ایک نشست کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع۔ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہ ٹوٹنے پر اجماع، محض دخولِ حشفہ سے وجوبِ غسل پر اجماع، بیعِ اُمِّ ولد کے عدم جواز پر اجماع، حدِّ خمر کی تعیین پر اجماع۔ وغیرہ، وغیرہ۔

(۲) اجماعِ اعتقادی اور اجماعِ اجتہادی کے درمیان فرق:

"اعتقادیات میں اجماع" اور "اجتہادیات میں اجماع" کا درجہ وحکم کئی حیثیتوں سے الگ الگ ہے۔

• اعتقادیات میں سکوت دلیل رضا ہوتا ہے [1] اور اجتہادیات میں دلیل رضا نہیں ہوتا مگر یہ کہ خارج سے کوئی قرینہ رضا پر شاہد ہو۔

---

(۱) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے: قولُ البعض مع سکوت اخرین (إجماعٌ فی الاعتقادیات إجماعا) بینا وبینکم . . . ومحلُ الخلاف الاجتهادیات، لا الاعتقادیات، فالسکوتُ فی الاعتقادیات من غیر رضابِہٖ حرامٌ، فإنّها لا بُدّ منها فی الإیمان ویکونُ السّکوت فیها مفضیا إلی البدعة الجَلیّة، فالسُّکوتُ هناك یدلّ علی القطع بکونه رضاً، فافهم .(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:۲، ص: ۲۹۱، الأصل الثالث: الإجماع/ مسئلة: في إفتاء البعض وسکوت الباقین، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)۱۲منہ

● اعتقادیات میں اجماع سے اختلاف کفر کلامی بھی ہوتا ہے، اور کفر فقہی بھی اور ضلالت بھی، جب کہ اجتہادیات میں اجماع سے اختلاف کفر ہوتا ہی نہیں نہ کلامی، نہ فقہی۔ ہاں! فسق وضلالت ہوتا ہے۔

● اعتقادیات میں اجماع قطعی بھی ہوتا ہے اور ظنی بھی۔ جب کہ اجتہادیات وفروع میں اجماع صرف ظنی ہوتا ہے۔

اعتقادیات اور اجتہادیات کے مختلف گوشوں کے پیش نظر یہ فرق بیان کیے گئے ہیں ورنہ بنیادی طور پر ان کے درمیان صرف ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ اعتقادیات میں اجماع قطعی ہوتا ہے اور اس کی حجیت بھی قطعی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اجتہادیات میں اجماع ظنی ہوتا ہے اور اس کی حجیت بھی ظنی ہوتی ہے۔

(۳) دونوں طرح کے اجماع کی خلاف ورزی مُنکَر ہے:

ہاں! اس بارے میں دونوں طرح کے اجماع میں یہ اشتراک پایا جاتا ہے کہ دونوں کی خلاف ورزی مُنکَر ہے یہی وجہ ہے کہ جب مروان نے نماز عید سے پہلے خطبہ دینا چاہا تو بعض حاضرین نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تائید فرماتے ہوئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمائی اور ظاہر ہے کہ خطبۂ عید کا نماز عید سے پہلے ہونا ایک فرعی مسئلہ ہے مگر اجماعی ہے، وہ حدیث صحیح مسلم شریف میں اس طرح ہے:

① عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ - وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ - قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ. فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا، فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ . سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ « مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ».[1]

---

(۱) الصحيح لمسلم،ج:۱،ص:۵۰، ۵۱، كتاب الإيمان/ باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن نماز سے پہلے مروان نے خطبہ دینا شروع کیا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر تنبیہ کی کہ خطبہ سے پہلے نماز ہے، تو مروان نے کہا کہ: یہ طریقہ متروک ہو چکا۔

صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس شخص پر شرعاً جو واجب تھا اس نے ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں جو شخص بھی کوئی نافرمانی و معصیت کا کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے دور کر دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اصلاح کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

شرح مسلم میں ہے:

الْعُلَمَاء إِنَّمَا يُنْكِرُونَ مَا أُجْمِعَ عَلَيْهِ، أَمَّا الْمُخْتَلَف فِيهِ فَلَا إِنْكَار فِيهِ لِأَنَّ عَلَى أَحَد الْمَذْهَبَيْنِ كُلّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ . وَهَذَا هُوَ الْمُخْتَار عِنْد كَثِيرِينَ مِنْ الْمُحَقِّقِينَ أَوْ أَكْثَرهمْ . وَعَلَى الْمَذْهَب الْآخَر الْمُصِيب وَاحِد وَالْمُخْطِئ غَيْر مُتَعَيَّن لَنَا، وَالْإِثْم مَرْفُوع عَنْهُ.[1]

ترجمہ: جس چیز کے معصیت ہونے پر اجماع ہو علما بس اسی پر انکار کرتے ہیں، اور جس کے معصیت ہونے میں اختلاف ہو اس پر انکار نہیں کرتے کیوں کہ ایک مذہب کے مطابق ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور کثیر بلکہ اکثر محدثین کے نزدیک مختار یہی ہے، اور دوسرے مذہب کے مطابق صواب تک رسائی تو کسی ایک مجتہد کی ہوتی ہے (باقی کی نہیں)، البتہ خاطی متعیّن نہیں، اور اس پر گناہ بھی نہیں ہے۔

واضح ہو کہ حدیث نبوی "مَن رأیٰ منکم منکرا" میں لفظ "مَنْ" تمام علما، فقہا اور مجتہدین کو عام ہے؛ اس لیے عمومی طور پر یہ حضرات "منکر اجماعی" پر ہی انکار کریں گے اسی لیے امام ابو زکریا نووی اور دوسرے ائمہ نے اس مقام پر "منکر اجماعی" کی بات کی ہے۔

(۴) منکر مذہبی کا حکم:

مُنکَر مذہبی سے مراد وہ امور ہیں جو ایک امام کے نزدیک معصیت ہوں اور دوسرے امام کے نزدیک جائز و مشروع ہوں، جیسے: وضو میں "چوتھائی سر کا مسح" کہ ہمارے نزدیک فرض ہے اور شوافع

(۱) شرح صحیح مسلم لِلنَّوَوِي، ج:۱، ص:۵۱.

کے نزدیک نہیں، یا جیسے: ''مَسِّ ذکر'' کہ شوافع کے نزدیک ناقضِ وضو ہے اور ہمارے نزدیک نہیں۔
یوں ہی وہ تمام امور جو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں فرض عملی یا واجب عملی ہوں اور دوسرے کسی مذہب میں نہ ہوں۔ فتاوی رضویہ جلد اول، رسالہ: ''الجوَد الحلو'' میں فرض عملی، فرض اعتقادی اور واجب عملی و واجب اعتقادی کا تعارف مثالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، تحقیق کے لیے یکسوئی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ایسے امور میں عمومی طور پر ہر عالم، فقیہ، مجتہد انکار نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ ایسا ہو سکتا ہے، بلکہ واقع ہے کہ جو بات اس کے نزدیک منکر ہے وہ دوسرے فقیہ مجتہد کے نزدیک مشروع ہو، البتہ ''اصحابِ مذہب'' اپنے ''اہل مذہب'' پر ''منکر مذہبی'' کے ارتکاب پر انکار کریں گے کہ وہ امر ان کے اعتقاد اور مذہب میں شرعاً معصیت ہے۔

(۵) دو صدی کے بعد کیا ''اجماعِ امت'' ہو سکتا ہے:

دو صدی کے بعد بھی اجماع امت ہو سکتا ہے، بلکہ اجماع ہوا ہے، جیسے محفل میلاد النبی ﷺ کے انعقاد پر اجماع، صلاۃ و سلام بہ حالِ قیام پر اجماع، مدارس کے قیام پر اجماع، مساجد میں مناروں کے جواز پر اجماع، وغیرہ۔ در اصل اس طرح کے اجماعات کی اصل و بنیاد کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے عموم و اطلاق ہیں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً محفل میلاد النبی ﷺ گیارہ اجزا پر مشتمل ہے: ● تلاوتِ قرآن حکیم ● حمد الٰہی و ذکرِ خداوندی ● نعتِ رسول ● بعثت نبوی کا تذکرہ ● سیرۃ المصطفیٰ وغیرہ۔

اور یہ سارے اجزا انفرادی طور پر کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہیں جن کے جواز اور استحباب و استحسان پر عہد سلف سے ہی اجماع قائم ہے، بعد میں کسی وقت ان تمام امور کا مجموعہ محفلِ میلاد شریف ہو گیا تو یہ بھی اپنے ہر جز کی طرح اجماعی ہو گا کہ حسن کا مجموعہ حسن اور اجماع کا مجموعہ اجماعی ہو گا۔ تو واقع میں یہ اجماع آج یا دو صدی بعد نہیں قائم ہو رہا ہے، بلکہ یہ تو عہد صحابہ سے ہی قائم ہے، فرق صرف یہ ہے کہ کل محفل میلاد کے نام سے مجموعی شکل میں یہ سارے امور یک جانہ تھے، اور دو صدی بعد اجماع ہونے کا مطلب ''شکلِ مجموعی پر اجماع'' ہے۔

یا جیسے موجودہ شکل میں مدارس دینیہ کا قیام، ان میں طلبہ کا داخلہ اور قیام وطعام کا انتظام اور تعلیم وتعلّم کہ اس کی اصل "مدرسۃُ الصُّفہ" ہے اور کتاب وسنت کے نصوص بھی، مثلاً:

ارشاد باری ہے:

● "كُونُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾"(۱)

ترجمہ: اللہ والے ہوجاؤ، اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سبب سے کہ تم درس کرتے ہو۔

ارشاد رسالت ہے:

● "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ."(۲)

ترجمہ: تم میں افضل وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

● "طلب العلم فريضة على كلّ مُسلِم."(۳)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

● "بُعثتُ مُعلّمًا."(٤)

ترجمہ: میں معلم بناکر مبعوث کیا گیا۔

تو درس وتدریس کے لیے مدارس کا قیام جائز ومندوب ہے جس پر عہد سلف سے اجماع قائم ہے مگر مدارس دینیہ کی موجودہ شکل پر اجماع بعد میں ہوا۔

اس طرح اس کے کثیر شواہد ہیں۔

الغرض جو امور خاص شکل وہیئت میں دو صدی بعد ظاہر ہوئے مگر ان کی اصل کتاب وسنت

---

(١) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ٣، الآية: ٧٩.

(٢) صحيح البخاري، ج:٢، ص:٧٥٢، كتاب أبواب فضائل القرآن/ باب خيركم من تعلَّم القرآن وعلمه.

(٣) سنن ابن ماجه، ص: ٤٧، المقدمة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم الحدى: ٢٢٤، دار احياء التراث العربى، بيروت.

(٤) سنن ابن ماجه، ص: ٤٨، المقدمة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم الحدى: ٢٢٩، دار احياء التراث العربى، بيروت.

میں عموم واطلاق کی شکل میں موجود ہے وہ اجماعی ہیں کہ ان کی اصل پر عہدِ سلف میں اجماع رہا ہے۔
اور کتاب وسنت کے عموم واطلاق سے استدلال اجماعی امر ہے۔
چناں چہ مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت میں ہے:
شاع وذاع احتجاجهم سلفًا وخلفًا بالعمومات على الأحكام من غير نكير من أحد، ونقل إلينا متواترًا بحيث لا مساغ للتشكيك.(۱)
ترجمہ: سلف وخلف میں کلمات عام کے عموم سے احکام پر استدلال شائع وذائع ہے، اس پر کسی نے کوئی اعتراض وانکار نہیں کیا اور یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔
اور مطلق اس حیثیت سے کہ وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے نوعِ عموم سے ہے۔

(۵) آج کے دور میں اجماعِ مجتہدین نہیں ہو سکتا:

ہاں اجتہادی مسائل میں آج کے دور میں اجماع نہیں ہو سکتا، یوں ہی کسی اور مسئلے پر بھی آج کے زمانے میں اجماعِ مجتہدین کا تحقق نہیں ہو سکتا کیوں کہ موجودہ دور میں مجتہدین نہیں پائے جاتے تو ان کی طرف سے نہ آج کوئی اجتہاد ہوگا، نہ اجماع۔
ہاں اجتہادی مسائل میں چاروں ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید پر اجماع ہے کہ تقلید کی اصل کتاب وسنت سے ثابت ہے، جس پر عمل عہد سلف سے جاری ہے، جیسا کہ تقلید کے بیان میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

---

(۱) فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:۱، ص:۲۵٤، مسألة: للعموم صِيَغ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

سترہواں مسئلہ

فقہ کی چوتھی دلیل

قیاس شرعی

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

اہل حق کا مذہب:

اہلِ حق اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ فقہ کے دلائل چار ہیں:

(۱) کتابُ اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ (۳) اجماعِ امت (۴) قیاس۔

درپیش مسئلے کا حکم کتاب اللہ میں مل جائے تو اس کے مطابق عمل و فتوی ہوگا، کتابُ اللہ میں نہ ملے تو سنتِ رسول اللہ میں اس کا حکم تلاش کیا جائے اور اس میں بھی نہ ملے تو اجماعِ امت کا سہارا لیا جائے اور اگر یہاں بھی حکم نہ ملے تو قیاس و اجتہاد کے ذریعہ کتاب و سنت و اجماع امت سے مسئلے کا حکم نکالا جائے۔

قیاس در اصل کتابُ اللہ یا سنتِ رسول اللہ یا اجماع سے ماخوذ ہوتا ہے اس لیے یہ بجائے خود کتاب و سنت و اجماع کے احکام کا کاشف و مظہر ہوتا ہے اور اسی حیثیت سے اسے فقہ کی "دلیل رابع" مانا جاتا ہے۔ لیکن علماے وہابیہ اس کے برخلاف صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی حُجیت کے دعوے دار ہیں اور **قیاس و اجماع** کی حُجیت کا انکار کرتے ہیں۔

امام بخاری نے قیاس کی حجیت پر مُہر نبوت ثبت فرمادی:

حالاں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف میں قیاس کی حُجیت پر ایک باب قائم کیا ہے پھر اس کے تحت دو احادیث نبویہ کی تخریج کرکے اس کی حُجیت پر مہر نبوت ثبت فرمادی ہے۔ ہم سب سے پہلے یہاں وہ ترجمۃ الباب اور دونوں احادیث نقل کرتے ہیں پھر مزید احادیث بھی نقل کریں گے، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

ترجمۃُ الباب کے الفاظ ہیں:

بابُ مَنْ شبَّه أَصْلًا معلومًا بأَصْلٍ مبيّنٍ قد بَيَّنَ اللهُ حكمَها ليَفْهَمَ السَّائِلُ[1]

ترجمہ: ایک اصلِ معلوم دوسری اَصل کے ساتھ۔ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے۔ اس لیے تشبیہ دی جائے کہ سائل کو اس کا حکم سمجھ میں آجائے۔

یہ تشبیہ خاص بھی قیاس ہے کہ قیاس کی ایک تعریف اس لفظ سے بھی کی جاتی ہے، چناں چہ جلد ہی ہم مسلم الثبوت وغیرہ سے اس کی نقل پیش کریں گے۔ اِن شاءَ الله تعالى.

دلائلِ اہلِ سنت

پہلی حدیث: تفہیم امت کے لیے قیاس سے نسب کا اثبات:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ،وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ-صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟»، قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟»، قَالَ: إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا.

قَالَ: «فَأَنَّى تُرَى ذَلِكَ جَاءَهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عِرْقٌ نَزَعَهَا، قَالَ: «وَلَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ»، وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ.[2]

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۸، كتاب الاعتصام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۸، كتاب الاعتصام، باب من شبَّه أصلا معلوما بأصلٍ مبيَّن قد بيّن الله حكمها ليفهم السائل، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عرب دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری بیوی کے سیاہ فام لڑکا پیدا ہوا ہے، میں اسے اپنا لڑکا نہیں سمجھتا (کہ میں گورا ہوں اور وہ کالا ہے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ عرض کی ہاں! سرکار نے دریافت کیا کہ وہ اونٹ کس رنگ کے ہیں؟ عرض کی: سرخ رنگ کے۔ حضور نے پوچھا: اونٹوں میں کوئی بھورے رنگ کا بھی ہے؟ عرض کی: کئی ایک اونٹ بھورے رنگ کے ہیں۔ حضور نے پوچھا سرخ اونٹوں میں یہ بھورے رنگ کے کہاں سے آ گئے، تم اس بارے میں کیا سمجھتے ہو؟

تو اس شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ (اوپر کی پشت میں کوئی اونٹ بھورا ہوگا اس کی) کوئی رگ اسے کھینچ لائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید یہ بھی (اوپر کی) کوئی رگ ہو جو اسے (گورے رنگ کی جگہ کالے رنگ کی طرف) کھینچ لائی۔

یہاں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھورے اونٹوں سے ان کے سیاہ فام بچے کو تشبیہ دی ہے کہ جیسے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھورے رنگ کا اونٹ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے سب کو اتفاق ہے۔ یوں ہی گورے رنگ کے ماں باپ سے سیاہ فام بچہ بھی تولد ہو سکتا ہے اور اس سے بھی سب کو اتفاق کرنا چاہیے۔

دوسری حدیث: قیاس سے حق اللہ سے سبک دوشی کی وضاحت:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجَّ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟»، قَالَتْ: نَعَمْ،

قَالَ: «اقْضُوا الَّذِي لَهُ، فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ».[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کرنے کی منت مانی تھی، مگر وہ حج سے پہلے ہی فوت ہوگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا، ہاں! حج کر سکتی ہو، تم خود بتاؤ کہ تمھاری والدہ کے ذمہ کسی کا

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۸، كتاب الاعتصام/ باب من شبّه أصلا معلوما بأصل مبيَّن قد بيّن الله حكمَها ليفهم السائل، مجلس البركات، مبارك فور.

کچھ بقایا ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی؟ اس خاتون نے عرض کی: ہاں! تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو پھر اللہ کا حق ادا کرو کہ وہ ادا کیے جانے کے لائق زیادہ ہے۔

اس حدیث پاک میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ عزّ و جل کے دَین "حج" کو بندوں کے دَین "بقایا" سے تشبیہ دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جیسے تمھاری ماں کے ذمہ کسی بندے کا دَین (بقایا) ہوتا اور تم ادا کر دیتی تو وہ سبک دوش ہو جاتی ایسے ہی تم جب اپنی ماں کی طرف سے حج کر لو گی تو وہ اللہ عزّ و جلّ کے فریضہ سے سبک دوش ہو جائے گی۔

ان دونوں احادیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیاس بھی فرمایا ہے اور قیاس کی تعلیم بھی دی ہے جس سے قیاس کی حجیت ثابت ہوتی ہے اور اس کا انکار ان احادیث صحیحہ سے اور خود صحیح بخاری و امام بخاری سے انحراف ہے۔

اب کچھ اور احادیث بھی ملاحظہ کریں:

تیسری حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إن امرأة أَتَتْ رسولَ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، فقالت: إن أمّي ماتتْ وعليها صوم شهر؟

فقال: أرأيتِ، لوكان عليها دينٌ أكنتِ تقضينه؟ قالتْ: نَعَم، قال: فدَينُ الله أحقُّ بالقضاء.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینے کا روزہ باقی تھا اور وہ فوت ہو گئیں۔ (تو کیا میں ان کی طرف سے روزے قضا کر سکتی ہوں؟) سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا کچھ بقایا ہوتا تو تم اسے ادا کرتی؟ اس خاتون نے عرض کی، ہاں۔ حضور نے فرمایا: تو اللہ کا بقایا (روزہ) زیادہ ادا کیے جانے کے لائق ہے۔

چوتھی حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قال: جاء رجلٌ إلى النّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-،

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۳۶۲، کتابُ الصِّیام/ باب قضاءِ الصَّوم عن المیِّت، مجلس البرکات۔

فقال: يا رسولَ الله ، إن أمّي ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟

فقال: لوكان على أمّكَ دينٌ أكنتَ قاضيةً عنها، قال: نعم، قال: فدَينُ الله أحقُّ أن يُّقضى.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسولَ اللہ، میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور ان کے ذمہ ایک ماہ کا روزہ باقی تھا تو کیا میں ان کی طرف سے (فِدیہ) ادا کردوں؟

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر تیری والدہ کے ذمہ کسی کا کوئی بقایا ہوتا تو کیا تم اس کی طرف سے ادا کرتے؟ عرض کیا: ہاں۔ حضور نے فرمایا: تو اللہ کا بقایا اس سے زیادہ حق دار ہے کہ ادا کیا جائے۔

پانچویں حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عن أخيه الفضل أنه كان ردْفَ رسولِ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- غداةَ النحر، فأتتْه امرأة من خثعم فقَالت: يا رسولَ الله، إن فريضة الله في الحج على عباده أدركتْ أبي شيخا كبيرا لا يستطيع أن يركب، أفاحجُّ عنه؟

قال: نَعَم، فإنه لو كان على أبيك دينٌ قضيتِه.(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ان کے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ وہ یوم النحر (دسویں ذی الحجّہ) کی صبح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے پاس قبیلہ خثعم کی ایک خاتون آئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر جو حج فرض کیا ہے وہ میرے والد پر بھی حج فرض ہوچکا ہے، وہ بہت بوڑھے ہیں۔ سوار نہیں ہوسکتے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج (بدل) کرلوں؟

حضور نے فرمایا: ہاں۔ اس لیے کہ اگر تیرے والد کے ذمہ کوئی بقایا ہوتا تو اسے ادا کرتی۔ (اسی طرح اسے بھی ادا کر۔)

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۳۶۲، کتاب الصّیام/ باب قضاءِ الصوم عن المیّت، مجلس البرکات.

(۲) سنن ابن ماجه، ص: ۳۱۶، ۳۱۷، کتاب المناسك/ باب الحج عن الحيِّ إذا لم یَستطِع، بیت الأفکار الدولیة، بیروت، لبنان.

حضور سید عالم ﷺ نے اپنے آخری جملے سے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جیسے تیرے والد کے ذمہ کسی کا بقایا ہوتا اور تم ادا کرتی تو ادا ہو جاتا ویسے ہی اللہ کا بقایا تیرے والد کے ذمہ ہے تم اسے ادا کرو گی تو یہ بھی ادا ہو جائے گا۔

چھٹی حدیث: قیاس کی بنا پر منکرینِ زکات سے قتال کا فیصلہ اور اجماعِ صحابہ:

عَنِ أبي هُريرة، قال: لمّا تُوَفِّي رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- واستُخلِف أبو بكر بعده وكَفَر من كفر من العرب ... فقال أبو بكر: والله لأقَاتلنَّ مَن فرّق بين الصَّلاة والزّكاة، فإنّ الزكاة حق المال، والله لو مَنعوني عِقَالا كانوا يؤدُّونه إلى رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- فقاتلتُهم على منعه، فقال عمرُ بن الخطاب: فوالله ما هو إلا أن رأيتُ الله قد شرح صدر أبي بكر للقتال، فعرفت أنه الحق.(١)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور کچھ عرب (زکات کی فرضیت کا انکار کر کے) کافر ہو گئے.... تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: "اللہ کی قسم، جو لوگ نماز اور زکات کے درمیان فرق کرتے ہیں (کہ نماز کو تو فرض مانتے ہیں مگر زکات کو فرض نہیں مانتے) میں ضرور ان لوگوں سے جہاد کروں گا کہ بے شک زکات مال کا حق ہے، خدا کی قسم، اگر یہ لوگ اونٹ باندھنے کی وہ رسی بھی مجھ سے روک لیں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے جہاد کروں گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم، حضرت ابوبکر صدیق نے یہ فیصلہ یوں ہی نہیں کر لیا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے ان کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا تو مجھے یہ عرفان حاصل ہو گیا کہ بے شک یہ فیصلہ حق ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرینِ زکات سے جہاد کا محکم فیصلہ اس لیے فرمایا کہ نماز

---

(١) ❀الصحيح لمسلم،ج:١،ص:٣٧، كتاب الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري، ج:٢،ص:١٠٨١، كتاب الاعتصام/ باب الاقتداء بسُنَنِ رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-، مجلس البركات، مبارك فور.

اور زکات کے احکام میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی زکات بھی فرض ہے، دونوں قیامت تک کے لیے فرض قطعی ہیں اور حضور سید عالم ﷺ کے وصال کی وجہ سے زکات کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی، جیسے نماز کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی۔ اس لیے اگر کوئی نماز کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ کافر و مرتد ہے اور اس سے جہاد لازم ہے یوں ہی اگر کوئی زکات کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ بھی کافر و مرتد ہو جائے گا اور اس سے جہاد لازم ہو گا۔[۱]

یہ نماز پر زکات کا قیاس ہے جس سے عامۂ صحابۂ کرام بشمول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اتفاق کیا۔ اس طرح قیاس کی حجیت پر عہد صدیقی میں ہی اجماع ہو گیا۔

ساتویں حدیث: اجتہاد و قیاس سے فیصلہ کے عزم پر رسول اللہ کا الحمد للہ پڑھنا:

عن ناسٍ مِن أصحابِ مُعاذ، من أهل حمص عن معاذ بن جبل أنّ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم-: لـمّا بعثهُ إلى اليمن، قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاءٌ؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال : فإن لم تجد في كتاب الله، قال: فبِسُنَّةِ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- ، قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- ، قال: أجتهد رأيي و لا آلو.

قال: فضرب رسولُ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّم- علىٰ صدرِهٖ و قال: الحمدُ لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضىٰ به رسولُ الله. رواه الترمذي و أبو داود و الدّارمي.[۲]

---

(۱) جِہاد: خلیفۃ المسلمین یا اس کے ماذون کا کام ہے۔ جو مسلمان ہو، نماز اور روزے کی فرضیت کا قائل ہو، پھر بعد میں کسی ایک کے فرض ہونے کا انکار کر دے، اس کے بارے میں یہ گفتگو ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) مشكاة المصابيح، ص: ٣٢٤، باب العمل في القضاء و الخوف منه، الفصل الثاني، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج: ١، ص: ١٥٩، أبواب الأحكام عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-/ باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ سنن أبي داود، ص: ٣٩٧، كتاب الأقضية/ باب اجتهاد الرائ في القضاء، بيت الأفكار، بيروت.

❀ سنن الدارمي، ج: ١، ص: ٢٦٧، كتاب الفتيا وما فيه من الشدة، دار المغني للنشر والتوزيع.

❀ السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، ج: ١، ص: ١١٤، كتاب أداب القاضي/ باب ما يقضي به القاضي و يفتي، مجلس دائرة المعارف، حيدر أباد

ترجمہ: حمص کے رہنے والے متعدد اصحابِ مُعاذ سے روایت ہے کہ حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ جب تمھارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کی: اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ حضور نے پوچھا: کتابُ اللہ میں حکم نہ ملے تو؟ عرض کی سنتِ رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر سنتِ رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ عرض کیا: کتاب وسنت سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی سستی نہیں برتوں گا۔

حضرت مُعاذ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کے سینے پر مارا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ "تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے رسول اللہ کے مبعوث کو اُس طریقے کی توفیق عطا فرمائی جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہیں۔"

اس حدیث کو امام ترمذی وابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

اس حدیث کے بارے میں کلام ہے بعض نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں اور بعض نے کہا صحیح ہے مگر اس حدیث کو تلقّی بالقُبول حاصل ہے، نیز مشہور ہے، معنیً متواتر ہے اس لیے معتدل رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح وحجت ہے، جیسا کہ تقلید کی بحث میں حاشیے میں اس پر گفتگو ہے۔

اجتہاد کے عموم میں "قیاس" بھی شامل ہے علاوہ ازیں جب قضیہ کا حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو وہاں اجتہاد قیاس کے لیے متعیّن ہو جاتا ہے اور یہاں یہی صورت ہے اس لیے ثابت ہوا کہ قیاس حجت ہے۔

یہاں قیاس واجتہاد کا ذکر سنت کے بعد ہے جب کہ اس کا رتبہ اجماع کے بعد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں اجماع کی حاجت نہ تھی، کسی بھی مسئلے میں صحابہ، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرتے اور آپ رہنمائی فرما دیتے تو اس عہدِ مبارک میں سنت کی وجہ سے اجماع سے بے نیازی تھی۔

آٹھویں حدیث: حدِّ خمر کے ثبوت میں مولائے کائنات کا قیاس اور اجماعِ صحابہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ الشُّرَّابَ كَانُوا يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِالأَيْدِي وَالنِّعَالِ وَالْعَصَا، حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-،

وَكَانُوا فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ- أَكْثَرَ مِنْهُمْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ-.

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ-: لَوْ فَرَضْنَا لَهُمْ حَدًّا، فَتَوَخَّى نَحْوًا مِمَّا كَانُوا يُضْرَبُونَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ واٰلِهٖ وَسَلَّمَ-، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ- يَجْلِدُهُمْ أَرْبَعِينَ حَتَّى تُوُفِّيَ، ثُمَّ قَامَ مِنْ بَعْدِهٖ عُمَرُ فَجَلَدَهُمْ كَذٰلِكَ أَرْبَعِينَ، حَتَّى أُتِيَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَقَدْ كَانَ شَرِبَ، فَأَمَرَ بِهٖ أَنْ يُجْلَدَ، فَقَالَ: لِمَ تَجْلِدُنِي؟ بَيْنِي وَبَيْنَكَ كِتَابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

فَقَالَ عُمَرُ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ-: فِي أَيِّ كِتَابِ اللهِ تَجِدُ أَنِّي لَا أَجْلِدُكَ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهٖ "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا "[1] الآيَةَ، فَأَنَا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، ثُمَّ اتَّقَوا وَآمَنُوا، ثُمَّ اتَّقَوا وَأَحْسَنُوا، شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ وَالْخَنْدَقَ وَالْمَشَاهِدَ.

فَقَالَ عُمَرُ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ-: أَلَا تَرُدُّونَ عَلَيْهِ مَا يَقُولُ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ هٰذِهِ الآيَاتِ أُنْزِلَتْ عُذْرًا لِلْمَاضِينَ وَحُجَّةً عَلَى الْبَاقِينَ.

(فعذرُ المَاضِين:، بأنّهم لَقوا اللّٰهَ قَبلَ أن تُحرَّم عليهم الخمرُ -وحجةٌ على الباقين- السُّنن الكبرىٰ للنسائي، ج:۵، ص:۱۳۷، ۱۳۸، كتاب الحدّ في الخمر)

لِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، يَقُولُ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ"[2] الآية، ثُمَّ قَرَأَ حَتَّى أَنْفَذَ الآيَةَ الآخَرىٰ: "لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا"[3] فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ نَهَى أَنْ يُشْرَبَ الْخَمْرُ،

فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: صَدَقْتَ فَمَاذَا تَرَوْنَ، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: نَرَى أَنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ، وَإِذَا سَكِرَ هَذَى، وَإِذَا هَذَى افْتَرَى، وَعَلَى الْمُفْتَرِي ثَمَانُونَ جَلْدَةً فَأَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجُلِدَ ثَمَانِينَ.

---

(۱) القراٰن الحكيم، سورة المائدة: ۵، الآية: ۹۳.

(۲) القراٰن الحكيم، سورة المائدة: ۵، الآية: ۹۰.

(۳) القراٰن الحكيم، سورة المائدة: ۵، الآية: ۹۳.

قَالَ الحاكمُ: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الحافظ الذَّهبي: صحيح. [1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شراب نوش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہاتھ، جوتے اور لاٹھی سے پیٹے جاتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں شراب نوش عہد رسالت سے بھی زیادہ ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "اگر ہم ان کے لیے کوئی سزا مقرر کر دیتے تو مناسب ہوتا۔" پھر انھوں نے اس امر کی تفتیش کی کہ شراب نوشوں کو عہد رسالت میں کتنے کوڑے مارے جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ انھیں چالیس کوڑے مارتے یہاں تک کہ پردہ فرما گئے۔ پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اور وہ بھی عہدِ صدیقی کی روایت کے مطابق چالیس کوڑے مارتے۔

یہاں تک کہ مُہاجرین اوّلین میں سے ایک صحابی- جو شراب پیے ہوئے تھے- آپ کی عدالت میں لائے گئے تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ انھیں کوڑے مارے جائیں۔ تو وہ صحابی بولے کہ آپ مجھے کوڑے مارنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں، میرے اور آپ کے درمیان فیصل اللہ عزوجل کی کتاب "قرآن مقدس" ہے۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کتابُ اللہ کی کس آیت میں ہے کہ میں تجھے کوڑے نہ ماروں؟ تو صحابی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

"جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے انھوں نے جو کچھ چکھا ان پر کچھ گناہ نہیں"۔

اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ایمان لائے، اور عمل صالح کیے، پھر تقویٰ شعار ہوئے اور ایمان پر قائم رہے، پھر ڈرے اور نیک رہے، میں غزوۂ بدر، حُدَیبیہ، خندق اور دوسرے مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہا۔

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیات گزرے ہوئے صحابہ کی صفائی اور (بعد کی آیات) موجودہ صحابہ کی حجت کے طور پر نازل ہوئی ہیں۔ گزرے ہوئے صحابہ کی صفائی میں یوں ہے کہ وہ حضرات شراب کی

---

(۱) ❀ المستدرك على الصحيحين مع تلخيص الذهبي، ج:٤، ص:٣٧٥-٣٧٦، كتاب الحدود/ كان الشُّرَّاب يضرب على عهد النبي بالأيدي والنِّعال، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

❀ السُّنن الكبرىٰ للنسائي، ج:٥، ص: ١٣٧، ١٣٨، كتاب الحدِّ في الخمر/ بابُ حدِّ الخمر، رقم الحديث: ٥٢٦٩، مؤسّسة الرسالة، بيروت

حرمت سے پہلے اللہ عزوجل سے جا ملے اور موجودہ صحابہ کے لیے حجت یوں ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ”شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاکی ہیں، شیطان کے کام ہیں۔“

پھر آپ نے دوسری آیت آخر تک پڑھی: اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے، پھر ڈرے اور ایمان لائے، پھر ڈرے اور اچھے کام کیے۔“ تو اللہ عزوجل نے شراب پینے سے ممانعت فرمادی (لہذا اب جو شراب پیے وہ صالح ومتقی نہیں کہ حکمِ حرمت نازل ہونے کے بعد شراب پینا گناہ ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، اب آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

”میری رائے یہ ہے کہ جب کوئی شراب پیے گا تو نشے سے مدہوش ہوگا اور جب مدہوش ہوگا تو بکواس کرے گا اور جب بکواس کرے گا تو تہمت لگائے گا اور تہمت لگانے والے کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔“

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے شرابی کو اسّی کوڑے مارے گئے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاِسناد ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، امام ذہبی نے بھی اپنی تلخیص میں اسے صحیح کہا۔

مولائے کائنات کے قیاس کی تشریح اور اصحابِ رسول کا اجماع:

یہ مولائے کائنات علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیاس ہے، جس کی بنیاد ”اصلِ منصوص“ کے ساتھ ”اصلِ غیر منصوص“ کی خصوصی مشابہت پر ہے۔ اس کا ذکر امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

”مَنْ شَبَّهَ أَصْلاً مَعْلُوماً بِأَصلٍ مُّبَيَّنٍ قَدْ بَيَّنَ اللهُ حُكمَهَا لِيَفْهَمَ السَّائِلُ.“

ترجمہ: ایک اصلِ معلوم کو ”دوسری اصل“ کے ساتھ۔ جس کا حکم اللہ تعالی نے بیان فرمادیا ہے۔ اس لیے تشبیہ دی جائے کہ سائل اس کا حکم سمجھ جائے۔

اور یہ قیاس کی اس تعریف کے عین مطابق ہے: القياسُ: تشبيهُ الفَرعِ بالأصلِ في علّة حكمه.“[۱]

ترجمہ: فرع کو اصلِ منصوص کے حکم کی علت میں اصل کے مشابہ قرار دینا ”قیاس“ ہے۔

---

(۱) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت، ج:۲، الأصل الرابع: القياس، دارُ إحياء التراث العربي، بیروت.

یہ "تشبیہ خاص" شراب نوشی کے اس مسئلے میں بھی پائی جارہی ہے۔ یہاں "دوسری اصل" جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے وہ حدِ قذف ہے اور "اصلِ معلوم" جس کا حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں "حدِ شربِ خمر" ہے مگر "شربِ خمر" کا انجام چندواسطوں سے قذف ہوتا ہے اس حیثیت سے یہ قذف کے مشابہ ہے۔ بلفظِ دیگر حدِ قذف کی علت قذف ہے یعنی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا، اور "شربِ خمر" حدِ قذف کی علت ہونے میں "قذف" کے مشابہ ہے۔ یہاں اصل منصوص "قذف" ہے اور فرع "شربِ خمر" اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "شربِ خمر" کو قذف کے مشابہ ٹھہرا کر اس پر قذف کا حکم جاری کیا ہے تو اس طرح یہ قیاسِ شرعی ہوا، اس بحث کی احادیث نمبر ایک تا چھ میں بھی قیاساتِ شرعی کی بنیادوں میں یہی "تشبیہ خاص" کارفرما ہے۔

پہلے سے شرابی کو کوڑے مارنے کی سزا دی جاتی تھی مگر اسّی کوڑے مقرر نہ تھے اس لیے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں صحابہ سے رائے طلب کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے رائے پیش کی اور شراب نوشی کو قذف کے مشابہ ٹھہرا کر اس کو قاذف کے حکم میں رکھا، اس پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی۔ یہاں تک کہ جو صحابی شراب نوشی میں ماخوذ تھے اور خود بھی کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے انھوں نے بھی کوئی نکیر نہ کی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حد قائم کردی تاہم سب خاموش رہے تو رائے یا قیاس کی حجیت پر یہ اصحابِ رسول کا اجماع ہوا۔

نویں حدیث: قیاس سے ایک مسئلے کی تفہیم:

عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيدٍ ، قَالَ : ذَكَرَ النَّبِيُّ –صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وسَلَّمَ- شَيْئًا ، فَقَالَ : وَذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ ، قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ ، وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ ، وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ ، وَنُقْرِئُهُ أَبْنَاءَنَا ، وَيُقْرِئُهُ أَبْنَاؤُنَا أَبْنَاءَهُمْ، إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابنَ أمِّ لبيد، إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِينَةِ ، أَوَلَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ ، وَالنَّصَارَى ، يَقْرَؤُونَ التَّوْرَاةَ ، وَالإِنْجِيلَ لاَ يَنْتَفِعُونَ مِمَّا فِيهِمَا بِشَيْءٍ ؟[1]

(۱) ❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۲۵۹، مسند الشاميين/ حديث زياد بن لبيد، رقم الحديث: ۱۷۶۱۲، بيت الأفكار الدولية.

❀ سنن ابن ماجه، ص: ٤٣٥، كتاب الفتن/ باب ذهاب القرآن والعلم.

❀ جامع الترمذي، عن أبي الدّرداء، بمعناه، ج:۲، ص: ۹۰، أبواب العلم/ باب ما جاء في ذهاب العلم، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: سالم بن ابو الجعد سے روایت ہے کہ حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم کے چلے جانے کا ذکر فرمایا، تو ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ، علم کیسے چلا جائے گا حالاں کہ ہم لوگ قرآن پڑھتے اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔ (کہ قرآن محفوظ رہے گا جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔)

توسرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں ارشاد فرمایا:

اے اُمِّ لبید کے بیٹے، تجھے تیری ماں کھوئے، میں تو تجھے مدینہ طیبہ کے اصحابِ فقہ وفہم میں شمار کرتا ہوں، کیا یہ یہود ونصاریٰ تورات وانجیل نہیں پڑھتے لیکن وہ ان کی تعلیمات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں یہ بتایا ہے کہ جیسے یہود ونصاریٰ نے تورات وانجیل کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تو ان کے درس وتدریس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ویسے ہی تم لوگ بھی قرآن کی تعلیمات پر عمل نہیں کروگے تو تمھارے درس وتدریس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ کھلے طور پر قیاس ہے۔

یہ نو احادیث شریفہ ہیں جن سے قیاس کے جواز وحُجیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کی حُجیت پر صحابۂ کرام کا اجماع بھی ہے۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں قیاس کی حُجیت پر یہ دلائل قائم کیے گئے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان یہ بات بغیر کسی نکیر کے عام وشائع تھی کہ وہ قیاس سے استدلال فرماتے اور دلائل میں تعارض کے وقت قیاس سے ترجیح دیتے تھے اور باقی صحابہ کا سکوت قیاس سے استدلال وترجیح پر اتفاق کی وجہ سے تھا اس لیے کہ اس طرح کی دلیل پر سکوت بغیر موافقت کے نہیں ہوتا۔ چناں چہ افضلُ البشر بعدَ الانبیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرینِ زکات سے جہاد کے بارے میں نماز پر زکات کو قیاس کیا جس کی طرف صحابہ نے رجوع کیا، اسے تسلیم کیا اور یہ ان کی طرف سے قیاس کی حجیت پر اجماع ہے۔

اور ایک قضیہ میں حضرت صدیق اکبر نے نانی کو ناتی کا وارث قرار دیا اور دادی کو پوتے کی میراث سے محروم ٹھہرایا تو عبد الرحمن بن سہل یا خود دادی نے کہا کہ آپ نے جس عورت (دادی) کو محروم کیا ہے اگر یہاں وہ عورت فوت ہوئی ہوتی تو پوتا اس کے کُل مال کا وارث ہوتا تو انھوں نے دونوں عورتوں (نانی

اور دادی) کو سُدُس (۱/۶) میں برابر کا حق دار بنا دیا۔" (۱)

اس طرح انھوں نے اس قائل کے قیاس پر عمل کیا اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شارب کو حد لگانے کے بارے میں قاذف پر قیاس کیا اور اس پر صحابہ کرام نے اجماع فرمایا۔ (۲)

سنن وآثار کا یہ سلسلہ خاصا طویل ہے، ہم نے یہاں ان کا ایک انتخاب پیش کیا ہے جن سے بجا طور پر ایک مُنصف کے نزدیک یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ قیاسِ شرعی حجت ہے اس سے خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیے استناد فرمایا ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کثیر مواقع پر اسے دلیل شریعت کے طور پر پیش کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر ارشاد ہمارے لیے حجت ہے مگر آپ کے کچھ ارشادات قیاس کی شکل میں ہیں تاکہ امت کو اس سے قیاس کی حُجیت معلوم ہو جائے۔

---

(۱) دسویں حدیث:

مجھے حدیث ان الفاظ میں ملی:

عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَالَ : أَتَتِ الْجَدَّتَانِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَأَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ السُّدُسَ لِلَّتِي مِنْ قِبَلِ الأُمِّ ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ : أَمَا إِنَّكَ تَتْرُكُ الَّتِي لَوْ مَاتَتْ وَهُوَ حَيٌّ كَانَ إِيَّاهَا يَرِثُ ، فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ السُّدُسَ بَيْنَهُمَا.(مؤطا الإمام مالك،ج:۳،ص:۷۳۳، كتاب الفرائض/ باب ميراث الجدة، أبو ظهبي. والسُّنَنُ الكبرى للبيهقي، ج:۶، ص: ۲۳۵، كتاب الفرائض/ باب فرض الجدة والجدتين، حيدرآباد)

ترجمہ: امام مالک روایت کرتے ہیں یحییٰ بن سعید سے، وہ قاسم بن محمد سے، وہ فرماتے ہیں کہ دادی اور نانی دونوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنے پوتے اور ناتی کے ترکے میں حصے کے لیے آئیں، حضرت صدیق نے نانی کو ایک سُدُس دینا چاہا تو ایک انصاری نے عرض کی، حضور آپ دادی کو محروم کر رہے ہیں حالاں کہ اگر یہ دونوں فوت ہو جاتیں اور یہ لڑکا زندہ ہوتا جو ان کا ناتی، پوتا ہے تو وہ اپنی دادی کا وارث ہوتا (اور نانی کے ترکے سے محروم ہوتا) تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے درمیان سُدُس کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔

یہاں انصاری کا استدلال رائے وقیاس پر مبنی تھا کہ نانی اس مسئلے میں فوت ہوئی ہوتی تو یہ لڑکا ناتی ہونے کی حیثیت سے اس کا وارث نہ ہوتا اور دادی فوت ہوئی ہوتی تو اس کا وارث ہوتا تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکے کے فوت ہونے کی صورت میں جب نانی کو اس لیے اس کے ترکے سے حصہ مل رہا ہے کہ وہ اس کی جدّہ ہے تو دادی کو بھی ضرور اس کے ترکے سے حصہ ملنا چاہیے کہ وہ بھی اس کی جدہ ہے اور میت سے دونوں کی قرابت یکساں ہے اور دادی فوت ہوتی تو وہ اس کے ترکے سے حصہ بھی پاتا۔

الغرض حدیث کے الفاظ یہ ہوں یا وہ جو مسلّم الثبوت میں ہیں دونوں صورتوں میں حضرت صدیق اکبر نے ایک فقیہ کے قیاس کو تسلیم کر کے فیصلہ صادر فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے قیاس کو حجت تسلیم کیا۔ ۱۲ منہ

(۲) فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت(مترجما وملتقطا)، ج:۲، ص: ۳۷۶، ۳۷۷، الأصل الرابع : القياس/ مسئله: التعبُّد بتحصيل القياس والعمل بمقتضاه واقع، دار النفائس، الرياض.

فرقہ وہابیہ کا موقف:

اس کے برخلاف فرقہ وہابیہ کے اساطین اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، چناں چہ نواب وحید الزماں حیدر آبادی (م:۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) لکھتے ہیں:

● الإلهَامُ ليس بحجة شرعية... وكذلك الإجماعُ الظني والقياس.[۱]

ترجمہ: الہام حجت شرعی نہیں ہے۔۔۔یوں ہی اجماع ظنی اور قیاس بھی حجت شرعی نہیں۔

یہی نواب صاحب اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

الإلهَامُ ليس بحجة شرعية وكذلك الإجماع الظني والقياس.[۲]

ترجمہ: اور الہام دلیل شرعی نہیں یوں ہی اجماع ظنی اور قیاس بھی۔

نواب نور الحسن خاں بن نواب صدیق حسن خاں (م۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) لکھتے ہیں:

● اَدلۂ دین اسلام وملتِ حقۂ خیر الانام منحصر در دو چیز ست، یکے: کتاب عزیز ودیگر: سنت مطہرہ۔ وماورائے این دو ہر کدام حجت نیّرہ وبرہانِ قاطع نیست، وبریں گزشتہ اند خیر القرون از صحابہ وتابعین وتبع ایشاں باحسان۔[۳]

ترجمہ: دین اسلام اور خیر الانام ﷺ کی ملت حقہ کے دلائل دو چیزوں میں مُنحصر ہیں۔ **ایک** کتاب عزیز اور **دوسری** سنت مطہرہ۔ اور ان دو کے سوا کوئی بھی چیز حجتِ نیّرہ وبرہان قاطع نہیں ہے اسی پر خیر القرون-صحابہ وتابعین وتبع تابعین- کا عمل رہا ہے۔

لہٰذا اجماع وقیاس دلیل شرع نہ رہے۔

محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہابیہ غیر مقلدین کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ششم: مجتہد کا قیاس شریعت میں قابل اعتبار کے نہیں ہے، چناں چہ کتاب معیار الحق کے صفحہ ۷۹ میں اور اعتصام السنہ کے صفحہ ۳۶ میں مرقوم ہے۔[۴]

---

(۱) كنز الدقائق من فقه خير الخلايق، ص:۷، كتاب الإيمان، مطبع شوكة الإسلام، بينگلور.

(۲) نُزل الأبرار من فقه النبي المختار، ص:٦، كتاب الإيمان، سعيد المطابع، بنارس.

(۳) عرف الجادی من جنان هدي الهادي، ص:۳، مطبع صديقی، بهوپال.

(٤) جامع الشواهد، ص:١١، كتب خانه امجديه، بستي.

یہ بڑے بڑے علماے غیر مقلدین کی تصریحات ہیں جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں مگر ساتھ ہی درج بالا احادیث وآثار سے انحراف بھی کرتے ہیں کیوں کہ آپ نے گزشتہ صفحات میں جن احادیث کا مطالعہ کیا ہے ان سے مطلقاً قیاس کا حجت شرعی ہونا ثابت ہوتا ہے خواہ قیاس ظنی ہو یا قطعی، بلکہ حق یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے جو قیاسات منقول ہوئے وہ سب ظنی ہیں، یہاں تک کہ حضور سید عالم ﷺ نے ثبوت نسب کے لیے بھورے رنگ کے اونٹوں پر سیاہ فام لڑکے کا جو قیاس فرمایا ہے وہ بھی ظنی ہے۔

قیاس شرعی کی حیثیت دلیل ظنی کی ہے گو بعض اوقات یہ قطعی بھی ہوتا ہے۔[1]

قیاسِ مذموم سے اشتباہ نہیں ہونا چاہیے:

اب تک کی ساری گفتگو کا تعلق "قیاس شرعی" سے تھا جس کے لیے یہ لازم ہے کہ کوئی فقیہ مجتہد ہی شرائط معروفہ کی رعایت کے ساتھ یہ کارِ اہم انجام دے۔ اس کے مقابل ایک مذموم عمل بھی اسی سے ملتا جلتا پایا جاتا ہے جس پر بظاہر قیاس کا شبہہ ہوتا ہے اسے ہم "قیاس فاسد" اور "قیاس مذموم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس میں قیاس شرعی کے شرائط کی رعایت نہیں ہوتی۔ اس کو مختصراً یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جو قیاس کتاب وسنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو، ان کے موافق ہو وہ قیاس شرعی ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ قیاس مذموم ہے اس کو ایک واقعہ کی روشنی میں سمجھیے:

ایک شخص نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مسئلے پر دوسرے مسئلے کو قیاس کرتے ہوئے دیکھا، تو چلانے لگا کہ اس فاسق کو چھوڑ دو، سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے۔

امام صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے شخص تو نے بے محل کلام کیا، ابلیس نے

---

(۱) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(وحكمه) أي حكم القياس (ثبوت حكم الأصل في الفرع والظن به بعد النظر، لا القطع) به (وإن قطع بمقدماته ومراده) ... فإذا قطع بالعلّية وجب القطع البتة، واعتبر بدلالة النص، فإنها إنما توجب القطع لكون العلّة هناك مقطوعة إه ملتقطا. (ج:۲، ص:۳۰۷، الأصل الرابع: القياس).

منار ونور الانوار میں ہے:

والأصل الرابع: القياس .... المستنبط من هذه الأصول الثلاثة، ولم يقل: إن أصول الشرع أربعة، الكتاب والسنة والإجماع والقياس. ليكون تنبيها على أن الأصول الأوّل قطعية والقياس ظني. وهذا باعتبار الأغلب والأكثر وإلا فالعام المخصوص منه البعض وخبر الواحد ظني والقياس بعلة منصوصة قطعي. إه ملتقطا. (نور الأنوار، ص: ۷، ۸، مجلس البركات، مبارك فور)

اپنے قیاس کے زور سے امر الٰہی کو رد کیا جس کی صراحت قرآن شریف میں موجود ہے۔ اس لیے وہ کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے کیوں کہ ہم قرآن شریف، حدیث شریف اور فقہائے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم اتباع شرع کا قصد کرتے ہیں۔ تو ہم اور ابلیس ملعون دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ میں غلطی پر تھا، میں نے توبہ کی، اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو روشن کرے جس طرح آپ نے میرا دل روشن کیا۔ [1]

یا جیسے سود خوروں کا بیع پر سود کا قیاس، جس کا ذکر قرآن مقدس میں اس طرح ہے: ''قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا '' [2] بولے بیع ربا ہی کی مثل ہے، تو قرآن نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا '' [3] اور اللہ نے تو بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا۔

اس قیاس کی مذمت میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ترجمۃ الباب قائم کر کے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل کی ہے:

''علما کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جاہل لوگ بچ جائیں گے يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَاْيِهِم فَيَضِلُّوْنَ وَ يُضِلُّوْنَ۔ ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا تو وہ لوگ اپنی رائے و قیاس سے فتویٰ دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' [4]

ظاہر ہے کہ شرعی مسائل کے لیے جاہلوں کا قیاس مذموم ہی ہو گا، اب اگر یہی حکم کوئی فقہائے مجتہدین کے قیاسات شرعی پر بھی جاری کرے تو قطعاً قرین انصاف نہ ہو گا۔ قیاس فاسد پر گفتگو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، تاہم اس قدر بیان ناگزیر تھا تاکہ ہمارے قارئین آگاہ رہیں اور ایسے قیاس کی مذمت میں جو آثار وارد ہیں ان سے کسی کو تشابہ نہ لگے۔

---

(۱) جواهر البيان ترجمہ اردو الخیرات الحِسان، ص:۲۶، گیارہویں فصل بنائے مذہب امام کے بارے میں، مترجم: ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، استانبول، ترکی۔

(۲) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الأية: ۲۷۵.

(۳) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الأية: ۲۷۵.

(٤) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۰۸٦، كتاب الاعتصام/ باب ما يذكر من ذم الرای و تكلف القياس، مجلس بركات، مبارك فور.

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

فہرست جلد اوّل

نمبر شمار .... مضامین .... صفحہ نمبر

مقدمہ

پہلا باب : عقائد کے بیان میں

پہلا مسئلہ

امتناعِ کذبِ باری کا عقیدہ، کتاب و سنت کی روشنی میں

دوسرا مسئلہ

ختم نبوت، احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

تیسرا مسئلہ

امتناعِ نظیر، کتاب وسنت کی روشنی میں

چوتھا مسئلہ

تعظیم رسول ﷺ، کتاب وسنت کی روشنی میں

پانچواں مسئلہ

بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ اور مومنین کی عزّت

چھٹا مسئلہ

شفاعت، کتاب وسنت کی روشنی میں

ساتواں مسئلہ

علمِ غیبِ رسول، کتاب وسنت کی روشنی میں

آٹھواں مسئلہ

عقیدۂ حاضر و ناظر، کتاب و سنت کی روشنی میں

نواں مسئلہ

توسُّل ونِدا، احادیث کریمہ کی روشنی میں

دسواں مسئلہ

تصرفاتِ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام، کتاب وسنت کی روشنی میں

گیارھواں مسئلہ

شارع اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریعی اختیارات کے شواہد

بارھواں مسئلہ

مدینۂ منوّرہ کے حرم ہونے کے شواہد

تیرھواں مسئلہ

”اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول“ کہنا جائز ہے۔

چودھواں مسئلہ

مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی شناعت

پندرھواں مسئلہ

تقلیدِ عرفی کا وجوب، کتاب و سنت کی روشنی میں

سولھواں مسئلہ

اجماعِ امت، کتاب و سنت کی روشنی میں

ستر ہواں مسئلہ

فقہ کی چوتھی دلیل: قیاس شرعی، احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۔

(سورۃ الحشر:۵۹، الآیۃ:۷)

اور رسول تمھیں جو کچھ عطا فرمائیں وہ لو ● اور جس سے منع فرمائیں باز رہو ● اور اللہ سے ڈرو۔

احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف

(جلد دوم)

دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیاتِ قرآنی اور ۵۲۰ احادیث نبویہ کا
بیش بہا ذخیرہ، عام فہم تشریح اور دل نشیں استدلال کے ساتھ

تصنیف

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر

مجلس برکات

زیرِ انتظام: دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ

سلسلۂ اشاعت: ۹۰

احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف

(جلد دوم)

تصنیف : (مفتی) **محمد نظام الدین رضوی برکاتی**، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تصحیح و نظر ثانی : ● صدر العلماء حضرت مولانا **محمد احمد** مصباحی، ناظم تعلیمات وصدر مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ

: ● **محمد نظام الدین رضوی**، مصنف کتاب ● حضرت مولانا **محمد دست گیر عالم** مصباحی

: ● حضرت مولانا **محمود علی مشاہدی** مصباحی ● حضرت **مولانا محمد ہارون مصباحی**، (اساتذۂ جامعہ)

کمپوزنگ : مولانا محمد اسلم مصباحی، استاذ شعبۂ کمپیوٹر جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر : **مجلس برکات**، زیر انتظام دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

طبع اوّل : شعبان ۱۴۴۲ھ / مارچ ۲۰۲۱ء

تعداد : ۱۱۰۰ صفحات : ۴۲۴

ملنے کے پتے

(۱) **مجلس برکات**، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی-پن ۲۷۶۴۰۴

(۲) **مجلس برکات**، ۱۴۹ر گراؤنڈ فلور، کٹرا گوکل شاہ مارکیٹ، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-پن ۱۱۰۰۰۶

(1) MAJLIS-E-BARKAT

Al-Jamiatul Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh, U.P.
PIN : 276404, Mobile No.: 07237876095

(2) MAJLIS-E-BARKAT

149 Ground Floor Katra Gokul Shah Markat, Matiya Mahal,
Jama Masjid, Delhi, PIN : 110006. Mobile
No.:09911198459, 09990268735

انتساب

جملہ اساتذۂ کرام اور والدین کریمین

کے نام

جن کی تعلیم و تربیت اور دعاؤں کی برکت سے
مجھے اس خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

جزاھم اللہ تعالیٰ خیرا فی الدّارین.

محمد نظام الدین رضوی برکاتی

جلد دوم کے

ابواب، موضوعات اور دیگر مشمولات

ایک نظر میں

مقدمہ

تابشیں

تابش اول:

تابش دوم:

دوسرا باب

فروعی عقائد کے بیان میں

اٹھارھواں مسئلہ:

انیسواں مسئلہ:

بیسواں مسئلہ:

تیسرا باب

فروعی مسائل کے بیان میں

اکیسواں مسئلہ:

بائیسواں مسئلہ:

تیئیسواں مسئلہ:

چوبیسواں مسئلہ:

پچیسواں مسئلہ:

چھبیسواں مسئلہ:

ستائیسواں مسئلہ:

اٹھائیسواں مسئلہ:

انتیسواں مسئلہ:

تیسواں مسئلہ:

اکتیسواں مسئلہ:

بتیسواں مسئلہ:

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی له ما فی السماوات وما فی الأرض وهو الحکیم الخبیر • يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ • أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له فی ملکه ولا رادّ له فی قضائه ولا معقّب له فی حکمه • يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ • وهو علی کل شیء قدیر • وأشهد أن سیّدنا ونبینا ومولانا محمّداً عبده ورسوله وصفیّه من خلقه وحبیبه • بعثه الله رحمةً للعالمین • أرسله الله کافةً للناس بشیرًا ونذیرًا وداعیًا إلیه بإذنه وسراجًا منیرًا • يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ • يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ • يُخْرِجُ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ وَيَهْدِيهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ • فَمَنْ أَطَاعَهُ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا • وَمَنْ عَصَاهُ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَّعِيدًا • اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وأصحابِهٖ وأزواجِهٖ وذُرِّيَّاتِهٖ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ" وأخلصوا دينهم لله، وعلى الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.

مقدمہ

تابشیں

تابش اول

فقہی مذاہب پر فہمِ احادیث اور خیر القرون ومابعد کے رُواۃ کا اثر واقعات اور احادیث کے اجالے میں

علمی بے مائگی اور قلتِ مطالعہ کی بنا پر حدیث نہ ملے تو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اس مذہب پر کوئی حدیث نہیں، یا یہ حدیثِ نبوی کے خلاف ہے، یا یہ رسول اللہ سے اختلاف ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہمیں حدیث نہیں ملی، کیوں کہ تمام احادیثِ نبویہ پر ہماری نظر نہیں ہے۔

● پھر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ عہد رسالت سے قریب تھا جس کے باعث صرف چند رجال کے واسطے سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا سماع حدیث ثابت ہوتا ہے۔ وہ بھی ''رجالِ خیرُ القرون'' سے، جن میں خیر غالب تھا اور امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نیز دوسرے ائمہ محدثین بعد کے ہیں جن کا زمانہ عہدِ رسالت سے بعید ہے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا سماعِ حدیث زیادہ رجالِ حدیث کے واسطے سے ہوتا ہے تو یہ عین ممکن ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام رجال حفظ واتقان میں بلند پایہ ہونے کے

ساتھ اعلیٰ درجے کے عادل و تقویٰ شعار ہوں۔ اور بعد کے کسی راوی میں فسق و بدعت، یا سوء حافظہ، وغیرہ کی وجہ سے ضعف آجائے اس لیے بعد کے رجال و رُواۃ کے احوال کی بنا پر کوئی حدیث ضعیف قرار پائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عہدِ امام میں بھی وہ حدیث ضعیف ہو، لہٰذا جو حدیث بعد کے راوی یا رُواۃ کی وجہ سے ضعیف ہو اس کی بنا پر مذہبِ امام اعظم کو ضعیف کہنا بے جا ہوگا۔

● علاوہ ازیں احادیث باب تک فہم کی رسائی ● پھر فہم مراد اور اخذِ حکم میں اذہان کے تفاوت کا بھی کوئی موقف اختیار کرنے، نہ کرنے میں بڑا اثر ہوتا ہے، فقہی بصیرت کے ساتھ فروعی مسائل کا جائزہ لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ فقہا کسی جزئیہ کی دلیل میں حدیث ضعیف پیش کرتے ہیں کیوں کہ حکم جزئی کی صراحت اُس حدیث میں ہوتی ہے مگر اس کی بنیاد دراصل کسی حدیث کلّی پر ہوتی ہے اور وہ صحیح ہوتی ہے اور فقہا اسے مسلّمات سے ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کرتے، جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جانے کا مسئلہ۔ اور رفعِ یدین کے باب میں امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیقی گفتگو۔

اول حدیثِ باب تک فہم کی رسائی کی مثال ہے اور **دوم** حدیثِ باب سے فہم مراد و اخذِ حکم کی۔ ایسے جواہر پارے فقہ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں مسائل اسی باب میں آگے آ رہے ہیں، ان شاءاللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ سے تشفّی ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ:

● جو احادیث شریفہ مُدوّن ہوئیں وہ سب آج محفوظ نہیں۔

● جو محفوظ ہیں سب ہر جگہ، ہر ایک کے پاس موجود نہیں۔

● جو موجود ہیں ان سب کا استحضار نہیں۔

● استحضار بھی ہو تو کس حدیث سے، کیا کیا مسائل ثابت ہوتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں۔ کلمات کے معانی سمجھ لینا اور بات ہے اور کسی مسئلے پر ان کا انطباق اور بات، اس کے لیے تبادرِ ذہنی ضروری ہے جو کسی کم، و ہی زیادہ ہے۔

● پھر معانی کی تہوں میں کیا گہرائی ہے اس تک رسائی مقربانِ بارگاہ الٰہی کا حصہ ہے، مجتہدین کرام اس گہرائی تک پہنچنے کی پوری کوشش کرتے، اور خدائے کریم کی طرف سے اجر کے حق دار ہوتے ہیں، اب اللہ کی شان، کوئی گوہر صواب سے بامراد ہوتا ہے اور کوئی اپنے اجتہاد پر ہی شاد ہوتا ہے۔

ایسے حالات میں ہم جیسے لوگوں کا کسی مقربِ بارگاہ، مجتہد جلیل الشان، یا ان کے مذہب پر طعن یا تنقید بڑی بے جابات ہے۔

مجتہدین کرام پر تنقید کرنے والوں کی حیثیت اور حدیث وفہمِ حدیث کے درجات:

امام اہل سنت امام احمد رضا کی بصیرت افروز تحریر:

اس طرح کے فیصلے کرنے کے لیے کس قدر حزم واحتیاط چاہیے، اور کس قدر علم وافر کی ضرورت ہے اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوگا، امام اہل سنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنی کتاب "صَفائح اللُّجین" میں فرماتے ہیں:

"**رابعا:** ان حضرات کا دابِ کلی یہ ہے کہ جس امر پر اپنی قاصر نظر، ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل و بے ثبوت ہونے کا حکم لگا دیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بنا پر اسے ممنوع وناجائز ٹھہرا دیتے ہیں۔ پھر اس طوفان بے ضابطگی کا وہ جوش ہوتا ہے کہ اس اپنے نہ پانے کے مقابل علما و مشائخ کی تو کیا گنتی، حضرات ائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے ارشادات بھی پایہ اعتبار سے ساقط اور ان کے احکام کو بھی یونہی معاذاللہ باطل وغیر ثابت بتاتے ہیں۔ بڑے بڑے اکابر محدثین ایسی جگہ "لَمْ أَرَ، وَلَمْ أَجِدْ" پر اقتصار کرتے ہیں، یعنی: "ہم نے نہ دیکھی، ہمیں نہ ملی"، نہ کہ ان کی طرح عدمِ وجدان کو عدمِ وجود کی دلیل ٹھہرادیں۔

اب یہاں **پانچ درجات** ہیں:

درجۂ اول: : ائمہ حدیث نے اپنی مُصنَّفات میں تمام احادیث صحاح کے استیعاب کا التزام نہیں کیا:

صاحبو! [حُفّاظ حدیث] لاکھوں حدیثیں اپنے سینوں میں لے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ امام مسلم کو تین لاکھ، پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔ امام احمد کو دس لاکھ محفوظ تھیں مسند میں فقط تیس ہزار ہیں۔ خود شیخین وغیرہما ائمہ سے منقول کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے۔

اور اگر ادعاے استیعاب فرض کیجیے تو لازم آئے کہ

- افرادِ بخاری، امام مسلم کے نزدیک
- اور افرادِ مسلم، امام بخاری کے نزدیک
- اور "صحاحِ افرادِ سننِ اربعہ" دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں
- اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھایئے تو یونہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنھیں امام نسائی نے

مجتبیٰ میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیۂ صحت سے عاری ہوں۔ وھُوَ کَمَا تری.

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (روایت) ہے:

مَامِنْ أصْحَابِ النَّبِيِّ -صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أحَدٌ أكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّي إلَّا مَاكَانَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمرو فَإنَّهُ كَانَ يكتُبُ وَلَا أكْتُبُ.(۱)

(ترجمہ: اصحاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کسی کے پاس مجھ سے زیادہ حضور کی حدیثیں نہیں سوا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کہ وہ حدیثیں سن کر لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔)

دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاف فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے زیادہ احادیث روایت فرمائیں۔ حالاں کہ تصانیف محدثین میں ان کی حدیثیں ان کی احادیث سے بدرجہا کم ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف سات سو حدیثیں پائی گئیں اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچ ہزار تین سو، علامہ قسطلانی "ارشاد" میں ارشاد فرماتے ہیں:

يفهم منه جزم أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه- بأنه ليس في الصحابة أكثر حديثا عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ- منه إلا عبد الله بن عَمرو، مع أن الموجود عن عبد الله بن عَمرو أقل من الموجود المروي عن أبي هريرة بأضعاف؛ لأنه سكن مصر وكان الواردون إليها قليلا، بخلاف أبي هريرة فإنه

(۱) صحيح البخاری، ج:۱، ص:۲۲، كتاب العلم/ باب كتابة العلم، مجلس البركات، مبارك فور.

تشریح کلمات: • افرادِ بخاری: جو حدیثیں تنہا امام بخاری نے روایت کیں۔
- افرادِ مسلم: جو حدیثیں تنہا امام مسلم نے روایت کیں۔
- صحاحِ افرادِ سُنَن اربعہ: جو صحیح حدیثیں چاروں سُنَن -ابوداؤد وغیرہ- میں مروی ہوئیں۔
- متفق علیہ: جن حدیثوں کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کیا۔
- حلیۂ صحت سے عاری ہوں: یعنی صحیح نہ ہوں۔ ۱۲ محمد فضل الرحمٰن برکاتی

استوطن المدينة وهي مقصد المسلمين من كل جهة ورَوى عنه فيما قاله المؤلف نحو من ثمان مأة رجل و رُويَ عنه خمسة ألاف وثلاث مأة حديث ووجد لعبد الله سبع مأة حديث.[1]

(**ترجمہ:** اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بات پر جزم ویقین سمجھ میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی نے آپ سے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے، اس کے باجود حضرتِ عبداللہ بن عمرو کی مرویات، حضرت ابوہریرہ سے کئی گنا کم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو مصر میں سکونت پذیر تھے اور احادیث کریمہ کی تلاش و جستجو کرنے والوں کا ورود، وہاں بہت کم ہوتا تھا اس کے برخلاف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیام مدینہ منوّرہ میں تھا جو ہر چہار جانب سے مسلمانوں کا مرجع تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت ابوہریرہ سے تقریبًا آٹھ سو راویوں نے پانچ ہزار تین سو حدیثیں روایت کیں، جب کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی سات سو حدیثیں ملتی ہیں۔)

اب کہیے! حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ہزاروں حدیثیں کیا ہوئیں۔ اور کتب حدیث میں ان میں سے کتنی ہاتھ آئیں۔ بس اسی پر قیاس کرلیجیے اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ ائمۂ اربعہ خصوصا امام الائمہ، سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب پر اگر ان کتب میں حدیثیں نہ ملیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے مذہب پر واقع میں حدیث نہیں، بلکہ اگر بخاری و مسلم اور ان کے اَمثال تصریح بھی کردیں کہ فلاں مذہبِ امام ابوحنیفہ یا امام مالک پر کوئی حدیث نہیں تو بھی مُنصِف ذی عقل کے نزدیک ان کے پاک مبارک مذہبوں میں اصلا قادح نہیں ہو سکتا۔ آخر بخاری و مسلم کا علم محیط نہ تھا، کیا جو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور صحابہ نے امت مرحومہ تک پہنچایا ان سب کا علم بخاری و مسلم کو حاصل تھا۔ خود اِجلّۂ صحابہ کرام جو گاہ، بے گاہ (وقت، بے وقت) سفر و حضر میں دائمًا بارگاہِ عرش جاہ حضور رسالت پناہ علیہ وعلیہم صلواتُ اللہ میں حاضر رہتے یہاں تک کہ حضرات خلفاے اربعہ و حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہ دعوٰی نہیں کرسکتے تھے، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال پر ہمیں اطلاع ہے، کتب احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بعض باتیں ان حضرات

---

(۱) إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۰۶، كتاب العلم / باب كتابة العلم.

پر بھی خفی رہیں، تو پھر دوسروں کا کیا حال۔

پھر بخاری و مسلم وغیرہما کیوں کر علم کل کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ اگر وہ نفی کریں بھی، تو اس کا محصّل صرف اپنے علم کی نفی ہوگا یعنی ہمیں نہیں معلوم، پھر اس سے واقع میں حدیث نہ ہونا درکنار، یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ابوحنیفہ و مالک کو بھی اپنے مذہب پر حدیث نہ معلوم ہو، ان کا زمانہ، زمانۂ اقدس سے قریب تر تھا اور اس وقت تک زمانہ خیر القرون تھا۔ بوجہ قلتِ کذب و کثرت خیر سندیں نظیف اور وسائط کم تھے۔ (۱)

- یہ ممکن کہ جو حدیثیں ابوحنیفہ و مالک کے پاس تھیں بخاری و مسلم کو نہ پہنچیں۔
- ممکن کہ جو حدیثیں ان کے پاس بسندِ صحیح تھیں بخاری و مسلم تک بذریعہ روایت ضِعاف پہنچیں۔ پھر کیوں کر ان کا نہ جاننا اُن کے نہ جاننے پر قاضی ہوسکتا ہے۔

امام ابویوسف کا امام اعظم کی وسعت علم حدیث کا اعتراف:

امام اجل ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جنھیں محدثینِ اہل جرح و تعدیل بھی باآنکہ ان میں بہت کو حضرات حنفیہ کرام سے ایک تعنّت ہے تصریحاً صاحبِ حدیث، منصف فی الحدیث و اتبع القوم للحدیث لکھتے ہیں۔ بلکہ اپنے زعم میں امام الائمہ، امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی زیادہ محدث و کثیر الحدیث جانتے ہیں، امام ذہبی شافعی نے اس جناب کو حُفّاظ حدیث میں شمار اور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان: "الإمام العلّامة فقيه العراقيين" ذکر کیا)

یہ ارشاد فرماتے ہیں:

"بارہا ہوتا کہ امام ایک قول ارشاد فرماتے جو میری نظر میں حدیث کے خلاف ہوتا، میں

---

(۱) واقعہ یہ ہے کہ واسطہ جس قدر کم اور شمع رسالت سے قرب جس قدر زیادہ ہو حدیث کی صحت کا ظن، جزم و یقین سے قریب تر ہوتا جاتا ہے اور جب واسطہ ہی نہ رہ جائے تو حدیث قطعی ہوتی ہے، مثلاً امام عامر شعبی یا امام حسن بصری، رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کریں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، تو ان ائمہ کرام اور شمع رسالت کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور حدیث اعلیٰ درجے کی صحیح ہے اور مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے روبرو ہوکر سنا تو یہ حدیث ان کے حق میں قطعی ہے **مگر جب وسائط زیادہ ہوں** تو بعد کے کسی واسطہ یا راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے وہی حدیثِ قطعی اور حدیثِ صحیح ضعیف ہوسکتی ہے تو بعد کے ضعف کی وجہ سے امام شعبی، امام حسن بصری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے استناد کو ضعیف یا مرجوح نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ۱۲ منہ

جانبِ حدیث جھکتا۔ بعد تحقیق معلوم ہوتا کہ حضرت امام نے اس حدیث سے فرمایا ہے جو میرے خواب میں بھی نہ تھی"۔

امام ابن حجر مکی شافعی "خیرات الحسان" میں فرماتے ہیں:

عن أبي يوسف ما رأيتُ أحدا أعلمَ بتفسير الحديث ومواضع النُّكَت التي فيه من الفقه من أبي حنيفة، وقال أيضا: ماخالفتُه في شيء قط فتدبَّرتُه إلا رأيتُ مذهبَه الذي ذهب إليه أنجى في الآخرة. وكنت ربما ملت إلى الحديث فكان هو أبصر بالحديث الصحيح منّي.

وقال: كان إذا صمَّم على قولِهِ دُرتُ على مشايخ الكوفة، هل أجد في تقوية قولِهِ حديثا أو أثرًا، فربما وجدتُ الحديثين والثلاثة، فأتيته بها، فمنها ما يقول فيه: هذا غير صحيح أو غير معروف، فأقول له: وما علمك بذٰلك مع أنه يوافق قولك، فيقول: أنا عالم بعلم أهل الكوفة.(1)

(**ترجمہ:**) حضرت امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ

میں نے احادیث کی تشریح اور ان سے فقہی احکام کی تخریج و نکتہ آفرینی میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا،

● نیز انھوں نے فرمایا:

میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا، پھر میں اس میں غور و خوض کرتا تو مجھے یہی محسوس ہوتا کہ آخرت میں نجات دینے والا وہی مذہب ہے جسے امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ مجھ سے زیادہ حدیثوں پر ان کی نظر تھی۔

● نیز فرمایا:

جب وہ کسی قول پر مضبوطی سے قائم ہوجاتے تو میں کوفہ کے مشائخ کے پاس اس غرض سے حاضر ہوتا کہ اس قول کی تقویت میں مجھے کوئی حدیث یا اثر ملے تو بسا اوقات مجھے دو، تین حدیثیں مل

(۱) الخيرات الحسان، الفصل الثلاثون: في سنده في الحديث، ص: ١٤٣، ايچ ايم سعيد كمپني، كراچي.

جاتیں، میں ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتا۔ وہ فرماتے: ''اس میں یہ حدیث صحیح نہیں ہے، یا غیر معروف ہے۔'' میں عرض کرتا حضور! یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا حالاں کہ یہ حدیثیں تو آپ کے قول کی تائید میں ہیں۔ تو فرماتے کہ ''میں علمائے کوفہ کے علم سے واقف ہوں۔'')

ایک درجہ تو یہ ہوا۔

درجۂ دوم: حدیث کی صدہا کتابیں بے نشان ہو گئیں:

اب جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمائیے، کتنی باقی ہیں، صدہا کتابیں کہ ائمہ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہو گئیں اور یہ آج سے نہیں ابتدا ہی سے ہے۔ امام مالک کے زمانے میں اَسّی (۸۰) علما نے ''موطا'' [کے نام سے حدیث کی کتابیں] لکھیں، پھر سوائے موطائے مالک و موطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتا باقی ہے۔

امام مسلم کے زمانے کو ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری صاحبِ مستدرک کے زمانے سے ایسا کتنا فاصلہ تھا۔ پھر بعض تصانیفِ مسلم کی نسبت امام ابن حجر نے حاکم سے نقل کیا کہ معدوم ہیں، وعلی ھذا القیاس صدہا، بلکہ ہزارہا تصانیفِ ائمہ کا کوئی نشان نہیں دے سکتا، مگر اتنا کہ تذکروں اور تاریخوں میں نام لکھا رہ گیا۔

درجۂ سوم: ہر لائبریری میں تمام کتب حدیث فراہم نہیں:

اس سے بھی گزریے، جو کتابیں باقی رہیں ان میں سے اس خراب آباد ہند میں کتنی پائی جاتی ہیں ذرا کوئی حضرت غیر مقلد صاحب اپنے یہاں کی کتب حدیث کی فہرست تو دکھائیں کہ معلوم ہو کہ کس پونجی پر یہ اونچا دعویٰ ہے۔

درجہ چہارم: موجودہ کتب حدیث پر وہابی مدعیان حدیث کی نظر کہاں تک ہے:

اب سب کے بعد یہ فرمائیے کہ جو کتابیں ہندوستان میں ہیں ان پر حضرات مدعیین کو کہاں تک نظر ہے اور ان کی احادیث کس قدر محفوظ ہیں۔

سبحان اللہ! کیا صرف اتنا کافی ہے کہ جو مسئلہ پیش آیا اسے خاص، اسی کے باب میں دو چار کتابوں میں جو اپنے پاس ہیں دیکھ بھال لیا اور اپنے زعم میں کوئی حدیث نہ ملی تو بے ثبوت ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

جان برادر! بارہا واقع ہو گا کہ اس مسئلہ کی حدیث انھیں کتابوں میں ملے گی اور آپ کی نظر اس پر نہ پہنچے گی کہ **اول:** تو ہر مطلب کے لیے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہ کیے اور **ثانیاً** جس کے

لیے وضع کیے ان کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوں گی جو بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں لکھ آئے یا لکھیں گے اور یہاں بخیالِ تکرار ان کے اعادہ واثبات سے باز رہے۔

راویان حدیث کا حصر ممکن نہیں:

جان برادر! حصر رُواۃ ممکن نہیں، حصر روایات کیوں کر ممکن[١]۔ ابراہیم بن بکر شیبانی کے ذکر میں امام ابن الجوزی نے کہا:

إبراهيم بن بكر في الرُّواة ستةٌ لا أعلم فيهم ضعفا سوٰى هذا.[٢]

(ترجمہ: ابراہیم بن بکر نام کے چھ راوی ہیں۔ میں ان میں سے کسی میں ضعف نہیں جانتا، سوا ابراہیم بن بکر شیبانی کے۔)

اس پر امام ذہبی جیسے جلیل القدر، عمدۃ الفن، امام الشان نے فرمایا:

لوسمّاهم لَأفَادَنا فما ذكر ابنُ أبي حاتم منهم أحدا.[٣]

اگر ان سب کا تذکرہ فرمادیتے تو ہمیں فائدہ بخشتے کہ ابن ابی حاتم نے تو ان میں سے ایک کا بھی ذکر نہ کیا۔

محدثین کرام کے ذہول کی چند مثالیں:

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام نے -جن کی جلالتِ قدر آفتاب نیم روز سے اظہر- جب بعض احادیث کہ مشائخِ کرام نے ذکر کیں نہ پائیں تو یوں فرمایا:

لعلَّ قُصُور نظرنا أخفاها عنّا.[٤]

(شاید ہماری نظر کی کمی نے انھیں ہم سے مخفی رکھا۔)

---

(١) **حصرِ رُوَاۃ:** تمام راویوں کی پوری تعداد کا احاطہ: عموماً ایک راوی حدیث، مثلاً: چالیس، پچاس، یا کم وبیش حدیثیں روایت کرتا ہے تو راویوں کی تعداد روایتوں سے بہت کم ہوئی، اور سارے راویوں کو شمار نہیں کرسکتے تو ساری روایتوں کو کیسے شمار کرسکتے ہو۔ محمد فضل الرحمٰن برکاتی۔

(٢) ميزان الاعتدال عن ابن الجوزي، ج:١، ص:٢٤، رقم الترجمة: ٥٦، دار المعرفة، بيروت.

(٣) ميزان الاعتدال عن ابن الجوزي، ج:١، ص:٢٤، رقم الترجمة: ٥٦، دار المعرفة، بيروت.

(٤) ميزان الاعتدال عن ابن الجوزي، ج:١، ص:٢٤، رقم الترجمة: ٥٦، دار المعرفة، بيروت.

دیکھو! علما، یوں فرماتے ہیں، اور تمھارے دعوے کتنے طویل وعریض ہوتے ہیں۔

حدیث : اختلافُ أُمتي رحمة.(۱)

(**ترجمہ:** میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔)

امام جلال الدین سیوطی جیسے حافظِ جلیل نے کتاب "جامع صغیر" میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتا سکے کہ کس محدث نے اپنی کتاب میں روایت کی تو ان بعض علما کے نام لکھ کر جنھوں نے بے سند اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا لکھ دیا کہ:

لعلّه خُرّج في بعض كتب الحفّاظ التي لم تصل إلينا.(۲)

(**ترجمہ:** شاید یہ حُفّاظِ حدیث کی بعض کتابوں میں تخریج کی گئی ہو جو ہمیں دست یاب نہ ہو سکیں۔)

یہ وہ امام ہیں کہ فن حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا، جنھوں نے کتاب "جمع الجوامع" تالیف فرمائی اور اس کی نسبت فرمایا:

قصدتُ فيه جَمعَ الأحاديث النبوية بأسرها.(۳)

(**ترجمہ:** میں نے ارادہ کیا کہ اس میں تمام احادیث نبویہ جمع کر دوں۔)

اس پر بھی علما نے فرمایا:

هذا بحسب ما اطلع عليه المصنف، لا باعتبار ما في نفس الأمر، قاله المناوي.(٤)

(**ترجمہ:** یہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں، نہ یہ کہ واقع میں جس قدر حدیثیں ہیں سب کو جمع کرنا مقصود ہے-مناوی-)

وہ اپنے نہ پانے پر یوں فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ان کتب ائمہ میں تخریج ہوئی جو ہمیں نہ ملیں۔

اور پھر یہ دیکھیے کہ ہُوا بھی ایسا ہی، عبارت مذکورہ کے بعد علامہ مناوی صاحبِ "تیسیر شرح

---

(۱) الجامع الصغير للسيوطي، ج:۱، ص: ۲٤، رقم الحديث: ۲۸۸، دار الكتب العلمية.

(۲) الجامع الصغير للسيوطي، ج:۱، ص: ۲٤، رقم الحديث: ۲۸۸، دار الكتب العلمية.

(۳) الجامع الصغير للسيوطي، ج:۱، ص:٥، خطبة المؤلف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(٤) التيسير شرح جامع الصغير، ج:۱، ص:٥، خطبة المؤلف، مكتبة الإمام الشافعي، رياض.

جامع صغیر" نے لکھ دیا کہ الأمرُ کذٰلِكَ [۱] یعنی واقع ایسا ہی ہے۔ پھر اس کی تخریج بتائی کہ بیہقی نے مدخل اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کی۔[۲] اور اس حدیث کی سند پر نہ صرف امام سیوطی بلکہ اکثر ائمہ کو اطلاع نہ ہوئی، امام خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

زعم كثيرٌ من الأئمّة أنه لا أصل له.

ترجمہ: بہت سے اماموں نے یہی زعم کیا کہ اس کے لیے کوئی سند نہیں۔

پھر امام عسقلانی نے اس کی بعض تخریجیں ظاہر فرمائیں۔

● **حدیث:** الوضوءُ على الوضوء نورٌ على نورٍ [۳] کی نسبت امام عبدالعظیم منذری نے کتاب "الترغیب" اور امام عراقی نے "تخریج احادیث الاحیاء" میں تصریح کردی کہ لم نقف علیه ہمیں اس پر اطلاع نہیں۔ حالاں کہ وہ مسند امام رزین میں موجود۔

تیسیر میں ہے:

حديث "الوضوءِ على الوضوء نورٌعلى نورٌ" أخرجه رزين ولم يطلع عليه العراقي كالمنذري، فقالا: لم نقف عليه. [٤]

(ترجمہ: حدیث "وضو پر وضو کرنا نور بالائے نور ہے۔" کی تخریج امام رزین نے کی ہے اور منذری کی طرح عراقی بھی اس پر مطلع نہ ہو سکے، اس لیے دونوں نے کہا ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔)

● **اس سے عجیب تر سنیے:**

حدیثِ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ انھوں نے رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر زانوؤں کے

---

(١) التيسير شرح جامع الصغير، ج:١، ص:٤٩، مكتبة الإمام الشافعي، رياض.

(٢) ● المدخل إلى السُنن الكبرى للبيهقي، ج:١، ص: ١٤٧، باب أقاويل الصحابة إذا تفرّقوا فيها إلخ، مكتبة أضواء السلف، الرياض.

● الفردوس بمأثور الخطاب، ج:٤، ص: ١٦٠، فصل/ رقم الحديث: ٦٤٩٧، دار الكتب العلمية، بيروت، رواهٗ عن ابن عباس، قال: قال رسول الله –صلى الله تعالى عليه وسلم–: إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء، فأيما أخذتم به اهتديتم، **واختلاف أصحابي لكم رحمة**. ١٢ منه

(٣) الترغيب والترهيب، ج:١، ص: ١٦٣، الترغيب في المحافظة على الوضوء، مصطفى البابي، مصر.

(٤) التيسير شرح الجامع الصغير، ج:١، ص:٤١١، ٤١٢، مكتبة الإمام الشافعي، رياض.

بیچ میں رکھے اور بعدِ نماز فرمایا:

ھٰکذا فَعلَ رسولُ الله -صلّی الله تعالیٰ علیه وسلَّمَ-.

(ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔)

اس کی نسبت امام ابو عمر بن عبد البَر نے فرمایا: نبی ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ محدثین کے نزدیک صرف اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ اور امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تو کتاب "الخلاصۃ" میں سخت ہی تعجب خیز بات واقع ہوئی کہ فرمایا صحیح مسلم شریف میں بھی صرف اسی قدر ہے کہ ابن مسعود نے ایسا کیا اور یہ نہیں کہ: ھٰکذا فعلَ رسولُ الله -صلی الله تعالیٰ علیه وسلم- حالاں کہ بعینہٖ یہی الفاظ صحیح مسلم میں موجود، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

فی صحیح مسلم: عن علقمة والأسود، أنهما دخلا علیٰ عبدالله، فقال: اَصَلّٰی مَن خَلفكُمْ؟ قالا: نعم، فقام بینهما، فجعل أحدهما عن یمینه والاٰخر عن شماله ثم رکعنا فوضعنا أیدینا علی رُکَبنا. ثم طبّق بین یدیه ثم جعلهما بین فخذیه، فلما صلّی قال: ھٰکذا فعل رسول الله -صلی الله تعالیٰ علیه وسلَّمَ-.[1]

قال ابن عبد البر: لایصح رفعه والصحیحُ عندهم الوقف علیٰ ابن مسعود -رضی الله تعالی عنه-. وقال النووي في الخلاصة: الثابت في صحیح مسلم أن ابن مسعود فعل ذٰلك ولم یقل: "ھٰکذا کان رسول الله -صلی الله تعالی علیه وسلم- یفعله."

قیل: کأنهما ذهلا. فإنّ مسلما أخرجه من ثلٰث طرق لم یرفعه في الأولین ورفعه في الثالثة وقال: ھٰکذا فعل، إلخ.[2]

(ترجمہ: صحیح مسلم میں حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے کہ یہ دونوں حضرات حضرت

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: ۲۰۲، کتابُ المساجد ومواضع الصّلاة/ باب الندب إلیٰ وضعِ الأیدي علی الرُّکبِ في الرّکوع ونسخِ التّطبیق، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) فتح القدیر، ج:۱، ص: ۳۰۸، کتاب الصلاة/ باب الإمامة.

عبداللہ بن مسعود کے پاس آئے، تو انھوں نے پوچھا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے، تو انھوں نے عرض کی ہاں، پھر وہ دونوں کے بیچ میں کھڑے ہو گئے ایک کو داہنی طرف کیا اور دوسرے کو بائیں طرف، پھر جب رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور حضرت ابن مسعود نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا: ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے کیا۔[1]

● امام ابن عبد البَر نے کہا: سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے اس حدیث کی روایت صحیح نہیں، محدثین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے۔

● امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ صحیح مسلم میں یہ روایت ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔

اس پر کلام یہ ہوا کہ ان دونوں حضرات سے ذہول ہو گیا کیوں کہ امام مسلم نے تین طریقوں سے یہ حدیث تخریج کی ہے، پہلی دو حدیثیں مرفوع نہیں۔ البتہ تیسری حدیث انھوں نے حضور ﷺ سے مرفوعاً بیان کی ہے اور یہ فرمایا ہے: سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اسی طرح کیا۔)

میں یہاں اگر اس کی نظیریں جمع کرنے پر آؤں کہ خبر و حدیث میں مشہور و متداول کتابوں یہاں تک کہ خود صحاح ستہ سے اکابر محدثین کو کیسے کیسے ذہول واقع ہوئے ہیں تو کلام طویل ہو جائے، بعض مثالیں اس کی فقیر نے اپنے رسالہ "نور عيني في الانتصار للإمام العيني" میں لکھیں، یہاں مقصود اسی قدر کہ مدعی آنکھ کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمالِ علم و احاطۂ نظر کا دعویٰ ہے۔

● کیا ان ائمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟

● کیا نہیں ممکن کہ حدیث انھیں کتابوں میں ہو اور تمھاری نظر سے غائب رہے؟

● مانا کہ ان کتابوں میں نہیں کیا سب کتابیں تمھارے پاس ہیں؟

● ممکن کہ اُن کتابوں میں ہو جو اور بندگانِ خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں۔

● مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا اسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں، ممکن کہ اُن کتابوں میں ہو جو معدوم ہو گئیں۔

---

(۱) یہ حدیث منسوخ ہے، اس کی ناسخ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صریح ہے:

وخالفهم جميع العلماء من الصحابة فمن بعدهم إلى الآن.

شرح صحيح مسلم للإمام النووي، ج:۱، ص: ۲۰۲، باب الندب، مجلس البركات. ۱۲ منه

● مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج ہوگئی تھیں؟ — ممکن کہ اُن احادیث میں ہو جو علما اپنے سینوں میں لے گئے،

پھر اپنے نہ پانے کو، نہ ہونے کی دلیل سمجھنا اور عدمِ علم کو علم بالعدم ٹھہرا لینا کس قدر بے جا ہے۔

خاص نظیر اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز اپنی کوٹھری کی چار دیواری میں ڈھونڈھ کر بیٹھ رہے اور کہہ دے ہم تلاش کر چکے، تمام جہاں میں کہیں نشان نہیں، کیا اس بات پر عُقلا اسے مجنون نہ جانیں گے۔

درجہ پنجم: فہم حدیث کا درجہ بہت بلند ہے:

ان سب سے گزر یئے تمام جہاں کی اگلی پچھلی سب کتبِ حدیث آپ کی الماری میں بھری ہیں اور ان سب کے آپ پورے حافظ ہیں، آنکھیں بند کر کے ہر حدیث کا پتا دے سکتے ہیں پھر حافظ جی، یہ تو طوطے کی طرح ''حق اَللہ''، ''پاک ذات اَللہ کی'' یاد ہوئی۔ فہم حدیث کا منصبِ ارفع واعظم کدھر گیا۔ لاکھ بار ہوگا کہ ایک مطلب کی حدیث انھی احادیث میں ہوں گی جو آپ کو برزبان یاد ہیں اور آپ کی خواب میں بھی خطرہ نہ گزرے گا کہ اس سے وہ مطلب نکلتا ہے۔ آپ کیا اور آپ کے علم وفہم کی حقیقت کتنی۔ اجلۂ محدثین یہاں آکر زانوٹیک دیتے ہیں اور فقہاے کرام کا دامن پکڑتے ہیں۔

حفظِ حدیث اور ہے، فہم حدیث اور:

حفظِ حدیث فہم حدیث کو مستلزم ہوتا تو حضور پرنور سید عالم ﷺ کے اس ارشاد کے کیا معنی تھے:

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ. وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ. (۱)

بہتیرے حاملان فقہ ان کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو اُن سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں۔ اور بہتیرے وہ ہیں کہ فقہ کے حامل وحافظ وراوی ہیں مگر خود اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔

رواه الأئمةُ ● الشافعي ● وأحمد ● والدارمي ● وأبو داؤد ● والترمذي وصحّحه ● والضياء في المختارة ● والبيهقي في المدخل عن زيد بن ثابت ● والدارمي عن جبير بن مطعم -رضى الله تعالى عنهما- ● ونحوه لأحمد و الترمذي ● وابن حبان عن ابن مسعود -رضى الله تعالى عنه- عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- بسند صحيح ● وللدارمي عن أبي الدرداء -رضي الله تعالى عنه-، عن النبي

---

(۱) ● مسند الإمام شافعي ● مسند الإمام أحمد بن حنبل ● سنن الدّارمي ● سنن أبو داؤد ● جامع الترمذي ● المختارة للإمام الضياء ● المدخل للإمام البيهقي ● صحيح ابن حبان .

-صلى الله تعالى عليه وسلم-.

(ترجمہ: اس حدیث کو امام شافعی، امام احمد، امام دارمی، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ اور ضیاء نے مختارہ میں اور بیہقی نے مدخل میں حضرت زید بن ثابت سے اور دارمی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اور اسی کے ہم معنی امام احمد و امام ترمذی کی روایت ہے۔ اور امام ابن حبان نے حضرت ابن مسعود سے اور انھوں نے بسند صحیح رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ اور دارمی نے حضرت ابودردا سے اور انھوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔)

امام اعظم کے تعلق سے امام اعمش کا ارشاد:

ذرا خدا کے لیے آئینہ لے کر اپنا منہ دیکھیے! اور امام اجل سلیمان اعمش کا علم غزیر و فضلِ کبیر خیال کیجیے جو خود حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد جلیل الشان اور اجلۂ ائمہ تابعین اور تمام ائمہ حدیث کے اساتذۃ الاساتذہ سے ہیں۔ امام ابن حجر مکی شافعی کتاب "خیرات الحسان" میں فرماتے ہیں:

کسی نے ان امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے ہمارے امام اعظم، سراج الامہ سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ اس زمانے میں انھی امام اعمش سے حدیث پڑھتے تھے۔) حاضرِ مجلس تھے۔ امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام اعظم سے پوچھے، امام نے فوراً جواب دیے۔ امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے ـــ فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں۔ اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرمائیں۔ امام اعمش نے کہا:

حسبُك ماحدّثتُك به في مائة يوم، تُحدّثني به في ساعة واحدة، ماعلمتُ أنك تعمل بهذه الأحاديث، يا معشر الفقهاء أنتم الأطباء ونحن الصيادلة وأنتَ أيها الرجل أخذتَ بكلا الطرفين. [1]

(ترجمہ: بس کیجیے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں، آپ ایک گھڑی میں مجھے سنائے دیتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں پر یوں عمل کرتے ہیں۔ اے گروہِ فقہا! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے فقہ و حدیث دونوں کنارے لیے۔ (یعنی دونوں کے جامع ہو))

عظیم محدث امام عامر شعبی کا ارشاد: "ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں":

یہ تو یہ، خود ان سے بھی بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ اکرم و اقدم، امام عامر شعبی جنھوں نے

---

(١) الخيرات الحسان، ص: ١٤٤، الفصل الثلاثون: في سنده في الحديث، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی.

پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا،

- حضرت امیر المومنین مولی علی
- وسعد بن ابی وقاص
- وسعید بن زید
- وابو ہریرہ
- وانس بن مالک
- وعبداللہ بن عمر
- وعبداللہ بن عباس
- وعبداللہ بن زبیر
- وعمران بن حصین
- وجریر بن عبداللہ
- ومغیرہ بن شعبہ
- وعدی بن حاتم
- وامام حسن
- وامام حسین
- وغیرہم

بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ ہیں، جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں "بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس سے زائد نہ ہو"، ایسے امام والا مقام باآں جلالت شان فرماتے:

إنا لسنا بالفقهاء ولكنّا سمعنا الحديث فروينا للفُقهاء من إذا علم عمل.[1]
ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں، ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کریں گے۔

نقله الذهبي في تذكرة الحفّاظ."[2]

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تدوین حدیث، حفاظت حدیث، حفظِ حدیث، اور فہم حدیث کا جو حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا ہے وہ علمائے غیر مقلدین کی تفہیم واصلاح کے لیے کافی ہے، خدا کرے وہ ان قیمتی افادات کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔

---

(۱) صفائح اللُّجَين في كون التّصافح بكفّي اليَدَين، ص: ۳۵ تا ص:۴۹، رضا اکادیمی، مومبائی، قدرے تشریح وتصرف کے ساتھ۔

(۲) تذكرة الحفاظ، ج:۱، ص: ۷۹، ترجمة عامر بن شراحيل الشعبي، دائرة المعارف، حيدر آباد.

تابش دوم

اجتہادی مسائل میں اہل سنت کا موقف

احادیث نبویہ کی روشنی میں

احادیث نبویہ سے شغف رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ایک باب، بلکہ ایک مسئلے کی حدیثیں بھی مختلف الاحکام ہوتی ہیں کیوں کہ کبھی حدیثیں ہی مختلف ہوتی ہیں اور کبھی ایک ہی حدیث میں کئی طرح کے احتمالات ہوتے ہیں اور یہ اختلاف فی الواقع کوئی تعارض نہیں ہوتا، بلکہ اختلاف اَدوار، و اَحوال و اَسباب یا پھر اختلافِ روایات وکلمات کی بنا پر ہوتا ہے اور اربابِ فقہ و اجتہاد کسی دلیل شرعی کی بنا پر انھی احادیث وروایات میں سے کسی ایک کو اختیار فرماتے ہیں، ان کے مذہب کی بنیاد کسی نہ کسی حدیث یا روایت پر ہوتی ہے، مذاہبِ اربعہ-حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی-کی یہی شان ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی کسی کو حدیث کا منکر نہیں سمجھتا، نہ اس طرح کے اختلاف کو ''رسول اللہ سے اختلاف'' جانتا ہے، بلکہ یہ حضرات، سب کو مستحقِ اجر مانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ چاروں مذاہب کو حق سمجھا جاتا ہے۔ تو ان مذاہب میں سے کسی مذہب یا اس کے کسی جُزیے کو رسول اللہ سے اختلاف سمجھنا، یا اختلاف قرار دینا احادیثِ صحیحہ اور ائمہ ہُدیٰ کے اجماعی موقف کے خلاف روش اپنانا ہے، جو ضروریاتِ اہل سنت کے خلاف ہے۔

مجتہد، صواب پر دو اجر کا اور خطا پر ایک اجر کا حق دار ہوتا ہے:

حضور سید عالم ﷺ نے فقیہ مجتہد کو مطلقاً اجر کی بشارت دی ہے کہ اجتہاد بہت ہی اہم کارِ دین ہے۔

(۱) حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّه سَمِعَ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلَّمَ- يَقُولُ: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ

فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ. (۱)

(۲) قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَبَا بَكْرِ بْنَ محمّد بن عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ: هٰكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. (۲)

(۳) وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ - صلّى الله عليه وسلّم - مِثْلَهُ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ جب حاکم کوئی فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور وہ اجتہاد درست ہو تو اس کے لیے دو اجر و ثواب ہیں۔ اور جب حاکم کوئی فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور اجتہاد میں خطا ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر و ثواب ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی یزید بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث اسی طور پر بیان کی۔

اور امام بخاری نے تعلیقاً یہ حدیث بیان کی کہ عبد العزیز بن مطلب نے بتایا کہ عبد اللہ بن ابو بکر نے ابو سلمہ تابعی سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انھی الفاظ سے یہ حدیث روایت کی۔

دو باتوں سے آگاہ و خبر دار رہیں

یہاں دو باتوں سے آگاہ اور خبر دار رہنا بہت ہی ضروری ہے تاکہ راہ حق سے قدم پھسلنے نہ پائیں:

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۹۲، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم إذا اجتهد، فأصاب أو أخطأ، مجلس البركات، مبارك فور.

❊ والصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۷٦، كتاب الأقضية/ باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، مجلس البركات، مبارك فور.

❊ وسنن ابن ماجه، ص: ۲٤۹، كتاب الأحكام/ باب الحاكم يجتهد فيصيب الحق، رقم الحديث: ۲۳۱٤.

❊ و سنن أبي داؤد، ص: ۳۹٦، كتاب الأقضية/ بابٌ في القاضي يخطي، رقم الحديث: ۳۵۷٤، بيت الأفكار الدولية.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۹۲، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم إذا اجتهد، مجلس البركات.

(۳) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۹۲، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم إذا اجتهد، مجلس البركات.

(۱) ثواب کی بشارت مجتہد کے لیے ہے، عامی کے لیے نہیں

"اجتہاد" کا لفظ شاہد ہے کہ حکمِ صحیح تک رسائی پر دونا ثواب اور خطا کی صورت میں اجتہاد کے بدلے ایک ثواب فقیہ مجتہد کے ساتھ خاص ہے، ایسا نہیں کہ کوئی بھی عالم اجتہاد شروع کر دے اور اس اجرِ خاص کا حق دار ہو جائے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وقال ابن المنذر: وإنما يؤجر الحاكم إذا أخطأ إذا كان عالمًا بالاجتهاد، فاجتهد. فأما إذا لم يكن عالما فلا.[1]

ترجمہ: امام ابن المنذر فرماتے ہیں کہ حاکم کو خطا کی صورت میں اجر صرف اس وقت ملے گا جب وہ عالم مجتہد ہو، اور عالم مجتہد نہ ہو تو وہ اجر کا حق دار نہیں۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نااہل کو اجتہاد جائز نہیں۔ واضح ہو کہ عرصۂ دراز سے مجتہد ناپید ہیں اور آج کوئی مجتہد نہیں پایا جاتا، اس لیے آج کے دورِ آزادی میں کوئی اجتہاد کرے یا خود کو مجتہد بتائے تو وہ قطعًا لائقِ اعتنا نہیں۔[2]

(۲) اجماعی مسائل میں اختلاف اجتہاد نہیں نفسانیت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اجماعی قطعی مسائل میں اختلاف کرے تو وہ بھی اجر کا حق دار نہ ہوگا کہ یہ اختلاف اجتہاد کی بنا پر نہیں، بلکہ نفسانیت اور فکری فساد کی بنا پر ہے اور ایسے عمل پر اجر نہیں، گناہ مرتب ہوتا ہے۔

فقیہ محقّق کو بھی اجر کی بشارت:

ہاں جو فقہا مجتہد نہ ہوں، لیکن کتاب و سنت اور کتبِ مذہب کے وسیع مطالعہ، دقّتِ نظر اور حالاتِ زمانہ سے آگاہی، وغیرہ کی بنا پر منصبِ تحقیق پر فائز ہوں اور وہ کتاب و سنت کے اطلاقات و عموم اور کلیاتِ غیر مخصوصہ و دلالۃ النص اور محکماتِ ظاہرہ اور سننِ متوارثہ یا متواترہ یا اپنے مذہبِ

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج: ١٦، ص: ٥٥٦، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم، دار الفكر بيروت.

(۲) "مجتہد" کون ہے، اس کی وضاحت امام اہل سنت نے اپنی کتاب: "الفضل الموهبي في معنى إذا صح الحديث فهو مذهبي" میں کی ہے۔ تحقیق اور تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ۔

مہذب کی تصریحات وتلویحات سے پوری تحقیق کے بعد احکام بیان کریں وہ بھی اجر کے حق دار ہیں، اور یہاں بھی وہی تفصیل ہے کہ "تحقیقِ حق" ہو تو دونا اجر ملے گا، ورنہ صحیح حکم شرعی کی جستجو وتحقیق کی کوشش پر ایک اجر ضرور ملے گا۔

حدیث نبوی میں اس کی بھی رہنمائی کی گئی ہے:

(۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقع - رَضِيَ الله عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله - صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : «مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَأَدْرَكَهُ كَانَ لَهُ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ، فَإِنْ لَمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الْأَجْرِ.» (۱)

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو طلبِ علم میں رہے اور اسے حاصل بھی کر لے اس کے لیے اجر کے دو حصے ہیں۔ اور اگر حاصل نہ کر سکے تو اس کے لیے اجر کا ایک حصہ ہے۔

یہ حدیث امام دارمی نے روایت کی۔

صاحبِ مرقاۃ المفاتیح نے اس حدیث کے معنیٰ مراد پر یوں روشنی ڈالی ہے:

(مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَأَدْرَكَهُ): أَيْ: حَصَّلَهُ، وَقِيلَ: "أَدْرَكَهُ" أَبْلَغُ مِنْ "حَصَّلَهُ"؛ لِأَنَّ الْإِدْرَاكَ بُلُوغُ أَقْصَى الشَّيْءِ (كَانَ لَهُ كِفْلَانِ) : نَصِيبَانِ (مِنَ الْأَجْرِ): أَجْرِ الطَّلَبِ وَالْإِدْرَاكِ كَالْمُجْتَهِدِ الْمُصِيبِ (فَإِنْ لَمْ يُدْرِكْهُ، كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الْأَجْرِ) : كَالْمُخْطِئِ، وَنَظِيرُ ذٰلِكَ الْخَبَرُ الصَّحِيحُ: (إِذَا اجْتَهَدَ الْمُجْتَهِدُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ). (۲)

ترجمہ: جو علم کی طلب میں رہے اور حاصل کر لے، اور بقول بعض: علم کی آخری حد تک پہنچ جائے (یعنی: تحقیقِ حق کر لے) تو اس کے لیے اجر کے دو حصے ہوں گے۔ ایک اجر طلب وتحقیق کا، اور دوسرا اجر حق تک رسائی کا۔ جیسے مجتہد، صحیح اجتہاد کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔

---

(۱) ● مشكاة المصابيح، ص: ٣٦، كتاب العلم/ الفصل الثالث، مجلس البركات.

● مسند الدارمي، ج: ١، ص: ٣٥٧، ٣٥٨، بابٌ في فضل العلم والعالم، دار المغني للنشر والتوزيع.

(۲) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج: ١، ص: ٤٦٨، كتاب العلم، دارُ الكتب العلمية، بيروت.

اور اگر علم کی آخری حد تک رسائی نہ ہوسکے (کہ تحقیقِ حق سے قاصر رہے) تو بھی اس کے لیے اجر کا ایک حصہ ہوگا جیسے مجتہد سے خطا ہوجائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کی نظیر یہ حدیث صحیح ہے کہ " جب مجتہد اجتہاد کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور خطا ہو تو ایک اجر ہے۔

ہاں مجتہد اور محقّق کے یہ اجر اپنی عظمت اور قدر وقیمت کے لحاظ سے کم وبیش ہوں گے کہ مجتہد کا کام محقق کی بہ نسبت زیادہ اہم اور عظیم ہوتا ہے تو اس کے اجر کی عظمت اور قدر وقیمت زیادہ ہونی چاہیے، اور محقق کا کام نسبتاً اس قدر اہم وعظیم نہیں ہے تو اس لحاظ سے اس کے اجر کی عظمت وقدر وقیمت کم ہونی چاہیے۔

ان احادیث سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ مجتہد اور محقق کو اپنے اجتہاد اور تحقیق پر بہر حال اجر ملتا ہے خواہ ان کا اجتہاد وتحقیق صحیح ہو، یا سہو اور لغزش ہو جائے۔ فرق بس یہ ہے کہ سہو و لغزش کی صورت میں ان کا اجر کم ہو جاتا ہے اور توفیقِ صواب کی صورت میں وہ اجر دونا اور زیادہ ہوتا ہے، مگر ایسا ہرگز نہیں کہ ان کا یہ اجتہاد وتحقیق جرم قرار پائے یا اسے گناہ کے درجے میں شامل کر دیا جائے۔ بلکہ ان کا یہ اختلاف بھی یک گونہ رحمتِ الٰہی قرار پاتا ہے۔[1]

اپنے پیارے رسول ﷺ کی مذکورہ احادیث پڑھیے پھر آج کے سلفی اہل حدیثوں کے فرمان ملاحظہ کیجیے تاکہ عیاں ہو جائے کہ یہ حضرات سلف صالحین کی روش سے کتنے دور اور احادیث نبویہ کے تقاضوں سے کس قدر بے گانہ ہیں۔

---

(۱) یہاں صاحب مسلّم الثبوت وفواتح الرحموت کے یہ قیمتی افادات بھی پیش نظر رکھیے، یہ حضرات فرماتے ہیں:

(والمختارُ أنّ للهِ حكمًا معينًا) في أفعال العباد (أوجب طلبَهُ ونَصبَ عليه دليلًا، فَمَن أصابَهُ فَلَهُ أجران) أجرُ الاجتهاد وأجر الإصابة.

ولا وجهَ لهٰذا الأجر إلّا الرّحمةُ الإلٰهيّةُ، لِأنّ إصابتَه لَيسَتْ بفعلٍ مقدورٍ، إنّما المقدور لهُ بذلُ الجهد، فإن اتّفق تَأدّىٰ نظرُهُ إلى مقدّماتٍ مناسبةٍ له أصابَه، لكنّ النّصَّ دَلَّ على أنَّ له أجرين فيجبُ القبولُ (وَمَن أخْطَأَ فَله أجرٌ) واحدٌ (لامتثالهِ أمرَ الاجتهاد ببذل الوسع) ولا أجرَ بِمقابلة الخطأ، فإنّ الخطأ وإن لم يكن مُؤاخذًا به، إلّا أنّه لا يوجبُ الأجر عليه، اِھ (فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت، ج:۲، ص:۴۲۸، ۴۲۹، مسألة: كل مجتهد فى المسألة الاجتهادية مصيب، دار إحياء التراث الإسلامي، بيروت.) ۱۲ منه

دوسرا باب

فروعی عقائد کے بیان میں

اٹھارہواں مسئلہ

بدعت

احادیث نبویہ کی روشنی میں

بدعت کی قسمیں، احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

احادیث نبویہ میں بدعت کے دو اطلاق ملتے ہیں، اس طرح اس باب کی حدیثیں دو انواع میں منقسم ہوتی ہیں۔

نوعِ اول کی احادیث میں ''بدعت'' اور اس کے مترادفات ''حَسَنہ'' یا ''سَیِّئَہ'' یا ان کے ہم معنی کلمات سے مقیّد و موصوف نہیں ہوتے، بلکہ بغیر کسی ایسی قید و صفت کے ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

نوعِ دوم کی احادیث میں ''بدعت'' اور اس کے مترادفات ''حَسَنَہ'' یا ''سَیِّئَہ'' یا ان کے ہم معنیٰ کلمات سے موصوف و مقید ہوتے ہیں اور وہ بدعت اپنی قید و صفت کے لحاظ سے حَسَنہ یا سَیِّئہ ہوتی ہے۔ اس طرح بدعت کی دو قسمیں سامنے آتی ہیں: حَسَنَہ اور سَیِّئَہ۔

بدعتِ حَسَنَہ: دین میں وہ نیا کام جو شرعًا خیر اور اچھا ہو۔ بلفظ دیگر کتاب و سنت سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

یہ بدعت فی الواقع ثابت بالسُّنَّۃ ہوتی ہے۔

بدعتِ سَیِّئَہ: دین میں وہ نیا کام جو شرعًا شر اور بُرا ہو، بلفظ دیگر کتاب و سنت کے مُزاحم

و مُخالِف ہو۔

یہ بدعت مطلقاً مردود اور ضلالت و گمراہی ہوتی ہے اور احادیث شریفہ میں جب ''بدعت'' کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو زیادہ تر یہی بدعت مراد ہوتی ہے جو سنت کے مزاحم ہو کر اسے رد کرتی ہے جیسا کہ نوع اول کی احادیث شاہد ہیں۔[1]

---

(۱) **احادیث میں ''مطلق بدعت'' سے مراد زیادہ تر بدعتِ سیئہ ہوتی ہے:**

چناں چہ رئیس المتکلّمین حضرت علامہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

احادیث وکلماتِ علما میں لفظ بدعت بمقابلۂ سنت واقع ہوتا ہے، اور مقابلۂ سنت وبدعت سے متبادر (دونوں کے درمیان) ضدّیتِ تامّہ ہے، ولہذا اکثر علما ''مخالفتِ شرع'' کے ساتھ اس کی تفسیر کرتے ہیں:

❀ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

''ما أُحدث على خلافِ أمر الشارع ودليلِه الخاصّ والعامّ.''

❀ ''شفا'' میں ہے: مخالفةُ أمره –صلى الله تعالى عليه وسلم– وتبديلُ سُنّته ضلالةٌ وبدعةٌ للوعد من الله تعالى بالخذلان.'' (''الشفا''، ج:۲، ص:۱۱/ الباب الأول في فرض الإيمان له و وُجوب طاعته واتّباع سنّتِه.)

اور غالب استعمال اس کا عقائد میں آیا ہے، ولہذا فرقۂ ناجیہ کو ''اہل سنت'' اور ارباب ہوا کو ''اہل بدعت'' کہا جاتا ہے۔

❀ ''شرح سفر السعادۃ'' میں ہے: ''غالب در استعمال در عقاید افتد، چناں کہ مذاہب باطلہ اہل زیغ از فرقِ اسلامیہ'' (''شرح سفر السعادۃ'' بابُ أذکار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل در سلام وآداب، ص:۴۱۲)

❀ ''بحر المذاہب'' میں ہے: ''البدعة مخالفة أهل الحق في العقيدة.''

❀ امام قزوینی لکھتے ہیں: ''المبتدع كل من يعتقد شيئا يُخالف الكتاب والسنة، ولا يتبع الرسولَ في الأقوال والأفعال.

❀ ''در مختار'' میں ہے: ''البدعة: هي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول –صلى الله تعالى عليه وسلم–.'' (●''الدر المختار المطبوع مع ردّ المحتار''، ج:۳، ص: ۵۳۱، كتابُ الصلاة / باب الإمامة . ●وج:۱، ص:٦٠٤، دار الفكر)

❀ ''بحر الرائق'' میں ہے: البدعة (وعَرَّفها الشمنى: بأنها– أي) ما أحدِث خلاف الحق الـمُتلقّىٰ عن رسول الله –صلى الله تعالى عليه وسلم– من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة أو استحسان وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً.'' (''البحر الرائق''، ج:۱،ص:٦١١، كتاب الصلاة/ باب الإمامة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(أصول الرشاد لِقمع مباني الفساد، ص:۷۳، ۷٤، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

ان عبارات سے دو باتیں بخوبی واضح ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ عرف شرع میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابل ہوتا ہے اور ایسی ہر بدعت بلا شبہہ گمراہی ہوگی۔

دوسرے یہ کہ بدعت کا یہ اطلاق عموماً عقائد میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ جو عقائد سنت کے خلاف ہوں گے وہ ضلالت ہوں گے۔ ۱۲ منہ

نوعِ اول کی احادیث

جو بظاہر قید وصفت سے مطلق ہیں

حدیث: "شر الأمور محدثاتها" اور "کل محدثة بدعة" کی نفیس توجیہ:

① عَنْ جَابِرٍ -رضي الله تعالى عنه-، قَالَ: قال رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلّم-: شَرُّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سب سے بُرے امور بدعات (یعنی نئے نئے کام) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں "مُحْدَثَات" اور "بِدْعَت" کے الفاظ مطلق ہیں، ان کی کوئی قید یا صفت حَسَنَہ یا سَیِّئَہ یا ان کے ہم معنی الفاظ سے نہیں لائی گئی ہے، تو یہاں مُحدَثات اور بدعت کے الفاظ سنت کے مقابل ہیں اس لیے وہ ضرور ضلالت و گمراہی ہیں۔

② عَنْ العِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، قَالَ:... فقال -صلى الله تعالى عليه وسلم-: ... إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ.[2]

ترجمہ: حضرت عِرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے

---

(١) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٢٨٥، كتاب الجمعة/ فصلٌ في الخطبة والصّلاة قصدًا، مجلس البركات.

❀ صحيح البخاري ج: ٢، ص: ١٠٨١، باب الاقتداء بسُنن رسول الله، مجلس البركات. اقتصر البخاري على: "شرّ الأمور محدثاتها".

(٢) سُنن أبي داؤد ص: ٥٠٤، كتاب السنة/ باب لزوم السنة، بيت الأفكار الدولية.

❀ جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٩٢، أبواب العلم/ باب الأخذ بالسّنة و اجتناب البدعة، مجلس البركات.

❀ سنن ابن ماجه ص: ٢٢، كتاب المقدمة/ باب أتباع سُنّة الخلفاء الراشدين المهديين، بيت الأفكار.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ١٢٣٤، مسند الشاميين / حديث العرباض بن سارية، بيت الأفكار.

❀ صحيح ابن حبان ج: ١، ص: ١٧٩، كتاب المقدمة/ باب الاعتصام بالسنة، مؤسّسة الرسالة.

اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ نئے نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچو، کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں ہر "بدعت" کو گمراہی بتایا گیا ہے۔ اور گمراہی وہی کام ہو سکتا ہے جو حضور ﷺ کی سنتِ ثابتہ کے خلاف اور اس کے مزاحم ہو جیسے ناری فرقوں۔ مثل خوارج و معتزلہ وغیرہ۔ کے عقائد، غلام احمد قادیانی کا دعویٔ نبوت، یہ کہنا کہ حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کوئی نیا نبی آسکتا ہے، نماز میں حضور کا خیال آنے سے نماز چلی جائے گی، اور یہ خیال نمازی کو شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ اور بدعتِ حسنہ کا انکار، وغیرہ۔

حدیث: "من أحدث فی أمرنا هذا" کی تشریح:

اور یہ توجیہ حدیث (۷) "مَنْ أحدَثَ في أمرِنا هذا ما ليس منه" سے ماخوذ ہے، اور اس کے پیش نظر مُحدَثاتُ الأمور اور كلُّ محدثَةٍ میں إحداث سے مراد "إحداث في الدين ما ليسَ من الدّين" ہے۔ اور یہ ضرور سنت نبوی کے مزاحم و مخالف ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ حدیث نوعِ دوم کی احادیث مثلاً: "مَنْ سَنَّ سُنّةً حَسَنَةً" وغیرہا کے معارض ہوگی، نیز لازم آئے گا کہ معروف طریقے پر تدوین قرآن، تدوینِ حدیث، تدوینِ فقہ، تدوینِ اصولِ حدیث وغیرہ سب بدعت و گمراہی ہو کیوں کہ ظاہرِ الفاظ حدیث کے پیش نظر یہ سب محدثاتُ الأمور سے ہیں اور یہ سب كلُّ محدثةٍ کے عموم میں شامل ہیں، کیوں کہ یہ سب نئے کام ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے، حالاں کہ ایسا بالاجماع نہیں ہے، اس لیے حدیث نبوی کی مراد شناسی اور جمع بين الأحاديث کے پیش نظر حق یہی ہے کہ اس حدیث میں إحداث سے مراد إحداث في الدين ما ليس من الدين ہے۔ یعنی دین کے مُزاحم و مخالف نئے نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچو کہ ایسا ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

③ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الإِسْلَامِ.[1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن مَیسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تابعی، صحیح الحدیث) کا بیان ہے کہ رسول اللہ

---

(۱) شُعَب الإيمان للبيهقي ج: ۷، ص: ٦١، بابٌ في مباعَدة الكفار والمفسدين/ فصلٌ في مجانبة الفَسَقة والمبتدعين، دار الكتب العلمية.

ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔

امام بیہقی نے یہ حدیث شُعب الایمان میں مُرسلاً روایت کی ہے۔ (۱)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ "ضلالت وگمراہی" وہ بدعت ہے جو قصرِ اسلام یا اس کے بعض ارکان واحکام کو ڈھادے اور یہ وہی بدعت ہو سکتی ہے جو کسی سنت سے متصادم ہو، دین سے اس کا کوئی لگاؤ نہ ہو۔

④ عَنْ حَسَّانَ قَالَ : مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلاَّ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ، ثُمَّ لاَ يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (۲)

ترجمہ: (مدّاحِ رسول) حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بھی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اُسی جیسی سنت اٹھالیتا ہے، پھر اسے قیامت تک وہ سنت واپس نہیں فرماتا۔

مثلاً کسی قوم نے "سبِّ صحابہ" کی بدعت ایجاد کی تو اس قوم سے "اِکرام صحابہ" کی سنت اٹھالی گئی، جس قوم نے کبیرہ کے ارتکاب پر تکفیر کی بدعت ایجاد کی اس سے ایسے مسلمانوں کو مسلمان ماننے کی سنت اٹھالی گئی، جنھوں نے "امکان کذبِ باری" کی بدعت ایجاد کی ان سے "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا" (۳) کی سنت اٹھالی گئی، یوں ہی جس قوم نے "قبور انبیا کو سجدہ گاہ" بنانے کی بدعت ایجاد کی اس سے خدائے وحدہٗ لاشریک کے سجدۂ بندگی کی سنت اٹھالی گئی۔ اس طرح ایک ایک بدعت کا جائزہ لیتے جائیے اور دیکھتے رہیے کہ اس کی وجہ سے اسی جیسی کوئی سنت اُٹھتی ہے کہ نہیں، اگر اُٹھتی ہے تو وہ بدعت، مُزاحمِ سنت ومخالِف سنت ہوگی، اسی کو ہم اہل سنت "بدعتِ سیّئہ" سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ بدعت سیّئہ کی آسان پہچان ہے۔

اب اسی کے ساتھ آپ "بدعاتِ حَسنہ" کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیجیے وہاں آپ کو یہ "پہچان" ہرگز نظر نہیں آئے گی۔ مثلاً نماز میں تعظیم رسول کی وجہ سے پیچھے ہٹنا، جیسا کہ حضرت صدیقِ اکبر نے کیا، یا سرکار کی تعظیم کی وجہ سے نماز میں کھڑے رہنا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کیا، یہ ایسی

---

(۱) مشكاة المصابيح، ج:۱،ص: ۳۱، باب الاعتصام بالكتاب والسنة / الفصل الثالث، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) سُنن الدارمي ج: ۱، ص: ۲۳۱، باب اتباع السّنّة/ رقم الحديث: ۹۹، دارُ المغني للنشر والتوزيع.

(۳) القرآن الحكيم، سورة الانعام:۶، الآية: ۱۱۵.

بدعت اور نیا کام ہے جس کی وجہ سے اس جیسی سنت، مثلاً: "لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ"(۱) اور "وَ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ"(۲) کو مزید فروغ ملتا ہے اس لیے نماز میں تعظیم کے ساتھ خیالِ رسول کو بدعت نہ شمار کیا جائے۔ "شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات"۔

⑤ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ: ... قَالَ عَلِيٌّ: مَا خَصَّنَا رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- بِشَيْءٍ لَمْ يَخُصَّ بِهِ النَّاسَ ، إِلاَّ مَا فِي قِرَابِ سَيْفِي ، ثُمَّ أَخْرَجَ صَحِيفَةً ، فَإِذَا فِيهَا مَكْتُوبٌ ... "لَعَنَ اللهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا".(۳)

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص مجھ کو کوئی چیز ایسی نہ بتائی جو دوسروں کو نہ بتائی ہو سوائے اُن چیزوں کے جو میری تلوار کی نیام میں ہیں۔ پھر آپ نے ایک صحیفہ نکالا، جس میں لکھا تھا... "اللہ کی لعنت اُس شخص پر جو کسی بدعتی کو ٹھہرائے۔"

لعنت کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر ہوتی ہے اور گناہِ کبیرہ یقیناً کتاب و سنت کی مخالفت و نافرمانی ہے۔

⑥ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَهْلُ الْبِدَعِ شَرُّ الْخَلْقِ وَ الْخَلِيقَةِ.(٤)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہلِ بدعت مخلوق میں بھی بُرے ہیں اور طبیعت کے بھی بُرے ہیں۔

بدعت کے ارتکاب سے کوئی شخص مخلوق میں بدتر اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ صریح طور پر کتاب و سنت سے متصادم کسی عقیدے کا اظہار کرے مثلاً: ● حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے ● یا نیا نبی آنا ممکن بتائے ● یا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل بتائے ● یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے اعتقاد کو شرک کہے۔ یہی بدعتی

---

(١) القرآن الحكيم، سورة الحجرات:٤٩، الآية: ١.

(٢) القرآن الحكيم، سورة الفتح:٤٨، الآية: ٩.

(٣) الأدب المفرد للإمام البخاري، ص: ٧٤، ٧٥، بابُ لَعَنَ اللّٰهُ مَن لَعَنَ وَالدَيه، المكتبة السلفية، قاهره.

(٤) تقريبُ البُغيَة بترتيب أحَاديثِ الحِلْيَةِ للإمام الحافظ نور الدين الهَيثمي (م٨٠٧هـ) ج: ١، ص: ١٥٢، بابٌ في ما يخاف على هٰذه الأمة، دار الكتبِ العلمية، بيروت.

شَرُّ الخلق و الخليقة کے مصداق ہیں۔

(۷) نوع دوم میں یہ حدیث آرہی ہے:

مَنْ أَحْدَثَ فِي اَمْرِنا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.[1]

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایسی ایجاد کی جو اس دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ یہ حدیث "بدعتِ ضلالۃ" کی جامع تعریف ہے کہ "جو نیا کام دین سے نہ ہو" وہ بدعت ہے اور بلا شبہہ ایسی ہر بدعت گمراہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نئے کام کی اصل دین میں نہ پائی جائے، دین کے کسی نص سے وہ ماخوذ و مستنبط نہ ہو تو وہ دین کے مخالف اور اس سے متصادم ہوگا۔

ان احادیث میں بدعت اور اس کا ہم معنیٰ کلمہ مطلق ہے جو سنت کے مقابل ہے، اس لیے وہ ضلالت و گمراہی ہے اور ایسے صاحبِ بدعت کی تعظیم اسلام کے ڈھانے پر مدد ہے کہ جب بدعت و صاحبِ بدعت کی توقیر ہوگی تو اس کے مثل اسلام کی کوئی سنت اٹھالی جائے گی۔

بدعتِ ضلالہ کی سترہ مثالیں:

اب ہم یہاں اِس بدعت کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں:

- اہل سنت و جماعت کے سوا بہتر جہنمی فرقوں کا ظہور، جیسے قدریہ، جبریّہ، خوارج، مُعتزِلہ، مُجسِّمہ، مُشَبِّھہ، مُرجئہ، نجّاریہ، قادیانیہ، نیچریّہ، چکڑالویہ، وہابیہ، دیوبندیہ۔

فرقۂ وہابیہ نے اسلام میں ایسے نئے نئے عقائد ایجاد کیے جس سے اسلاف اور بعد کے صالحین ناآشنا تھے بِمَا لم تَسمَعُوا أنتم و لا آباؤُکُمْ۔[2] جیسے یہ عقائد:

- خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔
- ہر مخلوق بڑا ہو (جیسے انبیا و سیّد الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام) یا چھوٹا (جیسے عام مومنین) خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔
- اللہ کی شان کے آگے سب انبیا و اولیا ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۷۱، كتاب الصّلح/ بابٌ إذَا اصْطَلَحُوا علىٰ صلحِ جور، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۱۰، باب النّهي عن الرواية عن الضُّعفا، مجلس البركات، مبارك فور.

● زنا کے وسوسہ اور گائے، بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے نماز ہو جائے گی اور اس سے بہت زیادہ بُرا رسول اللہ ﷺ کے خیال میں ڈوب جانا ہے کہ اس سے نماز بھی نہ ہوگی اور یہ خیال اسے کفر کی طرف کھینچ لے جائے گا۔

● انبیا اور اولیا کو وسیلہ بنانا شرک ہے اور وسیلہ بنانے والے مشرک۔ یعنی وہابی فرقہ کے سوا ساری دنیا کے مسلمان مشرک ہیں۔

● تقلیدِ عرفی - جو فی الواقع کتاب و سنت کا اتباع ہے - شرک ہے اور مقلدین مشرک، یعنی عرصۂ دراز سے وہابیہ کے سوا تمام مسلمان، اولیا، علما، صُلحا، عوام سب مشرک ہیں۔

● کروڑوں نبی محمد ﷺ کے برابر پیدا ہو سکتے ہیں۔

● رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کا عقیدہ شرک ہے اگر چہ اللہ کی عطا سے یہ عقیدہ رکھا جائے۔

● حضور ﷺ کو بہ عطائے الٰہی حاضر و ناظر ماننا شرک ہے۔

● جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔

● جو کسی مخلوق کو بارگاہِ الٰہی کا سفارشی مانے وہ اور ابو جہل شرک میں برابر ہیں - یہ حضور ﷺ کی شفاعت کا انکار، بلکہ اسے شرک قرار دینا ہے۔

ان بدعات پر ہم کتاب و سنت کی روشنی میں گزشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں۔

● مُسَیلمہ کذّاب، اسود عنسی اور غلام احمد قادیانی وغیرہ کا دعوائے نبوت۔

● یہ کہنا کہ حضور کے زمانے میں یا آپ کے بعد کوئی نیا نبی آسکتا ہے۔

● حدیث کے حجت ہونے کا انکار (یہ چکڑالویوں کی بدعت ہے)

● فرشتوں، جنوں، اور جنت و دوزخ کا انکار۔ (یہ نیچریوں کی بدعت ہے)

● اور اس زمانے میں "نبوی مَسْعیٰ"[1] کے بالمقابل "نئے وہابی مَسْعیٰ کا اِحداث" جو نہ

---

(۱) مَسْعیٰ: سعی کی جگہ — طوافِ کعبہ کے بعد صفا اور مَروہ کے درمیان حاجی اور عُمرہ کرنے والے عبادت کی نیت سے چلتے اور ایک خاص حد تک ہلکی رفتار سے دوڑتے ہیں، اس طرح صَفا سے مَروہ اور مَروہ سے صَفا تک سات چکّر لگاتے ہیں، اس عبادت کا نام "سَعی" ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے جو جگہ مقرر فرمائی اسے "مَسْعیٰ" کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

عہد رسالت میں تھا، نہ عہد صحابہ و تابعین میں، نہ ہی بعد کے ادوار میں، بالآخر ۲۰۰۸ء میں نام نہاد "سلفیوں" نے "سلفِ صالحین" کی سنت متوارثہ کے خلاف یہ بدعت ایجاد کی اور مسلمانوں کو اس پر چلنے کے لیے مجبور کیا۔ وہابیوں کی ایسی بدعات کثیر ہیں، ہم نے نمونے کے طور پر ان کی چند بدعات یہاں شمار کی ہیں۔

بدعتِ ضلالت کی پہچان: اس بدعت کی پہچان یہ ہے کہ سَلَف و خَلَف میں اس کا کوئی سراغ نہ ملے۔

⑧ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ: سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي أُنَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے اخیر زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو تم سے ایسی باتیں (عقائد و احکام) بیان کریں گے **جنھیں نہ تم نے سنا ہوگا، نہ تمھارے باپ دادا نے۔ تو تم لوگ ● اُن سے دور، رہنا ● اور انھیں اپنے سے دور، رکھنا۔**

⑨ أَخْبَرَنِي مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لاَ يُضِلُّونَكُمْ وَلاَ يَفْتِنُونَكُمْ.(۲)

ترجمہ: مسلم بن یسار کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں دجّال اور بڑے جھوٹے لوگ ظاہر ہوں گے **جو ایسی باتیں بیان کریں گے جن کو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے نہ سنا ہوگا۔** تو تم لوگ ان سے دور رہنا، اور انھیں اپنے سے دور رکھنا، کہ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور کہیں وہ تم کو فتنے

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۹، باب النّهي عن الرواية عن الضعفاء، مجلس البركات

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۰، باب النّهي عن الرواية عن الضُّعفاء، مجلس البركات

میں نہ مبتلا کر دیں۔

اور جن باتوں کو باپ، دادا نے نہ سنا ہوان سے مراد وہ بدعات ہیں جو سنتِ ثابتہ کے منافی اور دین کے احکام و عقائد کے خلاف ہوں، جھوٹی حدیثیں بیان کرنا، یا مشرکین یا یہود و نصاریٰ کے بارے میں وارد احادیث کو مسلمانانِ اہل سنت پر چسپاں کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ مرقاۃ المفاتیح میں اس حدیث کی شرح یوں فرمائی:

أَيْ: يَتَحَدَّثُونَ بِالْأَحَادِيثِ الْكَاذِبَةِ وَيَبْتَدِعُونَ أَحْكَامًا بَاطِلَةً وَاعْتِقَادَاتٍ فَاسِدَةً اهـ.[1]

ترجمہ: جھوٹی حدیثیں بیان کریں گے اور احکامِ باطلہ و اعتقاداتِ فاسدہ کی بدعات لائیں گے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''مقصود تحفظ و احتیاط است در گرفتنِ دین، و احتراز و پرہیز از صحبتِ اربابِ بدعت و مخالطتِ ایشاں۔''[2]

ترجمہ: ارشادِ رسالت کا مقصود یہ ہے کہ کسی سے دین حاصل کرنے میں تحفظ و احتیاط چاہیے اور اربابِ بدعت کی صحبت اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے احتراز لازم ہے۔

حدیث کی کسوٹی پر وہابی مذہب کے عقائد و مسائل کی جانچ:

اس حدیثِ صحیح کی ''کسوٹی'' پر وہابی مذہب کے عقائد و مسائل کو جانچ لیجیے کتاب و سنت اور سلف و خلف سے ان کا کوئی ثبوت نہ ملے گا، جیسا کہ ہم ان کے متعدد عقائد بیان کر کے کتاب و سنت سے اس کو واضح کر چکے، مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ:

- حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطلاع و عطا سے بھی علم غیب ماننا شرک ہے۔ مگر ہم نے کثیر آیات و احادیث سے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار غیبی علوم

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکاۃ المصابیح ج: ۱، ص: ۳۵۷، کتاب الإیمان/ باب الاعتصام بالکتاب والسُّنۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

(۲) اَشِعَّۃُ اللمعات ج:۱، ص: ۱۴۳، کتاب الإیمان / باب الاعتصام بالکتاب والسُّنۃ، مکتبہ حبیبیہ، پاکستان.

اپنے نبیوں اور رسولوں کو عطا فرمائے، ● اور جیسے نماز میں رسول اللہ کے خیال سے نماز کو باطل قرار دینا اور خود نمازی کو کفر کی دہلیز تک پہنچانا،

● رفعِ یدین ● اور قراءت خلفَ الامام جیسے اجتہادی مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ کے موقف کو رسولُ اللہ سے اختلاف قرار دینا، حالاں کہ امام اعظم کے موقف کے ثبوت میں احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

یہ ہے: بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَ لَا آبَاءُكُمْ۔ نہ تم نے سنا، نہ تمھارے باپ، دادا یا سَلَف و خَلَف نے سنا۔

● جو بات قرآنِ حکیم میں ہو۔
● یا سنتِ رسول اللہ میں ہو۔
● یا سَلَف کا مذہب ہو۔
● یا خَلَف نے اختیار کیا ہو۔

اس کا علم مسلمانوں اور ان کے باپ دادا کو ضرور ہوگا، خواہ قرآن و حدیث یا کتبِ شریعت کو پڑھ کر، یا علماے دین سے سُن کر۔ اور جس بات کو انھوں نے نہ کتبِ شریعت میں پڑھا، نہ علماے دین سے سنا، وہ بدعت ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: "بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَ لَا آبَاءُكُمْ" جسے نہ تم نے سنا، نہ تمھارے باپ دادا نے۔ الفاظ خطاب سے ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث علما و فقہا کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اُن تمام مسلمانوں کو بھی عام ہے جو علماے دین کی صحبت میں رہتے اور اپنے دین کی باتیں ان سے سنتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی عقیدہ کتاب و سنت یا سَلَف و خَلَف سے ثابت ہے تو وہ اپنے علما سے ضرور سنیں گے اور جو عقیدہ ایسے مسلمانوں اور ان کے باپ، دادا نے نہ سنا ہو، وہ دین سے نہیں، بلکہ بدعت ہے، وہابیوں کے مخصوص عقائد ایسی ہی بدعات کا مجموعہ ہیں۔

وحیِ نبوت کے کلمات سے "مطلق بدعت" کا تعارف:

" مطلق بدعت" کے سلسلے میں " وحیِ نبوت" کے جو الفاظ و کلمات ہم نے پیش کیے اُن سے اس بدعت کا پورا تعارف ہو جاتا ہے اور کسی کو اپنی طرف سے کوئی اضافی قید لگانے کی قطعاً حاجت

نہیں رہ جاتی۔

- فَقَدْ أعَانَ عَلٰی هَدْمِ الإِسْلَامِ.
- نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِم مِثْلَهَا.
- لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوَیٰ مُحْدِثًا.
- أَهْلُ البِدَعِ شَرُّ الخَلْقِ وَ الخَلِيْقَةِ.
- مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذا مَا لَيْسَ مِنْهُ.
- بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَ لَا اٰبَاءُكُم.

جو بدعت:

- قصرِ اسلام کو ڈھائے (بلفظ دیگر اسلام سے متصادم ہو۔)
- رافعِ سنت ہو۔
- لعنت کا سبب بنے۔
- مخلوق میں بدتر بنادے۔
- جو دین سے نہ ہو۔
- جسے مسلمانوں نے اپنے باپ داداؤں سے نہ سنا۔

وہ بدعت یقیناً دین کے مخالف اور اس سے متصادم ہوگی۔

یہ کلماتِ حدیث شہادت دے رہے ہیں کہ ان احادیث میں بدعت کے لفظ سے مراد وہ بدعت ہے جس کے یہ اوصاف ہوں، مثلاً وہ اسلام کو ڈھائے، لعنت کا سبب بنے، شرُّ الخَلق و الخَلیقة کا باعث ہو۔ اس لیے ان الفاظ و کلمات سے **بدعت کی تعریف** واضح ہوکر یہ سامنے آئی:

دین میں وہ نیا کام جو دین سے متصادم ہو، بلفظ دیگر کتاب و سنت کے مُزاحم و مقابل ہو، بدعت ہے۔

ہم اہل سنت و جماعت اسی بدعت کو بدعتِ سَیِّئَہ کہتے ہیں اور بلا شبہہ ایسی ہر بدعت گمراہی ہے، بلکہ حدیث نبوی میں ایسی ہر بدعت پر "ضلالة" کا اطلاق خود شاہد ہے کہ وہ نیا کام دین کے خلاف اور اس سے متصادم ہے۔

اب یہ نیا کام "قرونِ خیر" میں پایا جائے۔ جیسے خوارج کا ● حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وَجھہ پر کفر کا حکم لگانا ● اور ان سے بغاوت کرنا ● تحکیم کو کفر قرار دینا ● پھر حضرت علی کو قتل کرنا، کرانا۔ تو بھی وہ ضلالت و گمراہی ہے، یا بعد کے ادوار میں کبھی پایا جائے تو بھی ضلالت و گمراہی ہے۔ اس لیے بدعت کی تعریف میں "قرونِ خیر" یا قرونِ ثلاثہ" کی قید لگانا بیجا ہے، ہمارے لیے یہ احادیث و آثار کافی ہیں، ان میں ایسی کسی قید کا کوئی نام ونشان نہیں۔

بدعت، جس کا حدیث میں کوئی وصف مذکور ہو:

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، احادیث نبویہ میں "بدعت" کا اطلاق کسی قید یا صفت کے ساتھ بھی ہوتا ہے، اب اگر وہ قید یا صفت "حَسَنَہ" یا اس کا ہم معنیٰ لفظ، یا بشارت ہو تو اسے عرفِ مسلمین میں بِدعتِ حسنہ کہا جاتا ہے اور اگر "سَیِّئَہ" یا اس کا ہم معنیٰ لفظ یا کوئی وعید ہو تو اسے بدعتِ سَیِّئَہ کہا جاتا ہے۔

بدعت کی تعریف اور اس کی قسمیں:

تو احادیث میں بیان شدہ اوصاف کے پیش نظر بدعت کی دو قسمیں ہوئیں، حَسَنہ اور سَیِّئہ۔

بدعتِ حَسَنہ: دین میں وہ نیا کام جو خیر ہو۔ یہ کام کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ سے ماخوذ و مستنبط ہوتا ہے۔

یہ نیا کام ہونے کی وجہ سے بِدعت کہلاتا ہے اور کتاب یا سنت سے ماخوذ و مستنبط ہونے کی وجہ سے وہ خود دین کا ایک حصہ ہوتا ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہوتا ہے۔ ایسے کاموں کو مَا ثَبَتَ بالسُّنّۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

بدعتِ سَیِّئہ: دین میں وہ نیا کام جو خیر نہ ہو، شر ہو۔ یہ کتابُ اللہ یا سنتِ رسول اللہ سے ماخوذ و مستنبط نہیں ہوتا، بلکہ یہ کتاب و سنت کے مقابل و مُزاحم ہوتا ہے۔

یہ تقسیم خود حضور سید عالم ﷺ اور حضور کے اصحاب کی احادیث سے ثابت ہے۔

نوعِ دوم کی احادیث

جن میں بدعت کا کوئی وصف حسنہ یا سیّئہ یا ان کے ہم معنی مذکور ہے

اسلام میں اچھا، یا برا طریقہ ایجاد کرنے کا حکم:

⑩ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ.

وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ». [1]

ترجمہ: حضرت منذر بن جریر سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اُس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقے پر عمل کریں گے اُن سب کا اجر بھی (اُس کے لیے) ہے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی ہو۔

اور جس نے اسلام میں کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اُس کا گناہ ہے اور اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقے پر عمل کریں گے اُن سب کا گناہ بھی اُس پر ہے بغیر اس کے کہ اُن عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت جریر بن عبد اللہ کی یہ حدیث متعدّد طُرق سے ہم معنی الفاظ سے مروی ہے اس کا ایک متن الفاظ کے تغیر کے ساتھ انھوں نے بھی نقل فرمایا اور یہ صراحت کی کہ یہ حدیث حسن، صحیح ہے

(۱) الصحیح لمسلم ج: ۱، ص: ۳۲۷، کتابُ الزّکاۃ / باب الحثّ علی الصّدقة، مجلس البرکات.

۔نیز انھوں نے یہ نشان دہی کی کہ یہ حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔“[۱]

⑪ عَنْ حُذَيْفَةَ (بن اليمان)، قَالَ : سَأَلَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَأَمْسَكَ الْقَوْمُ ، ثُمَّ إِنَّ رَجُلاً أَعْطَاهُ فَأَعْطَى الْقَوْمُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: مَنْ سَنَّ خَيْرًا فَاسْتُنَّ بِهِ، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ وَمِنْ أُجُورِ مَنْ يَتَّبِعُهُ غَيْرَ مُنْتَقِصٍ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا.

وَمَنْ سَنَّ شَرًّا فَاسْتُنَّ بِهِ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِنْ أَوْزَارِ مَنْ يَتَّبِعُهُ غَيْرَ مُنْتَقِصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا.[۲]

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ سوال کیا تو لوگوں نے (دینے سے) ہاتھ روکے رکھا، پھر ایک شخص نے عطا کیا، تو لوگوں نے بھی اسے عطا کیا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے کوئی بہتر طریقہ ایجاد کیا اور اس پر عمل ہوا، تو اسے اپنی ایجاد کا اجر ملے گا اور اُس کی پیروی کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا اور ان کے اجر سے کچھ کم بھی نہ ہوگا۔

اور جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس پر عمل ہوا تو اس پر اپنی ایجاد کا بھی گناہ ہوگا اور اس کی پیروی کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا، اور ان پیروی کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی“۔

⑫ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ:... فَقَالَ رَسُولُ اللهِ-صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: مَنْ سَنَّ خَيْرًا فَاسْتُنَّ بِهِ، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ كَامِلاً ، وَمِنْ أُجُورِ مَنْ اسْتَنَّ بِهِ لاَ يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا.

وَمَنْ اسْتَنَّ شَرًّا فَاسْتُنَّ بِهِ ، فَعَلَيْهِ وِزْرُهُ كَامِلاً ، وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِي اسْتَنَّ

---

(۱) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۹۲، أبواب العلم/ باب ما جاء في مَن دعا إلى هدىً إلخ ، مجلس البركات.

(۲) مُسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۱۷۲۹، مسند الأنصار/ حديث حُذيفة بن اليمان، رقم الحديث: ۲۳۶۷۸، بيت الأفكار الدولية.

بِهِ لاَ يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے بہتر طریقہ ایجاد کیا، پھر اس پر عمل ہوا تو اسے اپنی ایجاد کا کامل ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس پر عمل ہوا تو اس پر اس ایجاد کا کامل گناہ ہوگا، اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس کے ذمہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی بھی نہ ہوگی۔

یہ احادیث کسی واقعہ کے پس منظر میں زبانِ نبوت سے صادر ہوئی ہیں مگر اعتبار خصوصِ سبب کا نہیں، عمومِ لفظ کا ہوتا ہے؛ اس لیے یہ حکم کسی خاص شخص اور خاص واقعہ کے ساتھ محدود نہیں، بلکہ قیامت تک کے ان تمام افراد کو عام ہے جو کوئی فعلِ خیر یا فعلِ شر ایجاد کریں۔

صحابیِ رسول حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ: "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ"[2] کے تعلق سے فرماتے ہیں:

فَنَزَلَتْ فِيَّ خاصَّةً وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةٌ.[3]

ترجمہ: یہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر یہ تم سب کے لیے عام ہے۔

ان احادیث میں خود رسولِ کائنات، سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدعت کی دو قسمیں بیان فرمادی ہیں، ساتھ ہی ان کے احکام بھی واضح فرمادیے ہیں۔

دوسری احادیث بھی اس تقسیم کی شاہد ہیں۔

⑬ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى اللهُ تعالى عليه وسلم-: «لاَ تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلاَّ كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا؛ لأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ

(١) مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ٧٦٠، مسند أبي هريرة/ رقم الحديث: ١٠٧٥٩، بيت الأفكار الدولية.

(٢) القرآن الحكيم، سورة البقرة:٢، الأية: ١٩٦.

(٣) صحيح البخاري، ج:٢، ص:٦٤٨، كتابُ التفسير / باب قوله: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَريضاً، مجلس البركات، مبارك فور.

مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ».(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جان بھی ظلماً قتل کی جاتی ہے تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے بیٹے کے حصے میں اس کا خون آتا ہے، کیوں کہ سب سے پہلے اسی نے قتلِ ناحق کا طریقہ ایجاد کیا۔

"قتل ناحق" بلا شبہہ بدعتِ سَیِّئَہ ہے اور یہ بدعت سب سے پہلے حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام کے ایک بیٹے نے ایجاد کی تھی، تو اب بعد میں جتنے لوگ بھی قتل ناحق کریں گے ان سب کا گناہ اُس بیٹے پر ہوگا بغیر اس کے کہ ان قاتلوں کے گناہ میں کوئی کمی ہو۔

اسی سے اس کی دوسری قسم کا ذہن بھی مل گیا کہ اگر کوئی کسی جان کو قتل ناحق سے بچانے کا طریقہ ایجاد کرے تو اسے اس کا ثواب ملے گا اور بعد میں اس کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا ثواب بھی اس کو ملے گا، اور ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی، یہ اجر بدعتِ حسنہ کی ایجاد کا ہے۔ چناں چہ امام ابوزکریا محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيث مِنْ قَوَاعِد الْإِسْلَام، وَهُوَ أَنَّ كُلّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْل وِزْر كُلّ مَنْ اقْتَدَى بِهِ فِي ذَلِكَ الْعَمَل مِثْل عَمَله إِلَى يَوْم الْقِيَامَة. وَمِثْله مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْر كَانَ لَهُ مِثْل أَجْر كُلّ مَنْ يَعْمَل بِهِ إِلَى يَوْم الْقِيَامَة، وَهُوَ مُوَافِق لِلْحَدِيثِ الصَّحِيح: "مَنْ سَنَّ سُنَّة حَسَنَة. وَمَنْ سَنَّ سُنَّة سَيِّئَة."(۲)

ترجمہ: یہ حدیث قواعدِ اسلام سے ہے کہ کوئی بھی شخص جو بُرا طریقہ ایجاد کرے تو اس پر قیامت

---

(۱) الصحیح لمسلم ج: ۲، ص: ۶۰، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص و الدیات/ باب بیان إثم مَن سَنّ القتل، مجلس البرکات.

❀ صحیح البخاری ج: ۱، ص: ۱۷۱، کتاب الجنائز / باب قول النبي -صلی اللہ تعالی علیه وسلم- / یُعَذّبُ المیتُ ببعضِ بکاء أهله علیه إذا کان النَّوحُ من سُنّته، مجلس البرکات.

❀ جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۹۲، أبواب العلم/ باب ما جاء أن الدّالّ علی الخیر کفاعله. مجلس البرکات.

(۲) المنهاج، شرح صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۶۰/ باب بیان إثم مَن سَنَّ القَتْلَ، مجلس البرکات.

تک اس کی پیروی کرنے والے تمام لوگوں کا گناہ ہوگا۔

یوں ہی جو شخص کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے تو اس کے لیے قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہوگا، اور یہ حدیثِ صحیح " مَنْ سَنَّ سُنّةً حَسَنَةً" اور " مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً." کے موافق ہے۔

⑭ عَنْ عَائِشَةَ -رضي الله عنها- قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ منه فَهُوَ رَدٌّ.(۱)

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین (دینِ اسلام) میں کوئی نئی بات ایجاد کی، جو اس دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو نئی بات دینِ اسلام سے نہ ہو یعنی کتاب و سنت سے ماخوذ و مستنبط نہ ہو وہ مردود و بدعتِ سَیّئہ ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو نئی بات دینِ اسلام سے ہو یعنی کتاب یا سنت سے ماخوذ و مستنبط ہو وہ مقبول و بدعتِ حَسَنہ ہے۔

⑮ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ الله (هو ابن عمرو بن عوف المزني) عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ لِبِلاَلِ بْنِ الْحَارِثِ: ... **مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلاَلَةٍ** لاَ يَرْضَاهَا اللهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، لاَ يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.(۲)

ترجمہ: کثیر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں اپنے والد عبد اللہ سے اور وہ ان کے دادا سے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال بن حارث سے فرمایا: ...جس نے **بدعتِ ضلالت** ایجاد کی، جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی نہیں تو اس پر اِس بدعت پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ہوگا اور اُن

(۱) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۳۷۱، كتاب الصلح/ بابٌ إذا اصطلحوا على صلحِ جورٍ فهو مردودٌ، مجلس البركات.

❀ والصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۷۷، كتاب الأقضية/ باب نقضِ الأحكامِ الباطلة و رَدِّ محدثاتِ الأمور، مجلس البركات.

(۲) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۹۲، أبواب العلم/ بابُ الأخذ بالسُّنّة و اجتناب البدعة. مجلس البركات.

لوگوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

اس حدیث میں "بدعة" کو "ضلالة" سے مقید کرکے یہ ذہن دیا گیا ہے کہ یہ حکم بدعتِ سیئہ کا ہے جس کو صحیح مسلم شریف کی حدیث صحیح میں "سُنّة سَيّئة" کہا گیا ہے اور اس کا مقابل اسی حدیث میں "سُنّة حَسَنَة" بیان کیا گیا ہے۔

یہ چار حدیثیں ہیں جن میں "بدعت-یا- اِحداث" کا لفظ "سَيّئة" یا اس کے ہم معنی کلمات- "سَنّ القَتْلَ" یا "مَا لَيْسَ مِنْه" یا "ضَلالَة"- سے مقید ہے، جس سے دوسری قسم بدعتِ حسنہ کا اشارہ ملتا ہے جیسا کہ حدیث مسلم میں اس کی صراحت بھی ہے۔

قرآن حکیم کی تدوین:

⑯ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي، فَقَالَ: «إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ، فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ».

قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-.

قَالَ عُمَرُ: هَذَا وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِذٰلِكَ، وَرَأَيْتُ فِي ذٰلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ.

قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ، عَاقِلٌ، لاَ نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ، فَاجْمَعْهُ - فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ.

قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-؟

قَالَ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ. فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ، حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الأَنْصَارِيِّ، لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ

غَيْرَهُ. « لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ » حَتّٰى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ ، فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ، حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ.[1]

ترجمہ: عُبَید بن سَبّاق سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد قاصد بھیج کر مجھے بلایا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ عُمر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جنگ یمامہ میں گھمسان کی لڑائی میں قرآن کے بہت سے قاری شہید ہو گئے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر جنگوں میں قُرّاء اسی طرح شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ان کے ساتھ چلا جائے گا، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ "جمعِ قرآن" کا فرمان صادر کر دیں۔

تو میں نے عُمر سے کہا: "تم وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا"؟

(یعنی یہ کام تو بدعت ہو گا)

تو عُمر نے جواب میں کہا: اللہ کی قسم یہ تو "خیر و بہتر" ہے۔ پھر عمر مجھ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان اور عقل مند آدمی ہو، ہم تم پر (جھوٹ اور نسیان وغیرہ کی) کوئی تہمت بھی نہیں رکھتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی تھے، تو تم پوری چھان بین کے ساتھ قرآن تلاش کر کے جمع کرو۔

حضرت زید فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر لوگ مجھے کوئی پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو کہتے تو یہ "جمعِ قرآن" سے زیادہ گراں و دشوار نہ ہوتا۔ میں نے عرض کی:

آپ **حضرات وہ کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں** کیا؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: " هُوَ وَ اللهِ خيرٌ - **یہ کام تو خدا کی قسم خیر ہی ہے۔**"

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں مجھ سے گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر و عمر کا سینہ کھول دیا تھا۔

---

(١) صحيح البخاري ج: ٢، ص: ٧٤٥، ٧٤٦، كتابُ أبوابِ فضائل القرآن/ باب جمع القرآن ، مجلس البركات.

اب میں پوری چھان بین کے ساتھ تلاش کر کے کھجور کی شاخوں اور پتھر کی تختیوں اور حفاظ کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کے اخیر کی (دو) آیات: " لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" ختم سورہ تک[1] حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس (لکھی ہوئی) پائیں، ان کے سوا اور کسی کے پاس وہ آیتیں (لکھی ہوئی) نہ ملیں۔

یہ (مرتّب) صحیفے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات تک انھی کے پاس رہے، پھر حضرت عمر کے پاس زندگی بھر رہے، پھر وہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آ گئے۔

اس حدیث کے ان الفاظ پر غور فرمائیں:

حضرت صدیق اکبر نے حضرت عمر سے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا وہ تم کیسے کرو گے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ **"یہ تو خیر و بہتر ہے۔"**

اور جب حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابو بکر سے یہی سوال کیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ **"یہ تو کار خیر ہے۔"**

تینوں صحابۂ کرام کے اتفاق کے بعد قرآن حکیم کی تدوین ہوئی اور اس پر کسی صحابی سے انکار منقول نہیں، تو یہ ان کا اجماع سکوتی ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر وہ بجائے خود خیر و بہتر ہو تو اسے کرنا چاہیے۔

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ بدعت کی ایک قسم "بدعتِ خیر" و "بدعتِ حسنہ" بھی ہے اور اس کا انکار فی الواقع اس حدیث پاک سے انحراف ہے۔

مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت:

(۱۷) عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَرَادَ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ فَكَرِهَ النَّاسُ ذٰلِكَ، فَأَحَبُّوا أَنْ يَدَعَهُ عَلَى هَيْئَتِهِ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ: « مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهُ ».[2]

---

(۱) وہ دونوں آیات یہ ہیں: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾
(القرآن الحكيم، سورة التوبة:۹، الآية:۱۲۸، ۱۲۹.)

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۲۰۱، كتاب المساجد و مواضع الصلاة/ بابُ فضل بناء المساجد و الحثّ عليه، مجلس البركات.

ترجمہ: محمود بن لبید سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر جدید کا ارادہ کیا تو لوگوں کو یہ ناگوار ہوا، انھیں یہ پسند تھا کہ مسجد نبوی کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں۔

تو حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا ہے کہ ”جو اللہ کے لیے مسجد بنائے اللہ اس کے لیے جنت میں اسی جیسا محل بنائے۔“

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر وہ کسی سنت کے عموم کے تحت ہو، یا اس کی فضیلت و بہتری کسی نصِّ عام سے ماخوذ ہو تو وہ بھی باعث اجر ہے، ایسے ہی کام کو ہم بدعت حسنہ کہتے ہیں۔

⑱ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رضي الله عنه- أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-، وَالأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ، ثُمَّ كَانَ الأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَ صَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ -رضي الله تعالى عنهما-.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان المبارک میں ایمان کے ساتھ، ثواب کے لیے قیام کیا، اس کے پہلے کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور لوگوں کا عمل اسی پر برقرار رہا کہ الگ الگ نماز تراویح پڑھتے رہے، پھر اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں لوگ تنہا تنہا نماز تراویح پڑھتے رہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۲۶۹، كتاب الصوم/ باب فضلِ مَن قام رَمَضان، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ مصنَّف عبد الرزاق ج: ٤، ص: ۲۵۹، كتاب الصيام/ باب قيام رمضان ، المكتب الإسلامي، بيروت.

❀ السُّنن الكبرىٰ للبيهقي ج: ۲، ص: ٤۹۳، كتاب الصلاة/ باب قيام شهرِ رمضان، دائرة المعارف ، حيدرآباد.

باجماعت نمازِ تراویح کی ادائیگی:

⑲ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رضي الله عنه- لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ. ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى ، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: **نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ،** [وفي بعضِ الرّواياتُ: نعمتِ البِدعَةُ-کرمانی-] وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ. يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ .[1]

ترجمہ: ابن شہاب، عُروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عبد القاری نے بتایا کہ میں رمضان المبارک میں ایک شب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مسجد میں گیا تو لوگ مختلف ٹولیوں میں بکھر کر نماز پڑھ رہے تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا، اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، تو حضرت عمر نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں ان سب لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا اور حضرت اُبَی بن کعب کی امامت میں ان کی جماعت قائم کردی۔

پھر میں ان کے ساتھ دوسری شب نکلا اور سب لوگ اپنے قاری کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے فرمایا: **یہ اچھی بدعت ہے۔** اور جس نماز کو چھوڑ کر لوگ سوجاتے ہیں وہ

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۶۹، كتاب الصّوم / باب فضلِ مَن قَامَ رَمضانَ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ المؤطا برواية يحيَ بن يحيىٰ ج: ۱، ص: ۱۷۱، كتاب الصلاة/ باب ما جاء في قيام رمضان، دار المغرب الإسلامي.

❀ المؤطا برواية محمد بن الحسن ج: ۱، ص: ۱۴۲ -۱۴۳، كتاب الصلاة/ باب قيام شهر رمضان، مجلس البركات.

اس سے افضل ہے جو لوگ ادا کرتے ہیں، ان کی مراد آخر شب کی نماز (تہجّد) تھی اور لوگ اول شب میں نماز (تراویح) پڑھ لیتے تھے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام مقرر کر کے نماز تراویح کی جماعت قائم کردی، اور صحابۂ کرام بغیر کسی اختلاف ونکیر کے جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھنے لگے تو حضرت عمر نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

- نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ۔ کتنی خوب ہے یہ بدعت۔
- نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ۔ یہ بدعت کیا ہی خوب ہے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس جماعت کو مستحسن سمجھا اور اسی لیے وہ شریک جماعت ہوئے، اور کسی صحابی نے اس پر نکیر نہ فرمائی تو یہ اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جماعتِ تراویح کے التزام پر اجماع ہوا۔

اصحابِ رسول کا اسے بالاتفاق "اچھا سمجھنا" اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے "اچھی بدعت" کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ بدعت "حَسَنه" بھی ہوتی ہے جیسا کہ "سَیِّئه" بھی ہوتی ہے۔

اربابِ فہم و دانش پر یہاں یہ امر بھی روشن رہے کہ "جماعتِ تراویح" در اصل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے ماخوذ ہے کیوں کہ تین شب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نماز جماعت سے پڑھائی، پھر اسے موقوف فرما دیا، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری عمل "جماعتِ تراویح" سے احتراز ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جماعتِ تراویح کا خاص اہتمام کیا، اور سب کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا پابند کیا۔

تو جماعت کی یہ پابندی و اہتمام دین میں ایک نیا کام ہوا جو عہدِ رسالت میں نہ تھا، اسی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "بدعت" کہا اور چوں کہ اس کا اصل ماخذ سرکار ابد قرار علیہ الصلوات والتسلیمات کا فعل ہے اس لیے یہ کام "بدعتِ حَسَنہ" ہوا۔

(۲۰) عن عبدِ الله (بن مَسعود) -رضي الله تعالى عنه-، قال: مَا رَأى المسلِمُون حَسَنًا فهو عند الله حَسَنٌ، و مَا رآه المُسلِمُون سَيِّئًا فهو عند الله سَيِّءٌ. هٰذا حديث صحيح الإسناد و لم يُخرّجاه.[1]

---

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج: ۳، ص: ۷۸، ۷۹، كتابُ معرفة الصحابة/ مخاطبة الصحابة أبا بكر: "يا خليفة رسول الله"، دار المعرفة، بيروت، لبنان.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان جو چیز اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور مسلمان جو چیز بُری سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے البتہ حضرات شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہ حدیث اپنی تلخیص میں نقل کر کے اسے "صحیح" لکھا ہے۔(۱)

بدعت کی شناخت اور بدعت حسنہ کی مثالوں سے تفہیم:

یہ حدیث بھی بدعت کی تقسیم مذکور کی تائید کرتی ہے کہ جو کام دین میں نیا ایجاد ہوا، اسے دیکھا جائے کہ مسلمان اسے اچھا سمجھتے ہیں یا بُرا۔ اچھا سمجھتے ہوں تو "بدعتِ حسنہ" ہے اور بُرا سمجھتے ہوں تو "بدعتِ سَیِّئہ"۔

یہ احادیث شاہد ہیں کہ جو کام حضور کے زمانے میں نہ ہوا مگر وہ بجائے خود خیر و بہتر ہو یا کسی سنت کے عموم میں شامل یا اس سے ماخوذ ہو تو وہ کام اچھا ہے اب خواہ اسے "ثابت بِالسُّنَّہ" کہیں، یا "بدعتِ حَسَنہ" دونوں درست ہے۔

بدعتِ حَسنہ کی پندرہ مثالیں:

اب ہم "بدعتِ حسنہ" کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے یہ عیاں ہو جائے گا کہ وہ کتاب یا سنت سے ماخوذ ہیں یا کسی اثر یا اجماع کے موافق ہیں۔

- قرآن حکیم کی تدوین۔
- آیاتِ قرآنیہ میں نقطے و اعراب لگانا، تشدید و مد اور وقف و سکتہ کی علامات، سورتوں کے نام ،آیتوں کا شمار، ہر دس آیت پر علامت لکھنا۔
- مخصوص ترتیب اور اسناد و عناوین وغیرہ کے ساتھ احادیث کی تدوین۔
- فقہائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہی مذاہب۔
- خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نئے کام و احکام۔
- اسلام کے فرائض و محرمات کو ماننے والے، کلمہ گو منکرینِ زکات سے قتال۔

---

(۱) تلخیص الإمام الذهبي ج: ۳، ص: ۷۸، ۷۹، کتاب معرفة الصحابة.

❀ کلمہ گو خوارج سے قتال۔

❀ فقہاے تابعین کے فقہی مذاہب۔

❀ ائمۂ اربعہ - ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل - کے فقہی مذاہب۔

❀ نماز جمعہ کے لیے اذان اول کا اضافہ۔

❀ مساجد میں مناروں کی تعمیر۔

❀ ایک مخصوص ہیئت پر مدارس کا قیام۔

❀ اذانِ خطبہ اور مواعظ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال۔

❀ علم کلام، علم اصولِ حدیث، علم اصولِ فقہ اور علم الصرف و علم النحو وغیرہا کی ایجاد اور تفصیل۔

❀ تفاسیر، شروحِ حدیث اور دیگر دینی کتابوں کی تصنیف، تالیف، ترتیب تہذیب، ابواب و فصول لکھنا اور تحقیق و طباعت۔

مطلق بدعت کی کسوٹی پر بدعتِ حَسَنہ کی جانچ:

یہ بدعات کی پندرہ مثالیں ہیں ان کو سامنے رکھ کر اب آپ غور فرمائیں کہ کیا ان میں سے کوئی کام:

● باعث لعنت ہے۔

● اسلام کو ڈھانا ہے۔

● شَرُّ الخلق و الخلیقۃ ہونے کا سبب ہے۔

● ضلالت و گمراہی ہے۔

● جہنم میں جانے کا کام ہے۔

● کیا یہ کام مذہب اسلام سے نہیں ہے؟

● ان کے باعث ان کے جیسی سنتیں اٹھائی گئیں۔

● کیا یہ سُنّۃً سَیّئۃً کے زمرے میں ہے۔

ایک خدا ترس ان سب کا جواب یہی دے گا کہ ایسا کچھ بھی نہیں، یہ امور تو خیر ہیں، دین حنیف اور سنتِ نبوی کی تقویت و اشاعت کا ذریعہ ہیں، "سُنۃً حسنۃً" کے مصداق ہیں جس پر بارگاہ نبوی سے اجر کی بشارت ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے بدعت کی ایک بہت ہی واضح شناخت یہ بتائی ہے کہ:
"کسی بدعت کی ایجاد سے اسی جیسی سنت قیامت تک کے لیے اٹھالی جاتی ہے۔" مثلاً خارجیوں کا "ارتکابِ کبیرہ کو کفر قرار دینا" بدعت ہے تو اس کی وجہ سے اس قوم سے وَ إِن زَنیٰ وإن سَرَقَ.[۱] کی سنت قیامت تک کے لیے اٹھالی گئی، اب یہ قوم اس سنت کی برکت سے ہمیشہ محروم رہے گی۔ اس شناخت کو سامنے رکھ کر گزشتہ سطور میں بیان کی گئی مثالوں کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ کیا اُن میں کہیں یہ شناخت نظر آتی ہے۔

پہلی مثال: ہے قرآن حکیم کی تدوین۔ کیا اس سے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی سنتِ ثابتہ اٹھی، اس سے تو قرآن کریم کی حفاظت ہے جس کی بشارت آیت کریمہ: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝"[۲] میں دی گئی ہے، اس سے قرآن کریم کا حفظ اور تلاوت آسان ہوئی جس کی ترغیب احادیث نبویہ میں دی گئی ہے۔

دوسری مثال ہے "آیات قرآنیہ میں نقطے واعراب لگانا، تشدید ومد اور وقف وسکتہ کی علامات لکھنا، وغیرہ۔"

اس سے قرآن پاک کی صحیح تلاوت اور فہم معانی وتدبُّر قرآن میں مدد ملتی ہے، ایسا نہ ہوتا تو بے شمار لوگ قرآن پاک کی تلاوت پر قادر نہ ہوتے اور بے شمار لوگ غلط پڑھتے، پھر فہمِ معانی وتدبر قرآن کیا ہوتا۔

تیسری مثال ہے اسانید وتراجم ابواب وفصول کے ساتھ جوامع وسنن ومسانید ومعاجم واجزا

---

(۱) عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا الأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- حَدَّثَهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم-، وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذٰلِكَ إِلاَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ، عَلَى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ، وَكَانَ أَبُو ذَرٍّ إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ. (صحيح البخاري، ج:۲، ص:۸٦٦، ۸٦۷، كتاب اللباس/ باب الثياب البيض، مجلس البركات)

(۲) القرآن الحكيم، سورة الحجر: ۱۵، الآية: ۹.

ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ۱۲ منہ

کی شکل میں احادیث نبویہ کو مرتب کرنا اور شرح معانی الآثار کی آسانی کے لیے ایک مضمون کی احادیث وروایات کو یک جا کرنا، پھر جدید طرز پر شائع کرنا، وغیرہ۔ کیا یہ نئے نئے کام معاذ اللہ لعنت کے سبب ہیں، اور ان سے رسول اللہ کی سنتیں اٹھ رہی ہیں، ایسا ہرگز نہیں، ان سے تو احادیث کی حفاظت ہوتی ہے، ساتھ ہی اس کی تبلیغ آسان اور افادیت عام ہوتی ہے اور ان امور سے سنتوں کو تقویت ملتی ہے۔ "نَضَّرَ اللهُ امرأ سمِع منّا حديثًا فحفِظه حتى يُبَلِّغَه غيرَه."[1] "ليبلِّغ الشّاهدُ الغَائبَ."[2] یہی حال تمام مثالوں کا ہے۔

البتہ **گیارہویں مثال میں کلام** کیا جاسکتا ہے، وہ ہے:

"مساجد میں مناروں کی تعمیر"۔

کیوں کہ اس بارے میں حضور سید عالم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

(۲۱) ابنُوا المساجِدَ واتَّخِذُوْهَا جُمًّا،[3] رواه أنس بن مالك -رضي الله تعالى عنه-.[4]

ترجمہ: مسجدیں منڈی بناؤ، ان میں کنگرے نہ رکھو۔

اور منارہ بنانے سے اس سنت کا ارتفاع ہوتا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ حالات زمانہ میں تغیر کے سبب آج یہ بھی سنت پر ہی عمل ہے کہ سنت کی حکمت اور اس کا مقصود یہاں پورے طور پر حاصل ہے، وہ حکمت اور مقصود ہے "مساجد کی عظمتِ

---

(۱) ● جامع الترمذي، ج:۲، ص:۲۳۵، كتاب الحج/ باب الخطبة أيّامَ مِنىً، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۲، ص:۶۱، كتاب القسامة والدّيت/ بابُ تغليظِ تحريم الدّماء، مجلس البركات.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۶، كتاب العلم/ باب قول النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: "رُبَّ مُبلَّغ أوعىٰ مِن سامع".

(۳) جُمًّا: یہ جَمَّاء کی جمع ہے جو الأجَمّ کی مؤنث ہے بمعنی: "بے سینگ والا مینڈھا" یہ لفظ مسجد کے لیے بولا جائے تو مراد ہوگا: "بے منارے والی مسجد" یہاں ایسا ہی ہے۔ ۱۲ محمد فضل الرحمٰن برکاتی

(٤) ● المصنّف لابن أبي شيبة، ج:۱، ص:۳۰۹، آداب الصلاة/ في زينة المساجد وماجاء فيها، الدارُ السلفية، الهند.
● السُّنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، ج:۲، ص:۴۳۹، كتاب الصلاة/ باب كيفية بناء المسجد.

شان" عہد سلف میں مساجد اپنی سادگی کے باوصف عظیم تصور کی جاتی تھیں اور ان کا مسجد ہونا ہی قلوبِ اہل ایمان میں ان کی عظمتِ شان کا باعث تھا، بعد کے ادوار میں جب عالی شان اور پر شکوہ محل تعمیر ہونے لگے تو نگاہِ عوام میں اُن کی وہ عظمت باقی رکھنے کے لیے مناروں کی تعمیر کی حاجت پیش آئی۔ پہلے مساجد کی عظمت شان نگاہِ عوام میں بغیر مناروں کے تھی اور بعد میں وہی عظمت شان نگاہ عوام میں برقرار رکھنے کے لیے مناروں کی تعمیر کی حاجت محسوس ہوئی۔ ہماری اس گفتگو کا ماخذ قرآن کی آیات ہیں، چناں چہ، ارشاد باری ہے:

(۲۲) "وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝" (۱)

ترجمہ: جو "شعائر اللہ" کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

(۲۳) "وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" (۲)

ترجمہ: جو الٰہی آداب کی چیزوں کی تعظیم کرے تو اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بہتری ہے۔

اور ظاہر ہے کہ مساجد ضرور "شعائر اللہ" اور "حُرما اللہ" سے ہیں جن کی عظمتِ شان کے اظہار کے لیے آج مناروں کی تعمیر کی حاجت ہے۔

اس لیے مناروں کی تعمیر کو "ارتفاع سنت" نہ کہیں گے۔ پہلے سادگی میں بھی احساسِ عظمت تھا اور اب وہ احساسِ عظمت مناروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

بدل پر عمل جاری ہونے کے باعث اصل پر عمل نہ ہو تو یہ ارتفاعِ سُنت نہیں۔

الغرض احادیث میں بدعت اور اس کے ہم معنٰی کلمات کا اطلاق دو طرح سے پایا جاتا ہے۔

جہاں یہ اطلاق بغیر کسی قید و صفت کے ہوتا ہے وہاں بدعت اور اس کے مترادفات سنت کے مقابل ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بدعت مطلقاً ضلالت و مردود ہوتی ہے جیسا کہ نوع اول کی احادیث اس کی شاہد ہیں۔

اور جہاں اطلاق کسی قید، یا صفت کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ بدعت اسی قید و صفت کے ساتھ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحج: ۲۲، الآیۃ: ۳۲.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الحج: ۲۲، الآیۃ: ۳۰.

جانی جاتی ہے یعنی اس کی قید، یا صفت "حسنہ" ہے، یا اس کے مترادف کوئی لفظ ہے تو وہ "بدعت حسنہ" ہے اور اگر اس کی قید، یا صفت سیئہ، یا اس کا مترادف ہے تو وہ "بدعت سیئہ" ہے۔ نوعِ دوم کی احادیث اس تقسیم کی شاہد ہیں۔ اسی لیے امام بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدعت کی تشریح اس طرح فرمائی:

والبدعةُ في الأصل إحداثُ أمرٍ لم يكن في زَمَن رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-. ثم البدعةُ على نوعين: إن كانت ممّا يندرج تحتَ مُسْتحسَنٍ في الشرع فهي بدعةٌ حَسَنةٌ، وإن كانت ممّا يندرجُ تحت مُستَقْبَحٍ في الشرع فهي بدعةٌ مستقبحَةٌ.(١)

ترجمہ: بدعت کا اصل مفہوم ہے ایسے کام کی ایجاد، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نہ ہو۔
پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں: اگر یہ اُن امور میں سے ہو جو شرعاً کسی مستحسن کے تحت آتے ہوں تو وہ "بدعتِ حَسَنہ" ہے۔ اور اگر وہ اُن امور سے ہو جو شرعاً کسی قبیح کے تحت آتے ہوں تو وہ "بدعتِ سَیّئہ" ہے۔
یہ تقسیم دونوں انواع کی احادیث کے پیش نظر ہے۔

بدعت کی تقسیم پر فرقۂ وہابیہ کی برہمی:

فرقۂ وہابیہ نے اس تقسیم کو یہ کہہ کر فحش غلطی قرار دیا ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد: "نِعْمَ البدعةُ" پر سخت جارحانہ تبصرہ کیا ہے، حالاں کہ یہ ان کی بڑی بھول، بلکہ سخت ناانصافی ہے، کیا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض بدعات کو حسَن نہیں فرمایا ہے، صحابہ نے کچھ بدعات کو خیر نہیں کہا ہے۔ ان احادیث کو پس پشت ڈال کر بدعت کی تقسیم کو غلط قرار دینا ضرور ان احادیث سے انحراف ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرح کی حدیثوں پر ایمان رکھیں اور دونوں کے تقاضے پر عمل کریں۔

وہابی علما کے تبصرے:

وہابی مذہب کے ایک بہت بڑے عالم و شیخ نوعِ دوم کی ایک حدیث: "مَنِ ابتَدَعَ بِدْعَةً

---

(١) عمدة القاري ج: ١١، ص: ١٧٨، باب فضلِ مَن قام رمضان، دار الكتب العلمية، بيروت.

ضَلَالَةٍ" کی شرح کے ضمن میں لکھتے ہیں:

قَالَ صَاحِبُ "الدِّينِ الخَالِصِ":

قَالَ فِي "الْمِرْقَاةِ": قَيَّدَ بِهِ لِإِخْرَاجِ الْبِدْعَةِ الْحَسَنَةِ، وَزَادَ فِي "أَشِعَّةِ اللُّمَعَاتِ" لِأَنَّ فِيهَا مَصْلَحَةَ الدِّينِ وَتَقْوِيَتَهُ وَتَرْوِيجَهُ، اِنْتَهَى.

وَأَقُولُ: هَذَا غَلَطٌ فَاحِشٌ مِنْ هَذَيْنِ الْقَائِلَيْنِ؛ لِأَنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ لَا يَرْضَيَانِ بِدْعَةً أَيَّ بِدْعَةٍ كَانَتْ، وَلَوْ أَرَادَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِخْرَاجَ الْحَسَنَةِ مِنْهَا لَمَا قَالَ: "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ." كَمَا وَرَدَ بِهَذَا اللَّفْظِ فِي حَدِيثٍ آخَرَ، بَلْ هَذَا اللَّفْظُ لَيْسَ بِقَيْدٍ ... وَأَمَّا ظَنُّ مَصْلَحَةِ الدِّينِ وَتَقْوِيَتِهِ فِيهَا فَمِنْ وَادِي قَوْلِهِ سُبْحَانَهُ: "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]، ... وَلَا أَدْرِي مَا مَعْنَى قَوْلِهِ تَعَالَى: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"[2] إِنْ كَانَتْ تِلْكَ الْمَصْلَحَةُ فِي تَرْوِيجِ الْبِدْعَاتِ يَا اللهُ! الْعَجَبُ مِنْ أَمْثَالِ هَذِهِ الْقَالَةِ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ فِي إِشَاعَةِ الْبِدَعِ إِمَاتَةَ السُّنَنِ وَفِي إِمَاتَتِهَا إِحْيَاءَ الدِّينِ. (اھ ملتقطاً)[3]

ترجمہ: "الدین الخالص" کے (وہابی) مصنف لکھتے ہیں کہ مرقاۃ المفاتیح میں ہے کہ حدیث: "بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ" میں ضَلالت کی قید "بدعتِ حسنہ" کو نکالنے کے لیے ہے، اور اشِعّۃ اللمعات میں یہ اضافہ ہے کہ بدعتِ حَسَنہ میں دین کی مصلحت اور تقویت و ترویج ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں قائلین کی فحش غلطی ہے اس لیے کہ اللہ و رسول بدعت سے راضی نہیں، خواہ کوئی بدعت ہو، اور اگر نبی کریم ﷺ بدعتِ ضلالۃ سے حَسَنہ کو نکالنا چاہتے تو یہ نہیں فرماتے کہ "ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر نوپیدا کام بدعت ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے" جیسا کہ دوسری حدیث میں یہ لفظ وارد ہے، بلکہ یہ لفظ قید نہیں ہے... اور بدعت میں دین کی مصلحت و تقویت کا گمان

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات:۴۹، الآیۃ:۱۲.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ:۵، الآیۃ:۳.

(۳) تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۰۳۶، كتاب العلم/ باب ما جاء في الأخذِ بالسنة، و اجتنابِ البِدَع، بیت الأفکار الدولیة.

اللہ سبحانہ کے ارشاد: '' بعض گمان گناہ ہیں '' کی وادی سے ہے، اور اگر دین کی مصلحت بدعات کی ترویج میں ہو تو میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے: '' آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔'' . . . یا اللہ! ان جیسے قائلین سے تعجب ہے، انھیں یہ معلوم نہیں کہ بدعتوں کے رواج سے سنتیں مردہ ہو جاتی ہیں، اور بدعتوں کو مٹا دینے سے دین زندہ ہوتا ہے۔

تبصرے پر چشم کشا گفتگو:

(ا) جناب! انھیں خوب معلوم ہے کہ بدعت رافعِ سنت ہوتی ہے مگر کیا ''مَنْ سَنّ في الإسلام سُنّۃً حَسَنَۃً'' والی بدعت بھی رافعِ سنت ہے، اگر یہ بھی رافعِ سنت ہے تو اس پر حضور سید عالم ﷺ نے بے پناہ ثواب کی بشارت کیسے دی ہے فَلَهُ أجرُها و أجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بعدُ.

(ب) صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن النسائی، مسند احمد وغیرہ کثیر کتبِ حدیث کی اپنی ہیئتِ خاص پر جمع و ترتیب بدعت حَسَنہ ہے تو اس میں دین کی مصلحت اور تقویت و ترویج ہے، یا نہیں؟

یوں ہی قرآن حکیم کی آیات پر اعراب اور مد و تشدید لگانے، اور وقف و سکتہ کی علامات کے تعیّن میں دین کی تقویت و ترویج و مصلحت ہے یا نہیں۔ اور کیا یہ کمالِ دین و اتمامِ نعمت کے منافی ہے، کیا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث: '' مَنْ سَنَّ في الإسلامِ سُنّۃً حَسَنَۃً'' دین سے نہیں ہے۔

جناب! معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیثیں بھی کمالِ دین و اتمامِ نعمت کا ایک عظیم حصہ ہیں۔

(ج) نوع دوم کی احادیث سے بدعت کی تقسیم ناقابلِ انکار حقیقت ہے جیسا کہ ہم واضح کر چکے اب ان کو نظر انداز کر کے صرف نوع اول کی حدیثوں کو سامنے رکھ کر اس تقسیم پر یہ '' محققانہ اعتراض'' قابلِ داد ہے۔

حضرت فاروق اعظم پر ایک وہابی عالم کی تنقید:

اور فرقۂ وہابیہ کے ایک بہت بڑے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی تو بہت آگے بڑھ گئے اور کُلُّ بدعةٍ کا سہارا لے کر حضرت فاروق اعظم پر بھی بڑی بے باکانہ تنقید کر ڈالی، الفاظ یہ ہیں:

إذا عرفتَ هذا، عرفتَ أنّ عمر هو الذي جَعَلَها على معيّن، و سمّاها بدعة.

و أمّا قوله: "نِعْمَ البدعةُ" فليس في البدعة ما يُمدَح، بل كلُّ بدعةٍ ضلالةٌ... فإنّه ليس المراد "بسُنّةِ الخلفاء الراشدين" إلّا طريقتهم الموافقةَ لطريقتِهِ مِن جهاد الأعداء و تقوية شعائر الراشدين و نحوها ... و معلومٌ مِن قواعدِ الشّريعة أنّه ليسَ لِخليفة راشدٍ أن يشرع طريقةً غيرَ ما كانَ عليه النبيّ -صلى الله تعالىٰ عليه و اٰلهٖ وأصحابهٖ و سلم-، ثمّ إنّ هٰذا عمرُ نفسُه، الخليفة الراشد سَمّیٰ ما راٰهُ مِن تجميعِ صلاته ليل رمضان بدعة، و لم يقل إنّها سنّة. اهـ ملتقطاً.[1]

ترجمہ: تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ حضرت عمر نے ہی امام معین کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز تراویح کا حکم دیا اور اسے "بدعت" کہا۔

رہا ان کا اسے "اچھی بدعت کہنا": تو بدعت میں کوئی ایسی بات نہیں جو اچھی ہو، بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے ... اور "سنت خلفاے راشدین" سے مراد صرف ان کا وہ طریقہ ہے جو نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے موافق ہو یعنی دشمنوں سے جہاد اور شعائر دین کی تقویت اور اس طرح کے دوسرے کام۔ اور قواعدِ شریعت سے یہ بات معلوم ہے کہ کسی خلیفۂ راشد کے لیے یہ حلال نہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طریقے کے سوا کوئی اور طریقہ جاری کرے، پھر بے شک خلیفۂ راشد حضرت عمر نے شب رمضان میں تراویح کی جماعت قائم کرانے کو بدعت کہا، اور یہ نہیں کہا کہ وہ سنت ہے۔

اس تنقید کی بنیاد اُس امر پر ہے جو انھوں نے "انتقاد" میں لکھا، ان کے کلمات یہ ہیں:

إنّ كلّ بدعة ضلالة علىٰ إطلاقِها كما وردت به الأخبار المستفيضة عن رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه و اٰله و أصحابهٖ وسلّم- و لا يوجد لتقسيمها رائحة في السنّة.[2]

ترجمہ: بے شک ہر بدعت علی الاطلاق گمراہی ہے جیسا کہ اس بارے میں اخبارِ مشہورہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم سے وارد ہیں اور سنت میں بدعت کی تقسیم کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔

---

(۱) الانتقاد الرّجيح في شرح الاعتقاد الصحيح، ص: ۱۸۸، ۱۸۹، دار ابن حزم، بيروت

(۲) الانتقاد الرّجيح في شرح الاعتقاد الصحيح، ص: ۲۱٤، دار ابن حزم، بيروت

تنقید پر تحقیقی نظر:

(الف) دیکھ رہے ہیں آپ، ہم نے صریح احادیث و آثار پیش کیے جن سے بدعتِ حَسَنہ و بدعتِ سَیِّئہ کی تقسیم ثابت ہوتی ہے مگر نواب صاحب کو اس کی بو بھی نہ مل سکی، شاید ان کو ان احادیث و آثار کی بو ہی نہیں لگی، پھر تقسیم کی خوشبو مشامِ جان تک کیسے پہنچتی، یا بُو پہنچی مگر کلّ بدعة ضَلالَة کی بُو ان پر غالب رہی اس لیے محسوس نہ کر سکے۔ واقعہ جو بھی ہو، اب تو دونوں انواع کی حدیثیں آپ کے پیشِ نظر ہیں، اور جب حدیثیں کئی انواع کی ہوں تو ان کے الگ الگ اطلاق اور محمل کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور خدا توفیق دے تو اسے تسلیم بھی کر لینا چاہیے۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا، حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

حَسَنہ اور سَیّئہ

اور ضلالت یا گناہ "بدعتِ سیّئہ" ہے، تو اسی حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ حدیث نبوی: "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ" میں "بِدْعَةٍ" سے مراد "بِدْعَةٍ سَیِّئَةٍ" ہے۔ کیوں کہ احادیث میں بدعت کا اِطلاق سُنّت کے مقابل ہوتا ہے اور ایسی بدعت جو سنت کے مقابل و مُزاحم ہو بلا شبہہ ضَلالت ہی ہوگی۔

مختصر یہ کہ حدیث میں جہاں بدعت کا لفظ مطلق ہو وہ ضلالت ہے اور جہاں وہ سَیّئة یا ضَلالَة یا لَا یَرضاها اللهُ وَرَسُولُه یا مَا لَیسَ فِیه وغیرہ سے مقید ہو وہ بھی ضَلالَت ہے۔

لیکن جہاں حدیث نبوی میں "بدعت" کو حسنة، یا خَیر کہا گیا ہو، یا اس پر له في الجنة مثله کی بشارت ہو۔ کیا وہ بھی ضَلالت ہے، اگر آپ کی ضد یہی ہے تو پورے ذخائر حدیث سے کوئی ایک حدیث ایسی پیش کیجیے جس میں "بدعت" کو ● حسنہ یا ● خیر کہا گیا ہو ● یا اس پر جنت کی بشارت ہو، پھر بھی سرکار ابد قرار نے اسے ضَلالَة فرمایا ہو،

الحمد للہ آج تک فرقۂ وہابیہ نے نہ ایسی حدیث پیش کی ہے، نہ آیندہ پیش کر سکیں گے، اس لیے حضور سید عالم ﷺ نے بدعت کی جو تقسیم فرمائی ہے وہ حق و صواب ہے۔ اور یہ دونوں انواع کی حدیثوں کی بہت صاف و شفاف توضیح و تطبیق ہے۔

(ب) ”بدعتِ حسنہ“ فی الواقع ”ثابت بالسنّہ“ ہوتی ہے مگر چوں کہ وہ

”طریقہ“ رسول اللہ ﷺ نے جاری نہیں فرمایا اس لیے اسے عرفِ مسلمین میں سنت نہیں کہتے تاکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ”جاری کردہ طریقۂ حسنہ“ اور امتِ مسلمہ کے ”جاری کردہ طریقۂ حسنہ“ میں فرق و امتیاز برقرار رہے، یہ امت کا حُسنِ ادب ہے اور حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حسنِ ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے جماعتِ تراویح کے اہتمام کو ”نِعْمَتِ البِدْعَةُ هٰذِهٖ“ فرمایا، مگر نواب صاحب نے ان پر بیجا تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ ”خلیفۂ راشد نے اسے خود بدعت کہا ہے، سنت تو نہیں کہا“ اور یہ نہ دیکھا کہ انھوں نے اس کے ساتھ ”نِعْمَت“ بھی فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ”جماعت“ بدعت تو ہے مگر حَسنہ ہے اور بدعتِ حَسنہ فی الواقع ثابت بالسُّنّہ ہی ہوتی ہے مگر ایک باریک فرق اور حسنِ ادب کی بنا پر اسے بدعت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہی وہ بدعت ہے جسے بلا نکیر تمام صحابۂ کرام نے قبول کیا، بعد کے خلفاے راشدین نے بھی اسے جاری رکھا اور آج تک وہ طریقۂ حَسنہ جاری ہے یہاں تک کہ حرمین طیبین زادھما اللہ شرفاً وّ تکریماً میں آج بھی جاری ہے جب کہ وہاں وہابی حکومت ہے۔ تو کیا آپ لوگوں کے نزدیک عہد فاروقی و مابعد کے تمام صحابہ، تابعین، خلفاے راشدین اور قرناً فقرناً آج تک کے جملہ مسلمین اُس طریقۂ حسنہ پر عمل پیرا رہ کر بدعتِ ضلالت کے مرتکب اور گمراہ ہیں۔ معاذَ اللہ۔ یہی ہے سلفیت، اور اسی کا نام ہے عمل بالحدیث؟

بدعت کی وہابی تعریف اور اس کا جائزہ:

گزشتہ صفحات میں ہم نے جو احادیث نقل کی ہیں ان سے بدعت کا مفہوم واضح ہو کر یہ سامنے آتا ہے کہ دین میں جو بھی نیا کام ایجاد ہو اس میں دیکھا جائے کہ وہ خیر ہے یا شر، بلفظ دیگر وہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہے یا ان سے متصادم۔ اگر وہ بجاے خود خیر ہو، کتاب و سنت سے ماخوذ ہو تو بدعتِ حسنہ ہے اور اگر وہ شر ہو، کتاب و سنت سے متصادم ہو تو بدعتِ سَیِّئہ ہے۔

اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ یہ موقف اپناتا ہے کہ خیر القرون کا نیا کام اچھا ہے اور اس کے بعد کا نیا کام بدعت و ضلالت ہے، انھوں نے کسی نو پیدا کام کے بدعت ہونے، نہ ہونے کی بنیاد خیر القرون میں اس کی ایجاد ہونے، نہ ہونے پر رکھی ہے، چناں چہ نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں:

البدعةُ الشرعيّة: الأمرُ الحادثُ في الدّين بعد القرون الثلاثة المشهودِ لها بالخير، لم يدل عليها دليلٌ من الكتاب و السّنة، و كل بدعةٍ ضلالةٌ، و هي كثيرة سيما في عصرنا هٰذا، فإنّهم قد أحدَثوا في الدين أشياءَ ما كانت في عهد النّبي – صلى الله تعالىٰ عليه و آله و أصحابه و سلم- كعقد مجلس الميلاد، و القيام عند ذكر الولادة.[1]

ترجمہ: بدعت شرعیہ وہ امر ہے جو تینوں قرونِ خیر کے بعد دین میں حادث ہو، اس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ہو۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور خصوصًا ہمارے زمانے میں یہ بدعت بہت ہے کیوں کہ لوگوں نے دین میں ایسی چیزیں ایجاد کرلی ہیں جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے زمانے میں نہ تھیں جیسے محفل میلاد کا انعقاد، اور ذکرِ ولادت کے وقت قیام، اور عید میلاد النبی کی ایجاد۔

محفل میلاد شریف کے انعقاد، اور ذکرِ ولادت کے وقت قیام اور جشن عید میلاد کو بدعتِ ضلالہ سے اس لیے شمار کیا ہے کہ یہ امور عہد رسالت و عہد صحابہ میں نہ تھے حالاں کہ یہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور ان کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب بیان کریں گے تو اگر چہ یہ لکھا ہے کہ "اس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ہو" مگر بنیاد عہد رسالت و عہد صحابہ میں نہ ہونے پر رکھی ہے۔ حالاں کہ جن احادیث میں بدعت کا ذکر ملتا ہے ان میں "امرِ حادث" کے قرون خیر میں ہونے، نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، بلکہ تینوں قرونِ خیر میں بھی بدعت کے لیے اس قید کا ذکر نہیں ملتا، کم از کم سلفیوں کو تو علماے سلف سے بدعت کی یہ تعریف نقل ہی کرنی چاہیے، بلکہ اہل حدیث ہیں تو حدیثِ نبوی بھی نقل کرنی چاہیے۔

اور حدیث "خَيْرُ النَّاسِ قَرنِي"[2] یا "خَيرُ القُرونِ قَرنِي"[3] کی بنا پر بدعت کی

---

(۱) کنز الحقائق ص: ۵، فصل: البدعة، شوکت اسلام، بنگلور

(۲) عن عبد الله، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: خَيْرُ الناسِ قَرنِي، ثُمّ الذين يلونهم، ثمّ الذين يلونهم. (الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۰۹، باب فضل الصحابة، مجلس البركات) سب سے بہتر لوگ میرے قرن کے ہیں، پھر اس کے بعد والے قرن کے، پھر اس کے بعد والے قرن کے۔ ۱۲منہ

(۳) مسند البزار، ج: ۱، ص: ۳۷۳/ حديث أبي برزة الأسلمي عن النبي –صلى الله تعالى عليه وسلم-.

تعریف میں "قرونِ خیر میں نہ ہونے" کی قید لگانی بجا نہیں، اس کی تفہیم کے لیے ہم اس مقام پر مجدد اسلام، امام احمد رضا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی ایک کتاب مستطاب سے چند نکات پیش کرتے ہیں جو کسی بھی منصف مزاج کی تشفی کے لیے کافی ہوں گے، آپ رقم طراز ہیں:

بدعت کی تعریف کے لیے حدیث: "خیرُ القرون قرنی" سے وہابی استدلال کا تحقیقی جائزہ مختلف حیثیتوں سے

جائزہ (۱)

شرعاً و عقلاً کسی طرح زمانہ کو احکام شرع، یا کسی فعل کی تحسین و تقبیح پر قابو نہیں:

حضرات مانعین کا تمام طائفہ (غیر مقلدوں کا گروہ) اس مرض میں گرفتار ہے کہ قرون و زمان کو حاکم شرعی بناتا ہے، جو نئی بات کہ قرآن و حدیث میں اپنی موجودہ ہیئت و شکل کے ساتھ مذکور نہ ہو جب فلاں زمانے میں ہو تو کچھ بری نہیں اور فلاں زمانے میں ہو تو ضلالت و گمراہی ہے حالاں کہ شرعاً و عقلاً کسی طرح زمانہ کو احکام شرع، یا کسی فعل کی تحسین و تقبیح پر قابو نہیں، نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانے میں ہو برا ہے۔ آخر:

- بلوائے مصر
- و واقعۂ کربلا
- و حادثۂ حرہ
- و بدعاتِ خوارج
- و شناعاتِ روافض
- و خباثاتِ نواصب
- و خرافاتِ معتزلہ
- و غیرہا امور شنیعہ

زمانۂ صحابہ و تابعین میں حادث ہوئے مگر معاذ اللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے۔ (کہ یہ خیر القرون میں رونما ہوئے) اور:

- بنائے مدارس
- تصنیفِ کتب
- تدوینِ علوم
- ردِّ مبتدعین

❀ تعلیم نحو وصرف ❀ طرق اذکار

❀ صورِ اشغالِ اولیاے سلاسل قدست أسرارھم.

❀ وغیرہا امورِ حسنہ

ان کے بعد شائع ہوئے مگر عیاذًا باللہ (اللہ کی پناہ) اس وجہ سے بدعت نہیں قرار پاسکتے۔
اس کا مدار نفسِ فعل کے حُسن وقبح پر ہے:

"جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن وحدیث سے ثابت ہو وہ بے شک حَسَن ہوگا، چاہے کہیں واقع ہو، اور جس کام کی برائی تصریحًا یا تلویحًا وارد ہو، وہ بے شک قبیح ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو۔"

جمہور محققینِ ائمہ وعلمانے اس قاعدے کی تصریح فرمائی اگرچہ منکرین براہِ سینہ زوری نہ مانیں، امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ:

"کسی چیز کا نوپیدا ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب کہ ان کے ساتھ کوئی مفسدۂ شرعیہ نہ ہو۔"

اسی طرح حکیم امت، حجۃ الاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد بھی اوپر مذکور ہوا کہ:

"صحابہ سے منقول نہ ہونا باعثِ ممانعت نہیں، بُری وہ بدعت ہے جو کسی سنتِ ماموربہا کارد کرے۔"[1]

اور کیمیاے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ایں ہمہ گرچہ بدعت ست واز صحابہ وتابعین نقل نہ کردہ اند ولیکن نہ ہرچہ بدعت بود، نہ شاید، کہ بسیارے بدعت نیکو باشد... پس بدعتِ مذموم آں بود کہ بر مخالفتِ سنتے باشد۔"[2]

(**ترجمہ:** یہ سب کچھ اگرچہ بدعت ہے اور صحابہ وتابعین سے منقول نہیں ہے لیکن ایسا نہیں کہ جو بدعت ہو اُسے نہ کیا جائے، کیوں کہ بہت سی بدعت اچھی ہوتی ہیں... بدعتِ مذموم وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو۔ن)

---

(۱) إحياء علوم الدين ج: ٦، ص: ١١٨٢، كتاب السّماع والوجد / الباب الثاني/ المقام الثالث/ الأدب الخامس.

(۲) کیمیاے سعادت، ج:۱، ص: ٤٩٨، باب دوم/ اصل ھشتم/ آدابِ سماع ووجد، تہران.

امام نووی، حافظ بیہقی اور امام ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

المحدَثات من الأمور ضربان: أحدُهما: ما أحدث ممّا يخالفُ كتابًا أو سنةً أو أثرًا أو إجماعًا فهٰذه البدعة الضّالّة. و الثاني: ما أحدث من الخير و لا خلاف فيه لواحد من هذه و هي غيرُ مذمومة.(۱)

ترجمہ: نو پیدا باتیں دو قسم کی ہیں، **ایک** وہ بات کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف نکالی جائے، یہ بدعت گمراہی ہے۔ **دوسرے** وہ اچھی بات کہ اِحداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بُری نہیں۔

امام، علامہ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں:

والبدعةُ إن كانت ممّا تندرج تحتَ مُستحسَنٍ فهي حَسَنة، و إن كانت تندرج تحتَ مُستقبحٍ فهي مُستَقبحة. و إلّا فمِن قسمِ المباح.(۲)

ترجمہ: بدعت ● اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے ● اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے ● اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے نہ داخل ہو تو وہ قسمِ مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔

جائزہ (۲)

حدیث "خیرُ القُرون" سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا شنیع و مذموم ٹھہرے گا:

بڑی مستند ان حضرات کی حدیث: "خيرُ القرون قرني"(۳) ہے اس میں بحمد اللہ ان کے

(۱) المدخل إلى السّنن الكبرى، ص: ۲۰٦، بابُ ما يذكر مِن ذمّ الرائ و تكلّفِ القياس في موضع النصّ.

(۲) فتح الباری ج: ٤، ص: ۳۲۱، کتاب التراويح/ باب فضل من قام رمضان، دار السلام الرياض.

(۳) البحر الزخار المعروف بـ مسند البزار، ج: ۱۰، ص: ۳۷۳/ حديث أبي برزة الأسلمي عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-.

مطلب کی بو بھی نہیں، حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ:

”میرا زمانہ سب سے بہتر ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا“ اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن پروری اور خواہی نہ خواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہو جائے گا۔“

اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا اگرچہ کسی اصلِ شرعی، یا عام، یا مطلق ماموربہٖ کے تحت میں داخل ہو شنیع و مذموم ٹھہرے گا، جو اس کے ثبوت کا دعویٰ رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے۔

اے عزیز! یہ تو بالبداہتہ باطل کہ زمانۂ صحابہ و تابعین میں شر مطلقاً نہ تھا، نہ ان کے بعد خیر مطلقاً رہی، ہاں! اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خدا ترس، متقی، پرہیز گار تھے، بعد کو فتنے، فساد پھیلتے گئے، پھر یہ کن میں؟ یہ انھی لوگوں میں جو علم و محبتِ اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے، ورنہ علماے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں منبع و مجمعِ خیر رہے ہیں، مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا، کم لوگ جاہل رہتے تھے اور جو جاہل تھے وہ علما کے فرماں بردار۔ اس لیے شر و فساد کو کم دخل ملتا کہ دینِ متین دامنِ علم سے وابستہ ہے۔

اس کے بعد علم کم ہوتا گیا، جہل نے فروغ پایا، جاہلوں نے سرکشی و خودسری اختیار کی، لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا، اب یہ یہیں نہ دیکھ لیجیے کہ صدہا سال سے علماے دین مجلس (میلاد) و قیام کو مستحب و مستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے، انھی سرتابیوں نے اس زمانے کو زمانۂ شر بنا دیا، تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں اس زمانۂ مابعد کے جُہّال کی طرف راجع ہیں (یعنی جاہلوں کے بارے میں ہیں۔) ان سے کون استدلال کرتا ہے، نہ ہمارا یہ عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقاً محمود ہو جائے گی۔

کلام، علما (کے حَسَن یا قبیح سمجھنے) میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابرِ امت مستحب و مستحسن کہیں وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو، کہ علماے دین کسی وقت میں مصدر و مظہرِ شر نہیں ہوتے۔

والحمدُ للہ ربّ العٰلمین۔

جائزہ (۳)

احادیث میں کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان مذکور ہونا اس زمانے کے "محدثات" کے خیر ہونے اور مابعد کے شر ہونے کو مستلزم نہیں:

اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اسی کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے "محدثات" **خیر** ٹھہریں اور مابعد کے **شر**، تو اکثر زمانۂ صحابہ و تابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھیے۔

(۲٤) أخرج الحاكمُ و صحّحه عن أنس -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: بعثني بنو المصطلق إلىٰ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه و سلم- فقالوا: سل برسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه و سلم- إلى من ندفع صدقاتِنا بعدَك، فقال: إلى أبي بكر ، قال: فإن حدث بأبي بكر حَدثٌ فإلىٰ مَن؟ فقال: إلى عُمر، قالوا: فإن حَدَثَ بعُمرَ حَدثٌ؟ فقال لي: إلىٰ عثمان، قالوا: فإن حَدَثَ بعثمان حَدَثٌ؟ فقال: فتبًّا لكم الدهر، فتبّا، اهـ ملخصًا.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے بنی مُصطلق نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ حضور سے پوچھو کہ حضور کے بعد ہم اپنے اموال کی زکات کسے دیں؟ فرمایا ابو بکر کو

- عرض کی اگر ابو بکر کو کوئی حادثہ پیش آئے- فرمایا: عمر کو
- عرض کی اگر عمر کو کچھ حادثہ پیش آئے - فرمایا عثمان کو
- عرض کی اگر عثمان کو کوئی حادثہ منہ دکھائے- فرمایا: خرابی ہو تمھارے لیے ہمیشہ، پھر خرابی ہے۔

(۲۵) وأخرج أبونعيم في الحلية، والطبراني عن سهل بن أبي خَيثَمة

---

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج: ۳، ص: ۷۷، كتاب معرفةِ الصحابة/ باب أمر النبي -صلى الله تعالىٰ عليه و سلم- لأبي بكر بإمامة الناس في الصلاة.

رضي الله تعالیٰ عنه في حديثٍ طويلٍ. قال صلّی الله تعالیٰ عليه وسلم: إذا أتیٰ علی أبي بكر أجَلُه و عُمرَ أجَلُه و عثمانَ أجلُه، فإن استطعتَ أن تموتَ فمُتْ.[1]

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: جب انتقال کریں ابوبکر و عمر و عثمان تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ مر جائے تو مر جانا۔

(۲۶) أخرج الطبراني في الكبير عن عصمة بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله -صلی الله تعالیٰ عليه وسلم-: ويحك إذا مَات عمر، فإن استَطَعْتَ أنْ تموت فمت.[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس، جب عمر فوت ہو جائیں تو اگر تو مر سکے تو مر جانا۔

حَسَّنَهُ الإمَام جلالُ الدِّيْن وفي الحديث قصةٌ.

اب تمھارے طور پر چاہیے کہ زمانۂ پاک حضراتِ خلفاے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، بلکہ صرف زمانۂ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق) رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک خیر رہے، پھر جو کچھ حادث ہو اگر چہ عین خلافتِ حقّہ راشدہ سیدنا و مولانا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ میں، وہ معاذاللہ سب • شر • و قبیح • و مذموم • و بدعتِ ضلالت قرار پائے، خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے۔

اور مزہ یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابل حدیث "خیر القرون" بھی نہیں لاسکتے کہ تمھارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی انھی احادیث اوران کے اَمثال پر نظر کرکے حدیث "خیرُ القرون" کے معنی ہی کچھ اور بتا گئے ہیں، دیکھیے "اِزالۃ الخفا" میں کیا کچھ فرمایا ہے، حدیث "خیر القرون" ذکر کرکے لکھتے ہیں:

"بناے ایں استدلال بر توجیہ صحیح ست کہ اکثر احادیث شاہد آن ست کہ **قرنِ اول** از زمانۂ ہجرت آن حضرت ست ﷺ تا زمانۂ وفاتِ وے ﷺ، **وقرن ثانی** از ابتداے خلافتِ حضرتِ صدیق تا وفاتِ حضرتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما، **وقرن ثالث** قرنِ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

و ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است۔ "قرن" در لغت قوم "مقترنین فی السِّن" بعد ازاں قومے را کہ در ریاست و خلافت مقترن باشد قرن گفتہ شد، چوں خلیفہ دیگر باشد و وُزراے

---

(۱) حلية الأولياء لأبي نعيم ج: ۸، ص: ۲۸۰/ سالم الخواص، مطبعة السعادة.

(۲) المعجم الكبير للطبراني ج: ۱۷، ص: ۱۸۰—۱۸۱/ مَن اسمه عصمة، رقم الحديث: ۴۷۸.

حضور دیگر و اُمرائے اَمصار دیگر و رؤسائے جیوش دیگر و سپاہان دیگر و حربیان دیگر و رزمیان دیگر تفاوت قرون بہم می رسد۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"قرنِ اوّل زمان آں حضرت ﷺ بود از ہجرت تا وفات، و قرن ثانی زمان شیخین، و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلافہا پدید آمد و فتنہا ظاہر گردیدند۔"

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اکثر احادیث اس امر کی شاہد ہیں کہ:

قرنِ اوّل: آنحضرت ﷺ کا زمانہ ہے، ہجرت سے وصال تک۔

قرنِ ثانی: حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانہ ہے۔

قرنِ ثالث: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہے۔

ہر قرن تقریباً بارہ سال کا ہے، اس کے بعد فتنے ظاہر ہوگئے۔

بالجملہ اس قدر میں تو شک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے استدلال یقیناً ساقط۔ و الحمد للہ ربّ العلمین.

جائزہ (۴)

حدیث میں کسی زمانے کی تعریف آنا اس زمانے کے محدثات کے خیر ہونے کا موجب نہیں:

اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کا موجب ہو کہ اس کے مُحدَثات خیر قرار پائیں تو بسم اللہ، وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ

(۲۷) امام ترمذی نے بسندِ حسَن حضرت انس، اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر و سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی، اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکاۃ میں بنظر کثرتِ طُرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

مَثَلُ أمتي مثلُ المطر لا يُدرىٰ أولُه خير أم آخِره.(۱)

---

(۱) ● جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۱۱۰، أبواب الأمثال/ باب ما جاء مثل الصلوات الخمس، مجلس البركات.

● مشكاة المصابيح، ج: ۲، ص: ۵۸۳، بابُ ثوابِ هذه الأمة/ الفصل الثاني، مجلس البركات.

ترجمہ: میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔

شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں:

کنایہ است از بودنِ ہمہ اُمت خیر چناں کہ مطر ہمہ خیر و نافع ست۔[1]

ترجمہ: یہ ارشاد ساری امت کے خیر ہونے سے کنایہ ہے جیسا کہ ساری بارش خیر و نافع ہوتی ہے۔ (ن)[2]

(۲۸) امام مسلم اپنی صحیح میں حضور اقدس ﷺ سے راوی:

لاتزال طائفةٌ من أمتي قائمة بأمر الله لايضرُّهم مَن خذلهم أو خالفهم حتّى يأتي أمر الله وهم ظاهرون على الناس.[3]

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا، انھیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انھیں چھوڑے گا، یا ان کا خلاف کرے گا یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئے گا، اس حال میں کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

کہیے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص، اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علما و عرفائے مابعد میں بلحاظ اصول - عموم و اطلاق - شائع ہوئے، و الحمد لله.

---

(۱) أشِعَّةُ اللمعات، ترجمة وشرح مشكاة فارسي، ج:٤، ص:٧٥٣، بابُ ثوابِ هذه الأمة/ الفصل الثاني، مطبع: تیج کمار، لکھنؤ.

(۲) رئیس المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ دعوی کہ "خیریت، ازمنۂ ثلاثہ میں مخصوص اور قرونِ مابعد محض شر" مردود ہے۔... آیۂ کریمہ: كُنتُم خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَتْ لِلنّاسِ. (القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ٣، الآية: ١١٠)

[لوگوں میں جو امتیں ظاہر ہوئیں تم ان میں سب سے افضل ہو۔]

اور آیۂ کریمہ: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ." (القرآن الحكيم، سورة البقرة، ٢، الآية: ١٤٣)

[بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگ گواہ ہو۔] و دیگر آیات و احادیث کہ فضلِ امتِ مرحومہ اور اس کی خیریت میں بدون تخصیص کسی قرن و عصر کے وارد، اس دعوی کے رد میں کافی۔

بلکہ طریقِ جمع و تطبیق آیات و احادیث اسی میں منحصر کہ یہ امت بتمامہا خیر الامم اور ہر قرن اس کا خیر ہے۔ اور قرنِ صحابۂ کرام افضلُ القرون اور بہ جہتِ قربِ عہدِ نبوت اشرف و اکمل۔ اور بعض قرونِ مابعد بعض سے بنظر بعض وجوہ، خیریت میں اتم۔"

(اصول الرشاد لقمع مباني الفساد، ص: ۸۲، ۸۳، امام احمد رضا اکادیمی. ١٢ منه

(۳) الصحيح لمسلم: ج:٢، ص: ١٤٣، كتاب الإمارة/ باب قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي، مجلس البركات.

جائزہ (۵)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانے میں ہونا مدار خیریت نہیں:

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے محاورات و مکالمات دیکھیے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانے میں ہونے نہ ہونے پر مدارِ خیریت نہیں، دیکھیے بہت نئی باتیں کہ زمانۂ پاک حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھیں ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انھیں برا کہتے اور نہایت تشدّد و انکار فرماتے، اور بہت تازہ باتیں حادث ہوتیں کہ ان کو بدعت و مُحدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر و حسن بتاتے۔

(۲۹) امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

"نعمتِ البدعة هذہ."[(۱)] کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

(۳۰) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نماز چاشت کی نسبت فرماتے ہیں:

إنّها بدعة و نعمت البدعة، و إنها لمن أحسنِ ما أحدث الناس.[(۲)]

ترجمہ: بے شک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بے شک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔

(۳۱) سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

أحدثتم قيام رمضان، فدوموا عليه و لا تتركوه.

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۲٦۹، كتاب الصوم/ باب فضلِ مَن قام رمضان، "قال عمرُ: نِعمَ البِدعَةُ هٰذہٖ" وقال الإمام الكرماني: وفي بعض الرّوايات: "نعمتِ البدعةُ" ۱۲ منه.

(۲) ● المؤطا برواية محمد بن الحسن ص: ۱٤۲، ۱٤۳، كتاب الصلاة، مجلس البركات.

عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج:۵، ص: ۵٤۱، دار الفكر، فى باب صلاة الضّحىٰ في السّفر، عن سعيد بن منصور بإسناد صحيح، وعن ابن أبي شيبة بإسناد صحيح . . . قال القاضي: وروى عنه: ما ابتدع المسلمون بدعة أفضل مِن صلاة الضُحىٰ.

وكذا روي عن مرّة، نقلهُ العيني في العمدة، ج:۵،ص:۵٤۷، في باب صلاة الضحىٰ في السّفر. ۱۲ منه

ترجمہ: تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا، تواب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کیے جاؤ اور ات کبھی نہ چھوڑنا۔

دیکھو یہاں تو صحابہ نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا۔

(۳۲) اور انھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کو تثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا:

اخرج بنا من عند هذا المبتدع.[1]

ترجمہ: نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔

(۳۳) سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ بآواز پڑھتے سنا، فرمایا:

أي بُنَيَّ! محدث، إياك والحدث.[2]

ترجمہ: اے میرے بیٹے! یہ نو پیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔

یہ فعل بھی اس زمانہ میں واقع ہوئے تھے انھیں بدعتِ سیئہ مذمومہ ٹھہرایا۔ تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے، نہ ہونے پر مدار نہ تھا، بلکہ نفسِ فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے، ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہٖ زمانۂ تابعین وتبعِ تابعین میں رائج رہا ہے۔ اپنے زمانہ کی بعض نو پیدا چیزوں کو منع کرتے، بعض کو جائز رکھتے اور اس منع و اجازت کے لیے آخر کوئی معیار تھی اور وہ نہ تھی، مگر نفس فعل کی بھلائی، برائی۔ تو باتفاق صحابہ وتابعین وتبعِ تابعین قاعدہ شرعیہ وہی قرار پایا کہ:

حَسن، حَسن ہے اگرچہ نیا ہو
اور قبیح، قبیح ہے اگرچہ پرانا ہو

پھر ان کے بعد یہ اصل کیوں کر بدل سکتی ہے، ہماری شرع بحمد اللہ ابدی ہے، جو قاعدے

---

(۱) المصنَّف للإمام عبد الرزاق ج: ۳، ص: ٤٧٥، كتاب الصلاة/ باب التثويب في الأذان والإقامة، من منشورات المجلس العلمي.

(۲) جامع الترمذي ج: ۱، ص: ۳۳، أبواب الصلاة/ باب ما جاء في ترك الجهر، مجلس البركات.

اس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے۔[1]

کلماتِ نبوت سے اہل سنت کی تعریفِ بدعت کی تائید و تفہیم:

حضور سید عالم ﷺ، پھر حضور کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے "بدعت حسنہ" کی شناخت ان الفاظ سے کرائی ہے:

- مَنْ وَقَّر صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلىٰ هَدْمِ الإِسْلَام.
- مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذا مَا لَيْسَ مِنْهُ.
- بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَ لَا اٰبَاءُكُمْ.
- نَزَعَ اللهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا.
- وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً.
- مَنْ سَنّ فِي الإسلام سُنَّةً سَيِّئَةً.
- كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله تعالى عليه وسلم؟

قال عمرُ: هٰذا، واللهِ خيرٌ.

- نِعْمَ البدعةُ هٰذِهٖ. وغيرها من الأحاديث.

اور یہ تمام الفاظ عام یا مطلق ہیں، کسی زمانے سے ان کو خاص یا مقید نہیں کیا گیا ہے اس لیے ان الفاظ سے یہ بات بہت کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ کسی چیز کے بدعت سَیّئہ ہونے، نہ ہونے کی بنیاد کوئی زمانہ نہیں بن سکتا، کہ جو کام خیر القرون کے بعد ہو وہ بدعتِ سَیّئہ ہو اور جو کام خیر القرون میں ہو وہ بدعت نہ ہو یہ تعریف نقلاً، عقلاً ہر طرح غلط ہے۔

بلکہ اس کی صحیح تعریف یہی ہے کہ نو پیدا کام کی اصل دین سے نہ ہو، یا وہ بجائے خود شر ہو تو وہ بدعت سَیّئہ ہے اور ہر بدعت سیّئہ گمراہی ہے۔ اور اگر اس کی اصل دین سے ہو، بلفظ دیگر وہ بجائے خود خیر ہو تو بدعتِ حسنہ ہے۔

تو الفاظ حدیث سے بدعت کی تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے اور حسنہ و سیّئہ کی طرف اس کی تقسیم بھی۔ مگر فرقۂ وہابیہ ان دونوں امور میں احادیثِ صحیحہ سے انحراف کرتا ہے۔

---

(۱) الفتاوی الرضوية (ملتقطاً)، ج:۱۲، مِن ص:۷۸۔ إلی۔ ص:۸۲/ الرّساله: إقامةُ القيامة على طاعنِ القيام لنبيّ تهامه، رضا اكاديمی، ممبئی.

انیسواں مسئلہ

محفل میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتاب وسنت کی روشنی میں

محفل میلاد شریف کے جواز کے دلائل:

محفل میلاد شریف کا جواز واستحسان کتاب وسنت کے کثیر دلائل سے ثابت ہے، ہم یہاں چند پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: محفل میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد نبوت کے مطابق "سنتِ حسنہ" ہے۔

(ا) عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ: رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- «مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ».[1]

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی "سنتِ حسنہ" ایجاد کی تو اس کے لیے اس سنت کا اجر وثواب ہے اور اس کے بعد جتنے، لوگ اُس نئی سنت پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کچھ کمی ہو۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۳۲۷، كتاب الزكاة / باب الحثّ على الصدقة ولو بشق تمرة، مجلس البركات، مبارك فور.

محفل میلاد شریف متعدد امور حسنہ پر مشتمل ہوتی ہے:

یہ محفل "سنتِ حسنہ" اس لیے ہے کہ متعدد امورِ حسنہ پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) تلاوتِ قرآن حکیم (۲) حمد الٰہی و ذکر خداوندی

(۳) نعتِ رسول (۴) بعثتِ نبوی کا تذکرہ اور اوصاف و کمالات کا بیان

(۵) سیرتُ المصطفیٰ (۶) دینی، تبلیغی موضوعات پر خطاب

(۷) ذکر نعمتِ ولادت (۸) صلاۃ وسلام بہ حالتِ قیام

(۹) دعا (۱۰) اِطعام طعام

(۱۱) بہ وقتِ رخصت مصافحہ وسلام

یہ تمام امور کتاب وسنت کے صریح کلمات، یا ان کے عموم واطلاق سے ثابت ہیں، ایسے نصوص کو جمع کیا جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے، جس کی یہاں حاجت نہیں، پھر یہ تمام امور اہل سنت کے نزدیک مسلّمات سے بھی ہیں، تاہم چند نصوص اطمینانِ قلب کے لیے پیش کرتے ہیں:

(۱) تلاوتِ قرآن حکیم:

ارشاد باری ہے:

(۲) "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ"[۱]

ترجمہ: یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔

خدائے کریم نے اسے اپنے احسانات سے شمار فرمایا ہے۔

(۳) عَنْ أَبِي مُوسَى ، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ.[۲]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرنے والے کی صفت "سنترے" کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی خوشگوار اور بو بھی خوش گوار۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران:۳،الآية: ۱٦٤.

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۷۵۱، كتاب فضائل القرآن/ باب فضل القرآن على سائر الكلام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : لاَ حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ.(۱)

ترجمہ: رشک کے لائق صرف دو شخص ہیں: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالی نے قرآن کا علم دیا اور وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا رہے۔

(۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم-: . . . فَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تلاوتِ قرآن کریم پابندی کے ساتھ کرتے رہو کیوں کہ یہ اونٹوں کے بھاگنے سے بھی زیادہ تیز سینوں سے نکل جاتا ہے۔

(۲) حمد الٰہی وذکر خداوندی:

(۶) "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ۝۱"(۳)

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہان والوں کا۔

(۷) "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ"(۴)

ترجمہ: تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔

(۸) "وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ"(۵)

ترجمہ: اور ہم تیری حمد کرتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں۔

(۹) "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ"(۶)

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۷۵۱، كتاب فضائل القرآن/ باب اغتباط صاحبِ القرآن، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۷۵۲، كتاب فضائل القرآن/ باب استذكار القرآن وتعاهده، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) القرآن الحكيم، سورة الفاتحة:۱، الآية:۱ .

(٤) القرآن الحكيم، سورة الحجر: ۱۵، الآية:۹۸ .

(٥) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۳۰ .

(٦) القرآن الحكيم، سورة بني إسرائيل: ۱۷، الآية: ٤٤ .

ترجمہ: کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی نہ بولے۔

(۱۰) ”یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ “[1]

ترجمہ: (ملائکہ) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بولتے ہیں۔

(۱۱) ”فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ “[2]

ترجمہ: تم میرا ذکر کرو، میں تمھارا چرچا کروں گا۔

(۱۲) ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا“[3]

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لله مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ .[4]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو راستوں میں گشت کر کے اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں اور جب کچھ لوگوں کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو باہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنی حاجت کی طرف آؤ۔

(۱۴) ”سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ.“[5]

ترجمہ: اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔

(۳) نعتِ رسول ﷺ:

نعت رسول ﷺ کے استحسان پر کتاب وسنت ناطق اور سلف وخلف کا اجماع ہے، اس

---

(١) القرآن الحكيم، سورة الزمر:٣٩،الآية:٧٥.

(٢) القرآن الحكيم، سورة البقرة:٢،الآية:١٥٢.

(٣) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب:٣٣،الآية:٤١.

(٤) صحيح البخاري، ج:٢، ص:٩٤٨،كتاب الدعوات/ باب فضل ذكر الله تعالى، مجلس البركات، مبارك فور.

(٥) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ١١٢٩، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد/ باب قول الله: ”وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ“، مجلس البركات، مبارك فور.

کے شواہد بے شمار ہیں، چند ملاحظہ ہوں:

صحیح البخاری میں ہے:

"بابُ الشّعر في المسجد." [۱]

ترجمہ: مسجد میں شعرِ حَسَن مثلاً نعت شریف پڑھنے کا بیان۔

(۱۵) أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْشُدُكَ اللهَ، هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ:

"يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-، اللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ" قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَعَمْ. [۲]

ترجمہ: حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں شہادت طلب کی کہ میں اللہ کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"اے حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دو، اے اللہ! روح القُدس کے ذریعہ حسان کی مدد فرما۔" تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: ہاں، میں نے سنا ہے۔

حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں اشعار نعت پڑھتے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو کرنے والوں کا جواب دیتے، اس پر حضور سید عالم ﷺ نے خوش ہو کر یہ دعا فرمائی۔

(۱۶) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ : مَرَّ عُمَرُ فِي الْمَسْجِدِ وَحَسَّانُ يُنْشِدُ فَقَالَ: كُنْتُ أُنْشِدُ فِيهِ، وَفِيهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ . ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ: أَنْشُدُكَ بِاللهِ، أَسَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: أَجِبْ عَنِّي اللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ. [۳]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:٦٤، ٦٥، كتاب الصّلاة/ باب الشعر في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص:٦٤، ٦٥، كتاب الصّلاة/ باب الشعر في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱، ص:٤٥٦، كتابُ بَدْء الخلق/ باب ذكر الملائكة، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: سعید بن مُسیّب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت حسان اشعارِ نعت پڑھ رہے تھے، انھوں نے اِن کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھا، تو حضرت حسان نے کہا کہ میں مسجد نبوی میں اشعار نعت پڑھا کرتا تھا، حالاں کہ یہاں آپ سے افضل رسولِ مجتبیٰ ﷺ تشریف فرما ہوتے۔

پھر حضرت حسّان نے حضرت ابوہریرہ کی طرف چہرہ کرکے فرمایا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "حسّان میری طرف سے جواب دو، اے اللہ، روح القدس جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس کی مدد فرما۔"

تو انھوں نے فرمایا: ہاں، میں نے سنا ہے۔

(۱۷) قال عروة: كانت عائشة تكره أن يسبَّ عندها حسّان وتقول إنّه الذي قال:

فإنّ أبي و والدَه وعرضي لعرض محمد منكم وقاء[1]

ترجمہ: حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے سامنے حضرت حسّان کو سخت سست کہا جائے۔ وہ فرماتی تھیں کہ انھوں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں یہ عرض کیا ہے:

میرے باپ، دادا اور میری عزت وآبرو سب تمھارے مقابلے میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت وآبرو کے لیے ڈھال ہے۔

(۱۸) عن مسروق قال: دخلتُ على عائشة وعندها حسّانُ بن ثابت يُنشدها شعرا يشبب بأبيات لهٗ وقال:

حصان رزان ما تزَنُّ بريبة وتصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل

. . . فقالت له: إنّه كان يُنافح أو يهاجى عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-.[2]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۵۹۴، كتاب المغازي/ باب حديث الإفك، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۵۹۷، كتاب المغازي/ باب حديث الإفك، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت مسروق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے پاس حضرت حسان بن ثابت پہلے سے موجود تھے، وہ ان کی مدح میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

وہ پاک دامن اور باوقار خاتون ہیں جو کسی کی عیب جوئی سے متہم نہیں اور گناہوں سے انجان، پارسا عورتوں کی غیبت سے پاک ہیں۔

حضرت عائشہ نے حضرت مسروق سے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع اور منکروں کی ہجو کرتے تھے۔

(۱۹) عَنْ أبي هريرة قال: قال النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: أصدقُ كلمةٍ قالها الشاعرُ كلمة لبيد:

"ألا كلُّ شيء ما خلا اللهِ باطل"[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شاعر نے سب سے سچی جو بات کہی وہ لبید کی بات ہے:

"سنو! اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز بے حقیقت ہے۔"

(۲۰) عن عائشة، قالت: استاذَنَ حسّان بنُ ثابت رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- في هجاء المشركين، فقال رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: فكيفَ بنسبي، فقال حسّان: لأسُلّنك مِنهم كما تسلُ الشعرة من العجين.[۲]

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت نے رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت مانگی تو سرکار نے فرمایا کہ میرے نسب کا کیا کروگے۔ انھوں نے عرض کیا: میں آپ کو ان سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۰۸، كتاب الأدب/ باب ما يجوز من الشعر والزجر والحداء وما يكره، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۰۸، ۹۰۹، كتاب الأدب/ باب هجاء المشركين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲۱) عَنْ ابن شهاب أن الهيثم بن أبي سنان أخبره أنه سمع أبا هريرة في قصصه يذكر النبيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يقول: إنّ أخالكم لا يقول الرفث يعني بذلك ابن رواحة- قال:

وفينا رسول الله يتلو كتابهُ إذا انشقّ معروف من الفجر ساطع

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا به موقنات انّ ما قال واقع

يبيت يُجافي جنبه عن فراشه إذا استثقلت بالكافرين المضاجع[1]

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ ہیثم بن ابی سنان نے انھیں بتایا کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہ سے نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ سرکار نے فرمایا کہ تمھارا بھائی - عبداللہ بن رواحہ - بری بات نہیں کہتا۔ اس نے یہ اشعار کہے ہیں:

ہمارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو اس کی کتاب تلاوت کرتے ہیں، جب صبح کی تیز روشنی نمودار ہوتی ہے۔

انھوں نے ہماری گمراہی کے بعد ہدایت کی راہ ہمیں دکھائی۔ لہذا ہمارے دل اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ واقع ہو کر رہے گا۔

وہ اپنے پہلو، خواب گاہوں سے الگ کر کے رات گزارتے ہیں جب کہ مشرکین سے ان کی خواب گاہیں بوجھل رہتی ہیں۔

(۲۲) عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ، يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا، يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَوْ قَالَتْ : يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، وَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُفَاخِرُ ، أَوْ يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-.[2]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۰۹، كتابُ الأدب/ باب هِجاء المشركين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۱۰۷، أبواب الاستيذان والأدب عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء في إنشاد الشّعر، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر رکھتے جس پر کھڑے ہو کر وہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات اور فضائل فخر کے ساتھ بیان کرتے، اور گستاخانِ رسول سے حضور کا دفاع فرماتے۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ جب تک حسان رسول اللہ ﷺ کے مفاخر بیان کرتا ہے اور دفاع کرتا ہے اللہ تعالیٰ روح القدس- جبریل امین- کے ذریعہ اس کی تائید فرماتا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے، چناں چہ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی تخریج کر کے لکھتے ہیں:

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالْبَرَاءِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ.[1]

ترجمہ: اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اور یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

محفل میلاد میں بھی نعت شریف اور وعظ کے لیے منبر کا اہتمام ہوتا ہے جس پر کھڑے ہو کر نعت خواں خوش الحانی کے ساتھ نعتِ رسول پڑھتے اور حضور کا دفاع کرتے ہیں تو یہ عینِ اتباعِ سنتِ نبوی ہے۔

(۴) بعثتِ نبوی کا تذکرہ اور اوصاف وکمالات کا بیان

بعثت نبوی کا تذکرہ کثیر آیات واحادیث میں ہے، ہم یہاں صرف دو آیات کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں:

(۲۳) ”وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَاؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾“[2]

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول کہ تمھاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۱۰۷، أبواب الاستيذان والأدب عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء في إنشاد الشّعر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة آل عمران:۳،الآية:۸۱.

اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: کیوں، تم نے اقرار لیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

(۲۴) ”لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ“(۱)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَنْتَظِرُونَهُ قَالَ : فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَجَبًا: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً ،

وَقَالَ آخَرُ : - - - مُوسَى كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا ، وَقَالَ آخَرُ : فَعِيسَى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوحُهُ ، وَقَالَ آخَرُ : آدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ.

فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ ، وَقَالَ : قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَمُوسَى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَلِكَ ، وَعِيسَى رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذَلِكَ وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذَلِكَ .

أَلاَ • وَأَنَا حَبِيبُ اللّٰهِ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ •وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِي فَيُدْخِلُنِيهَا وَمَعِي فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا أَكْرَمُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ وَلاَ فَخْرَ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.(۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے کچھ اصحاب حضور کے انتظار میں ایک مجلس میں جمع تھے،

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة آل عمران :۳،الآیة: ۱٦٤ .

(۲) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۲۰۲، أبواب المناقب عن رسول الله -صلی الله تعالی علیه وسلم-/ باب تحت باب ما جاء فی فضل النبي ﷺ، مجلس البرکات، مبارك فور.

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں جانے کے لیے نکلے، جب ان سے قریب ہوئے تو سنا کہ وہ باہم انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کر رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا کہ حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کلمۃُ اللہ اور روحُ اللہ ہیں، چوتھے نے کہا کہ حضرت آدم کو اللہ نے چن لیا۔

سرکار دو عالم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے تمھاری گفتگو اور تمھارا تعجب سن لیا۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نجیُّ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحُ اللہ و کلمۃُ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں۔

سنو، میں ● اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں ● قیامت کے دن صاحبِ لواء الحمد میں ہوں (جس کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیا ہوں گے) اور کچھ فخر نہیں ● قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت میں کروں گا ● اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور کوئی فخر نہیں ● اور میں سب سے پہلے باب جنت کی زنجیر ہلاؤں گا ● اللہ عزوجل میرے لیے بابِ جنت کھول کر مجھے اس میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراے مسلمین ہوں گے اور کچھ فخر نہیں ● اور تمام اولین وآخرین میں بار گاہِ الٰہی میں میری عزت سب سے زیادہ ہے اور کچھ فخر نہیں۔

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اپنے اوصاف اور فضائل بیان کیے ہیں، ہم اہل سنت مجمع مسلمین میں یہی سب کچھ بیان کرتے ہیں اور اسی کو ہمارے عرف میں "محفل میلاد" کہا جاتا ہے۔

(۵) سیرۃ المصطفیٰ ﷺ:

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ذکرِ جمیل کثیر آیات اور احادیث نبویہ میں ہے، چند ملاحظہ ہوں:

(۲۶) "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"(۱)

ترجمہ: یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب: ۳۳، الآیۃ: ۲۱.

(۲۷) ”وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝“(۱)

ترجمہ: اے محبوب بے شک آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔

(۲۸) ”يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ“(۲)

ترجمہ: وہ رسول انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع کرے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جواُن پر تھے اتارے گا۔

(۲۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلاَ صَوْتُهُ . . . وَيَقُولُ « أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدَى هَدَى مُحَمَّدٍ- صلّى الله عليه وسلّمَ-».(۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تواُن کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہوجاتی...اور حضور ”أمّا بعد“ کہہ کر ارشاد فرماتے:

بے شک سب سے اچھی بات اللہ کی بات ہے اور سب سے اچھی سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے۔

(۳۰) أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ . . . قَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ كَلاَّ، أَبْشِرْ فَوَاللهِ لاَ يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، وَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.(٤)

---

(١) القرآن الحكيم، سورة القلم:٦٨، الآية: ٤.

(٢) القرآن الحكيم، سورة الأعراف:٧،الآية:١٥٧.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٢٨٤، ٢٨٥، كتاب الجمعة/ فصلٌ في خطبة الجمعة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) ● الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٨٨، كتاب الإيمان/ بابُ بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

● صحيح البخاري، ج:١، ص:٣، بابٌ كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: حضور کو بشارت ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ فرمائے گا ● خدا کی قسم آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ● سچ بولتے ہیں ● بے سہاروں کا بار (نفقہ) اٹھاتے ہیں ● ناداروں کو عطا فرماتے ہیں ● مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں ● اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب پر تعاون کرتے ہیں۔

(۶) دینی، تبلیغی موضوعات پر خطاب:

دینی، تبلیغی موضوعات پر خطاب سرور کائنات ﷺ کی سنت کریمہ ہے جیسا کہ کتاب و سنت سے عیاں ہوتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

(۳۱) "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"(۱)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ۔

(۳۲) اور فرمان رسالت ہے:

"فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ"(۲)

ترجمہ: جو حاضر ہے وہ غائب تک میرا یہ خطاب پہنچا دے۔

(۳۳) عَن عَبْدِ اللهِ بن مَسْعُود ، قَالَ : عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ .... فِي الحَاجَةِ أَنْ:

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تشہد حاجت کی تعلیم ان کلمات سے دی:

"الحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُه وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَه ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَه ، وَأَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ - وَيَقْرَأُ ثَلاَثَ آيَاتٍ:-

(۱) القرآن الحكيم، سورة النحل:١٦، الآية:١٢٥.

(۲) صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٣٤، كتاب الحج / باب الخطبة أيام منى، مجلس البركات، مبارك فور.

● ”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾“(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

● ”وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴿۱﴾“(۲)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمھیں دیکھ رہا ہے۔

● ”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿ۙ۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴿۷۱﴾“(۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تمھارے اعمال تمھارے لیے سنوار دے گا، اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔

رواہ ● أحمد ● والترمذي ● وأبو داؤد ● والنسائی ● وابن ماجة ● والدارمی.(٤)

---

(١) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ٣، الآية: ١٠٢.

(٢) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الآية: ١.

(٣) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ٣٣، الآية: ٧٠، ٧١.

(٤) ● مشكاة المصابيح، ج: ٢، ص: ٢٧٢، باب إعلان النكاح والخطبة / الفصل الثاني، مجلس البركات، مبارك فور.

● مسند الإمام أحمد، ص: ٣١٩، رقم الحديث: ٣٧٢٠، مسند المكثرين / مسند عبد الله بن مسعود.

● جامع الترمذي، ج: ١، ص: ١٣١، أبواب النكاح عن رسول الله ﷺ / باب ما جاء في خطبة النكاح، مجلس البركات، مبارك فور.

● سنن أبي داؤد، ص: ٢٤١، كتاب النكاح / باب خطبة النكاح، رقم الحديث: ٢١١٨، بيت الأفكار الدولية.

● سنن النسائي، ص: ٣٤٧، كتاب النكاح / باب ما يستحب من الكلام عند النكاح، بيت الأفكار الدولية.

● سنن ابن ماجه، ص: ٢٠٦، كتاب النكاح / باب خطبة النكاح، بيت الأفكار الدولية.

● سنن الدارمي، ج: ٣، ص: ١٤١٣، كتاب النكاح / باب في خطبة النكاح، دار المغني، الرياض.

(۳۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ . . . حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتَّى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ، فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ ● إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا ● أَلاَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ ● وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ ● وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ ● وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ ● فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَ يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ● وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ "كِتَابَ اللهِ". وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ». قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ. (۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام جب (حجۃ الوداع کے موقع سے) عرفہ پہنچے تو ایک خیمہ پایا جو حضور کے لیے نصب کیا گیا تھا۔ اور وہ چتکبرے رنگ کا تھا۔ سرکار نے وہاں نزول فرمایا، اور جب سورج غروب کے قریب ہوا تو اپنی سواری "قصوا" کے لانے کا حکم دیا، پھر بطن وادی میں تشریف لائے تو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

● تمھاری جانیں اور تمھارے اَموال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسے اس شہر اور اس مہینے میں آج کے دن کی حرمت ہے۔ ● سنو! زمانۂ جاہلیت کی ہر چیز ساقط کی جاتی ہے، وہ سب میرے ان دونوں قدموں سے کچل گئی ہیں۔ ● زمانۂ جاہلیت کے ایک دوسرے پر خون ہدر ہیں اور سب سے پہلے میں اپنا خون معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے، وہ بنی سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا جس کو ہذیل نے قتل کیا تھا۔ ● زمانۂ جاہلیت کے تمام سود میرے قدموں تلے ہیں جو ساقط

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۹۷، كتاب الحج / باب حجة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، مبارك فور.

کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ حضرت عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔ ان کا تمام سود چھوڑ دیا گیا ہے۔ ● تم لوگ عورتوں کے متعلق اللہ سے ڈرو، کیوں کہ تم لوگوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امان میں لیا ہے، تم نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لیے حلال کر لیا ہے۔ ● تمھارا ان پر حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جن کا آنا تمھارے لیے ناگوار ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو اس پر ایسی سزا دو جس سے چوٹ نہ لگے۔ اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اپنی استطاعت کے مطابق ان کو کھانا اور لباس دو ● میں تمھارے پاس ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ کتاب اللہ ہے۔

● تم سے میرے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور رسالت کا حق ادا کیا اور امت کی خیر خواہی فرمائی۔

(۳۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- الصَّلاَةَ يَوْمَ الْعِيدِ فَبَدَأَ بِالصَّلاَةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلاَ إِقَامَةٍ ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى بِلاَلٍ فَأَمَرَ بِتَقْوَى اللهِ وَحَثَّ عَلَى طَاعَتِهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ ثُمَّ مَضَى حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ فَقَالَ «تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ». فَقَامَتِ امْرَأَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ فَقَالَتْ: لِمَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: «لأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ». قَالَ فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ يُلْقِينَ فِي ثَوْبِ بِلاَلٍ مِنْ أَقْرِطَتِهِنَّ وَخَوَاتِمِهِنَّ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عید کے دن میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ حضور نے اذان واقامت کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھائی، پھر حضرت بلال سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور اس کی عبادت کی طرف رغبت دلائی اور وعظ ونصیحت فرمائی، پھر وہاں سے عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو نصیحت کرتے

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۲۸۹، ۲۹۰ کتاب صلاۃ العیدین، مجلس البرکات، مبارک فور.

ہوئے فرمایا: صدقہ کرو کیوں کہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں۔ عورتوں کے درمیان سے ایک سیاہ رخساروں والی عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی: یا رسول اللہ! اس کا سبب کیا ہے؟ سرکار نے فرمایا: اس کا سبب یہ ہے کہ تم لوگ بہت شکایت کرتی ہو اور اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ راوی فرماتے ہیں: پھر عورتوں نے اپنے زیورات صدقہ کرنے شروع کیے اور حضرت بلال کے کپڑے میں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔

(۷) ذکرِ نعمتِ ولادت:

ولادتِ نبوی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس کا ذکر جمیل مندوب ہے، خود حضور سید عالم ﷺ نے اپنا ذکر میلاد بطور نعمت الٰہی کیا ہے، حضرت آدم، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی ولادت کا ذکر بھی قرآن و حدیث میں وارد ہے، ارشاد باری ہے:

(۳۶) ”وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ﴿۱۵﴾“(۱)

ترجمہ: اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن مردہ اٹھایا جائے گا۔

اس آیہ کریمہ میں حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر میلاد ہے۔

(۳۷) ”وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ “(۲)

ترجمہ: اور وہی سلامتی مجھ پر (جو حضرت یحییٰ پر ہوئی) جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا۔

اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت کا ذکر ہے۔

(۳۸) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ -رضى الله عنه- قَالَ: وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الاِثْنَيْنِ قَالَ :«ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ - أَوْ- أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ ». (۳)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة مريم :۱۹،الآية:۱۵ .

(۲)القرآن الحكيم، سورة مريم :۱۹،الآية:۳۳.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۳۶۸، كتاب الصيام / باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دو شنبہ کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں اسی روز پیدا ہوا، اور اسی روز مبعوث کیا گیا- یا- اسی روز مجھ پر قرآن نازل کیا گیا۔

(۳۹) عَنْ أَوْسِ بْنِ أَبِي أَوْسٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ. فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ عَلَيْكَ صَلَاتُنَا وَقَدْ أَرِمْتَ ؟ يَعْنِي وَقَدْ بَلِيتَ ، قَالَ : إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ. (۱)

ترجمہ: حضرت اوس بن ابي اوس سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تمھارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن وفات بھی ہوئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن کڑک نازل ہوگی، لہذا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پاک پڑھو کیوں کہ تمھارا درود میری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا درود آپ کی بارگاہ میں کیسے پیش کیا جائے گا؟ جب کہ آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے جسموں کو کھائے۔

ان آیات اور احادیث میں حضور سید الانبیا جناب محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت سیدنا آدم، حضرت سیدنا یحییٰ اور حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔

اس لیے جب تک وہ آیات تلاوت ہوتی رہیں گی حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکرِ میلاد بھی ہوتا رہے گا۔ یوں ہی جب تک وہ احادیث شریفہ پڑھی جائیں گی حضرت آدم اور حضور سید عالم ﷺ کا ذکر میلاد بھی ہوتا رہے گا، اس سے بے شمار بار اولین وآخرین عامۂ مومنین و مومنات کا ذکر میلاد النبی کرنا ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:١١٤٧، مسند المدنيين/ حديث أوس بن أوس، رقم الحديث: ١٦٢٦٢، بيت الأفكار الدولية.

روزہ رکھنا شکر الٰہی کا ایک طریقہ ہے، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "دوشنبہ کے روزہ" کے تین اسباب بیان فرمائے:

● وہ حضور کا یوم ولادت ہے۔ ● یوم بعثت ہے۔ ● یومِ نزول قرآن ہے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم ولادتِ نبوی بھی نعمتِ الٰہی ہے اور یوم بعثت بھی اور یوم نزولِ قرآن بھی۔ اور "شکرِ نعمت" کے لیے روزہ خاص نہیں، بہت سے طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ اس کا ذکر حسن اور اس کی برکات کا چرچا بھی ہے۔

(۸) صلاۃ وسلام بہ حالتِ قیام:

یہ بھی جائز و مستحسن ہے، کتاب وسنت سے ثابت اور عامۂ امت کا معمول ہے، ہم عن قریب ایک مستقل عنوان کے تحت اس کے کچھ شواہد پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالی۔

(۹) دُعا:

دعا کے مندوب و مستحسن ہونے میں کیا کلام، اس بارے میں کتاب اللہ کی آیات، احادیث قدسی، احادیثِ نبویہ اور ادعیہ ماثورہ کثرت سے وارد ہیں، ہم یہاں چند شواہد نقل کرتے ہیں:

ارشاد باری ہے:

(۴۰) "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ"(۱)

ترجمہ: دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے انھیں چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

(۴۱) "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً "(۲)

ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

ارشاد ربانی ہے:

(۴۲) "ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ "(۳)

ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیة: ۱۸۶.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأعراف: ۷، الآیة: ۵۵.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ المؤمن: ۴۰، الآیة: ۶۰.

(۴۳) عن أبي هريرة أن رسول الله –صلى الله تعالى عليه وسلم– قال: يقول: من يدعوني فأستجيب له من يسألني فأعطيه من يستغفرني فأغفرله. [۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ۔۔۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرے گا کہ میں قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرے گا کہ اسے عطا کروں، کون مجھ سے مغفرت طلب کرے گا کہ اسے بخش دوں۔

(۴۴) عن ابن عمر قال: قلّما كان رسولُ الله –صلى الله تعالى عليه وسلم– يقومُ مِن مَجلس حتّى يدعو بهولاء الدعوات لأصحابه:

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کم کسی مجلس سے اٹھتے، یہاں تک کہ اپنے اصحاب کے لیے یہ دعا کر لیتے:

اللّٰهمّ اقسم لنا مِن خشيتك ما تحولُ به بيننا وبين معاصيك و من طاعتك ما تبلغنا به جنّتك –إلى اخر الحديث–

رواه الترمذي وقال: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ. [۲]

ترمذی شریف کی یہ حدیث تو اس بارے میں صریح ہے کہ کسی مجلس سے جاتے وقت بارگاہِ الٰہی میں دعا کی جائے کہ یہ حضور سید عالم ﷺ کی سنت ہے۔

(۱۰) اِطعام طعام:

بھوکوں کو کھانا کھلانا اور مہمانوں کی ضیافت کرنا شرعاً مندوب و باعث اجر ہے، کتاب و سنت میں اس بارے میں واضح ہدایات ہیں۔

(۴۵) ارشاد ربانی ہے:

”وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۞ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۵۳، كتاب التهجّد / بابُ الدعاء والصلاة من آخر الليل، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مشكاة المصابيح، ج:۱، ص: ۲۱۹، بابُ جامع الدّعاء/ الفصل الثاني، مجلس البركات.
وجامع الترمذي، ج:۲، ص: ۱۸۸، "باب" من أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

مِنكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا٥ "(۱)

ترجمہ: اور (اللہ کے خاص بندے) اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں، مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں، تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری کی طلب نہیں رکھتے ہیں۔

(۴۶) "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا ، أَوْ لِيَصْمُتْ." (۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ اور جو آدمی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ بھلائی کی بات کہے، یا خاموش رہے۔

(۴۷) عَنِ ابْنَيْ بُسْرٍ السُّلَمِيَّيْنِ قَالاَ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَتَمْرًا وَكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ. (۳)

ترجمہ: بُسر کے دونوں سُلمی صاحب زادوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے خدمت اقدس میں مکھن اور کھجوریں پیش کیں، کیوں کہ حضور کو مکھن اور کھجوریں پسند تھیں۔

پھر یہ اطعامِ طعام نیز شیرینی کی تقسیم صدقۂ نافلہ ہے اور صدقۂ نافلہ خود مندوب و مستحسن ہے جس کے بارے میں کثیر احادیث شریفہ وارد ہیں۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الإنسان:۷٦،الآية:۸، ۹.

(۲) صحيح البخاري، ج:۲،ص:۸۸۹، كتاب الأدب/ باب مَن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) سنن أبي داؤد، ص: ٤٢٢، كتاب الأطعمة / باب في الجمع بين لونَين عند الأكل، رقم الحديث: ۳۸۳۷، بيت الأفكار الدولية.

(۱۱) بوقتِ رخصت سلام و مصافحہ:

رخصت ہوتے وقت سلام اور مصافحہ سنت ہے۔

(۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: «إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الآخِرَةِ ».[1]

ترجمہ: جب تم سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے، اور جب اٹھ کر جانے تو پھر سلام کرے۔ پہلے سلام کی شرعی حیثیت دوسرے سے زیادہ نہیں۔

(۴۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- إِذَا وَدَّعَ رَجُلاً أَخَذَ بِيَدِهِ فَلاَ يَدَعُهَا حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم-.[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو رخصت کرتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہ آدمی خود نبی کریم ﷺ کا مبارک ہاتھ چھوڑ دیتا۔

یہ وہ امور حَسَنہ ہیں جن پر محفل میلاد شریف مشتمل ہوتی ہے اور امور حَسَنہ کا مجموعہ حسَن بالائے حَسَن ہوتا ہے، جیسے "نماز" تکبیرات، ثنا، قراءت، تسمیع، تسبیحات، تشہد، درود، سلام وغیرہ امور حسنہ کا مجموعہ ہے تو یہ افضل العبادات اور اہمّ الطاعات ہے اور جیسے "حج" تلبیہ، طواف، سعی، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، دعا، قربانی، وغیرہ عبادات کا مجموعہ ہے جس کی برکت سے حاجی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، اس لیے محفل میلاد شریف مذکورہ امور حسنہ کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے "سُنّتِ حسنہ" اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۵۹۹، كتاب الأدب، بابٌ في السلام إذا قام من المجلس، رقم الحديث: ۵۲۰۸، بيت الأفكار الدولية.

(۲) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۱۸۲، أبواب الدعوات/ باب ما يقول إذا ودّعَ إنسانا، مجلس البركات، مبارك فور.

دوسری دلیل:

یہ دلیل کتاب اللہ کی آیاتِ مقدسہ کا مجموعہ ہے، اسے محقق جلیل، حضرت علامہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے افادہ فرمایا، لکھتے ہیں:

(۵۰) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (۱)

ترجمہ: بے شک اللہ عزوجل نے احسان کیا ایمان والوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

(۵۱) اور ارشاد ہوتا ہے:

"وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" (۲)

ترجمہ: اور اے محبوب! نہ بھیجا ہم نے تمھیں مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

(۵۲) اور فرماتا ہے:

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ" (۳)

ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تُند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمھارے اِرد گرد سے پریشان ہو جاتے۔

(۵۳) اور ارشاد ہوا:

"وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ" (٤)

ترجمہ: اے محبوب! اللہ تعالی ان پر عذاب نہ کرے گا جب تک تو ان میں ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران:۳،الآیۃ:۱٦٤.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأنبیاء:۲۱،الآیۃ:۱۰۷.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران:۳،الآیۃ:۱۵۹.

(٤) القرآن الحکیم، سورۃ الأنفال:۸،الآیۃ:۳۳.

(۵۴) اور ارشاد ہوتا ہے:

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾" (۱)

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمھاری بھلائی کے بہت چاہنے والے، مسلمانوں پر بہت مہربان رحم والے۔

(۵۵) اور فرماتا ہے:

"یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ" (۲)

ترجمہ: وہ نبی انھیں اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے منع کرتا ہے اور پاک چیزیں ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام فرماتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اور طوق کہ ان پر تھے اتارتا ہے۔

ان آیات اور ان کے اَمثال سے آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر کہ حضور پر نور سید عالم ﷺ کا وجود باجود بہت بڑی نعمت اور ہمارے حق میں سراسر رحمت ہے اور کون رحمت اس سے زیادہ ہوگی کہ:

☆ ان کے سبب کفر و شرک سے بچے،

☆ دین حق و صراطِ مستقیم سے واقف ہوئے،

☆ بہشت ہاتھ آئی اور دوزخ سے نجات پائی،

☆ اجماع ہمارا حجت ہوا،

☆ مرتبہ ہمارا اگلی امتوں سے بڑھے گا،

☆ بے شمار فضیلتیں ☆ بے انتہا خوبیاں ☆ اور دین میں برکتیں ☆ شریعت میں آسانیاں ہمارے لیے خاص ہوئیں کہ اگلی امتوں کو نہ ملیں،

☆ یہاں تک کہ نعمتِ الٰہی ہم پر تمام ہوئی،

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ:۹،الآیۃ:۱۲۸۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأعراف:۷،الآیۃ:۱۵۷۔

☆ اور ہمارے دین میں کسی طرح کی تنگی نہ رہی۔

اور ہر نعمت کا تذکرہ و تحدیث بحکم "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾"(۱) [اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔]

مامور بہ ہے، تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ولادتِ باسعادت کا تذکرہ اور مسلمانوں کو اس کا بیان سنانا مامور بہ ہے اور امر اس جگہ کم سے کم ندب واستحباب کے لیے ہے تو ذکرِ ولادتِ باسعادت کا استحباب خدا کی کتاب سے ثابت ہوا۔

تفسیر مدارک وغیرہ میں ہے:

والصحيحُ أنّها تعمُّ جميع نِعَم الله. (۲)

[ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ "نعمة" کا یہ لفظ اللہ کی تمام نعمتوں کو عام ہے۔]

تیسری دلیل:

ہم اہل حق سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کی تشریف آوری پر حضور کی مدح وثنا کر کے فرح وسرور کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کا حکم علی الاطلاق خداے کریم نے دیا ہے، وہ فرماتا ہے:

(۵۶) "قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"(۳)

ترجمہ: اے محبوب، فرمادیجیے کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منائیں۔

اور ہمارے حضور ﷺ یقیناً اللہ کا فضل بھی ہیں اور اللہ کی رحمت بھی، چناں چہ ارشاد باری ہے:

(۵۷) "وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾"(۴)

ترجمہ: اور اے محبوب، ہم نے آپ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الضّحى: ۹۳، الآية: ۱۱.

(۲) إذاقة الآثام لما نعى عمل المولد والقيام، ص: ۳۹، ۴۰، ۴۱، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۳) القرآن الحكيم، سورة يونس: ۱۰، الآية: ۵۸.

(٤) القرآن الحكيم، سورة الأنبياء: ۲۱، الآية: ۱۰۷.

دونوں آیتوں کو یکجا کیجیے تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل یہ حکم دے رہا ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی مناؤ، اور ہم اہل سنت محفل میلاد کے ذریعہ اسی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

چوتھی دلیل:

حضور سید عالم ﷺ ہمارے لیے خدائے قدیر کی نعمت عظمیٰ ہیں اور نعمت الٰہی کے چرچا کرنے کا حکم خود اللہ عزوجل نے دیا ہے:

(۵۸) حَدَّثَنَا عَمْرٌو (بن دينار)، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، {الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ}[۱] قَالَ: هُمْ وَاللهِ كُفَّارُ قُرَيْشٍ.

قَالَ عَمْرٌو: هُمْ قُرَيْشٌ. وَمُحَمَّدٌ -صلى الله عليه وسلم- نِعْمَةُ اللهِ.[۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آیت کریمہ: "الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ" میں نعمت کو بدلنے والے مشرکین قریش ہیں اور "نعمت" محمد ﷺ۔

قرآن حکیم میں ہے:

(۵۹) "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾"[۳]

ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔

کتاب وسنت کو یکجا کر دیکھیے تو روز روشن کی طرح محسوس ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ اللہ کی نعمت محمد ﷺ کا چرچا کرو۔

محفل میلاد کے ذریعہ مجمع اہل اسلام میں ہم اللہ کی اسی نعمت کا چرچا کرتے ہیں جو ضرور کتاب وسنت پر عمل ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة إبراهيم: ۱٤، الآية: ۲۸.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۵٦٦، كتاب المغازي/ قبل باب فضل مَن شَهِد بدراً، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) القرآن الحكيم، سورة الضحى: ۹۳، الآية: ۱۱.

مقررہ تاریخ میں محفل وعظ کا اہتمام عہد رسالت وعہد سلف سے ہے:

میلاد شریف کے لیے کوئی دن متعیّن کیا جاتا ہے تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ جمع ہو سکیں، اس کا ثبوت عہد سلف، بلکہ عہد رسالت سے ہے:

(٦٠) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قال: قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ.(١)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خواتین نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور، مرد آپ کے وعظ وتذکیر سے بہرہ ور ہونے میں ہم پر فوقیت لے گئے، تو حضور ہمارے لیے بھی اپنی طرف سے وعظ کا ایک دن مقرر فرما دیجیے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے ایک معین دن میں وعظ کا وعدہ فرمالیا، پھر انھیں وعظ فرمایا اور کچھ احکام دیے۔

(٦١) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ. قَالَ: أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.(٢)

ترجمہ: ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ وتذکیر فرمایا کرتے تھے، تو ان سے ایک صاحب نے عرض کی کہ اے ابو عبدالرحمن، مجھے پسند ہے کہ آپ ہر روز ہمیں وعظ فرمائیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ نامنظور ہے، کیوں کہ تمھیں ملول خاطر کرنا مجھے ناگوار ہے۔

میں وعظ میں (تمھارے فارغ اوقات، اور نشاط ودل چسپی کے مد نظر) تمھارا لحاظ رکھتا ہوں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ملولِ خاطر ہو جانے کے اندیشے سے ہمارا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص: ٢٠، ٢١، كتاب العلم/ باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) صحيح البخاري، ج:١، ص: ١٦، كتاب العلم/ باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة، مجلس البركات، مبارك فور.

ہم اہل حق ان احادیث کی پیروی میں دن، مقرر کر کے محفل میلاد منعقد کرتے ہیں، آگے کرم فرماؤں کی مرضی وہ اسے بدعت کہیں یا سنت۔ ہم نے تو عہد رسالت اور عہد سلف دونوں کی شہادتیں پیش کر دی ہیں۔

ہم نے کتاب وسنت کے نصوص کثیرہ محفل میلاد شریف کے مندوب و مستحسن ہونے پر پیش کیے جن سے اس محفل کا ماثبت بالسُّنّۃ ہونا اچھی طرح عیاں ہو جاتا ہے، بلفظ دیگر حدیث مسلم کے مطابق یہ "سنتِ حسنہ" ہے۔

مگر اس کے برخلاف آج کے "سلفی وہابی" اسے "بدعتِ ضلالہ" کہتے ہیں جیسا کہ نواب وحیدالزماں نے اپنی کتاب کنز الحقائق (۱) میں اس کی صراحت کی ہے۔ در اصل انھیں حضور سے عداوت اور ان کے ذکر سے نفرت ہے، اس لیے اس ذکر کو روکنے اور بدعت وناجائز ٹھہرانے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور حربے استعمال کرتے ہیں۔

---

(۱) کنز الحقائق، ص:۵، فصل البدعة، شوکتِ اسلام، بنگلور۔

بیسواں مسئلہ

صلاۃ وسلام بہ حالتِ قیام

کتاب وسنت کی روشنی میں

صلاۃ وسلام بہ حالت قیام کی دلیلیں:

حضور سید الانبیاء، افضلُ المرسلین ﷺ پر ''صلاۃ'' بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے اور سنتِ ملائکہ بھی، اللہ عزوجل نے تمام اہل ایمان کو رسول اللہ پر صلاۃ وسلام بھیجنے کا حکم بھی دیا ہے اور ہمیشہ سے مسلمانوں کا تعامل بھی اس پر رہا ہے، تو یہ صلاۃ وسلام کم ازکم مندوب ومستحسن ضرور ہے۔ ہم یہاں اس کے ثبوت میں چند دلائل پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

(۱) قرآن مقدس شاہد ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾''(۱)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے ایمان والو تم بھی ان پر صلاۃ وسلام بھیجو۔

اس آیت کریمہ میں ''صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾'' [تم نبی پر صلاۃ وسلام بھیجو] مطلق ہے

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب: ۳۳، الآیۃ: ۵۶.

جس کے عموم میں بیٹھ کر، کھڑے ہوکر، لیٹ کر، تنہائی میں، مجمع میں، پست آواز سے، بلند آواز سے، مسجد میں اور خارج مسجد ہر جگہ اور ہر حال میں "صلاۃ وسلام" بھیجنا شامل ہے۔ اس لیے محفل میلاد النبی ﷺ کے اختتام پر اہل اسلام کا کھڑے ہوکر بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا بھی اس آیت کے اطلاق کا حصہ ہے اور اُن کا تعامل فی الواقع کتاب اللہ کی اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه-، قال: سمعتُ رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- يقول: . . . فإن صلاتكم تُبلّغني حيث كنتم."(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمھارا درود میری بارگاہ میں وہیں سے پیش کیا جاتا ہے جہاں تم رہتے ہو۔

(۳) "عن أنس، قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: مَن صلّى عليّ صلاة واحدة صلى الله عليه عشر صلوات وحطّت عنه عشر خطيات ورفعت له عشر درجات."(۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے لیے دس درجے بلند فرماتا ہے۔

(۴) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص أنّه سمع النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثلَ ما يقول، ثم صلّوا عليَّ فإنّه مَن صلّى عليَّ صلاة، صلى الله عليه بها عشرا."(۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۲۳۳، كتاب المناسك / بابُ زيارة القبور، رقم الحديث: ۲۰٤۲، بيت الأفكار الدولية.

(۲) سنن النسائي، ص: ۱۵۳، كتاب السّهو / باب الفضل في الصلاة على النّبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، رقم الحديث: ۱۲۹۷، بيت الأفكار الدولية.

(۳) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱٦٦، كتاب الصلاة / باب استحباب القول مثلَ قولِ المؤذن لمن سمعه، مجلس البركات، مبارك فور.

فرماتے ہوئے سنا کہ جب مؤذن کی آواز سنو تو جواب میں وہی کلمات تم بھی کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو کیوں کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی احادیثِ کثیرہ میں "صلاۃ" یا درود بھیجنے کا لفظ مطلق ہے جو اپنے اطلاق کی وجہ سے محفل میلاد شریف کے شروع، درمیان اور آخر میں صلاۃ پڑھنے کو بھی شامل ہے اور ساتھ ہی کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پڑھنے کو بھی۔

(۵) ارشادِ باری ہے:

"لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ"(۱)

ترجمہ: تاکہ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

اس آیت کریمہ میں " وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ " [اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو] بھی مطلق ہے جو تعظیم وتوقیر کی تمام قسموں کو شامل ہے اور قیام بجائے خود اقسامِ تعظیم سے ہے اس لیے میلاد شریف کے آخر میں تعظیمِ نبوی کے قصد سے قیام کرنا اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔

(۶) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠"(۲)

ترجمہ: تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔

(۷) مزید ارشادِ ربانی ہے:

" لَىٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ"(۳)

ترجمہ: ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکات دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بے شک میں تمھارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمھیں باغوں میں لے جاؤں

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الفتح: ٤٨، الآیۃ: ٩.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الأعراف: ٧، الآیۃ: ١٥٧.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ: ٥، الآیۃ: ١٢٠.

گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مرسلین عظام علیہم السلام کی تعظیم کرنے والوں کو فلاح اور جنت کی بشارت ہے اور توقیر و تعظیم کا لفظ مطلق ہے جس کی وسعت میں ادب و احترام کے ساتھ قیام بھی شامل ہے۔

قیام اقسامِ تعظیم سے ہے:

ادب کے ساتھ قیام بھی اقسامِ تعظیم سے ہے جو کثیر احادیث نبویہ سے ثابت ہے، مثلاً:

(۸) حضور سید عالم ﷺ کا حضرتِ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سرکار دو عالم ﷺ کے لیے قیام کرنا۔

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ -رضى الله عنها- أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلاًّ . . . مِنْ فَاطِمَةَ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهَا، كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ . وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا.(۱)

ترجمہ: ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے وقار، سیرت، حسن سلوک میں حضرت فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو سرکار کی طرح نہیں دیکھا۔

جب حضرت فاطمہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے، پھر اپنی جگہ بٹھاتے اور جب حضور ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ حضور کے لیے کھڑی ہو جاتیں، دست مبارک پکڑ کر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بیٹھاتیں۔

(۹) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انصار کو قیام کا حکم دینا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قَالَ : لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ، - هُوَ ابْنُ مُعَاذٍ - بَعَثَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم - وَكَانَ قَرِيبًا مِنْهُ فَجَاءَ، عَلَى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: قُومُوا إِلَى ”سَيِّدِكُمْ“ فَجَاءَ فَجَلَسَ

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۵۶۰،أول كتاب الأدب / باب ما جاء في القيام ، رقم الحديث: ۵۲۱۷، بيت الأفكار الدولية.

إِلَى رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- .(۱)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ کے حکم ہونے پر راضی ہو گئے تو حضور ﷺ نے حضرت سعد کے پاس قاصد بھیجا اور وہ حضور کے قریب تھے، پھر وہ خچر پر سوار ہو کر ان کے پاس گئے جب سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے قریب ہوئے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ، پھر حضرت سعد سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

(۱۰) مجلس انور سے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے تشریف لے جانے کے وقت صحابۂ کرام کا کھڑا ہونا، اور حجرۂ شریفہ میں داخل ہونے کے وقت تک کھڑا رہنا۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَهُوَ يُحَدِّثُنَا كَانَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا "فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوتِ أَزْوَاجِهِ" فَحَدَّثَنَا يَوْمًا "فَقُمْنَا حِينَ قَامَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مجلس میں بیٹھ کر ہم سے باتیں کرتے جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ حضور کو دیکھتے کہ اپنی بعض ازواج کے مکان میں تشریف لے گئے، پھر ایک دن حضور نے ہم سے حدیث بیان فرمائی اور جب سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کھڑے ہوئے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔

(۱۱) حضور ﷺ کو مسجد نبوی شریف میں آتے ہوئے دیکھ کر کھڑا ہونا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ - لاَ أَعْلَمُهُ إِلاَّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ : لَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ.(۳)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اس وقت

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ٤٢٧، كتاب الجهاد والسّير/ بابٌ إذا نزل على حكم رجل، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) سنن أبي داؤد، ص:۵۲۱، أول كتاب الأدب/ بابٌ في أخلاق النبي، رقم الحديث: ٤٧٧٥، بيت الأفكار الدولية.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ١٢٤، كتاب الجمعة / بابُ المشي إلى الجمعة، مجلس البركات، مبارك فور.

تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے آتا ہوا نہ دیکھ لو۔ اور وقار کو لازم پکڑو۔

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشقتِ قیام کے باوجود نماز میں تعظیم نبوی کے لئے کھڑا رہنا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا : وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صلى الله تعالى عليه وسلم .[۱]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایک شب نماز پڑھی، آپ برابر قیام میں رہے، یہاں تک کہ میں نے ایک ناپسندیدہ بات کا ارادہ کیا، ہم نے پوچھا وہ کیا تھا؟ فرمایا کہ میں نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام میں چھوڑ کر میں بیٹھ جاؤں۔

اور بسا اوقات سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا اسے ناپسند فرمانا بوجہِ تواضع ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیام تعظیمی ممنوع ہے، بلکہ اس سے مقصود محض اظہار تواضع ہے، یوں بھی عرفاً قیام کو اقسامِ تعظیم سے شمار کیا جاتا ہے۔

اطلاق سے استدلال سنت رسول وسنتِ صحابہ ہے:

ہم نے گزشتہ صفحات میں کتاب وسنت کے اطلاق سے استدلال کیا ہے کیوں کہ سلف وخلف سے لے کر آج تک علمائے امت کے درمیان عموم واطلاق سے استدلال شائع وذائع ہے، یہاں تک کہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اطلاق سے استدلال فرمایا، جیسا کہ یہ حدیث شاہد ہے:

(۱۳) عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ:كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَلَمْ أُجِبْهُ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي. فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ : {اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ} .[۲]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۱۵۲، ۱۵۳، كتاب التهجّد / بابُ طولِ الصلاة في قيام اللّيل، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ● صحيح البخاري، ج:۲، ص:٦٤٢، كتاب التفسير/ باب ما جاء في فاتحة الكتاب.

● أيضا: ص: ٧٤٩، تكاب التفسير/ باب فضل فاتحة الكتاب، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابو سعید بن معلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے فوراً حاضر نہ ہو سکا، پھر (نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا اور) عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔

تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا ہے:

"اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے "حاضر ہو جانے" کا حکم مطلق دیا ہے جس کے اطلاق و عموم میں نماز و خارج نماز سب شامل ہیں اس لیے تم پر لازم تھا کہ نماز چھوڑ کر فوراً حاضر ہو جاتے۔

یہاں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نص قطعی کے اطلاق سے اپنے صحابی کے عذر کو مسترد کرتے ہوئے ان پر حجت قائم فرمائی جس سے "المُطلقُ يَجري على إطلاقه" کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

وہ صحابیِ رسول بھی صاحبِ زبان تھے انھیں اطلاق کا یہ عموم و شمول معلوم تھا، مگر فرمان خداوندی ہے:

(۱۴) "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا... وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾"(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو!... اپنے عمل باطل نہ کرو۔

جس سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ "حاضری کے اطلاق" میں نماز کی حالت شامل نہیں ہے، اس لیے نماز پوری ہونے تک تاخیر کی گنجائش سمجھی جا سکتی تھی، مگر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے "اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ" سے استدلال فرما کر انھیں آگاہ فرمایا کہ رسول کا بلانا، اللہ کا بلانا ہے اور اللہ کے بلانے پر نماز چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوگی، اس لیے رسول کے بلانے پر بھی نماز چھوڑنے سے نماز باطل نہ ہوگی، لہذا "حاضری کا حکم" پورے طور پر اپنے اطلاق پر جاری ہوگا۔

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح کا ایک واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بیان کیا ہے، وہ بھی نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے فوراً حاضرِ بارگاہِ رسالت نہ ہوئے اور خدمت اقدس میں کچھ دیر سے حاضری کا یہی عذر پیش کیا تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے آیت کریمہ: "اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ"

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ٤٧، الآیة: ٣٣.

کے اطلاق سے ان پر حجت قائم فرمائی:

قَالَ « أَفَلَمْ تَجِدْ فِيمَا أَوْحَى اللهُ إِلَيَّ أَنِ (اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ) ». قَالَ بَلَى وَلاَ أَعُودُ إِنْ شَاءَ اللهُ.(۱)

ترجمہ: سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم نے وحیِ قرآنی میں یہ فرمان نہیں پایا کہ ''جب اللہ اور رسول تمھیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔'' عرض کیا سنا ہے اور اب ان شاء اللہ تعالی دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔

(۱۶) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ . . . ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا فِي الصَّلَاةِ يُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً، فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ، فَصَلَّى بِهِمْ.(۲)

ترجمہ: عروہ بن مغیرہ کا بیان ہے کہ ان کے والد حضرت مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بتایا کہ . . پھر حضور سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا، یہاں تک کہ ہم لوگ قافلے میں اس وقت پہنچے جب وہ حضرات نماز (فجر) شروع کر چکے تھے، انھیں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نماز پڑھا رہے تھے اور وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔

جب انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انھیں اشارے سے اپنی جگہ برقرار رہنے کا حکم دیا تو انھوں نے نماز پوری کی۔

(۱۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ . . . فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ . . . ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى.(۳)

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۱۱۱، أبوابُ فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ/ بابُ ما جاء في فضل فاتحة الكتاب، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۱۳٤، كتاب الطهارة/ بابُ المسح على الخفّين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۱۷۹، كتاب الصلاة/ بابُ تقديم الجماعة مَن يصلي بهم إذا تأخّر الإمام ولم يخافوا مفسدةً بالتقديم، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔۔۔ تو حضرت ابو بکر نماز پڑھانے لگے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگ نماز میں تھے۔۔۔ پھر حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ صف میں ٹھیک سے کھڑے ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر امامت شروع کر دی۔

(۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قُمْ مَكَانَكَ .(۱)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابو بکر مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابو بکر صدیق نے حضور کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو۔

ان تین حدیثوں میں الگ الگ تین واقعات کا بیان ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عوف اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی امامت کر رہے تھے، اسی دوران نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ حضرات اپنے مصلے سے پیچھے ہٹنے لگے، یہ پیچھے ہٹنا بلا شبہہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے تھا جس کے بارے میں کتاب اللہ کے یہ مطلق احکام رہنمائی کر رہے تھے:

(۱۹) ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ“(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اس آیت کریمہ میں ”آگے نہ بڑھو“ کا لفظ مطلق ہے جو نماز اور بیرونِ نماز دونوں حالتوں کو عام ہے اس لیے وہ حضرات عین حالتِ نماز میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی آہٹ محسوس کر کے پیچھے ہٹنے لگے۔

(۲۰) ”لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ“(۳)

ترجمہ: تاکہ اے لوگو، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

اس آیت مبارکہ میں ”تعظیم و توقیر“ کا حکم مطلق ہے جو نماز اور بیرونِ نماز تمام احوال کو

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱،ص:۱۷۸، ۱۷۹، کتاب الصلاۃ/ باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض . . . مَن یصلّی بالناس، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات:۴۹،الآیة:۱ .

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الفتح:۴۸،الآیة:۹.

شامل ہے اس لیے بھی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا احساس ہوتے ہی امامت کے مقام سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور ان تمام واقعات میں نہ تو صحابہ کرام نے کبھی نکیر کیا، نہ ہی حضور افصح العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی نکیر فرمایا، بلکہ آپ نے ان کے عمل کو برقرار رکھا، اور خود صحابہ کرام نے بھی بعض واقعات میں تالیاں بجا بجا کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیچھے ہٹنے کے لیے آگاہ کیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ معلوم تھا کہ مطلق اپنے عموم واطلاق پر جاری رہتا ہے۔

ہاں حضرت ابو سعید بن معلی اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے مطلق قرآنی کو بیرون نماز کی حد تک عام سمجھا، جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں تنبیہ فرمائی۔

یہ شرح وبیان اس امر کے اذعان کے لیے ان شاء اللہ کافی ہے کہ مطلق اپنے اطلاق و عموم پر جاری رہتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کسی نص سے تقیید ثابت ہو تو اس کا لحاظ بھی ہوتا ہے مگر ان نصوص میں تو مطلق اپنے اطلاق پر ہی ہے اور وہی ہمارے استدلال کی بنیاد ہے۔

یہاں اس امر میں شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان جلیل القدر صحابہ کرام نے حالت نماز اور بالخصوص حالت قیام میں پیچھے ہٹ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مظاہرہ کیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت قیام میں پیچھے ہٹنا بھی اقسام تعظیم سے ہے۔

ہم نے قیام تعظیمی کے ثبوت کے لیے کتاب وسنت کے جن نصوص سے استدلال کیا ہے وہ اپنے اطلاق کی وجہ سے تعظیم کی ہر قسم کو شامل ہیں، لہذا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی محمود و مستحسن قرار پائے گی اور الگ الگ خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت پیش کرنے کی حاجت نہ ہوگی، ہاں اگر کسی خاص طریقے کی ممانعت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے ثابت ہو تو خاص وہ طریقہ ممنوع ہوگا جیسے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو تعظیم کے قصد سے سجدہ کرنا، کہ یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے، لہذا تعظیم کی یہ قسم ناجائز ہوگی۔ مگر رسول اللہ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا شرعاً ممنوع نہیں جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں اس کے شواہد بھی پیش کیے ہیں اس لیے یہ جائز و مستحسن ہے۔

کھڑے ہو کر صلاۃ، یا صلاۃ وسلام پڑھنے کی نظیر:

شریعت میں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر ہر طرح صلاۃ وسلام پڑھنے کی نظیر موجود ہے، چناں چہ نماز میں بیٹھ کر صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے اور نماز جنازہ میں کھڑے ہو کر اور روضۂ انور پہ حاضری کے وقت تو عالم اسلام کا ہر شخص کھڑے ہو کر ہی صلاۃ وسلام عرض کرتا ہے، تو یہ عامۂ مسلمین کا قیام تعظیمی پر تعامل، بلکہ اجماع ہوا۔

دوسری دلیل:

صدہا سال سے امت کا سوادِ اعظم اس قیام کے استحسان کا قائل ہے، بلکہ قرناً فقرناً تمام بلادِ اسلام میں بے شمار علما، صلحا، اولیا اور عامۂ اہل سنت کا اجماع ہے۔

اور اجماع بجائے خود ایک مستقل حجت ہے جو احادیثِ متواتر المعنیٰ سے ثابت ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اسے واضح کیا گیا ہے اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے سوادِ اعظم کی پیروی کا حکم بھی دیا ہے۔

چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۲۱) حَدَّثَنِي أَبُو خَلَفٍ الأَعْمَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ-، يَقُولُ: ''إِنَّ أُمَّتِي لاَ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ.''(۱)

ترجمہ: ابو خلف اعمیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میری امت گمرہی پر جمع نہ ہو گی، لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی پیروی اپنے اوپر لازم کر لو۔

(۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- قَالَ: «إِنَّ اللهَ لاَ يَجْمَعُ أُمَّتِي -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- عَلَى الضَّلاَلَةِ وَيَدُ اللهِ على الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ، شَذَّ إِلَى النَّارِ».(۲)

---

(۱) سنن ابن ماجه، ص: ٤٢٤، كتاب الفتن / باب السّواد الأعظم، رقم الحديث: ٣٩٥٠، بيت الأفكار الدولية.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن/ بابُ لزوم الجماعة، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کو -یا فرمایا- اُمّتِ محمد ﷺ کو گمراہی پر نہیں جمع فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

(۲۳) عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه و آله و سلَّمَ-: "لا يجمع اللهُ هذه الأمةَ على الضَّلالة أبدا" و قال: "يدُ الله على الجماعة، فاتّبعوا السَّواد الأعظم، فإنه من شَذَّ، شُذّ في النار".[1]

ترجمہ: عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا: اللہ عزّ وجلّ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دستِ قدرت جماعت پر ہے تو سوادِ اعظم کی پیروی کرو، جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

الغرض محفل میلاد شریف کے اختتام پر کھڑے ہو کر با ادب صلاۃ وسلام پڑھنا سواد اعظم کا معمول ہے جس کا جواز واستحسان کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ سے ثابت ہے اس لیے اسے بدعتِ ضالّہ کہنا خود ضلالت ہے۔

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۵، كتاب العلم/ بابُ لا يجمع الله هذه الأمّة على الضلالة أبدًا، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

تیسرا باب

فروعی مسائل کے بیان میں

تمہید

اب ہم چند فقہی، فروعی مسائل ایسے پیش کرتے ہیں جن میں ائمۂ حنفیہ کا مذہب مرجوح یا ضعیف حدیثوں پر مبنی سمجھا جاتا ہے حالاں کہ وہ ان فروع میں بھی عامل بالسُّنۃ ہیں، ساتھ ہی ہم دوسرے ائمۂ مذہب کے دلائل بھی نقل کریں گے تاکہ یہ عیاں ہو سکے:

(الف) چاروں مذاہب کی بنیاد کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ پر ہے، یہ الگ بات ہے کہ اجتہاد میں کوئی منزل صواب تک پہنچ گیا، تو وہ دونے اجر کا حق دار ہوا، اور کوئی منزلِ صواب تک نہ پہنچ سکا تو ایک ہی اجر کا حق دار ہوا اور بہت سے مسائل تو اجماعی بھی ہیں جو خطا سے محفوظ ہیں جیسا کہ احادیث متواتر المعنیٰ اس کی شاہد ہیں اور ان میں سے بعض مسائل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس باب میں ذکر بھی کریں گے۔

الغرض مقصد سب کا اتباعِ سنتِ رسول ہے، ہم سب کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے اور سب کا احترام کرتے ہیں۔ مگر فرقۂ وہابیہ کے ارکان عموماً انھی چاروں اماموں کے مذاہب سے مسائل کا انتخاب کر کے انھیں اپنا مذہب بناتے ہیں، ساتھ ہی ان مذاہبِ حقہ کے اتباعِ حدیث پر انگشت نمائی کرتے ہیں۔

(ب) عامۂ امتِ مسلمہ نے اجتہادی مسائل میں ان ائمۂ کرام کی پیروی کی ہے کیوں کہ یہ اجتہاد کر نہیں سکتے تھے اور تخییر کی صلاحیت بھی عموماً ناپید تھی، ساتھ ہی "اتباعِ ہویٰ" کا خطرہ بھی تھا، تاہم جو ان میں صاحبِ فہم و فراست تھے انھوں نے اپنے اپنے ائمہ کے دلائلِ کتاب و سنت میں کامل غور و فکر کر کے یہ روشن و عیاں فرمایا کہ ان کے امام کا مذہب راجح اور واجب الاتباع ہے، انھوں نے اندھی تقلید نہیں کی ہے، بلکہ تقلیدِ ائمہ کی راہ سے تمسّک بالکتاب والسُّنۃ کیا ہے۔

اس لیے ہم یہاں انھی مذاہبِ حقہ کے چند فقہی مسائل ایسے پیش کرتے ہیں جن میں ان بزرگوں کے درمیان اجتہادی اختلاف ہے اور غیر مقلدین نے انھی میں سے بعض مذاہب کو بہت ہی مضبوط اور مستحکم حدیثوں پر مبنی گمان کر کے اختیار کیا ہے، اس حیثیت سے اب راقم السطور کا روئے سخن انھی کی طرف ہوگا، ہم یہاں بیانِ مذاہب میں اپنے ائمہ کرام کا نام لیں گے مگر ہماری یہ مجال نہیں کہ ان کے دلائل پر نقد و نظر پیش کریں۔ ہاں ان کے مذہب اور دلائل کو اب ان مدعیانِ احادیث نے اختیار کر لیا ہے تو ان کو سمجھانے کے لیے کچھ بحثیں ضرور کریں گے، تاکہ انھیں کچھ عبرت حاصل ہو۔

اکیسواں مسئلہ

وضو میں نیت فرض ہے یا سنت

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

وہابی اہل حدیث ائمۂ ثلٰثہ رحمۃ اللہ علیہم وضو میں نیت کو فرض قرار دیتے ہیں۔[۱] جب کہ مذہب حنفی میں یہ سنت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

(۱) عن عمر بن الخطاب -رضی الله عنه- قال: قال رسولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: إنّما الأعمالُ بالنِّيّاتِ.[۲]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔

وہابیہ اہل حدیث کی دلیل

یہ ہے کہ اعمال کی صحت نیتوں کے ساتھ ہے اور حدیث میں اعمال سے مراد عبادات ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ عبادات کی صحت نیت کے ساتھ ہے، تو صحت کے لیے نیت شرط ہوئی۔

---

(۱) كنز الحقايق من فقه خير الخلايق ص:۱، كتاب الطهارة، شوكت الإسلام، بنغلور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲، بابُ كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-، مجلس البركات.

ہمارے علما فرماتے ہیں کہ وضو عبادت بھی ہے اور طہارت بھی۔ تو ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بغیر نیت کے وضو پر ثواب نہ ملے گا، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ اعضا پر مَاء مطھّر (پاک کرنے والے پانی) کے بہانے سے طہارت بھی نہ حاصل ہوگی۔ وضو کا عبادت نہ ہونا الگ چیز ہے اور طہارت و مفتاح الصلاۃ ہونا الگ چیز، جیسے پیاسے کو پانی پلانا ثواب ہے۔ اب کوئی ثواب کی نیت سے پلائے تو اسے ثواب بھی ملے گا اور پیاسا سیراب بھی ہوگا۔

لیکن اگر کوئی دکھانے کے لیے پلائے تو ثواب نہیں پائے گا، ہاں پیاسا سیراب ضرور ہوگا۔

یوں ہی کوئی شخص طاہر ہونے کے لیے وضو کرے اور نیت عبادت کی ہو تو وہ طاہر بھی ہوگا اور اسے ثواب بھی ملے گا، لیکن اگر نیت عبادت کی نہیں ہے تو ثواب نہیں ملے گا، ہاں طاہر ضرور ہو جائے گا۔

حدیث پاک کی مراد یہ نہیں ہے کہ کسی عمل کا شرعی وجود بغیر نیت کے نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جمیع اعمال شرعیہ کا ثواب چاہے وہ عباداتِ مقصودہ ہوں یا غیر مقصودہ بغیر نیت کے نہیں مل سکتا۔

حنفی مذہب کی دلیل

حدیث ”إنما الأعمال بالنيات“ کی تفہیم:

یہ حسن اتفاق ہے کہ حنفی مذہب کی دلیل بھی وہی حدیث ہے جو ائمۂ ثلاثہ کی دلیل ہے، اور آج کل کے اہل حدیث نے بھی اسے اپنی دلیل بنالیا ہے۔ اس لیے ہم یہاں وہ حدیث مکمل نقل کرتے ہیں تاکہ حدیث نبوی کا معنیٰ مراد بخوبی عیاں ہو جائے۔

مکمل حدیث یہ ہے:

”عن عمر بن الخطّاب -رضی الله تعالیٰ عنه- قال: قال رسولُ الله -صلّی الله تعالیٰ علیه وسلَّمَ-: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى ● فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهٖ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهٖ ● وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا ● أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا- فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.“[1]

---

(۱) صحیح البخاري ج:۱، ص:۲، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول الله -صلی الله تعالی علیه وسلَّمَ-، مجلس البرکات.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اعمال محض نیتوں کے ساتھ ہیں اور مرد کے لیے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی لہٰذا ● جس کی ہجرت اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے ہے۔ ● اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے ہو ● یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہو تو اس کی ہجرت اس کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔"

اس حدیث میں "صحّة" یا "ثواب" کا لفظ مقدر ہے مگر "صحّة" کا لفظ مقدر ہونا اختلافی امر ہے جب کہ "ثواب" کے مقدر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس امر پر اجماع ہے کہ ثواب بغیر نیت کے حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایسا ہی لفظ مقدر ماننا چاہیے جو حکم اجماعی، قطعی کا افادہ کرے۔[1]

حدیث "إنما الأعمال بالنيات" میں تین طرح کے مہاجرین کا ذکر ہے:

اس حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین طرح کے مہاجرین کا ذکر کیا ہے۔

- جس نے اللہ و رسول کے لیے ہجرت کی۔
- جس نے دنیا مثلاً تجارت کے لیے ہجرت کی۔
- جس نے کسی عورت کے لیے ہجرت کی۔

اُس زمانے میں ہجرت فرض تھی، اور اہم طاعت و عبادت تھی پھر بھی کچھ لوگوں نے طاعت و عبادت کی نیت سے ہجرت نہیں کی، بلکہ دنیا کے لیے یا کسی عورت کے لیے ہجرت کی اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن حضرات کو ہجرت کے اعادہ کا حکم نہیں دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طاعات و عبادات کی صحت اور ان کے وجود شرعی کے لیے نیت ضروری نہیں ہے، ہاں ثواب اسی وقت حاصل ہوگا جب اللہ و رسول کے لیے ہجرت کی جائے اس لیے حدیثِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا ثواب نیتوں کے ساتھ ہے۔

اس کے برخلاف وہابی اہل حدیث طاعات و عبادات کی صحت اور وجودِ شرعی کے لیے نیت کو

---

(۱) فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت، ص:۳۰۰، ج:۱، مسئلة : المقتضي ما استدعاه صدق الكلام، دار إحياء التراث، بيروت.

فرض قرار دیتے ہیں حالاں کہ یہ مرادِ حدیث کے خلاف ہے۔

بحر العلوم حضرت مولانا عبد العلی لکھنوی ثم مدراسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ثم إنه لا حاجة كثيراً إلى التَّمسك بالإجماع، فإن شأن نزول هذا الحديث الهجرةُ، فإنَّ هجرة الأكثر كانت لِمَحبَّة الله و رسوله وهجرةَ البعض لِكسبِ الدنيا من التجارة والنكاح، فقال رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم- هذا القول. و يدلُّ عليه سياقه أيضًا ولم يأمر بتجديد الهجرة مع كونها فرضا، فعُلم أَنَّ "الصّحّة" غير مقدرة ولو كانت لَفَسَدَتِ الهجرة، لأنها المورد، وأمرَ -عليه السلام- بالتجديد."[1]

ترجمہ: "پھر اجماع سے استدلال کی چنداں حاجت نہیں کیوں کہ اس حدیث کی شانِ نزول ہجرت ہے اور ہجرت اکثر صحابہ نے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے کی تھی اور بعض صحابہ نے تجارت و نکاح کی غرض سے کی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ: اعمال محض نیتوں کے ساتھ ہیں۔ اس پر سیاق حدیث بھی دلالت کرتا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجدید ہجرت کا حکم نہ فرمایا حالاں کہ اُس وقت ہجرت فرض تھی تو معلوم ہوا کہ حدیث پاک: "إنَّما الأعمال بالنِّيات" میں "صِحّة" کا لفظ نہیں مقدر ہے، (بلکہ "ثواب" مقدر ہے یعنی "ثوابُ الأعمال") اور اگر صِحّة کا لفظ مقدر ہوتا تو ہجرت فاسد ہو جاتی کیوں کہ ہجرت ہی کا حکم بیان کرنے کے لیے تو حدیث وارد ہوئی ہے، وہی اس کا سببِ نزول ہے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور تجدیدِ ہجرت کا حکم صادر فرماتے۔"

حدیث پاک کے سببِ نزول سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ارشادِ نبوت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اعمال شرعیہ پر ثواب کا مدار نیتوں پر ہے، لہٰذا نیت اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہے تو ثواب ملے گا، ورنہ نہیں تو پھر یہی حکم وضو کا بھی ہے کہ اطاعت کی نیت سے وضو کرے تو ثواب ملے گا، ورنہ نہیں۔

رہا وضو یا طہارت کا حصول تو وہ نیت پر نہیں موقوف ہے اس لیے وضو کرے گا تو طہارت ہو جائے گی، جیسے ہجرت کرنے سے ہجرت ادا ہو گئی۔

---

(۱) فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ص: ۳۰۰ و ۳۰۱، ج: ۱، مسئلة: المقتضى ما استدعاه صدق الكلام، دار إحياء التراث، بيروت.

بائیسواں مسئلہ

نماز میں قہقہہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے

احادیث نبویہ سے روشن ثبوت

اب ہم قصداً ''نماز میں قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے کا مسئلہ'' یہاں زیر بحث لاتے ہیں جس کی بنیاد بظاہر احادیثِ صحیحین پر نہیں ہے، بلکہ ائمہ حنفیہ نے جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے ان پر کلام بھی کیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ حدیثیں ضعیف ہیں، مگر حق یہ ہے کہ ● اس مسئلے کی بنیاد بھی احادیثِ صحیحین پر ہے ● اور غیر صحیحین کی جن حدیثوں کو ضعیف بتایا گیا ہے وہ کم از کم مجموعی حیثیت سے حَسَن و قابلِ حجت ضرور ہیں۔

اس طرح مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بنیاد، دو انواع کی حدیثوں پر ہے:

نوع اول: غیر صحیحین کی احادیث، جو خاص نماز میں قہقہہ کے تعلق سے وارد ہیں۔

نوع دوم: صحیحین وغیرہ کی احادیث، جو مشتبہات میں احتیاط کے تعلق سے وارد ہیں۔

یہ دونوں انواع کی حدیثیں مجموعی حیثیت سے مذہب امام اعظم کی دلیل ہیں، اب ہم وہ مسئلۂ خاص اور اس کے بارے میں ائمہ کے مذاہب بیان کرتے ہیں.

ائمہ کے مذاہب: ایسی نماز جو رکوع و سجدہ والی ہو اس میں بلند آواز کی ہنسی سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے ناقضِ وضو نہیں مانتے، چناں چہ وہ خود ارقام فرماتے ہیں:

"لا وضوء من کلامٍ و إن عظم و لا ضحكٍ في صلوٰة و لا غيرها." (۱)

ترجمہ: کلام سے وضو نہیں ہے اگر چہ وہ بڑی بات ہو اور نہ ہی ہنسنے سے، یہ ہنسی نماز میں ہو، خواہ اس سے باہر۔

بلکہ بقول علامہ ابن رشد اندلسی امام اعظم کے سوا، اس مسئلہ خاص میں کوئی اس کا قائل نہیں ہے کہ قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (۲)

لیکن امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ صحابیِ رسول ● حضرت ابو موسیٰ الاشعری ● امام حسن بصری ● امام ابراہیم نخعی ● امام سفیان ثوری ● امام محمد بن سیرین ● امام اوزاعی ● اور امام عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۳)

عقل و قیاس کا مقتضا یہی ہے کہ قہقہہ نماز میں ہو، یا غیر نماز میں، کسی بھی حالت میں ناقض وضو نہیں ہونا چاہیے لیکن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقل و قیاس کے تقاضے کو ایک حدیثِ نبوی کی بنیاد پر ترک کر دیا ہے کیوں کہ اس میں احتیاط فی الدین ہے۔

مذہب حنفی کے دلائل

مذہب حنفی کی بنیاد دو انواع کی حدیثوں پر ہے

نوع اول کی احادیث:

(۱) روىٰ أبو حنيفة عن منصور بن زاذان الواسطي، عن الحسن، عن مَعبد بنِ أبي معبد الخزاعى عن النبي –صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّم– قال: بينما هو في الصَّلوٰة إذ أقبل أعمىٰ يريد الصّلوٰة، فوقع في رَكيَّة فاستضحك القوم، فقهقهوا فلما انصرف –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– قال: "من كان منكم قَهْقَهَ فَلْيُعِدِ الوضوء والصَّلوٰة." (٤)

---

(١) كتابُ الأم، ص:٣٥، ج:١، كتاب الطهارة/ باب الكلام والأخذ من الشارب، دار الفكر.

(٢) بداية المجتهد، ص:٤٠، الباب الرابع في نواقض الوضوء/ المسئلة السادسة، دارُ المعرفة، بيروت، لبنان.

(٣) البناية في شرح الهداية ج:١، ص:٢٣٥، كتاب الطهارات/ مسئلة فساد الصلاة من القهقهة.

(٤) فتح القدير، ج:١، ص:٥٢، عن مسند أبي حنيفة، كتاب الطهارات/ فصلٌ في نواقض الوضوء، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان ● و بركات رضا، فور بندر، غجرات.

ترجمہ: منصور بن زاذان واسطی حضرت حسن بصری سے، وہ معبد بن ابو معبد خزاعی سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے راوی کہ حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک نابینا نماز کے ارادہ سے آئے اور ایک گڈھے میں گر پڑے تو لوگ کھِل کھلا کر ہنس پڑے، جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "تم میں سے جس جس نے قہقہہ لگایا ہے وہ دوبارہ وضو کرے اور نماز لوٹائے۔"

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بعض مؤرخین نے جو یہ بدگمانی پھیلا رکھی ہے کہ وہ قیاس ورائے پر عمل کرتے تھے غالباً ان کے سامنے امام کے اس قسم کے مسائل نہیں تھے اس وجہ سے ان میں یہ جرأت پیدا ہوئی۔ اس حدیث کے پیش نظر امام کا قیاس کو ترک کر دینا اس بات کی واضح نشان دہی کرتا ہے کہ وہ حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

قہقہہ کو ناقض وضو ماننے سے انکار کی وجہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قہقہہ کو ناقض وضو ماننے سے انکار کرتے ہیں اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ ممکن ہے ان تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو اور یہ حکم عقل و قیاس کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت حسن بن زیاد کے ساتھ ان کے ایک مناظرے سے عیاں ہوتا ہے۔ (۱)

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ ہو۔ جیسا کہ بعض محدثین اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔ چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "قہقہہ کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق "صحیح" نہیں تو وہ حسن ہو سکتی ہے۔ (۲)

بعض محدثین اس حدیث کی سند پر یہ تنقید کرتے ہیں کہ اس کے آخری راوی معبد کی صحابیت ثابت نہیں ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے بصرہ میں مسئلہ قدر کے متعلق گفتگو کی اور اس کا منکر ہوا۔ (۳)

لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان ناقدین کو اشتباہ ہو گیا، معبد نام کے دو راوی ہیں **ایک** معبد جہنی،

---

(۱) نصب الراية، ج:۱، ص:۵۳، قاله ابن عدي في الكامل في ترجمة الحسن بن زياد رحمه الله تعالى.

(۲) البناية في شرح الهداية، ج:۱، ص:۲۳٤، كتاب الطهارات/ القهقهة في الصلاة.

(۳) البناية في شرح الهداية، ص:۲۳۱، كتاب الطهارات/ القهقهة في الصلاة.

دوسرے معبد خزاعی۔

معبد خزاعی کی صحابیت مسلّم ہے۔ چناں چہ ابن مندہ اور ابو نعیم نے ان کو صحابہ میں شمار کیا اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت فرمائی تو اُم معبد کے خیمہ کے پاس سے گزرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معبد کو بھیجا - اور وہ بچے ہی تھے - کہ بکری کو میرے پاس لاؤ۔ اور اس سند میں معبد خزاعی ہی مراد ہیں۔ (۱)

اور جس **معبد** پر تنقید کی گئی ہے وہ معبد جہنی ہے علاوہ ازیں امام عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے:

"ثم لو سلَّمنا أنه الجهني المتكلِّم في القدر، فلا نسلِّم أنه لا صحبة له، قال أبو عمر ابن عبد البَر في كتاب الاستيعاب: ذكرهُ الواقدي في الصّحابة وقال: أسلم قديما، وهو أحد الأربعة الذين حملوا الَوِية الجهنية يوم الفتح قال: وقال أبو أحمد في الكنىٰ وابنُ أبي حاتم كلاهما: له صحبة، وقال الذهبي في "تجريد الصحابة": معبدُ بن خالد الجهني أبُورفاعة شهد الفتح، له رواية. قال ابن عدي: قال لنا ابن حماد: وهو معبد هو الذي ذكره البخاري في كتاب "تسمية الصحابة". (۲)

ترجمہ: پھر اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ یہ معبد وہی جہنی ہے جس نے مسئلہ قدر میں کلام کیا ہے، تو یہ تسلیم نہیں کہ انھوں نے حضور کی صحبت نہیں پائی، امام ابو عمر ابن عبد البر نے "الاستیعاب" میں تصریح کی ہے کہ واقدی نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ وہ بہت پہلے اسلام لا چکے تھے اور یہ ان چار مجاہدین میں سے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے روز جہنی جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ اور ابو احمد نے "کتابُ الکُنیٰ" میں اور ابن ابی حاتم نے تصریح کی کہ ان کی صحبت ثابت ہے۔ امام ذہبی نے "تجرید الصَّحابۃ" میں فرمایا کہ معبد بن خالد جہنی ابو رفاعہ فتح مکہ کے روز حاضر تھے اور ان کی روایت بھی ہے۔ ابن عدی نے ابن حماد کے حوالہ سے کہا کہ یہ معبد وہی ہیں جن کا ذکر امام بخاری نے "تسمیۃ الصحابۃ" میں کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ راویِ حدیثِ قہقہہ "معبد" کے بارے میں قدری ہونا تسلیم کر لیا جائے تو

---

(۱) فتح القدير، ص:٤٦، ج:١، كتاب الطهارات/ فصل في نواقض الوضوء، دارُ الكتب العلمية، بيروت، لبنان ● و بركات رضا، فور بندر، غجرات.

(۲) البناية في شرح الهداية، ج:١، ص:٢٨٣، كتاب الطهارات/ القهقهة في الصلاة.

بھی ان کی یہ حدیث ناقابل حجت نہیں قرار دی جا سکتی کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی صحبت ثابت ہے اور محدثین کا اجماع ہے کہ مبتدعین اور اہل ہوا کی محض وہی مرویات ناقابل حجت ہوں گی جن سے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو۔

حدیث قہقہہ کثیر صحابۂ کرام سے مروی ہے:

علاوہ ازیں یہ حدیث درج ذیل کثیر صحابہ کرام سے بھی مروی ہے۔

(۲) حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸) حضرت ابو الملیح عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹) ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

● حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام طبرانی نے اپنی معجم میں ابو العالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اسے "خلافیات" میں ذکر کر کے یہ تنقید کی ہے کہ "جماعتِ ثقات نے اسے بسند ہشام، از حفصہ، از ابو العالیہ، از نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت کیا ہے۔"

● حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام دار قطنی نے اپنی "سُنن" میں روایت کی ہے، ساتھ ہی یہ تنقید بھی کی ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی عبد العزیز ضعیف ہیں، ایک راوی عبد الکریم متروک ہیں اور حضرت حسن و حضرت ابو ہُریرہ کے درمیان انقطاع ہے۔

امام عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا دفاع کیا ہے اور آخر میں انقطاع کا جواب یہ دیا ہے کہ حدیث مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔

● حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث امام ابن عدی نے "الکامل" میں "بقیہ" سے روایت کی ہے، اس پر امام ابن الجوزی نے "العلل المتناهية" میں یہ کلام کیا ہے کہ "یہ حدیث صحیح

نہیں" کیوں کہ بقیہ تدلیس کرتے ہیں۔

امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ کلام مناسب نہیں کیوں کہ بقیہ نے "حدثنا" کے لفظ سے حدیث روایت کی ہے اور مُدَلِّس جب "تحدیث" کی صراحت کر دے اور وہ صدوق ہو تو اس سے تدلیس کی تہمت زائل ہو جاتی ہے اور ان سے تو امام مسلم نے بھی تخریج حدیث کی ہے۔

● حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام دارقطنی نے تخریج کی ہے، اور ساتھ ہی اسے ضعیف بتایا ہے۔

امام عینی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ممکن نہیں کہ اس طرح کے مقام پر اپنی رائے سے کوئی بات کہیں تو ان کی یہ حدیث سماع پر محمول ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ حدیث ضعیف ہو تو اس باب کی مروی دوسری احادیث سے وہ قوی ہو جاتی ہے، ان کے کلمات یہ ہیں:

"وإن كان هذا الحديث ضعيفًا فقد اعتضد بغيره من الأحاديث المروية في هذا الباب."[1]

امام عینی کا یہ فیصلہ حدیث جابر کے متعلق ہے مگر میری رائے میں جتنی روایتیں اس مسئلہ خاص میں مروی ہیں ان سب کو بحیثیت مجموعی دیکھتے ہوئے یہ وثوق حاصل ہوتا ہے کہ اصل مضمون ضرور صحیح ہے۔

اصول حدیث کی کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ اگر حدیثِ ضعیف دو یا اس سے زائد سندوں سے مروی ہو تو وہ حَسَن ہو جاتی ہے[2] اور حدیث حَسَن احکام میں حجت ہے ہم نے مُقدِّمۃ الکتاب میں اس کے کچھ شواہد پیش کیے ہیں۔

الغرض درج بالا احادیث نبویہ اور ضابطۂ اصول حدیث سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ مذہبِ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر قہقہہ والی احادیث سے یہ استدلال صحیح ہے کہ نماز کے اندر قہقہہ

---

(۱) البناية في شرح الهداية، ج:۱، ص:۲۳۰، كتاب الطهارات/ القهقهة في الصلاة.

(۲) **عنوانِ اول:** "ائمہ کے مذاہب" سے یہاں تک کا مضمون زیادہ تر "البنایۃ فی شرح الہدایۃ، ج:۱، ص:۲۲۷ تا ص:۲۳۴، فصلٌ فی نواقض الوضوء سے ماخوذ ہے۔ ۱۳۹۸ھ میں راقم الحروف نے یہ مضمون اپنے استاذ کریم شیخ القرآن، علامہ عبد اللہ خاں عزیزی علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی لکھا تھا، اسے ہم نے معمولی ترمیم و اضافہ کے ساتھ جوں کا توں باقی رکھا ہے، اس کے بعد کی گفتگو راقم الحروف کا تازہ اضافہ ہے۔ ۱۲ منہ

ناقض وضو ہے۔

احادیثِ قہقہہ کے تعلق سے ہم نے ائمہ حدیث وفقہ کی بحثوں کی ایک جھلک یہاں پیش کی ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق کا مقصد عمل بالحدیث ہے، فقہا کا ایک طبقہ اپنی بحثوں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ حدیثیں محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں ہیں کیوں کہ جو رجال ان حدیثوں کو روایت کرتے ہیں ان میں کچھ ضعیف بھی ہیں اور ان کی وجہ سے یہ شبہہ واقع ہوجاتا ہے کہ یہ حدیثیں حضور سید عالم ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوئی ہیں اور احکام میں حجت وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کا زبان رسالت سے صادر ہونا قطعی یا کم از کم ظنی ہو۔

فقہا کا دوسرا طبقہ بھی اس اصول کو تسلیم کرتا ہے اور بہت سے ابوابِ فقہ میں وہ بھی ضعیف حدیثوں کو قبول نہیں کرتا کہ ضِعاف احکام کے باب میں حجت نہیں مگر:

- جو حدیث بابِ احتیاط سے ہو، اس میں وہ ضعاف سے تمسّک کرتے ہیں۔
- یوں ہی کوئی حدیث کثرتِ طرق کی وجہ سے درجہ حسَن میں پہنچ جائے تو اسے بھی وہ حجت تسلیم کرتے ہیں۔

اس لیے ائمہ حنفیہ نے رجالِ حدیث کا جائزہ لے کر،

اوّلاً: یہاں یہ واضح کیا ہے کہ احادیثِ قہقہہ کثیر صحابہ اور کثرتِ طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے درجہ حسَن میں ہیں، اس طرح یہ احادیث متروک ہونے کے بجائے قابل عمل ہوجاتی ہیں۔

ثانیاً: یہ جملہ احادیث بابِ احتیاط سے ہیں؛ کیوں کہ نماز میں قہقہہ سے اگر بالفرض وضو نہیں ٹوٹتا تو بھی وضو کر لینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ تو "نورٌ علیٰ نور"[1] ہوگا، اور اگر عند اللہ وضو ٹوٹ جاتا

---

(۱) قوله : (والوضوءُ على الوضوء نورٌ علىٰ نور) هذا لفظ حديث ذكره في الإحياء، وقال الحافظ العراقي في تخريجه: لم أقف عليه وسبقه لذلك الحافظ المنذري. وقال الحافظ ابن حجر: حديث ضعيف ورواه رزين في مسنده اهـ . جراحي. نعم روى أحمدُ بإسناد حسن مرفوعا: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم عند كل صلاة بوضوء يعني ولو كانوا غير محدثين . وروى أبو داود والترمذي وابن ماجه مرفوعا: من توضأ على طهر كتب له عشر حسنات ولم يقيّد الشارح باختلاف المجلس تبعا لظاهر الحديث.
(رد المحتار على الدر المختار، ج:۱،ص: ۲۰۲، ۲۰۳، كتاب الوضوء/مطلب في حديث: الوضوء على الوضوءِ نورٌ على نور، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان.)

ہے جیساکہ یہ احادیثِ کثیرہ شاہد ہیں تو وضو کرنا فرض ہوگا۔

یہاں چوں کہ ایک طبقہ فقہا ان احادیث کو اپنی تحقیق کے مطابق ضعیف مانتا ہے اس لیے ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وضو ٹوٹ ہی جاتا ہے تاہم کم ازکم ان احادیث کریمہ کی بنا پر وضو کا ٹوٹ جانا، پھر نماز کا فاسد ہونا مشتبہات سے ضرور ہوجاتا ہے اور مشتبہات سے بچنا فی الواقع دین کو بچانا ہے، جیساکہ اس بارے میں کثیر احادیثِ صحیحہ وارد ہیں اور مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بنیاد احادیثِ قہقہہ کے ساتھ یہ احادیثِ صحیحہ بھی ہیں جنھیں شیخین نے بھی روایت کیا ہے اور ان کے سوا دوسرے ائمۂ حدیث نے بھی۔

نوع دوم کی احادیث

جن میں شبہات سے احتراز واحتیاط کی ہدایت ہے

اب ہم یہاں اس نوع کی بھی چند احادیث پیش کرتے ہیں:

(۱۰) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ. وَالْمَعَاصِي حِمَى اللهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكْ أَنْ يُوَاقِعَهُ.[1]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جن کے حلال ہونے کا بھی شبہہ ہے اور حرام ہونے کا بھی۔ تو جو شخص شبہۂ گناہ والے کاموں سے بچے گا وہ کھلے اور یقینی گناہ کے کاموں سے زیادہ بچے گا۔

اور جو شخص شبہۂ گناہ والے کاموں پر دلیر ہوگا وہ قریب ہے کہ کھلے اور یقینی گناہ کے کاموں کا ارتکاب کر بیٹھے۔

معصیت کے کام اللہ کی (ممنوعہ) چراگاہ ہیں۔ کوئی سرکاری چراگاہ کے قریب چرائے تو قریب

(۱) صحيح البخاري ج:۱، ص:۲۷۵، كتاب البيوع/ باب الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات، مجلس البركات، مبارك فور.

ہے کہ وہ چراگاہ کے اندر بھی چرانے لگے۔

(یوں ہی جو معصیت کے قریب جائے گا قریب ہے کہ اس کا ارتکاب کر بیٹھے۔)

یہ مفہوم اسی حدیث کی دوسری روایت سے اور زیادہ عیاں ہو جاتا ہے:

● عَنْ عَامِرٍ قَالَ : سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ: الْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ. أَلاَ وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلاَ إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ.(١)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن میں حلال وحرام دونوں کا شبہہ ہے، بہت سے لوگ ان کے احکام نہیں جانتے۔ تو جو شبہات سے بچے اس نے اپنے دین اور آبرو کی حفاظت کرلی۔ اور جو شبہات میں پڑے حرام میں پڑجائے گا۔ جیسے کوئی چرواہا سرکاری چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اپنے جانور اس میں بھی چرانے لگے، سنو، ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے جو دوسروں کے لیے ممنوع ہوتی ہے، سنو، اللہ عزوجل کی زمین میں اس کی محفوظ چراگاہ وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمادی ہیں۔

(١١) عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ : مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-؟ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلمَ- ''دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ. قَالَ: وَأَبُو الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيُّ اسْمُهُ رَبِيعَةُ بْنُ شَيْبَانَ. قَالَ: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ.(٢)

---

(١) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:١٣، كتاب الإيمان/ باب فضلِ من استبرأ لدينه، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص:٢٨، كتاب المساقاة/ باب أخذ الحلال وترك الشبهات.

(٢) ● جامع الترمذی، ج٢: ص:٧٤، ٧٥، أبواب الزهد عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- / بابٌ مِن الزهد، مجلس البركات.

● سنن النسائی ،ص: ٥٧٥، كتابُ الأشربة / باب الحثّ على ترك الشبهات.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ١٧٧، مسندُ آل أبي طالب/ حديثُ الحسن بن علي بن طالب، رقم الحديث: ١٧٢٣/ ١٧٢٧.

● صحيح ابن حبان ، ج:٢، ص:٤٩٨، كتابُ الرقائق/ ذكرُ الزّجر عمّا يُريبُ المرءَ، رقم الحديث: ٧٢٢.

● المستدرك على الصحيحين، ج:٢،ص: ٥١، كتاب الإيمان / شعائر الدّين.

ترجمہ: ابوالحوراء سعدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا (کوئی خاص فرمان) یاد رکھا ہے؟

تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (ایک خاص فرمان) یہ یاد رکھا ہے کہ: جس کام میں شبہہ ہو اسے چھوڑ دو اور اس کام کو اختیار کرو جس میں کوئی شبہہ اور کھٹکا نہ ہو۔

ابوالحوراء سعدی کا نام "ربیعہ بن شیبان" ہے اور یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔

امام حاکم نے یہ حدیث تخریج فرما کر یہ افادہ بھی فرمایا:

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإسناد، ولَمْ يُخَرِّجَاه.[1]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

وقال الإمام الذهبي في كتاب البيوع: صحيحٌ[2] وفي كتاب الأحكام: سنده قوي.[3]

ترجمہ: امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب البیوع میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کتاب الاحکام میں فرمایا کہ یہ قوی ہے۔

(۱۲) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دوسرے مقام پر یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔[4] ان کے سوا دوسرے محدثین نے بھی یہ حدیث تخریج کی ہے۔

(١٤) وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لاَ يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ.[5]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی حقیقت تک بندے کی رسائی نہ ہوگی جب تک کہ جو بات اس کے سینے میں کھٹک رہی ہے اسے چھوڑ نہ دے۔

(١٣) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الأَنْصَارِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه

---

(١) المستدرك على الصحيحين، ج:٢، ص: ١٣، كتاب البيوع / دَع ما يُريبك إلى ما لا يُريبك.

(٢) المستدرك على الصحيحين، ج:٢، ص: ١٣، كتاب البيوع / دع ما يريبك إلى ما لا يريبك.

(٣) المستدرك على الصحيحين، ج:٤، ص: ٩٩، كتاب الأحكام/ الصدق طمانينة والكذب ريبة.

(٤) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:٨٥٦، مسند المكثرين / مسند أنس بن مالك -رضي الله تعالى عنه- رقم الحديث: ١٢١٢٣

(٥) صحيح البخاري، ج:١، ص:٦، كتاب الإيمان / باب قول النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- بُنِيَ الإسلام على خمس، مجلس البركات.

وسلَّمَ- عَنِ الْبِرِّ وَالإِثْمِ فَقَالَ ''الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالإِثْمُ ما حاكَ في صدرك وكرهت أنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ''.(۱)

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ نیکی کیا ہے، اور گناہ کیا؟ تو حضور نے فرمایا: نیکی حسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ ناگوار ہو کہ لوگ اس پر آگاہ ہو جائیں۔

مثلاً شکار کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا وہ بھاگتے ہوئے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، کچھ دیر ٹھہر کر تلاش میں نکلا اور وہ شکار مرا ہوا ملا تو شبہہ ہوتا ہے کہ وہ کسی سببِ غیر شرعی سے ہلاک ہوا، اب اگر واقعی ایسا ہی ہے تو عند اللہ اس کا کھانا گناہ ہو گا۔(۲)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ:

- شبہہ گناہ والے کاموں سے بچا جائے، ورنہ کبھی یقینی گناہ والے کام بھی سرزد ہو سکتے ہیں۔
- شبہہ والے کام کو چھوڑ کر وہ کام اپنایا جائے جس میں گناہ کا کوئی کھٹکا نہ ہو۔
- جو بات سینے میں کھٹکے وہ عند اللہ گناہ ہو سکتی ہے۔
- لہذا اس سے بچیں اور احتیاط پر عمل کریں۔

ان احادیث کو سامنے رکھ کر نماز میں قہقہہ والے دلائل کا جائزہ لیں تو یہ امور منکشف ہوں گے۔

۱- احادیث قہقہہ درجۂ حَسَن میں ہیں لہذا حجت ہیں اور ان سے یہ استدلال بجا ہے کہ نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۲- بطور تنزل اگر مان لیا جائے کہ وہ تمام کی تمام احادیث ضعاف ہیں تو بھی کم از کم احتیاط فی الدین کی حد تک ان سے استدلال بجا ہو گا جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور یہ ائمۂ اہلِ سنت کا مذہب بھی ہے جیسا کہ مقدمۃ الکتاب میں ہم نے اس کی شہادت پیش کی ہے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۲، ص:۳۱٤، کتاب البر والصّلة / باب تفسیر البرّ والإثم، مجلس البرکات.

(۲) عن رسول الله —صلى الله تعالى عليه وسلم- أنّه قال لعديّ بن أبي حاتم: وإن وقعت رميتك في الماء فلا تأكل؛ فإنك لا تدري أنّ الماء قتله، أم سهمك. [أخرجه البخاري في "الصيد والذبائح"، ج:۲، ص: ۲٤ • ومسلم في "الصيد"، ج:۲، ص: ۱٤٦ • والترمذي في "الصيد"، ج:۱، ص: ۱۹۰. وبه يفتى. ۱۲ منه

تیئیسواں مسئلہ

صبحِ روشن میں نماز فجر پڑھنے کا استحباب

احادیث نبویہ کی روشنی میں ☆

- آخری شب کی تاریکی جس میں صبح صادق کی روشنی کی جھلک آجائے۔
- یا صبح صادق کی روشنی خوب پھیل جائے اور تیر گرنے کی جگہ نظر آنے لگے۔

ان دو وقتوں میں سے پہلے وقت میں صبح کی نماز پڑھنا امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مستحب ہے اور دوسرا وقت ائمۂ حنفیہ کے نزدیک نماز فجر کے لیے استحباب کا درجہ رکھتا ہے۔ (۱)

ائمہ کرام کے درمیان یہ اختلاف صرف "استحباب" کے بارے میں ہے، ورنہ اس بات پر ان تمام ائمۂ کرام کا اتفاق ہے کہ دونوں اوقات میں نمازِ فجر جائز و صحیح ہے، یوں ہی اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ مُزدلفہ میں حُجاج کو اولِ وقت میں فجر پڑھنی مستحب ہے۔

☆ اس باب کی زیادہ تر احادیث نصب الراية لأحاديث الهداية سے ماخوذ ہیں۔ یہ مقالہ شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی ۱۹۸۹ء میں تحریر ہوا تھا، کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ اسی کو شامل کتاب کیا ہے۔ ۱۲ منہ

(۱) ● المنهاج شرح مسلم بن الحجاج، ص: ۲۳۰، ج:۱، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب استحباب التبكير بالصبح في اول وقتها وهو التغليس، مجلس البركات.

● بداية المجتهد، ص: ۹۷، ج:۱، معرفة الاوقات.

واضح ہو کہ صبح کی تاریکی میں نماز پڑھنے کو ''تغلیس'' اور روشن کر کے نماز پڑھنے کو ''اِسْفار'' کہتے ہیں۔

دونوں فریق کے ائمہ اپنے اپنے مسلک پر حضور سید عالم ﷺ کی احادیث کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور یہ سب اپنے اپنے طور پر عند اللہ اتباعِ حدیث کے اجر کے حق دار ہیں۔ فرقۂ وہابیہ تغلیس میں ہی نماز پڑھنے کا قائل ہے، اس نے مذہب اور دلائل سب ائمۂ ثلاثہ کے اپنائے ہیں اس لیے ہم یہاں چاروں ائمہ کے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ فرقۂ اہل حدیث کا عمل بالحدیث عیاں ہو جائے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(۱) إنَّ عائشة زوجَ النبي -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- قالت: لقد كان نساءٌ من المؤمنات يشهدن الفجر مع رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- متلفِّعات بمروطهن ثم ينقلبن إلى بيوتهن وَما يعرفن من تغليس رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- بالصَّلوٰة.[1]

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ صدّیقہ نے فرمایا کہ کچھ مومنہ عورتیں نماز فجر میں حضور ﷺ کے ساتھ حاضر ہوتی تھیں، اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی، پھر وہ اپنے گھروں کو اس حالت میں واپس جاتیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اندھیرے میں نماز پڑھا دینے کی وجہ سے پہچان میں نہیں آتی تھیں۔

اس سے بظاہر یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام فجر کی نماز تاریکی میں پڑھتے تھے جو تغلیس کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔

---

(۱) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۳۰، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / بابُ استحباب التبكير بالصبح في أولِ وقتها وهو التغليس، مجلس البركات.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۸۲، كتاب الصلاة / باب وقت الفجر، مجلس البركات.
● سنن أبي داؤد، ص: ۷۱، كتاب الصلاة/ باب في وقت الصبح، رقم الحديث: ٤۲۳.
● سنن ابن ماجه، ص: ۸۲، كتاب الصلاة/ باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٦٦٩.

مذہب حنفی حقائق کے اجالے میں

مگر ائمہ حنفیہ نے مختلف گوشوں سے اس **حدیث کا جائزہ** لے کر یہ عیاں کیا ہے کہ اس سے تغلیس کی افضلیت کا ثبوت نہیں فراہم ہوتا، ہم یہاں وہ جائزے ذکر کرتے ہیں:

(الف) اُن دنوں مسجد نبوی میں چراغ نہیں ہوتا تھا اور عمارتوں میں اِسفار کے وقت تک تاریکی برقرار رہتی تھی اس وجہ سے جب عورت سر ڈھک کر چادر میں ملبوس رہتی تو پہچانی نہیں جاتی تھی۔ بنایہ۔[۱]

امام ابن الہمام کمال الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

”راجح یہ ہے کہ یہاں تغلیس سے اندرون مسجد کی تاریکی مراد ہے، کیوں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حجرہ مسجد کے حدود میں تھا اور مسجد کی چھت نیچی تھی، ہم آج بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ صحنِ مسجد میں صبح کی روشنی۔ جسے ”اِسفار“ کہتے ہیں۔ پھیل چکی ہوتی ہے اور مسجد نبوی کے اندرونی حصے میں تاریکی برقرار رہتی ہے۔

یہاں مردوں، خصوصًا حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دینا واجب ہے، اس لیے کہ مردوں پر نماز جماعت کا حال زیادہ واضح وعیاں ہوتا ہے۔[۲]

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے سوا گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے صبح روشن میں نماز فجر پڑھنے اور اس کا حکم دینے کے بارے میں صریح احادیث نقل فرمائی ہیں اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا تاریکی میں فجر پڑھنا بیان فرماتی ہیں تو دونوں طرح کی احادیث میں جمع و تطبیق کے لیے یہ تشریح ضروری ہے جو واقعہ کے مطابق ہے جس سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ نماز تو واقع میں صبح روشن میں پڑھی جاتی تھی، مگر مسجد کی اندرونی تاریکی کی وجہ سے اس کی تعبیر تغلیس سے کی گئی۔

(ب) حق یہ ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے تغلیس بھی ثابت ہے اور اِسفار بھی۔ البتہ تغلیس کی

---

(۱) البناية في شرح الهداية، ج:۲،ص:۴۳، كتاب الصلاة / باب المواقيت، دار الفكر.

(۲) فتح القدير للعاجز الفقير، ج:۱،ص:۱۹۹، كتاب الصلاة / باب المواقيت / فصلٌ في استحباب التعجيل، دار إحياء التراث، بيروت.

حدیثیں فعلی ہیں، اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا کوئی حکم نہیں پایا جاتا، جب کہ اسفار کے بارے میں سرکار کا صریح حکم موجود ہے جو کثیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور حکم پر عمل فعل کی بہ نسبت اولیٰ و راجح ہوتا ہے؛ کیوں کہ فعل میں احتمالاتِ کثیرہ کی گنجائش ہوتی ہے اور حکم سے مقصود تشریع ہوتا ہے تو کم ازکم وہ ندب پر تو محمول ہوگا۔[1]

(ج) سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ عمل بھی ابتداے اسلام کا ہے جب عورتوں کو حاضریِ جماعت کی تاکید تھی، بعد میں جب آیت کریمہ: "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ"[2] نازل ہوئی اور عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ تاکید منسوخ ہوگئی، پھر تغلیس کی حاجت نہ رہی۔[3]

(د) واقعہ یہ ہے کہ مذہبِ حنفی میں عورتوں کے لیے تغلیس افضل ہے اور مردوں کے لیے اِسفار۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

وفي المبتغیٰ: الأفضل لِلمرأةِ في الفجر الغلسُ وفي غيرها الانتظارُ إلى فراغ الرّجال عن الجماعة، انتهى ما في البحر.

وفي الدّر المختار: والـمُستحبُّ للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختمُ به . . . إلّا لحاج بمزدلفة، فالتغليس أفضلُ كمرأة مطلقا. اھ[4]

(ترجمہ: مبتغیٰ میں ہے کہ عورت کے لیے فجر میں افضل تغلیس ہے کہ اندھیرے میں نماز پڑھ لے اور دوسری نمازوں میں افضل یہ ہے کہ مردوں کے جماعت سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے۔

بحر الرائق اور در مختار میں ہے کہ مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز صبحِ روشن میں شروع کرے اور صبح روشن میں ہی ختم کرے، ہاں مزدلفہ میں حاجی کے لیے اندھیرے میں فجر پڑھ لینا افضل ہے جیسا کہ عورت کے لیے مطلقاً اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ نے عورتوں کی رعایت میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی، پھر جب اللہ عزوجل نے انھیں گھروں میں رہنے کا حکم جاری فرمادیا تو حضور نے اسفار کی

---

(۱) البناية في شرح الهداية، ج:۲،ص:٤٠، كتاب الصلاة / باب المواقيت، دارُ الفكر.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الأية: ۳۳.

(۳) البناية في شرح الهداية، ج:۲،ص:٤٣، كتاب الصلاة / باب المواقيت، دار الفكر.

(٤) الفتاوى الرضوية، ج:۲،ص: ۳٦٦، كتاب الصلاة / باب الأوقات، رضا اکادیمی، ممبائی.

ہدایت فرمادی۔

(۲) عن سَیّار بن سَلامة، قال: دَخَلتُ أنا وأبي علیٰ أبي برزة الأسلمي، فَقَال لَهٗ أبي: کیفَ کانَ رسولُ اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم- یصلّي المکتوبة؟ فقال: . . . وَکانَ ینفتِل مِنْ صَلَاۃ الغدَاۃ حین یَعرفُ الرّجل جَلِیسَه، وَ یقرأ بالسّتّین إلی المائة. [1]

ترجمہ: سیار بن سلامہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد سلامہ حضرت ابوبَرزَہ اسلمی کے پاس گئے تو میرے والد نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس وقت پڑھتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ... رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ کوئی نمازی اپنے بغل والے سے واقف ہوتا تو اسے پہچان لیتا۔ اور حضور نماز میں ساٹھ سے سو آیت تک تلاوت فرماتے تھے۔

یہ حدیث یا تو بیان جواز پر محمول ہے، یا لمبی قراءت کے لیے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ایسا کیا، چناں چہ امام ابن الہمام لکھتے ہیں:

وعن الطحاوي: مَن کانَ مِن عزمه التّطو یل بدأ بغلس ومَن لا أسفر. [2]

ترجمہ: امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جس کا ارادہ فجر میں لمبی قراءت کا ہو تو وہ نماز تاریکی میں شروع کرے۔ اور جس کا ارادہ لمبی قراءت کا نہ ہو وہ روشن کر کے پڑھے۔

(۳) عن أنس أنّ زید بن ثابت حدّثه أنهم تسحَّرُوا مع النبي -صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم- ثم قاموا إلی الصلوٰۃ. قلتُ: کم بینهما؟ قال: قدر خمسین أوستین یعنی آیة. [3]

---

(۱) ● صحیح البخاري، ج:۱، ص: ۷۹، کتاب مواقیت الصلاۃ / باب وقت المغرب، مجلس البرکات، مبارك فور.

● الصحیح لمسلم،ج:۱، ص:۲۳۰، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ / بابُ استحباب التبکیر بالصبح في أولِ وقتها وهو التغلیس، مجلس البرکات.

(۲) فتح القدیر للعاجز الفقیر، ج:۱،ص:۱۹۹، کتاب الصلاۃ / باب المواقیت / فصل في استحباب التعجیل، دار إحیاء التراث، بیروت.

(۳) صحیح البخاري، ج:۱، ص:۸۱، کتاب مواقیت الصّلاۃ / باب وقت الفجر، مجلس البرکات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ زید بن ثابت نے ان سے یہ بیان کیا کہ ان لوگوں نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر وہ لوگ نماز فجر کے لیے کھڑے ہوئے، میں نے پوچھا کہ دونوں کے مابین وقفہ کی کیا مقدار تھی؟ فرمایا: پچاس، یا ساٹھ آیت کی مقدار۔

(٤)عن سليمان بن أبي حازم أنه سمع سهل بن سعد يقول: كنتُ أتَسَحَّرُ في أهلي ثم تكون سرعةً بي أن أدرك صلوٰة الفجر مع رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-.(١)

ترجمہ: سلیمان بن ابی حازم سے روایت ہے، انھوں نے سَہل بن سعد سے سنا، وہ فرمار ہے تھے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ سحری کھاتا، پھر مجھے اس بات کی جلدی ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پالوں۔

ماہ رمضان میں اول وقت میں نماز فجر پڑھنے کی وجہ:

ان روایتوں سے محض یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان مقدس کے مہینے میں سحری کھانے کے بعد پچاس یا ساٹھ آیتوں کے پڑھنے کی مقدار ٹھہر کر نماز شروع ہو جاتی تھی، ہو سکتا ہے کہ رمضان مقدس کے مہینے میں کسی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر نماز میں جلدی کی گئی ہو، اس سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ استحباب کا درجہ یہی ہے، ممکن ہے یہ رمضان شریف میں خلاف معمول بیدار رہنے کی وجہ سے ہو۔ اِسفار کی حکمت تکثیرِ جماعت ہے اور رمضان شریف میں یہ تکثیر جماعت اول وقت میں پڑھنے پر ہوتی ہے اس لیے عامۂ بلاد میں حنفیوں کا معمول یہی ہے کہ رمضان شریف میں فجر اول وقت میں پڑھتے ہیں۔

(٥)عن أبي مسعود الأنصاري، أن رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- صلّى ... صلاة الصبح مرة بغَلَس ثم صَلّىٰ مرة أخرىٰ فأسْفَرَ بها ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتّٰى مات، لم يعد إلى أن يُسفر.(٢)

---

(١) صحيح البخاري، ص:٨٢، ج:١، كتاب مواقيت الصلاة / باب وقت الفجر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) ● سُنن أبي داؤد، ص:٦٨، كتاب الصلاة / باب في المواقيت، رقم الحديث: ٣٩٤.

● نصب الراية، ص:٢٣٤، ج:١، الحديث التاسع من كتاب الصلاة، باب المواقيت ● و ج:١، ص:٢٤٢، من أحاديث الخصوم.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار تاریکی میں صبح کی نماز ادا کی پھر دوسری دفعہ پڑھی، تو خوب روشن کر کے نماز پڑھی پھر اس کے بعد حضور ﷺ اندھیرے میں نماز پڑھتے رہے، حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی اور دوبارہ اِسفار نہیں کیا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان فجر کے آخری وقت سے متعلق ہے جو آخرِ وقتِ اسفار ہے، حضور سید عالم ﷺ نے ایک روز حضرت جبریل امین کے ساتھ اور ایک روز ایک صحابی کے استفسار پر نمازوں کا اول وقت اور آخر وقت بتانے کے لیے ایک روز کی نمازیں اول وقت میں اور دوسرے روز کی آخر وقت میں پڑھیں، تو فجر کی نماز بھی آخر وقت میں ادا کی۔

ثُمَّ أَخَّرَ الْفَجْرَ مِنَ الْغَدِ حَتَّى انْصَرَفَ مِنْهَا وَالْقَائِلُ يَقُولُ قَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ أَوْ كَادَتْ.[۱]

ترجمہ: سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے دوسرے روز فجر میں دیر کی اور ایسے وقت نماز سے فارغ ہوئے کہ کوئی کہتا کہ سورج طلوع ہو گیا یا طلوع ہونے کے قریب ہے۔

اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ آخری وقتِ فجر—جو آخری وقتِ اسفار ہے—میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے دو بار نماز فجر پڑھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ صحابی رسول صرف ایک واقعہ کے وقت حاضر تھے اسی لیے انھوں نے ایک بار کا ذکر فرمایا ہے، ورنہ ایسا دو بار ہوا ہے۔

یہاں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں مطلقًا اسفار میں نماز پڑھانے کی نفی نہیں کی گئی ہے، بلکہ آخری وقتِ اسفار میں ایک بار سے زیادہ نماز پڑھانے کی نفی کی گئی ہے اور یہ ہمارے خلاف نہیں، کیوں کہ ہمارے ائمہ اس بات کے قائل نہیں کہ اسفار اس حد تک کیا جائے کہ سورج طلوع ہونے کے قریب ہو جائے، بیان جواز یا بیان وقت مقصود ہو، یا کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "ایسے وقت تک تاخیر کہ طلوع کا اندیشہ ہو جائے بالاجماع مکروہ ہے... في محيط رضي الدين وغيرها، لا يؤخرها تأخيرا يقع الشّك في طلوع الشمس، اھ[۲]

ہمارا مذہب یہ ہے کہ پورے وقت فجر کے دو حصے کیے جائیں تو نصفِ آخر اسفار ہے جو فجر کا وقت

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۲۲۳، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ/ باب أوقاتِ الصلوات الخمس، مجلس البرکات.

(۲) الفتاوی الرضویۃ، ج:۲، ص:۳٦٦، کتاب الصلاۃ / باب الأوقات، رضا اکادیمی، مومبائی.

مستحب ہے، مثلاً فرض کیجیے کہ کُل وقت فجر ایک گھنٹہ، بیس منٹ ہے یعنی اسّی منٹ، تو اخیر کا چالیس منٹ وقت اِسفار ہے، جس میں نماز فجر ہمارے نزدیک مستحب ہے۔

بحرالرائق میں "السراج الوہاج" سے ہے:

حَدُّ الإسفار أن يُصلّي في النّصف الثاني.[۱]

ترجمہ: "اسفار" کی حد یہ ہے کہ فجر کے نصف آخر میں نماز پڑھے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

"بدائع وسراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو حصے کیے جائیں۔ حصہ اول تغلیس اور (حصہ) آخر اِسفار ہے۔"[۲]

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا عام معمول اسی وقت میں نماز کا تھا مگر حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کے خلاف اخیر وقت میں پڑھتے دیکھا تو یہ بیان دیا کہ ایک دفعہ فجر کی نماز خوب روشن کر کے پڑھی، پھر تغلیس میں پڑھتے رہے اور دوبارہ خوب روشن نہ کیا، یعنی وقت اُخر میں نہ پڑھی۔

واضح ہو کہ ہمارے یہاں اِسفار کے آغاز کی جو حد بتائی گئی ہے اس وقت بھی آخر شب کی کچھ تاریکی باقی رہتی ہے ایسے وقتِ اسفار میں حضرت ابو مسعود نے نماز پڑھنے کی نفی نہیں کی ہے۔

---

(۱) البحر الرائق، ج:۱، ص: ۴۲۹، كتاب الصلاة، دار الكتب العلمية، بيروت.

یہ اِسفار کی بہت آسان تشریح ہے، اسی کے قریب کفایہ شرح ہدایہ کی یہ تشریح بھی ہے:

ثمَّ حدُّ "الإسفار" ما قال شمس الأئمة الحلواني -رحمه الله تعالى- والقاضي الإمام أبو علي النسفي -رحمه الله-: وهو أن يَّبدأ بالصلاة بعد انتشار البياض في وقتٍ لو صلّى الفجر بقراءة مسنونة ما بين أربعين اٰية إلى ستين اٰية، أو أكثر، وترتَّل القراءة، فإذا فرغ مِنَ الصلاة، لو ظهر له سهوٌ في طهارته يُمكنُه أن يتوضَّأ ويُعيد الصلاة قبل طلوع الشمس كما فعل أبو بكر وعمر -رضي الله تعالى عنهما-، كذا في فتاوى قاضي خان -رحمه الله تعالى-. (الكفاية، المطبوعة مع فتح القدير، ج:۱،ص: ۱۹۸، كتاب الصلاة / باب المواقيت / فصل: يستحب الإسفار بالفجر، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) الفتاوى الرضوية، ج:۲،ص: ۳٦۵، كتاب الصلاة / باب الأوقات، رضا اكاديمی، ممبائی.

حنفیہ کے دلائل

(۱) حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: حَجَّ عَبْدُ اللهِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-، فَأَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِينَ الأَذَانِ بِالْعَتَمَةِ . . . فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- كَانَ لاَ يُصَلِّي هَذِهِ السَّاعَةَ إِلاَّ هَذِهِ الصَّلاَةَ فِي هَذَا الْمَكَانِ مِنْ هَذَا الْيَوْمِ . قَالَ عَبْدُ اللهِ : هُمَا صَلاَتَانِ تُحَوَّلاَنِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلاَةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ . وَالْفَجْرُ حِينَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ.

قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- يَفْعَلُهُ.[۱]

ترجمہ: عبد الرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کیا، پھر ہم لوگ اذانِ عشا کے وقت مُزدلفہ آئے... جب فجر طلوع ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت نماز فجر نہیں پڑھتے تھے مگر آج کے دن، خاص اس مقام (مزدلفہ) میں اس وقت میں نماز پڑھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ یہ دو نمازیں اپنے وقت سے ٹال دی گئی ہیں **ایک** تو نماز مغرب لوگوں کے مُزدلفہ آنے کے بعد (عشا کے وقت میں ادا کی جاتی ہے) اور **دوسری** نماز فجر ،جس وقت فجر طلوع ہو۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اول وقت میں فجر کی نماز ادا کرنا یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کے خلاف تھا کیوں کہ اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ان کے حاضر باش صحابی وخادم خاص حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

یہ نعلین شریفین اور وضو کا برتن اور مسند ومسواک اپنے پاس رکھتے تھے اور سفر وحضر میں ہمیشہ یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے:

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ : . . . قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : أَوَلَيْسَ عِنْدَكُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادِ وَالْمِطْهَرَةِ .[۲]

---

(۱) صحيح البخاري ، ج:۱،ص:۲۲۷، كتاب الحج/ باب من أذّن و أقام لكل واحدة منهما، مجلس البركات.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۵۲۹،كتاب المناقب/ باب مناقب عمار وحزيفة، مجلس البركات، مبارك فور.

اسی لیے ان کو "صاحبُ النّعلین والوسادۃ" کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمسّکوا بعهد ابن أمّ عبد. وفي روايةٍ عَن حُذَيفةَ: مَا حَدَّثكُمْ ابنُ مسعودٍ فَصَدِّقُوْهُ. [۱]

ترجمہ: ابنِ اُمّ عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود کے قول معہود پر مضبوطی سے عمل کرو۔
اور حُذیفہ کی روایت میں اس کے بجائے یہ ہے کہ:
ابن مسعود تم سے جو حدیث بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔

(۲)عن رافع بن خديج قال: سمعتُ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أسفِروا بالفجر فإنه أعظم للأجر. [۲]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز فجر

---

(۱) المستدرك على الصحيحين مع التلخيص للذهبي، ج:۳،ص:۷۵، كتاب معرفة الصحابة/ أحاديث فضائل الشيخين،
حذيفة بن اليمان -رضي الله تعالى عنهما- قال: سمعت رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- . . . تمسكوا بعهد ابن أم عبد. وفي روايةٍ عن حذيفة -رضى الله تعالى عنه- قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: ... إذاحدثكم ابن أم مكتوم فصدّقوه.
وفي مصنف ابن أبي شيبة، ج:١٤، ص: ٥٦٩، كتاب المغازي / ما جاء في خلافة أبي بكر عند حذيفة، قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: ما حدثكم ابن مسعود من شيء فصدِقوه.

(۲) ● جامع الترمذي، ج:۱، ص:۲۲، أبواب الصلاة / باب ما جاء في الإسفار بالفجر.
● سنن أبي داود، ص: ۷۱، كتاب الصلاة / بابٌ في وقت الصبح، رقم الحديث: ٤٢٤.
● سنن النسائي، ص: ۷۵، كتاب المواقيت / باب الإسفار، رقم الحديث: ٥٤٨، ٥٤٩.
● سنن ابن ماجه، ص: ۸۲، كتاب الصلاة/ باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٦٧٢.
● صحيح ابن حبان، ج:٤، ص: ٣٥٥-٣٥٨، كتاب الصلاة / زعم أن الإسفار بالفجر أفضل من التغليس-
● المعجم الكبير للطبراني، ج:٤، ص: ٢٤٩-٢٥٠، محمود بن لبيد الأنصارى عن رافع بن خديج، رقم الحديث: ٤٢٨٣، ٤٢٨٤، ٤٢٨٥، ٤٢٨٦، ٤٢٨٧.
● نصب الراية،ج:١، ص:٢٣٥، كتاب الصلاة / باب المواقيت.

خوب روشن کر کے پڑھو۔ کیوں کہ یہ زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔"

اور محدث ابن حبان کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"فَكُلَّمَا أَصْبَحْتُمْ بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُوْرِكُمْ"۔

اور طبرانی کے الفاظ ہیں:

كُلَّمَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ.

ان الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ "جس قدر روشن کر کے صبح کی نماز پڑھو گے ثواب زیادہ پاؤ گے"۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: حديثٌ حَسَنٌ صحيحٌ۔[۱] یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۳) حدّثنا هرير بن عبد الرحمٰن بن رافع بن خديج، يقول: سمعتُ جدّي رافعَ بن خديج يقول: قال رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- لبلال: يابلال "نَوِّرِ بصلاةِ الصبح حتىٰ يُبصِر القومُ مواقِعَ نبلهم من الإسفار."[۲]

ترجمہ: رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو یہ حکم دیا کہ اے بلال نماز صبح میں اجالا کر لیا کرو، یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیں۔

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ، ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے، البتہ ابوداؤد طیالسی نے براہِ راست اسماعیل بن ابراہیم مدنی سے روایت کیا ہے، پھر انھوں نے ہریر بن عبد الرحمن بن رافع سے اور انھوں نے اپنے دادا رافع بن خدیج سے۔ لیکن محدث طیالسی کے علاوہ دوسرے محدثین نے ابونعیم فضل بن دکین کے واسطہ سے اسماعیل بن ابراہیم سے اسی سند مذکور کے ساتھ روایت کیا ہے۔[۳]

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۱، ص:۲۲، أبوابُ الصّلاة / بابُ ما جاء في الإسفار بالفجر.

(۲) ● مسند ابن أبي شيبة، ج:۱، ص: ۷۸، ما رواه رافع ابن خديج، ملتقى أهل الأثر.

● مسند أبي داؤد الطيالسي، ج:۲، ص: ۲۶۶، رافع بن خديج/ رقم الحديث: ۱۰۰۳.

● المعجم الكبير للطبراني، ج:٤، ص: ۲۷۷، هُرير بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج، عن جده رافع، رقم الحديث: ٤٤١٤، ٤٤١٥.

(۳) نصبُ الرّاية لأحاديث الهداية، ج:۱، ص:۲۳۸.

(۴) حَدّثنا موسى بنُ هارون، حدّثنا محمّدُ بنُ عبد الأعلى، حدّثنا المعتمرُ سمعتُ بيانا أبا سعيد، قال: سمعتُ أنسًا يقول: كان رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- يُصلّي الصبح حين يفسح البصر.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت نماز فجر پڑھتے تھے جب دور سے چیز نظر آنے لگتی (یعنی جب فجر خوب روشن ہوجاتی)۔

اس حدیث کو امام ابو محمد قاسم بن ثابت سرقسطی نے "کتاب غریب الحدیث" میں یوں روایت کیا ہے کہ:

"ہم سے موسیٰ بن ہارون نے، ان سے محمد بن عبد الاعلیٰ نے اور ان سے معتمر نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے "بیان ابوسعید" کو فرماتے سنا کہ میں نے حضرت انس سے یہ حدیث سنی ہے۔"

ان کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جو حضرت رافع بن خدیج کی پہلی حدیث کے ہم معنی ہیں اور ان ساری حدیثوں کا خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ حکم دیا کہ

"نماز فجر خوب اجالے میں پڑھو ثواب زیادہ پاؤ گے"

البتہ ان کے الفاظ میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے ان حدیثوں کو امام بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری اور بنایہ شرح ہدایہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حدیثِ اِسفار روایت کرنے والے صحابۂ کرام:

ہم یہاں محض ان حضرات صحابۂ فخام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماے طیبہ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان ارشادات کریمہ کو روایت کیا ہے ان کے اسما یہ ہیں:

(۱) حضرت ابو ہُریرہ (۲) حضرت ابو بَرزَہ (۳) حضرت محمد بن اسد (۴) حضرت قتادہ بن نعمان (۵) حضرت ابو الدردا (۶) حضرت رافع بن خدیج (۷) رجال من الأنصار من أصحابِ النبي -صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ- أخرج حديثهم الطّحاوي والنسائي (۸) حضرت عبداللہ بن مسعود (۹) حضرت حوّا انصاریہ (۱۰) حضرت مرہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

---

(۱) نصب الراية لأحاديث الهداية، ج:۱، ص:۲۳۹، كتاب الصلاة / باب المواقيت / الحديث الثاني عشر، المجلس العلمي، عن كتاب غريب الحديث.

امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان صحابہ کی حدیثیں بنایہ شرح ہدایہ[۱] میں جمع فرمائی ہیں اور امام فخر الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سوا کچھ اور صحابہ کی بھی حدیثیں بیان کی ہیں۔

(۱۱) حضرت بلال (۱۲) حضرت انس (۱۳) حضرت عبد اللہ بن عباس (۱۴) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[۲]

ائمہ حنفیہ وائمہ شافعیہ وغیرہم سب نے اپنے مذہب کے ثبوت کے لیے بلاشبہہ کچھ ضعیف اور کچھ صحیح حدیثیں پیش کی ہیں، اگر ہم ضعیف حدیثوں کو ان کی مجموعی صحت کے باوجود ساقط الاعتبار قرار دیں تو بھی دونوں طرف کی صحیح حدیثیں متعارض ہیں اور اس تعارض کے دفع کرنے کے لیے فریقین کے علما ومحدثین نے بہت کچھ دادِ تحقیق دی ہے۔

سب سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ غَلس کی تمام حدیثوں پر مجموعی طور سے نظر ڈالنے سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تاریکی میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور ان تمام حدیثوں میں حضور کی طرف سے کوئی حکم نہیں پایا جاتا۔

- جب کہ صبحِ روشن میں نماز ادا کرنے کے لیے سرکار کا حکم موجود ہے اور حکم کو فعل پر ترجیح حاصل ہے۔
- یا حضور نے جماعت میں شریک ہونے والی عورتوں کی رعایت فرمائی کہ انھیں نماز سے فارغ ہوکر قدرے تاریکی میں واپسی میسّر ہو جائے۔
- یا لمبی قراءت کے لیے ایسا کیا۔
- یا تاریکی سے مراد اندرونِ مسجد کی تاریکی ہے جو چراغ نہ ہونے اور چھت نیچی ہونے کے باعث محسوس کی جاتی تھی۔

اور ائمہ حنفیہ کی یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی تائید میں جو حدیثیں وارد ہیں ان میں

---

(۱) البناية في شرح الهداية، ج:۲،ص: ۳۹، كتاب الصلاة / باب المواقيت/ فصل: يستحب الإسفار بالفجر، دار الفكر.

(۲) نصب الراية لأحاديث الهداية، ج:۱، ص:۲۳۵ تا ۲۴۲ .

رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود ہے، ساتھ ہی ان میں زیادہ ثواب کی بشارت بھی ہے۔ اور اس حکم و بشارت کا درجہ کم از کم استحباب کا ہونا چاہیے، اور عقل کا بھی یہی تقاضا معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

حکمتِ فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اِسفار میں تکثیر جماعت ہے جو شارع کو مطلوب و محبوب ہے اور تغلیس میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا ہے اور یہ دونوں ناپسند و مکروہ ہیں۔ اسی لیے امام کو تخفیفِ صلات اور کبیر و ضعیف و مریض و حاجت مند کی مراعات کا حکم فرمایا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت میں قراءت طویل کی، لوگ شاکی ہوئے ارشاد ہوا: "یامعاذ! أ فتّانٌ أنتَ، یامعاذ! أ فتّانٌ أنتَ، یامعاذ! أ فتّانٌ أنتَ؟ قالهٗ ثلٰثًا". (۱)

(**ترجمہ:** اے معاذ! کیا فتنہ انگیزی کرتے ہو، اے معاذ! کیا نفرت دلاتے ہو، اے معاذ! کیا جماعت سے دور کرتے ہو؟)

اور اول وقت نماز کی افضلیت اگر مطلقاً تسلیم بھی کر لی جائے تاہم "دفعِ مفاسد" (۲) جلبِ مصالح سے اہم و اقدم ہے، آخر نہ دیکھا کہ تطویلِ قراءت پر عتاب ہوا، حالاں کہ قرآن جس قدر بھی پڑھا جائے احسن و افضل ہی ہے۔ ساتھ ہی نماز فجر کے بعد اِشراق تک ذکر الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے اور یہ امر اِسفار میں آسان اور تغلیس کے ساتھ دشوار ہے۔ (۳)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فجر کی نماز صبحِ روشن میں پڑھتے تھے، اور یہ ان کا عام معمول تھا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۹۷، كتاب الأذان / باب مَن شكا إمامهٗ إذا طوّل، مجلس البركات.

(۲) "دفعِ مفاسد" اندھیرے میں فجر کی جماعت قائم ہو تو کم لوگ شریک ہو سکیں گے، یہ تقلیل جماعت ہے۔ اور شریک ہونے والے بہت سے لوگ مشقت میں مبتلا ہوں گے یہ دونوں شرعاً مکروہ و ناپسند ہیں اس لیے تغلیس سے احتراز اولیٰ ہے، اس کو دَفعِ مفاسد سے شمار فرمایا اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا فعل بیانِ جواز اور دوسری خوبیوں پر محمول ہے، جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے۔ ۱۲ محمد فضل الرحمن برکاتی۔

(۳) الفتاوى الرضوية، ص: ٤٤٠، ج:۲، كتاب الصلاة / باب الأوقات، سنبهل ● أيضاً: ص: ۳٦٥، ج:۲، رضا أكاديمي، مومبائي.

أخرج الطّحاوي في "شرح الآثار" بسندٍ صحيحٍ عن إبراهيم النَّخعي ، قال: ما اجتمع أصحابُ رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- على شيء ما اجتمعوا على التنوير.[1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کسی بات پر یوں متفق نہیں ہوئے جتنا نماز فجر کو اجالا کر کے پڑھنے پر متفق ہوئے۔

یہ حدیث امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح معانی الآثار" میں بسند صحیح تخریج فرمائی۔

ہماری اس بحث سے یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے سارے پیروکار خصوصًا حنفیہ عامل بالحدیث ہیں اب اگر کوئی اس سچائی کا انکار کرے تو وہ سلف صالحین کے نقش قدم کی پیروی سے دور ہے۔

---

(۱) ● شرح معاني الآثار، ص:۱۳۶، ج:۱، باب الوقت الذى يصلّى فيه الفجر أيّ وقت هو.
● و نصب الراية، ج:۱، ص:۲۳۷، ۲۳۸، كتاب الصّلاة/ باب المواقيت، عن القعبنى، ص:۱۰۹.

چوبیسواں مسئلہ

سایہ ایک مثل ہونے پر بھی وقتِ ظہر باقی رہتا ہے

اس بارے میں احادیثِ نبویہ کی شہادت

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ دوپہر میں سورج ڈھلنے کے بعد وقت ظہر شروع ہوجاتا ہے، لیکن ختم کب ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ سراج الامہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جب سایۂ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو مثل (دوگنا) ہوجائے تو وقتِ ظہر ختم ہوتا ہے اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ ایک مثل (ایک گنا) ہونے پر ختم ہوجاتا ہے۔ وہابی اہل حدیثوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک سایہ ایک مثل ہونے کے بعد وقتِ عصر شروع ہوجاتا ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ اس مذہب کی دلیل متعدد احادیث ہیں، ہم یہاں چند احادیث پیش کرتے ہیں:

عن أبي ذر، قال: كُنّا مع النّبي –صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ– في سَفَرٍ، فأرادَ المُؤَذِنُ أن يُؤذِّنَ • فقال له: "أبْرِدْ".

• ثم أرادَ المُؤَذِنُ أن يُؤذِّنَ، فقال له: "أبْرِدْ".

• ثمّ أرادَ المُؤَذِنُ أن يُؤذِّنَ، فقال له: "أبْرِدْ".

حتى ساوى الظِّلُّ التُّلول، فقال النبيّ -صلى الله تعالى عليه وسلّم-: إنّ شِدَّةَ الحَرِّ مِنْ فَيحِ جَهَنّم.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی،

- حضور نے فرمایا ـــــــــــ : "وقت ٹھنڈا ہونے دو"
- دیر کے بعد مؤذن نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا، تو فرمایا: "اور ٹھنڈا ہونے دو"
- مؤذن نے پھر دیر کے بعد تیسری بار اذان دینی چاہی، تو فرمایا: "ابھی اور ٹھنڈا ہونے دو"

یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تو (اذان کی اجازت دی اور) فرمایا: گرمی کی شدّت جہنم کی سانس سے ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری میں چار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے:

(۱) حضرت ابوذر غفاری (۲) حضرت عبد اللہ بن عمر (۳) حضرت ابوہریرہ (۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم (۲)

یہ کتاب الصلاۃ کی احادیث ہیں، ان میں اختصار ہے کہ حضرت ابوذر کی روایتوں میں یہاں "أبرد، أبرد" یا "أبرد، ثمّ أرادَ أن يؤذن فقال له أبرد" دوبار ہے، باقی حدیثوں میں یہ حکم منقول ہے۔

إذا اشتدّ الحرُّ فأبرِدُوا بالصلاة، فإنّ شدة الحر من فيح جهنم.

ترجمہ: جب گرمی سخت ہو تو نماز (ظہر) ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیوں کہ گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے۔

یہاں حدیث پاک میں "صلاۃ" سے مراد نماز ظہر ہے، چناں چہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں "أبردوا بالظهر" وارد ہے۔ ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔ دو مثل سایہ ہونے

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۸۷، ۸۸، كتابُ الأذان/ باب الأذان للمسافر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) دیکھیے: صحيح البخاري، ج:۱، ص:۷٦، ۷۷، كتابُ الصلاة / باب الإبراد بالظهر فى شدة الحر و باب الإبراد فى الظهر فى السَّفر، مجلس البركات، مبارك فور.

سے پہلے "شدّۃ الحرّ" (گرمی کی شدّت) برقرار رہتی ہے اور وقت ظہر ٹھنڈا نہیں ہوتا، اس لیے ان احادیث شریفہ میں بھی فرمان رسالت سے وہی مراد ہے جو کتاب الاذان کی حدیث ابو ذر سے عیاں ہے، حق یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث شریفہ کی شرح ہے۔

اب ان احادیث میں غور فرمائیے:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت موسم گرما میں وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد ظہر پڑھنے کا حکم دیا ہے تو یہ تجربہ کر کے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مثلِ اول میں وقت ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

حضور کے مؤذن نے وقت ظہر شروع ہونے کے بعد ہی اذان دینا چاہا تھا مگر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں تین تین، بار "اِبراد" کا حکم دیا، ظاہر ہے کہ ہر بار انھوں نے اتنی دیر ضرور کی کہ موسم پہلے کی بہ نسبت ٹھنڈا محسوس ہو، ورنہ حکم نبوی کی خلاف ورزی ہوگی۔

"یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا" تب اذان کی اجازت ملی اور یہ وقت مثلِ دوم کا ہے۔

امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ومعنى قوله: "رَأينا فَيءَ التُّلول" أنّه أخّر تأخيرا كثيرا حتى صار للتلول فَيءٌ-والتّلولُ منبطحة غيرُ منتصبة ولا يصير لها فَيءٌ في العادة إلّا بعد زوال الشمس بكثير.[1]

ترجمہ: راوی کے بیان "ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا" کا مطلب یہ ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اتنی زیادہ تاخیر فرمائی کہ ٹیلوں کا سایہ ظاہر ہو گیا۔ اور ٹیلے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، ستون وغیرہ کی طرح لمبائی میں کھڑے نہیں ہوتے اور عادۃً ان کا سایہ سورج ڈھلنے کے بہت بعد ظاہر ہوتا ہے۔

یہاں ٹیلوں کا سایہ ظاہر ہونے کی بات کی گئی ہے جب کہ حدیث بخاری میں ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہونے کی صراحت کی گئی ہے اور یہ بلا شبہہ سایہ کے ظہور کے بہت بعد ہوگا۔

مختصر یہ کہ ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز ظہر مثل دوم میں ہی کسی وقت ہوئی اور یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔

---

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج:۱، ص:۲۲٤، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحرّ، مجلس البركات.

اس مقام پر یہ امر واضح رہے کہ حضور سید کائنات ﷺ یہاں ایک "عام حکمِ شرع" جاری فرما رہے ہیں کہ "جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز یوں ہی ٹھنڈا ہونے کے بعد پڑھو" جو سفر و حضر سب کو عام ہے اور "اِبراد" کا مطلب وقت نماز کو ٹھنڈا کرنا ہے، نہ کہ وقت گزار کر دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ "جب سفر میں رہو تو ظہر گزار کر عصر کے وقت میں دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھو" اس لیے رسول اللہ ﷺ کے تشریع عام کو جمع بین الصلاتین پر محمول کرنا نامناسب ہے اور یہ خود کلماتِ نبوت کے خلاف ہے۔

پچیسواں مسئلہ

سفر میں جمع بین الصلاتین کے لیے وقت گزار کر یا وقت سے پہلے نماز کی اجازت ہے، یا ممانعت؟

احادیثِ نبویہ سے راہِ عمل کا انتخاب

ان امور پر سب کا اتفاق ہے کہ:

- پانچوں نمازوں کے اوقات اللہ تبارک وتعالیٰ نے الگ الگ مقرر فرمادیے ہیں اور
- قصداً کسی نماز میں اتنی دیر کرنا کہ اس کا وقت نکل جائے حرام ہے، اور وقت آنے سے پہلے نماز باطل ہے۔
- کسی عذر کے باعث ظہر اور مغرب کو ان کے آخری وقت میں اور عصر و عشا کو اول وقت میں پڑھنا جائز ہے، اسے **"جمعِ صوری"** کہتے ہیں کہ صورتِ ظاہری کے لحاظ سے دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا ہے مگر حقیقت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہو رہی ہے۔
- نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ظہر کے وقت میں پہلے ظہر، پھر عصر پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ "جمعِ حقیقی" ہے۔ اور دسویں ذی الحجہ کی شب میں مُزدلفہ میں وقت عشا میں پہلے مغرب، پھر عشا پڑھنے کا حکم ہے، یہ بھی جمعِ حقیقی ہے، فرق یہ ہے کہ اول کو جمعِ تقدیم اور دوم کو جمعِ تاخیر کہتے ہیں۔
- مُزدلِفہ میں ہی فجر کی نماز اول وقت میں "غلس" (اندھیرے) میں پڑھنے کا حکم ہے۔

یہ تمام احکام اجماعی و متفق علیہ ہیں، **اختلاف اس بارے میں ہے کہ:**

"سفر میں ظہر کا وقت گزار کر عصر کے وقت میں پہلے ظہر، پھر عصر پڑھیں —— یا عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی اسے وقتِ ظہر میں بعدِ ظہر پڑھیں"۔ یہ جمعِ حقیقی ہے، اول "جمع تاخیر" اور دوم "جمع تقدیم" ہے۔

یہ دونوں صورتیں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جائز ہیں جسے وہابی اہل حدیثوں نے اختیار کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ناجائز ہیں۔ ان کے مذہب پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے دلائل کثیرہ موجود ہیں جنھیں امام اہل سنت، امام احمد رضا قدس سرہ نے بسط و تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب: حاجز البحرين الواقي عن جمع الصلاتين[1] میں بیان کیا ہے، ہم یہاں چند حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں:

(١) عن عبد الرحمن، عن عبد الله، قال: ما رأيتُ النبيَّ —صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ— صلّى صلاةً لغير ميقاتها، إلّا صلاتين: جمع بينَ المغرب والعشاء وصلّى الفجر قبل ميقاتها.[2]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی کوئی نماز غیر وقت میں پڑھتے نہیں دیکھا مگر دو نمازیں:

- حضور نے مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ مزدلفہ میں پڑھیں۔
- اور فجر کی نماز وقت معمول سے پہلے پڑھی۔

اس حدیث کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

صلاةَ المغرب والعشاء بجمعٍ.[3]

---

(١) الفتاوى الرضوية، ج:٢،ص: ٢٣١، تا ٣٤٤، كتاب الصلاة / بابُ الأوقات، رضا اكاديمي، موممبائی.

(٢) صحيح البخاري، ج:١،ص:٢٢٨، كتابُ المناسك/ باب متىٰ يُصلي الفجر بجمع، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١،ص: ٤١٧، كتاب الحج / باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم النحر بالمزدلفة، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: مُزدلفہ میں مغرب کی نماز عشا کے ساتھ عشا کے وقت میں پڑھی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں جن دو نمازوں کے غیر وقت میں پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے صرف ایک نماز کی نشان دہی کی ہے۔ یعنی مزدلفہ میں عشا کے وقت میں مغرب پھر عشا ایک ساتھ ادا کرنا۔

فجر کی نماز دوسری نماز نہیں ہے کیوں کہ یہ نماز حضور نے طلوع فجر کے فوراً بعد وقت میں پڑھی تھی جو سرکار کے معمول کے خلاف تھی، امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

المرادُ "قبل وقتها المعتاد"، لا قبل طلوع الفجر، لأنّ ذلك ليس بجائز بإجماع المسلمين وقد ثبت فی صحيح البخاري في هذا الحديث في بعض رواياته أنّ ابن مسعود صلّى الفجر حين طلعَ الفَجرُ بالمزدَلِفة، ثمّ قال: إنّ رسولَ الله — صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ — صلّى الفجر في هذه الساعة.

وفي رواية له: فلمّا طلعَ الفجرُ قال: إنّ رسولَ الله —صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ— كان لا يصلي هذه الساعة إلا هذه الصّلاة في هذا المكان، من هذا اليوم.[۱]

ترجمہ: "فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی" اس سے مراد یہ ہے کہ "جس وقت پڑھنے کی عادت تھی اس سے پہلے پڑھی"، یہ نہیں مراد ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے پڑھی کیوں کہ یہ تو باجماعِ مسلمین ناجائز ہے۔

صحیح بخاری شریف میں اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فجر طلوع ہونے پر مُزدلفہ میں نماز فجر ادا کی، پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (آج کی) فجر اس وقت میں پڑھی ہے۔

اور صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ صراحت ہے:

---

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج:۱، ص:٤١٧، كتاب الحج / باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم النحر بالمزدلفة، مجلس البركات.

جب فجر طلوع ہو گئی تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز نہیں پڑھتے تھے مگر آج کے دن، اس وقت، اس مقام پر حضور نے یہ نماز فجر پڑھی۔

تو اب سوال یہ ہے کہ دوسری نماز جو سرکار نے وقت سے پہلے پڑھی وہ کون سی نماز ہے؟

اس کا جواب سنن النسائی کی حدیث میں ہے:

(۲) أخبرنا إسماعيل بن مسعود، عن خالد، عن شعبة، عن سليمان، عن عمارة بن عمير، عن عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله —رضي الله تعالى عنه— قال: كان رسولُ الله —صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ— يُصلّي الصّلاة لِوقتِها إلّا بجمع وعرفات.[1]

ترجمہ: اسمٰعیل بن مسعود، از خالد، از شعبہ، از سلیمان، از عمارہ بن عُمیر، از عبد الرحمٰن بن یزید روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نمازیں اوقاتِ نماز میں پڑھا کرتے تھے سوائے مُزدلفہ اور عرفات کے۔

کہ مزدلفہ میں مغرب عام دنوں کے وقتِ عشا میں اور عرفات میں عصر وقتِ ظہر میں پڑھتے تھے۔

(۳) أخبرنا سلام بن سليمان الحنفي، عن أبي إسحاق السبيعي، عن عبد الرحمٰن بن الأسود، عن علقمة بن قيس، والأسود بن يزيد، قال: كانَ عَبْدُ الله بنُ مسعود —رضي الله تعالى عنه— يقول: لا جمعَ بين الصّلاتين إلّا بعرفة الظّهر والعصر.[2]

ترجمہ: سلام بن سلیمان حنفی، از ابو اسحاق سبیعی، از عبد الرحمن بن اسود، از علقمہ بن قیس و اسود بن یزید روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ دو نمازیں ایک وقت میں ملا کر

---

(۱) سنن النسائی، ص: ۳۲۰، كتاب مناسك الحج / باب الجمع بين الظهر والعصر بعرفة.

(۲) كتاب الحجة، ج:۱، ص:۱۶۵، باب الجمع بين الصلاتين.

امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس حدیث کے تعلق سے یہ صراحت کی ”اس حدیث کے سب رُواۃ اجلّہ ثقات وائمہ اثبات ورجالِ صحیحین، بلکہ صحاح ستّہ ہیں“۔ (الفتاوی الرویة، ج:۲، ص: ۳۳۵، كتاب الصلاة/ باب الآوقات/ رسالہ: حاجز البحرین، رضا اکادیمی، مومبائی.) ۱۲ منه.

پڑھنا جائز نہیں مگر عرفہ میں ظہر اور عصر۔

یعنی عرفات میں ظہر اور عصر ایک ساتھ وقتِ ظہر میں پڑھیں گے۔

ان احادیث سے مجموعی طور پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی دو نمازیں ایک وقت میں نہیں پڑھیں، نہ وقت سے پہلے، نہ وقت گزار کر، سوائے دو نمازوں کے:

ایک مقام عرفات میں عصر کی نماز، کہ ظہر کے وقت میں بعدِ ظہر پڑھی۔

دوسری مُزدلفہ میں مغرب کی نماز، کہ عام دنوں کے وقت عشا میں قبلِ عشا پڑھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے ان دو نمازوں کے سوا کبھی رسول اللہ ﷺ کو جمع بین الصّلاتین کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت کے حاضر باش تھے، سفر و حضر میں برابر ساتھ رہتے تھے، وہ سرکار دو عالم ﷺ کے چشم دید معمولات بیان فرما رہے ہیں تو ان کا یہ بیان پورے اطمینان قلب کے ساتھ واجبُ القبول ہے۔

صحیح البخاری اور دیگر صحاح کی احادیث میں ایسا بہت ہے کہ رُواۃِ حدیث، احادیث میں اختصار کرتے ہیں، وہ حسبِ حاجت احادیث کے اقتباسات روایت کرتے ہیں اور جب ایک حدیث کی متعدّد روایتوں کو جمع کیا جاتا ہے تو پوری حدیث پر اطلاع ہوتی ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سفر میں جمع بین الصّلاتین کی جو احادیث منقول ہیں وہ جمعِ صوری پر محمول ہیں کہ ظہر کی نماز آخرِ وقت میں اور عصر کی اولِ وقت میں تھوڑے وقفہ کے ساتھ پڑھی، ایسا ہی مغرب و عشا میں بھی کیا۔ ہم اس بارے میں یہاں امام اہل سنت کا ایک واضح بیان نقل کرتے ہیں جس سے ان شاءاللہ تعالیٰ عیاں ہو جائے گا کہ اس نوع کی احادیث سے وقت سے پہلے یا وقت گزار کر نماز پڑھنے کا ثبوت نہیں ہوتا، امام اہل سنت فرماتے ہیں:

(الف) نماز بعد شہادتین اہم فرائض واعظم ارکانِ اسلام ہے اور اُس میں رعایتِ وقت کی فرضیت، اظہر ضروریاتِ دین سے ہے، جسے مسلمانوں کا ایک ایک بچّہ جانتا ہے، یوں ہی اوقاتِ خمسہ غایت شہرت واستفاضہ پر بالغِ حد تواتر ہیں، اگر حضور پُرنور سید المرسلین ﷺ نے حالتِ سفر میں۔

جس کی ضرورت ہمیشہ ہر زمانہ میں، ہر شخص کو رہی اور رہتی ہے۔ چار نمازوں کے لیے اوقاتِ مشہورہ، معلومہ، معروفہ کے سوا قولاً یا فعلاً کوئی اور حکم عطا فرمایا ہوتا تو واجب تھا کہ جس شہرتِ جلیلہ کے ساتھ اوقاتِ خمسہ منقول ہوئے اُسی طرح یہ نیا وقت بھی نقل کیا جاتا۔

آخر حضور اقدس ﷺ نے یہ فعل کسی خلوت میں نہ کیا، غزوۂ تبوک میں ہزار ہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہ تھے اگر حضور جمع فرماتے، بلاشبہہ وہ سب کے سب دیکھتے اور کثرتِ رُواۃ سے اسے بھی مشہور کر چھوڑتے، یہ کیا کہ:

- ایسی عظیم بات،
- ایسے جلیل فرض کے،
- ایسے ضروری لازم میں،
- ایسی صریح تبدیل،
- ایسے مجمع کثیر کے سامنے واقع ہو اور اُسے یہی دو ایک راوی روایت فرمائیں

تو بلاشبہہ یہی "جمعِ صوری" فرمائی جس میں نہ وقت بدلا، نہ کسی حکم میں تغیر نے راہ پائی کہ اُس کے اشتہار پر دواعی مُتوفر ہوتے۔

نظرِ انصاف، صاف ہو تو صرف ایک یہی کلام تمام دلائلِ خلاف کے جواب کو بس ہے کہ جب باوصفِ توفّرِ دواعی نقلِ آحاد ہے، تو لاجرم "جمع صوری" پر محمول کہ توفّر مہجور اور بالفرض کوئی روایت مفسرہ، ناقابلِ تاویل ملے تو متروک العمل، کہ ایسی جگہ آحاد رہنا عقل سے دُور۔

(ب) نمازوں کے لیے تعیین و تخصیصِ اوقات آیاتِ قرآن عظیم و احادیثِ حضور سید المرسلین ﷺ سے قطعی الثبوت ہے، اگر کہیں اُس کا خلاف مانیے، تو وہ بھی ویسا ہی قطعی چاہیے جیسے عصرِ عرفہ و مغربِ مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ، ورنہ یقینی کے مقابل ظنی مضمحل۔

(ج) جانبِ جمع (بین الصلاتین) صرف نقلِ فعل ہے، قول اگر ہے تو جمع صوری میں۔ اور جانبِ منع دلائلِ قولیہ و فعلیہ دونوں موجود اور قول فعل پر مرجح، تو مجموعِ قول و فعل محض نقل فعل پر بدرجہ اولیٰ (مُرجّح ہوگا)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت شان:

(د) افقہیتِ راوی اور مرجح منع ہے کہ ابن عمر و انس میں کسی کو فقاہتِ جلیلہ عبد اللہ بن مسعود تک رسائی نہیں [1]۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

● یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے، حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمسَّكوا بعهد ابن أمّ عبد. [2] ان کے عہد کو لازم پکڑو۔

مرقاۃ میں ہے:

اسی لیے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی روایت و قول کو خلفاے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔

● یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنھیں حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ سرِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے:

إن أشبه الناس دلًّا وسمتًا وهديًا برسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- لَابن أم عبد.

بے شک چال، ڈھال، روش میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہ عبد اللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ رواه البخاري والترمذي والنسائي. [3]

● یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنھیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے:

---

(۱) "أفقهيّت": أفْقه ہونا، بڑا فقیہ ہونا۔ أفقہ راوی کی روایت غیر أفقہ راوی کی روایت پر راجح ہوتی ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر و حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑے، بلکہ بہت بڑے فقیہ ہیں، جنھوں نے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے جمع بین الصّلاتین نہ کرنے کی حدیث روایت فرمائی، اس لیے ان کی حدیث حضرت ابن عمر اور حضرت انس کی حدیثوں پر راجح قرار پائے گی۔ ۱۲ منہ

(۲) ● جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۲۲۱، أبواب المناقب / باب مناقب عبد الله بن مسعود.
● المستدرك على الصحيحين، ج:۳، ص: ۷۵، كتاب معرفة الصحابة / توضيح مثّى مَن يعمل سوأ يجز به.

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۰۱، كتاب الأدب/ بابٌ في الهدى الصالح.
● جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۲۲۲، أبواب المناقب / باب مناقب عبد الله بن مسعود.

كنيف ملئ علمًا. [1] ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہوئی۔

نہایت یہ کہ حضور اقدس سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: رضيتُ لأمتي ما رضِيَ لها ابن أم عبد. میں نے اپنی اُمت کے لیے پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود اس کے لیے پسند کرے۔

رواه الحاكم بسند صحيح. [2]

لاجرم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک خلفاے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد وہ جناب تمام صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے:

هو عند أئمتنا أفقهُ الصحابة بعد الخلفاء الأربعة. [3]

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:۳، ص: ۳۱۸، كتاب معرفة الصحابة / باب من أحب أن يقرأ القرآن.

(۲) المستدرك على الصحيحين، ج:۳، ص: ۳۱۷، ۳۱۸، كتاب معرفة الصحابة / كلمات دعاء ابن مسعود -رضي الله تعالى عنه- .

(۳) الفتاوى الرضوية (ملتقطاً) ج:۲،ص: ۳٤۱، ۳٤۲، كتاب الصلاة / باب الأوقات/ رساله: حاجز البحرين، رضا اكاديمى، مومبائی.

چھبیسواں مسئلہ

نماز میں رفعِ یدین جائز، غیر مُستحب ہے

احادیثِ نبویہ کے شواہد سے روشن ثبوت

حضور سید عالم ﷺ سے نماز میں رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے اور رفع یدین نہ کرنا بھی۔ یوں ہی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی دونوں طرح کے عمل کا ثبوت ملتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے چار امام ہیں:

- امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت
- امام مالک
- امام محمد بن ادریس شافعی
- امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ان چاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفعِ یدین[1] کرنا بھی جائز ہے اور رفعِ یدین نہ کرنا بھی جائز ہے، البتہ افضل اور مستحب کیا ہے اس بارے میں

(۱) نماز میں کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھانے کو "رفعِ یدین" کہتے ہیں۔ اب عرف عام میں رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت اور پہلا قعدہ پورا کر کے اٹھتے وقت، دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانے کو "رفعِ یدین" کہا جاتا ہے۔ حنفی مذہب میں یہ "رفعِ یدین" مستحب نہیں۔ جب کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما اسے مستحب قرار دیتے ہیں، اور آج کل یہ وہابی اہلِ حدیث کی علامات سے ہے۔ ۱۲ منہ

ان بزرگوں کے درمیان دلائل کی بنا پر اختلاف ہوا۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ افضل رفعِ یدین نہ کرنا ہے اور نماز میں سکون سے رہنے کا تقاضا یہی ہے۔

اس کے برخلاف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ فرماتے ہیں کہ افضل رفعِ یدین ہے۔

وجہِ اختلاف یہ ہے کہ اس باب میں اللہ کے رسول، سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرح کی احادیث مروی ہیں، تو دونوں طبقے کے فقہا نے اپنی اپنی تحقیق و اجتہاد کے مطابق ایک ایک نوع کی احادیث کو اختیار فرمایا۔ دونوں اپنے اپنے طور پر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث سے تمسک کرتے اور حضور کی سنتِ کریمہ پر عمل کرتے ہیں؛ اس لیے فریقین ایک دوسرے پر طعن و تشنیع نہیں کرتے جب کہ آج کے کچھ مدعیانِ حدیث نے اپنے بے جا عقائد پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے اپنا شیوۂ تحقیق بنا رکھا ہے۔

حنفیہ کے دلائل

ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ اپنے مذہب کے دلائل نقل کرتے ہیں:

(۱) عَن تميم بن طَرَفَةَ، عن جابر بن سَمُرَةَ قال: خرج علينا رسولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-، فقال: مالِيَ اَرَاكم رافعي أَيْدِيْكُم كأنّها أذنابُ خيلِ شُمْس، أُسْكنوا فِي الصّلاة.[۱]

ترجمہ: تمیم بن طرفہ سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ (اس وقت ہم لوگ نماز میں رفع یدین کر رہے تھے) تو حضور نے فرمایا، کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو چنچل گھوڑوں کی دُموں کی طرح رفعِ یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز سکون کے ساتھ پڑھو۔

صحابۂ کرام کو حکم تھا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس طرح نماز پڑھتا دیکھیں اسی طرح نماز پڑھیں، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ ان صحابۂ کرام نے بارہا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تھا اس لیے وہ حضرات بھی رفعِ یدین کر رہے تھے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۱۸۱، كتاب الصلاة / باب الأمر بالسّكون في الصّلاة، مجلس بركات، مبارك فور.

مگر اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس عمل کو ناپسند فرمایا اور "اُسْكُنوا فِي الصّلاة". کا حکم صادر فرماکر سکون کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہاں "سکون" کا لفظ "رفع یدین" کے مقابل ہے اس لیے ارشادِ رسالت سے بطور خاص یہ ثابت ہوا کہ "رفع یدین نہ کرو" اور لفظ کا اطلاق پوری نماز کو سکون سے ادا کرنے کا متقاضی ہے۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ جن احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا رفع یدین کرنا ثابت ہوتا ہے وہ تمام احادیث مسلم شریف کی اس حدیث صحیح سے منسوخ ہیں اور عمل منسوخ پر نہیں، ناسخ پر ہوتا ہے اس لیے رفعِ یدین نہ کرنا ہی مستحب ہے۔

قالَ أبُو عبد الله: قالَ الحميديُّ : . . . وإنَّمَا يُوخَذُ بالآخِرِ فالآخر مِن فعلِ النّبيّ -صلى الله تعالى عليه وسلم-.[1]

ترجمہ: ابو عبد اللہ (محمد بن اسماعیل بخاری) کے استاذ امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ عمل نبی کریم ﷺ کے آخری فعل پر ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ رفعِ یدین کی منسوخی کے بعد کا ہے، ہوسکتا ہے ان صحابہ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو اور وہ پہلے طریقے پر عامل رہے ہوں، یہی وجہ ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ناراضگی کے لہجے میں ان سے خطاب فرمایا۔

واضح ہو کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے رفعِ یدین کرنے والے صحابہ کو نماز کے دُہرانے کا حکم نہ دیا، اس لیے معلوم ہوا کہ رفعِ یدین جائز ہے، مگر رفع یدین کو ناپسند فرماکر سکون سے نماز پڑھنے کا حکم دیا اس سے ثابت ہوا کہ رفعِ یَدَین نہ کرنا افضل و مستحب ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ مستحب تو وہی ہوسکتا ہے جو حضور کو محبوب و پسند ہو۔

علاوہ ازیں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا رفعِ یَدَین کرنا حدیث فعلی ہے اور مسلم شریف کی یہ حدیث "مَالِي أراكُم ... اُسْكُنوا في الصّلاة." حدیث قولی۔ اور حدیث قولی و فعلی میں تعارض ہو تو ترجیح حدیث قولی کو ہوتی ہے اس لیے بھی نماز میں رفعِ یَدَین نہ کرنا ہی راجح و افضل ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۹٦، كتابُ الأذان/ بابٌ إنّما جُعِلَ الإمام لِيُؤتَمَّ به، مجلس بركات، مبارك فور.

محدث جلیل امام جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو مذاہب فقہیہ کے دلائل بیان کرنے میں بہت اعتدال اور انصاف کی روش اختیار کرتے ہیں وہ اپنی مشہور زمانہ تصنیف "نصب الرایہ" میں یہ حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعتراض کیا ہے، پھر پوری دیانت داری کے ساتھ ان کا اعتراض نقل کرکے اس کا شافی جواب بھی ارقام فرمایا ہے، ہم یہاں ایضاحِ حق کے لیے وہ اعتراض اور جواب دونوں نقل کرتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اعتراض:

صاحب نصب الرایہ لکھتے ہیں:

واعترضَهُ البخاري في "كتابِهِ الذي وضعَه في "رفع اليدين" فقال:

وأمّا احتجاجُ بعضِ مَن لا يَعلم بحديث تميم بن طَرَفةَ عن جابر بن سَمُرة، قال: دخل علينا رسولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- ونحن رافعي أيدينا في الصّلاة فقال: "مالِيَ أراكم رافعي أَيدِيكم كأَنّها أذنابُ خيْلٍ شُمْسٍ؟ أُسكنوا في الصّلاة"

وهٰذا إنّما كان في التشهّد، لا في القيام. فَفسَّرهُ رواية عبد الله بن القبطية، قال:

● سِمعتُ جابرَ بن سَمُرة، يقول: كنّا إذا صلّينا خلفَ النّبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، قلنا: اَلسّلامُ عليكم، اَلسّلامُ عليكم. وأشار (أي جابرُ بنُ سمرة رضي الله تعالى عنه-"ن") بيدهِ إلى الجانبين، فقال: ما بالُ هٰؤلاء يؤمِئُون بأيدِيْهم، كأنّها أذنابُ خيْل شُمْس؟ إنّما يكفي أَحَدَكم أن يضع يدَه على فخذِه، ثم ليسُلّم على أخيه مَن عن يمينه ومَن عن شماله". انتهى

وهٰذا قول معروف لا اختلاف فيه، ولو كان كما ذهبوا إليه لكان الرفعُ في تكبيرات العيد أيضا مَنهيّا عنه؛ لأنه لم يستثن رفعًا دون رفع، بل أطلق، انتهىٰ كلامه.[1]

---

(۱) نصبُ الرّاية لأحاديث الهداية، ج:۱، ص: ۳۹۳، كتابُ الصّلاة/ بابُ صفةِ الصّلاة، الحديثُ التّاسعُ والثلاثون/ أحاديث أصحابنا-مؤسّسةُ الرّيان، بيروت.

ترجمہ: "امام بخاری نے اپنی کتاب رفع الیدین [1] میں یہ اعتراض کیا ہے کہ بعض حضرات نے تمیم بن طرفہ بروایت جابر بن سمرہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم لوگ اس وقت نماز میں رفعِ یدین کر رہے تھے تو حضور نے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے وہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوں، نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔"

یہ واقعہ خاص تشہد کا ہے نہ کہ قیام کا، چناں چہ عبداللہ بن قبطیہ کی روایت سے اس کی تفسیر ہوتی ہے۔ "وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت جابر بن سُمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے اور داہنے بائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے کہتے اَلسَّلام علیکم، اَلسَّلام علیکم. تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اشارے کر رہے ہیں جیسے وہ چنچل گھوڑوں کی دُمیں ہوں؟ بس اتنا کافی ہے کہ اپنی ران پر ہاتھ رکھ کر دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کرلیں۔"

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ ارشاد معروف ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر رفعِ یدین سے ممانعت ہوتی جیسا کہ بعض حضرات کا مذہب ہے تو پھر عید کی تکبیرات سے بھی ممانعت ہوتی کیوں کہ ارشاد نبوی مطلق ہے اور اس سے کسی بھی رفع یدین کا استثنا نہیں ہے۔

یہ ہے اعتراض امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا۔

امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جواب:

اس کے جواب میں امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولقائل أن يقول: إنّهما حديثان لايُفَسَّر أَحَدُهُما بالأخر، كما جاء في لفظ الحديث الأول: دخل علينا رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، وإذا الناس رافِعوا أَيديْهم في الصّلاة، فقال: "مالِيَ أراكم رافعي أيديْكم، كأنّها أذنابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ أُسكنوا في الصّلاة." والذي يَرفع يديه حال التّسليم لايقال له: "أُسكن في

(۱) كتاب رفع اليدين في الصلاة للإمام محمد بن اسماعيل البخاري، ص: ۹۰ تا ۹۲ ، رقم الحديث: ۷۹، دار ابن حزم.

الصلاة" إنما يقال ذلك لمن يرفع يديه في أثناء الصلاة، وهو حالة الركوع والسجود ونحو ذلك، هذا هو الظاهر، والراوي روى هذا في وقت كما شاهده، وروى الآخر في وقتٍ أخر كما شاهده، وليس في ذلك بُعد. والله اعلم."[1]

ترجمہ: کوئی بھی شخص اس کا جواب یہ دے سکتا ہے کہ یہ دونوں دو حدیثیں ہیں۔ (ایک تمیم بن طرفہ کی حدیث، دوسری عبداللہ بن قبطیہ کی حدیث) دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ پہلی حدیث کے الفاظ ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے **اور لوگ اس وقت نماز میں رفع یدین کر رہے تھے** تو حضور نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو رفعِ یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے وہ چنچل گھوڑوں کی دُمیں ہوں، نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔"

اور جو شخص سلام کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اس سے یہ نہیں کہا جائے گا: "أسكُن في الصّلاة" نمازِ میں سکون کے ساتھ رہو" یہ بس اسی سے کہا جائے گا جو نماز کے دوران اپنے ہاتھوں کو اٹھائے، اور رکوع و سجود وغیرہ کی حالت دورانِ نماز کی ہے، یہی ظاہر ہے۔ اور راوی نے کسی وقت لوگوں کو دورانِ نماز رفع یدین کرتے دیکھا تو اسے اپنے مشاہدے کے مطابق روایت کر دیا اور کبھی سلام کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو اسے بھی اپنے مشاہدے کے مطابق روایت کر دیا (تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دونوں ایک ہی واقعہ کی روایتیں ہیں، بلکہ واقع میں دونوں دو طرح کے واقعات کی روایت ہیں۔)

دو واقعہ ہونے کی وضاحت:

رفع یدین سے اجازت و ممانعت کی یہ دونوں حدیثیں دو واقعے سے متعلق ہیں، اس کی وضاحت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ پہلی حدیث سے یہ عیاں ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ اس نماز میں شامل نہ تھے، بلکہ اپنے حجرۂ شریفہ سے نکل کر وہاں تشریف لائے تھے جیسا کہ "خَرَجَ عَلَيْنا" اور "دَخَلَ عَلَيْنا" کے کلمات سے ظاہر ہے۔ نیز مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت

(۱) نصب الراية لأحاديث الهداية، ج:۱، ص:۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصلاة / باب صفة الصّلاة، الحديث التاسع والثلثون/ أحاديث أصحابنا، مؤسسةُ الريان، بيروت.

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا:

إنّه عليه السّلام دَخَل المسجدَ فأبْصَر قومًا قدر فعوا أيديهم.[1]

ترجمہ: "اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام مسجد میں داخل ہوئے تو کچھ لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔"

اور سنن النسائی کے الفاظ ہیں:

عن جابر بن سمرة، قال: خَرجَ عَلَينا رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- وَ نحنُ رافعو أيدينا في الصلاة.[2]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس (حجرۂ شریفہ سے) نکل کر آئے اور ہم لوگ نماز میں رفع یدین کر رہے تھے۔

جب کہ دوسری حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے سے مسجد میں موجود تھے اور صحابہ آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور انھوں نے تشہد کے بعد داہنے، بائیں والوں کو ہاتھ اٹھا اٹھا کر السّلام علیکم کہا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نقل کردہ الفاظ یہ ہیں:

"كنّا إذا صلّينا خلفَ النّبيِّ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- قلنا: اَلسّلام عليكم، اَلسّلام عليكم، وأشار بيده إلى الجانبين."

"ہم لوگ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھ سے دونوں طرف اشارے کرکے اَلسّلام علیکم، اَلسّلام علیکم کہتے۔"

جب دونوں حدیثوں کا تعلق الگ الگ دو واقعات سے ہے تو ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حضرت جابر بن سمرہ کی جس حدیث سے ائمہ حنفیہ نے جو استدلال کیا ہے وہ حق صریح ہے۔

(۲) أخرج أبوداؤد والترمذي عن وكيع عن سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمٰن بن الأسود عن علقمة، قال: قالَ عبدُ الله بن مسعود: ألَا أُصَلّي بكم

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۵۳۲، مسند البصريين، حديث جابر بن سمرة، رقم الحديث:۲۱۱۶۷.

(۲) سنن النسائي، ص:۱۴۲، كتاب السهو، باب السلام بالأيدي في الصلاة، رقم الحديث: ۱۱۸۴.

صلاة رسولِ الله –صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ–؟ فصلّى، فلم يرفع يديه إلّا في أوّل مرة، انتهى. وفي لفظٍ: فكان يرفع يديه أوّلَ مرة، ثم لا يعود، قال الترمذي: حديث حسنٌ، انتهى. وأخرجهُ النسائي عن ابن المبارك عن سفيان بهٖ (أي بذلك الإسناد.)[1]

ترجمہ: وکیع نے روایت کیا سفیان ثوری سے، وہ عاصم بن کلیب سے، وہ عبد الرحمن بن اسود سے، وہ علقمہ سے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟

پھر انھوں نے نماز پڑھائی اور سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہ کیا۔

یہ الفاظ بھی وارد ہیں کہ:

پہلی بار کانوں تک ہاتھ اٹھاتے، پھر دوبارہ ایسا نہ کرتے۔ امام ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن ہے۔"

اور امام نسائی نے ابن المبارک سے، انھوں نے سفیان ثوری سے یہی حدیث تخریج کی۔

اس حدیث کے رجال کس پایے کے ہیں اس پر امام زیلعی نے یوں روشنی ڈالی:

قال الشيخ تقي الدين في "الإمام" و **عاصمُ** بن كليب أخرج لهٗ مسلمٌ، و**عبد الرحمٰن** بن الأسود أيضًا أخرج له مسلم، وهو تابعيٌّ، وثّقهٗ ابن معين– و**علقمة**،فلايسأل عنه للاتفاق على الاحتجاج به، انتهى.[2]

ترجمہ: شیخ تقی الدین نے "الإمام" میں فرمایا کہ عاصم بن کلیب سے امام مسلم نے حدیث تخریج کی ہے اور عبد الرحمن بن اسود سے بھی امام مسلم نے تخریج کی ہے، یہ تابعی ہیں، ابن معین نے ان کو ثقہ

---

(۱) ● نصب الراية، ص: ۳۹٤، ج: ۱، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۳۱٦، مسند المكثرين، مسند عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۳٦۸۱
● سنن أبي داؤد، ص: ۱۰۲، كتاب الصلاة/ باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، رقم الحديث: ۷٤۸.
● جامع الترمذي، ج: ۱، ص: ۳۵، أبواب الصلاة/ باب رفع اليدين عند الركوع.
● سنن النسائي، ص: ۱۲۸، كتاب التطبيق/ باب الرخصة في ترك ذلك، رقم الحديث: ۱۰۵۸.
(۲) نصب الرايه، ج: ۱، ص: ۳۹٤، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة.

کہا، اور علقمہ کے بارے میں تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے کہ ان سے استدلال پر سب کا اتفاق ہے۔

اس حدیث سے استدلال پر بھی کئی طرح سے اعتراضات کیے گئے ہیں مگر ان سے اس حدیث کی حجیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، امام جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان اعتراضات کو نقل کر کے سب کے جوابات بڑے تشفی بخش انداز میں دیے ہیں اور حدیث کی حجیت کو ایسے نفیس پیرایے میں واضح کیا ہے کہ ایک انصاف پسند کے لیے پھر کلام کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔[1]

(۳) قال الطبراني في "معجمه" حدّثنا محمدُ بن عثمان بن أبي شيبة، حدّثنا محمد بن عمران بن أبي ليلىٰ، حدثني أبي عن ابن أبي ليلىٰ عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس، عن النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، قال: لا ترفع الأيدي اِلّا في سبعة مواطن: حين يفتتح الصّلاة، وحين يدخل المسجد الحرام، فينظر إلى البيت، وحين يقوم على الصّفا و حين يقوم على المروة، وحين يقف مع الناس عشية عرفة وبجمع والمقامين حين يرمي الجمرة.[2]

ترجمہ: امام طبرانی نے معجم کبیر میں فرمایا کہ حدیث بیان کی ہم سے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے، انھوں نے محمد بن عمران بن ابی لیلیٰ سے، انھوں نے اپنے والد عمران سے اور انھوں نے ابن ابی لیلیٰ سے، انھوں نے حکم سے، انھوں نے مقسم سے اور انھوں نے ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رفعِ یدین صرف سات مواقع پر کیا جائے۔ (۱) نماز کے افتتاح کے وقت۔ (۲) جس وقت مسجد حرام میں داخل ہو اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑے۔ (۳) صفا پر کھڑا ہونے کے وقت۔ (۴) مُروہ پر کھڑا ہونے کے وقت۔ (۵) جب عرفہ میں شام کے وقت لوگوں کے ساتھ وقوف کرے۔ (۶) اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت۔ (۷) اور رمی جمرہ کے وقت دونوں موقف میں۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی (وفات: ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں:

وفيه محمد بن أبي ليلىٰ، وهو ضعيف سيِء الحفظ، وقد وثق.[3]

ترجمہ: اس حدیث کی سند میں محمد بن ابو لیلیٰ ہیں جو ضعیف ہیں، ان کا حافظہ خراب ہے۔ ان کی توثیق

---

(۱) دیکھیے نصب الراية، ج:۱، ص:۳۹٤ تا ۳۹٦، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة.

(۲) نصب الراية، ج:۱، ص:۳۹۰، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة.

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۲، ص:۲۷۱-۲۷۲، كتاب الصلاة / باب رفع اليدين في الصلاة، رقم الحديث: ۲۵۹۳.

بھی کی گئی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں:

وفي الإسناد: محمد بن أبي ليلى، وهو سيء الحفظ وحديثه حسن إن شاء الله. (۱)

اس اسناد کے ایک راوی محمد بن ابو لیلیٰ ہیں اور یہ حافظہ کے خراب ہیں تاہم ان کی حدیث ان شاء اللہ حسن ہے۔

اس طرح سے کثیر احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفعِ یدین کیا اور اس کے بعد درمیانِ نماز رفع یدین نہ کیا۔ چوں کہ ابتدا میں سرکار علیہ السلام رفع یدین فرماتے تھے اس لیے ہماری پیش کردہ احادیث ناسخ قرار پائیں گی۔ اور عمل ناسخ پر ہی ہوتا ہے۔

اس علمی تجزیہ سے چند افادات حاصل ہوئے:

(۱) مذاہبِ اربعہ کی عمارت احادیث نبویہ کی بنیادوں پر استوار کی گئی ہے، نہ کوئی حدیث کا مخالف ہے، نہ صاحبِ حدیث "مصطفیٰ جانِ رحمت" ﷺ کا، بلکہ سب نے اپنے اپنے طور پر سنتِ مصطفیٰ ﷺ کا اتباع کیا ہے۔

(۲) ہاں سنت کیا ہے؟ ——— اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ دو اماموں کے اجتہاد میں "رفع یدین" سنت ہے اس لیے وہ حضرات اس کے قائل ہو گئے، اور دو اماموں کے اجتہاد میں رفع یدین نہ کرنا سنت ہے، جیسا کہ ہماری بحث سے عیاں ہے اور یہی صواب ہے، اس لیے یہ حضرات بشارت نبوی کے مطابق دو گُنے اجر کے حق دار ہیں، جب کہ رفعِ یدین کے قائل دونوں امام ایک ایک اجر کے حق دار ہیں۔

(۳) چوں کہ یہ سارے امام اَجر کے حق دار ہیں اس لیے سبھی حق پر ہیں، ان میں سے کسی کو مخالف حدیث و مخالفِ رسول نہیں کہا جا سکتا۔

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۳، ص: ٥٣٤، ٥٣٥، كتاب الحج/ باب رفع اليدين عند رؤية البيت وغير ذلك، دار الفكر للطباعة والنشر، رقم الحديث: ٥٤٦١.

ستائیسواں مسئلہ

پست آواز سے آمین کہنا افضل ہے، یا بلند آواز سے؟

کتاب وسنت سے محاکمہ

اس امر پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ کے آخری کلمہ ''وَ لَا الضَّآلِّیْنَ'' کے بعد ''آمِینَ'' پست آواز سے کہنا بھی جائز ہے اور بلند آواز سے بھی، لیکن افضل کیا ہے، اس بارے میں اختلاف ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ پست آواز سے آمین کہنا افضل ہے۔ اور امام شافعی وامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے کہنا افضل ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں طبقے کے ائمہ احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ سے تمسّک کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعد کے علما وشارحین نے کچھ احادیث وآثار پر کلام کیا ہے، مگر ہم ان سب سے صرف نظر کرتے ہوئے سب کو قابلِ حجت تسلیم کرکے فریقین کے چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

پست آواز سے آمین کہنے کے دلائل:

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : إِذَا قَالَ الإِمَامُ ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ، وَلاَ الضَّالِّينَ'' فَقُولُوا آمِينَ ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.[1]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۰۸، كتابُ الأذان / بابُ جهر المأموم بِالتّأمين، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھ لے تو تم لوگ "آمین" کہو، کیوں کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے پہلے کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کلمۂ آمین کو پست آواز سے پڑھے گا، کیوں کہ اگر اسے بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہوتا تو سرکار یہ فرماتے کہ "جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو۔"

یہاں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے آمین کہنے کو "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ" کے پڑھنے پر معلق کیا ہے، "آمِينَ" کہنے پر نہیں، آمین بالجہر پڑھی جاتی تو سرکار اسی پر معلق فرماتے۔

مگر یہ حسنِ اتفاق ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے "إذا أَمَّنَ الإمامُ فَأَمِّنُوْا."(۱) بھی منقول ہے، یعنی: "جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو۔" اور اس کے راوی بھی وہی حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ تو یہ ایک ہی راوی کی دوسری روایت سے جہر کا ثبوت ہوا۔

اس کی وضاحت "بعض اہلِ سر" یہ فرماتے ہیں:

وَحَمَلوا قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أَمَّنَ الإمامُ . . . على بلوغ موضع التّأمين.(۲)

ترجمہ: ارشادِ رسول: "إذا أَمَّنَ الإمامُ" سے مراد یہ ہے کہ امام جب آمین کہنے کی جگہ میں پہنچ جائے تو آمین کہو۔

اس طرح یہ حدیث، حدیثِ اول کے موافق ہو جاتی ہے مگر یہ مجاز ہے اور مجاز کی طرف اسے پھیرنے کی کوئی حاجت نہیں، میری نگاہ میں دونوں حدیثوں کو ان کے حقیقی مفہوم پر باقی رکھنا ممکن ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب عرض کریں گے۔

(۲) شعبة عن سلمة بن كُهيل، عن حجر بن العنبس، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- حِينَ قَالَ: «غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ»

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۰۸، كتابُ الأذان / بابُ جهر الإمام بالتّأمين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) عمدة القاري، ج:٤، ص:٥٠٠، أبوابُ صفةِ الصّلاة / بابُ جهر الإمام بالتّأمين، الحديث:٧٨٠، دار الفكر.

قَالَ : آمِينَ، يَخْفِضُ بِهَا صَوْتَهُ. هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.(۱)

ترجمہ: علقمہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور جس وقت حضور نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ“ پڑھا تو پست آواز سے ”آمین“ کہی۔

یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے، البتہ ان حضرات نے اس کی تخریج نہیں کی۔

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل، امام ابوداؤد طیالسی، امام ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی اپنی مسانید میں اور طبرانی نے معجم میں اور دارقطنی نے سنن میں بھی کی ہے۔(۲)

(۳) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ:"لَمْ يكن عمرُ وعَلِيٌّ -رضي الله عنهما- يَجْهَرَانِ بـ"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ"، وَلا بـ"آمِينَ".(۳)

ترجمہ: حضرت ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلند آواز سے نہ بسم اللہ پڑھتے تھے، نہ آمین کہتے تھے۔

(٤)حَدَّثَنَا أَبُو حنيفة، حدّثنا حَمَّادُ بنُ أبي سليمان، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النخعي، قَالَ: أَرْبَعٌ يخافت بِهِنَّ الْإِمَامُ: • التعوذ • وبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، • وسبحانكَ اللّٰهمَّ، • وآمين.(٤)

---

(۱) المستدرك على الصحيحين ج: ۲، ص: ۲۳۲، كتاب التفسير / باب آمين بخفض الصوت.

(۲) • مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۳۷٤، مسند الكوفيين، حديث وائل بن حجر، رقم الحديث: ۱۹۰۵۹.

• مسند أبي داؤد الطيالسي، ج:۲،ص: ۳٦۰، ۳٦۱، حديث وائل بن حجر، رقم الحديث: ۱۱۱۷.

• سنن الدار قطني، ج:۲،ص: ۱۲۸، ۱۲۹، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۱۲۷۰.

• المعجم الكبير للطبراني، ج:۱۵،ص:۳۸٤، عن علقمة بن وائل عن حجر،رقم الحديث: ۱۷٤۷۲.

(۳) • عمدة القارى، ج:٤،ص:۵۰۳، أبوابُ صفة الصلاة / باب فضل التأمين، دارُ الفكر.

(٤) • كتاب الأثار للإمام محمد بن الحسن -رحمه الله تعالى-، ج:۱، ص:۱۵۱، كتابُ الصلاة/ باب الجهر ببسم الله الرحمٰن الرحيم.

• المصنف للإمام عبد الرزّاق -رحمه الله تعالى-، ج:۲، ص:۸۷، كتاب الصلاة/ باب ما يخفى الإمام، رقم الحديث: ۱۲۵۹٦.

ترجمہ: امام ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں پست آواز سے پڑھے: ● أعوذ باللہ، ● بسم اللہ، ● سبحانك اللّٰھم اور ● آمین۔

ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں آمین پست آواز سے پڑھی جائے۔

بلند آواز سے آمین کہنے کے دلائل:

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوا ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو، کیوں کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہوگا اس کے پہلے کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ مقتدیوں کو امام کا آمین کہنا اسی وقت معلوم ہوگا جب وہ بلند آواز سے آمین کہے اس لیے اس حدیث سے بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۲) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بن كُهيل، عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ: كَانَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- إِذَا قَرَأَ " وَ لَا الضَّآلِّيْنَ " ، قَالَ : آمِينَ ، وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ.[2]

ترجمہ: وائل بن حجر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب " وَ لَا الضَّآلِّيْنَ " پڑھتے تو بلند آواز سے "آمین" کہتے۔

● مصنف ابن أبي شيبة، ج:۲، ص: ۵۳۶، كتاب الصلاة/ باب ما يستحب أن يخفيه الإمام وفی رواية عن إبراهيم قال: خمس يخفين سبحانك اللهم وبحمدك، والتعوذ، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين، واللّهم ربنا لك الحمد. أخرجه الإمام عبد الرزاق في المصنف، ج:۲، ص: ۸۷، كتاب الصلاة/ باب ما يخفى الإمام، رقم الحديث: ۲۵۹۷، ومصنف ابن أبي شيبة، ج:۲، ص: ۵۳۶، كتاب الصلاة/ باب ما يستحب أن يخفيه الإمام.

(۱) صحيح البخارى، ج:۱، ص:۱۰۸، كتاب الأذان/ باب جهر الإمام بالتأمين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) سنن أبي داود، ص:۱۱۹، كتاب الصلاة / باب التأمين وراء الإمام، رقم الحديث: ۹۳۲ .

یہ حدیث امام ابو داؤد کے سوا امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ روایت کیا ہے اور مفہوم تقریباً سب کا ایک ہے۔

آمین بالسِّر اور آمین بالجہر دونوں طرح کی یہ حدیثیں دو صحابہ سے منقول ہیں:

● حضرت ابو ہُریرہ ● اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور میرے نزدیک دونوں طرح کی حدیثیں صحیح و قابلِ حجت ہیں اور حق یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کبھی بلند آواز سے کہی ہے اور کبھی پست آواز سے۔ اس لیے دونوں حضرات نے جب جیسا سنا اس کے مطابق دونوں باتیں روایت فرمادیں، لہٰذا سورۂ فاتحہ کے اختتام پر آمین بلند آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے اور پست آواز سے بھی، اور اس پر چاروں ائمۂ کرام کا اتفاق ہے، مگر افضل کیا ہے یہ اب بھی تشنۂ تحقیق ہے۔

افضل کیا ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے، جس کا جواب یہ ہے کہ افضل پست آواز سے آمین کہنا ہے ● کیوں کہ آمین کلمۂ دعا ہے ● اور دعا پست آواز سے افضل ہے۔ قرآن مقدس نے اسی کا حکم دیا ہے، ہم ذیل میں دونوں باتوں کے شواہد پیش کرتے ہیں:

● امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وقال عطاءٌ: "آمين" دعاءٌ.(۱)

ترجمہ: امام عطا نے فرمایا کہ "آمین" دعا ہے۔

● قرآن مقدس میں ہے:

"قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا".(۲)

ترجمہ: تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔

یہ خطاب حضرت سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کو ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام فرعون و قوم فرعون کے خلاف دعا فرما رہے تھے اور حضرت ہارون ان کی دعا پر آمین کہہ رہے تھے، تو قرآن مقدس میں

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۰۷، كتاب الأذان / باب جهر الإمام بالتأمين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة يونس: ۱۰، الأية: ۸۹ .

آمین پر بھی دعا کا اطلاق ہوا۔[۱]

● ماہرِ لسانِ عرب، علامہ ابن منظور افریقی، مصری لکھتے ہیں:

وَآمين وأَمين: كلمةٌ تُقال في إثر الدّعاء، قال الفارسي: هي جملة مُركّبةٌ مِن فعل واسم، معناه: "اللّهُمَّ اسْتَجِبْ لي".

قال: ودليلُ ذٰلك أنَّ موسىٰ –عليه السلام– لمّا دعا علىٰ فرعون وأتباعِه، فقال: "رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ"[۲]

قال هٰرون عليه السّلامُ: آمين.[۳]

ترجمہ: آمین اور اَمین: کلمۂ دعا ہے جو دعا کے بعد پڑھا جاتا ہے، فارسی نے کہا کہ یہ فعل اور اسم سے مرکب جملہ ہے، اس کا معنی ہے: "اے اللہ قبول فرمالے۔"

وہ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب فرعون اور اس کے پیروکاروں کے خلاف یہ دعا کی: "اے رب ہمارے! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے۔" تو حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آمین کہی۔ (یعنی اے رب قبول فرما۔)

اور قرآن حکیم نے پست آواز سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً"[٤]

ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو، گڑگڑا کر، اور خُفیہ (پست آواز سے)۔

یہ حکم قرآن پاک کا ہے اور حکم کا ادنیٰ درجہ ندب واستحباب ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ آمین پست آواز سے کہنا مندوب وافضل ہے، لہٰذا جن حدیثوں سے بلند آواز سے آمین کہنا ثابت ہوتا ہے وہ یا تو مؤول ہیں جیسا کہ بعض اہل سیر نے بیان فرمایا، یا بیان جواز پر محمول ہیں۔

---

(۱) مدارك التنزيل للإمام النسفي، ج:۲، ص:٤٧٣، مكتبة نزار مصطفى الباز.
(۲) القرآن الحكيم، سورة يونس:۱۰، الأية: ۸۸ .
(۳) لسان العرب، ج:۱، ص:۱۱٦، دار صادر، بيروت.
(٤) القرآن الحكيم، سورة الأعراف:۷، الأية: ٥٥ .

اٹھائیسواں مسئلہ

مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے

کتابُ اللہ اور احادیثِ نبویہ سے ثبوت

امام بارگاہِ الٰہی میں تمام مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے اور تلاوتِ قرآن کے وقت خاموشی آدابِ تلاوت سے بھی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ امام جب بارگاہِ الٰہی میں ایک نمائندہ کی حیثیت سے اس کا کلام پڑھ کر سنا رہا ہو تو اس کے وفد کے تمام ارکان خاموش ہوں اور امام کی قراءت ہی سب کے لیے قراءت تسلیم کرلی جائے کتاب وسنت میں اس بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں، چند ملاحظہ ہوں:

① عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيِّ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي مُوسىٰ الْأَشْعَرِيِّ صَلَاةً ... فَقَالَ أَبُو مُوسَى: ... إِنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- خَطَبَنَا ... فَقَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ... وَفِي حَدِيثِ جَرِيرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ قَتَادَةَ مِنَ الزِّيَادَةِ: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.

فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ : هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا؟ فَقَالَ (مسلمٌ) : هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ.[1]

---

(١) ● الصحيح لمسلم ملتقطًا، ج: ١، ص: ١٧٤، كتاب الصلاة / باب التشهد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

● و سنن ابن ماجه ص: ١٠٠، كتاب إقامة الصلاة / باب إذا قرأ الإمام فأنصِتُوا، بيت الأفكار الدّولية.

خلاصۂ حدیث یہ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم لوگ نماز پڑھو تو صفیں درست کرلو، پھر تم میں سے کوئی امامت کرے، اور وہ جب تکبیر کہے تم لوگ بھی تکبیر کہو۔ اور ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: اور جب وہ قراءت کرے تو چپ رہو۔ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

② عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ –صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ–: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا. (١)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم لوگ چپ رہو۔

③ عن جابر بن عبد الله –رضي الله تعالى عنهما– قال: قال رسول الله –صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ–: مَنْ صلّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ. (٢)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔

---

(١) سنن ابن ماجه ص: ١٠٠، كتاب إقامة الصلاة/ باب إذا قرأ الإمام فأنصِتوا ، بيت الأفكار الدولية.

(٢) كتاب الآثار للإمام محمد بن الحسن الشيباني، ج:١،ص: ١٥٣ — ١٥٥، كتاب الصلاة / باب القراءة خلف الإمام وتلقينه، دار الايمان.

وتمام الحديث: عن جابر بن عبد الله الأنصاري، قال: صلى رسول الله –صلى الله تعالى عليه وسلم– ورجل خلفه يقرأ فجعل رجل من أصحاب النبي –صلى الله تعالى عليه وسلم– ينهاه عن القراءة في الصلاة فقال: أ تنهاني عن القراءة خلف نبي الله؟ فتنازعا حتى ذكر ذلك للنبي –صلى الله تعالى عليه وسلم– فقال النبي –صلى الله تعالى عليه وسلم– : من صلى خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة.

● المؤطّا للإمام محمد ص:٩٨، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام، مجلس البركات، مبارك فور.

● والسُّنن الكبرىٰ للبيهقي ج: ٢، ص: ١٦٠، كتاب الصلاة / باب من قال: لايقرأ خلف الإمام على الإطلاق ، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

④ عَنْ عبد الله بن شدّاد، قال رسول الله -صلی الله تعالیٰ علیه وسلَّمَ-:
مَنْ كَانَ لَه إِمَامٌ، فإنّ قراءة الإمام لَه قراءةٌ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شدّاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لیے کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔

یہ اور اس مضمون کی احادیث کثیرہ شاہد ہیں کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدی پر چپ رہنا واجب ہے کیوں کہ امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔

لیکن اس کے برخلاف وہابی اہل حدیث مقتدی پر سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض قرار دیتے ہیں۔

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقي ج: ۲، ص: ۱۶۰، کتاب الصلاة / باب مَن قال: لایقرأ خلف الإمام علی الإطلاق، دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد.

انتیسواں مسئلہ

اِستخارہ

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

"**اِستخارہ**" کا لغوی معنی ہے "طلبِ خیر"۔ اور اس کا شرعی مفہوم دعا کے کلمات سے ظاہر ہے کہ "جو کام بندے کے دین، دنیا اور عاقبت کے لحاظ سے خیر و بہتر ہو اس کے لیے خدائے ذوالجلال سے آسانی کی راہ فراہم کرنے کا سوال کیا جائے۔"

اللہ کے حبیب سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو چھوٹے، بڑے، عظیم، جلیل، اہم، غیر اہم ہر طرح کے امور میں اِستخارہ کی تعلیم دیتے تھے۔

دلائلِ اہلِ سنت

چناں چہ صحیح البخاری میں ہے:

① عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا-، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يُعَلِّمُنَا الاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنْ الْقُرْآنِ.

يَقُولُ: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لْيَقُلْ:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، (أَوْ قَالَ:) عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، (أَوْ قَالَ:) فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ."

قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ.(١)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہم کو تمام امور میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جیسے قرآن کی سورت تعلیم فرماتے تھے۔

حضور فرماتے، جب تم میں کوئی کسی کام کا قصد کرے تو دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ — آخر تک —".

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کی وجہ سے استخارہ کرتا اور اُس چیز کا بیان چاہتا ہوں جو میرے لیے بہتر ہے اور میں تجھ سے تیرے قادر ہونے کی وجہ سے اس امر پر قدرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضلِ عظیم کا سوال کرتا ہوں کہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں، اور تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا، اور تو سارے غیبوں کا جاننے والا ہے۔

اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین اور معیشت اور انجامِ کار میں بہتر ہے۔ یا فرمایا — فی الحال اور آیندہ بہتر ہے۔ تو اسے میرے لیے مقدّر کر دے اور آسان فرما دے پھر اس میں میرے لیے برکت دے۔ اور اگر اے خدا تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین، اور معیشت اور انجامِ کار میں بُرا ہے۔ — یا فرمایا — اِس وقت اور آیندہ بُرا ہے، تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور

---

(١) ❀ صحيح البخاري، ج: ١، ص: ١٥٥، كتاب التهجّد / باب ما جاء في التّطوّع مَثنىٰ مَثنىٰ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ وصحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٤٤، كتاب الدعوات/ بابُ الدعاء عند الاستِخارة، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ وصحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١٠٩٩، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد/ بابُ قوله: "قُلْ هُوَ الْقَادِرُ"، مجلس البركات، مبارك فور.

میرے لیے خیر کو مقدر فرما، جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس سے راضی فرمادے۔ اب اپنی حاجت ذکر کرے۔

" كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰن. جیساکہ ہمیں قرآن کی سورت تعلیم فرماتے تھے"۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بیان کر کے امت مسلمہ کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی نگاہ میں اِستخارہ کی بڑی اہمیت وعظمت تھی۔

قرآن مقدس کی طرح استخارہ کی تعلیم دینے میں حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ امت کو اس کی اہمیت یاد رہے اور جب کوئی منکر اسے کسی دغاباز کا عمل بتائے تو امت کو مُعلِّم استخارہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یاد آجائے اور منکر سے دور رہے۔

فرمان رسالت کے مقابل، فرمان امام الوہابیہ:

صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث پیش نظر رکھ کر اب امام وہابیہ کا فرمان سنیے، لکھتے ہیں:

"کوئی کشف کا دعویٰ رکھتا ہے، کوئی استخارہ کے عمل سِکھاتا ہے... یہ سب جھوٹے ہیں اور دغاباز، ان کے جال میں ہرگز نہ پھنسنا چاہیے۔"[۱]

اور ایک مقام پر تو "حضرت جی" نے اس کار شتہ شرک سے جوڑ دیا ہے، لکھتے ہیں:

"جو کوئی غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ رکھتا ہے... اس نے شرک کی بات کی،... اور کشف اور **استخارہ** کا دعوی کرنے والے اس میں داخل ہیں۔"[۲]

اگر کوئی عالم دین کسی مسلمان کو حدیثِ نبوی کے مطابق استخارہ کا عمل سکھائے تو (خدا کی پناہ) امام الوہابیہ کے مذہب میں

- وہ جھوٹا ہے،
- دغاباز ہے،
- اس نے شرک کی بات کی،
- وہ جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔

یہ ہے " فرقۂ اہل حدیث " کا عمل بالحدیث، کہ جو حدیثِ صحیح پر عمل کرے وہ ان کے نزدیک

---

(۱) تقوية الإيمان، ص: ۲۰، الفصل الثاني في رد الإشراك في العلم، راشد كمپنى، ديو بند

(۲) تقوية الإيمان، ص: ٤٥، الفصل الرابع في ذكر ردّ الإشراك في العبادة، راشد كمپنى، ديو بند.

جھوٹا و دغاباز، وغیرہ ہے۔

ہم مسلمانوں کے مزید اطمینان قلب کے لیے یہاں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حدیثیں اور نقل کرتے ہیں:

② عَنْ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللهِ.»(١)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابو وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی سعادت سے ہے کہ اللہ کے قضاو قدر پر راضی رہے اور ابن آدم کی شقاوت و بدبختی سے ہے کہ اللہ سے استخارہ چھوڑ دے۔

③ عَنْ أنسٍ قال: قال رسُولُ الله صلى الله تعالى عليه وسلم: يا أَنَس! إذا هممتَ بأمرٍ فاستخِرْ ربَّك فيه سبع مرات، ثم انظر إلى الذي يسبق إلىٰ قلبك، فإنّ الخير فيه.(٢)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس، جب تم کسی کام کا قصد کرو تو اپنے رب سے اس میں سات بار اِستخارہ کرو، پھر غور کرو کہ تیرے دل میں کیا گزرا کہ بے شک اسی میں خیر ہے۔

ان احادیث سے حدیث بخاری کی تائید ہوتی ہے اور مجموعی طور پر یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اِستخارہ ایک جائز و مستحسن عمل ہے جسے وہابیہ "شرک کی بات" اور "دغا" وغیرہ کہتے ہیں۔

---

(١) ❀ جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٣٧، ٣٨، أبواب القدر عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-/ باب ما جاء في الرضا بالقضاء، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ وكنز العُمّال ج:٧، ص: ٨١٤، الفصل الثالث في النوافل ... والاستخارة. مؤسّسة الرسالة، بيروت

(٢) ❀ كتاب عمل اليوم و الليلة للإمام الحافظ أبي بكر أحمد السنّي الدينوري، ص: ٢٨١، ٢٨٢/ باب كم مرّة يستخير اللهَ عزّ و جلّ، مكتبة دار البيان، دمشق.
❀ وكنز العُمال ج: ٧، ص: ٨١٣، الفصل الثالث في النوافل ... والاستخارة، مؤسسة الرسالة، بيروت.

تیسواں مسئلہ

بالغ کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

احادیث نبویہ سے شافی بیان

دو سال یا اس سے کم عمر کا بچہ کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لے تو وہ نسبی اولاد کی طرح دودھ پلانے والی عورت پر حرام ہو جاتا ہے کیوں کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ شیر خوار عورت کا رضاعی بیٹا ہو جاتا ہے اور وہ عورت اس کی رضاعی ماں ہو جاتی ہے اس پر عامۂ صحابۂ کرام و تابعین عظام و فقہاے امصار کا اتفاق ہے۔

البتہ سراج الامہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ رضاعت کا رشتہ ڈھائی سال کی عمر تک دودھ پینے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور امام زُفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی مدت تین سال مقرر کرتے ہیں اور بہر حال ان حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صغیر کو دودھ پلانے سے ہی حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے اور کبیر کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت نہیں ثابت ہوتی۔

یہ الگ بات ہے کہ صغیر کے لیے مدت رضاعت کتنی ہو اس میں ان حضرات کے درمیان اختلاف ہے تو اکثر نے دو سال کہا اور بعض نے ڈھائی سال یا تین سال کا موقف اختیار کیا۔ چناں چہ امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وقال سائرُ العلماء من الصَّحابة والتابعين و علماءِ الأمصار إلى الآن: لا

يثبت إلّا بإرضاع مَن لَه دون سنتين، إلّا أبا حنيفة ، فقال: سنتين و نصف. و قال زُفر : ثلٰثُ سنين و عن مالك رواية سنتين و أيام."[1]

ترجمہ: علماے صحابہ وتابعین اور اب تک کے علماے اَمصار کا قول یہ ہے کہ حرمت رضاعت صرف دو سال سے کم عمر کے بچے کو دودھ پلانے سے ثابت ہوگی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مدت ڈھائی سال تک اور امام زُفر تین سال تک بتاتے ہیں اور امام مالک سے ایک روایت ہے کہ دو سال چند روز کا ہو تو بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اس کے بر خلاف وہابیہ، غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ جوان مرد کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ چناں چہ قاضی شوکانی نے اپنی کتاب "الأدلّة الرضية" میں لکھا ہے:

و يجوز إرضاعُ الكبير و لو كان ذا لحية لتجويز النظر اه.[2]

ترجمہ: کبیر کو دودھ پلانا جائز ہے اگر چہ صاحبِ ریش ہو تاکہ اجنبی مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہو جائے۔

غیر مقلدوں کے امام ابن الحزم ابو محمد، ظاہری اُندلسی کی کتاب "المحلی" میں ہے:

"إرضاع الكبير مُحرّم و لو أنه شيخ كما يُحرِّم رضاع الصغير، و لا فرق".[3]

ترجمہ: اور بالغ کے دودھ پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اگر چہ وہ بالغ بوڑھا ہو جیسا کہ بچے کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اس بارے میں بچے، جوان، بوڑھے میں کوئی فرق نہیں۔

---

(۱) المنهاج شرح "الصحيح لمسلم بن الحجاج" للنووي ، ج: ۱، ص: ٤٦٩، كتاب الرضاعة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ❀ الأدلّة الرضية للقاضي الشوكاني، (متوفى: ۱۲۵۰ھ) ج: ۱، ص: ۱۳٦، الباب الثامن : باب الرضاع .

❀ و الدرّاري المضية شرح الدرر البهية للقاضي محمد بن علي بن محمد الشوكاني، (متوفى: ۱۲۵۰ھ) ج: ۱، ص: ۲۹۲، باب الرضاع.

(۳) المحلى لابن حزم، ج: ۷، ص: ۱۷، أحكام الرضاع، دار الفكر، بيروت

دلائلِ اہلِ سنت

فقہائے امت نے اپنے مذہب کے ثبوت میں کتاب اللہ کی آیات اور احادیث نبویہ سے استناد کیا ہے ہم یہاں ان کے کچھ دلائل اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

① اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔(۱)

ترجمہ: اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت مکمل کرنا چاہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اور پورے دو سال پلانا واجب نہیں، ہاں جو پلانا چاہے اسے دو سال تک پلانے کی اجازت ہے۔

② ارشاد ربّانی ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔(۲)

ترجمہ: بچے کے پیٹ میں رہنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمل کے شکم میں رہنے کی مدت بھی ڈھائی سال ہے، اور دودھ پلانے کی مدت بھی ڈھائی سال ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مدتِ رضاعت ڈھائی سال ہے تو یہ آیت کریمہ آپ کے مذہب کی واضح دلیل ہوئی۔

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا۔(۳)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۲۳۳

(۲) القرآن الحكيم، سورة الأحقاف: ٤٦، الآية: ١٥.

(۳) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۲۳۳.

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو رضاعت کو مکمل کرنا چاہے پھر اگر دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

عربی زبان میں "فا" بعدیت پر دلالت کرنے کے لیے آتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دو سال پورا ہونے کے بعد ماں باپ کے لیے ارادۂ "فِصال" کا حق ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دو سال کے بعد بھی بچے کو دودھ پلانا جائز ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دو سال کے بعد مزید چھ مہینے کا حق مانتے ہیں اس لیے کہ چھ مہینے کا زمانہ بچے میں تغیر کا زمانہ ہے کیوں کہ بچہ ماں کے شکم میں چھ مہینے تک ماں کی غذا سے خوراک حاصل کرتا ہے پھر اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ کتاب اللہ میں دو سال کے بعد رضاعت کا حق کب تک ہے بیان نہیں کیا گیا ہے مگر جو بچہ کامل دو سال تک دودھ پیے گا وہ فوراً اسے چھوڑ نہیں سکتا اس لیے دودھ چھڑانے کی مدت، اقلِ مدتِ حمل کے پیش نظر چھ مہینے ہونی چاہیے۔

④ عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا- قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَعِنْدِي رَجُلٌ، قَالَ: «يَا عَائِشَةُ مَنْ هٰذَا؟»، قُلْتُ: أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَالَ: «يَا عَائِشَةُ، انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ».[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور اُس وقت وہاں ایک آدمی بھی موجود تھا، حضور نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی، یہ میرا رضاعی بھائی ہے، تو سرکار نے فرمایا، عائشہ! غور کرلو، تمھارا رضاعی بھائی کون ہو سکتا ہے؟ رضاعت تو دودھ کی سخت بھوک پر ہی ہوتی ہے۔

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۶۱، كتاب الشهادات/ باب الشّهادة على الأنساب و الرضاع، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ وج: ۲، ص: ۷٦٤، كتابُ النكاح/ بابُ مَن قال: لا رِضاع بعد الحولَين ومَا يُحرّم من قليل الرضاع وكثير، مجلس البركات، مبارك فور .
❀ و: الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ٤٧٠، كتابُ الرّضاعة/ أخر حديث الباب، مجلس البركات، مبارك فور .

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ایک شرعی ضابطہ مقرر فرمادیا ہے:

إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ. یہاں المجاعة سے مراد مجاعة اللبن ہے۔ اس کا قرینہ الرَّضاعة کا لفظ ہے کہ رضاعت طعام کی نہیں لَبن کی ہوتی ہے اور دودھ کی سخت بھوک اور تڑپ کم سن بچوں کو ہوتی ہے، بڑوں کو نہیں۔ تو اس حدیث پاک کا حاصل یہ ہوا کہ کم سنی میں دودھ پینے سے ہی رشتۂ رضاعت ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے غور کرلو کہ اس شخص نے کم سنی میں تمھاری ماں کا دودھ پیا ہے جب بچے کو دودھ کی سخت بھوک اور تڑپ ہوتی ہے اور وہ اس کے لیے روتا ہے، یا یہ عمر گزرنے کے بعد دودھ پیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عمر زیادہ ہونے کے بعد بھوک اور تڑپ کھانے کی ہوتی ہے اور دودھ کا صرف شوق رہ جاتا ہے۔

کلمۂ إنّما بالاتفاق حصر کے لیے ہوتا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے کلمۂ حصر کے ساتھ ضابطہ بیان کرکے رہنمائی فرمائی ہے کہ رضاعت کا یہ رشتہ صرف صغیر کے دودھ پینے سے ہی ثابت ہوتا ہے، کبیر کے دودھ پینے سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔

⑤ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَا رِضَاعَ بَعْدَ الفِطَامِ وَ لَا يُتْمَ بَعْدَ حُلُمٍ“[1]

ترجمہ: دودھ چھوڑنے کی مدت کے بعد کوئی رضاعت نہیں اور بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں۔

⑥ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ ، وَكَانَ قَبْلَ الفِطَامِ.[2]

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حرمت صرف اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو آنتوں کو چھاتی کا دودھ پینے سے کھول دے اور یہ دودھ چھوڑنے سے پہلے کا زمانہ ہوتا ہے۔

---

(۱) المعجم الأوسط للطبراني، ج:۷، ص:۲۲۲، رقم الحديث: ۷۳۳۱، دار الحرمين للطباعة والنشر.

(۲) جامع الترمذي ، ج: ۱ ، ص: ۱۳۷ ، باب ما جاء أن الرضاعة لا تُحرِّم إلّا ما في الصغر دون الحولين. مجلس البركات، مبارك فور.

اور جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات سے ظاہر ہے دودھ چھوڑنے کا زمانہ دو یا ڈھائی سال کا ہے چناں چہ ارشاد ربانی ہے: وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ ـــــ نیز ارشاد باری ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔

ان دونوں احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر مدتِ رضاعت کے سلسلے میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ بجائے خود اہمیت کی حامل ہے اور اسی وجہ سے ڈھائی سال کی عمر تک دودھ پینے سے احتیاطاً ثبوتِ حرمت کا حکم دیا جاتا ہے۔

⑦ عَنْ أَبِي مُوسَى الهلالي عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: لاَ يحرم من الرِضَاع إِلاَّ مَا أَنْبَتَ اللَّحْمَ وأنشر العظم. ويروى بالراى،أي أحياهُ وبالزاى، أي: رفعه.[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شیر نوشی گوشت بڑھائے اور ہڈی میں زندگی کی قوت بخشے، یا ہڈی کو موٹی کرے وہی حرمت کا سبب بنتی ہے۔

یہ الفاظ امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں روایت کیے۔[2]

اور امام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی البستی (م۳۸۸ھ) نے معالم السنن، شرح ابوداؤد میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

لا رضاع إلّا ما أنشر العظم وأنبت اللحم-[3]

ترجمہ: رضاعت تو صرف وہ ہے جو ہڈی کو مضبوط کرے اور گوشت بڑھائے۔

یعنی رضاعت کا حکم صرف کمسن بچے کے دودھ پینے سے ثابت ہوگا کیوں کہ صرف اسی کے گوشت اور ہڈی میں دودھ سے نشوونما ہوتی ہے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۲۳۵، كتاب النكاح/ بابٌ في رضاعةِ الكبير، رقم الحديث: ۲۰۶۰.

(۲) فتح القدير، ج:۳، ص:۴۲۶، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية

(۳) معالم السنن، ج:۳،ص: ۱۸۶،كتاب النكاح/ بابٌ في رضاعة الكبير،مطبعة العلمية، حلب.

⑧ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لا رِضَاعَ إِلاَّ مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ. فَقَالَ أَبُو مُوسَى: لَا تَسْأَلُونَا وَهَذَا الْحِبْرُ فِيكُمْ.[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ایک صاحبزادے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: رضاعت تو وہی ہے جو ہڈی کو مضبوط کرے اور گوشت اُگائے۔ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ ہم سے مسئلے نہ پوچھا جب کہ یہ فقیہ متبحر تمھارے درمیان موجود ہیں۔

ایک شخص نے غلطی سے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا تھا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس سے فرمایا کہ "تمھاری بیوی تم پر حرام ہوگئی"۔ تب یہ مسئلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بارگاہ میں پیش ہوا جس کا جواب انھوں نے وہ دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے بتائے ہوئے مسئلے سے رجوع فرمالیا۔[2]

حضرت ابن مسعود کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لیے حلال ہے کیوں کہ جوان شخص کے دودھ پینے سے رضاعت کا حکم نہیں ثابت ہوتا۔

⑨ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عبد الله ابْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- وَأَنَا مَعَهُ عِنْدَ دَارِ الْقَضَاءِ يَسْأَلُهُ عَنْ رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ، فَقَالَ عبد الله ابْنُ عُمَرَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- فَقَالَ: إِني كَانَتْ لِي وَلِيدَةٌ وَكُنْتُ أَطَؤُهَا فَعَمَدَتِ امْرَأَتِي إِلَيْهَا فَأَرْضَعَتْهَا، فَدَخَلْتُ عليها، فَقَالَتْ: دُونَكَ فَقَدْ وَاللهِ أَرْضَعْتُهَا فَقَالَ عُمَرُ: "أَوْجِعْهَا وَائْتِ جَارِيَتَكَ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ رَضَاعَةُ الصِّغَرِ "[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آیا، اس وقت میں حضرت ابن عمر کی خدمت میں دار القضا کے پاس موجود تھا، اس شخص

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۲۳۵، كتاب النكاح/ بابٌ في رضاعةِ الكبير، رقم الحديث: ۲۰۶۰.

(۲) فتح القدير، ج:۳، ص:۴۲۷، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية- وأخرج الحديث مالكٌ في المؤطا بسند صحيح.

(۳) ● المؤطّا للإمام مالك بن أنس، ج:۲، ص: ۱۲۵، كتابُ الرِّضاع/ ما جاء في الرّضاعة بعد الكبر، دار الغرب الإسلامي.

● السّنن الكبرى للبيهقي، ج:۷، ص: ٤٦١، كتاب الرضاع/ باب رضاع الكبير.

نے سوال کیا کہ بڑی عمر کا آدمی عورت کا دودھ پی لے تو کیا حکم ہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا:

ایک شخص حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ میری ایک باندی ہے جس سے میں جماع کرتا ہوں، میری بیوی نے قصداً اُسے دودھ پلا دیا، پھر جب میں باندی کے پاس جانے لگا تو بیوی نے کہا: ٹھہرو، کیوں کہ خدا کی قسم میں نے اسے دودھ پلا دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اسے سزا دو، تم اپنی باندی سے جماع کر سکتے ہو کہ رضاعت تو صرف کم سنی کی رضاعت ہے۔ یعنی رضاعت کا حکم صرف کم سنی میں دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے۔

قرآن حکیم کی آیات اور احادیثِ نبویہ سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ

رضاعت کا رشتہ صرف شیر خوار کے کسی عورت کا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے اور شیر خواری کا زمانہ دو سے ڈھائی سال کی عمر تک ہے۔

حکمت بالغہ:

اس میں شریعت طاہرہ کی یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ دودھ پینے سے ایک اجنبی اور شیر خوار کے درمیان ماں اور بیٹے کا جو پاکیزہ اور بڑا ہی قابل احترام و شفقت رشتہ وجود میں آتا ہے وہ ایسی ہی ننھی عمر کا متقاضی ہے، عمر کم سے کم ہوتی ہے تو وہ شفقت و احترام اور پاکیزگیِ نفس کے جذبات سے لبریز ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف جوان شخص کسی عورت کا دودھ پیے تو اس سے عورت اور جوان شخص کے درمیان شفقت و احترام اور پاکیزگیِ نفس کے جذبات نہیں اُبھر سکتے، بلکہ - خدا کی پناہ - اس سے شہوانی جذبات کو تحریک مل سکتی ہے جو شریعت طاہرہ کی حکمت بالغہ کی صریح ضد و منافی ہے۔

بعض استثنائی واقعات الگ ہیں، عاداتِ ناس سے ظاہر ایسا ہی ہے۔

تو جوان شخص کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت کا موقف اختیار کرنا ضرور کتاب و سنت کے ان نصوص کے خلاف اور شریعت طاہرہ کی حکمتِ بالغہ سے صرفِ نظر ہے۔

اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سہلہ بنت سُہیل کو ایک جوان شخص سالم کو دودھ پلانے کی جو اجازت دی اس میں تفصیل ہے۔

(الف) حدیثِ سہلہ مخصوص ہے:

سہلہ والی حدیث ان کے اور سالم کے ساتھ مخصوص ہے۔

أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- كَانَتْ تَقُولُ: أَبَى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ: وَاللَّهِ مَا نَرَى هَذَا إِلاَّ رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- لِسَالِمٍ خَاصَّةً، فَمَا هُوَ بِدَاخِلٍ عَلَيْنَا أَحَدٌ بِهَذِهِ الرَّضَاعَةِ وَلاَ رَائِينَا.(۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی زوجہ مقدسہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ (حضرت عائشہ کے سوا) نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج طاہرات کو یہ ناگوار تھا کہ کوئی جوان شخص کسی عورت کا دودھ پی کر رشتۂ رضاعت کی وجہ سے اس کے پاس آئے۔ ان ازواج نے حضرت عائشہ سے کہا کہ ہم تو (سہلہ بنت سُہیل کے واقعہ کے بارے میں) بس یہی سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص سالم کو یہ رخصت دی تھی، اس لیے کوئی بھی شخص اس طرح کی رضاعت کی بنا پر نہ ہمارے پاس آسکتا ہے، نہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔

امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

”وحملوا حديث سهلة على أنه مختص بها وبسالم، وقد روى مسلم عن أم سلمة وسائر أزواج رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أنهن خالفن عائشة في هذا، والله أعلم“(۲)

ترجمہ: علمائے صحابہ و تابعین اور عصر حاضر تک کے علمائے امصار نے حضرت سہلہ کی حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ حضرت سہلہ و سالم کے ساتھ مخصوص ہے، امام مسلم نے حضرت اُمّ سلمہ اور دوسری ازواج مطہرات سے یہ روایت کیا ہے کہ وہ اس مسئلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخالف تھیں۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٦٩، كتاب الرضاع، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج:۱، ص:٤٦٩، كتاب الرضاع، مجلس البركات، مبارك فور.

مخصوص ہونے کے شواہد:

اُمّہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور علماے صحابہ و تابعین اور بعد کے علماے امت نے اس حدیث کو حضرت سہلہ اور سالم کے ساتھ خاص بتایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

● احادیثِ کثیرہ ناطق ہیں کہ حرمتِ رضاعت صرف کم سنی میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے" یہاں تک کہ ایک حدیث: "إنَّما الرَّضَاعَةُ مِنَ المَجَاعَة" خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے جو تشریع عام کی دلیل ہے اس لیے حضرت سہلہ و سالم کا واقعۂ حال ان کے ساتھ مخصوص ہے، عامۂ امت کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

● پھر آیت حجاب کا حکم بھی تمام اجنبی مردوں اور عورتوں کو عام ہے، سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ان دونوں کو اس سے مستثنیٰ فرمادیا۔

● نیز انسانی جز سے انتفاع جائز نہیں جیسا کہ آیت کریمہ: "وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ"(۱) شاہد ہے۔ مگر حضرت سالم کے لیے یہ مباح کر دیا گیا۔

● اور اجنبی مرد کے لیے کسی عورت کے پستان پر منھ لگانا جائز نہیں، ارشاد باری ہے:

"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝"(۲)

ترجمہ: اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ۔

یہاں ایک احتمال اس کی اجازت کا بھی ہے۔

ان امور سے بھی اُس واقعۂ حال کے مخصوص ہونے کی تایید ہوتی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تشریع (شریعت میں قانون سازی) کا اختیار دیا ہے اس لیے حضور نے حضرت سالم اور سہلہ کو شریعت کے ایک حکم عام سے الگ کر کے خاص ان کے حق میں جوانی میں شیر خواری کو رشتۂ رضاعت کا سبب بنادیا، تو اسے حکم عام کی حیثیت سے جاری نہیں کرنا چاہیے کہ "اذنِ خاص" دلیلِ عام نہیں ہوتا۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة بني إسرائيل: ۱۷، الآية: ۷۰.

(۲) القرآن الحكيم، سورة بني إسرائيل: ۱۷، الآية: ۳۲.

(ب) حدیث سہلہ منسوخ ہے:

اور امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باب کی حدیثوں کا جائزہ لے کر ایک اور حقیقت کا انکشاف کیا ہے، فرماتے ہیں:

"وَالْجَوَابُ أَنَّ هَذَا كَانَ ثُمَّ نُسِخَ بِآثَارٍ كَثِيرَةٍ عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَالصَّحَابَةِ -رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ- تُفِيدُ اتِّفَاقَهُمْ عَلَيْهِ."[1]

ترجمہ: حضرت سہلہ والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ اجازت پہلے تھی، پھر بعد میں منسوخ ہو گئی، ناسخ وہ کثیر احادیث وآثار ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت کے نسخ پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے۔

اس کے بعد انھوں نے آٹھ احادیث وآثار صحابہ نقل کیے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کم سنی کی رضاعت سے ہی حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، ساتھ ہی نسخ پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا بڑا بصیرت افروز جواب بھی دیا ہے۔[2]

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو حضرت سہلہ والی حدیث منسوخ ہو چکی ہے اور منسوخ سے استناد اور اس پر عمل جائز نہیں۔

اس لیے جوان شخص کو نہ کسی اجنبی عورت کا دودھ پینے کی اجازت ہے نہ حرمتِ رضاعت کے ثبوت میں اس کا کچھ اثر۔

وہابیہ کو اپنے موقف پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔

---

(۱) فتح القدير، ج:۳، ص: ٤٢٦، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية.

(۲) یہ اعتراض اور جواب ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں، فتح القدير، ج:۳، ص:٤٢٧، فإن قلت: عرف مِن أصلكم، إلخ.

اکتیسواں مسئلہ

ایک نشست میں تین طلاق

تین یا ایک؟

احادیث نبویہ سے واضح بیان

صاحب عقل وفہم شوہر اگر اپنی مدخولہ بیوی (۱) کو ایک نشست میں تین طلاقیں دے دے تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے کہ اس پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی خواہ یہ طلاقیں اس نے ایک ہی

(۱) **مدخولہ:** وہ بیوی جس سے شوہر نے تنہائی میں ملاقات کی اور وہاں جماع سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ گفتگو اسی عورت کی طلاق میں ہے۔
اور وہ عورت جس سے شوہر نے تنہائی میں ابھی ملاقات نہیں کی یا ملاقات تو کی مگر وہاں جماع سے کوئی چیز مانع تھی مثلاً گھر کی کوئی عورت تھی، یا ماہ رمضان کا روزہ تھا تو وہ عورت "غیر مدخولہ" کہلاتی ہے اس کو شوہر نے اگر ایک ساتھ تین الگ کلموں سے تین طلاقیں دے دیں مثلاً کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق تو وہ بالاتفاق ایک ہی طلاق سے نکاح سے نکل جاتی ہے اور طلاق کا محل نہیں رہتی اس لیے اس پر ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور بعد کی دو طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ غیر مقلدین نے احادیث میں غیر مدخولہ کا حکم پڑھا اور وہی حکم مدخولہ پر بھی چسپاں کر دیا، حالاں کہ احادیث وآثار میں دونوں کے احکام جدا جدا بیان کیے گئے ہیں۔
شرح معاني الآثار للإمام أبي جعفر الطحاوي، ج:۳،ص: ۵۵ تا ۵۸، كتاب الطلاق/ باب الرّجل يطلّق امرأته ثلثا معاً. اور الاستذكار للإمام ابن عبد البر المالكي، ج:۱۷، ص: ۷ تا ۳۰، كتاب الطلاق/ باب ما جاء في "البتّة" دار قتيبة للطباعة والنشر، دمشق، بيروت. اور معرفة السنن والأثار للإمام البيهقي، ج:۱۱، ص: ٦٤ تا ص:٦٦، باب الطلاق، طلاق الّتي لم يدخل بها، دار قتيبة للطباعة والنشر، دمشق، بيروت- میں ان احادیث وآثار کا تفصیلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ۱۲ منہ

جملہ میں دی ہوں یا الگ الگ جملوں میں، یہی ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے اور یہی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت ہے۔

لیکن اس کے برخلاف وہابی غیر مقلدین یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ایک نشست میں تین طلاقیں دینے پر بھی ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ بلا شبہہ کتاب و سنت اور اجماع سے کھلا "انحراف" ہے۔

دلائلِ اہلِ سنت

ہم اس کی وضاحت کے لیے اہلِ حق - اہلِ سنت و جماعت - کے دلائل پیش کرتے ہیں:

① قرآن حکیم سورۂ بقرہ میں ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ(۱)

ترجمہ: طلاق دو بار تک ہے، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے، یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔

اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا گیا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ(۲)

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے اسے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ دوسرے شوہر کے پاس رہے۔

ان آیات میں تینوں طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے، کہ ایک، دو طلاق تک شوہر کو رجعت کا اختیار ہے کہ چاہے تو عورت کو واپس کر لے اور چاہے تو چھوڑ دے، تیسری طلاق کے بعد اختیار نہ رہے گا اور عورت بغیر حلالہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔

حکم تینوں طلاقوں کا بیان کر دیا گیا، لیکن کسی بھی طلاق کے ساتھ یہ شرط نہیں ذکر کی گئی کہ وہ الگ مجلس میں ہو، بلکہ ان احکام کو مطلق، بلا شرط و قید رکھا گیا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے لہٰذا جب قرآن حکیم میں ہر طلاق کا حکم مطلق بیان کیا گیا ہے، تو وہ بہر حال جاری ہوگا، خواہ شوہر نے ایک ہی مجلس میں دوسری یا تیسری طلاق دی ہو، یا الگ الگ مجلس میں، ہاں اگر قرآن پاک

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۲۹
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۳۰

میں یہ ہوتا فَاِنْ طَلَّقَهَا فِيْ مَجْلِسٍ اٰخَرَ ۔ ”اگر تیسری طلاق الگ مجلس میں دے دی“ تو مجلس کی شرط قابلِ اعتنا ہوتی لیکن قرآن حکیم میں ایسا کہیں بھی نہیں، اس لیے یہ شرط قرآن پر زیادتی ہے۔

علاوہ ازیں عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ: ”فا“ تعقیب مَعَ الفور کے لیے ہے، یعنی جس چیز پر ”فـا“ داخل ہوتی ہے وہ چیز فا کے ماقبل کے بعد فوراً ہوتی ہے۔ جیسے کسی نے کہا جاءني زیدٌ فعمرٌو زید آیا پھر عمرو، یہاں تک کہ غیر مقلدوں کے نزدیک بھی حرفِ فا کا یہی مفہوم ہے چناں چہ ان کے امامِ مجتہد نذیر حسین دہلوی صاحب نے اپنی کتاب معیار الحق کے آخر میں جمع بین الصلاتین کی بحث میں یہ لکھا ”فا، ترتیب بے مہلت کے لیے ہے۔“(۱)

تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر شوہر نے دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے دی خواہ فوراً یا بعد میں کسی وقت، تو وہ دوسرے شوہر کے ساتھ رہے بغیر حلال نہ ہوگی، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے:

② عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيّ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ عُوَيْمِرًا العَجْلاَنِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَاصِمُ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَسَأَلَ عَاصِمٌ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- المَسَائِلَ وَعَابَهَا، حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-.

فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ، جَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ: يَا عَاصِمُ، مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-؟ فَقَالَ عَاصِمٌ: لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ، قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- المَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا.

---

(۱) معیار الحق کی اصل عبارت یہ ہے: ”فإن الفاء على لفظة ”فتوضأ فصلّى“ للترتيب بلا مهلة. قال في ”الفوائد الضيائية“: الفاء للترتيب بلا مهلة، هذا القيدُ مِمّا فَاتَ المصنّف، ولا بدّ منهُ، مشمولہ: انتصار الحق في إكساد أباطيل معيار الحق، ص: ٦٣٣، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

ومعیار الحق فی تنقید تنویر الحق، ص: ۳۱۰، جامعہ تعلیم القرآن والحدیث.

قَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتّٰى أَسْأَلَهُ عَنْهَا، فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتّٰى أَتٰى رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَسَطَ النَّاسِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ. أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ، فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا» قَالَ سَهْلٌ: فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَلَمَّا فَرَغَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا، قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: «فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ».(۱)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عُویمر عجلانی حضرت عاصم بن عدی کے پاس آئے اور کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس مرد کو قتل کردے (اور اگر وہ ایسا کرے) تو تم اس شخص کو قتل کردو گے یا وہ کیا کرے؟ اے عاصم! تم حضور اقدس ﷺ سے میرے لیے یہ مسئلہ دریافت کرو۔

حضرت عاصم نے حضور سے یہ مسئلہ معلوم کیا تو رسول کریم ﷺ نے ایسے مسائل معلوم کرنا ناپسند کیا اور معیوب قرار دیا۔ حضور اقدس کا یہ جواب سن کر عاصم پر شاق گزرا، جب حضرت عاصم اپنے گھر پہنچے تو ان کے پاس حضرت عُویمر آئے اور پوچھا اے عاصم! رسول کریم نے کیا فرمایا ہے؟

عاصم نے کہا: تم اچھی خبر نہیں لائے، میں نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا تو حضور نے اس کو ناگوار سمجھا۔ حضرت عُویمر نے کہا خدا کی قسم! میں اس وقت تک خاموش نہیں رہوں گا جب تک کہ خود رسول کریم ﷺ سے یہ مسئلہ نہ پوچھ لوں۔ پھر حضرت عُویمر لوگوں کی موجودگی میں رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا اس کو قتل کردے (اگر وہ ایسا کرے) تو آپ اس کو قتل کردیں گے؟ یا وہ کیا کرے؟

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۷۹۱، كتابُ الطلاق/ بابُ مَن أجاز طلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٨٨، ٤٨٩، كتابُ اللِّعان، مجلس البركات، مبارك فور.

حضور اقدس نے فرمایا: تمھارے اور تمھاری بیوی کے بارے میں حکم نازل ہو گیا ہے، جاؤ اپنی بیوی کو لے کر آؤ۔ حضرت سہل کہتے ہیں کہ ان دونوں نے لِعان کیا، میں بھی اس وقت لوگوں کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے پاس حاضر تھا۔ جب وہ دونوں لِعان سے فارغ ہوئے تو حضرت عُویمر نے کہا:

یا رسول اللہ! میں نے اب اگر اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا **پھر انھوں نے حضور اقدس ﷺ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں**، ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ پھر لعان کرنے والوں میں یہی طریقہ رائج ہو گیا۔

میاں، بیوی میں سے ایک لعان کرے اور دوسرا نہ کرے تو واضح ہو جاتا ہے کہ سچا کون ہے اور فیصلہ کس کے حق میں ہو گا۔

لیکن اگر میاں، بیوی دونوں لعان کرلیں تو سچ مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس حدیث کے واقعہ میں میاں، بیوی دونوں نے ہی بارگاہِ رسالت میں لِعان کر لیا: قال سھلؓ: فتلاعنا. اس لیے قرینِ قیاس یہ ہے کہ حضرت عُویمر عجلانی کو لعان کے بعد شبہہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ انھیں اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کا حکم فرما دیں، اس لیے انھوں نے عرض کیا:

كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا۔ یا رسول اللہ! اگر میں نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تو میں جھوٹا ہوں گا۔

پھر انھوں نے اسے تین طلاقیں دے دیں تاکہ اس کی واپسی کا امکان نہ رہ جائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ:

(ا) صرف لعان کر لینے کی وجہ سے زوجین کے درمیان تفریق نہیں واقع ہوتی، یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

(ب) لہٰذا لعان کے بعد عورت طلاق کا محل باقی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عُویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد لعان اپنی بیوی کو طلاق دی۔

(ج) تین طلاقیں ایک ساتھ دینا گناہ ہے مگر اس کے بغیر عورت کی واپسی کا دروازہ مکمل طور پر بند نہیں ہو سکتا تھا اور حضرت عُویمر کو وہ عورت سخت ناگوار تھی، اس لیے تین طلاقیں دے دیں، تا کہ واپسی کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو جائے۔

حضرت عُویمر کو یہ نہیں معلوم تھا کہ لِعان کے بعد تفریق کر دی جائے گی، اس وجہ سے وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے تین طلاقوں کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور تھے، اس لیے انھوں نے یہ راہ اختیار کی ● یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھیں پہلے سے ایقاعِ ثلاث کی ممانعت کا علم نہ ہو ● یا ابھی ممانعت کا حکم ہی نہ آیا ہو۔

● الغرض سبب جو بھی ہو نبیِ کریم ﷺ سے کہیں یہ منقول نہیں کہ حضور نے ان پر انکار فرمایا ہو، جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ عُویمر اپنی لاعلمی یا عذر کی بنا پر قابل عفو تھے۔

(د) اور بہر حال یہ تو ثابت ہو گیا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور یہی عامۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے جیسا کہ آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کا عنوان "بابُ مَن أجازَ الطّلاقَ الثلاثَ" رکھا یعنی تین طلاقیں نافذ ماننے والوں کا باب۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس "ترجمة الباب" سے یہ ذہن دیا ہے کہ حدیثِ باب سے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں کے وقوع کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

☆ اور سنن ابی داؤد کی روایت سے تو یہ مفہوم روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، الفاظ یہ ہیں:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي هَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَأَنْفَذَهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- وَكَانَ مَاصُنِعَ عِنْدَ رسول الله-صلى الله عليه وسلم- سُنَّةً.(۱)

ترجمہ: سہل بن سعد نے اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا کہ عُویمر نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے تینوں طلاقیں نافذ فرما دیں، اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جو ہوا وہ سنت ٹھہرا۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۲۵۵، كتابُ الطّلاق/ بابُ اللِعان، رقم الحديث: ۲۲۵۰.

③ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي، وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيرِ الْقُرَظِيَّ، وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ».[1]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ان کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خبر دی کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھ کو "طلاق بتّہ" دے دی، میں نے اس کے بعد عبد الرحمٰن بن زَبیر سے نکاح کر لیا، اور میں نے ان کو کپڑے کے چھور کی طرح پایا، تو حضور نے فرمایا کہ شاید تم دوبارہ رفاعہ کے یہاں جانا چاہتی ہو تم الگ نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ عبد الرحمٰن تمھارا شہد چکھ لیں اور تم ان کا۔

اس حدیث میں "طلاقِ بتّۃ" سے مراد تین طلاق ہے کیوں کہ حلالہ کی ضرورت اسی طلاق میں ہوتی ہے۔ اس کی تائید اسی حدیث کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جو "کتاب الأدب" میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے:

فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الزَّبِيرِ إلخ.[2]

ترجمہ: رفاعہ قُرظی کی بیوی نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ رِفاعہ کے نکاح میں تھی تو انھوں نے اسے تیسری طلاق دے دی تو ان کے بعد اس سے عبد الرحمٰن بن زبیر نے نکاح کیا الخ۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت رفاعہ قُرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی نشست میں اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے دی تھیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے "بابُ من أجاز الطلاق الثلاث" کے تحت نقل فرمایا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۷۹۱، كتاب الطلاق، بابُ مَن أجاز طَلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۸۹۹، كتاب الأدب/ باب التبسم والضحك، مجلس البركات، مبارك فور.

الگ الگ تین طہر یا تین مجلس میں طلاق دی جائے تو اس کے وقوع میں تو کسی کو کوئی کلام ہی نہیں ہے، کلام اگر ہو سکتا ہے تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے بارے میں، اس لیے "مَن أجاز الطلاق الثلاث" کا تعلق مجلسِ واحد کی تین طلاقوں سے ہے، یہی ظاہر ہے۔[1]

④ صِحاح ستّہ کی مشہور کتاب "سنن ابن ماجہ" میں ایک باب ہے: "بابُ مَن طَلّق ثلاثًا في مجلسٍ واحد" ایک مجلس میں تین طلاق کا بیان۔

پھر اس کے تحت یہ حدیث نقل کی:

عن عامر الشعبي قال: قلت لفاطمة بنت قيس: حدّثِيني عن طلاقك، قالت: طلَّقني زوجي ثلاثا وهو خارج إلى اليمن. فأجاز ذلك رسول الله -صلى الله عليه و سلم-.[2]

ترجمہ: حضرت عامر شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ آپ مجھے اپنی طلاق کا واقعہ بتائیں، تو انھوں نے کہا:

میرے شوہر نے یمن جاتے وقت مجھے تین طلاقیں دے دیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ فرما دیں۔

الفاظ حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس کے شوہر نے ایک ہی مجلس میں تینوں طلاقیں دی تھیں۔

اس کی تائید اسی حدیث کی دوسری روایت سے ہوتی ہے، جسے حدیث کی مستند کتاب "دار قطنی" میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

أَنَّ حَفْصَ بْنَ الْمُغِيرَةِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فِي كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ ، فَأَبَانَهَا مِنْهُ النَّبِيُّ

---

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں، لاکھوں حدیثیں آپ کے پیش نظر تھیں اس لیے ظاہر یہی ہے کہ ان کے سامنے اس حدیث کی کوئی روایت ایسی تھی جس سے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینے کا جزم ہوا۔ کسی کو اس میں تردّد ہو تو وہ اس دلیل سے صرف نظر کر سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) سنن ابن ماجه، ص: ۲۲۰، كتاب الطلاق/ باب مَن طلّق ثلاثا في مجلس واحد، رقم الحديث: ۲۰۲٤.

-صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-.(۱)

ترجمہ: حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک ہی جملے میں تین طلاقیں دے دیں، تو نبی کریم ﷺ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

حدیث پاک کی دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں اور ایک ہی جملے میں دی گئی تین طلاقوں کو رسول کریم ﷺ نے نافذ کر دیا، یہی وجہ ہے کہ محدث ابن ماجہ نے اس حدیث کو "ایک مجلس میں تین طلاق" کے عنوان سے نقل کیا ہے۔

⑤ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- بِذَلِكَ وَقَالَ: "وَاللّٰهِ مَا أَرَدْتُ إِلاَّ وَاحِدَةً." فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-: « وَاللّٰهِ مَا أَرَدْتَ إِلاَّ وَاحِدَةً ». فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا أَرَدْتُ إِلاَّ وَاحِدَةً. فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-.

فَطلَّقهَا الثّانيةَ في زمانِ عُمرَ والثالثة في زمانِ عثمانَ.(۲)

ترجمہ: نافع بن عُجیر بن عبد یزید بن رکانہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سُہیمہ کو "طلاق بتّہ" دے دی، پھر انھوں نے نبی کریم ﷺ کو واقعہ کی خبر دی اور عرض کیا کہ خدا کی قسم میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ رسول کریم نے پوچھا: خدا کی قسم تو نے صرف ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی؟ تو رکانہ نے عرض کی کہ خدا کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی، تو رسول کریم ﷺ نے ان کی بیوی انھیں لوٹا دی۔

پھر حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں انھوں نے دوسری طلاق دی، اور تیسری طلاق حضرت عثمان کے زمانے میں دی۔

یہ روایت ہے حضرت رکانہ کے ایک پوتے حضرت نافع بنٰ عُجیر کی اور انھی کے دوسرے

---

(۱) سنن الدار قطني، ج: ۲، ص: ۱۰، كتاب الطلاق، رقم الحديث: ۳۸۷۷، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) ❀ سنن أبي داؤد، ص: ۲۵۱، كتاب الطلاق/ باب في البتة، رقم الحديث: ۲۲۰۶.
❀ سنن ابن ماجه، ص: ۱۴۸، كتاب الطلاق/ باب طلاق البتة، المكتبة الأشرفية

پوتے عبد اللہ بن علی نے بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے، البتہ ان کی روایت میں سرکار کے جواب کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: "هو علىٰ ما أردتَ"[1] طلاق وہی پڑی جس کی تو نے نیت کی۔

"بَتّہ" کا لفظ مصدر ہے اور مصدر "فردِ حقیقی" کا بھی احتمال رکھتا ہے اور "فردِ حکمی" کا بھی، طلاق کا فردِ حقیقی ایک ہے، اور فردِ حکمی تین، تو طلاق بتّہ کے لفظ میں "ایک" اور "تین" دونوں ہی افراد کا احتمال ہے۔

اب کسی بھی ایک احتمال کی تعیین ہوگی "بیانِ نیت" سے، اس لیے حضرت رکانہ نے خود ہی اپنی نیت بتادی کہ میں نے ایک طلاق مراد لی ہے مگر ایک طلاق مراد لینے میں چوں کہ تہمت کا شبہہ ہے کہ بیوی کو بچانے کے لیے احتمال کا فائدہ اٹھایا، اس لیے انھوں نے قسم بھی کھالی۔

شبہۂ تہمت کی صورت میں بیانِ نیت کا اعتبار قسم کے ساتھ ہی ہوتا ہے، اس کی مزید توثیق کے لیے رسول کریم ﷺ نے ان سے دوبارہ قسم لی۔

اس لیے حضرت رُکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی پر ایک طلاق پڑی، ایسا نہیں کہ انھوں نے تین طلاقیں دیں اور ایک پڑی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت رُکانہ نے "طلاق بتّہ" سے تین طلاق مراد لی ہوتی تو ان کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوتیں۔ اور اگر تین طلاقیں پڑنے کا احتمال نہ ہوتا تو حضرت رکانہ، نہ تو قسم کھاتے اور نہ ہی رسول کریم ﷺ قسم لیتے کہ ایسی صورت میں قسم کھانا اور قسم لینا دونوں لغو ہوتا، لیکن جب رسول کریم ﷺ نے قسم لی اور حضرت رُکانہ نے قسم کھائی تو اس سے ثابت ہوا کہ اگر ان کی نیت تین طلاق کی ہوتی تو گو کہ وہ لفظ انھوں نے ایک مجلس میں اور ایک ہی دفعہ میں کہا تھا تاہم حضور اقدس کا فیصلہ یہی ہوتا: "هو علىٰ ما أردتَ" طلاق وہی پڑی جس کی تو نے نیت کی، یعنی تین طلاق۔

وہابی غیر مقلدین کا موقف اور دلیل:

ان روشن دلائل کے برخلاف غیر مقلدین نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین نہیں ہوتیں بلکہ ان سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے، چناں چہ وہابیوں کے پیشوا مولوی

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۲۵۱، كتاب الطلاق / باب في البتة، رقم الحديث: ۲۲۰۸.

14

وحید الزماں لکھتے ہیں:

ولو طلّق غير المدخول بها، أو الصّغيرة، أو الآئسة أو الحامل التى استبان حملُها ثلثًا بكلمة واحدةٍ، أو بكلماتٍ مُتفرقةٍ فى مجلس واحدٍ فيقع الواحد .... ولو قال لموطوءته: "أنت طالق ثلاثًا للسنة أو "على طريق السنة" فلا تقع إلا واحدة. وكذلك لو كانت غير موطوءة.(۱)

ترجمہ: غیر مدخولہ یا صغیرہ یا آئسہ یا حاملہ کو ایک کلمہ سے تین طلاق دی یا ایک نشست میں الگ الگ کلموں سے تین طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر اپنی موطوءہ بیوی سے کہا "تجھے تین طلاق سنت" یا "تجھے بطور سنت تین طلاق" تو بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی، یوں ہی اگر غیر موطوءہ ہو تو بھی ایک ہی واقع ہوگی۔

اس سلسلے میں انھیں کافی تلاش و جستجو کے باوجود صحیح بخاری شریف میں کچھ نہ ملا، اور صحیح مسلم شریف میں بھی سوائے ایک صحابی کے بیان کے کوئی حدیث نہ ملی اور جو بیان ملا وہ ان کے لیے حجت نہیں۔

ساتھ ہی یہ ایک ضعیف و منکر حدیث کا بھی سہارا لیتے ہیں، ہم یہاں وہ دونوں روایتیں ا۔ مختصر تبصرے کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

① أخبرنا ابنُ جريجٍ، أخبرني بعضُ بَني أبي رافع، مولى النّبيّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- عن عِكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس، قال: طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ أُمَّ رُكَانَةَ ... ثُمَّ قَالَ: «رَاجِعِ مَرْأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ». فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلاَثًا يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: «قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعْهَا»(۲)

ترجمہ: ابن جُریج کہتے ہیں کہ مجھے ابو رافع کے لڑکوں میں سے بعض نے خبر دی کہ عکرمہ نے بتایا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ابو رکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دے دی... تو رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) كنز الحقائق من فقه خير الخلائق، ص: ٦٩، كتاب الطلاق، شوكة الإسلام، بنغلور.

(۲) سنن أبي داؤد، ص: ٢٥٠، كتاب الطلاق/ باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، رقم الحديث: ٢١٩٦.

فرمایا: اپنی بیوی ام رکانہ کو لوٹا لو، انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے تو اسے تین طلاقیں دے دی ہیں، حضور نے فرمایا مجھے معلوم ہے، تم اسے نکاح کر کے لوٹا لو۔

(۲) عن ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس قال: كان الطلاق على عهد رسولِ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- و أبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمرُ بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم.[1]

ترجمہ: حضرت طاؤس روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دو سال تک تین طلاق ایک مانی جاتی تھی، تو حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: جس بات میں لوگوں کے لیے ڈھیل اور آسانی تھی اس میں وہ جلدی بازی کرنے لگے تو اب بہتر یہ ہے کہ ہم اسے ان پر نافذ کر دیں، پھر حضرت فاروق نے ان پر اسے نافذ فرما دیا۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں تین طلاقوں کو تین قرار دیا گیا، اس سے پہلے تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق مانا جاتا تھا۔

لیکن اس استدلال کی حیثیت ایک شبہۂ ضعیف سے زیادہ نہیں، اس کی قدرے تشریح یہ ہے:

وہابیوں کی پہلی دلیل "حدیث اول" پر کلام:

(الف) حدیث اول ضعیف و منکر ہے، اس کے راوی مجہول لوگ ہیں، چناں چہ شرح صحیح مسلم میں امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أمّا الرواية التي رواها المخالفون أن ركانة طلّق ثلاثا فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين.[2]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٧٧، ٤٧٨، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح "الصحيح لمسلم بن الحجّاج"، ج:۱، ص: ٤٧٨، بابُ طلاقِ الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: یہ روایت کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔ اور رسول اللہ نے اسے ایک طلاق قرار دیا، ضعیف روایت ہے جس کے راوی مجہول لوگ ہیں۔

(ب) طلاق کا معاملہ عموماً گھر میں پیش آتا ہے اس لیے گھر والوں کو واقعہ کا صحیح علم ہوتا ہے اور گھر کے لوگوں کی روایت یہ ہے کہ رُکانہ نے "طلاق بتّہ" دی تھی اور خود رُکانہ نے حضور ﷺ کے دربار میں قسم کھا کر یہ اعتراف کیا تھا کہ ان کی نیت ایک طلاق کی تھی، اور اس کے برخلاف تین طلاق کی روایت گھر والوں کے علاوہ دوسروں کی ہے، تو معاملہ طلاق میں گھر والوں کی روایت کے خلاف دوسروں کی روایت مقبول نہ ہوگی، چناں چہ محدث جلیل الشان حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نافع بن عُجیر اور عبد اللہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی "طلاق بتّہ" والی روایتوں کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ : "أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا" لأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتِهِ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهِ. وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ رَوَاهُ عَنْ بَعْضِ بَنِي أَبِي رَافِعٍ.[1]

ترجمہ: "طلاق بتّہ" والی یہ حدیث، ابن جُریج کی اس حدیث سے اَصَح ہے کہ "رُکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں" کیوں کہ نافع بن عُجیر اور عبد اللہ بن علی حضرت رُکانہ کے اہل خانہ ہیں اور اہل خانہ کو واقعہ کا علم زیادہ ہوتا ہے اور ابن جُریج کی حدیث کو تو ابو رافع کے کسی بیٹے نے روایت کیا (جو مجہول بھی ہے اور اہل خانہ سے بھی نہیں)

یہی محدث ابوداؤد ایک اور مقام پر ابن جریج والی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَحَدِيثُ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- أَصَحُّ. لأَنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ وَأَهْلَهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- وَاحِدَةً.[2]

ترجمہ: نافع بن عُجیر اور عبد اللہ بن علی کی یہ روایت کہ "رُکانہ نے اپنی بیوی کو "طلاق بتہ"

---

(۱) سنن أبي داؤد، ص: ۲۵۱، كتاب الطلاق/ بابٌ في البتة، رقم الحديث: ۲۲۰۸.

(۲) سنن أبي داؤد، ص: ۲۵۰، كتاب الطلاق/ باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، رقم الحديث: ۲۱۹۶.

دی تھی اور نبی ﷺ نے انھیں رکانہ کو لوٹا دیا تھا" صحیح ہے، اس لیے کہ یہ لوگ رکانہ کی اولاد ہیں اور اہل وعیال کو اس بات کا خوب علم تھا کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو صرف "طلاق بتّہ" دی ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے (رکانہ سے قسم لے کر) اسے ایک طلاق قرار دیا۔

امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم شریف میں یہ لکھنے کے بعد کہ تین طلاق والی روایت کے راوی مجہول لوگ ہیں اور وہ روایت ضعیف ہے، صراحت فرماتے ہیں کہ:

و إنما الصحیح منها ما قدمناه أنه طلّقها البتة.[1]

ترجمہ: صحیح صرف وہ روایت ہے جو ہم پہلے نقل کر آئے کہ رکانہ نے "طلاق بتّہ" دی تھی۔

ایک اور محدث امام ابن حجر شافعی فرماتے ہیں:

أَنَّ أَبَا دَاوُدَ رَجَّحَ أَنَّ رُكَانَة إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَته اَلْبَتَّة كَمَا أَخْرَجَهُ هُوَ مِنْ طَرِيق آل بَيْت رُكَانَة، وَهُوَ تَعْلِيلٌ قَوِيٌّ لِجَوَازِ أَنْ يَكُونُ بَعْض رُوَاته حَمَلَ "اَلْبَتَّة" عَلَى الثَّلَاث فَقَالَ: طَلَّقَهَا ثَلَاثًا، فَهَذِهِ النُّكْتَة يَقِف الِاسْتِدْلَال بِحَدِيثِ اِبْنِ عَبَّاس.[2]

ترجمہ: محدث ابوداؤد نے اس روایت کو ترجیح دیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو محض "طلاق بتّہ" دی تھی، کیوں کہ اس حدیث کے راوی رکانہ کے اہل وعیال ہیں اور یہ مضبوط دلیل ہے اور ابن جریج والی روایت میں یہ ممکن ہے کہ بعض راویوں نے لفظ "اَلبتَّة" کو تین طلاق پر محمول کر کے یہ روایت کر دیا ہو کہ انھوں نے تین طلاق دی تھی تو اس نکتہ کی وجہ سے ابن عباس کی اس روایت سے استدلال ساقط الاعتبار ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ لفظ "اَلبتَّة" ایک طلاق کا بھی احتمال رکھتا ہے اور تین طلاق کا بھی، جیسا کہ پہلے گزرا تو کسی راوی نے اس لفظ کے دوسرے احتمال کو سامنے رکھتے ہوئے "اَلبتَّة" کی جگہ "ثلاثًا" "تین" روایت کر دیا، حالاں کہ رُکانہ نے لفظ "ثلاثًا" سے طلاق نہ دی تھی، بلکہ

---

(۱) المنهاج شرح "الصحيح لمسلم بن الحجاج" للنووي، ج: ۱، ص: ۴۷۸، بابُ طلاقِ الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج:۹، ص: ۳۶۳، كتابُ الطلاق/ بابُ مَن جوّز الطلاق الثلاثَ، دار الفكر، بيروت

لفظ "اَلْبَتَّة" سے دی تھی۔

اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر "ثلاثًا" والی روایت کسی سند سے صحیح بھی ہو تو بھی رُکانہ کے گھر والوں کی روایت اُس پر راجح ہوگی کہ ان کو حقیقت واقعہ کا علم زیادہ ہے۔

(ج) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے مجہول راویوں نے جو حدیث روایت کی ہے کہ "رُکانہ نے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ایک قرار دیا"، یہ حدیث اس لیے بھی ناقابل عمل اور ساقط الاستدلال ہے کہ حضرت ابن عباس کے فتاویٰ اس کے برخلاف ہیں، صحابۂ کرام میں سے کسی بھی صحابی سے یہ ناممکن ہے کہ وہ رسول اللہ کی حدیث روایت کریں پھر اس کے بعد اس کے خلاف فتویٰ صادر کریں، اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی صحابی حدیثِ رسول کی روایت کے بعد اس کے خلاف عمل کرے، یا فتویٰ دے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث یا تو بعد میں منسوخ ہو گئی یا کسی کی گڑھی ہوئی ہے، اس لیے قابلِ عمل نہیں، چناں چہ نورُ الانوار میں ہے:

و المروي عنه: . . . إذا عمل بخلافهٖ بعد الرواية مما هو خلاف بيقين سقط العملُ بهٖ لأنه إن خالفه للوقوف على نسخهٖ أو موضوعيتهٖ فقد سقط الاحتجاج به.[1]

ترجمہ: حدیث کا راوی روایت کے بعد جب اس کے خلاف عمل کرے اور یہ عمل حدیث کے خلاف ہونا یقینی ہو تو اس حدیث پر عمل (کا حکم) ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ راوی نے اس حدیث کے خلاف عمل یا تو اس وجہ سے کیا ہے کہ اسے اُس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہو گیا، یا یہ معلوم ہو گیا کہ وہ حدیث گڑھی ہوئی ہے، لہٰذا اس سے استدلال ساقط ہو جائے گا۔

الغرض تین طلاق کو ایک قرار دینے والی حدیث تین تین طرح سے ناقابلِ عمل اور ناقابلِ استدلال ہے:

ایک: اس لیے کہ یہ حدیث ضعیف و مُنکر ہے، اس کے راوی مجہول افراد ہیں۔

دوسرے: اس لیے کہ یہ حدیث حضرت رُکانہ کے اہل و عیال کی روایت کے خلاف ہے۔

تیسرے: اس لیے کہ راویِ حدیث حضرت ابن عباس کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

---

(۱) نور الأنوار، ص: ۱۹٤، مبحث طعن يلحق الحديث، مجلس البركات، مبارك فور.

وہابیوں کی دوسری دلیل: "حدیث دوم" پر کلام:

حدیث دوم حضرت طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق ایک مانی جاتی تھی۔ یہ بھی دو وجہ سے ناقابلِ استدلال ہے:

(الف) یہ حدیث مطلق ہے، جس کے عموم میں مدخولہ، غیر مدخولہ، مجلسِ واحد اور مجالسِ مختلفہ سبھی داخل ہیں، تو حدیث کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ ● شوہر، مدخولہ کو تین طلاق دے یا غیر مدخولہ کو ● ایک ساتھ ایک کلمہ میں تین طلاقیں دے، یا کئی دفعہ میں اور کئی کلموں میں ● ایک مجلس میں تین طلاقیں دے، یا الگ الگ کئی مجلسوں میں، بہر حال تین طلاق ایک ہی طلاق مانی جاتی تھی، حالاں کہ یہ بلا شبہہ قطعًا، یقینًا احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ حدیث اپنے عموم و اطلاق کے لحاظ سے ناقابلِ حجت ہے۔

(ب) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ اس حدیث کے بھی خلاف ہیں، لہٰذا اس حیثیت سے بھی یہ حدیث اپنے عموم کے ساتھ قابلِ حجت نہ رہی۔

ان دونوں وجوہ کے پیشِ نظر اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے، کیوں کہ اس حدیث کے عموم میں جیسے ایک مجلس داخل ہے، ویسے ہی تین مجلسیں بھی تو داخل ہیں، ساتھ ہی تین طہر بھی تو شامل ہیں تو پھر یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ تین مجلس اور تین طہر اور تین کلمات میں دی گئی تین طلاقیں بھی ایک ہی طلاق ہوں گی، حالاں کہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث مؤول ہے، اسی لیے علماے امت نے اس کی کئی **تاویلیں** فرمائیں۔

(۱) عہدِ صحابہ میں تکرارِ طلاق سے مقصود تاکید ہوتی تھی:

پہلے لوگ عموماً طلاق کی تکرار تاکید کے لیے کرتے تھے، نئی طلاق مقصود نہیں ہوتی تھی، بعد میں ان کا عرف بدل گیا اور طلاق کی تکرار کر کے دوسری، تیسری طلاق مراد لینے لگے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ طلاقیں بھی عمومی طور پر نافذ کر دیں، اس کی صراحت شرح مسلم میں ہے (۱)

---

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٧٨، باب طلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

اور اب تو حال یہ ہے کہ لوگ تین طلاق سے کم کو طلاق سمجھتے ہی نہیں، وہ اسی لیے تین طلاقیں دیتے ہیں تاکہ طلاق پکی ہو جائے، تو یہ بلا شبہہ تکرار طلاق سے دوسری، تیسری طلاق کا پکا ارادہ ہے، نہ کہ پہلی طلاق کی تاکید۔ عرف بدل جاتا ہے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔

اس کے شواہد ہم نے اپنی کتاب "فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول" میں پیش کیے ہیں اس لیے عرف ناس اور حالات زمانہ کے تغیر سے چشم پوشی کر کے بدلے ہوئے حکم پر جمے رہنا فقہ شناسی کی روش سے بعید تر ہے۔

(۲) یہ حدیث خاص غیر مدخولہ کے متعلق ہے:

عہدِ رسالت اور عہد صدیقی میں اور خلافتِ فاروقی کے ابتدائی دو سالوں تک غیر مدخولہ کو جب کوئی طلاق دیتا تو الگ الگ، ایک ایک طلاق دیتا، اس لیے بعد کی دو طلاقیں لغو ہو جاتیں اور اعتبار صرف پہلی طلاق کا ہوتا، لیکن بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں لوگ ایک ساتھ اسے تین طلاق دینے لگے، اس لیے اب تینوں طلاقوں کا اعتبار ضروری تھا، اس تاویل کی تائید ابوداؤد شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّ رَجُلًا، يُقَالُ لَهُ أَبُو الصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَأَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟،

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَلَى، «كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَأَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ، فَلَمَّا رَأَى النَّاسَ قَدْ تَتَابَعُوا فِيهَا، قَالَ: أَجِيزُوهُنَّ عَلَيْهِمْ».(۱)

ترجمہ: حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ابو الصہباء نام کے ایک شخص حضرت ابن عباس سے اکثر سوال کرتے رہتے تھے، انھوں نے عرض کی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ شوہر اپنی غیر مدخولہ بیوی کو تین

---

(۱) سنن أبي داؤد ، ص: ۲۵، کتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، رقم الحديث: ۲۱۹۹

طلاقیں دے دیتا تو اسے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق کے زمانے میں اور عمر فاروق کی خلافت کے ابتدائی دور میں ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیوں نہیں، شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ دخول (خلوت یا جماع) سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا تو عہد رسالت و عہد صدیقی میں اور عمر فاروق کی خلافت کے ابتدائی عہد میں اسے ایک طلاق مانا جاتا تھا، پھر جب حضرت عمر نے دیکھا کہ لوگ "ایک ساتھ"[1] تین طلاقیں دینے لگے ہیں تو فاروق اعظم نے فرمایا کہ تینوں طلاقیں ان پر نافذ کر دو۔

مسلم شریف کی حدیث جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کے الفاظ "قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة" کا بھی مفاد یہی ہے کہ الگ الگ تین طلاق میں "ڈھیل اور آسانی" تھی، لیکن انھوں نے "جلدی بازی" کر کے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا شروع کر دیا۔

اس حدیث پاک سے بہت کھل کر یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابن عباس کی دوسری روایت جس سے تین طلاق کے ایک ہونے کا شبہہ پیدا ہو رہا تھا اس کا تعلق خاص اس صورت سے ہے جب شوہر نے اپنی غیر مدخولہ بیوی کو تین بار میں تین طلاقیں دی ہوں اور اس باب میں ہم اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ غیر مدخولہ کو اس طرح طلاق دی جائے تو صرف ایک طلاق پڑے گی۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خلافت فاروقی میں لوگوں کی عادت تبدیل ہو چکی تھی اور وہ تین بار میں طلاق دینے کے بجائے ایک ساتھ ہی دفعۃً تین طلاقیں دینے لگے تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے صحابۂ کرام کی موجودگی میں تین طلاقیں قرار دیا، کیوں کہ اب صورت مسئلہ بدل چکی تھی اور یہی ہمارا مذہب ہے، چوں کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ شریعت اسلامیہ کے عین مطابق تھا، اس لیے صحابۂ کرام نے بلا انکار نکیر اسے تسلیم فرمایا جو ان کے اجماع کی دلیل ہے۔

---

(۱) عون المعبود شرح سنن ابو داود میں ہے:

"قَدْ تَتَابَعُوا فِيهَا": أَيْ فِي الطلّقات الثّلَاث دَفْعَةً، وَقَوْله: "تَتَابَعُوا" بِالْبَاءِ الْمُوَحَّدَة، وَفِي بَعْض النُّسَخ "تَتَايَعُوا" بِيَاءٍ مُثَنَّاة مِنْ تَحت، وَهُمَا بِمَعْنًى أَيْ أَسْرَعُوا فِي الطلّقَاتِ الثّلَاث بِأَنْ أَوْقَعُوهَا دَفْعَة. اهـ (عون المعبود شرح سُنن أبي داؤد، لأبي الطيب محمد شمس الحق العظيم أبادي الوهابي، ج:٦، ص: ٢٧٥، كتاب الطلاق/ باب بقية نسخ المراجعة، المكتبة السلفية بالمدينة المنورة)

الحاصل کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماع امت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی مسلمان اپنی مدخولہ بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دے خواہ ایک دفعہ میں، یا کئی دفعہ میں، تو بہر حال اس پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اور اگر اپنی غیر مدخولہ بیوی کو ایک مجلس میں ایک ساتھ تین طلاقیں دے تو بھی تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، ہاں اگر غیر مدخولہ کو ایک مجلس میں یا متعدّد مجالس میں، کئی مرتبہ میں، یا کئی کلمات میں الگ الگ تین طلاقیں دے تو صرف پہلی طلاق پڑے گی اور بعد کی دو طلاقیں لغو ہوں گی۔

یہی مذہب تمام حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کا ہے اور یہی مذہب صحابۂ کرام کا ہے، یہی احادیث سے ثابت ہے، اس کے خلاف اگر کوئی حاکم فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہو گا، بلکہ کالعدم و باطل ہو گا کہ اس کا وہ فیصلہ اجماع کے خلاف ہے۔

ایک نشست کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماعِ صحابہ و اجماعِ فقہا

شوہر نے اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہونے پر اجماعِ صحابہ و اجماعِ فقہا ہے۔

● امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں کثیر آثار صحابہ نقل کرنے کے بعد یہ انکشاف فرماتے ہیں:

فَإِجْمَاعُهُمْ ظَاهِرٌ، فَإِنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ خَالَفَ عُمَرَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- حِينَ أَمْضَى الثَّلَاثَ،فَإِنَّ الْعِبْرَةَ فِي نَقْلِ الْإِجْمَاعِ مَا نُقِلَ عَنِ الْمُجْتَهِدِينَ، لَا الْعَوَامَ. وَالْمِائَةُ الْأَلْفُ الَّذِينَ تُوُفِّيَ عَنْهُمْ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَا تَبْلُغُ عِدَّةُ الْمُجْتَهِدِينَ الْفُقَهَاءِ مِنْهُمْ أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ كَالْخُلَفَاءِ وَالْعَبَادِلَةِ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُم - وَقَلِيلٍ. وَالْبَاقُونَ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِمْ وَيَسْتَفْتُونَ مِنْهُمْ، وَقَدْ أَثْبَتْنَا النَّقْلَ عَنْ أَكْثَرِهِمْ صَرِيحًا بِإِيقَاعِ الثَّلَاثِ وَلَمْ يَظْهَرْ لَهُمْ مُخَالِفٌ، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ.

وَعَنْ هَذَا قُلْنَا: لَوْ حَكَمَ حَاكِمٌ بِأَنَّ الثَّلَاثَ بِفَمٍ وَاحِدٍ وَاحِدَةٌ لَمْ يَنْفُذْ

حُكْمُهُ؛ لِأَنَّهُ لَا يَسُوغُ الِاجْتِهَادُ فِيهِ.(۱)

ترجمہ: ایک مجلس میں تین طلاقوں کے تین ہونے پر صحابۂ کرام کا اجماع ظاہر ہے کیوں کہ جس وقت خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں طلاقیں نافذ فرمائی تھیں کہیں منقول نہیں کہ اس وقت کسی بھی صحابیِ رسول نے ان کی مخالفت کی ہو کیوں کہ نقل اجماع میں سارے عوام کا اتفاق درکار نہیں بلکہ اس کا اعتبار ہے کہ وہ فقہاے مجتہدین سے منقول ہو۔ اور ایک لاکھ صحابۂ کرام۔ جنھیں چھوڑ کر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام دنیا سے تشریف لے گئے۔ میں فقہا کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں، جیسے خلفاے راشدین، عَبادِلہ(۲)، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انس، ابوہریرہ، اور چند اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، باقی صحابہ انھی کی

---

(۱) فتح القدير، ج: ٣، ص: ٤٥٢، ٤٥٣، كتابُ الطلاق/ بابُ طلاقِ السُّنة، بركات رضا، فور بندر.

(۲) عَبادِلَه: "عبد اللہ" نام کے چار صحابہ کو کہا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک وہ صحابہ یہ ہیں: ● عبد اللہ بن عباس ● عبد اللہ بن عمر ● عبد اللہ بن زُبیر ● عبد اللہ بن عمرو بن عاص۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور فقہاے حنفیہ کے نزدیک چوتھے صحابی "عبد اللہ بن مسعود" ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

(و) قال الإمام (فخر الإسلام: إن كان الراوي من المجتهدين كالأربعة) الخلفاء الرّاشدين (والعَبادلة) في الحاشية: العَبادلة: ابنُ عباس وابن عمر وابن الزبير وابن عمرو بن العاص، وليس منهم ابن مسعود. وقد غلط الجوهري، كذا في "القاموس". أقول: هذا عند المحدثين، فأما عند الفُقهاء الحنفية فابنُ مسعود منهم فالتغليط غلط. (وغيرهم) كأُم المؤمنين عائشة الصديقة، ومعاذ بن جبل وزيد بن ثابت وأبي موسى الأشعري وأبي الدرداء، وغيرهم رضوان الله تعالى عليهم كافّة أجمعين .... وقد سبق أن أبا هريرة فقيه مجتهد لا شك فيه. (فواتح الرحموت، ج:۲،ص: ۲۲۷، الاصل الثاني: السُّنة/ مسئلة: إذا تعذّر الجمع بين خبر الواحد والقياس، دار إحياء التراث)

عمدۃ القاری میں ہے:

ووقع في "مبهمات" النووي وغيرها: أن الجوهري أثبت ابن مسعود منهم وحذف ابن عمرو اهـ. (عمدة القاري، ج:۱،ص:۱۸۳، كتاب الإيمان/ باب: بني الإسلام على خمس، دار الفكر)

ان عبارات میں ۱۶ رمجتہدین صحابہ کا ذکر ہے، باقی ۴، ۵ صحابہ کا ذکر کشف الاسرار شرح اصول بزدوی، وغیرہ میں ہے۔ ۱۲ منہ

طرف رجوع کر کے مسائل دریافت کر لیا کرتے تھے اور ہم نے اکثر مجتہدین صحابہ سے یہ صریح نقل پیش کر دی کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ اور اس باب میں ان کا کوئی مخالف ظاہر نہ ہوا، تو حق کے بعد کیا رہا سوائے گمراہی کے، اسی وجہ سے ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی حاکم نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ نافذ نہ ہوگا کیوں کہ اس میں اجتہاد جائز نہیں۔

● امام حجۃ الاسلام ابو بکر جصّاص رازی کتاب و سنت و آثارِ صحابہ سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں:

فالكتابُ و السُّنة و إجماعُ السَّلَف توجب إيقاعَ الثلاثِ معًا و إن كانت معصية.[1]

ترجمہ: حاصلِ کلام یہ کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تینوں طلاقیں لازماً ایک ساتھ واقع ہوتی ہیں اگر چہ یہ گناہ ہے۔

● طحاوی شریف میں ہے:

لَمَّا كَانَ فِعْلُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- جَمِيعًا فِعْلًا يَجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ، كَانَ كَذٰلِكَ أَيْضًا إِجْمَاعُهُمْ عَلَى الْقَوْلِ إِجْمَاعًا يَجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ.[2]

ترجمہ: جب تمام اصحاب رسول ﷺ کا فعل واجب الحجت ہے تو یوں ہی قول عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کا اجماع بھی واجب الحجت ہوگا۔

● طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

وَفي البَحر: مَنْ أنْكَرَ وقوعَ الثلاثِ فقد خالفَ الإجماعَ. و لو حكمَ حاكمٌ بأنّ الثلاث تقع واحدة لم ينفذ حكمه؛ لأنه لا يسوغ فيه الاجتهاد.[3]

---

(۱) أحكام القرآن للإمام الجصّاص الرازي الحنفي، ج: ۱، ص: ۴۶۹، ذكر الحجاج لإيقاع الطلاق الثلاث معا، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) شرح معاني الآثار المعروف بالطحاوي، ج: ۲، ص: ۳۴، بابُ الرجل يطلّق امرأته ثلاثا معًا، مكتبه ملت.

(۳) حاشية الطّحطاوي على الدّر المختار، ج: ۴، ص: ۳۶۳، كتابُ الطلاق/ دارالكتب العلميّة.

ترجمہ: بحر الرائق میں ہے: جس نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کا انکار کیا اس نے اجماع کی مخالفت کی، لہٰذا اگر کوئی حاکم تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے کا فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، کیوں کہ اجماعی مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی۔

● صاوی شریف میں ہے:

"هذا هو المجمع عليه" یعنی اس پر اجماع ہے۔[1]

● مقدمات ابن رشد میں ہے:

وَ هُوَ مَذْهَبُ جَمِيْعِ الْفُقَهَاءِ وَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَ لَا يَشُذُّ فِي ذٰلِكَ عَنْهُمْ إِلَّا مَنْ لَا يُعْتَدُّ بِخِلَافِه مِنْهُمْ.[2]

ترجمہ: تمام فقہا و علما کا مذہب یہی ہے اور ان سے وہی شخص الگ ہے جس کی اہل علم میں کوئی حیثیت اور کوئی شمار نہیں۔

● فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے:

فالراجحُ في الموضعين تحريمُ المتعة وايقاع الثلاث، للإجماع الذي انعقدَ في عهد عُمرَ على ذلك، ولا يُحفظُ أن أحدا في عهد عمر خالفه في واحدة منها.

وقد دلّ إجماعهم على وجود ناسخ، وإن كان خفيَ عن بعضهم قبل ذلك حتى ظهرَ لجميعهم في عهد عُمرَ، فالمخالفُ بعد هذا الإجماع منابذٌ له.

والجمهورُ على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق والله تعالى أعلم.[3]

ترجمہ: دونوں جگہوں میں راجح "متعہ کی حرمت" اور "تین طلاقوں کا وقوع" ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اس پر اجماع منعقد ہو گیا تھا۔ اور ایسا کچھ محفوظ نہیں کہ حضرت عمر

---

(۱) حاشية الصاوي على الجلالين، ج: ۱، ص: ۱۹۵، سورة البقرة، دار الفكر، بيروت.

(۲) مقدمات ابن رشد، الملحق بـ "المدونة الكبرى"، ج: ۵، ص: ۲۷۹، كتاب طلاق السنة، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج: ۹، ص: ۳۱۹، كتاب الطلاق، مكتبة ابن تيمية.

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں کسی نے ان سے ان مسائل میں اختلاف کیا ہو، اور صحابۂ کرام کا یہ اجماع ناسخ کے وجود کی دلیل ہے، اگرچہ وہ ناسخ اس سے پہلے بعض صحابہ سے مخفی تھا اور وہ خلافت فاروقی میں سب پر عیاں ہو گیا تو اس اجماع کے بعد اب اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ اجماع کا مخالف ہے۔

اور جمہور علماے اسلام کے نزدیک اجماع کے بعد اختلاف غیر معتبر ہے۔

"استذکار" اور "اقناع" میں بھی ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع کی صراحت ہے۔[1]

---

(۱) ● الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار، ج:١٧، ص: ٨، ٩، دار قتيبة للطباعة والنشر، دمشق.

● الإقناع في مسائل الإجماع للإمام الحافظ أبي الحسن ابن القطان (م: ٦٢٨هـ) ج:٢،ص: ٣٥، ٣٦، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، القاهرة.

بتیسواں مسئلہ

حلالہ حلال یا حرام؟

کتاب و سنت سے شافی جواب

شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر دونوں ایک ساتھ رہنے پر راضی ہوں تو عورت حلالہ کے بعد شوہر اول کے نکاح میں آسکتی ہے۔

"حلالہ" کا مطلب یہ ہے کہ عورت طلاق کی عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاحِ صحیح کرے، پھر وہ بعدِ صحبت ہمدردی کے ارادے سے اسے طلاقِ سنت دے، یا اس کی وفات ہو جائے تو عورت اب اس طلاق یا وفات کی عدت گزارے جب یہ عدت بھی گزر جائے تو پہلے شوہر کے ساتھ عورت کا نکاح حلال ہوگا۔

دوسرے شوہر کا اپنی اس بیوی کے ساتھ "جماع" تحلیل کہلاتا ہے اور در اصل حلالہ بھی یہی ہے۔

حلالہ کی جائز و ناجائز کئی صورتیں ہیں:

(۱) حلالہ کے ارادے سے ایک وقتِ معین تک کے لیے نکاح کرے، مثلاً کہے کہ: "آج رات بھر کے لیے، یا ایک دن، یا دو دن، یا چار گھنٹے کے لیے نکاح کرتا ہوں۔"

یہ نکاح باطل ہے، جو سفاح و بدکاری کا ذریعہ ہے، ہدایہ میں ہے:

(وَالنِّكَاحُ الْمُؤَقَّتُ بَاطِلٌ) مِثْلُ: أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ إِلَى

عَشَرَةِ أَيَّامٍ . . . وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا طَالَتْ مُدَّةُ التَّأْقِيتِ أَوْ قَصُرَتْ لِأَنَّ التَّأْقِيتَ هُوَ الْمُعَيِّنُ لِجِهَةِ الْمُتْعَةِ .[1]

ترجمہ: نکاحِ موقّت باطل ہے، مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے گواہوں کی شہادت میں دس دن کے لیے نکاح کرے، مدت کے کم وبیش ہونے سے نکاح کے بطلان میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے کہ وقت مقرر کرنے سے ہی وہ مُتعہ کے معنی میں ہوا ہے اور مُتعہ باطل ہے۔

(۲) حلالہ کی شرط پر نکاح کرے، مثلاً یوں کہے کہ ”میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے شوہرِ اول کے لیے حلال کر دوں“۔

تنویر الابصار و درِّ مختار میں ہے:

(وَكُرِهَ) التَّزَوُّجُ لِلثَّانِي (تَحْرِيمًا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ) كَـ : تَزَوَّجْتُكِ عَلَى أَنْ أُحَلِّلَكِ .[2]

ترجمہ: دوسرے شوہر کا حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، مثلاً کہے کہ: ”میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے پہلے شوہر کے لیے حلال کر دوں۔“

عورت طلاق کے بعد ہی پہلے شوہر کے نکاح میں جا سکتی ہے تو ”شوہرِ اول کے لیے حلال کرنے کی شرط“ فی الواقع جماع کے بعد طلاق دینے کی بھی شرط ہے“ اور یہ شرط کتاب اللہ کے خلاف ہے، اس لیے مکروہ تحریمی و ناجائز ہے۔

یہاں یہ خیال رہے کہ عورت کو چھوڑنے کا ذکر صُلبِ عقد میں ہے، یعنی خاص کلمۂ ایجاب میں، جسے دوسرے فریق نے قبول کر کے عقد کو کراہت سے آلودہ کر دیا ہے۔

(۳) حلالہ کے لیے اجرت طے کر کے نکاح کرے مثلاً پانچ ہزار روپے کی شرط رکھے۔ یہ شرط بھی کتاب اللہ کے خلاف ہے، اس لیے یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

در مختار میں ہے:

---

(۱) الهداية، ج: ۲، ص: ۲۹۳، كتاب النكاح/ قبل باب في الأولياء والأكفاء، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الدر المختار مع تنوير الأبصار المطبوعان مع ردّ المحتار، ج: ۵، ص: ۴۷، كتاب الطلاق/ باب الرجعة، دار الكتب العلمية، بيروت.

وتأويلُ اللعنِ إذَا شَرَطَ الأجْرَ.[1]

ترجمہ: حلالہ کرنے والے پر لعنت اُس وقت ہے جب اُجرت کی شرط پر حلالہ کرے۔

(۴) کوئی شخص حلالہ کا خواہاں رہتا ہو کہ کہیں تین طلاق کا معاملہ پیش ہوا اور یہ وہاں حلالہ کے لیے حاضر ہو گیا، بلفظ دیگر اس کام کے لیے اس نے اپنے کو فارغ کر رکھا ہو، یہ بھی ناجائز ہے۔

یہ چاروں صورتیں ناجائز و گناہ ہیں اور ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ آیندہ صفحات میں اس کی دلیل پر روشنی ڈالیں گے۔

دو صورتیں جواز کی ہیں:

(۵) کسی نے طلاق والی عورت سے سنت طریقے کے مطابق نکاح کر لیا، ارادہ تو اس کا ایک ساتھ زندگی گزارنے کا تھا مگر بعدِ صحبت کبھی کسی وجہ سے جدائی ہو گئی، یہاں نکاح حلالہ کے لیے نہیں ہوا، مگر حسنِ اتفاق کہ از خود حلالہ ہو گیا۔ یہ صورت بلا شبہہ جائز ہے، مگر یہ صورت ہمارے مبحث سے خارج ہے کہ یہ "نکاحِ حلالہ" نہیں جو حلالہ کے قصد سے ہوا ہو۔

نزاعی صورت:

اب رہ گئی یہ صورت کہ:

(۶) عورت سے نکاح، حلالہ کے لیے کیا، مگر:

- نہ حلالہ کی شرط رکھی
- نہ معاوضہ کی۔
- نہ مقررہ وقت — مثلاً ایک رات، یا دو دن — تک کے لیے نکاح کیا
- اور نہ ہی وہ حلالہ کا خواہاں ہو

اس کا مقصدِ خیر یہ ہے کہ تین طلاق کی وجہ سے ایک گھر اُجڑ رہا ہے وہ پھر سے آباد ہو جائے۔

یہ صورت ہم اہلِ حق کے نزدیک جائز اور فرقۂ وہابیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ ہم اس نکاح کو صحیح کہتے ہیں اور دل میں جو قصدِ خیر مضمر ہے اسے بھی جائز کہتے ہیں۔ مگر وہابیہ نکاح کو بھی ناجائز و فاسد

---

(۱) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ج: ۵، ص:۴۸، کتاب الطلاق/ باب الرجعة، دار الكتب العلمية، بيروت.

کہتے ہیں اور دل میں چھپے ہوئے قصدِ خیر کو بھی، یہاں انھیں: " وَلِكُلِ امْرِءٍ مَا نَوَى " کی کوئی روشنی نظر نہیں آتی۔

یہی صورت ہمارے اور اُن کے درمیان نزاعی ہے۔

تنقیحِ مبحث:

یہاں یہ امر قارئین پر مخفی نہ رہے کہ عورت کو چھوڑنے کا قصد دل میں ہو، یہ الگ بات ہے اور اس کو چھوڑنے کا ذکر ایجاب یا قبول کے الفاظ وکلمات میں ہو، یہ الگ بات ہے دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

نکاح کا انعقاد نیت سے نہیں ہوتا، الفاظ وکلمات سے ہوتا ہے۔ مرد وعورت آمنے سامنے بیٹھ کر دل میں ایک دوسرے سے نکاح کی نیت کر لیں اور گھنٹوں اسی نیت کے ساتھ وہاں جمع رہیں نکاح نہیں منعقد ہوگا۔ اور اگر کلماتِ نکاح سے ایجاب وقبول کر لیں تو فوراً نکاح منعقد ہو جائے گا، اگرچہ دل میں نیت نکاح کی نہ ہو، بلکہ ہزل اور تفریح کی ہو جیساکہ حدیث نبوی [1] اس کی شاہد ہے، اس لیے جب ایجاب یا قبول کے کلمات میں عورت کو چھوڑنے کی شرط ہوگی تو نکاحِ حلالہ مکروہ وناجائز

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسولُ الله ــصلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: ثلاثٌ جِدُّهُنَّ جدٌّ، وهزلُهُنَّ جدٌّ: النِّكاحُ والطّلاقُ والرّجعة.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جن میں قصد بھی "قصد" ہے اور مذاق وتفریح بھی "قصد" ہے: ● نکاح ● طلاق ● اور رجعت۔

یعنی ان امور کو کوئی ان کے قصد وارادے سے انجام دے، یا ہنسی مذاق میں، بہر حال موجود اور واقع ہو جائیں گے۔

● سُنن أبي داؤد، ص:۲۴۹، كتاب الطلاق/ بابٌ في الطلاق على الهزل، رقم الحديث: ۲۱۹٤.

● جامع الترمذي، ج:۱، ص:۱٤۲، كتاب الطلاق / باب الجِدّ والهزل في الطلاق، مجلس البركات، مبارك فور.

● سنن ابن ماجه، ص:۲۲، كتاب الطلاق / باب مَن طلّق أو نكح أو راجع لاعِباً، رقم الحديث: ۲۰۳۹.

● المستدرك على الصحيحين، ج:۱، ص۱۹۸: كتاب الطلاق / ثلاثٌ جِدُّهن جدٌّ وهزلهن جدّ.

● السُّنن الكبرىٰ للبيهقي، ج:۷، ص۳٤۱: كتاب الخلع والطلاق / بابُ صريح ألفاظ الطلاق.

● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص۱۳۸: كتاب الطلاق / باب طلاقِ المكرَهِ.

● سُنن الدار قطني، ج:٤، ص۳۷۹: كتاب الطلاق / باب المهر. ۱۲ منه

ہو گا۔ اور جب صرف دل میں چھوڑنے کا قصد مضمر ہو گا تو نکاحِ حلالہ جائز و صحیح ہو گا، آخر الفاظ ایجاب و قبول تو چھوڑنے کی شرط سے پاک و صاف ہیں، اس طرح اِس نکاح کا انعقاد وقت کی قید و بند سے آزاد اور دوامی ہو گا اور قصدِ مضمر تو قصد خیر ہے جس کا ثمرہ بھی خیر ہی ہوتا ہے اس کا نکاح کی کراہت اور عدم جواز سے کوئی لگاؤ نہیں۔ احادیثِ نبویہ اسی کی شاہد ہیں جیسا کہ ہم عن قریب ان کے ذکر سے اپنے قلم کو معطر و مشرف کریں گے۔

مبحثِ نزاع کی احادیث شریفہ کا بیان:

ہم یہاں سب سے پہلے یہ امر بھی واضح کردیں کہ اس باب کی احادیث دو انواع کی ہیں، پہلی نوع کی حدیثوں اور آیت قرآنی سے حلالہ کا جواز ثابت ہوتا ہے اور دوسری نوع کی حدیثوں سے عدم جواز۔

وہابیوں نے نوع دوم کی حدیثوں کو بنیاد بنا کر مطلقاً حلالہ کو ناجائز اور نکاحِ حلالہ کو فاسد قرار دے دیا اور ہم اہل سنت نے دونوں انواع کی حدیثوں کو سامنے رکھ کر حلالہ کی کئی صورتوں کو ناجائز اور بعض کو جائز ٹھہرایا، ہونا یہی چاہیے کہ دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل کریں، نہ کہ بعض کو اپنائیں اور بعض سے نظر پھیر لیں۔

نکاحِ حلالہ کے جواز کے دلائل:

اب دلائلِ جواز ملاحظہ فرمایئے:

پہلی دلیل: اللہ تعالی فرماتا ہے:

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ.(۱)

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے اسے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔

اس آیت کریمہ سے بہت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں رہ جاتی، یعنی اُس کے ساتھ اِس کا نکاح بھی حلال نہیں رہ جاتا۔

اب اگر وہ دوسرے شوہر کے پاس نکاح کرکے رہے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔

---

(۱) القرأن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الأیۃ:۲۳۰.

آیت کریمہ کا اِطلاق یہ چاہتا ہے کہ:

● عورت دوسرے کے ساتھ نکاحِ رغبت کر کے اس کے ساتھ رہے تو بھی حلال ہو جائے گی اور نکاح صحیح ہو گا۔

● اور وہ عورت حلال ہونے کی نیت سے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے اور اس کے پاس رہے تو بھی حلال ہو گی اور یہ نکاح جائز و درست ہو گا۔

قرآن مقدس یہاں تمام مسلمانوں کو آگاہ فرما رہا ہے کہ حرمتِ غلیظہ کے باوجود پہلے شوہر کی طرف عورت کی واپسی کی راہ مکمل مسدود نہیں ہے، بلکہ ایک راستہ کھلا ہوا ہے کہ وہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر کے اس کے ساتھ رہے تو حلال ہو جائے گی اور حرمتِ غلیظہ کا داغ ڈھل جائے گا۔

اب غور فرمایئے کہ کوئی عورت چاہتی ہے کہ اس کا یہ داغ ڈھل جائے اور اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو وہ کیا کرے گی؟ یہی نہ کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر کے اس کے پاس رہے اور وہ اس کے ساتھ نکاح کر کے اسے اپنے پاس رکھے، تو کیا یہ عمل بغیر قصدِ حلالہ کے اتفاقیہ وقوع پذیر ہو جائے گا؟ قرآن مقدس نے اسے حلال ہونے کی جو راہ بتائی ہے وہ اس راہ کو اپنائے گی تو دل میں حلالہ کا قصد ضرور مضمر رہے گا۔ اور یہ عمل شوہر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور اسے بھی عورت کے حال و قال و قرینہ سے عموماً سب کچھ معلوم ہی ہو جاتا ہے۔

"دوسرے شوہر کے پاس رہنا" کنایہ ہے جماع سے۔ اور حدیث مشہور میں بھی حلالہ کے لیے جماع کو لازم قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ وہ حدیث جلد ہی آ رہی ہے، اس لیے مطلب یہ ہوا کہ دوسرا شوہر اپنی اس بیوی کے ساتھ جماع کرے۔

دوسری دلیل: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ القُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلاَقِي، وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ القُرَظِيَّ، وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الهُدْبَةِ.

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى

رِفاعة؟ لا، حتّی یذوق عُسیلتكِ وتذوقي عُسیلتَهُ».(۱)

ترجمہ: حضرت عُروہ بن زُبیر کا بیان ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انھیں بتایا کہ رِفاعہ قُرظی کی بیوی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، یا رسولَ اللہ، رفاعہ نے مجھے "طلاقِ بتّہ" دے کر میرے رشتۂ نکاح کو ختم کر دیا (یعنی تینوں طلاقیں دے دیں)۔ میں نے ان کے بعد عبد الرحمٰن بن زَبیر قُرظی سے نکاح کیا، ان کا عضو مخصوص کپڑے کی جھالر کی طرح ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم رِفاعہ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو، ایسا نہیں ہو سکتا جب تک عبد الرحمٰن تم سے جماع کی کچھ لذت نہ پالے اور تم اس سے کچھ لذت یاب نہ ہو جاؤ۔

عدالتِ نبوی سے یہ فیصلہ صادر ہونے کے بعد متعیّن ہو گیا کہ تحلیل کے لیے شوہر دوم اور بیوی کا لذتِ جماع حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے پہلے نکاح ہونا بھی ـــــ شوہر اول کی طرف واپسی کا یہ راستہ بتا کر شارعِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام لوگوں کو آگاہ فرما رہے ہیں کہ اس طرح کے قضیہ میں دوسرے کے ساتھ نکاح اور جنسی عمل کے بغیر چارہ نہیں، جو چاہے اس راہ کو اپنا سکتا ہے اور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ متصور نہیں کہ راستہ بھی بتائیں، پھر اس پر چلنے والوں کو ملعونِ بارگاہ بھی قرار دیں۔

امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث روایت کر کے یہ انکشاف بھی فرمایا:

وَفِي البَاب عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَالرُّمَیْصَاءِ أَوْ الغُمَیْصَاءِ، وَأَبِي هُرَیْرَةَ.

قال أبو عیسیٰ: «حَدِیثُ عَائِشَةَ حَدِیثٌ حَسَنٌ، صَحِیحٌ»، "وَالعَمَلُ عَلَی هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَغَیْرِهِمْ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَیْرَهُ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ یدْخلَ بِهَا أَنَّهَا لَا تَحِلُّ لِلزَّوْجِ الأَوَّلِ إِذَا لَمْ یَکُنْ جَامَعَ الزَّوْجُ الآخَرُ." (۲)

---

(۱) صحیح البخاري، ج: ۲، ص:۷۹۱، کتاب الطلاق/ بابُ من أجاز طلاقَ الثلاث، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) جامع الترمذي، ج:۱، ص:۱۳۳، أبواب النکاح/ بابُ ما جاء في مَن یطلّق امرأته ثلاثا، فیتزوجها آخر فیطلقها قبل أن یدخل بها، مجلس البرکات، مبارك فور.

ترجمہ: اس باب میں ابن عمر و انس اور رُمیصا یا غُمیصا اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حَسَن، صحیح ہے اور تمام فقہاے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اسی پر ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرلے اور وہ اس کے ساتھ جماع سے پہلے ہی اسے طلاق دے دے تو وہ شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔

امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس انکشاف سے معلوم ہوا کہ:

(الف) حلالہ کے لیے نکاح بالا جماع جائز ہے یہی مذہب تمام فقہاے صحابہ و تابعین کا ہے۔

تین طلاق کے بعد عورت کا دوسرے شوہر سے نکاح کرنا، پھر اس کا جلد ہی طلاق دے دینا اس بات کا قرینہ ہے کہ عورت نے حلال ہونے کے لیے اور شوہر نے حلال کرنے کے لیے یہ نکاح کیا۔یہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "نکاحِ حلالہ" کی ہی ایک صورت کا حکم اجماعی بیان کررہے ہیں جس سے نکاحِ حلالہ پھر جماع کا جواز ظاہر ہے۔

(ب) حلالہ کے لیے شوہر ثانی کا جماع ضروری ہے، اس کے بغیر وہ شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔

(ج) شوہر ثانی جماع کرلے تو عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی، جب کہ دوسرا شوہر طلاق دے دے اور عورت اس کی عدت پوری کرلے۔

تیسری دلیل: حَدَّثَنِي القَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: «لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الأَوَّلُ»(۱)

ترجمہ: قاسم بن محمد حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کیا، پھر اس نے طلاق دے دی

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۷۹۱، كتاب الطلاق / بابُ مَن أجاز طلاقَ الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور

تو نبی کریم ﷺ سے سوال ہوا کہ یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گئی؟ حضور نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ یہ اس کے ساتھ جماع کی کچھ لذت نہ پالے جیسا کہ شوہر اول اس کے ساتھ جماع سے لذت یاب ہوا۔

عورت کا شوہر دوم سے نکاح، پھر اس کا طلاق دے کر اسے آزاد کر دینا اس بات کا ذہن دیتا ہے کہ نکاح وطلاق کا یہ عمل حلالہ کے لیے ہوا ہے۔

خلاصہ اور استناد:

قرآن حکیم کی نص قطعی اور صحیح بخاری شریف کی ان احادیث شریفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تین طلاق کے بعد عورت شوہرِ اول کے لیے حلال ہونا چاہتی ہے تو وہ عدت گزار کر دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح کرے پھر مباشرت ہو، اس کے بعد اگر وہ اسے طلاق دے کر چھوڑ دے تو عورت بعدِ عدت شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔ یہ کتاب وسنت کا مقرر کردہ راستہ ہے جس پر چل کر ہی عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے۔ اب کوئی عورت اس طرح کی مشکل سے دوچار ہوئی اور وہ شوہر اول کے لیے حلال ہونا چاہتی ہے تو دوسرے سے نکاح کرے گی اور نکاح کے وقت حلال ہونے کا قصد بھی لازمی طور سے پایا جائے گا، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ نکاح حلال ہونے کے لیے کرے اور قصد حلال ہونے کا نہ ہو، پھر جس شخص کے ساتھ وہ عقد کر رہی ہے اسے بھی یہ معلوم ہونا چاہیے، ورنہ نکاح کے بعد وہ اسے آزاد نہ کرے تو اس کا مقصد فوت ہو جائے گا، اس لیے شوہر کو اس کے مقصد سے آگاہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اس پر راضی ہو تو نکاح کرے، ورنہ کنارہ کش ہو اور عورت کا مقصد معلوم ہونے کے بعد جب مرد اس کے ساتھ نکاح کرے گا تو وہ تحلیل کے لیے ہی ہوگا۔ نکاح مرد و زن سے ہی وجود میں آتا ہے اور دونوں تحلیل کے قصد سے باخبر وراضی نہ ہوں تو مقصد فوت ہو سکتا ہے اور اگر قصدِ تحلیل، حرام ہو تو نکاحِ حلالہ کی کوئی راہ نہ ہوگی جب کہ کتاب وسنتؑ نے یہ راہ اس پر کھول رکھی ہے یعنی "حَتّٰی تَنْكِحَ زَوجاً غَيْرَهٗ" — "حَتّٰی تَذُوقِي عُسَيْلَتَهٗ وَ يَذُوق عُسَيْلَتَكِ"۔

واضح ہو کہ ہماری گفتگو نکاح حلالہ میں ہے اور یہ نکاح قصدِ تحلیل کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے، اور کتاب وسنت میں اس کا دروازہ بند نہیں ہے، جیسا کہ نصوصِ کتاب وسنت سے عیاں ہے۔

الغرض نصوصِ کتاب وسنت حلالہ کے جواز پر روشن دلائل ہیں۔

وہابیہ کے نزدیک نکاحِ حلالہ حرام، فاسد و باعثِ لعنت ہے:

لیکن وہابیہ نے ان احادیث کے بر خلاف اسے حرام قرار دیا، بلکہ حلالہ کے لیے نکاح کو مطلقاً فاسد اور باعثِ لعنت قرار دیا۔

چناں چہ تحفۃ الاحوذی میں ہے:

قَالَ فِي سُبُلِ السَّلَامِ: الْحَدِيثُ دَلِيلٌ عَلَى تَحْرِيمِ التَّحْلِيلِ لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ اللَّعْنُ إِلَّا عَلَى فَاعِلِ الْمُحَرَّمِ وَكُلُّ مُحَرَّمٍ مَنْهِيٌّ عَنْهُ وَالنَّهْيُ يَقْتَضِي فَسَادَ الْعَقْدِ، وَاللَّعْنُ وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ لِلْفَاعِلِ لَكِنَّهُ عُلِّقَ بِوَصْفٍ يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ عِلَّةَ الْحُكْمِ وَذَكَرُوا لِلتَّحْلِيلِ صُوَرًا، **مِنْهَا**: أَنْ يَقُولَ لَهُ فِي الْعَقْدِ إِذَا أَحْلَلْتَهَا فَلَا نِكَاحَ، وَهَذَا مِثْلُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ لِأَجْلِ التَّوْقِيتِ. **وَمِنْهَا**: أَنْ يَقُولَ فِي الْعَقْدِ إِذَا أَحْلَلْتَهَا طَلَّقْتَهَا. **وَمِنْهَا**: أن يكون مُضمرا في العقد بأن يتواطا عَلَى التَّحْلِيلِ وَلَا يَكُونُ النِّكَاحُ الدَّائِمُ هُوَ المقصود. وظاهرُ شمولِ اللعن وفساد الْعَقْدِ لِجَمِيعِ الصُّوَرِ.(۱)

ترجمہ: "سبل السلام" میں ہے کہ "حدیث" حلالہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ لعنت حرام کے مرتکب پر ہی ہوتی ہے۔ ہر حرام سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور ممانعت کا تقاضا یہ ہے کہ حلالہ کے لیے کیا ہوا عقد فاسد ہو۔ اور لعنت اگرچہ نکاح کرنے والے پر ہے لیکن اسے وصفِ تحلیل پر معلّق کیا گیا ہے جو لعنت کی علت بن سکتا ہے۔

فقہا نے حلالہ کی چند صورتیں ذکر کی ہیں:

ایک یہ کہ عقد کرتے وقت کہے کہ جب حلالہ ہو جائے نکاح ختم۔

یہ نکاح کا وقت مقرر کر دینے کی وجہ سے نکاحِ متعہ کی مثل ہے۔

دوسری صورت یہ کہ عقد کے وقت کہے کہ جب یہ حلال ہو جائے اسے طلاق۔

تیسری صورت یہ کہ نکاح کے وقت دونوں کے دل میں یہ بات ہو کہ دونوں حلالہ کے لیے

---

(۱) تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، ج: ٤، ص: ٢٢٢، أبواب النكاح/ باب ما جاء في المحلِّل والمحلَّل له، المكتبة الأشرفية

عقد کر رہے ہیں، ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا مقصود نہیں۔

حدیث سے ظاہر یہ ہے کہ لعنت ان تمام صورتوں کو عام ہے اور عقد، ان سبھی صورتوں میں فاسد ہوگا۔ (تحفۃ الاحوذی)

اس عبارت سے وہابیوں کا مسلک یہ ظاہر ہوا کہ:

"حلالہ حرام ہے، حلالہ کے لیے جو عقد کیا جائے فاسد ہے، اور جو یہ عقد کرے ملعون ہے۔"

وہابی حضرات کی دلیل:

وہابیہ اہل حدیث نے جس حدیث کی بنیاد پر علی الاطلاق یہ موقف اختیار کیا ہے وہ جامع ترمذی کی درج ذیل حدیث ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.(۱)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے پر بھی لعنت فرمائی اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر بھی۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حلالہ کرنا، کرانا حرام اور لعنت کا کام ہے۔

لعنت، خاص مُحَلِّل پر ہے، مطلق مُحَلِّل پر نہیں:

لیکن حدیث کا یہ حکم کیا مطلقا ہر حال میں ہے؟

ایسا نہیں!

کیوں کہ کتاب وسنت کے جو نصوص گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں وہ واضح طور پر حلالہ کے جواز پر دلالت کرتے ہیں اس لیے حدیثِ ترمذی میں لعنت کا حکم علی الاطلاق ہر حال میں اور ہر شخص پر جاری نہیں ہو سکتا۔ ورنہ نصوص کتاب وسنت اور حدیثِ ترمذی میں تعارض لازم آئے گا اس لیے ضروری ہے کہ دونوں طرح کے نصوص کو سامنے رکھ کر ایسا موقف اختیار کیا جائے جس سے کسی

---

(۱) جامع الترمذي، ج: ۱، ص: ۱۳۳، أبواب النكاح/ بابُ ما جاء في المُحِلِّ و المحلَّل له، مجلس البركات، مبارك فور.

حدیث کا ترک نہ لازم آئے۔

ہم اہل حق اہلِ سنت و جماعت سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں گو وہ احادیث بخاری میں نہ ہوں، اس لیے ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہاں سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیثِ کریمہ کے درمیان قطعاً کوئی تعارض نہیں اور دونوں کے یہ احکام الگ الگ صورتوں پر محمول ہیں۔

ہمارے ائمۂ کرام فرماتے ہیں:

(الف) حدیث میں لعنت اس صورت پر محمول ہے جب کوئی حلالہ کی شرط عقد نکاح میں لگائے مثلاً کہے: "تزوّجتكِ علىٰ أن أُحلِّلَكِ"۔ میں نے تجھ سے حلالہ کی شرط پر نکاح کیا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(كُرِهَ) التزوُّج للثاني (تحريمًا) لحديث: لُعِنَ الْمُحَلِّلُ والْمُحَلَّلُ لَه (بشرط التّحليل) كَ "تزوّجتُكِ علىٰ أن أحلِّلَكِ" (وإن حلّتْ للأوّل) لصحّة النكاح وبطلانِ الشرط، فلا يجبر على الطّلاق كما حقّقه الكمال. اھ[1]

ترجمہ: دوسرے شخص کا حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، جیسے وہ یوں کہے کہ "میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں تجھے شوہر اول کے لیے حلال کروں"، کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ "حلالہ کرنے والے پر بھی لعنت اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر بھی لعنت"۔ ہاں وہ شوہر اول کے لیے حلال ہو جائے گی کیوں کہ نکاح صحیح ہے اور شرط باطل، لہٰذا اسے طلاق دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا، (کہ نکاح صحیح ہے) امام کمال الدین ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی تحقیق فرمائی۔

اس "تحقیق" کے کلمات یہ ہیں:

(وَإِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ) بِأَنْ يَقُولَ "تَزَوَّجْتُكِ عَلَى أَنْ أُحِلَّكِ لَهُ" أَوْ تَقُولَ هِيَ: ذَلِكَ، فَهُوَ مَكْرُوهٌ كَرَاهَةَ التَّحْرِيمِ الْمُنْتَهِضَة سَبَبًا لِلْعِقَابِ لِقَوْلِهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: "لَعَنَ اللَّهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ} (وَهَذَا هُوَ مَحْمِلُهُ) أَيْ الْمُحَلِّلُ الشَّارِطُ هُوَ مَحْمِلُ الْحَدِيثِ لِأَنَّ عُمُومَهُ وَهُوَ "الْمُحَلِّلُ مُطْلَقًا" غَيْرُ

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار، المطبوعان مع رد المحتار، ج: ٥، ص: ٤٧، كتاب الطلاق/ باب الرجعة، دار الكتب العلمية، بيروت

مُرَادٍ إِجْمَاعًا، وَإِلَّا شَمِلَ الْمُتَزَوِّجَ تَزْوِيجَ رَغْبَةٍ.(۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مرد یا عورت عقد نکاح میں حلالہ کی شرط لگائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے جو باعثِ عقاب ہے اور حدیثِ حلالہ میں لعنت کا محل ایسا ہی شخص ہے جو حلالہ کی شرط پر نکاح کرے کیوں کہ حدیث مطلقاً ہر حلالہ کرنے والے کو عام نہیں ہے، اس پر اجماع ہے، ورنہ جو شخص تین طلاق والی عورت سے رغبت سے نکاح کرے وہ بھی لعنت کے عموم میں شامل ہو جائے گا، حالاں کہ ایسا قطعاً نہیں۔

(ب) یا اس سے مراد وہ شخص ہے جو اجرت طے کر کے حلالہ کرے، چناں چہ در مختار میں ہے:

وَتَأْوِيلُ اللَّعْنِ إِذَا شَرَطَ الْأَجْرَ، ذَكَرَهُ الْبَزَّازِيُّ.(۲)

ترجمہ: حدیث حلالہ میں لعنت اُس وقت ہے جب کوئی اجرت طے کر کے حلالہ کرے، امام بزازی نے اسے ذکر فرمایا۔

یہ شرط فقہا نے اپنے جی سے نہیں لگائی، بلکہ ایک حدیث صحیح سے ماخوذ ہے جو جلد ہی آ رہی ہے۔

علاوہ ازیں حضور سید عالم ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے اور سرکار کے ارشادات میں قیامت تک رونما ہونے والے امور کی رہنمائی پائی جاتی ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حدیث نبوی میں اس توجیہ کا بھی احتمال ہے۔

آج عوام الناس میں جہل غالب ہے اور ناخدا ترسی بھی عام ہو رہی ہے، اس کے باعث وہ بہت سے امور میں حدودُ اللہ سے تجاوز کر جاتے ہیں، سنا ہے کہ کچھ نادان حلالہ کے معاملہ میں بھی حد سے تجاوز کر چکے اور معاوضہ طے کر کے حلالہ کیا، ہم قطعاً ایسے حلالہ کی اجازت نہیں دیتے اور اسے حدیث کی لعنت کا سبب سمجھتے ہیں۔

---

(۱) فتح القدير، ج: ٤، ص: ١٦١، ١٦٢، كتاب الطلاق / فيما تحِلّ به المطلّقة، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ج: ٥، ص: ٤٨، كتاب الطلاق/ باب الرجعة ، دار الكتب العلمية،بيروت.

(ج) ایک توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ یہاں مُحَلِّل سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنے کو حلالہ کرنے کے لیے تیار کر رکھا ہو کہ جہاں کہیں تین طلاق کا کوئی حادثہ ہوا یہ وہاں پہنچ گیا، امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أَنَّ تَعَلُّقَ اللَّعْنِ بِهِ إِذَا كَثُرَ مِنْهُ ذٰلِكَ بِأَنْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِهٰذَا الْأَمْرِ شَرَطَ أَوْ لَا.[1]

ترجمہ: لعنت کا تعلق ایسے شخص سے ہے جو کثرت سے حلالہ کرے اور اس نے اپنے آپ کو اس کے لیے خاص کر رکھا ہو، خواہ وہ حلالہ کی شرط لگائے، یا نہ لگائے۔

یہ توجیہ در حقیقت مرادِ رسولِ اقدس ہے: جس کا علم اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے ہوتا ہے، اس کے راوی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہ روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح ہے:

سَمِعْتُ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ : قَالَ لِي أَبُو مُصْعَبٍ مِشْرَحُ بْنُ هَاعَانَ : قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ ، قَالُوا : بَلَى ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : هُوَ الْمُحَلِّلُ ، لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.[2]

ترجمہ: لیث بن سعد کہتے ہیں کہ مجھے ابو مصعب مشرح بن ہاعان نے بتایا کہ ان سے عقبہ بن عامر نے بیان کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں "عاریت پر لیے ہوئے سانڈ" کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کی، کیوں نہیں، یا رسول اللہ، فرمایا: وہ مُحَلِّل ہے (حلالہ کرنے والا)۔ اللہ کی لعنت حلالہ کرنے والے پر، اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔

---

(۱) فتح القدیر، ج: ٤، ص: ١٦٣، کتاب الطلاق / فصلٌ فیما تحِلّ به المطلّقة، دار الکتب العلمية، بیروت.

امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ لفظ مُحَلِّل باب تفعیل سے ہے جس کی ایک خاصیت تکثیر ہے تو اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا تعلق ایسے شخص سے ہے جو کثرت سے حلالہ کرے مگر یہ توجیہ حضرت ابن عمر کے ایک اثر سے میل نہیں کھاتی اس لیے انھوں نے اس پر جزم نہیں کیا، حالاں کہ وہ اثر ایک واقعۂ حال ہے جو محلِ احتمال ہے، پھر بھی ہم یہاں لفظ کے باب تفعیل سے ہونے کا سہارا نہیں لیتے، بلکہ تکثیر کو حدیث کا ایک احتمال مان کر اس کی تائید میں دوسری حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) سنن ابن ماجہ، ص: ۲۱۰، کتاب النکاح / بابُ المُحلِّل والمُحلَّل له، رقم الحدیث: ۱۹۳۶.

یہ حدیث حسن، صحیح، قابلِ حجت ہے: جیسا کہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تنقیح سے عیاں ہے:

قَالَ عَبْدُ الْحَقِّ : إِسْنَادُهُ حَسَنٌ . وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ فِي "عِلَلِهِ الْكُبْرَىٰ" عَنْ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ : مَا أَرَاهُ سَمِعَ مِنْ مِشْرَحِ بْنِ هَاعَانَ وَلَا رُوِيَ عَنْهُ . وَدُفِعَ بِأَنَّ قَوْلَهُ فِي الْإِسْنَادِ "قَالَ لِي أَبُو مُصْعَبٍ مِشْرَحٌ" يَرُدُّ ذَلِكَ .

وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مُعَنْعَنًا عَنْ أَبِي صَالِحٍ كَاتِبِ اللَّيْثِ عَنْ اللَّيْثِ بِهِ، وَلِذَلِكَ حَسَّنَهُ عَبْدُ الْحَقِّ فَإِنَّهُ رَوَاهُ مِنْ جِهَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ ، وَإِلَّا فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ عِنْدَ ابْنِ مَاجَه لِأَنَّ شَيْخَ ابْنِ مَاجَه يَحْيَى بْنَ عُثْمَانَ ذَكَرَهُ ابْنُ يُونُسَ فِي تَارِيخِ الْمِصْرِيِّينَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِعِلْمٍ وَضَبْطٍ، وَأَبُوهُ عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ ثِقَةٌ ، أَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ، وَمِشْرَحٌ: وَثَّقَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ، وَنُقِلَ عَنْ ابْنِ مَعِينٍ أَنَّهُ وَثَّقَهُ . وَالْعِلَّةُ الَّتِي ذَكَرَهَا ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ لَمْ يُعَرِّجْ عَلَيْهَا ابْنُ الْقَطَّانِ وَلَا غَيْرُهُ .[1]

اس حدیث میں حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "حلالہ کرنے والے" کو "سانڈ" سے تشبیہ دی ہے اور وجہِ شبہ ظاہر ہے کہ سانڈ جفتی زیادہ کرتا ہے، اور وہ اسی کے لیے مخصوص ہوتا ہے، اور اُسے جُفتی کے سوا اور کچھ مقصود بھی نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جُفتی کے بعد اپنی مادہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ توجیہ خود حدیثِ سابق کی مراد اور حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بجائے خود بہت قوی و مناسب بھی ہے۔

فقہ کا ضابطہ ہے: "المعروف كالمشروط"[2] جو بات مشہور ہو وہ شرط کی مانند ہوتی ہے۔ اور جس شخص نے اپنے کو حلالہ کے لیے خاص کر رکھا ہے اس کے حال سے معروف و مشہور یہی ہے کہ جماع کے بعد وہ عورت کو چھوڑ دے گا کیوں کہ اس کا مقصود بس جماع ہے اور کچھ نہیں، اسے

---

(۱) فتح القدير، ج: ٤، ص: ١٦٢، كتاب الطلاق / فصلٌ فيما تحِلّ به المطلّقة، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) شرح السير الكبير، ج:٤، ص:٢٣ .

اس موضوع پر کتاب و سنت کی روشنی میں تحقیق ہماری کتاب "فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول" میں ہے۔ ۱۲ منہ

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے "تَیسِ مُستَعار" اور ملعون قرار دیا۔

یہاں چھوڑنے کی شرط نہیں ہے، ہاں اس کا حال اس شرط پر دلالت کرتا ہے پھر بھی وہ زبان نبوت پر ملعون ہوا، تو جہاں مُحَلِّل چھوڑنے کی شرط لگائے وہاں وہ بدرجہ اولی تَیسِ مُستعار اور ملعون ہوگا۔

اور جب "عاریت پر لیے ہوے سانڈ" سے تشبُّہ اختیار کرنے کا یہ حکم ہے تو "اجرت پہ لیے ہوئے سانڈ" سے تشبُّہ اختیار کرنے کا حکم بدرجہ اولیٰ یہی ہوگا، اس سے اُجرت طے کر کے حلالہ کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ تحلیل پر لعنت کی اصل علت "سانڈ سے تشبُّہ" ہے جس کا ذکر سُنَنِ ابن ماجہ کی حدیثِ حَسَن وصحیح میں ہے جس میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے "مُحَلِّل" کو "تَیس مُستعار" کہا ہے۔ پھر "لَعَنَ اللّٰهُ المُحَلِّلَ" فرما کر اسی "مُحَلِّل" پر لعنت بھیجی ہے، جس سے روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتا ہے کہ یہاں مطلق مُحَلِّل پر لعنت نہیں وارد ہے جس کی بنا پر حلالہ کو مطلقاً حرام قرار دے دیا جائے، بلکہ یہاں لعنت "محلِّل مخصوص" پر وارد ہوئی ہے۔ اور "یہ وہ شخص ہے جس نے سانڈ کی طرح اپنے کو بس جُفتی کے لیے خاص کر رکھا ہو۔" ایسا محلِّل ملعون ہے تو اسے ہونا ہی چاہیے کہ انسان ہو کر بے عقل جانور بنتا ہے۔ یوں ہی اس کے سوا بھی جتنے مُحَلِّل "تیس مستعار" ہو سکتے ہیں وہ بھی اسی کی طرح ملعون قرار پائیں گے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے، یعنی:

(الف) جو حلالہ کی شرط پر نکاح کرے اور جماع کر کے چھوڑ دے۔

جب حلالہ کرنے والے کے حال سے جماع کے بعد چھوڑ دینا معروف وظاہر ہو جو شرط کی مانند ہے تو لعنت ہے تو جہاں چھوڑنے کی شرط صراحۃً مذکور ہو وہاں بدرجۂ اولیٰ لعنت ہوگی۔

(ب) جو شخص اجرت طے کر کے حلالہ کرے۔

غور فرمایئے جو خصلت اپنی قباحت کی وجہ سے بلا معاوضہ حرام ہے وہ بامعاوضہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی کہ ایک تو کام قبیح، دوسرے بامعاوضہ۔

یہاں مُحَلِّل دراصل "اجیرِ حلالہ" ہے، جب وہ مفت میں حلالہ کا عادی ہو تو ملعون ہے تو جہاں "بامعاوضہ حلالہ" ہوگا بدرجۂ اولیٰ ملعون ہوگا۔

(ج) جس نے اپنے کو جماعِ حلالہ کے لیے خاص کر رکھا ہو۔ اسی کے بارے میں حدیث کریم "لَعَنَ اللہُ المُحلِّل" وارد ہے اور سرکار نے اسی کو "تیس مستعار" کہا ہے۔

اس تشریح سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارے فقہا نے حدیث حلالہ میں مذکور "محلِّل" کے تعین کے سلسلے میں جن تین اشخاص کا ذکر کیا ہے ان میں سے تیسرا تو حدیث کا اصل مصداق ہے اور باقی دو بطور دلالۃُ النص حدیث کے مصداق ہیں۔ انھوں نے دقتِ نظر سے کام لے کر حدیث کی مراد کو سمجھا ہے اور "محلِّل ملعون" سے مراد یہ تین اشخاص لیے ہیں۔

تدبّرِ حدیث کا شاندار نمونہ:

اس مسئلے کو اب ایک دوسرے زاویے سے سمجھیے: مُحَلِّل (حلالہ کرنے والے) پر لعنت کے بارے میں دو حدیثیں وارد ہیں:

ایک جامع ترمذی کی حدیث: جس میں مُحلِّل کا کوئی وصف ذکر کیے بغیر اس پر لعنت کا ذکر ہے "لَعَنَ اللہُ المُحَلِّلَ" [اللہ کی لعنت مُحلِّل پر] یہاں مُحلِّل کا لفظ مطلق ہے جو اپنے اطلاق کی وجہ سے ہر طرح کے محلِّل کو عام ہے۔ لہٰذا اگر کوئی تقویٰ شعار اپنے کسی قرابت دار کی خیر خواہی میں خالص ارادۂ خیر سے اس کا اُجڑا گھر بسانے کے لیے نکاحِ حلالہ کرے گا تو بھی وہ ملعون ہو گا اگر چہ اس میں درج بالا تینوں قباحتوں میں سے کچھ بھی نہ ہو۔

یہ حاصل ہے وہابیہ کے زور استدلال کا۔

دوسری حدیث سنن ابن ماجہ کی ہے جس میں مُحلِّل (حلالہ کرنے والے) کا وصف "تیسِ مستعار" سے بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد "لعنَ اللہُ المُحَلِّلَ" فرما کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ لعنت کا تعلق ایسے مُحلِّل سے ہے جو شکلِ انسانی میں تیس مستعار ہو، مطلق مُحلِّل پر یہ لعنت نہیں وارد ہوئی ہے، لہٰذا جو مُحلِّل اوصافِ اسلامی کا جامع، تقویٰ شعار، خیر خواہ ہو اور بغیر شرط و معاوضہ صرف اُجڑا گھر بسانے کے لیے نکاحِ حلالہ کرے وہ حکم لعنت میں شامل نہ ہو گا۔

وہابیہ اہل حدیث نے پہلی حدیث کو اپنے مذہب کی دلیل بنالیا اور دوسری حدیث کو چھوڑ دیا، اس کے برخلاف اہل سنت و جماعت نے دونوں حدیثوں کے پیش نظر ایک متوازن موقف اختیار کیا کہ جو محلِّل تیسِ مُستعار کے اوصاف کا حامل ہو وہ ملعون ہے اور جو ان سے کنارہ کش رہ کر اخلاقِ اسلامی

سے متصف ہو وہ ممدوح وماجور ہے۔

محدثین نے محل ومقام کے لحاظ سے حدیثوں کو ٹکڑوں میں روایت کیا ہے:

اہل سنت وجماعت کا ماننا یہ ہے کہ راویانِ حدیث اور محدثین نے حدیثوں کو ہر محل ومقام کے لحاظ سے حسب حاجت الگ الگ اقتباسات اور ٹکڑوں میں روایت کیا ہے، کہیں کوئی اقتباس چھوٹا اور کہیں بڑا ہوتا ہے اور جب سب کو اکٹھا کیجیے تو پوری حدیث سامنے آتی ہے۔ اہل سنت کے ایک ترجمان امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"احادیث مرویہ بالمعنیٰ صحیحین، وغیرہما صحاح وسنن، مسانید ومعاجیم وجوامع واَجزا، وغیرہا میں دیکھیے صدہا مثالیں اس کی پایئے گا کہ ایک ہی حدیث کو رُواۃ بالمعنیٰ کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں۔ کوئی پوری، کوئی ایک ٹکڑا، کوئی دوسرا، کوئی کسی طرح، کوئی کسی طرح۔ جمعِ طُرق سے پوری بات کا پتہ چلتا ہے، ولہذا امام الشان ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں:

"ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اُس کی حقیقت نہ پہچانتے۔" (۱)

اسی سلسلۂ بیان میں مزید لکھتے ہیں:

"ہر محل وموقعِ کلام میں وہاں کی قدر حاجت پر اقتصار (ہوتا) ہے۔۔۔ روایات بالمعنیٰ کے یہی انداز آتے ہیں، خصوصًا امام بخاری تو بذاتِ خود اپنی جامع صحیح میں اس کے عادی ہیں، حدیث کو ابوابِ مختلفہ میں بقدر حاجت پارہ پارہ کر کے لاتے ہیں، اس سے ایک پارہ، دوسرے کو رد نہیں کرتا، بلکہ وہ مجموع حدیث کامل ٹھہرتی ہے۔" (۲)

اس تجزیہ کی روشنی میں ہمارے نزدیک حدیثِ ترمذی پوری حدیثِ نبوی کا ایک ٹکڑا ہے اور حدیثِ ابن ماجہ پوری حدیث، لہٰذا دونوں کے پیش نظر جو موقف اختیار کیا جائے گا وہ مناسب ہوگا اور وہی در اصل عمل بالحدیث بھی ہوگا، ہم اہل سنت نے یہی کیا ہے اور اس طور پر دوسرے دلائلِ

---

(۱) الفتاوی الرضویة، ج:۲،ص:۴۰۲، کتاب الصلاة/ باب الأوقات، رسالہ: حاجزُ البحرین، مکتبہ نعیمیہ، سنبھل۔

(۲) الفتاوی الرضویة، ج:۲،ص:۴۰۴، کتاب الصلاة/ باب الأوقات، رسالہ: حاجزُ البحرین، مکتبہ نعیمیہ، سنبھل۔

کتاب وسنت سے بھی موافقت رہتی ہے۔ جب کہ وہابیہ اہل حدیث نے حدیث کے ایک ٹکڑے پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی جس کے باعث حدیثِ کامل کا ترک لازم آیا، ساتھ ہی دلائل کتاب وسنت سے تعارض بھی۔

حلالہ کی نزاعی صورت کو سفاح وبدکاری قرار دینا بے جا ہے: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر: "كُنَّا نَعُدُّ هٰذا سفاحاً علىٰ عهد رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-"[1] کے الفاظ کا مقتضا یہ ہے کہ وہ نکاح باطل یا کم از کم فاسد کے متعلق ہے کیوں کہ "سفاح" وہی ہو سکتا ہے اور اس فعل کا مرتکب "تَيس مستعار" [عاریت پر لیا ہوا سانڈ] نہیں ہے کہ سانڈ کا فعل "سفاح" نہیں ہے اس لیے کلماتِ حدیث " أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ" کے پیش نظر حدیثِ حلالہ کی جو توجیہ کی گئی ہے اس پر اس "اثر" سے کوئی نقض نہیں وارد ہوتا۔

واضح ہو کہ حدیثِ حلالہ میں "لعنت" سے اس کا حقیقی معنی نہیں مقصود ہے کہ وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہے، بلکہ اس سے مراد "درجاتِ اَبرار" سے دوری ہے چناں چہ ردالمحتار حاشیہ در مختار میں ہے:

في لِعان القهستاني قال: اللعنُ في الأصل الطرد، وشرعا . . . في حق المؤمنين: الإسقاط عن درجة الأبرار اھ

وفي لِعان البحر: وعن هذا قيل: إن المراد باللعن في مثل ذلك الطرد عن منازل الأبرار، لا عن رحمة العزيز الغفار. اھ[2]

یہاں سے معلوم ہوا کہ:

---

(۱) ● المستدرك علي الصحيحين، ج:۲،ص: ۱۹۹، كتاب الطلاق/ باب لعن الله المحل والمحل له. قال الحاكم النيسابوري: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه. وقال الذهبي في تلخيص المستدرك على شرط الشيخين.

● السنن الكبرى للبيهقي، ج:۷، ص: ۲۰۸، كتاب النكاح/ باب ما جاء في نكاح المحل، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲) رد المحتار على الدُّر المختار، ج: ۵، ص: ٤٩، كتاب الطلاق/ مطلبٌ فی حکم لعنِ العُصاة، دارُ عالم الكتب لِلطّباعة والنشر.

- کوئی شخص تین طلاق والی عورت سے حلالہ کی شرط پر نکاح کرے۔
- یا اجرت طے کرکے حلالہ کرے۔
- یا سانڈ جیسے جانور سے مشابہت اختیار کرے کہ اپنے کو حلالہ کرنے کے لیے خاص کرلے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے وہ ابرار کے درجات سے دور کردیا جائے گا۔
- اور اگر کوئی شخص ایک وقتِ خاص تک کے لیے نکاح کرے مثلاً کہے: "آج رات بھر کے لیے یا ایک دن کے لیے نکاح کرتا ہوں" تو یہ نکاح موقت ہے جو باطل ہے، یہی وہ نکاح ہے جسے سفاح کہا جاتا ہے۔
- اور اگر کوئی شخص تین طلاق والی عورت سے عقد صحیح کرے اور دونوں کا ارادہ ہمیشہ ایک ساتھ رہنے کا ہو، پھر کسی وجہ سے شوہر طلاق دے دے تو یہ حلالہ بلا شبہہ جائز ہے، اس میں کسی کو کلام نہیں ہونا چاہیے۔
- ہاں! اگر کوئی شخص تین طلاق والی عورت سے نکاح کرے اور وہ عقدِ نکاح میں حلالہ یا اجرت کی شرط نہ لگائے، نہ وہ حلالہ کا خواہاں رہتا ہو، ہاں! دل میں یہ ارادہ ہو کہ بعدِ جماع اسے چھوڑ دے گا تاکہ اس کا اجڑا ہوا گھر دوبارہ آباد ہو جائے اور یہ دونوں اور ان کے اہل و عیال سکون کے ساتھ زندگی گزاریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حسنِ نیت پر وہ مستحق اجر ہو گا۔

چناں چہ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجلُ (مأجورًا) لقصدِ الإصلاح. اھ[1]

ترجمہ: ہاں اگر دونوں دل میں حلالہ کا قصد رکھیں تو یہ مکروہ نہیں، بلکہ قصد اصلاح کی وجہ سے شوہر ثانی اجر کا حقدار ہو گا۔

شرط باطل حرام ہے مگر اس سے نکاح باطل یا فاسد نہیں ہوتا:

ہم اسے قطعاً جائز نہیں مانتے کہ کوئی شخص اجرت طے کرکے کسی عورت کے ساتھ نکاحِ

---

(۱) تنوير الأبصار مع الدر المختار المطبوعان مع رد المحتار، ج: ٥، ص: ٤٨، كتاب الطلاق/ بابُ الرجعة، دار الكتب العلمية، بيروت

حلالہ کرے۔ یوں ہی اسے بھی جائز نہیں کہتے کہ کوئی شخص حلالہ کی شرط پر نکاح کرے کہ یہ شرائط کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے خلاف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے شرائط پر حدیثِ نبوی میں لعنت فرمائی گئی ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ اس طرح کی شرائط سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ حضور سید عالم ﷺ نے ایسے شرائط کو باطل قرار دیا ہے۔

عن عائشة قالت: ... قَامَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ.[1]

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ میں کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر ارشاد فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتابُ اللہ میں نہیں ہیں، جو شرط بھی کتابُ اللہ میں نہیں وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔

نکاح میں حلالہ کی شرط کتابُ اللہ کے خلاف ہے اس لیے وہ سرکار کی حدیثِ صحیح کے مطابق باطل ہے اور جو شرط خود ہی باطل ہو اس کا نکاح کی صحت پر کیا اثر۔ لہٰذا شرطِ باطل کی وجہ سے نکاح کو باطل یا فاسد کہنا ارشادِ رسالت پر زیادتی ہے۔

اور نکاح کے وقت دل میں حلالہ کا ارادہ مضمر ہو تو اس کو ناجائز اور باعثِ لعنت قرار دینا زیادتی ہے، آخر کوئی عورت کتاب و سنت کے نصوص کے مطابق حلال ہونا چاہے اور دوسرے شوہر سے نکاح کرے تو ارادۂ حلالہ کے اِضمار سے کیوں کر بچے گی، وہ نکاح تو اسی لیے کر رہی ہے کہ حلال ہو جائے، کیا اللہ عزوجل اپنی کتابِ ہدایت میں اسے ایسی بات کی رہنمائی کر رہا ہے جس پر خود اس کی لعنت ہو۔

پھر ایک مسلمان ہمدردی و اصلاح کے جذبے سے حلالہ کرنا چاہتا ہے، اس کا قصدِ خیر یہ ہے کہ اُجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے اور زوجین و اہل و عیال راحت و مسرت کی زندگی گزاریں کیا یہ نیت و ارادہ بھی باعثِ لعنت ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۷۷، كتاب الشروط/ باب الشروط في الولاء، مجلس البركات

حلالہ اصلاح کے ارادے سے ہو تو اجر و بشارت کا ذریعہ ہے:

ہم یہاں چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ اصلاح کے ارادے سے حلالہ اجر و ثواب اور بشارت کا ذریعہ ہے۔

(١) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلّمَ: « إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى. »(١)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال محض نیت کے ساتھ ہیں اور آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

اور مراد یہ ہے کہ اعمال کا ثواب محض نیت کے ساتھ ملے گا اور آدمی کے لیے وہی چیز یا وہی اجر ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اس امر پر اجماع ہے کہ ثواب بغیر نیت کے حاصل نہیں ہوگا، تو حدیث پاک میں ثواب مراد ہونا اجماعی امر ہے۔

تو جس نے قصدِ خیر سے نکاح حلالہ کیا وہ اپنی نیت کے مطابق اجر و ثواب کا حق دار ہوگا۔

(٢) قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ وَسَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ لَدَغَتْ رَجُلاً مِنَّا عَقْرَبٌ وَنَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-. فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرْقِي قَالَ «مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ ».(٢)

ترجمہ: ابو زبیر کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو بچھو نے ڈنک مار دیا اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں بچھو کا زہر جھاڑ دوں، تو حضور نے فرمایا:

"تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو راحت پہنچا سکے، پہنچائے۔"

جھاڑ پھونک کی بھی کچھ صورتیں ناجائز اور کچھ جائز ہیں لیکن ایک مسلمان کی تکلیف دور کرنے

---

(١) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٢، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ- مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ٢٢٣، كتاب السّلام/ باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة، مجلس البركات، مبارك فور.

اور اسے راحت پہنچانے کے لیے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی کھلی اجازت دی۔
سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ اجازت عمومی الفاظ سے دی ہے اس لیے یہ اجازت ہر دردمند مسلم کی راحت رسانی کے لیے ہے جس کے عموم میں حلالہ کی یہ صورت بھی شامل ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ-، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-:إِنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ بَعْدَ الْفَرَائِضِ إِدْخَالُ السُّرُورِ عَلَى الْمُسْلِمِ.[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک فرائض کے بعد سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ عمل مسلمان کو مسرور کرنا ہے۔
اور اس میں شک نہیں کہ ایک عورت جدائی کے بعد جب اپنے پہلے شوہر کے پاس واپس جاتی ہے تو اس سے اس کو اور اس کے پورے کنبے کو قلبی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

(٤) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا - عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ : قَالَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ.
فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ.[۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کا ارشاد روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کی مقداریں لکھ دی ہیں۔
تو جس نے ایک حَسنہ کا ارادہ کیا، مگر اُسے کیا نہیں، تو اللہ تعالیٰ اپنے یہاں ایک کامل حَسنہ لکھ دیتا ہے۔ اور اگر اس نے حسنہ کا ارادہ بھی کیا اور اسے کیا بھی، تو اللہ تعالیٰ اپنے یہاں دس حَسنہ سے سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ بہت گنا تک لکھ دیتا ہے۔
جس قدر نیکی میں اخلاص زیادہ، اسی قدر اس کا ثواب بھی زیادہ سے زیادہ، یا اس نیکی کی جس

---

(۱) المعجم الأوسط للطبراني، ج:۸، ص: ٤٥، من اسمه محمود، رقم الحديث: ۷۹۱۱.
(۲) ☆ صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹٦۰، ۹٦۱، كتاب الرقاق/ باب مَن هَمَّ بحسنة أو سيئة، مجلس البركات، مبارك فور.
☆ الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۷۸، كتاب الإيمان/ باب بيان تجاوُزِ الله حديثَ النفس.... و بيان حكم الهمّ بالحسنة، مجلس البركات

قدر ضرورت زیادہ اسی کے لحاظ سے اس کا اجر بھی زیادہ سے زیادہ لکھا جاتا ہے۔

اُجڑا گھر بسانا نیکی بھی ہے اور اس کی ضرورت بھی زیادہ ہے اس لیے اس نیتِ خیر پر اللہ کی رحمت برسنی چاہیے، نہ کہ اس پر لعنت اترنی چاہیے۔

نیتوں کا اعمال پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا: اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔ اور ایک جگہ فرمایا گیا:

(۵)" عن سَهلِ بن سعد السّاعدي، قال: قال رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- نية المؤمن خير من عمله"۔ (۱)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اس لیے جب کوئی شخص مذموم خصلت اور مذموم شرائط سے بالاتر ہو کر اس نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے کہ وہ حلالہ کے بعد اپنے پہلے شوہر کے پاس واپس ہو کر اپنا اجڑا گھر بسا سکے، اپنے بچوں کے لیے تسکین اور راحت کا سبب بن سکے، طلاق دینے والے شوہر کو اپنی غلطی کا احساس ہونے کے بعد اپنی اصلاح کا موقع مل سکے اور دنیا کو یہ پیغام ملے کہ شوہر کی سخت نادانی کے بعد بھی شریعت نے ان کی اصلاح اور فلاح کا دروازہ ایک حد تک کھلا رکھا ہے تو وہی حلالہ جو مختلف حیثیتوں سے قبیح ٹھہرایا گیا ہے وہ ان حیثیتوں سے حَسَن و باعث اجر قرار پائے گا۔

عقل سلیم کا تقاضا: احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ عقل سلیم بھی باور کرتی ہے کہ یہ نیتیں قابل ستائش ہیں، خیر ہیں، حَسَن ہیں اس لیے نکاحِ حلالہ کی یہ صورت جائز و درست ہے۔

---

(۱) ☆ المعجم الكبير للإمام الطبراني، ج: ٦، ص: ١٨٥، ١٨٦ ـــــ يحيى بن قيس الكندي عن أبي حازم.

☆ شعب الإيمان للبيهقي، ج: ٥، ص: ٣٤٣، بابٌ في إخلاص العمل لله وترك الرياء.

یہ حدیث موصوف بصحت نہیں، اس کا افادہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات، جلد اول میں کتاب الایمان سے پہلے فرمایا۔ ہم نے یہاں اسے احادیث صحیحہ کے ساتھ پیش کیا کہ ایک کو دوسرے سے قوت حاصل ہوگی۔ ۱۲ منہ

خاتمہ

ہمارے عقائد ہوں یا مسائل، سب کی بنیاد کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ پر ہے یہی وجہ ہے کہ اہل حق -اہل سنت و جماعت- نے ہمیشہ اپنے عقائد و مسائل کتاب و سنت سے لیے ہیں اور انھی سے تمسک کیا ہے اور ہم نے انھی کے ایک ادنی ترجمان کی حیثیت سے چند عقائد و مسائل کا انتخاب کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کر کے ان کی حقانیت واضح کی ہے، اب ابوابِ کتاب کا ایک بار جائزہ لیں۔

پہلا باب: عقائد کے بیان میں ہے جن سے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان بنیادی طور پر فرق ہوتا ہے۔ ان عقائد کے ثبوت میں قرآن مقدس کی آیات اور احادیثِ نبویہ پیش کی گئی ہیں جن سے چمکتے ہوئے سورج کی طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عقائد حق ہیں اور ان سے انحراف، حق سے انحراف ہے۔

دوسرا باب: فروعی عقائد کے بیان میں ہے جن سے اہل حق اور اہلِ باطل کی شناخت ہوتی ہے، یہ عقائد بھی کتاب و سنت کے دلائل سے لبریز ہیں جن کی روشنی میں حق اور باطل کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔

تیسرا باب: فروعی مسائل کے بیان میں ہے، ہم نے کتاب و سنت سے ان کے دلائل بھی پیش کیے ہیں تاکہ اربابِ انصاف و دیانت پر یہ امر بخوبی واضح ہو جائے کہ:

(الف) اہل حق کے فروعی مسائل کی بنیاد بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر ہے۔

(ب) اور یہ کہ ہم مقلدین اپنے ائمہ کی تقلید، دلائل کی روشنی میں کرتے ہیں، اندھی تقلید نہیں کرتے۔

امام اعظم سے مذہب منقول ہے، دلائل کی تخریج مقلدین نے کی ہے:

ہمارے امام سراج الامہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مسائل منقول ہیں، دلائل نہیں، دلائل کی تخریج بعد کے ادوار میں ان کے مقلد علما و فقہا نے کی ہے، متونِ مذہب میں ہزاروں مسائل،

بغیر دلائل ذکر کیے بیان کیے گئے ہیں مگر ہم ان کو اس ظن غالب کی بنا پر اختیار کرتے اور حق و صواب سمجھتے ہیں کہ فقیہ مجتہد کی نگاہ میں ان کے دلائل کتاب و سنت کے نصوص میں یقینی طور پر موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مقلد علما ان کے دلائل کی تفتیش و تحقیق کرتے ہیں تو گوہر مقصود تک ان کی رسائی ہوتی ہے جیسا کہ شرح معانی الآثار، مبسوط سرخسی، فتح القدیر، بنایہ، عمدۃ القاری، فتح المنان، ارکان اربعہ، حاجز البحرین اور انتصار الحق، وغیرہ کتب مذہب سے ظاہر ہے اور اس کے کچھ نمونے پیش نظر کتاب کے تیسرے باب میں بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کی دلیل صحیح بخاری وغیرہ سے اپنی دانست میں راقم الحروف جیسے بے مایہ نے تخریج کی ہے حالاں کہ اس کی حیثیت بس مقلد کی ہے اور اصحاب تمیز و ترجیح و تخریج کا مقام تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔ اس لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک کہنا بڑی زیادتی ہے۔

حدیثِ رسول کا احترام:

ہم نے عقائد، فروعی عقائد اور مسائل سب کی بنیاد ”احادیثِ صحیحین“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) پر رکھی ہے، ساتھ ہی بقیہ صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ صحاح کی حدیثوں کو بھی ثبوت میں پیش کیا ہے، حِسان سے بھی استناد کیا ہے کہ ہم انھیں بھی حجت مانتے ہیں۔

اور تائید و تشریح کے طور پر ضعاف کو بھی قبول کیا ہے تا کہ قارئین پر یہ حقیقت روشن رہے کہ ہم اہل حق حضور سید عالم ﷺ کی تمام حدیثوں کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں، صحاح کو بھی، حسان کو بھی، ضعاف کو بھی۔ اور سب پر ان کے مرتبے اور قوت کے لحاظ سے عمل کرتے ہیں۔

عقائد اہل سنت کے خلاف پیش کیے جانے والے نصوص کی وضاحت:

عقائد اہل سنت کے خلاف کتاب و سنت کے جو نصوص پیش کیے جاتے ہیں ہم نے انھیں بھی نقل کیا ہے، ساتھ ہی یہ واضح کیا ہے کہ ان کے درمیان گہری موافقت و مطابقت ہے تا کہ یہ حقیقت عیاں ہو سکے کہ کتاب و سنت کے نصوص میں باہم کوئی منافات و تعارض نہیں ہے اور ہم اہل حق ایسے تمام نصوص پر ان کے الگ الگ معانیِ مراد کے لحاظ سے عمل کرتے ہیں، ایسا نہیں کہ اہل باطل کی طرح بعض پر عمل کریں اور بعض کو چھوڑ دیں۔

تینوں ابواب کے مطالعہ سے یہ حقائق سامنے آئے:

الغرض ان ابواب کے مطالعہ سے یہ حقائق نمایاں ہوکر سامنے آتے ہیں:

(الف) ہمارا عمل ''احادیثِ صحیحین'' پر سلفاً، خلفاً ہمیشہ سے ہے، عقائد میں بھی، فروعی عقائد میں بھی، اور فقہی فروعی مسائل میں بھی۔

(ب) ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ عقائد وفروعی عقائد میں جو احادیثِ شریفہ سے الگ روش اپنائے وہ اسلام کے صراطِ مستقیم سے منحرف ہے اور اس بارے میں وہ اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ یہی حال اس گروہ کا بھی ہے جو فروعی مسائل میں ہمارے تمسک بالکتاب والسُّنہ سے آگاہ ہوتے ہوئے ''تقلید عرفی'' کو شرک اور ہم مقلدین کو مشرک کہتا ہے۔

(ج) ہمارا عمل صحیحین کے سوا دیگر کتبِ صحاح کی احادیثِ صحیحہ وحسنہ پر بھی ہے کہ ہم ان احادیث کو بھی شریعت کی حجت ودلیل مانتے ہیں، مقامِ احتیاط میں اور تائید وتشریح کے لیے احترامِ حدیثِ رسول کے جذبے کے تحت ہم ایسی ضعیف حدیثوں کو بھی قبول کرتے ہیں جن کے طُرق کا مجموعہ درجۂ حسن تک پہنچ جاتا ہے۔

(د) اجماعِ امت اور قیاس کو بھی ہم حجت شرعی تسلیم کرتے ہیں کیوں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ان کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور یہ در اصل احکام شرع کے کاشف ومظہر ہوتے ہیں، یہی مذہبِ سوادِ اعظم ہے جس کی پیروی کا حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

(ہ) ''سنتِ خلفاے راشدین'' بھی ہمارے لیے حجت ہے کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

اور حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھا جائے تو سنتِ خلفاے راشدین کی پیروی سنتِ رسول اللہ کی پیروی ہے اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی حکم الٰہی کی پیروی ہے۔

مسلکِ حق روز روشن کی طرح روشن ہوچکا:

''مسلکِ حق'' قرآنِ حکیم کی آیتوں اور رسول اللہ کی حدیثوں سے روز روشن کی طرح روشن ہوچکا، جسے ہر صاحبِ انصاف ودیانت کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اس لیے اہل حق پورے اطمینانِ

قلب اور یقین کے ساتھ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر قائم رہیں اور کسی کے اس بہکاوے میں نہ آئیں کہ "تمہارا عقیدہ احادیث صحیحین کے خلاف ہے۔"

میرے اسلامی بھائیو! آپ کے عقائد اور احادیث صحیحین، بلکہ دیگر کتب کی احادیث صحاح بھی آپ کے پیش نظر ہیں آپ خود اپنے عقائد اور احادیث شریفہ کو سمجھ کر پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ کیا آپ کے عقائد ایک بال برابر بھی احادیث شریفہ سے خلاف ہیں؟، اللہ عزوجل آپ کو توفیق صواب اور ثابت قدمی نصیب فرمائے۔ اور فرقۂ وہابیہ کے کارکنوں سے بھی گزارش ہے کہ وہ ان احادیثِ شریفہ کے مطابق اپنی اصلاح کر کے حامی سنت بنیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى"(۱)

ترجمہ: کسی قوم سے عداوت تمھیں اس بات پر نہ ابھارے کہ انصاف کی بات نہ کہو، انصاف کی بات بولو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

حق یہ ہے کہ ان احادیث پر عمل رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری ہے اور ان سے روگردانی رسول اللہ کی نافرمانی۔ اور رسول اللہ کی نافرمانی در اصل اللہ عزوجل کی نافرمانی ہے اس لیے اللہ عزوجل سے ڈریں اور اطاعتِ الٰہی کی روش اپنائیں۔

واضح ہو کہ عقائد کے باب میں احادیث شریفہ سے روگردانی واقع میں دین میں فساد اور بگاڑ ہے جس سے سب کو بچنا چاہیے، ہمارا منصب ارشاد رسول "فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ"(۲) کے مطابق زبان و قلم سے سمجھانا اور اصلاح کی کوشش کرنا ہے، خدا کرے یہ کوشش مقبول ہو۔

آگے آپ کو اختیار ہے کہ "مسلک حق" اپنائیں یا اپنی روش پر قائم رہیں، ہمارا مقصود تو اصلاح ہے "اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ"(۳)

ہم یہاں آپ کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے چند آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة المائدة:۵، الآیة: ۸.

(۲) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: ۵۱، کتاب الإیمان / بیان کون النهي عن المنکر من الإیمان، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۳) القرآن الحکیم، سورة هود:۱۱، الآیة: ۸۸.

ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے چند آیات اور احادیث نبوی:

آیات:

(۱) اللہ عزّوجل ارشاد فرماتا ہے:

”وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ“(۱)

ترجمہ: اور بے شک یہ ہے میرا سیدھا راستہ، تو اس پر چلو۔

(۲) ارشاد باری ہے:

”وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا“ (۲)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر، اور آپس میں پھٹ نہ جانا (فرقوں میں نہ بٹ جانا)

(۳) فرمان خداوندی ہے:

”اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۱۹“(۳)

ترجمہ: بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔

حُکام دنیا کی نافرمانی کرنے سے انسان ڈرتا ہے حالاں کہ ان کی گرفت اور تعزیر ہلکی ہے تو خدائے ذوالجلال کی نافرمانی سے ضرور ڈرنا چاہیے جس کی گرفت اور عذاب بہت ہی سخت ہے۔

احادیثِ نبوی:

① أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي ، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي.(٤)

---

(١) القرآن الحكيم، سورة الانعام:٦، الآية: ١٥٣.

(٢) القرآن الحكيم، سورة آل عمران:٣، الآية: ١٠٣.

(٣) القرآن الحكيم، سورة المزمل:٧٣، الآية: ١٩.

(٤) ● صحيح البخارى، ج:٢، ص:١٠٥٧، كتاب الأحكام/ باب قول الله وأطيعوا الرسول.

● صحيح البخارى،ج:١، ص: ٤١٥، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم،ج:٢،ص:١٢٤، كتاب الإمارة/ باب وجوب طاعة الأمر فى غير معصية.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(۲) عن أبي ذر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: من أطاعني فقد أطاع الله و من عصاني فقد عصى الله و من أطاع عليًا فقد أطاعني و من عصى عليًا فقد عصاني.

هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرّجاه، وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اور امام ذہبی نے اپنی تلخیص میں فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) حدَّثنا سالم بن عبد الله بن عمر أنَّ عبدَ الله بن عمر حدَّثه أنّه كان ذات يوم عند رسول الله -صلى الله عليه و سلم- مع نفر من أصحابه فأقبل عليهم رسولُ الله -صلى الله عليه و سلم- فقال:

يا هؤلاء! ألستم تعلمون أني رسولُ الله إليكم، قالوا: بلىٰ، نشهد أنّك رسول الله، قال: ألستم تعلمون أن الله أنزل في كتابه ''مَن أطاعني فقد أطاع الله''، قالوا: بلى، نشهد أنّه مَن أطاعك فقد أطاع الله وإن مِن طاعة الله طاعتك. قال:

فإن من طاعة الله أن تطيعوني، وإن من طاعتي أن تطيعوا أئمّتكم. أطيعوا أئمتكم، فإن صلّوا قعودا فصلوا قعودا.[2]

---

(١) المستدرك على الصحيحين، ج:٤، ص: ٨٨، كتاب معرفة الصحابة، باب من أطاع عليًا فقد أطاعني، رقم الحديث: ٤٦٧٥، دار المعرفة، بيروت.

(٢) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٤٤٢، مسند المكثرين/ مسند عمر، رقم الحديث: ٥٦٧٩.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں چند صحابۂ کرام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھا، حضور ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ”اے لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ ہم گواہی دیتے ہیں کہ جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور اللہ کی اطاعت سے ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ اور میری اطاعت سے ہے کہ تم اپنے ائمہ کی اطاعت کرو • اپنے ائمہ کی اطاعت کرو۔ اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔

اس حدیث کا آخری فرمان کہ ”ائمہ بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔“ صحیح بخاری شریف جلد اول اور صحیح مسلم شریف جلد اول کی ایک حدیث سے منسوخ ہے[1]، باقی احکام برقرار اور واجب العمل ہیں۔

④ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ ، حَدَّثَنَا - أَوْ - سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ.

فَقَالُوا . . . وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا -صلى الله عليه وسلم- فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ ، وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا -صلى الله عليه وسلم- فَقَدْ عَصَى اللهَ

---

(١) قال أبو عبد الله (البخاري) قال الحميدي (عبدُ الله بن الزبير شيخ الإمامِ البخاري): قوله: "وإذا صلّى جالساً فصلّوا جلوساً" هو في مَرضهِ القديم. ثمّ صلّى بعد ذلك النبيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- جالساً والناس خلفَهُ قيامٌ، لم يأمرهم بالقعود، وإنما يؤخذ بالآخِر فالآخِر مِن فعل النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-. (صحيح البخاري، ج:١، ص:٩٦، كتاب الأذان/ باب إنما جعل الإمام ليؤتمّ به، مجلس البركات.

وَمُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم فَرْقٌ.(۱) بَيْنَ النَّاسِ.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کچھ فرشتے آئے اس وقت آپ سو رہے تھے تو بعض نے کہا کہ حضور سو رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں اور دل بیدار ہے۔۔۔

پھر انھوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اللہ کی طرف سے) داعی ہیں تو جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرماں برداری کرے وہ اللہ کا فرماں بردار ہے اور جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے وہ اللہ کا نافرمان ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک وبد لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

⑤ عن العرباض بن سارية قال: وَعَظَنَا رسول الله -صلى الله عليه و سلم- يومًا بعد صلاة الغداة موعظةً بليغةً ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال رجل: إن هذه موعظة مُودِّع، فماذا تعهد إلينا يا رسول الله؟ قال:

أوصيكم بتقوى الله والسّمع والطاعة وإن عبدٌ حبشي، فإنه مَن يعش منكم يرى اختلافا كثيرا. وإياكم ومحدثاتِ الأمور فإنها ضلالة، فمن أدرك ذلك منكم فعليكم بسنّتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضّوا عليها بالنواجذ.(۳)

قال أبو عيسىٰ: هذا حديث صحيح.

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں ہے:

روي مشددا على صيغة الفعل ومخففا على المصدر كذا قاله الطيبي، وقال السيد جمال الدين: مصدر وصف به للمبالغة، أي: فارق بين المؤمن والكافر والصالح والفاسق، وقال ميرك شاه: كذا وقع عند أكثر رواة البخاري بسكون الراء والتنوين. [ج:۱، ص:۳٤۱، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، دار الكتب العلمية، بيروت]

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۱۰۸۱، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة/ باب الاقتداء بسُنن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) ● جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۹۲، أبواب العلم عن رسول الله ﷺ / باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع، مجلس البركات، مبارك فور.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل/مسند الشاميين /حديث العرباض بن سارية، ج:۲۸، ص: ۳۷۳، رقم الحديث: ۱۷۱٤۰، مؤسسة الرسالة، بيروت.

● السنن الكبرىٰ للبيهقي، ج: ۱۰، ص: ۱۱٤.

● المستدرك على الصحيحين، ج: ۱، ص: ۹۵، ۹٦، ۹۷.

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ہمیں نہایت بلیغ وعظ فرمایا جس کے باعث آنکھیں چھلک پڑیں اور دل لرز اٹھے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو رخصت ہونے والے کا رقت خیز وعظ ہے۔ یارسول اللہ! آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں، فرمایا:

میں تمھیں اللہ سے ڈرنے، اپنے امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔ بے شک تم میں جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، نئی باتوں سے بچتے رہنا کیوں کہ یہ گمراہی ہے، تم میں سے جو شخص یہ زمانہ پائے وہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے خُلفا کی سنت اختیار کرے، تم لوگ سنت کو مضبوطی سے تھام لو۔

⑥ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: ''الْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ''. لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءٍ إِلا عَبْدُ الْعَزِيزِ بن أَبِي رَوَّادٍ، وَتَفَرَّدَ بِهِ ابْنُهُ عَبْدُ الْمُجِيدِ.[1]

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بگاڑ کے وقت جو میری سنت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اس کے لیے ایک شہید کا اجر ہے۔

⑦ عن ابن عباس عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- ''من تمسّك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد.''[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے فساد امت کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔

کلام اللہ کی یہ آیتیں اور رسول اللہ کی یہ حدیثیں ہم سب کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ بلا شبہہ

---

(۱) ● المعجم الأوسط للطبراني، ج:٥، ص:١١٩، مَن اسمه محمد، رقم الحديث: ٥٤١٤. دارُ الكتب العلمية، بيروت.
● حلية الأولياء، ج:٨، ص: ٢٠٠، عبد العزيز بن أبي رواد، دار الفكر، بيروت.
● مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:١،ص: ٤١٨، كتاب العلم/ باب في اتباع الكتاب والسنة، رقم الحديث: ٨٠٠، دار الفكر، بيروت.

(۲) ● الترغيب والترهيب، ج:١، ص: ٢٤، الترغيب في اتباع السنة، رقم الحديث: ٦٢، دار التقوى.
● ميزان الاعتدال، ج:١،ص: ٥١٢، حرف الحاء، من اسمه الحسن، دار الفكر، بيروت.

رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اللہ عزوجل کی فرماں برداری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اللہ عزوجل کی نافرمانی ہے۔

فسادِ امت کے وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی ہدایت اور اس پر بشارت کی تشریح:

اور جب امت میں بگاڑ پیدا ہو جائے کہ سنت رسول اللہ کے خلاف عقیدے ظاہر ہونے لگیں اس وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے پر سو شہیدوں کے اجر کی بشارت ہے۔

مثلاً: کتاب و سنت سے ثابت ہے اور عقل سلیم بھی شاہد ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد سب سے سچا ہے اور سچائی میں بھی اس کا مقام یہ ہے کہ کسی انسان یا کسی مخلوق کا کلام وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، اب اس کے بر خلاف کوئی فرد یا گروہ یہ عقیدہ رکھے کہ "اللہ جھوٹ بولتا ہے -یا- بول سکتا ہے" تو اس سے کنارہ کش رہ کر سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا فرض ہوگا۔

یوں ہی کتاب اللہ اور احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ اللہ کے پیارے رسول، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اس کے سب سے آخری نبی ہیں، حضور کے زمانے میں، یا حضور کے بعد کوئی نبی نہ پیدا ہوا نہ ہوگا، لہٰذا اب اس کے بر خلاف کوئی فرد یا گروہ یہ عقیدہ ظاہر کرے کہ "یہ عوام اور کم فہموں کا خیال ہے، اللہ تعالیٰ کروروں نبی محمد ﷺ کے برابر پیدا کر سکتا ہے" تو اس سے کنارہ کش رہ کر سنت رسول اللہ و سنتِ خلفاے راشدین اور سنتِ صحابہ کو مضبوطی سے تھامے رہنا فرض ہوگا۔ یہ وہ فرائض ہیں جن پر مضبوطی سے قائم رہنے پر اللہ کے رسول ﷺ نے سو شہیدوں کے اجر کی بشارت دی ہے۔

تمسّک بالسُّنۃ کی اہمیت اور ضرورت سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا، اور حدیث ضعیف فضائل اعمال میں بالاتفاق مقبول ہے اس لیے ان احادیث میں سے کسی کو ضعیف ٹھہرا کر تمسّک بالسُّنّۃ سے اعراض نہ کیا جائے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ تمسّک بالسنّہ ذریعہ بخشش و نجات ہے اس لیے ممکن حد تک اس کی ترغیب دی جائے۔

گزشتہ صفحات میں اہل حق -اہل سنت و جماعت- کے جو عقائد بیان کیے گئے ہیں انھیں سنت رسول اللہ کی ایمان افروز دلیلوں سے مبرہن اور واضح و روشن کر دیا گیا ہے جنھیں قبول کرنا اطاعت ہے

اور ان سے انحراف معصیت۔ اب فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے کہ ان احادیث وسنن کی اطاعت کرتے ہیں یا معصیت۔ ہاں اطاعت کریں گے تو اجر عظیم اور رضائے الٰہی کے حق دار ہوں گے جس کا انجام جنت ابدی کی راحت وفرحت ہے، ہم آپ کو ارشاد نبوی کے مطابق یہ بشارت دیتے ہیں:

(٨) عَن أنس، عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: يسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آسانی دو، دشواری میں مت ڈالو، اور بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ۔

من آں چہ شرط بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ ازیں سخنم پند گیر، خواہ ملال

سُبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم، وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمّد واله وصحبه الكرام وعلى السّواد الأعظم من أمته وعلينا معهم أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين.

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص:١٦، كتاب الإيمان/ باب ما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخوّلهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، مجلس البركات.

المراجع

القرآن الحکیم وتفاسیرہ:

نام کتاب/رسالہ	مصنف/مرتب	ولادت/وفات	ناشر/مطبع
القرآن الحکیم	اللہ عزوجل کا مقدس کلام	حیّ قیوم	مجلس البرکات، مبارک پور
أنوار التنزیل وأسرار التاویل المعروف بہ تفسیر البیضاوی	ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر الشیرازی البیضاوی	.../۶۹۱ھ	دار احیاء التراث العربي، بیروت
تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر	امام حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر	۷۰۱ھ/۷۷۴ھ	دار المعرفۃ، بیروت
إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم المعروف بہ تفسیر أبي السعود	الإمام أبو السعود محمد بن محمد العمادي	۹۰۰ھ/۹۸۲ھ	مکتبۃ الحدیثیۃ، بالریاض
حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	العلامۃ احمد بن محمد صاوی المالکی الخلوتی	۱۱۷۵ھ/۱۲۴۱ھ	دار الفکر، بیروت
خزائن العرفان فی تفسیر القرآن	صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی	۱۳۰۰ھ/۱۳۶۷ھ	مجلس البرکات، مبارک پور

متون وشروح الحدیث النبوی:

نام کتاب/رسالہ	مصنف/مرتب	ولادت/وفات	ناشر/مطبع
الموطا للإمام مالک	امام مالک بن الحسن الشیبانی	۹۳ھ/۱۷۹ھ	المکتبۃ العصریۃ
کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۳۱ھ/۱۸۹ھ	دار النور، دمشق
الموطا بروایۃ محمد بن الحسن	امام محمد بن الحسن الشیبانی	۱۳۱ھ/۱۸۹ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
مسند أبي داؤد الطیالسی	سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی	۱۳۳ھ/۲۰۴ھ	دار ھجر للطباعۃ والنشر
المصنف	حافظ کبیر ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام	۱۲۶ھ/۲۱۱ھ	المجلس العلم
کتاب المصنف فی الأحادیث والآثار	امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن أبي شیبہ الکوفی	۱۵۹ھ/۲۳۵ھ	الدار السلفیہ

کتاب	مصنف	سن ولادت/وفات	ناشر
مسند الإمام أحمد بن حنبل	امام حافظ ابو عبداللہ احمد بن حنبل	۱۶۴ھ/۲۴۱ھ	بیت الافکار الدولیۃ، الریاض
کتاب فضائل الصحابۃ	امام حافظ ابو عبداللہ احمد بن حنبل	۱۶۴ھ/۲۴۱ھ	دار العلم للطباعۃ والنشر
الموطا بروایۃ یحیٰ بن یحیٰ	امام یحیٰ بن یحیٰ الاندلسی	۱۵۲ھ/۲۴۴ھ	دار المغرب الاسلامی، بیروت
مسند الدارمی	امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی	۱۸۱ھ/۲۵۵ھ	دار المغنی والتوزیع
الأدب المفرد الجامع للآداب النبویۃ	الإمام الحافظ أبو عبداللہ محمد بن إسماعیل البخاري	۱۹۴ھ/۲۵۶ھ	مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع
صحیح البخاری	الامام الحافظ ابو عبداللہ محمد بن إسماعیل البخاری	۱۹۴ھ/۲۵۶ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
الصحیح لمسلم	الإمام الحافظ أبو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری	۲۰۶ھ/۲۶۱ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
سنن ابن ماجہ	ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی	۲۰۹ھ/۲۷۳ھ	بیت الافکار الدولیۃ، الریاض
سنن ابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی	۲۰۲ھ/۲۷۵ھ	بیت الافکار الدولیۃ، الریاض
کتاب السنۃ	الإمام أبو بکر أحمد بن عمرو بن ابو عاصم	۲۰۶ھ/۲۸۷ھ	دار الصمیعی للنشر والتوزیع
جامع الترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۰۹ھ/۲۷۹ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
البحر الذخار المعروف بـ مسند البزار	حافظ ابو بکر احمد بن عمرو البزار	۲۱۰ھ/۲۹۲ھ	مؤسسۃ علوم القرآن
المجتبیٰ من السنن المشہور بسنن النسائی	ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی	۲۱۵ھ/۳۰۳ھ	بیت الافکار الدولیۃ، الریاض
مسند ابی یعلی الموصلی	امام حافظ احمد بن علی التیمی	۲۱۰ھ/۳۰۷ھ	دار المعرفۃ للتراث
نوادر الأصول فی معرفۃ أحادیث الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی بن حسن المعروف بالحکیم الترمذی	نحو ۳۲۰ھ	دار النوادر، دمشق
شرح معانی الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۲۳۹ھ/۳۲۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
کتاب الضعفاء الکبیر	الإمام أبو جعفر محمد بن عمرو العقیلی	.../۳۲۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
سنن الدارقطنی	حافظ کبیر علی بن عمر الدارقطنی	۳۰۶ھ/۳۵۸ھ	مؤسسۃ الرسالۃ
المعجم الکبیر	الحافظ ابی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی	۲۶۰ھ/۳۶۰ھ	مکتبۃ ابن تیمیہ القاہرہ
المعجم الأوسط	الحافظ ابی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی	۲۶۰ھ/۳۶۰ھ	دار الحرمین للطباعۃ والنشر والتوزیع
المعجم الصغیر	الحافظ ابی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی	۲۶۰ھ/۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
مسند الشامیین	الحافظ ابو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی	۲۶۰ھ/۳۶۰ھ	مؤسسۃ الرسالۃ

کتاب	مصنف	وفات	مطبع
عمل الیوم واللیلۃ	الحافظ أبو بکر أحمد بن محمد بن إسحاق الدینوری الشافعی المعروف بابن السینی	... / ۳۶۴ھ	مکتبہ دار البیان، دمشق
الکامل لابن عدی	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی	.../۳۶۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
شرح مذاہب أہل السنۃ	الإمام أبو حفص عمر بن أحمد بن شاہین	۲۹۷ھ/۳۸۵ھ	مؤسسۃ قرطبۃ، مصر
المستدرک علی الصحیحین	امام حافظ ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری شافعی	۳۲۱ھ/۴۰۵ھ	مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ
حلیۃ الأولیاء وطبقات الاصفیا	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی	۳۳۶ھ/۴۳۰ھ	دار الکتب الکلیہ
دلائل النبوۃ	حافظ کبیر ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۳۳۶ھ/۴۳۰ھ	دار النفائس
شعب الإیمان للبیہقی	امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی	۳۸۴ھ/۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال الشریعۃ	امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی	۳۸۴ھ/۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
السنن الکبری للإمام البیہقی	حافظ ابو بکر احمد بن حسن ابن علی البیہقی	۳۸۴ھ/۴۵۸ھ	دائرۃ المعارف النظامیۃ حیدر آباد
کتاب الفقیہ والمتفقہ	حافظ مورخ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۳۹۲ھ/۴۶۲ھ	دار ابن الجوزی
کتاب المتفق المتفرق	حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۳۹۲ھ/۴۶۲ھ	دار القاری
عارضۃ الاحوذی	امام حافظ ابن العربی المالکی	۴۳۵ھ/۵۴۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
جامع مسانید الإمام الأعظم	الإمام أبو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی	۵۹۳ھ/۶۶۵ھ	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
المنہاج شرح الإمام النووی	امام محی الدین ابو زکریا ابن شرف النووی	۶۳۱ھ/۶۷۶ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان	امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی المصری	۶۷۵ھ/۷۳۹ھ	مؤسسۃ الرسالۃ
مشکاۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی	.../۷۴۱ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
تلخیص المستدرک علی الصحیحین	حافظ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی	۶۷۳ھ/۷۴۸ھ	دائرۃ المعارف
نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف	... / ۷۶۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ	حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۷۳۵ھ/۸۰۷ھ	دار الکتب العلمیہ
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۷۳۵ھ/۸۰۷ھ	دار الفکر، بیروت
بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث	الإمام الحافظ نور الدین علی بن سلیمان الہیثمی الشافعی	۷۳۵ھ/۸۰۷ھ	مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ

تقریب التہذیب	الامام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۷۷۳ھ/۸۵۲ھ	موسسة الرسالة
الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة	الحافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی	۷۷۳ھ/۸۵۲ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
فتح الباری	حافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۷۷۳ھ/۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
عمدة القاری	امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۷۶۲ھ/۸۵۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
ارشاد الساری	علامہ شہاب الدین احمد ابن محمد الخطیب القسطلانی	۸۵۱ھ/۹۲۳ھ	مطبعة الکبری الامیریة
کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال	علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی برہان پوری	۸۸۸ھ/۹۷۵ھ	بیت الافکار الدولیة، الریاض
مرقاة المفاتیح	علامہ شیخ علی بن سلطان محمد القاری	.../۱۰۱۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	علامہ محدث محمد المدعو عبد الرؤف المناوی	۹۵۳ھ/۱۰۳۱ھ	دار المعرفة بیروت
مقدمة المشکوٰة	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	.../۱۰۵۲ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
اشعة اللمعات، ج:۱	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	.../۱۰۵۳ھ	مکتبہ حبیبیہ پاکستان
الحواشی النافعة علی صحیح البخاری	علامہ احمد علی سہارن پوری	۱۲۲۵ھ/۱۲۹۷ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
مرعاة المفاتیح	ابو الحسن عبید اللہ بن عبد السلام مبارک پوری	.../۱۳۲۷ھ	ادارة البحوث الاسلامیة
تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی	ابو العلی محمد عبد الرحمن بن عبد الرحیم المبارکفوری	۱۲۸۳ھ/۱۳۵۳ھ	بیت الافکار الدولیة، الریاض
سلسلة الاحادیث الصحیحة	محمد ناصر الدین البانی	۱۳۳۳ھ/۱۴۲۰ھ	مکتبة المعارف للنشر والتوزیع
نزہة القاری شرح صحیح البخاری	مفتی محمد شریف الحق امجدی	۱۳۴۰ھ/۱۴۲۱ھ	دائرة البرکات، گھوسی، مئو
الحواشی الجلیلة فی تایید مذہب الحنفیة	مفتی محمد نظام الدین رضوی	حیاہ اللہ تعالی	مجلس البرکات، مبارک پور

رسائل امام اہل سنت امام احمد رضا قادری برکاتی:

نام کتاب/رسالہ	مصنف/مرتب	ولادت/وفات	ناشر/مطبع
سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	امام احمد رضا اکیڈمی

داماں باغ سبحان السبوح	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی
جزاء اللہ عدوہ باباءہ ختم النبوۃ	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	قادری بک ڈپو، بریلی
تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	رضوی دار الاشاعت، براؤں شریف
خالص الاعتقاد	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	رضا اکیڈمی
انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	رضوی کتب خانہ بریلی
الدولۃ المکیۃ	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	استانبول
اطائب الصیب علی أرض الطیب	امام احمد رضا قادری	۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ	رضا اکیڈمی

کتب الفقہ والاصول:

نام کتاب/رسالہ	مصنف/مرتب	ولادت/وفات	ناشر/مطبع
کتاب الام	الإمام محمد بن إدريس أبو عبد الله الشافعي	.../۲۰۴ھ	دار الفکر، بیروت
مختصر المزنی فی فروع الشافعیۃ	الإمام أبو ابراهيم إسماعيل بن يحيى المزنی	.../۲۶۴ھ	دار الفکر، بیروت
احکام القرآن للإمام الجصاص الرازی	أحمد بن علی المکنی بأبي الرازي الجصاص الحنفي	.../۲۷۰ھ	درا الکتب العلمیہ، بیروت
المستصفی من علم الاصول	الإمام حجۃ الإسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی	۴۵۰ھ/۵۰۵ھ	دار احیاء التراث العربی
مقدمات ابن رشد الملحق بالمدونۃ الکبری	أبو الولید محمد بن أحمد بن رشد المالکی القرطبي	.../۵۹۵ھ	درا الکتب العلمیہ، بیروت
بدایۃ المجتهد ونهایۃ المقتصد	أبو الولید محمد بن أحمد بن رشد المالکی القرطبي	.../۵۹۵ھ	تجار الکتب، مومبائی
فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام	.../۶۸۱ھ	برکات رضا پوربندر
کشف الأسرار عن أصول فخر الاسلام البزدوي	الإمام علاء الدین عبد العزیز بن أحمد البخاری	.../۷۳۰ھ	الصدف پبلیشر، کراچی
نہایۃ السول فی شرح منہاج الوصول علی ہامش التقریر مسلم الثبوت	شیخ الإسلام جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن الإسنوی	۷۰۴ھ/۷۷۲ھ	درا الکتب العلمیہ، بیروت
البنایۃ فی شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد بن احمد عینی	.../۸۵۵ھ	پاکستان
التقریر والتحبیر علی التحریر فی اصول الفقہ	أبو عبد اللہ محمد بن محمد الحلبی الحنفی المعروف بابن امیر حاج	۸۲۵ھ/۸۷۹ھ	درا الکتب العلمیہ، بیروت

تنویر الابصار مع الدر المختار	علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد	.../۱۰۰۴ھ	درا الکتب العلمیہ، بیروت
فواتح الرحموت	علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین لکھنوی	.../۱۲۲۵ھ	دار احیاء التراث العربی
حاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علی الدر المختار	سید احمد بن محمد طحطاوی الحنفی	.../۱۲۳۱ھ	دار المعرفہ، بیروت
رد المحتار	علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی	.../۱۲۵۲ھ	مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ
قمر الاقمار لحاشیۃ نور الانوار	الشیخ عبد الحلیم بن امین الدین اللکنوی الفرنجی محلی	۱۲۳۹ھ/۱۲۸۵ھ	مجلس البرکات، مبارک پور
حاشیۃ الحسامی	الشیخ أبو محمد عبد الحق بن محمد أمیر الحنفی الدہلوی	۱۲۶۷ھ/۱۳۳۵ھ	مجلس البرکات، مبارک پور

کتب العقائد والکلام:

نام کتاب/رسالہ	مصنف/مرتب	ولادت/وفات	ناشر/مطبع
الاقتصاد فی الاعتقاد	ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی	۴۵۰ھ/۵۰۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
شرح المقاصد	امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ الشہیر بسعد الدین التفتازانی	۷۱۲ھ/۷۹۳ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	.../۸۱۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
شرح العقائد الجلالی	محمد بن أسعد الصدیق جلال الدین الدوانی	۸۳۰ھ/۹۱۸ھ	مکتبہ یوسفی، لکناؤ
سلوک اقرب السبل بالتوجہ إلی سید الرسل	شاہ عبد الحق محدث دہلوی	.../۱۰۵۲ھ	کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند
تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی	علامہ فضل حق خیر آبادی	.../۱۲۷۸ھ	المجمع الاسلامی، مبارک پور
امتناع النظیر	علامہ فضل حق خیر آبادی	.../۱۲۷۸ھ	امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی
الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح	قاضی محمد بن علی الشوکانی	.../۱۲۵۰ھ	دار ابن حزم، بیروت
جامع الشواہد	علامہ وصی احمد محدث سورتی	۱۲۵۲ھ/۱۳۳۴ھ	کتب خانہ امجدیہ

متفرق کتب:

نام کتاب/رسالہ	مصنف/مرتب	ولادت/وفات	ناشر/مطبع
معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم	احمد بن عبد اللہ بن احمد الصبہانی	۳۳۹ھ/۴۳۰ھ	دار الوطن للنشر

المحلی لابن حزم	علی بن احمد بن سعید ابن حزم الظاہری	۳۸۴ھ/۴۵۶ھ	دار الآفاق، بیروت
تاریخ بغداد	حافظ ابو بکر احمد علی بن خطیب البغدادی	.../۴۶۳ھ	دار الآفاق، بیروت
لسان العرب/المفردات فی غریب القرآن	ابو القاسم الحسین محمد المعروف بہ "الراغب الاصفہانی"	.../۵۰۲ھ	مکتبہ نزار مصطفی الباز
کیمیائے سعادت	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	.../۵۰۵ھ	استانبول
احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	.../۵۰۵ھ	دار الشعب، قاہرہ
الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	ابی الفضل عیاض بن موسیٰ	.../۵۴۴ھ	دار الکتب العربی
تاریخ مدینۃ دمشق	علامہ علی بن حسن	.../۵۷۱ھ	دار الفکر، بیروت
الخیرات الحسان	شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ھیتمی	.../۹۷۳ھ	استانبول ترکی
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	.../۱۱۷۶ھ	استانبول، ترکی
صراط مستقیم	مولوی اسماعیل دہلوی	.../۱۲۴۶ھ	راشد کمپنی دیوبند
الادلۃ الرضیۃ	قاضی محمد بن علی الشوکانی	.../۱۲۵۰ھ	دار الہجرۃ، صنعاء
معیار الحق	میاں نذیر حسین دہلوی	.../۱۳۲۰ھ	جامعہ تعلیم القرآن والحدیث
عرف الجادی من جنان ہدی الہادی	نواب نور الحسن خان	.../۱۳۳۶ھ	جمعیت اہل سنت، لاہور
رسالہ یک روزی فارسی	مولوی اسماعیل دہلوی	.../۱۳۳۸ھ	فاروقی کتب خانہ، ملتان
تقویۃ الایمان	مولوی اسماعیل دہلوی	.../۱۳۳۸ھ	راشد کمپنی، دیوبند
نزل الابرار من فقہ النبی المختار	نواب وحید الزماں حیدر آبادی	.../۱۳۳۸ھ	جمعیت اہل سنت، لاہور
کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق	نواب وحید الزماں حیدر آبادی	.../۱۳۳۸ھ	جمعیت اہل سنت، لاہور

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مصنّفِ کتاب

سراج الفقہا علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ العالی

بقلم: حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی
شیخ الادب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ العالی کا نام سنتے ہی ایک ایسے جلیل القدر عالمِ ربّانی کا سراپا ذہن کے پردہ پر ابھرتا ہے جو مذہبی علوم و فنون خصوصاً فقہ و اصولِ فقہ میں مہارت و کمال کی وجہ سے جدید پیچیدہ شرعی و فقہی مسائل کے حل کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں، اور میدانِ تحقیق و تدقیق میں امتیازی شان اور علاحدہ شناخت کے حامل ہیں، بیماری کے باوجود برابر تدریس و افتا، تصنیف و تالیف اور دعوت و ارشاد کے کاموں میں مصروف، اور الجھے ہوئے ملی و جماعتی مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے فکر مند نظر آتے ہیں، آپ حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان "زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام" کی عملی تصویر ہیں۔ برصغیر ہندو پاک میں اہلِ سنت و جماعت کی سب سے عظیم اور بافیض درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے صدر المدرسین، شیخ الحدیث، صدر شعبۂ افتا اور مجلسِ شرعی مبارک پور جیسے علمی و تحقیقی ادارے کے ناظم ہیں۔ ذیل میں ان کا قدرے تعارف نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔

اس مضمون کے بنیادی طور پر تین گوشے ہیں:

(۱) گوشۂ حیات　　(۲) گوشۂ اوصاف و خدمات　　(۳) تعارفِ کتاب

(۱) گوشۂ حیات

نام و نسب اور خاندانی حالات:

آپ کا نام محمد نظام الدین، والد کا نام خوش محمد انصاری اور دادا کا نام سخاوت علی ہے۔ آپ کا

نسب نامہ کچھ اس طرح ہے:

"محمد نظام الدین، بن خوش محمد انصاری، بن سخاوت علی، بن فتح محمد، بن خدا بخش۔"

آپ کے جدِّ اعلیٰ خدا بخش مرحوم بھڑنگواں (Bharangwan)، تحصیل ہاٹا، ضلع گورکھ پور کے رہنے والے تھے۔ (اب یہ موضع ضلع دیوریا میں ہے)۔ ان کے ایک لڑکی تھی اور دو لڑکے۔ بڑے لڑکے کا نام غلام محمد میاں (عرف غلامن میاں) اور چھوٹے لڑکے کا نام فتح محمد میاں (عرف پھتنگن میاں) تھا۔

جدِ اعلیٰ (خدا بخش مرحوم) کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ کچھ لوگوں کی زیادتی سے تنگ آکر اپنے دونوں فرزندوں کو لے کر رام کولا، ضلع دیوریا (حال ضلع کشی نگر، Kushi Nagar) آگئیں۔ لیکن وہاں رہائش کا مناسب انتظام نہ ہو پایا، اس لیے کچھ دن وہاں رہ کر پڈرونہ (Padrauna) چلی آئیں اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ تقریباً ڈیڑھ سال وہاں رہنے کے بعد ضلع دیوریا کے ایک غیر معروف دیہات بھوجولی پوکھرا ٹولہ (Bhujauli, Pokhara Tola) منتقل ہو گئیں۔ (یہ بستی اس وقت ضلع کشی نگر، Kushi Nagar میں ہے)۔ اور وہاں زمیں دار بابو جھگڑو رائے سے ایک مختصر سی زمین لے کر ایک جھونپڑی بنائی اور اپنے دونوں فرزندوں (غلام محمد میاں اور فتح محمد میاں) کے ساتھ اسی میں رہنے لگیں۔ لگ بھگ ۱۹۳۰ء میں غلام محمد میاں کا انتقال ہو گیا۔ اور چھوٹے بھائی فتح محمد میاں تقریباً ۱۹۳۸ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

یہ دونوں بھائی بڑے دین دار، پرہیز گار، بات کے سچے، قول کے پکے اور نماز کے پابند تھے۔ انھی لوگوں نے اس چھوٹی سی بستی میں ایک مسجد قائم کی اور پنج وقتہ نماز اور اذان کا اہتمام کیا۔ الحمد للہ، آج وہ مسجد توسیعِ جدید کے بعد علاقے کی سب سے بڑی مسجد ہے جس کا نام "امام احمد رضا جامع مسجد" ہے۔ یہ توسیعِ جدید حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ نے کرائی ہے۔

فتح محمد میاں مرحوم کے ایک فرزند اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ فرزندِ ارجمند کا نام سخاوت میاں تھا، یہ حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی کے دادا مرحوم ہیں۔ ان کا انتقال پچاس برس کی عمر میں ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء بروز یک شنبہ ہوا۔

سخاوت میاں مرحوم کے چار لڑکے تھے:

(۱) خوش محمد میاں (۲) محمد دین میاں (۳) علی حسن میاں (۴) عبد السبحان میاں۔ اور پانچ لڑکیاں تھیں، یہ سب مرحوم ہو چکے ہیں سب سے آخر میں سب سے چھوٹی لڑکی مجید النسا مرحومہ کا انتقال ۲۵؍ ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۶؍ فروری ۲۰۱۴ء بروز بدھ ہوا۔

حضرت سراج الفقہا مد ظلہ کے والد گرامی خوش محمد میاں مرحوم، بھائیوں میں سب سے بڑے اور علاقے کے چند تعلیم یافتہ، دور اندیش اور ذہین و فطین لوگوں میں سے تھے۔ اور صوم و صلاۃ کے پابند، علم دوست، باہمت، حاضر جواب، مذہب اہل سنت و جماعت پر مضبوطی سے قائم رہنے والے، مسلمانوں کے بے لوث خادم، جفاکش، محنتی اور کتب بینی کے بہت شوقین تھے۔ صبح تڑکے ہی بیدار ہو جاتے، اور گھر کے لوگوں کو بھی بیدار کر دیتے، پھر کام میں لگ جاتے، نماز کے پابند اور ہر کام وقت پر کرنے کے عادی تھے۔ سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل ان کا خصوصی وصف تھا۔ دن بھر کام کرتے اور بعد نمازِ عشا مٹی کے چراغ یا لالٹین کی روشنی میں دینی کتابیں لے کر مطالعہ کے لیے بیٹھ جاتے، عام طور پر روزانہ کچھ لوگوں کو مدعو کیے رہتے، اور حاضرینِ مجلس کے سامنے بلند آواز سے کتاب پڑھتے اور کچھ دیر کے بعد رک کر اس کا مطلب سمجھاتے۔

خود انھی کا بیان ہے کہ پہلے گاؤں اور علاقے کے بہت سے مسلمان مشرکانہ کام کرتے تھے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ دیو استھان جا کر منتیں مانتے، بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے، کڑھائی پوجتے تھے، ان پر جہالت اس قدر غالب تھی کہ انھیں توحید و شرک اور ایمان و کفر کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا، اور نہ ہی اس کی کوئی فکر تھی۔ آپ اپنا کام کاج چھوڑ کر ایسے بھٹکے ہوئے لوگوں کے یہاں جاتے اور انھیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات و ہدایات سے آگاہ کرتے۔ آپ کی ان تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کا اثر یہ ہوا کہ ان لوگوں نے بہت سی بری جاہلانہ رسموں کو چھوڑ دیا اور نمازِ جمعہ اور بعض لوگ پنج گانہ نمازیں بھی ادا کرنے لگے۔

علاقے کے کئی مسلم قبرستانوں پر ہندوؤں نے ناجائز قبضہ کر لیا تھا اور عرصہ سے ان پر کاشت کر رہے تھے، آپ نے ان سے قانونی لڑائی لڑ کر مسلمانوں کو قبضہ دلایا، اپنے گاؤں میں ابتدائی مذہبی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا، یہ مکتب آج بھی بنام مدرسہ فیض العلوم جاری ہے جس کے مصارف کا انتظام حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ فرماتے ہیں، مفتی صاحب کی ابتدائی تعلیم اسی مکتب میں ہوئی، آپ

کے والد گرامی اس کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اپنی ذاتی جد و جہد سے مالیات کا انتظام کرتے رہے، اور کوئی سینتالیس سال پہلے اپنے آبا و اجداد کی قائم کی ہوئی مسجد کی توسیع اور جدید تعمیر کرائی۔ وہ بھی بوسیدہ و تنگ ہو گئی تو حضرت سراج الفقہاء نے اس کی توسیع و تعمیر چار گنا سے زیادہ زمین پر کرائی جو اب ''امام احمد رضا جامع مسجد'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ کے والد مرحوم آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے: **''اللہ تعالیٰ نے مجھ ناچیز سے اپنے دین کے بہت سے کام لیے، اور میری زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ میں نے تمھیں عالمِ دین بنایا۔ یہ مجھ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے اور مجھے تم پر ناز ہے۔ تمھاری ترقی کے لیے ہمیشہ دعائیں کرتا رہتا ہوں۔''**

ولادت و مسکن:

حضرت سراج الفقہا کی ولادت ۲۹ر شوال ۱۳۷۷ھ / ۲ر مارچ ۱۹۵۷ء ایک بجے شب جمعرات میں ہوئی، موصوف کا آبائی مسکن ضلع دیوریا (یو۔پی۔) کا ایک غیر معروف گاؤں بھوجولی پوکھرا ٹولہ ہے۔ یہ بستی اب ضلع کشی نگر میں آتی ہے۔ لیکن اب حضرت کی مستقل رہائش مبارک پور ہی میں ہے۔ محلّہ ملت نگر، مبارک پور میں آپ کا ذاتی مکان (کاشانۂ برکات) ہے۔

تعلیمی میدان میں:

ایک اندازے کے مطابق گیارہ سال کی عمر میں ۱۹۶۸ء کے اوائل میں مولوی خلیل احمد مرحوم نے بسم اللہ شریف پڑھا کر آپ کو قاعدۂ بغدادی شروع کرایا۔ موصوف ضلع موتیہاری، صوبۂ بہار کے رہنے والے تھے، ان کی سسرال سِسواں بازار ضلع گورکھپور (حال ضلع مہراج گنج) میں تھی، وہ موضع غلامی چھپرہ کے مکتب میں مدرس تھے، یہ موضع حضرت سراج الفقہاء کے وطن ''بھوجولی پوکھرا ٹولہ'' سے تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر دور جانب مغرب واقع ہے۔ آپ روزانہ اپنے گاؤں کے بچوں کے ہمراہ اس مکتب میں پڑھنے کے لیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ ذہن اور مضبوط قوت حافظہ سے نوازا تھا، چند دنوں میں ہی قاعدۂ بغدادی، پھر ''یسّرنا القرآن'' ختم کر کے عَمَّ پارہ شروع کر دیا۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ اس وقت آپ جو بھی سورتیں پڑھتے آسانی کے ساتھ بغیر یاد کیے ہی یاد ہو جاتیں۔ تھوڑے ہی دنوں

میں ناظرہ قرآن پاک ختم ہو گیا۔ اس وقت تک آپ کی ذہانت اور یادداشت کی پختگی کا چرچا مکتب کی چہار دیواری سے نکل کر اس آبادی کے باشندوں تک پہنچ چکا تھا۔ جب آپ گھر سے مکتب آتے یا مکتب سے گھر جاتے تو وہاں کے کچھ لوگ آپ کی طرف انگلیوں سے اشارہ کر کے کہتے: ”یہی وہ لڑکا ہے، پڑھنے میں بہت تیز ہے، تھوڑے ہی دنوں میں پہلے کے بہت سے لڑکوں سے آگے ہو گیا ہے۔“ اس طرح بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر کامیابی اور سربلندی کے آثار نمایاں تھے، بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

بالائے سرش زہوش مندی   می تافت ستارۂ سربلندی

پھر اس کے بعد جب آپ کے گاؤں (بھوجولی پوکھرا ٹولہ) کے مکتب میں ایک معلم آ گئے تو آپ وہیں تعلیم حاصل کرنے لگے، کچھ دنوں موضع کہرگڈی، ضلع دیوریا (حال ضلع کشی نگر) کے مکتب میں بھی تعلیم پائی۔ یہ موضع آپ کے گاؤں سے کوئی ۵ر کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، آپ صبح کو پیدل جاتے اور شام کو اسی طرح واپس آتے۔ ان مکاتب میں درجۂ دوم کے معیار کی اردو، فارسی کی پہلی کتاب اور میزان الصرف کے کچھ اسباق پڑھے۔ پورے علاقے میں نہ کوئی اچھا مدرسہ تھا اور نہ تعلیمی ماحول۔ اس لیے ابتدائی تعلیم برائے نام ہی ہو سکی، ناظرہ قرآن، اردو زبان، اور کچھ میزان وبس۔

اس کے بعد ۷۳-۱۹۷۲ء میں انجمن معین الاسلام، پرانی بستی (بستی شہر) میں داخلہ لے کر درس نظامی کی ابتدائی کتابیں: نحو میر، پنج گنج، ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھیں، وہیں معلوم ہوا کہ مدرسہ عزیز العلوم، نانپارہ، ضلع بہرائچ میں حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی علیہ الرحمہ کا درس بہت اچھا اور معیاری ہوتا ہے اس لیے طلبِ علم کے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۳ء میں نانپارہ چلے گئے اور حضرت مفتی شبیر حسن صاحب کے درس سے بہت متاثر ہوئے۔ مفتی صاحب کے پاس کافیہ ابن حاجب، شرح جامی اور تفسیر جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ آپ نے تین سال تک مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں تعلیم پائی۔ حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب کے علاوہ عزیز العلوم میں درج ذیل اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی:

(۱) حضرت مولانا عبد الوحید صاحب (۲) حضرت مولانا حبیب رضا صاحب (۳) حضرت مولانا سمیع اللہ صاحب۔ اخیر کے دونوں اساتذہ نے بعد میں آپ سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اجازت و خلافت بھی حاصل کی۔

نانپارہ ہی میں آپ نے بر صغیر میں اہل سنت کی سب سے عظیم، اور بافیض درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ کا تعلیمی شہرہ سنا تو دل میں وہاں داخلہ لے کر علمی تشنگی بجھانے کا حد درجہ اشتیاق پیدا ہوا۔ اسی دوران اطلاع ملی کہ جامعہ اشرفیہ کی روحِ رواں استاذ العلما، حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ کو پیارے ہوگئے تو آپ کو بڑا قلق ہوا۔ آخر کار شوال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء کو جامعہ اشرفیہ آگئے اور درجۂ سابعہ (فضیلت سال اول) میں داخلہ لیا، اور یہاں کے ماحول، معیارِ تعلیم، طرز تدریس اور تعلیمی نظم و نسق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پھر یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ جامعہ اشرفیہ میں آپ نے درجۂ سابعہ سے درجۂ تخصص فی الفقہ تک چار سال تعلیم حاصل کی اور تمام امتحانات میں اعلیٰ درجے سے کامیاب ہوتے رہے۔ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں یہیں آپ کی تعلیم کی تکمیل ہوئی اور سند و دستار سے نوازے گئے۔

جامعہ اشرفیہ میں حضرت سراج الفقہاء نے درج ذیل اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی:

(۱) حضرت مولانا افتخار احمد قادری (۲) حضرت مولانا نصیر الدین عزیزی (۳) حضرت مولانا عبد الشکور قادری مصباحی (۴) حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی، مبارک پوری۔ (۵) حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی (۶) حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری (۷) بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مبارک پوری (۸) شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

فتویٰ نویسی کی تربیت حضرت شارحِ بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان سے حاصل کی۔ ان کے علاوہ اپنے اساتذۂ کرام میں سب سے زیادہ استفادہ شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی سے کیا۔ آپ ان کی شخصیت اور طریقۂ تعلیم و تربیت سے حد درجہ متاثر ہیں اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

حضرت شیخ القرآن کے تعلق سے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے جملہ اساتذہ الحمد للہ مشفق ہی ملے۔ لیکن شخصیت سازی میں جن کا کردار کسی بھی حیثیت سے نمایاں رہا ان میں حضرت شیخ القرآن سر فہرست ہیں۔

حضرت شیخ القرآن ایک اچھے مشیر اور بہتر مربی ہیں۔ مشیر کا ایک خصوصی وصف یہ ہے کہ وہ امین و خیر خواہ ہو، اس لحاظ سے میں حضرتِ والا کو ایک صائب الرائے مشیر سمجھتا ہوں۔ خود راقم الحروف

(محمد نظام الدین رضوی) کو حضرت نے متعدّد امور میں مشورے دیے جو بہت مفید اور گراں بہا تھے۔ بسا اوقات حضرت نے از خود کسی مشورہ سے سرفراز فرمایا اور میں نے صرف آپ کے استاذ ہونے کے احترام میں ہاں، ہوں کر لیا، لیکن افادیت کے لحاظ سے مجھے اس پر عمل آوری میں کوئی خوبی نظر نہ آتی تھی، مگر حضرت نے بار بار اصرار کر کے اپنے مشورہ پر عمل کرانے میں جب کامیابی حاصل فرمائی تو بعد میں مجھے بھی اس کی ضرورت و افادیت کا شدت سے احساس ہوا۔ میرے ساتھ حضرت کے مفید مشوروں کے کئی ایک واقعات ہیں۔

حضرت (شیخ القرآن) نے تربیت کا طریقہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سیکھا ہے۔ آپ کے لیل و نہار کا مطالعہ فرمائیے تو آپ کی زندگی حسنِ سلوک اور اعلیٰ تربیت کا مجسم نمونہ نظر آئے گی۔ آج بھی آپ کے سیکڑوں تلامذہ اس پر گواہ ہیں اور حضرت شیخ القرآن کے آئینۂ اخلاق میں تو آپ اس کے جلوؤں کا مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں کہ آپ کی تربیت اسی اخلاقِ عالیہ کا نمونہ ہوتی ہے۔"(۱)

(۲) گوشۂ اوصاف و خدمات

فتویٰ نویسی:

حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ یوں تو مختلف علمی و فنی میدانوں میں کمال رکھتے ہیں، لیکن آپ کا خاص میدان فقہ و افتا ہے۔ اس میدان میں آپ اس قدر ممتاز و نمایاں ہیں کہ معاصرین میں دور دور تک کوئی آپ کا ثانی نظر نہیں آتا۔ آپ نے بہت سے نئے فقہی مسائل کی تحقیق فرمائی، نہایت وقیع اور بیش قیمت ابحاث و تحقیقات قوم کے سامنے پیش فرمائیں، ہزاروں فتاویٰ لکھ کر امتِ مسلمہ کی الجھنوں کو دور کیا۔

آپ نے فتویٰ نویسی کی مشق فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) سے کی۔ در اصل فتویٰ نویسی کے لیے صرف اسلامی علوم وفنون میں مہارت کافی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ساتھ کسی ماہر تجربہ کار فقیہ و مفتی کی بارگاہ میں زانوے

---

(۱) مقدمۂ معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل، ص:۲۵، ۲۶۔ ملتقطاً۔

تلمذ تہ کرنا اور اپنے تحریر کردہ فتاویٰ سنا کر اصلاح لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح اس فن کو بڑی حد تک علمِ طب و جراحت سے مشابہت ہے جو صرف پڑھ لینے اور مطالعہ کر لینے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ کسی طبیب حاذق کی نگرانی میں باضابطہ مشق و ممارست ضروری ہوتی ہے۔

اسی لیے کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم و فاضل ہو، دقیق النظر، ژرف نگاہ اور وسیع المطالعہ ہو مگر فقہاے کرام اسے فتویٰ نویسی کی اجازت اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ وہ کسی ماہر تجربہ کار مفتی کی خدمت میں رہ کر فتویٰ لکھنے کی مشق نہ کرے۔ اسے یوں سمجھیے کہ ایک ڈاکٹر کئی اہم ڈگریاں حاصل کر چکا ہے لیکن اسے آپریشن کرنے کی اجازت نہیں ملتی، جب تک کہ وہ کسی ماہر سرجن کے ساتھ رہ کر سرجری کی مشق کر کے سرجری کے فن میں کامل نہ بن جائے۔ بلکہ ڈاکٹر کو صرف تعلیم سے فراغت کے بعد مطب کرنے کی اجازت بھی نہیں ملتی جب تک کہ وہ "ہاؤس جاب" نہ کر لے، یعنی کسی اسپتال میں جا کر کہنہ مشق ڈاکٹروں کی نگرانی میں وہ ایک مدت تک امراض کی تشخیص اور نسخہ نویسی کی مشق نہ کر لے۔ یہی حال فتویٰ نویسی کا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"ردِّ وہابیہ اور افتا، یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک حاذق ڈاکٹر کے مطب میں سات برس بیٹھا۔ مجھے وہ وقت، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے ایک بار نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش و جاں فشانی سے نکالا، اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں، مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا تو انھوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ردّ ہو گئے۔"(۱)

فقیہ الہند حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان نے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) اور مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری (متوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) سے فتویٰ نویسی کی تربیت پائی تھی اور سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین

---

(۱) الملفوظ، ج:۱، ص:۴۷، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۳ء۔

رضوی نے حضرت شارح بخاری سے فقہ و افتا کی تربیت حاصل کی، اس طرح صرف دو واسطوں سے آپ فقہ و افتا میں فیضان رضا سے بہرہ ور اور مستفیض ہیں، اور آپ کے فتاویٰ میں امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی تحقیق اور فقہی بصیرت کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے فراغت کے بعد جامعہ کے ارباب حل و عقد نے تدریس کے ساتھ افتا کے کام کے لیے آپ کا انتخاب کیا، اور حضرت شارحِ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر نگرانی آپ نے فتویٰ نویسی کا کام شروع فرمایا، ابتدا میں آپ شارح بخاری کے پاس بیٹھ کر ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے سوالات پڑھ کر سناتے، اور حضرت جو جواب بولتے آپ اسے لکھا کرتے، پھر حضرت آپ کو کچھ سوالات بھی دینے لگے اور ان کے جوابات لکھ کر سنانے کی تلقین فرمانے لگے۔ چند سالوں تک حضرت شارحِ بخاری کی بارگاہ میں اصلاح و تربیت کے عمل سے گزرنے کے بعد آپ کو اس فن میں خاصی مہارت اور کمال حاصل ہوگیا۔ مندرجہ ذیل سطور میں حضرت شارح بخاری سے تربیت و اصلاح لینے کی کہانی خود حضرت سراج الفقہا کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، آپ اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

"ہم سبھی لوگوں نے فتویٰ نویسی اس طور پر سیکھی کہ سوال پڑھ کر حضرت کو سناتے، اور حضرت اس کا جواب املا کراتے، املا کے دوران حوالے کے لیے فقہی عبارتوں کی تلاش کبھی املا نویس کرتے، اور کبھی خود حضرت۔ اس دوران ہم الگ سے کچھ مسائل کا جواب اپنے طور پر بھی لکھ کر سناتے اور اصلاح لیتے۔ جب حضرت کو یہ محسوس ہوتا کہ اب یہ خود سے فتویٰ لکھ سکیں گے تو املا نویسی بند کرکے اپنے طور پر فتوے لکھنے کا کام سپرد فرماتے، پھر ان کی اصلاح کرکے اپنی تصدیق کے ساتھ جواب جاری کرتے۔

فتوے کی اصلاح کا کام بہت مشکل ہوتا ہے۔ خود میرا حال یہ ہے کہ سوال بار بار بغور پڑھتا ہوں، پھر مطالعہ کرکے اس کا جواب لکھتا ہوں، لکھنے کے بعد ایک بار پھر سوال و جواب پر نظر ثانی کرتا ہوں ان مراحل سے گزر کر پھر اصلاح کے لیے حضرت کو سناتا ہوں، حضرت پورا سوال و جواب بہت غور سے حاضر دماغی کے ساتھ سنتے اور اصلاح فرماتے ہیں، کبھی کبھی فرماتے ہیں کہ سائل نے ایک بات یہ بھی دریافت کی ہے اس کا جواب نہیں ہوا ہے۔ میرے ہزاروں فتاویٰ ہیں، اور ان پر حضرت کی قیمتی

اصلاحات بھی۔ نہ سب یاد ہیں، نہ سب کو اس وقت پیش کر سکتا ہوں۔

مفتی پر لازم ہے کہ نقول مذہب پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر اسی کے مطابق فتوے لکھے، لیکن ساتھ ہی حالات زمانہ کی رعایت، عرف و عادات ناس سے واقفیت اور صورت مسئلہ کی تبدیلی پر بھی نظر رکھنی ضروری ہوتی ہے، میں اس باب میں جامدِ محض تھا، مگر اب جامد نہیں۔ یہ تبدیلی مکمل طور پر حضرت (شارح بخاری) دام ظلہ العالی کی اصلاح و تربیت کا فیض ہے، جدید مسائل میں عصری اسلوب پر میری جو بھی تصانیف ہیں وہ اسی فکری پیداوار کی دین ہیں، ورنہ کہاں وہ جمود اور کہاں یہ شعور۔"(۱)

اس طرح آپ نے ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء سے لے کر ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء تک مسلسل بیس سال حضرت صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی اور مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا نوری علیہما الرحمہ کے نظر کردہ و پروردہ باکمال فقیہ و مفتی حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگرانی و سرپرستی میں پوری محنت اور لگن کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام کیا۔ اور حضرت کی زندگی ہی میں برصغیر کے ایک جلیل القدر فقیہ و مفتی اور جدید شرعی مسائل کے ایک عظیم محقق کی حیثیت سے مشہور ہو گئے، اور اپنے استاذ و مربی کا مکمل وثوق و اعتماد حاصل کر لیا۔ خود حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عمر کے دور اخیر میں اس کا برملا اعتراف و اظہار فرماتے تھے اور آپ کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کھلے دل سے ان کی تعریف و تحسین فرماتے تھے۔ حضرت شارح بخاری آپ کی کتاب "جدید بینک کاری اور اسلام" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"جب یہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں فارغ ہو گئے تو ان کے سر پر ہوش مندی کے درخشاں ستارے کو میرے علاوہ اس وقت کے (جامعہ اشرفیہ کے) ارباب حل و عقد نے بھی دیکھا۔ میرے مبارک پور پہنچنے کے بعد دارالافتا کا کام بہت بڑھ گیا تھا، دارالافتا میں بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ میری درخواست پر ارباب حل و عقد نے انھیں تدریس و افتا دونوں کاموں پر مشترک رکھا۔ اور اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ میں نے یا ارباب حل و عقد نے انھیں منتخب کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی، بلکہ ایسا انتخاب کیا تھا جو بالکل صحیح اور بجا تھا۔ تدریس و افتا دونوں شعبوں میں یہ ہر طرح کامیاب رہے، شعبۂ افتا میں ان کی کامیابی کی دلیل یہ کتاب تو ہے ہی، ان کے ہزاروں فتاویٰ بھی ہیں اور ان

(۱) معارف شارح بخاری، ص: ۸۷۳-۸۷۵ [ملخصاً]، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء۔

کی دوسری تصانیف بھی۔

اس وقت جب کہ میں بہ تقاضاے سن، اِضمحلالِ قُویٰ، ضعفِ بصارت کی وجہ سے، نیز بعض شدید ترین ذہنی الجھنوں کی وجہ سے اہم فتاویٰ لکھنے سے معذور ہوں، یہی اس قسم کے تمام اہم فتاویٰ لکھتے ہیں، اور بہت غور و خوض اور کامل مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں جس سے مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ رہے گا۔"(۱)

حضرت سراج الفقہا دام ظلہ نے اب تک دس ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر فرمائے، اور تادم تحریر تسلسل کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام جاری و ساری ہے۔ ۶/ صفر ۱۴۲۱ھ/ ۱۱/ مئی ۲۰۰۰ء میں حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رحلت کے کچھ عرصے ہی کے بعد آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر شعبۂ افتا کے منصب جلیل پر فائز ہو گئے، اور اِس وقت نصف درجن مفتیان کرام آپ کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کا کام کر رہے ہیں، اور آپ فتویٰ نویسی کے ساتھ ہی ان کے فتاویٰ کی اصلاح اور تصدیق و تایید کی ذمہ داری بھی نبھاتے ہیں۔ شعبۂ تخصّصِ فقہ کے طلبہ بھی برابر آپ سے قضا و افتا کی تربیت لیتے اور فتویٰ نویسی کی مشق کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال (۳/ جمادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ) کے بعد شوال ۱۴۲۲ھ سے ایک زمانے تک(۲) مرکز تربیت افتا کے صدر اعلیٰ کی حیثیت سے وہاں کے شعبۂ افتا کے طلبہ کی اصلاح و تربیت بھی فرماتے رہے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کے زیر نگرانی لکھے گئے فتاویٰ تقریباً ۱۳۵۰ صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں منظر عام پر آ چکے ہیں جن میں اکہتر ابواب کے ایک ہزار تین سو تیرہ مسائل ہیں۔ یہ حضرت مفتی صاحب کی مخلصانہ خدمات کا بہترین ثمرہ ہے۔ اس طرح اس میدان میں آپ کی شخصیت بے نظیر اور آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر خضر عطا فرمائے۔ آمین۔

بحث و تحقیق اور مقالہ نگاری:

بحث و تحقیق اور مقالہ نگاری میں بھی آپ منفرد عالمانہ اسلوب کے مالک ہیں۔ جامعہ اشرفیہ

---

(۱) جدید بینک کاری اور اسلام، "تصدیق جلیل از شارح بخاری" ص: ۱۷، ۱۸، ناشر مکتبہ برہان ملت، مبارک پور۔

(۲) شوال ۱۴۲۲ھ تا ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ چودہ سال سے زائد۔

کے شعبۂ تخصص فی الفقہ میں داخلہ کے بعد آپ نے بحث و تحقیق اور مقالہ نگاری کی طرف توجہ فرمائی اور بڑی محنت، لگن اور کوشش سے اس فن میں مہارت و کمال حاصل کیا۔ تخصص فی الفقہ کے لیے آپ کے مقالہ کا موضوع تھا ”فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ: کتاب و سنت کی روشنی میں۔“ اور اس مقالہ کے نگراں شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے جو بڑے روشن فکر، وسیع النظر، عالی دماغ اور جید عالم دین تھے، بحث و تحقیق اور قرطاس و قلم کا بھی اچھا ذوق اور وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ حضرت سراج الفقہاء نے باضابطہ ان سے یہ فن سیکھا اور اپنی فطری ذہانت اور خداداد صلاحیت سے اس میں کمال پیدا کیا، آپ نے بارہا راقم سطور سے اس کا اظہار فرمایا اور خود اپنے ایک مقالہ میں اس کی صراحت بھی کی ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

”کچھ مجبوریوں کی وجہ سے درجۂ سابعہ یا زیادہ سے زیادہ درجۂ فضیلت کے بعد ترک تعلیم اور ملازمت کا ارادہ تھا۔ حضرت شیخ القرآن کے حکم پر بادلِ ناخواستہ کسی طرح آمادہ ہوا۔ اور درجہ تحقیق میں آنے کے بعد جو حیرت انگیز تبدیلی میرے ذہن و فکر میں آئی وہ روایتی درس و تدریس سے نہیں، بلکہ مقالہ نویسی کے لیے جدو جہد سے آئی، سچ یہ ہے کہ تحریری حیثیت سے مجھے ایک خط لکھنے کا بھی جیسا سلیقہ ہونا چاہیے تھا، نہ تھا۔ مقالہ کے لیے مواد کی فراہمی کیسے کی جائے اس سے ناآشنا تھا، کسی مسئلہ کی تحقیق کیسے ہونی چاہیے اس کا شعور نہ تھا۔ میں اپنے مقررہ مقالہ کا ابتدائی مضمون لکھ کر مقالہ کے نگراں استاذ مکرم (حضرت شیخ القرآن) کو سترہ روز تک دکھاتا رہا۔ وہ ملاحظہ فرماکر مسکراتے ہوئے کچھ ہدایات کے ساتھ واپس فرمادیتے۔ ایک روز فرمایا کہ اب تمھارا یہی مضمون میں بولتا ہوں، تم لکھو۔ املا نویسی شروع ہوگئی، تقریبًا پون گھنٹے کی املا نویسی سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اندھیرے سے اجالے میں آگیا ہوں۔ یہ سلسلہ تدریجًا سال بھر یا اس سے زیادہ دنوں تک چلتا رہا۔ اور میرے پاس جو کچھ تحریری صلاحیت ہے وہ اسی املا نویسی کا فیض ہے، اور تحقیق کا جو کچھ بھی ذوق ہے وہ اسی مقالہ نویسی کی دین ہے۔ اس بابرکت مقالہ کا عنوان تھا: ”فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ، کتاب و سنت کی روشنی میں۔“ یہ مقالہ تو تیار نہ ہوسکا(۱) لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اسی کی برکت سے میں کسی قابل ہوسکا، اور آج میرے پاس جو کچھ بھی سرمایہ ہے اس

---

(۱) کیوں کہ موضوع مبسوط ہونے کی وجہ سے وسیع مطالعہ اور کافی وقت درکار تھا دو سال کا زمانہ اصول فقہ اور فقہ کے منتخب موضوعات پر مطالعہ اور تقریبًا ۱۵۰ اصفحات پر مشتمل مقالہ مرتب کرنے میں گزر گیا۔ ۱۲ منہ

کا وسیلہ یہی مقالہ ہے، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ حضرت شیخ القرآن علامہ عبد اللہ خان عزیزی کی کرم فرمائی اور ان کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔"[1]

آپ کے قلم سے بہت سے وقیع اور شان دار مقالات و مضامین منصہ شہود پر آئے اور آپ کے اشہب قلم نے جس میدان کارزار کیا اسے سر کیے بغیر نہ چھوڑا، جس حق کو چاہا اس کا چہرہ نکھار کر روشن کر دیا، اور جس باطل پر کمند ڈالی اسے کھینچ کر روند ڈالا، اس طرح آپ کے قلم میں فیضان فاروق اعظم کی روشنائی رواں دواں اور علماے ربانیین کی حمایت حق اور استیصالِ باطل کی جلوہ آرائی اور کار فرمائی صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔

آپ کے مقالات و مضامین اور قلمی نقوش و آثار، علمی و تحقیقی اسلوب کا خوب صورت رنگ لیے رہتے ہیں، باتیں نپی تلی اور پتے کی ہوتی ہیں، مضامین کی فراوانی بھی خوب ہوتی ہے، لیکن مفہوم کی ترسیل اور معانی کی تفہیم کہیں بھی متاثر ہوتی نظر نہیں آتی، آپ کے ان قلمی نقوش کا امتیازی وصف، تحقیق و تدقیق ہوتا ہے۔

مختلف دینی و علمی موضوعات پر آپ کی قیمتی اور جامع تحریریں، وقیع اور گراں قدر مقالے ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، جام نور دہلی، کنز الایمان دہلی، سہ ماہی سنی دعوت اسلامی ممبئی، ماہ نامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ، ماہ نامہ رفاقت پٹنہ، ماہ نامہ حجاز جدید دہلی، ماہ نامہ معارف رضا کراچی، سال نامہ "اہل سنت کی آواز" مارہرہ شریف، سال نامہ "یادگار ایوبی" بپرا کنک، کشی نگر وغیرہ رسالوں میں شائع ہو کر عوام و خواص کے درمیان مقبول ہوتے رہے ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں پابندی کے ساتھ آپ کے منتخب فتاویٰ اور گراں قدر مضامین چھپ کر ماہ نامہ کا وقار بلند کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی فکر و قلم کو مزید استحکام اور توانائی بخشے اور انھیں اپنے خاص فیضان و توفیق کا حسین سنگم بنائے۔

مسندِ تدریس و ارشاد پر:

جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت کے بعد جامعہ کے ذمہ داروں نے آپ کو افتا کے ساتھ تدریس کے لیے بھی منتخب فرمایا، اور بہ قول شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) مقدمہ معارف التنزیل، ص:۲۵۔

"ان لوگوں نے اس انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی، بلکہ ایسا انتخاب کیا جو بالکل صحیح اور بجا ہے۔"(۱)

اس طرح ۱۹۸۱ء سے آج تک مسلسل چالیس سال سے پوری تیاری اور ذمہ داری کے ساتھ بڑی عرق ریزی اور جاں سوزی اور کمالِ مہارت کے ساتھ آپ تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہے ہیں، زیادہ تر آپ کے ذمہ درجاتِ عالمیت و فضیلت اور تخصص کی کتابیں ہوتی ہیں۔ جنھیں آپ پوری حاضر دماغی کے ساتھ پڑھاتے اور صحیح معنوں میں حق تدریس ادا کرتے ہیں۔ آپ کے درس کی کچھ الگ ہی شان ہوتی ہے۔ اسی لیے طلبہ آپ کے درس میں بڑی رغبت اور شوق سے شریک ہوتے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور استفادہ کرتے ہیں۔ تدریس کے باب میں آپ کی سوچ یہ ہے کہ طلبہ کو زدوکوب اور سختی کے ذریعہ درس کا پابند نہ بنایا جائے، بلکہ محنت اور کوشش کر کے اپنے درس کو اتنا دلچسپ بنا دیا جائے کہ طلبہ خود کشاں کشاں درس گاہ کی طرف چلے آئیں اور پوری توجہ سے درس سماعت کریں۔

ابتدا میں آپ نے اپنے درس کو دلچسپ بنانے کے لیے اپنے اساتذۂ کرام میں سے حضرت شیخ القرآن علامہ عبد اللہ خاں عزیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خصوصی استفادہ کیا اور طلبہ کو اپنے درس کا گرویدہ بنا لیا۔ اس کی کہانی خود انھیں کی زبانی نذرِ قارئین ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"میری تدریس کے دوسرے سال، تفسیر کی عظیم الشان کتاب "جلالین شریف" میرے زیر درس آئی، (ابتدا میں) اس کتاب کے کئی صفحات کا مطالعہ کر لینے کے بعد بھی میں تشنہ ہی رہا، اور میرے ذہن میں کوئی ایسا طریقۂ تدریس و تعلیم نہ آسکا جس پر گام زن ہو کر میں تشفی بخش درس دے کر مطمئن ہو جاتا۔ اور طلبہ پورے ذوق و شوق کے ساتھ درس گاہ میں حاضر ہو کر میری درسی تقریر کامل توجہ کے ساتھ سماعت کرتے۔ میں اس بات کا قائل نہیں کہ طلبہ کو غیر حاضری پر زدوکوب کیا جائے، میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ درس اتنا پر مغز، تسلی بخش اور دلچسپ بنا دیا جائے کہ طلبہ خود ہی کشاں کشاں درس گاہ میں حاضر ہو جائیں، مگر جلالین شریف کے پڑھانے کے لیے مجھے ایسے مواد فراہم نہیں ہو پا رہے تھے۔ اس لیے اپنے استاذ مکرم شیخ القرآن مد ظلہ العالی کی بارگاہ میں حاضری دی اور اپنی الجھن سے آگاہ کیا تو حضرت مسکرانے لگے، فرمایا کہ جلالین شریف کا درس تو بہت دلچسپ اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ پھر حضرت نے کئی ایک قیمتی معلومات دیں، اور خاص کر طریقۂ تدریس کے تعلق سے فرمایا کہ "جلالین شریف میں تفسیر کا

---

(۱) تقدیم "جدید بینک کاری اور اسلام" ص:۱۸، ناشر مکتبہ برہان ملت، مبارک پور، اعظم گڑھ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

کوئی نقطہ بھی زائد نہیں ہے۔ ہر لفظ بقدر حاجت لایا گیا ہے اور ساتھ ہی اس لفظ کے ذریعہ تفسیر کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ آپ وجہِ تفسیر بتانے کا التزام کریں درس مقبول ہوگا۔'' پھر حضرت نے تین چار سطریں پڑھ کر مختلف کلمات پر توجہ دلا کر ان کی وجہِ تفسیر بتائی۔ اب مجھے گوہر مقصود حاصل ہو گیا تھا اور قلب و فکر کے دریچے کھل چکے تھے، دل باغ باغ ہو گیا۔

اس کے مطابق درس شروع کیا تو طلبہ میں اس کا شہرہ پھیل گیا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت صدر المدرسین بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ ﷺ میری درس گاہ میں تشریف لائے، اور فرمایا کہ کس طرح پڑھاتے ہو کہ طلبہ میں بے پناہ پذیرائی ہو رہی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وجوہِ تفسیر کے بیان کا التزام کرتا ہوں۔ تو فرمانے لگے کہ سبحان اللہ، یہی طریقۂ تدریس حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ حضور حافظ ملت کے ایک تلمیذ کے ذریعہ مجھے ان کی (علمی) میراث کا نہایت قیمتی سرمایہ ملا، اور اب وہ میراث ان کے تلمیذ کے تلمیذ کے تلامذہ میں بغیر کسی ''مناسخہ'' کے تقسیم ہو رہی ہے۔''(۱)

آپ کی درسی تقریر بہت واضح، شستہ اور جامع ہوتی ہے جو درس کے تمام ضروری گوشوں کو محیط ہوتی ہے، اگر کتاب کی عبارت بظاہر قابل اعتراض اور پیچیدہ ہوتی ہے تو اختصار و جامعیت کے ساتھ اس کی ایسی توضیح و تشریح فرماتے ہیں کہ سرے سے اعتراض ہی نہیں پڑتا اور عبارت شکوک و شبہات کے گرد و غبار سے پاک و صاف معلوم ہوتی ہے۔ عام حالات میں آپ کی درسی تقریر اطناب و تفصیل سے خالی ہوتی ہے لیکن جہاں موقع محل، تفصیل کا تقاضا کرتا ہے، وہاں آپ اس مقام کے تقاضوں کی بھرپور رعایت فرماتے ہیں۔ اس طرح آپ تدریسی میدان میں ایک نہایت ذمہ دار، مخلص اور کامیاب استاذ نظر آتے ہیں۔

منصبِ شیخ الحدیث پر:

محدّث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے بعد محدّث جلیل حضرت مولانا عبد الشکور مصباحی مدظلہ العالی جامعہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر مقرر

(۱) مقدمہ معارف التنزیل، ص:۲۶، ۲۷۔

ہوئے، اور جب شدید علالت کی وجہ سے جنوری ۲۰۱۶ء میں وہ اپنے صاحب زادے کے گھر الہ آباد تشریف لے گئے تو حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ نے یہ علمی منصب سنبھالا اور پابندی کے ساتھ صحیح بخاری کا درس دینے لگے، اور طلبہ کو اپنے علمی فیضان سے بہرہ ور کرنے لگے۔

آپ کا درسِ بخاری بہت موثر، جامع اور محققانہ ہوتا ہے، پہلے طلبہ سے سند کے ساتھ احادیث بخاری کی عبارت خوانی کرواتے ہیں، اور اسے غور سے سنتے ہیں، غلطی ہونے کی صورت میں اس کی اصلاح کرتے ہیں، پھر حسبِ ضرورت ترجمہ اور تشریح کرتے ہیں، اس دوران احادیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اور فقہ الحدیث پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، مختصر لفظوں میں باب کا خلاصہ، وجہِ مطابقت اور احادیث سے جدید وقدیم مسائل کا استخراج وطریقۂ استخراج اور مشکل مقامات کی توضیح اور مناسب حل آپ کے درس کا خصوصی حصّہ ہوتا ہے۔

گزشتہ چار سالوں سے جشنِ ختم بخاری شریف کے حسین موقع پر صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس بھی دے رہے ہیں اور کمال کی بات یہ ہے کہ ہر سال حدیث کی تقریر وتشریح الگ اسلوب اور چشم کشا مباحث پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس سے جہاں حضرت سراج الفقہاء کے علمی وتحقیقی کمال کا پتا چلتا ہے، وہیں حدیث رسول اللہ ﷺ کی حیرت انگیز معنویت اور بے مثال جامعیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

علمی مذاکرات میں شرکت:

حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ بہت سے علمی مذاکرات (سیمیناروں) اور فقہی مجلسوں میں شرکت فرما چکے ہیں، اور ان تمام مذاکرات میں آپ کی شرکت مؤثر، فعّال، باضابطہ اور بامقصد رہی۔ بحثوں میں بھرپور حصہ لینا، موضوعات کے تمام ضروری گوشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ایسی محققانہ گفتگو فرمانا کہ شکوک وشبہات کے تمام بادل چھٹ جائیں اور حق کا چہرہ روشن اور تابندہ ہو جائے یہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے، آپ جس سمینار میں شرکت فرماتے ہیں اس کے میرِ مجلس اور روحِ رواں نظر آتے ہیں، آپ کی بحثیں اور تنقیحات فیصلہ کی بنیاد بنتی ہیں۔ حسنِ استدلال، زورِ بیان، طرزِ استخراج اور جزئیات کا برمحل اور مناسب انطباق کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اب تک آپ درج ذیل سمیناروں میں شرکت فرما چکے ہیں:

(۱) سہ روزہ سمینار، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، جنوری ۱۹۸۶ء، موضوع: "مدارس اسلامیہ میں سائنس کی ضرورت۔"

(۲) یک روزہ فقہی سمینار شرعی بورڈ، منعقدہ ۱۵، صفر ۱۴۰۶ھ/ ۳۰، اکتوبر ۱۹۸۶ء، بمقام: جامعہ حمیدیہ بنارس۔

(۳) دو روزہ فقہی سمینار شرعی بورڈ، منعقدہ ۳، ۴، ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ / ۱۱، ۱۲، جولائی ۱۹۸۷ء، بمقام: سنٹرل بلڈنگ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (یو۔پی۔)

(۴) چارروزہ فقہی سمینار شرعی بورڈ، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، جنوری ۱۹۸۷ء بموقع عرس عزیزی، بمقام: جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

(۵) یک روزہ فقہی سمینار شرعی بورڈ، اوائل ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ، بمقام: سنٹرل بلڈنگ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (یو۔پی۔)

شرعی بورڈ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ان چار سمیناروں میں متعدد پیچیدہ مسائل کے ساتھ مندرجہ ذیل دو اہم موضوعات پر بحث و مذاکرہ ہوا:

(۱) رویتِ ہلال (۲) لاؤڈاسپیکر پر نماز

ان میں آپ کے مقالہ "لاؤڈاسپیکر پر نماز" کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ یہی مقالہ بعد میں کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ "لاؤڈاسپیکر کا شرعی حکم" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

(۶) تیسرا فقہی سمینار زیر اہتمام مجمع الفقہ الاسلامی (انڈیا)، منعقدہ ۸ تا ۱۱، جون ۱۹۹۰ء، بمقام: دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور (کرناٹک)۔

موضوعات: (۱) اسلامی بینکنگ (۲) بیع مرابحہ (۳) حقوق کی بیع

(۷) چوتھا فقہی سمینار زیر اہتمام مجمع الفقہ الاسلامی (انڈیا)، منعقدہ ۹ تا ۱۲، اگست ۱۹۹۱ء، بمقام: دارالعلوم، سبیل السلام، حیدرآباد (دکن)

موضوعات: (۱) دو ملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ (۲) بیمۂ جان و مال۔

ان دونوں سمیناروں میں تقریباً ڈھائی سو دیوبندی علما نے شرکت کی۔ حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ نے ان میں شرکت فرما کر فقہی اصول و جزئیات کی روشنی میں اپنے موقف کو نہ صرف ثابت

فرمایا، بلکہ اپنے خلاف موقف رکھنے والے دیوبندیوں کے اکابر علما کو اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور کر دیا اور اہل سنت و جماعت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ ان دونوں سمیناروں کی قدرے تفصیل حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی کتاب "جدید بینک کاری اور اسلام" کے مقدمہ میں بیان فرمائی ہے۔[1]

(۸) علمی مذاکرہ، منعقدہ جامعہ قادریہ، رچھا، بریلی شریف، ستمبر ۱۹۸۹ء

موضوع: "مدارس کے اسباب زوال اور ان کا علاج۔"

(۹) امام احمد رضا سمینار اور کانفرنس، منعقدہ ۱۰-۱۱/ شوال ۱۴۱۲ھ/ ۱۴-۱۵/ اپریل ۱۹۹۲ء، بمقام: لکھنؤ۔

موضوع مقالہ: "امام احمد رضا کا ذوقِ عبادت مکتوبات کے آئینے میں۔"

(۱۰) صدر الافاضل سمینار، منعقدہ نومبر ۱۹۹۲ء، بمقام: تلشی پور، ضلع گونڈہ۔

موضوع مقالہ: "صدر الافاضل بہ حیثیت مفسر قرآن۔"

(۱۱) صدر الشریعہ سمینار، منعقدہ ۲-۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۷ھ/ ۱۱-۱۲/ مارچ ۱۹۹۷ء، بمقام: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو۔

موضوع مقالہ: "بہار شریعت کا فقہی مقام۔"

(۱۲) اسلام اور تصوف سمینار، منعقدہ اکتوبر ۱۹۹۸ء، بمقام: مدرسہ فیض الرسول رچھا، بریلی شریف۔ موضوع مقالہ: "اسلام اور تصوف۔"

(۱۳) البرکات سمپوزیم، منعقدہ ۲۲-۲۳/ جولائی ۲۰۰۰ء، بمقام: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ اس کے لیے آپ نے دو مقالے تحریر کیے:

۱- جامعۃ البرکات میں مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کی عصری تعلیم و تربیت۔

۲- فی الوقت سنّی جامعات کس نہج پر ہیں؟

(۱۴) مسائل قضا سے متعلق سمینار، منعقدہ ۱۵/ شعبان ۱۴۲۲ھ/ ۲/ نومبر ۲۰۰۱ء، بمقام: جامعہ قادریہ، دودھی، ضلع سون بھدر (یو۔پی۔)

---

(۱) دیکھیے مقدمہ "جدید بینک کاری اور اسلام" ص:۱۸، تا ۲۳، ناشر مکتبہ برہانِ ملت، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

موضوعِ مقالہ: ”عصر حاضر میں دار القضاء کی ضرورت اور چند مسائل۔“

(۱۵) دو روزہ سمینار و کانفرنس، منعقدہ ۲۴-۲۵/ مارچ ۲۰۰۴ء، بمقام: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

موضوعِ مقالہ: ”اتر پردیش کے مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل۔“

(۱۶-۲۲) فقہی سمینار بورڈ دہلی کے مذاکرات:

فقہی سمینار بورڈ دہلی کے سات سمینار منعقد ہوئے آپ نے پوری تیاری کے ساتھ ان میں شرکت فرمائی، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سبھی سمینار آپ کی ہی بدولت کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ یہ سمینار جولائی ۲۰۰۳ء سے جولائی ۲۰۰۵ء تک الگ الگ تاریخوں میں مختلف مقامات پر منعقد ہوئے۔ ان میں کل پچیس اہم موضوعات زیر بحث آئے اور بحث و مذاکرہ کے بعد ان کے شرعی احکام پر اتفاق ہوا۔

(۲۳) دوسرا سمینار، شرعی کونسل آف انڈیا، منعقدہ ۱۵-۱۶/ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۲۱-۲۲/ اگست ۲۰۰۵ء بمقام: جامعۃ الرضا، متھرا پور، بریلی شریف۔

موضوعات: (۱) جدید ذرائع ابلاغ، ثبوتِ ہلال میں معتبر ہیں یا نہیں؟ (۲) جمرات کی موجودہ شکل میں رمیِ جمرات کا حکم (۳) انٹرنیٹ وغیرہ جدید آلات کے ذریعہ بیع و شرا کی حیثیت۔

(۲۴) دو روزہ فقہی سمینار، منعقدہ ۲۵-۲۶/ شعبان ۱۴۲۸ھ/ ۸-۹/ ستمبر ۲۰۰۷ء بمقام: کے کے بی فنکشن ہال، آدونی (حیدرآباد)

موضوع مقالہ: ”تقلید کی شرعی حیثیت۔“

(۲۵) سہ روزہ کل ہند فقہی سمینار و کانفرنس منعقدہ ۱۳-۱۴-۱۵/ اپریل ۲۰۰۷ء بمقام: اردو گھر، مغل پورہ، حیدرآباد (دکن)۔ یہ سمینار عصر حاضر کے ۱۹/ اہم مسائل پر ہوا۔

(۲۶) پانچ روزہ سمینار و تربیتِ اساتذہ کیمپ، منعقدہ ۷/ مارچ تا ۱۱/، مارچ ۲۰۰۸ء بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

موضوع مقالہ: ”تدریس فقہ و اصول فقہ۔“

(۲۷) اصلاحِ معاشرہ سمینار، منعقدہ ۲۵/ مئی ۱۹۹۴ء بمقام: الجامعۃ الاسلامیہ سکٹھی، مبارک پور۔

موضوع مقالہ: ”مسلم معاشرہ کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کے راستے۔“

(۲۸) سہ روزہ کل ہند فقہی سمینار و کانفرنس، جامعۃ المومنات حیدر آباد۔ ۲۰/ ۲۱/ ۲۲/ فروری ۲۰۰۹ء جمعہ، ہفتہ، اتوار۔ یہ سمینار عصر حاضر کے تیس سے زیادہ مسائل پر ہوا۔

حیدر آباد کے پہلے اور بعد کے تمام سیمیناروں میں آپ کی شرکت بہت کامیاب اور اہم رہی، مندوبین کی بحثیں سن کر آپ سب کے دلائل پر گفتگو کرتے، پھر محاکمہ کے انداز میں ایک فیصلہ سناتے جس پر سب کا اتفاق ہوتا اور وہی قولِ فیصل قرار پاتا۔

۲۰۱۵ء والے سیمینار میں آخری روز آپ کو پونہ (مہاراشٹر) کے ایک اجلاس میں شریک ہونا تھا، اس لیے جب آپ معذرت کر کے مجلس مذاکرہ سے رخصت ہونے لگے تو مندوبین نے افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ ”یہاں سے آپ نہیں جا رہے ہیں، سیمینار کی روح جا رہی ہے، خدا آپ کو سلامت رکھے۔“

(۲۹) یک روزہ امام اعظم سیمینار، بارہ دری، لکھنؤ۔ ۲۴/ مارچ ۲۰۱۳ء۔

(۳۰ - ۵۵) مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سمینار:

دور جدید کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل پیش کرنے اور نوجوان علمائے کرام کی فقہی تربیت کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ارباب حل و عقد نے مجلس شرعی مبارک پور کے نام سے ایک علمی و تحقیقی ادارہ قائم کیا، اس کے قیام میں حضرت سراج الفقہاء دام ظلہ کا بہت اہم اور بنیادی کردار ہے۔ اس مجلس کے زیر اہتمام اب تک مختلف موضوعات پر چھبیس فقہی سمینار ہو چکے ہیں۔ حضرت سراج الفقہاء ان علمی و فقہی مذاکرات کے روح رواں رہے ہیں، آپ مقررہ موضوعات پر تحقیقی مقالات بھی لکھتے ہیں اور مذاکرات کی نشستوں کی نظامت بھی فرماتے ہیں اور بحث و مذاکرہ میں حصہ لے کر مسائل کو حل کی منزل تک پہنچاتے ہیں۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدر مجلس شرعی، صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ ناظم تعلیمات و سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بیان بھی پڑھتے چلیں، آپ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے خصوصی شمارہ ”تیرہواں فقہی سمینار نمبر“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”نواں مرحلہ مذاکرات کی مجلسوں کا ہوتا ہے۔ انھی کی کامیابی سمینار کی کامیابی کہلاتی ہے

مندوبین کے علاوہ بہت سے مشاہدین بھی ان مجالس کے مناظر سے روشناس ہیں۔ اس لیے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، تاہم یہ اشارہ ضروری ہے کہ اس مقام پر ناظم اجلاس حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ و ناظم مجلس شرعی کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ وہ زیر بحث موضوعات و مسائل کے علاوہ دیگر جزئیات واصول پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور زیر بحث مسائل پر پوری تیاری کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس لیے بیش تر اختلافات ان کی تقریر و تدبیر سے بہت جلد سمٹ جاتے ہیں اور جو چند گوشے باقی رہ جاتے ہیں، ان میں ہمارے مندوبین کی بحثیں قابل ستائش نظر آتی ہیں جو مسائل پر اچھی گرفت رکھتے ہیں۔"(۱)

اور ماہ نامہ اشرفیہ، جون ۲۰۰۷ء کے خصوصی شمارے "فقہی سیمینار نمبر" میں فرماتے ہیں:

"گرامی مرتبت حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ کی محنت و کاوش محتاجِ بیان نہیں، اب مجلس شرعی کی نظامت کی وجہ سے ان کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ سیمینار کی نظامت اور بحثوں کو سمیٹنے، پھر فیصلے کی منزل تک پہنچانے میں بھی ان کی علمی و تحقیقی مہارت کا خاص کردار ہوتا ہے۔ جو مشاہدین سے مخفی نہیں۔"(۲)

(۵۶-۶۴) خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے سیمینار:

خانقاہ قادریہ ایوبیہ پپرا کنک، کشی نگر کے زیر اہتمام "امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار" ۷/۸/۹ صفر ۱۴۳۴ھ/۲۱/۲۲/۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء کو شہر ممبئی میں منعقد ہوا۔ اس میں آپ نے "فقہ حنفی کا مطالعہ کتاب وسنت کی روشنی میں" کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا، دوسرا سیمینار ۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ/ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۳ء کو "فیضان برکات" کے عنوان پر منعقد ہوا، اس میں سراج الفقہا نے "عقائد نوری- سراج العوارف کے حوالے سے" کے زیر عنوان مقالہ پڑھا۔ تیسرا "فیضانِ خواجہ غریب نواز سیمینار" ۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ/ ۵/ مارچ ۲۰۱۴ء کو ہوا، آپ کا مقالہ "حضرت خواجہ غریب نواز کا فقہی مذہب" کے عنوان پر تھا۔ چوتھا سیمینار "فیضان غوث اعظم" ۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ/ ۲۲/ فروری ۲۰۱۵ء کو ہوا، اس میں سراج الفقہا نے "حضرت غوث اعظم کا فقہی مسلک" کے عنوان پر مقالہ پیش

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۶ء، ص:۸۔

(۲) اداریہ، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، شمارہ جون ۲۰۰۷ء، ص:۴۔

کیا۔ پانچواں سیمینار ”شاہ عبد العزیز محدث دہلوی“ ۳؍ جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ/ ۲۲؍ فروری ۲۰۱۶ء، اور چھٹا ”بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی سیمینار“ ۳؍ جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ/ یکم فروری ۲۰۱۷ء کو منعقد ہوا۔ اس میں انھوں نے ”فن اصول فقہ میں حضرت بحر العلوم فرنگی محلی کی مہارت“ کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ ساتواں ”شیخ عبد الحق محدث دہلوی سیمینار“ ۲۹؍ جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ/ ۱۸؍ مارچ ۲۰۱۸ء کو منعقد ہوا۔

آٹھواں ”امام احمد رضا سیمینار“ ۲۸، ۲۹؍ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ/ ۵، ۶؍ جنوری ۲۰۱۹ء کو ممبئی شہر میں منعقد ہوا، اس میں انھوں نے ”امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین“ کے زیر عنوان تفصیلی مقالہ پیش فرمایا۔ نویں سیمینار ”انوار قرآن (۱)“ میں آپ شریک نہ ہو سکے، لیکن دسواں ”انوار قرآن سیمینار (۲)“ ۴؍ شعبان ۱۴۴۲ھ/ ۱۸؍ مارچ ۲۰۲۱ء میں شرکت ہوئی اور قرآن کریم اور تنزیہ و تقدیس باری تعالی“ کے عنوان پر مقالہ پڑھا، جو بہت پسند کیا گیا۔

تکریم نامے:

حضرت سراج الفقہا مدظلہ کی دینی اور علمی خدمات کے اعتراف میں کئی تنظیموں اور خانقاہوں کی جانب سے متعدد اعزازات بھی مل چکے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) صدر الشریعہ ایوارڈ (از: مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ)

(۲) حافظی ایوارڈ (از: خانقاہ چشتیہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

(۳) شبیہِ نعل پاک (از: خانقاہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)

(۴) قائد اہلِ سنت ایوارڈ اور سراج الفقہا کا تکریمی خطاب
(از: علامہ ارشد القادری چیریٹیز انٹرنیشنل، جمشید پور)

(۵) شمس مارہرہ ایوارڈ (از: جامعہ قادریہ حیات العلوم، شہزاد پور، امبیڈکر نگر)

(۶) امام احمد رضا ایوارڈ (از: تنظیم حسان رسول، قصبہ مبارک پور، اعظم گڑھ)

(۷) قبلہ عالم ایوارڈ (از: خانقاہ چشتیہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

(۸) امام اعظم ایوارڈ اور عمدۃ المحققین کا تکریمی خطاب
(از: علمائے کشی نگر و انجمن اسلامیہ پڈرونہ، ضلع کشی نگر)

(۹) امام احمد رضا ایوارڈ، مینائی ایجوکیشنل سوسائٹی، لکھنؤ۔

(۱۰) سرکار شاہ میراں ایوارڈ، آستانہ سرکار میراں، کھمبات، گجرات

(۱۱) سید شاہ عبدالحی اشرفی ایوارڈ (از: خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھا شریف)

(۱۲) حافظ ملت ایوارڈ (از: تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور)

(۱۳) حافظ ملت ایوارڈ (از: ارباب حل وعقد، قصبہ مبارک پور)

(۱۴) امام احمد رضا ایوارڈ مع اکیاون ہزار روپے (از: مدرسہ ضیاء العلوم، التفات گنج، امبیڈکر نگر)

(۱۵) پاسبان اہل سنت ایوارڈ (از: تحریک پاسبان اہل سنت، رسول پور، گورکھ ناتھ، گورکھ پور)

سفرِ حج وزیارت:

۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء اور ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء میں دوبار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۷ء پھر ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۳ء میں دوبار عمرہ کیا۔

غیر ملکی اسفار:

حضرت سراج الفقہا نے برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، پاکستان، ماریشش کے دورے کیے۔ یہ اسفار خالص دینی وتبلیغی نوعیت کے ہیں۔

تصنیفات وتالیفات:

حضرت سراج الفقہا دام ظلہ کا قلم بڑا سیّال اور برق رفتار واقع ہوا ہے، اب تک آپ کے قلمِ زر نگار سے مختلف عنوانات پر سوا سو سے زائد مضامین اور مقالات معرض وجود میں آچکے ہیں۔ ان میں سے کچھ خاص مقالے یہ ہیں:

(۱) قیاس حجت شرعی ہے (۲) اتر پردیش کے مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل (۳) امام احمد رضا اور جدید فقہی مسائل (۴) امام احمد رضا کا ذوقِ عبادت مکتوبات کے آئینے میں (۵) تقلید عرفی کی شرعی حیثیت (۶) پرنٹنگ ایجنسی کے احکام (۷) سرکار غوث اعظم کا فقہی مسلک (۸) تصوف اور اسلام (۹) حضور مفتی اعظم بحرِ فقاہت کے در شاہوار (۱۰) قضاۃ اور ان کے حدود ولایت (۱۱) بہار شریعت کا

مختصر تعارف (۱۲)حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مذہب (۱۳) اسلامی درس گاہوں کے اسبابِ زوال اور ان کا علاج (۱۴)مساجد میں مدارس کا قیام (۱۵)میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت (۱۶) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت (۱۷)درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم (۱۸)زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال (۱۹)فیضانِ رسالت (۲۰)مصطفی جانِ رحمت اور حقوقِ انسانی (۲۱)مذہبی چینل کا شرعی حکم فتاوی رضویہ کی روشنی میں (۲۲)لغزشِ زبان سے صادر ہونے والے کلمات کب کفر ہیں، کب نہیں؟ (۲۳) مسلکِ اہلِ سنت ہی مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے (۲۴)حدیثِ افتراقِ امت اور بہتر فرقے (۲۵)نماز کے احکام پر ریل کے بدلتے نظام کا اثر (۲۶)انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم (۲۷)غیر رسمِ عثمانی میں قرآن حکیم کی کتابت (۲۸)ڈی این اے ٹیسٹ شرعی نقطۂ نظر سے (۲۹)قومی و ملی مسائل میں اہلِ سنت کا کردار- ضرورت اور طریق کار (۳۰) جینیٹک ٹیسٹ اور اس کی شرعی حیثیت (۳۱)جدید ذرائعِ ابلاغ سے نکاح کب جائز، کب ناجائز؟ (۳۲)بلیک برن وغیرہ بلادِ برطانیہ میں عشا، وتر اور صوم کے وجوب کی تحقیق (۳۳)روزہ میں گل لگانے کی شرعی حیثیت (۳۴)سفر میں جمع بین الصلاتین (۳۵)صدقۂ فطر کا وزن ۲ر کلو ۴۷ر گرام ہے (۳۶)مسجد دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی (۳۷)قربانی کے فضائل و مسائل (۳۸)نماز کی اہمیت مسائل کی روشنی میں (۳۹)آج کل سنی جامعات کس نہج پر ہیں (۴۰)اختلافی مسائل رحمت یا زحمت؟ (۴۱) سنّی دار الافتا کا کردار اور مفتیانِ عظام (۴۲)بیمۂ جان و مال کی تحقیق (۴۳)الکحل آمیز دواؤں کا استعمال (۴۴)جھوٹ بولنے کا دردناک انجام (۴۵)دینِ حق اور اس کی بے بہا تعلیمات (۴۶)فلمی گانوں کا ہولناک منظر (۴۷)میوزک نماذکر کے ساتھ نعتِ مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنا اور سننا (۴۸)ایڈز زدہ حاملہ عورت کو حمل ساقط کرانے کی اجازت نہیں (۴۹)چیک اور پرچی کی کٹوتی کا شرعی حکم (۵۰)ڈیون اور ان کے منافع پر زکوۃ (۵۱)دیہات میں جمعہ و ظہر با جماعت (۵۲) باغات و تالاب کا رائج اجارہ (۵۳)غیر مسلم ممالک میں جمعہ و عیدین (۵۴)تقلیدِ غیر کب جائز، کب ناجائز؟ (۵۵) چھت سے سعی و طواف کا مسئلہ (۵۶)حاجی مقیم پر قربانی واجب ہے (۵۷)معاملہ کرایہ فروخت شرعی نقطۂ نظر سے (۵۸)بیت المال، مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیلِ زکوۃ (۵۹)یوروکائنیزا انجیکشن سے علاج کا شرعی حکم (۶۰)صاحبِ زمین پر قربانی و صدقۂ فطر کا وجوب (۶۱)انجکشن مفسدِ صوم ہے، یا نہیں (۶۲)واشنگ مشین میں دھلے گئے کپڑے پاک ہیں، یا

ناپاک؟ (۶۳)حالتِ احرام میں خوشبو دار مشروبات پینے کا حکم (۶۴)عصر حاضر میں دار القضا کی ضرورت (۶۵)تمنائے موت شرعاً ممنوع ہے (۶۶)استمداد و استعانت پر ایک تحقیقی بحث (۶۷)اسلامی تصورِ توحید اور ائمۂ کرام (۶۸)مدارس میں طریقت اور خانقاہوں میں شریعت کا نفاذ ہو (۶۹)اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ (۷۰)حافظِ ملت اپنی تعلیمات کے آئینے میں (۷۱)حضور احسن العلما بحیثیت شیخ کامل (۷۲)حضرت صدر الافاضل بحیثیت مفسرِ قرآن (۷۳)حضرت صدر العلما میرٹھی بشیر القاری کے آئینے میں (۷۴)مسلم معاشرے کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کے راستے (۷۵)اصولِ تدریسِ فقہ و اصولِ فقہ (۷۶)جبری جہیز کی لعنت (۷۷) الإمام الترمذی و مآثره العلمية (عربی) (۷۸) المحدث أحمد علی السهارن فوري (عربي) (۷۹) ترجمة صاحب الصحيح: الامام أبي الحسن مسلم بن الحجاج القشيری- رحمة الله تعالی علیه- (عربی) (۸۰) ترجمة الشارح: الإمام أبي زكريا يحيي بن شرف النووی شارح صحيح مسلم (عربی)

ان میں سے دو مقالات [۱-اور- ۵] شامل کتاب ہیں۔

مقالات کے علاوہ درج ذیل علمی و تحقیقی کتابیں آپ کے قلم سے اب تک معرضِ تحریر میں آچکی ہیں، ان میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ:

(۱) الحواشی الجليّه فی تاييد مذهب الحنفيّة علی شرح صحيح مسلم (۲) فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کتاب و سنت کی روشنی میں (۳)عصمت انبیا (۴)لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم (۵)شیئر بازار کے مسائل (۶)جدید بینک کاری اور اسلام (۷)مشینی ذبیحہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں (۸) مبارک راتیں (۹)عظمت والدین (۱۰)امام احمد رضا پر اعتراضات-ایک تحقیقی جائزہ (۱۱)ایک نشست میں تین طلاق کا شرعی حکم (۱۲)فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول (۱۳)دو ملکوں کی کرنسیوں کا ادھار، تبادلہ و حوالہ (۱۴)انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم (۱۵)دکانوں، مکانوں کے پٹے اور پگڑی کے مسائل (۱۶)تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم (۱۷)خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام (۱۸)تعمیر مزارات احادیث نبویہ کی روشنی میں (۱۹)خسر، بہو کے رشتے کا احترام اسلام کی نگاہ میں (۲۰)اعضا کی پیوند کاری (۲۱)فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے (۲۲)بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت (۲۳)فقدان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام (۲۴)کان اور آنکھ میں دوا ڈالنا مفسدِ صوم

ہے، یا نہیں (۲۵) جدید ذرائع ابلاغ اور رویت ہلال (۲۶) الوبل الیعا، قرض اور ان کے احکام (۲۷) طبیب کے لیے اسلام اور تقوی کی شرط (۲۸) نیٹ ورک مارکیٹنگ کا شرعی حکم (۲۹) فسخ نکاح بوجہ تعسر نفقہ (۳۰) فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت فتاوی رضویہ کے حوالے سے (۳۱) مسلک اعلی حضرت عصر حاضر میں مسلک اہل سنت کی مترادف اصطلاح (۳۲) جداگانہ احکام اور فقہی اختلافات کے حدود حقائق و شواہد کے اجالے میں (۳۳) چلتی ٹرین میں نماز کا حکم فتاویٰ رضویہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں (۳۴) مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کے اخراجات کا انتظام (۳۵) تعدی مرض شرعی نقطہ نظر سے (۳۶) خلافت شرعی اور فضائل خلفاے راشدین (۳۷) جلوس عید میلاد النبی ﷺ سنت صحابہ کی یادگار (۳۸) برقی کتابوں کی خرید و فروخت شرعی نقطہ نظر سے (۳۹) مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں (۴۰) بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں (۴۱) اجتہاد کیا ہے اور مجتہد کون؟ (۴۲) تہتر میں ایک کون؟ (۴۳) ترک تقلید اور غیر مقلدین کے اجتہادی مسائل (۴۴) ثبوت ہلال کی نو صورتیں (۴۵) اور ۱۵/ جلدوں میں آپ کے لکھے ہوئے فتاوی، جو دار الافتا، جامعہ اشرفیہ کی امانت ہیں۔

مرتب کردہ کتابیں:

☆ صحیفہ مجلس شرعی جلد اول (یکے از مرتبین) ☆ صحیفہ مجلس شرعی جلد دوم ☆ مجلس شرعی کے فیصلے جلد اول و دوم ☆ انوار امام اعظم (یکے از مرتبین) ☆ جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے (تین جلدیں) جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے (دو جلدیں) ان کے سوا سب کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

برکاتی فیضان

دیار اولیا، مارہرہ مطہرہ کے مشائخ کرام سے حضرت سراج الفقہا کی قلبی عقیدت اور وابستگی جبرامت حضور سیدی مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں رضی اللہ تعالی عنہ سے میراث میں ملی ہے اور وہاں پر حاضری کا سلسلہ اکتوبر ۱۹۹۲ء سے شروع ہوا ہے۔

حضرت سراج الفقہاء بچپن میں حضرت سید العلما رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا چرچا سنتے تھے مگر ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا، آپ مدرسہ عزیز العلوم نان پارہ ضلع بہرائچ میں زیر تعلیم تھے، وہیں آپ کو اطلاع ملی کہ حضرت سید العلما رحمۃ اللہ تعالی علیہ وصال فرما گئے تو آپ کو بڑا قلق ہوا۔

وہاں کے اکابر میں آپ کی سب سے پہلی ملاقات اپریل ۱۹۹۲ء میں حضرت سیدی احسن العلما مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ممبئی میں ہوئی اور خانقاہ برکاتیہ میں پہلی حاضری کا شرف اسی سال ماہِ اکتوبر میں حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ حاصل ہوا۔

ملاقات کی تقریب یہ ہوئی کہ آپ کسی ضرورت سے ممبئی تشریف لے گئے تھے وہیں معلوم ہوا کہ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے سجادہ نشین احسن العلما حضرت مولانا سید مصطفی حیدر حسن (رحمۃ اللہ علیہ) بمبئی تشریف لائے ہوئے ہیں اور کھڑک مسجد کے حجرے میں قیام ہے، آپ تو مشتاق دید پہلے ہی سے تھے، اشتیاق اور بڑھ گیا، اپنے ایک تلمیذ مولانا مفتی جلال الدین نوری امام سنی نئی مسجد گھٹرپ دیو (سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور) سے فرمائش کی کہ حضرت سے ملاقات کرائیں، نماز عشا کا وقت قریب تھا، اس لیے انھوں نے عشا تک کی مہلت چاہی، بعد عشا وہ مفتی صاحب کو لے کر کھڑک مسجد پہنچے تو دیکھا کہ وہاں عجیب منظر ہے پورا حجرہ عقیدت مندوں کے ہجوم سے بھرا ہوا ہے اور ایک تخت پر حضرت احسن العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسند لگائے سب کو خطاب فرما رہے ہیں۔ حضرت نے دیکھتے ہی اشارہ فرمایا، سراج الفقہا قدموں میں حاضر ہوئے، سلامِ مسنون و دست بوسی کے بعد جب نوری صاحب نے تعارف کے لیے "حضرت مفتی نظام الدین" کہا تو حضرت نے بڑی شفقت کے ساتھ آپ کو اپنے ساتھ تخت پر مسند کے قریب بٹھایا اور فرمایا کہ:

"آپ کا غائبانہ تعارف تو پہلے ہی سے ہے، میں نے آپ کی کتاب "لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم" پوری پڑھی ہے، ماشاء اللہ خوب تحقیق فرمائی ہے، مسئلے کو منقح کر دیا ہے یہ الگ بات ہے کہ میرا موقف عدم جواز کا ہے مگر آپ کی تحقیق کی ستائش کرتا ہوں۔"

پھر حضرت احسن العلما پورے طور پر حضرت سراج الفقہا کی طرف متوجہ ہو گئے اور حاضرین سے فرمایا:

"آپ لوگ جا سکتے ہیں اب میں مفتی صاحب سے کچھ علمی مسائل پر باتیں کروں گا" پھر حضرت نے حدائق بخشش کے کچھ اشعار کے تعلق سے دریافت کیا اور مفتی صاحب نے مختصراً تشریح فرمائی تو حضرت بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: میں بھی یہی مطلب سمجھتا ہوں، اس کے بعد دیر تک قیمتی معلومات سے نوازتے رہے اور علمی مذاکرے کا یہ سلسلہ تقریباً ایک گھنٹہ ۴۵ منٹ تک جاری رہا،

جب مفتی صاحب رخصت ہونے لگے تو حضرت نے نوازش فرماتے ہوئے دو سو روپے عطا فرمائے اور مفتی صاحب نے تبرک سمجھ کر فوراً قبول فرمالیا مگر آپ کو اس نوازش پر حیرت ہوئی کہ یہ آپ کی توقع کے برخلاف تھا مگر دل نے اطمینان دلایا کہ یہ آلِ رسول کی شانِ کریمانہ کے خلاف نہیں، مفتی صاحب نے وہ روپے نجی استعمال میں لانے کے بجائے ایک اہم اور مفید کتاب "مفتاح کنوز السنۃ" کی خریداری میں لگائے اور اس پر "عطیہ حضور احسن العلماء دامت برکاتہم القدسیہ" لکھ کر بطور تبرک و یادگار اپنی لائبریری کی زینت بنالیا۔

یہ حضرت احسن العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آپ کی پہلی ملاقات تھی اور پہلی ہی ملاقات میں آپ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم و فضل، عالی ظرفی، حسن اخلاق، حوصلہ افزائی اور نوازش سے بہت متاثر ہوئے۔

پھر اسی سال اکتوبر ۱۹۹۲ء میں عرس قاسمی کے مبارک موقع پر حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت کی خرقہ پوشی کی محفل میں بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، سلام و دست بوسی کے وقت حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعارف کرانا چاہا تو حضرت احسن العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "مفتی صاحب سے تعارف ہے اور ممبئی کی ملاقات میں مفتی صاحب کے ساتھ ایک چھوٹا سا سیمینار بھی ہوا ہے۔" یہ حضرت سے دوسری ملاقات تھی، اس وقت حضرت کا چہرہ چاند کی طرح کھل رہا تھا۔

اس کے بعد پھر برابر بلا ناغہ مارہرہ شریف کی آمد و رفت شروع ہوگئی، عرس قاسمی میں ایک بار ضرور تشریف لے جاتے ہیں اور کبھی کبھی سال میں متعدّد بار جانے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ اس دوران حضرت پر سادات مارہرہ کی کیا کیا بارش فیض و کرم ہوئی اور ان کی نگاہوں میں آپ کس قدر مقبول ہوئے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بیعت:

۱۹۷۵ء میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدرسہ عزیز العلوم، نان پارہ، بہرائچ تشریف لائے تو حضرت سراج الفقہاء وہیں ان سے مرید ہوئے۔

اجازت و خلافت:

بریلی شریف میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرسِ چہلم کے موقع پر ایک ملاقات میں

خلیفۂ امام احمد رضا حضرت برہان ملت مولانا شاہ محمد برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت و خلافت عطا فرمائی۔

شہزادۂ احسن العلما حضرت امین ملت دام ظلہ العالی کی دعوت پر حضرت سراج الفقہا عرسِ قاسمی برکاتی میں تشریف لے گئے۔ حضرت امینِ ملت دام ظلہ العالی نے ۲۳؍ رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۲؍ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو عرس قاسمی برکاتی کی نورانی محفل میں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور حضرت سراج الفقہا کو خلیفہ منتخب کر کے اور اس کے چند سالوں بعد ''برکاتی مفتی'' کے منصب پر فائز کر کے حضرت شارح بخاری کے وصال سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کر دیا۔ اس وقت سے حضرت سراج الفقہا مسلسل خانقاہ برکاتیہ میں منعقد ہونے والی اہم تقریبات میں شرکت کرتے ہیں۔ حضرت رفیق ملت سیّد شاہ نجیب حیدر قادری برکاتی دام ظلہ کی رسم سجادگی ہو یا جامعہ احسن البرکات کے افتتاح کی محفل، البرکات اسلامک ریسرچ سینٹر کے قیام سے قبل کی مشاورتی نشست ہو یا فکر و تدبیر کانفرنس ہر تقریب میں شریک ہوئے۔ حضرت سراج الفقہا کو حضرت احسن العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بہت عقیدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام اولاد اور اپنی اہلیہ کو حضور احسن العلما سے بیعت کرایا۔

ان کے علاوہ پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ کمیل اشرف اشرفی مصباحی کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے بھی خلافت بخشی۔

بزم سوال و جواب:

بزم سوال و جواب دین کے مسائل سیکھنے اور سکھانے کا ایک اہم طریقہ ہے۔ بلکہ یہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریمہ بھی ہے۔ حدیث جبریئل اس کی شاہد ہے۔ خانقاہ برکاتیہ نے اس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ۲۰۰۷ء میں بزم سوال و جواب کا آغاز فرمایا۔ اس اہم سیشن میں حضرت سراج الفقہا عوام و خواص کے مسائل کا شریعت اسلامیہ کی رو سے جواب دیتے ہیں۔ بزم سوال و جواب میں حضرت امین ملت، حضرت رفیق ملت اور حضرت سید افضل میاں جیسی شخصیتیں بھی اپنے سوالات کا شرعی حل معلوم کرتی ہیں۔

اس بزم کا انعقاد حضرت شارحِ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ہو گیا تھا، جب فلمی گانوں کے تعلق سے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک اہم فتویٰ ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہوا تھا اور مختلف علاقوں

میں اس کے خلاف ایک شورش بپا ہوگئی تھی تو حضرت سراج الفقہا نے ان تمام مقامات پر تحقیقی خطاب فرمایا اور ساتھ ہی اہل اسلام کے بہت سے سوالات کے تشفی بخش جوابات دیے۔ اس طرح وہ شورش ختم ہوگئی اور حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سراج الفقہا کو دعاؤں سے نوازا۔

جب ماحول پر سکون ہوگیا تو بزم خطاب اور سوال و جواب کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد اگست ۲۰۰۰ء سے اس کا باضابطہ آغاز بولٹن (برطانیہ) کی سرزمین سے ہوا، جو بڑی کامیابیوں کے ساتھ برابر جاری ہے اور اب تک اس بزم سے کوئی ایک کرور، ساٹھ لاکھ سے زیادہ سامعین استفادہ کر چکے ہیں۔ سنی دعوت اسلامی، ممبئی کے زیر اہتمام ملک بھر میں منعقد ہونے والے سنی اجتماعات میں بزم سوال و جواب منعقد ہوتی ہے۔ عرس عزیزی جامعہ اشرفیہ میں بھی یہ سلسلہ پوری کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ ان مقامات کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں مختلف جلسوں میں یہ سلسلہ کامیابی کے ساتھ برابر جاری و ساری ہے۔ رب کریم اس کا فیض و نفع عام سے عام تر فرمائے اور اس مجلس کو قبولِ دوام عطا فرمائے۔ آمین۔

(۳) تعارفِ کتاب

سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے ذہنِ رسا اور فکرِ دقیق عطا فرمائی ہے، ساتھ ہی ان کا محققانہ طرز بیان اور مسائل و مباحث کے ضروری گوشوں کے احاطے کے ساتھ آسان لب و لہجے میں سمجھانے کا ہنر انھیں موجودہ عہد کے اربابِ فتویٰ اور محققین سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کی تقریباً تمام تصنیفات و تحقیقات میں یہ رنگ دور ہی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ فقہی و علمی مباحث پر مشتمل کتابوں پر انھوں نے جو گراں قدر، تاریخی اور تحقیقی مقدمے تحریر فرمائے وہ خود ان کے تحقیقی مزاج اور علمی تبحر کا پتا دیتے ہیں بطور خاص مجلس شرعی کے فیصلے جلد اول، جلد دوم، صحیفہ مجلس شرعی جلد دوم، جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے (تین جلدیں) پر آپ نے جو مقدمے لکھے وہ مستقل ایک علمی و تحقیقی رسالے کی حیثیت رکھتے ہیں اور فقہ و افتا کے قدیم و جدید سلسلوں کی تفہیم میں ایک محقق کے لیے ان مقدموں سے مدد نہ لینا تحقیق و تفتیش میں تشنگی کا احساس دلائے گا۔

زیر نظر کتاب "احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف" پندرہویں صدی کا ایک اہم علمی

اور تاریخی کارنامہ ہے جو حضرت سراج الفقہا کے قلم حقیقت نگار سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے علم و تحقیق کے ہفت اقلیم اس طرح سر کیے ہیں جس سے پیش رَو فقہاے محققین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کا سببِ تصنیف حضرت مصنف دام ظلہ العالی نے اپنے مقدمے میں بیان کر دیا ہے۔ اس لیے اس پر کچھ لب کشائی سے گریز کرتے ہوئے کتاب کے تعارف کی جانب قلم کا رخ موڑتے ہیں۔

یہ کتاب موجودہ عہد کی ایک ایسی علمی و دینی ضرورت ہے کہ اگر اس کا احساس جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل و عقد نے نہ کیا ہوتا تو شریعت مخالف اور احادیث نبویہ سے متصادم فکر و خیال کے پرچارک غیر مقلّدوں کو مطمئن کرنا کافی مشکل ہوتا۔ یہ لوگ دنیا کو یہ باور کراتے ہیں کہ صحیحین (بخاری و مسلم) پر صرف وہی عمل کرتے ہیں۔ یہ گروہ جب کوئی عقیدہ یا مسئلہ عوام یا علما کے سامنے پیش کرتا ہے تو بخاری و مسلم کا نام لیتا ہے اگرچہ وہ مسئلہ یا عقیدہ سراسر بخاری و مسلم کی مسلم الثبوت احادیث کے خلاف ہو۔ وہ اہل سنت کے عوام اور علما سے بار بار حدیث صحیح کا مطالبہ بھی کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ شرط بھی کہ وہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کی ہونی چاہیے۔

اس لیے ضرورت پیش آئی کہ اہل سنت کے عقائد و معمولات کی تصدیق و تصویب اور غیر مقلدین کی تغلیط و تردید کے لیے احادیث صحیحین کا ایک ایسا انتخاب پیش کیا جائے جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے۔ فاضل مصنف حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی اپنے اس حسن انتخاب میں کامیاب بھی ہیں اور سرخ رو بھی۔ اس میں انتخاب احادیث کے لیے تین طرح کے مسائل کو رکھا گیا ہے:

(۱) عقائد (۲) فروعی عقائد (۳) فروعی مسائل

ان تینوں زمروں میں بتیس (۳۲) مسائل کو احادیث صحیحہ کی روشنی میں نمایاں کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان پر محققانہ انداز میں گفتگو بھی کی گئی ہے۔ حضرت سراج الفقہا نے اس کتاب میں علمی استدلال اور فقہی استنباط کے وہ جواہر غالیہ پیش کیے ہیں جن کا دیدار بھی نگاہوں کو خیرہ کر دیتا اور دلوں کو طمانیت کے نور سے بھر دیتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر حضرت سراج الفقہا کے خصوصی استدلال کی ایک جھلک دکھا دی جائے۔

دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں کل ۳۰/ ابواب ہیں۔ پہلا باب "عقائد کے بیان میں" ہے
اس کا پہلا مسئلہ ہے: "امتناع کذب باری کا عقیدہ کتاب وسنت کی روشنی میں"۔ قارئین کی اطلاع کے
لیے عرض ہے کہ امتناع کذب باری کے دلائل عموماً عقلی ہیں۔ حضرت سراج الفقہا نے اس مسئلے کو
کتاب وسنت کی روشنی میں منقح فرمایا ہے۔ پہلے چند سطری تمہید میں یہ بتایا ہے کہ امت مسلمہ کا اجماعی
عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ محال (ناممکن) ہے۔ پھر وہابیہ کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کذب
باری کے امکان کا قول کرتے ہیں اور ان کی دلیل بھی مذکور ہے، پھر اس پر مختصر تبصرہ اور اہل سنت کے
دلائل عقلیہ ونقلیہ کا تفصیلی ذکر ہے۔

دلائل کی ترتیب یوں ہے:

(۱) تنزیہ باری کا ثبوت عقلی حیثیت سے:

اس عنوان کے تحت دو ثبوت عقلی اور امتناع کذب باری پر علمائے اہل سنت کی تصریحات کے
ذکر میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے ایک رسالہ "دامانِ باغ
سبحان السبوح" کے چند ضروری اقتباسات پیش کیے ہیں جن میں امام احمد رضا قادری نے سات طرح
سے کذب باری کے محال ہونے کی تفہیم کی ہے اور مثالوں سے چشم کشا وضاحتیں کی ہیں۔ اس مقام پہ
حضرت سراج الفقہا کی یہ تین سطریں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں:

"ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ "یہ اہل حدیث" صحیح بخاری وصحیح مسلم سے امکان کذبِ باری کے ثبوت
میں کم از کم دو چار احادیثِ نبویہ ایسی پیش کرتے جو احتمالِ تاویل سے محفوظ اور محکم ہوتیں، کچھ دوسری
صحاحِ ستہ وغیرہ (کی احادیث) سے بھی استناد کر سکتے تھے کہ ہم اہل سنت کے خلاف استدلال کے لیے
یہ بھی کافی ہے، مگر ایسا نہ کر سکے۔" (ص:۶۱)

(۲) تنزیہ باری کا ثبوت کتاب اللہ سے:

اس میں کل چار نوع کے ثبوتی حقائق کی جلوہ گری ہے۔ پہلا ثبوت: اللہ سے زیادہ کوئی سچا
نہیں، دوسرا ثبوت: کلام باری انتہائے درجات صدق پر ہے، تیسرا ثبوت: تسبیح باری کے تعلق سے آیات
واحادیث اور چوتھا ثبوت: اللہ کے جیسی کوئی چیز نہ ہونے کا اعلان۔

حضرت سراج الفقہا نے ان چاروں انواع کو قرآنی آیات، احادیث نبویہ، کتب لغات اور عقلی

شواہد سے اتنا روشن کر دیا ہے کہ چشم بینا دیکھتی رہ جائے اور گوش شنوا سنتا رہ جائے۔ بطور خاص تسبیح اور سبحان کی تحقیق اور امتناع کذب باری پر اس کا انطباق مصنف کے اخاذ ذہن اور عالمانہ تحقیق کا ناقابل فراموش حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۳) تنزیہ باری کا ثبوت احادیث نبویہ سے:

یہاں سراج الفقہا نے ۲۳ ر احادیث نبویہ مع تقریر استدلال و قابل قدر افادہ درج فرمائی ہیں اور مسئلہ مذکور کا ہر گوشہ منور کر دیا ہے۔

(۴) تنزیہ باری کا ثبوت اجماع مسلمین سے:

اس طرح کتاب وسنت، دلائل عقلیہ اور اجماع مسلمین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کذب بھی محال ذاتی ہے اور امکان کذب بھی۔

یہ پوری بحث چالیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ہر صفحے پر حضرت سراج الفقہا ایک خاص فقیہانہ، محققانہ اور عالمانہ شان کے ساتھ موجود ہیں۔

امتناع کذب باری کا مسئلہ باب الٰہیات کا ہے، باب نبوت میں ختم نبوت، امتناع نظیر، تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنین کی عزت، شفاعت، علم غیب رسول، عقیدہ حاضر وناظر، توسل ونداء، تصرفات انبیا، شارع اسلام کے تشریعی اختیارات وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں جن پر الگ الگ مباحث ہیں اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی رنگارنگی میں عقائد اہل سنت کا چہرہ آفتاب نیم روز کی طرح چمک رہا ہے اور باطل عقائد ونظریات کی روسیاہی بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور غیر مقلدین کا پانی کے بلبلوں کی طرح بنا ہوا شیش محل لمحہ لمحہ پانی میں تحلیل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

غیر مقلدین اجماع امت اور قیاس شرعی کو بھی نہیں مانتے، حالاں کہ یہ دونوں مسائل شرعیہ کا اہم ماخذ ہیں، اس لیے حضرت سراج الفقہا نے باب اول کے سولہویں اور سترہویں مسئلے میں اجماع امت اور قیاس پر علمی اور تحقیقی بحث کی ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں حقیقت نگاری کا بھرپور ثبوت پیش کیا ہے۔ ان دونوں مسئلوں کے بیان میں دلائل وشواہد کا ذکر پہلے اور فرقہ وہابیہ کا اس کے برخلاف موقف بعد میں رکھا ہے۔

''اجماع امت خطا سے پاک اور حجت شرعی ہے''، اس موقف پر اہل سنت کی پانچ دلیلوں کا

ذکر ہے اور احادیث اجماع کو پانچ انواع میں تقسیم کیا گیا ہے، پھر لکھا ہے کہ احادیث متواترہ کے مقابل فرقہ وہابیہ کا موقف یہ ہے۔ اخیر میں "آگاہی" کے ذیلی عنوان سے مصنف کتاب لکھتے ہیں:

"ہم یہاں اپنے برادران دینی کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اجماع کی حجیت پر تمام اہل قبلہ کا اتفاق عہد سلف میں ہی ہو چکا ہے، اس لیے اس کے بعد کے زمانے میں کبھی کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ خرقِ اجماع ہے جو شرعاً بہت معیوب اور ناقابل اعتنا ہے۔" (ص:۴۸۸)

فقہ کی چوتھی دلیل "قیاس شرعی" ہے۔ اس لیے احادیث نبویہ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ قیاس در اصل کتاب اللہ یا سنت اللہ یا اجماع سے ماخوذ ہوتا ہے اس لیے یہ کتاب وسنت واجماع کے احکام کا مظہر اور فقہ کی دلیل رابع ہے۔

سترہ (۱۷) مسائل کی تحقیق وتنقیح سے متعلق مباحث پر **جلد اول** مکمل ہو جاتی ہے۔

جلد دوم باب دوم: فروعی عقائد کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ فروعی عقائد میں احادیث نبویہ کی روشنی میں بدعت اور کتاب وسنت کے اجالے میں محفل میلاد النبی ﷺ اور صلاۃ وسلام بہ حالت قیام تین مسائل پر دلائل وشواہد کی روشنی میں تفصیلی محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔ مباحث میں تقریب استدلال بھی ہے اور جرح ونقد بھی، احقاق حق بھی اور ابطال باطل بھی، فاضل مصنف کی عالمانہ ژرف نگاہی اور ناقدانہ نکتہ رسی کے جلوے قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ اس جلد میں بھی حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی نے ایک بسیط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ تابش اول اور تابش دوم علی الترتیب "فقہی مذاہب پر فہم احادیث اور خیر القرون ومابعد کے رُواۃ کا اثر واقعات اور احادیث کے اجالے میں" اور "اجتہادی مسائل میں اہل سنت کا موقف احادیث نبویہ کی روشنی میں" کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی علم حدیث، اصول حدیث، تاریخ تدوین حدیث، اسماء الرجال، نقد حدیث، جرح وتعدیل اور محدثین وائمہ کرام کے نقطہ ہائے نظر پر عالمانہ دسترس رکھتے ہیں اور ایک فقیہ متبحر کے لیے علوم حدیث کا علم ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس مقدمے کو دیکھ کر یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ آپ نے فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی تحقیقات وفتاویٰ اور کتب ورسائل کو فقیہانہ، ناقدانہ، عارفانہ اور محدثانہ بصیرت افروز نگاہ سے پڑھا ہے اور اس بحر بے کراں سے بیش قیمت موتی چنے ہیں۔

تیسرا باب فروعی مسائل کے بیان سے سجا ہوا ہے اس میں کل بارہ مسائل پر تحقیق دی گئی ہے جو ترتیب وار اس طرح ہیں:

(۱) وضو میں نیت فرض ہے یا سنت، احادیث نبویہ کی روشنی میں

(۲) نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، احادیث نبویہ سے ثبوت

(۳) صبح روشن میں نماز پڑھنے کا استحباب

(۴) سایہ ایک مثل ہونے پر بھی وقت ظہر باقی رہتا ہے

(۵) سفر میں جمع بین الصلاتین

(۶) نماز میں رفع یدین جائز، غیر مستحب ہے

(۷) پست آواز سے آمین کہنا افضل ہے یا بلند آواز سے؟

(۸) مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے

(۹) استخارہ، احادیث نبویہ کی روشنی میں

(۱۰) بالغ کو دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ہوگی، یا نہیں؟ احادیث نبویہ سے شافی بیان

(۱۱) ایک نشست میں تین طلاق- تین یا ایک؟

(۱۲) حلالہ، حلال یا حرام؟ کتاب وسنت سے شافی جواب

مذکورہ بارہ مسائل پر گفتگو سے قبل حضرت سراج الفقہا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صفحے میں چند مقدماتی حقائق سپرد قلم کیے ہیں۔

"یاد رکھیں! چاروں مذاہب کی بنیاد کتاب اللہ وسنت رسول اللہ پر ہے اور سب کا مقصد اتباعِ سنتِ رسول ہے۔ عامۂ امت مسلمہ نے اجتہادی مسائل میں ان ائمۂ کرام کی پیروی کی ہے اور تقلید ائمہ کی راہ سے کتاب وسنت کا اتباع کیا ہے۔ لیکن ان مذاہب حقہ کے چند فقہی فروعی مسائل ایسے ہیں جن میں ان بزرگوں کے درمیان اجتہادی اختلاف ہے، ان میں سے بعض مذاہب کو وہابیہ غیر مقلدین نے اختیار کر لیا ہے اور باور کرایا ہے کہ ان کی بنیاد مضبوط اور مستحکم حدیثوں پر ہے۔"

حضرت سراج الفقہا نے بیان مذاہب میں ان ائمہ کرام کے فقہی واجتہادی نقطہ ہائے نظر کا ذکر کیا اور ان کے دلائل بھی پیش کیے ہیں اور پھر حنفی مذہب کی حقانیت پر مستقل شواہد درج کیے ہیں۔

ساتھ ہی ان مدعیانِ احادیث کو بھی آئینہ دکھایا جو تقلید ائمہ سے بیزار اور ائمہ مجتہدین کی بارگاہ ادب سے آزاد ہیں۔ حضرت سراج الفقہا ان مقامات پر ایک بالغ نظر فقیہ، مایہ ناز محقق، نکتہ رس عالم و مصنف اور زبردست قوت استدلال کے مالک دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی نے ماضی قریب و بعید کے فقہا و محققین اور ناقدین کے عالمانہ و ناقدانہ نکات آفریں مباحث سے خوشہ چینی کی ہے اور متعدد مقامات پر خود اپنے خصوصی استدلال کی جھلک بھی نمایاں کی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔

مثال کے طور پر دسویں فرعی مسئلے میں رضاعت کا بیان ہے، رضاعت کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ دو سال یا اس سے کم عمر کا بچہ کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لے تو وہ نسبی اولاد کی طرح دودھ پلانے والی عورت پر حرام ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا رضاعی بیٹا اور وہ اس کی رضاعی ماں ہو جاتی ہے۔ اس مسئلے میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ رضاعت ڈھائی سال کی عمر تک دودھ پینے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ یعنی صغیر کی مدتِ رضاعت میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے لیکن بڑا لڑکا یا لڑکی اگر کسی عورت کا دودھ پیے تو سارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن وہابیہ غیر مقلدین کا مذہب ان سب کے برخلاف ہے ان کے یہاں کبیر کو بھی دودھ پلانا جائز ہے اور بالغ کو دودھ پلانے سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ حضرت سراج الفقہا نے اس مسئلے پر فقہائے امت کے قرآنی و حدیثی دلائل ذکر کیے ہیں۔ چوتھے نمبر پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک حدیث پاک پیش کی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے: فإنما الرضاعة من المجاعة (رضاعت تو دودھ کی سخت بھوک پر ہی ہوتی ہے۔) اس حدیثِ نبوی سے حضرت سراج الفقہا نے جو خصوصی استدلال کیا ہے وہ انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ایک شرعی ضابطہ مقرر فرما دیا ہے:

إنّما الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ. یہاں المَجَاعَة سے مراد مجاعةُ اللبن ہے۔ اس کا قرینہ الرَّضاعة کا لفظ ہے کہ رضاعت طعام کی نہیں لَبن کی ہوتی ہے اور دودھ کی سخت بھوک اور تڑپ کم سن بچوں کو ہوتی ہے، بڑوں کو نہیں۔ تو اس حدیث پاک کا حاصل یہ ہوا کہ کم سنی میں دودھ پینے سے ہی رشتۂ رضاعت ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے غور کر لو کہ اس شخص نے کم سنی میں تمھاری ماں کا دودھ پیا ہے

جب بچے کو دودھ کی سخت بھوک اور تڑپ ہوتی ہے اور وہ اس کے لیے روتا ہے، یا یہ عمر گزر نے کے بعد دودھ پیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عمر زیادہ ہونے کے بعد بھوک اور تڑپ کھانے کی ہوتی ہے اور دودھ کا صرف شوق رہ جاتا ہے۔

کلمہ اِنّما بالاتفاق حصر کے لیے ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے کلمۂ حصر کے ساتھ ضابطہ بیان کر کے رہنمائی فرمائی ہے کہ رضاعت کا یہ رشتہ صرف صغیر کے دودھ پینے سے ہی ثابت ہوتا ہے، کبیر کے دودھ پینے سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔" (ص:۱۸۷)

مدت رضاعت سے متعلق تین آیات قرآنیہ اور چھ احادیث نبویہ ذکر کرنے کے بعد حضرت سراج الفقہا نے ایک حدیث پیش کی ہے جس میں یہ ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے حضرت سہلہ بنت سہیل کو ایک جوان شخص سالم کو دودھ پلانے کی اجازت دی تھی۔ فاضل محقق دام ظلہ العالی نے متعدد شواہد کے اجالے میں اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں:

اول یہ کہ یہ حکم حضرت سہلہ اور سالم کے لیے خاص ہے اور یہ حضور سید عالم ﷺ کے تشریعی اختیارات کا حصہ ہے، دوم یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حلالہ، حلال یا حرام؟ یہ کتاب کا اکتیسواں مسئلہ ہے۔ اس مسئلے پر بھی وہابیہ غیر مقلدین کافی شور و غوغا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حلالہ بالکل خلاف شرع اور ناجائز و حرام ہے۔ اس لیے حضرت مصنف نے یہ مسئلہ بھی اٹھایا ہے اور اس کے ہر گوشے پر محققانہ کلام کیا ہے۔ سب سے پہلے حلالہ کی جائز و ناجائز چھ صورتیں ذکر کی ہیں۔ ان میں چار صورتیں ناجائز اور دو صورتیں جائز ہیں۔ پوری بحث کتاب میں پڑھیں۔ یہاں ذکر یہ کرنا ہے کہ حلالہ کی جو چھٹی جوازی صورت ہے اسے غیر مقلدین نے نزاعی بنا دیا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ عورت سے نکاح حلالہ کے لیے کیا، مگر نہ حلالہ کی شرط رکھی نہ معاوضہ کی، نہ مقررہ وقت کی اور نہ ہی وہ حلالہ کا خواہاں ہے۔ یہ صورت ہم اہل حق کے نزدیک جائز ہے اور وہابیہ غیر مقلدین اسے ناجائز بتاتے ہیں۔ یہ نکاح بھی صحیح ہے اور دل میں جو ایک مقصد پوشیدہ ہے وہ بھی حدیث پاک کی روشنی میں جائز ہے۔

حضرت سراج الفقہا نے اس کے بعد تنقیح مبحث پیش کی ہے اور پھر نکاح حلالہ کے جواز کے دلائل دیے ہیں۔ یہ پوری بحث مصنف دام ظلہ کے فقہی جلال و جمال کا دل کش عکس پیش کرتی ہے اور

اس سے ان کی تحقیق انیق کا کامل ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔

وہابیہ اہل حدیث نے اپنے موقف پر جو بنیادی حدیث پیش کی ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث: ”لعن رسول الله ﷺ المحلِّلَ والمحلَّلَ له“ ہے۔ (اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کرانے والے پر بھی لعنت فرمائی اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر بھی۔)

حضرت سراج الفقہا نے اس حدیث کا تشفی بخش مفہوم پیش کیا ہے کہ حدیث کا یہ حکم خاص محلّل پر ہے، مطلق محلل پر نہیں۔ اس مسئلے پر فقہ کی امہات الکتب سے متعدّد جزئیات درج کیے ہیں اور کئی مثالوں سے اپنا موقف مؤثق فرمایا ہے۔ ساتھ ہی یہاں تدبر حدیث کا جو شان دار نمونہ نظر آتا ہے اس سے حضرت سراج الفقہا کی حدیث فہمی کا جوہر نمایاں ہوتا ہے اور مراد رسول ﷺ تک رسائی کا سبق ازبر کراجاتا ہے۔

یہ پوری بحث چوبیس صفحات پر مشتمل ہے اور مستقل رسالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ اس پوری بحث کی تلخیص اور فاضل مصنف کا استدلالی رنگ پیش کیا جاتا۔ لیکن قارئین ان بحثوں سے بالکل دور نہیں، آگے بڑھیں اور فقہ و حدیث کے سمندر میں اتر کر بیش بہا موتیاں نکال کر سنجیدہ علمی دنیا کے روبرو حقیقت پیش کرنے والے فقیہ و محقق کا قلم چوم لیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی کو عمر خضر عطا فرمائے اور ان کے علم و فن کی روشنیاں مزید عام و تام کرے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیه الصلاۃ والتسلیم.

نفیس احمد مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ/ ۲۵/ مارچ ۲۰۲۱ء

محتويات الفهرس

فہرس آیات الکتاب علی ترتیب الأبواب

الرقم .... الآیة .... الصفحة

﴿المجلد الأول- المقدمة﴾

﴿الباب الأوّل﴾

﴿المجلد الثاني - الباب الثاني﴾

﴿الباب الثالث﴾

﴿الخاتمة﴾

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فهرس أطراف الأحاديث على ترتيب الأبواب

﴿المجلد الأوّل - المقدمة﴾

﴿الباب الأول﴾

(۳۲۳)	شهادة القوم، المؤمنون شهداء الله في الأرض.	أنس بن مالك	٤٧٢
(۳۲٤)	بالثناء الحسن و الثناء السيىء أنتم شهداء بعضكم على بعض.	أبو زهير الثقفي	٤٧٢
(۳۲۵)	لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين، حتى يأتيهم أمرُ الله، وهم ظاهرون.	مغيرة بن شعبة	٤٧٣
(۳۲٦)	مَا رَأى المسلمون حَسَنًا فهو عند الله حَسَنٌ.	عبد الله	٤٧٥
(۳۲۷)	اللّٰهم بارِك لَهُمْ فِي مِكْيالِهم، و بَارِك لهم في صَاعِهِم و مُدِّهِم، يعنى أهل المدينة.	أنس بن مالك	٤٧٨
(۳۲۸)	مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ	أبو بكر	٤٨٥
(۳۲۹)	خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهُ.	عثمان	٤٨٨
(۳۳۰)	طلب العلم فريضة على كلِّ مُسلِم.	أنس بن مالك	٤٨٨
(۳۳۱)	بُعِثتُ مُعلِّمًا.	عبد الله بن عمرو	٤٨٨
(۳۳۲)	وَلَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ، وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ.	أبو هريرة	٤٩١
(۳۳۳)	اقْضُوا الَّذِي لَهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ.	ابن عباس	٤٩٢
(۳۳٤)	فدَينُ الله أحقُّ أن يُقضى.	ابن عباس	٤٩٣
(۳۳۵)	نَعَم، فإنه لو كان على أبيك دينٌ قضيتِه.	ابن عباس	٤٩٤
(۳۳٦)	فوالله ما هو إلا أن رأيتُ الله قد شرح صدر أبي بكر للقتال.	أبو هريرة	٤٩٥
(۳۳۷)	أجتهد رأيي و لا آلو.	معاذ بن جبل	٤٩٦
(۳۳۸)	الحمدُ لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضىٰ به رسولُ الله.	معاذ بن جبل	٤٩٦

﴿المجلد الثاني - الباب الثاني﴾

(٣٥٤)	مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.	عائشة	٣٩
(٣٥٥)	سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي أُنَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوا.	أبو هريرة	٤١
(٣٥٦)	يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الأَحَادِيثِ.	أبو هريرة	٤١
(٣٥٧)	مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ.	جرير	٤٦
(٣٥٨)	مَنْ سَنَّ خَيْرًا فَاسْتُنَّ بِهِ، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ وَمِنْ أُجُورِ.	حذيفة بن يمان	٤٧
(٣٥٩)	مَنْ سَنَّ خَيْرًا فَاسْتُنَّ بِهِ، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ كَامِلاً.	أبو هريرة	٤٧
(٣٦٠)	لاَ تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلاَّ كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا.	عبد الله	٤٨
(٣٦١)	مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ منهُ فَهُوَ رَدٌّ.	عائشة	٥٠
(٣٦٢)	مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلاَلَةٍ لاَ يَرْضَاهَا اللهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَام مَنْ عَمِلَ بِهَا.	عمرو بن عوف	٥٠
(٣٦٣)	إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ.	زيد بن ثابت	٥١
(٣٦٤)	كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ .	زيد بن ثابت	٥١
(٣٦٥)	مَنْ بَنَىٰ مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَىٰ اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهُ ».	محمود بن لبيد	٥٣
(٣٦٦)	مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.	أبو هريرة	٥٤
(٣٦٧)	نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ.	عبد الرحمٰن	٥٥
(٣٦٨)	المسلِمُون حَسَنًا فهو عند الله حَسَنٌ، و مَا رآه المُسلِمُون سَيِّئًا فهو عند الله سَيِّءٌ.	عبد الله	٥٦
(٣٦٩)	وإن زنى وإن سرق.	أبو ذر	٥٩
(٣٧٠)	ابنُوا المساجدَ واتَّخِذُوْهَا جُمّاً.	أنس بن مالك	٦٠

﴿ الباب الثالث ﴾

(٤٥١)	كان رسول الله ﷺ يصلّي الصبح حين يفسح البصر.	أنس بن مالك	١٥٠
(٤٥٢)	يا معاذ! أ فتّان أنت؟ يا معاذ! أ فتّان أنت؟	معاذ بن جبل	١٥٢
(٤٥٣)	ما اجتمع أصحاب رسول الله ﷺ على شيء ما اجتمعوا على التنوير.	إبراهيم النخعي	١٥٣
(٤٥٤)	إنَّ شِدَّةَ الحَرِّ مِنْ فَيح جَهَنّم.	أبو ذر	١٥٥
(٤٥٥)	ما رأيتُ النبيَّ ﷺ صلّى صلاةً لغير ميقاتها، إلّا صلاتين.	عبد الله	١٥٩
(٤٥٦)	كان رسولُ الله ﷺ يُصلّي الصّلاة لِوقتِها إلّا بجمع وعرفات.	عبد الله	١٦١
(٤٥٧)	لا جمعَ بين الصّلاتين إلّا بعرفة الظّهر والعصر.	عبد الله	١٦١
(٤٥٨)	تمسّكوا بعهد ابن أم عبد.	عبد الله بن مسعود	١٦٤
(٤٥٩)	إن أشبه الناس دلا وسمتا وهديا برسول الله ﷺ لابن أم عبد.	حذيفة بن يمان	١٦٤
(٤٦٠)	كنيف ملئ علما.	عمر بن الخطاب	١٦٥
(٤٦١)	رضيت لأمتي ما رضي لها ابن أم عبد.	عبد الله بن مسعود	١٦٥
(٤٦٢)	مالِيَ اَراكم رافعي أَيْدِيْكُم كأنّها أذنابُ خيلِ شُمْس.	جابر بن سمرة	١٦٧
(٤٦٣)	مالِيَ أراكم رافعي أَيدِيكم كأنّها أذنابُ خيْلٍ شُمُسٍ؟	جابر بن سمرة	١٦٩
(٤٦٤)	ما بالُ هٰؤلاء يؤمِئُون بأيدِيْهم، كأنها أذنابُ خيْل شُمْس؟	جابر بن سمرة	١٦٩
(٤٦٥)	وَنحنُ رافعو أيدينا فى الصلاة.	جابر بن سمرة	١٧٢
(٤٦٦)	إنه عليه السلام دخل المسجد فأبصر قوما قد رفعوا أيديهم.	جابر بن عبد الله	١٧٢
(٤٦٧)	السلام عليكم، السلام عليكم وأشار بيده إلى الجانبين.		١٧٢
(٤٦٨)	أَلَا أُصَلّي بكم صلاة رسولِ الله ﷺ؟	ابن مسعود	١٧٣
(٤٦٩)	لا ترفع الأيدي إلا في سبعة مواطن.	ابن مسعود	١٧٤

(٤٨٨)	قَالَ لاَ رِضَاعَ إِلاَّ مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْم.	ابن مسعود	١٩٥
(٤٨٩)	أَوْجِعْهَا وَانْتِ جَارِيَتَكَ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ رَضَاعَةُ الصغر.	ابن عمر	١٩٥
(٤٩٠)	وَاللهِ مَا نَرَى هَذَا إِلاَّ رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِسَالِمٍ خَاصَّةً.	أم سلمة	١٩٧
(٤٩١)	يَا عَاصِمُ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا	سهل بن سعد	٢٠٢
(٤٩٢)	فَطَلَّقَهَا ثَلاَثَ تَطْلِيقَاتٍ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَنْفَذَهُ رَسُولُ اللهِ.	سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ	٢٠٥
(٤٩٣)	لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لاَ، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ».	عائشة	٢٠٦
(٤٩٤)	طلَّقني زوجي ثلاثا وهو خارج إلى اليمن. فأجاز ذلك رسول الله ﷺ.	فاطمة بنت قيس	٢٠٧
(٤٩٥)	طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فِي كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ.	حفص بن مغيرة	٢٠٧
(٤٩٦)	وَاللهِ مَا أَرَدْتَ إِلاَّ وَاحِدَةً».	نَافِعِ بن عجير	٢٠٨
(٤٩٧)	قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعْهَا.	ابن عباس	٢١٠
(٤٩٨)	إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة.	ابن عباس	٢١١
(٤٩٩)	أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا.	ابن عباس	٢١٦
(٥٠٠)	كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً.	ابن عباس	٢١٦
(٥٠١)	ثلث جدهن جد وهزلهن جد.	أبو هريرة	٢٢٦
(٥٠٢)	لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لاَ، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ».	عائشة	٢٢٨

﴿ الخاتمة ﴾

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

• إنَّ خيرَ الحديث كتابُ الله • وإنّ خير الهدى، هدى محمد -صلى الله تعالى عليه وسلّم-. (الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٢٨٤)

• بے شک سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے • اور بے شک سب سے اچھی ہدایت/سیرت، محمد ﷺ کی ہدایت/سیرت ہے۔

مختارُ الأحاديث

(دو سو دو، احادیث شریفہ کا مجموعہ)

انتخاب

مفتی محمد نظام الدین رضوی

صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر

مجلس برکات

زیر انتظام: دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور

تقدیم

حامدا ومصلّیاً ومسلّما

"مختار الاحادیث" دو سو سے زائد احادیث کریمہ کا مجموعہ ہے جو کتاب "احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف" سے منتخب ہے۔ ان احادیث سے سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے عقائد و معمولات اور کچھ احکام عملی کا اثبات ہوتا ہے، بہتر ہوگا کہ طلبہ ان احادیث شریفہ کو زبانی یاد کرلیں اور یاد رکھیں تاکہ وقت حاجت اصل کلمات حدیث پڑھ کر استدلال کرسکیں۔

اس سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ ● تبلیغ حدیث ہوگی۔ ● دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ براہ راست خیر الہدیٰ حدیث مصطفیٰ سے فیض یاب ہوں گے ● اور تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ پورے اطمینان قلب کے ساتھ اپنے عقائد واعمال پر ثابت قدم رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالی۔

دو سال میں دو سو حدیثیں یاد کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، ہم نے طلبہ کی آسانی کے لیے تعلیمی سال کے چار شش ماہی کے پیش نظر اسے چار اجزا میں تقسیم کیا ہے۔ اس لیے طلبۂ مدارس یہ حدیثیں ضرور یاد کریں اور لوگوں تک انھیں پہنچا کر بشارت نبوی کے حق دار بنیں۔

محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ-صلى الله تعالى عليه وسلم-.

(١)

① عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ذَكَرَ (أبو بكرة) النَّبِيَّ – صلى الله عليه وسلم –...قَالَ:...لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ.[١]

② خَرَجَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ . . . فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّهُ تَعَالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : نَضَّرَ اللّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ ، وَأَنسٍ. حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.[٢]

③ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ ... وَيَقُولُ: أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهدي هدي مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ.[٣]

④ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ الله قَالَ: كَانَ رَسُولُ الله –صلى الله عليه وسلم– يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ يَحْمَدُ اللهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ يَقُولُ: "مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهُ. **إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ الله** وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ

---

(١) صحيح البخاری،ج:١، ص:١٦، كتاب العلم/ بابُ قول النبي صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ: رُبَّ مبلَّغٍ أوعىٰ من سامعٍ، مجلس البركات.

(٢) جامع الترمذی، ج:٢،ص:٩٠، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ علىٰ تبليغ السماع، مجلس البركات.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ٢٨٤، كتاب الجمعة / فصلٌ في خطبة الجمعة، مجلس البركات الجامعة الأشرفيه، مبارك فور.

وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ وَكُلّ ضَلالَةٍ فِي النَّارِ".(١)

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلّم: كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ."(٢)

⑥ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ،رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ. . .وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلاَةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ، إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلاَتِهِ فَلْيَقُلْ: "سُبْحَانَ اللهِ."(٣)

⑦ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- «لأَنْ أَقُولَ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ».(٤)

⑧ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الحَارِثِ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهَا وَهِيَ فِي مَسْجِدٍ ثُمَّ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا قَرِيبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ ، فَقَالَ لَهَا : مَا زِلْتِ عَلَى حَالِكِ فَقَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ : أَلا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهَا: ● "سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ

---

(١) ● سنن النسائي، كتاب صلاة العيدين/ باب كيف الخطبة. ص: ١٨٦، رقم: الحديث: ١٥٧٨، بيت الأفكار الدولية.

● وسنن ابن ماجه، ص: ٢٢٠، كتاب المقدمة / باب اجتناب البِدَع والجدل، بيت الأفكار الدولية.

(٢) ● صحيح البخاري، ج:٢، ص: ١١٢٨، ١١٢٩ ، كتاب التوحيد/ باب قول الله تعالى: ونضع الموازين القسط وأن أعمال بنى أدم توزن، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه مبارك فور .

● الصحيح لمسلم، ج:٢،ص: ٣٤٤، كتاب الذكر والدعاء/ باب فضلِ التّهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

(٣) صحيح البخاري، ج:١، ص: ١٦٢، كتاب التهجد/ باب رفع الأيدي في الصّلاة لأمرٍ ينزل به، مجلس البركات.

(٤) الصحيح لمسلم، ج:٢،ص: ٣٤٥، كتابُ الذكر والدعاء/ باب فضلِ التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

خَلْقِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِه ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِه ، سُبْحَانَ اللهِ رِضا نَفْسِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ."

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[1]

⑨ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- فَقَالَتْ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي صَلاَتِي. فَقَالَ « كَبِّرِى اللهَ عَشْرًا وَسَبِّحِى اللهَ عَشْرًا وَاحْمَدِيهِ عَشْرًا. ثُمَّ سَلِي مَا شِئْتِ يَقُولُ نَعَمْ نَعَمْ ». قَالَ: وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي رَافِعٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[2]

⑩ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ.[3]

⑪ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِى ».

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[4]

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۱۹٤، ۱۹٥، أبواب الدعوات/ بابٌ منه، مجلس البركات.

(۲) جامع الترمذي، ج:۱،ص: ٦٣، أبواب الوتر/ باب ما جاء في صلاةِ التسبيح، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) صحيح البخاري ج: ۲، ص: ۱۰٥٤، كتاب الفِتَن/ بابٌ لا تقوم السّاعة حتى يغبط أهل القبور، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه، مبارك فور.

❀ والصحيح لِمُسلم،ج:۲، ص: ۳۹۷/ قُبيل باب ذكر ابن صيّاد، مجلس البركات.

❀ و جامع الترمذي ج: ۲، ص: ٤٥، أبواب الفتن / باب لا تقوم السّاعة حتى تخرج نار، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ٤٥، أبواب الفتن / بابٌ لا تقوم الساعة حتى تخرج نار. مجلس البركات، مبارك فور.

❀ و مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ١٦٥٦/ مسند الأنصار ر من حديث ثوبان رقم الحديث: ۲۲۷٥۷، بيت الأفكار الدولية للنشر، بيروت.

❀ و سنن أبي داؤد، ص: ٤٦٤، رقم الحديث: ٤٢٥٢، كتاب الفِتَن و الملاحم / باب ذكر الفِتَن و دلائلها، بيت الأفكار الدولية، بيروت.

⑫ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - خرج إِلَى تَبُوكَ ، فَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا، فَقَالَ: أَتُخَلِّفُنِي فِي الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ، قَالَ: « أَلا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلاَّ أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي» .[1]

⑬ عن مُحَمَّد بْن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلَّى الله عليه وسلم- قَالَ « أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يُمْحَى بِيَ الْكُفْرُ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى عَقِبِي وَأَنَا الْعَاقِبُ». وَالْعَاقِبُ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.[2]

⑭ عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَمِّي لَنَا نَفْسَهُ أَسْمَاءً فَقَالَ: «أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَالْمُقَفِّى وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ».[3]

⑮ حَدَّثَنَا الْمُخْتَارُ بْنُ فُلْفُلٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُولَ بَعْدِي وَلاَ نَبِيَّ ». قَالَ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «لَكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ « رُؤْيَا الْمُسْلِمِ، وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ ».

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ كُرْزٍ. قَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ.[4]

⑯ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضى الله عنه - أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صلَّى الله عليه وسلَّم - قَالَ: «إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ ، إِلاَّ مَوْضِعَ

❀ و صحيح ابن حبان ج: ١٥، ص: ٢٢١، كتاب إخباره ﷺ عن مناقب الصحابة/ باب فضل الأمة، مؤسّسة الرسالة، بيروت.

❀ والسّنن الكبرىٰ للإمام البيهقي ج: ٩، ص: ١٨١، كتاب السير/ باب إظهارِ دينِ النبي ﷺ على الأديان، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

(١) ● صحيح البخاري ج: ٢، ص: ٦٣٣، كتاب المغازي/ باب غزوة تبوك، مجلس البركات. ● و ج: ١، ص: ٥٢٦/ مناقب علي بن أبي طالب، مجلس البركات.

(٢) الصحيح لمسلم ، ج: ٢، ص: ٢٦١، باب في أسمائه صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٣) الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ٢٦١، كتاب الفضائل / باب في أسمائه صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات ، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٤) جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٥١، أبواب الرؤيا من رسول الله ﷺ/ باب ذهبتِ النبوّة و بقيتِ المبشّرات، مجلس البركات، مبارك فور.

لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ ، وَيَقُولُونَ: هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ، ● قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ».(١)

⑰ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: «مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ: لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ ». قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الأَنْبِيَاءَ ».(٢)

⑱ عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ قَالَ: قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ ، فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلَّم - قَالَ: « كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي ، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ. قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا يا رسولَ الله، قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ ، فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ ».(٣)

⑲ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ - صلَّى الله عليه وسلم -؟ قَالَ: مَاتَ صَغِيرًا ، وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ - صلَّى الله عليه وسلم - نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ .(٤)

⑳ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ

---

(١) ● صحيح البخاري،ج:١، ص: ٥٠١، كتاب المناقب / باب خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم ، ج: ٢، ص: ٢٤٨، كتاب الفضائل / باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك پور

(٢) الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ٢٤٨، كتاب الفضائل / باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٣) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٤٩١، كتاب الأنبياء / باب ما ذكر عن بني إسرائيل، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩١٤، كتاب الأدب/ باب اسم الحزن، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي كُنْتُ أُصلِّي، فقال: أَلَمْ يقُلِ اللّٰهُ: «اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ»(١)

(٢١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أُبَيُّ» وَهُوَ يُصَلِّي، فَالتَفَتَ أُبَيٌّ وَلَمْ يُجِبْهُ، وَصَلَّى أُبَيٌّ فَخَفَّفَ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، مَا مَنَعَكَ يَا أُبَيُّ أَنْ تُجِيبَنِي إِذْ دَعَوْتُكَ؟» فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي كُنْتُ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: أَفَلَمْ تَجِدْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ «اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ». قَالَ: بَلَى ، وَلَا أَعُودُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ.(٢)

(٢٢) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- وَتَخَلَّفْتُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ قَالَ: « أَمَعَكَ مَاءٌ ». فَأَتَيْتُهُ بِمِطْهَرَةٍ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ، فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَأَلْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا فِي الصَّلَاةِ يُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً، فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلم- ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ، فَصَلّى بِهِمْ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- وَقُمْتُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِي سَبَقَتْنَا.(٣)

(٢٣) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلم- ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه

---

(١) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٦٤٢، كتاب التفسير/ سورة الفاتحة، مجلس البركات

(٢) جامع الترمذي، ج:٢، ص: ١١١، أبواب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء في فضل فاتحة الكتاب، مجلس البركات

(٣) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٣٤، كتاب الطهارة/ باب المسح على الخفين، مجلس البركات، مبارك فور.

وسلم- وَالنَّاسُ فِي الصَّلاَةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصفَّقَ النَّاسُ - وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لاَ يَلْتَفِتُ فِي الصَّلاَةِ - فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ، فَرأَى رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ». قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لاِبْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّهِ -صلّى الله عليه وسلّم-

فَقَالَ رَسُولُ اللّهِ-صلّى الله عليه وسلّم-: «مَا لِي، رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلاَتِهِ فَلْيُسَبِّحْ ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ ». [1]

(٢٢) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللّهِ - صلّى الله عليه وسلّم - جَاءَ بِلاَلٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلاَةِ، فَقَالَ: « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّهِ ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ ، وَإِنَّهُ مَتَى يَقُومُ مَقَامَكَ لاَ يُسْمِعُ النَّاسَ ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ.

فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ». قَالَتْ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ ، وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لاَ يُسْمِعَ النَّاسَ ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ . فَقَالَتْ لَه: فَقَالَ رَسُولُ اللّهِ - صلى الله عليه وسلم -: « إِنَّكُنَّ لأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ » .

قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلاَةِ وَجَدَ رَسُولُ اللّهِ - صلَّى الله عليه وسلَّم - مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً ، قالت: فَقَامَ يُهَادِى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلاَهُ تَخُطَّانِ فِي الأَرْضِ.

قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّهِ -صلّى الله عليه وسلَّم- قُمْ مَكَانَكَ. فَجَاءَ رَسُولُ اللّهِ -صلى الله عليه وسلم- حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ. قالت: فَكَانَ رَسُولُ اللّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- يُصَلِّي بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُو بَكْرٍ قَائِمًا. يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلاَةِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٧٩، كتاب الصلاة/ باب تقديم الجماعة مَن يصلي بهم إذا تأخر الإمام و لم يخافوا مفسدة بالتقديم، مجلس البركات

وسلم- وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ.[1]

㉕ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قال: صَلَّيْتُ مع النبي صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سوءٍ، قُلْنا: وما هممتَ؟ قال: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[2]

㉖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلَّى اللّٰهُ عليْهِ وسلَّم وَهُوَ يُصَلِّي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ وَرَاءَهُ، فَأَخَذَنِي، فَأَقَامَنِي حِذاءَهُ، فَلَمَّا أَقْبَلَ على صلاته انْخَنَسْتُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : مَا لَكَ، أَجْعَلُكَ حِذَائِي فَتَخْنِسُ؟

قُلْتُ : مَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ حِذَاءَكَ وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ ، فَأَعْجَبَهُ، فَدَعَا اللهَ أَنْ يَزِيدَنِي فَهْمًا وَعِلْمًا "وفقهاً".

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.[3]

㉗ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ (يُخْبِرَانِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) . . . خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ . . . حَتَّى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى ثَمَدٍ قَلِيلِ الْمَاءِ . . . ثُمَّ إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- بِعَيْنَيْهِ قَالَ: فَوَاللّٰهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- نُخَامَةً إِلاَّ وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٧٨ - ١٧٩، كتاب الصلاة/ باب: استخلاف الإمام إذا عرض له عذرٌ مِن مرض ... مَن يصلي بالناس، مجلس البركات

(٢) ● صحيح البخاري، ج:١،ص:١٥٢، كتابُ التهجد/ باب طول الصَّلاة في قيام الليل، مجلس البركات، مبارك فور.

● والصحيح لمسلم، ج:١،ص:٢٦٤، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب استحباب تطويل القراءة في صلاةِ الليل، مجلس البركات.

(٣) المستدرك على الصَّحيحَين، ج:٣،ص:٥٣٤، كتاب معرفة الصحابة/ دعاء النبي لابن عباس، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ.

فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ. وَاللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- مُحَمَّدًا. وَاللهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلاَّ وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ.(١)

٢٨ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، قَالَ: مَنْ أَنْتُمَا - أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا؟ - قَالاَ: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: «لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».(٢)

٢٩ عَنِ ابْنِ شِمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ، قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ . . . فَقَالَ: وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَجَلَّ فِي عَيْنِي مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ؛ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.(٣)

٣٠ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ ، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ تَعَالَى وَسَلَّمَ- وَأَصْحَابُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَسَلَّمْتُ، ثُمَّ قَعَدْتُ.

---

(١) صحيح البخاري، ج:١،ص:٣٧٩، كتاب الشّروط/ باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، مجلس البركات.

(٢) صحيح البخاري، ج:١،ص:٦٧، كتاب الصلاة/ باب رفع الصوت في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٧٦، كتاب الإيمان/ بابُ كونِ الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحجّ، مجلس البركات.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح ولم يخرّجاه. وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.[1]

㉛ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلاَّ فِي يَدِ رَجُلٍ.[2]

㉜ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ... قال: «اللَّهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي». وَبَكَى... فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ.[3]

㉝ عن أبي هريرة، قال: ... قال (رسول الله ﷺ): أَنَا **سَيِّدُ النَّاسِ** يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذَلِكَ، يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ.[4]

㉞ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ

---

(١) ● سنن أبي داؤد، ص: ٤٢٤، كتاب الطب/ باب في الرّجل يتداوى، رقم الحديث: ٣٨٥٥.

● -و- مسند الإمام أحمد بن حنبل ،ص : ١٣٤٥، مسند الكوفيين / حديث أسامة بن شريك، رقم الحديث: ١٨٦٤٥.

● المستدرك على الصحيحين ،ج:١ ،ص: ١٢١، كتاب العلم/ باب أن الله تعالى لم يضع داءا إلا وضع إلخ. مع التلخيص للإمام الذّهبي رحمه الله تعالى.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:٢،ص:٢٥٦، كتاب الفضائل/ باب قربه -صلى الله تعالى عليه وسلم- من الناس وتَبَرُّكِهِمْ به وتَواضعِهِ لهم.

(٣) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ١١٣، كتاب / باب دعاء النبي ﷺ لأمته و بكائه شفقة عليهم، مجلس البركات.

(٤) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٢٨٤، كتاب التفسير / بابُ قوله: ذرّيّةَ مَن حمَلْنا مع نوحٍ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ١١١، كتابُ الإيمان / باب إثبات الشّفاعة، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ٦٩٥/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ٩٦٢١.

❀ جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٦٦، أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم/ باب ما جاء في الشّفاعة.

آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ.[١]

(٣٥) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله عليه وسلّم: «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلاَ فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلاَّ تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ وَلاَ فَخْرَ... وَ هٰذا حديث حسنٌ.[٢]

(٣٦) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلَّى الله عليه وسلَّم يَنْتَظِرُونَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ، حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ، سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ ... وَ قَالَ: قَدْ سَمِعْتُ كَلاَمَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوسَى نَجِيُّ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيسَى رُوحُه وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، أَلاَ وَأَنَا حَبِيبُ اللهِ وَلاَ فَخْرَ ... وَأَنَا أَكْرَمُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ وَلاَ فَخْرَ ». هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.[٣]

(٣٧) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسولُ الله صلّى الله عليه و

---

(١) الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ٢٤٥، كتاب الفضائل / باب تفضيل نبينا صلى الله تعالى عليه وسلّمَ على جميع الخلائق، مجلس البركات.

❀ سنن أبي داود ص: ٥١٠، كتاب السُّنّة/ باب في التخيير بين الأنبياء عليهم الصلاة و السلام، بيت الأفكار الدولية، بيروت.

(٢) ● جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٢٠١، ٢٠٢، أبوابُ المناقِب / باب ما جاء في فضل النّبي صلى الله تعالى عليه وسلّمَ / مجلس البركات.

● و ج: ٢، ص: ١٤٣، أبواب التفسير / سورة بنى إسرائيل، مجلس البركات.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ٧٧٦، مسند أبي سعيد الخدري/ رقم الحديث: ١١٠٠٠.

● وص: ٨٨٠/ رقم الحديث: ١٢٤٩٦، بيت الأفكار الدولية.

● سنن ابن ماجه ص: ٤٦٤، كتاب الزهد/ بابُ ذكر الشّفاعة، رقم الحديث: ٤٣٠٨، بيت الأفكار الدولية.

(٣) ● جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٢٠٢، بابٌ من أبواب المناقب، مجلس البركات.

● و سنن الدارمي ج: ١، ص: ١٩٥، باب ما أُعطي النّبيُّ صلي الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ من الفضل، رقم الحديث: ٤٨.

سلّمَ : لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب "أسألك بحق محمد لما غفرت لي".

قال: و كيف عرفت محمّدا؟ قال: لأنك لمّا خلقتني بيدك و نفخت فيَّ من روحك رفعتُ رأسي فرأيتُ علىٰ قوائم العرش مكتوبا: "لآ إله إلا الله محمدٌ رّسُول الله" فعلمتُ أنك لم تُضف إلى اسمك إلا أحبَّ الخلق إليك. قال: صدقتَ يا آدم، إنه لَأحب الخلق إليّ.

أمّا إذا سألتني بحقّهِ فقد غفرتُ لك ، ولولا محمد ما خلقتُك. قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد.(١)

(٣٨) عَنْ عَبْدِ اللّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- .... فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: اللّٰهُمّ أُمّتي، أُمّتي وَ بَكىٰ. فقال اللهُ : يا جبريلُ، اِذهَبْ إلىٰ محمّدٍ ـــ وَ ربُّك أعلمُ ـــ فاسْأَلْه: مَا يُبْكِيكَ، فَأَتاهُ جِبرِيلُ عليه السلامُ، فَسَأَلَه، فَأَخْبَرَهُ رسولُ الله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّمَ بِمَا قَالَ ـــ و هو أعلمُ ـــ فقال الله تعالىٰ: يَا جِبْرِيْلُ: اِذْهَبْ إلى محمّد، فَقُلْ: اِنَّا سَنُرْضِيْك فِي أُمَّتِك وَ لَا نَسُوْءُك.(٢)

(٣٩) عن أبي هريرة ، رضي الله عنه ، أنه قال : قلتُ: يا رسولَ الله، مَن أسعدُ الناس بشَفاعتك يوم القيامة؟ فقال: لقد ظننتُ يا أبا هريرة، أن لا يسألني عن هذا الحديث أحدٌ أول منك، لما رأيت من حرصك على الحديث، "أسعدُ الناس بشفاعتي يوم القيامة مَن قال : لآ إلٰه إلا الله، خالصاً من قِبل نفسه.(٣)

(٤٠) عن جابر بن عبد الله الأنصاري ، قال : قال رسولُ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ- : أُعطيت خمسًا لم يُعْطَهنّ أحدٌ قبلي . . . إلى قوله: و أُعطيتُ

---

(١) ● المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ٦٥، كتاب التاريخ/ استغفار آدم عليه السلام بحقّ محمد صلى الله تعالى عليه وسلّمَ.

● و دلائل النبوة للبيهقي ج: ٥، ص: ٤٨٩، باب ما جاء في تحدّث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلّمَ بنعمةِ ربّه عزّ و جلّ.

(٢) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١١٣، كتاب الإيمان/ بابُ دعاء النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم لأمّتهِ و بكائه شفقةً عليهم ، مجلس البركات

(٣) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٩٧٢، كتاب الرقاق/ باب صفة الجنة والنار، مجلس البركات.

الشَّفاعة.[١]

(٤١) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- « أنا أوّلُ النَّاسِ يَشْفعُ فِي الجَنَّةِ وَأَنَا أَكْثَرُ الأَنْبِيَاءِ تَبَعًا ».[٢]

(٤٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- « لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي، شَفَاعَةً لأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشرِك بِاللّٰهِ شَيْئًا.[٣]

(٤٣) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ... قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلَّمَ: يَجْمَعُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لاَ يُطِيقُونَ وَمَا لاَ يَحْتَمِلُونَ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: أَلاَ تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيهِ، أَلاَ تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ، أَلاَ تَنْظُرُونَ إلى مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ يعني إِلَى رَبِّكُمْ، فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: ائْتُوا آدَمَ.

فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلاَئِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ

---

(١) • الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٩٩، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، مجلس البركات.
• وصحيح البخاري، ج:١، ص: ٤٨، كتاب التيمّم/ قُبيل باب إذا لم يجد ماءً ولا تُراباً. مجلس البركات، مبارك فور.
• وصحيح البخاري، ج:١، ص: ٦٢، كتاب الصلاة/ باب قولِ النبي ﷺ "جُعِلت لِيَ الأرضُ مسجداً و طهورا"، مجلس البركات.

(٢) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١١٢، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) • الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ١١٣، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشَّفاعة و إخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات.
• وصحيح البخاري، ج:٢، ص:٩٣٢، كتاب الدعوات/ باب لِكُلِّ نبي دعوة مستجابة، مجلس البركات، مبارك فور.
• وصحيح البخاري، ج:٢، ص:١١١٢، كتاب التوحيد/ باب في المشيئة والإرادة، مجلس البركات.

تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا. فَيَقُولُ آدَمُ: إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ. نَفْسِي، نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ.

فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الأَرْضِ وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُورًا، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلَى قَوْمِي. نَفْسِي نَفْسِي. إِذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ -صلّى الله عليه وسلّمَ-.

فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلاَ يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ. وَذَكَرَ كَذِبَاتِهِ. نَفْسِي نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى.

فَيَأْتُونَ مُوسَى -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَيَقُولُونَ: يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ فَضَّلَكَ اللّٰهُ بِرِسَالاَتِهِ وَبِتَكْلِيمِهِ عَلَى النَّاسِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلاَ تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ مُوسَى -صلَى الله عليه وسلَّمَ- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا. نَفْسِي نَفْسِي. إِذْهَبُوا إِلَى عِيسَى -صلى الله عليه وسلم-.

فَيَأْتُونَ عِيسَى، فَيَقُولُونَ: يَا عِيسَى، أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِنْهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا. فَيَقُولُ لَهُمْ عِيسَى -صلّى الله عليه وسلَّمَ- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ - وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا - نَفْسِي نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ -صلَى الله عليه وسلَّمَ-

فَيَأْتُونِّي ، فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الأَنْبِيَاءِ وَغَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِي مِنْ

مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ لأَحَدٍ قَبْلِي. ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ إِشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الأَبْوَابِ».(١)

(٤٤) عن أنس -رضي الله تعالى عنه- قال: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ-: «فَيَأْتُونِّي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي، فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ، إِرْفَعْ رَأْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، إِشْفَعْ تُشَفَّعْ.

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ رَبِّي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ.

ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ، قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ.

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ - قَالَ: فَلاَ أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ - فَأَقُولُ: يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ، أَيْ: "وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ". - قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ قَتَادَةُ: أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ.»(٢)

(٤٥) عَنْ حُذَيْفَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-، قَالَ: «لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ١١١، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشّفاعة و إخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

● وصحيح البخاري، ج:١، ص:٤٧٠، كتاب الأنبيا/ باب قول الله عزّ وجلّ: "ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه"، مجلس البركات، مبارك فور.

● وصحيح البخاري، ج:٢، ص:٦٨٤، كتاب التفسير/ باب ذرّية مَن حملنا مع نوح ... إلخ، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ١٠٩، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشّفاعة وإخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري، ج:٢، ص:٩٧١، كتاب الرقاق/ باب صفة الجنّة والنّار، مجلس البركات.

وَسَلَّمَ- خُطْبَةً، مَا تَرَكَ فِيهَا شَيْئًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ»، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَه مَنْ جَهِلَه.(١)

(٣٦) حَدَّثَنِي أبو زَيْدٍ (عَمْرُو بن أَخْطَبَ) قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ الله -صلى الله عليه وسلَّمَ- الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ **فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ** فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا.(٢)

(٣٧) عَنْ (عبد الله) ابن عُمر، قال: قالَ رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: إنَّ اللهَ -عزَّ و جلّ- قد رَفَعَ لِيَ الدُّنْيا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْها وَ إِلىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إلى يومِ القيامة، كأنّما أنظرُ إلى كَفِّي هذه، جِلِّيَانٌ مِّنَ الله جَلاهُ لِنَبِيِّهِ كَمَا جَلَا للنَّبيين من قَبْلِهِ.(٣)

(٣٨) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا قَالَتْ . . . فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلاَّ قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ.(٤)

(٣٩) عَنْ عَبْدِ الله بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَصَلَّى رَسُولُ الله ﷺ (بالجماعة- ن) . . .

---

(١) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٧٧، كتاب القدر/ باب قوله: و كان أمرُ الله قدرًا، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ٣٩٠، كتاب الفِتن و أشراطِ السّاعة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) المعجم الكبير للإمام الطبراني ج: ١٣، ص: ٣١٩/مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، قاهره.

(٤) ● صحيح البخاري، ج:١،ص:١٤٤، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ النّساء مع الرّجالِ في الكسوف، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:١،ص:١٢٦، كتاب الجمعة / بابُ مَن قال في الخطبة بعدَ الثناءِ "أمّا بعد"، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:١،ص:٣١، كتابُ الوضوء / بابُ باب من لم يتوضأ إلّا مِنَ الغشي المثقل، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:١،ص:١٨، كتاب العلم / بابُ من أجابَ الفتيا بإشارة اليد والرّاس، مجلس البركات.

قَالُوا : يَا رَسُولَ الله رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ. فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُودًا، وَلَوْ أَصَبْتُهُ [أَخَذْتُه-(١)] لأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا. وَأُرِيتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ.(٢)

⑤٠ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- . . . فَصَلَّى بِالنَّاسِ . . . فقال: فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، فَصَلُّوا حَتَّى تَنْجَلِيَ.

مَا مِنْ شَيْءٍ تُوعَدُونَهُ إِلاَّ قَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلاَتِي هَذِهِ .

لَقَدْ جِيءَ بِالنَّارِ وَذَلِكُمْ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرتُ مَخَافَةَ أَنْ يُصِيبَنِي مِنْ لَفْحِهَا . . . ثُمَّ جِيءَ بِالْجَنَّةِ، وَذَلِكُمْ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَقَدَّمْتُ، حَتَّى قُمْتُ فِي مَقَامِي.

وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوا إِلَيْهِ، ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ لاَ أَفْعَلَ.

فَمَا مِنْ شَيْءٍ تُوعَدُونَهُ إِلّا وقَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلاَتِي هَذِهِ.(٣)

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٢٩٨، كتابُ الكسوف ، مجلس البركات.

(٢) صحيح البخاري، ج:١،ص:١٤٤، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ الكسوف جماعة، مجلس البركات.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٢٩٧، ٢٩٨، كتابُ الكسوف ، مجلس البركات.

(٢)

(٥١) عَنْ مُعاذِ بْنِ جبلٍ قال: احْتُبِسَ عنّا رسُولُ الله -صلّى اللهُ عليْهِ وسلّم- ذات غداةٍ مِنْ صلاةِ الصُّبْحِ، حتّى كِدْنا نتراءى عيْنَ الشّمْسِ، فخرج سرِيعًا، فثُوِّب بالصّلاةِ، فصلّى رَسُولُ الله -صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وتجوّز فِي صلاتِهِ، فلمّا سلّمَ دعا بِصوْتِهِ، فقَالَ لَنا: علىٰ مَصافِّكُمْ كَما أنْتُمْ، ثُمّ انْفتَلَ إلَيْنا فقال: ... أنِّي قُمْتُ مِنَ اللّيْلِ، فتوضّأْتُ، فصلّيْتُ ما قُدِّرَ لِي، فنعَسْتُ فِي صلاتِي فاسْتثْقلْتُ، فإذا أنا برِبِّي تبارك وتعالى فِي أحْسنِ صُورَةٍ، ... فرأيْتُهُ وضع كفّهُ بيْنَ كتِفيَّ حتّى وجدْتُ برْدَ أنامِلِهِ بيْنَ ثدْييَّ، فتجلّىٰ لِي كُلُّ شيْءٍ وعرفْتُ...

قال أبوعيسىٰ: هٰذا حدِيثٌ حسَنٌ، صَحِيحٌ. سألْتُ مُحمّدَ بْنَ إسْماعِيلَ، عنْ هٰذا الحدِيثِ، فقالَ: هٰذا حدِيثٌ صحِيحٌ.[١]

(٥٢) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- قَالَ: «أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى؟ قُلْتُ: رَبِّ لاَ أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حتى وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ **فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ**.»[٢]

(٥٣) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله -صلى الله عليه وسلمَ- "إِنَّ اللهَ زَوَى لِيَ الأَرْضَ حَتّٰى رَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا."[٣]

(٥٤) عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُولُ الله -صلّى الله عليه وسلّمَ- وَمَا فِي السَّمَاءِ طَيْرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحِهِ إِلاَّ ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا.»[٤]

---

(١) جامع الترمذي ج: ٢، ص: ١٥٦، أبواب التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) جامع الترمذي، ج: ٢، ص: ١٥٦، أبواب التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ٣٩٠، كتاب الفِتَن و أشراط الساعة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) مسند أبي يعلىٰ الموصلي، ج: ٩، ص: ٤٦، دار المأمون للتراث، دمشق.

نقلهُ الحافظ نورُ الدين عليُ بن أبي بكر الهيثمي في "مجمع الزوائد" وقال : رواه الطَّبراني ورجالهُ رجالُ الصحيح.[١]

(٥٥) عَنْ أَبِي ذَرٍّ ، قَالَ : تَرَكَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا طَائِرٌ يُقَلِّبُ جَنَاحَيْهِ فِي الْهَوَاءِ ، إِلَّا وَهُوَ يُذَكِّرُنَا مِنْهُ عِلْمًا.[٢]

(٥٦) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ ، فَقَالَ: « أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتَّى أَخَذَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللهِ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ ».[٣]

(٥٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: « هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا، وَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلاَ خُشُوْعُكُمْ وَإِنِّي لأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي ».[٤]

(٥٨) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: « أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي، وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ».[٥]

(٥٩) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: « يُعَذَّبَانِ ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ» ، ثُمَّ قَالَ: « بَلَىٰ ، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ

---

(١) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:٨، ص: ٤٧٢، كتاب علامات النبوة/ بابٌ في ما أوتي من العلم، رقم الحديث: ١٣٩٧٣، دار الفكر.

(٢) المعجم الكبير للإمام الطبراني، ج: ٢، ص: ١٥٦/ مسند أبي ذر الغفاري، قاهره.

(٣) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٦١١، كتاب المغازي/ باب غزوة مُوتَة مِن أرضِ الشام، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج:١، ص: ١٠٢، كتاب الأذان/ باب الخشوع في الصّلاة، مجلس البركات.

(٥) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ١٠٢، كتاب الأذان/ باب الخشوع في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

بَوْلِهِ، وَكَانَ الآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ». ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوضع عَلىٰ كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً. فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: «لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا -أَوْ- إِلىٰ أَنْ يَيْبَسَا».(۱)

(٦٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ أَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ فَلاَ تَدَعُ أَحَدًا فِي قَلْبِه. قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ: مِثْقَالُ حَبَّةٍ، وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ إِلاَّ قَبَضَتْهُ».(۲)

(٦١) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «إِنِّي لأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ.

رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا، فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلأَى، فَيَرْجِعُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، وَجَدْتُهَا مَلأَى، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلأَى، فَيَقُولُ الله تعالى لَهُ: اذْهَبْ، فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا.(۳)

(٦٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-: «لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا. فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلاَّ أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ.(٤)

(٦٣) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَغَهُ إِقْبَالُ أَبِي

---

(١) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٣٤، ٣٥، كتاب الوضوء/ بابٌ مِن الكبائر أن لا يستتر من بوله، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٧٥، كتاب الإيمان/ باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ١٠٥، كتاب الايمان/ بابُ إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات.

(٤) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ٩٦، كتاب الإيمان/ باب الإسراء برسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إلى السمٰوٰت و فرض الصلوات، مجلس البركات

سُفْيَانَ قَالَ فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ عُمَرُ فأعرض عنْهُ فقام سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ إِيَّانَا تُرِيدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنا أَنْ نُخيضها الْبَحْرَ لأَخضْناها وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قال فندب رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوا حَتَّى نَزَلُوا بَدْرًا وَوَرَدَتْ عَلَيْهِمْ رَوَايَا قُرَيْشٍ وَفِيهِمْ غُلَامٌ أَسْوَدُ لِبَنِي الْحَجَّاجِ فَأَخَذُوهُ فَكَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَهُ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ وَأَصْحَابِهِ فَيَقُولُ مَا لِي عِلْمٌ بِأَبِي سُفْيَانَ وَلَكِنْ هَذَا أَبُو جَهْلٍ وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ فَإِذَا قَالَ ذَلِكَ ضَرَبُوهُ فَقَالَ نَعَمْ أَنَا أُخْبِرُكُمْ هَذَا أَبُو سُفْيَانَ فَإِذَا تَرَكُوهُ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ مَا لِي بِأَبِي سُفْيَانَ عِلْمٌ وَلَكِنْ هَذَا أَبُو جَهْلٍ وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ فِي النَّاسِ فَإِذَا قَالَ هَذَا أَيْضًا ضَرَبُوهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ انْصَرَفَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَضْرِبُوهُ إِذَا صَدَقَكُمْ وَتَتْرُكُوهُ إِذَا كَذَبَكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ قَالَ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَاهُنَا هَاهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

(۶۴) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كَانَ - إِذَا قُحِطُوا - اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا- قَالَ: فَيُسْقَوْنَ.[2]

(۶۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالَ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلأَرَامِلِ.[3]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتابُ الجهاد و السِّيَر/ باب غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ● صحيح البخاري، ج: ۱، ۱۳۷، أبواب الاستسقاء / باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء.

● و- ص: ۵۲۶، كتاب المناقب/ ذكر عباس بن عبد المطلب، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۳۷، أبواب الاستسقاء / بابُ سؤال النّاس الإمام الاستسقاءَ، مجلس البركات، مبارك فور.

٦٦ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ ، أَنَّ رَجُلاً ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ فَقَالَ: أُدْعُ اللّٰهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ. فَقَالَ: ادْعُهْ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ :

''اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهِ لِتُقْضَى ، اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.'' (١)

٦٧ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ النُّكْرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْزَاءِ أَوْسُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ :

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ : انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ، فَاجْعَلُوا مِنْهُ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ.

قَالَ : فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ , فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ.(٢)

٦٨ عَنْ مَالِكِنِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ''يَا رَسُولَ اللهِ، اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا''، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مَسْقِيُّونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ، لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.(٣)

٦٩ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابنِ مَسْعُوْدٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ-: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ. فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ. فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ

---

(١) سنن ابن ماجه، ص: ٧٩٩، بابُ ما جاء في صلاة الحاجة.

(٢) مسند الدارمي المعروف بـ سنن الدارمي، ج:١، ص: ٢٢٧، بابُ ما أكرمَ الله تعالى نبيه، بعد موته ﷺ ، رقم الحديث: ٩٣.

(٣) مصنَّف ابن أبي شيبة، ج: ١٢، ص:٣١، ٣٢، كتاب المناقب/ ما ذكر في فضل عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، الدار السلفية.

فِى الصَّلاةِ فَلْيَقُلِ:

التَّحِيَّاتُ لِلّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ''السَّلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّهِ وَبَرَكَاتُهُ'' السَّلامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّهِ الصَّالِحِينَ.

فَإِذَا قَالَهَا: أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّهِ صَالِحٍ فِى السَّمَاءِ وَالأَرْضِ.

أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ.''[1]

(٤٠) عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ، -رَضِيَ اللّهُ عَنْهَا- زَوْجَ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلّم أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: أَقْبَلَ أَبُوبَكْرٍ -رَضِيَ الله عَنْهُ- عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكَنِهِ ''بِالسُّنْحِ'' حَتَّى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، رَضِيَ اللّهُ عَنْهَا، فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صلّى الله عليه وسلّمَ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللّهِ! لاَ يَجْمَعُ اللّهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.[2]

(٤١) عَنْ عَبْدِ اللّه بن مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللّهِ، احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللّهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلّهِ فِي الأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ.[3]

(٤٢) عَنْ عُتْبَةَ بن غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللّهِ

---

(١) ❀ الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ١٧٣، كتاب الصلاة/ باب التشهد في الصلاة. مجلس البركات.
❀ صحيح البخاري، ج:١، ص: ١١٥، كتاب الاذان/ باب التشهد في الصلاة، مجلس البركات.
❀ سنن أبي داؤد، ص: ١٣٩، كتاب الصلاة/ باب التشهد.

(٢) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ١٢٧، كتاب الجمعة/ باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، مجلس البركات

(٣) ❀ المعجم الكبير للطبراني، ج: ١٠، ص: ٢٦٧، رقم الحديث: ١٠٥١٨، قاهره
❀ مسند أبي يعلى، ج: ٩، ص: ١٧٧، رقم حديث: ٥٢٦٩، دار المامون للتراث، بيروت.

أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ للهِ عِبَادًا لا نَرَاهُمْ، وَقَدْ جُرِّبَ ذلكَ.(١)

(٤٣) عَنْ سَلِمَةَ بنِ الأكْوَعِ ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- حُنَيْنًا ... فَوَلّىٰ صَحَابَةُ رسول الله صلّى الله عليه وسلّمَ، ... فَلَمَّا غَشُوا رَسُول الله -صلّى الله عليه وسلّمَ- نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِنَ الأَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهِ وُجُوهَهُمْ فَقَالَ: شَاهَتِ الْوُجُوهُ. فَمَا خَلَقَ اللهُ مِنْهُمْ إِنْسَانًا إلاَّ مَلأَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ.(٢)

(٤٤) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- قَالَ : مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.(٣)

(٤٥) حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ كَعْبٍ الأَسْلَمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: « سَلْ ». فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: «أَوَغَيْرَ ذَلِكَ ؟». قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ « فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ ».(٤)

(٤٦) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءً بَيْنَهُمَا.(٥)

(٤٧) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُونَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله

---

(١) المعجم الكبير للطبراني، ج: ٧، ص: ٤٨، رقم الحديث: ١٣٧٣٧ ، دارُ الكتب العلمية، بيروت.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:٢، ص:١٠١، كتابُ الجهاد والسِّير/ باب غزوة حُنين، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) صحيح البخاري ، ج: ٢، ص: ٩٥٩، كتاب الرقاق/ باب حفظِ اللسان، مجلس البركات .

(٤) صحيح البخاري ، ج: ١، ص: ١٩٣، كتاب الصلاة/ باب فضلِ السجود والحث عليه، مجلس البركات، مبارك فور.

(٥) ❀ صحيح البخاري، ج:١،ص:٥٤٦، كتاب بنيان الكعبة/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:٢،ص:٣٧٣، كتاب صفاتِ المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور .

عليه وسلّمَ: اشْهَدُوا.(١)

⑦⑧ عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- بِإِنَاءٍ وَهْوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لأَنَسٍ: كَمْ كُنْتُمْ قَالَ: ثَلاَثَ مِأةٍ ، أَوْ زُهَاءَ ثَلاَثِ مِأةٍ.(٢)

⑦⑨ عَنْ جَابِرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عَنْهُ- قال: عطِش الناسُ يوم الحُدَيبية و رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- بين يديه ركوةٌ فتوضّأ منها، ثم أقبل الناسُ نحوَه فقال رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: مالكم؟ قالوا يا رسولَ الله! ليس عندنا ماء نتوضّأ به و لا نشرب إلّا ما في ركوتك ، قال:

فَوَضَعَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ، فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُورُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ العُيُونِ. قَالَ: فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا.

فَقُلْتُ لِجَابِرٍ: كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ:لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا،كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً.(٣)

⑧٠ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا- أَنَّ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- كَانَ يَقُومُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى شَجَرَةٍ ، أَوْ نَخْلَةٍ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ، أَوْ رَجُلٌ - يَا رَسُولَ اللهِ أَلاَ نَجْعَلُ لَكَ مِنْبَرًا، قَالَ: إِنْ شِئْتُمْ، فَجَعَلُوا لَهُ مِنْبَرًا فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ دُفِعَ إِلَى الْمِنْبَرِ

---

(١) ❀ صحيح البخاري، ج:٢،ص:٧٢١،كتاب التفسير/ باب "وانشق القمر وإن يرد آية يعرضوا"، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم،ج:٢،ص:٣٧٣،كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) ❀ صحيح البخاري، ج:١،ص:٥٠٤، كتاب المناقب/ باب علاماتِ النُّبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:٢،ص:٢٤٦، كتاب الفضائل/ باب تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٥٩٨، كتاب المغازي/ باب غزوة الحديبية، مجلس البركات، مبارك فور.

فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَضَمَّهُ إِلَيْهِ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّنُ قَالَ كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا.(١)

(٨١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلاَتِي فَأَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْهُ فَأَخَذْتُهُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبُطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ أَخِي سُلَيْمَانَ: ''رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ''(٢) فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا.(٣)

(٨٢) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ الله -صلّى الله عليه وسلّم- فَصَلَّى قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلُ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ: إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا.(٤)

(٨٣) عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلىٰ رسول الله -صلى الله عليه و سلم- فقال: بم أعرف أنك نبي؟ قال: إن دعوت هذا العذق من هذه النخلة تشهد أني رسول الله؟ فدعاه رسول الله -صلى الله عليه و سلم- فجعل ينزل من النخلة حتى سقط إلى النبي -صلى الله عليه و سلم- ثم قال: ارجع، فعاد فأسلم الأعرابي. قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن غريب صحيح.(٥)

---

(١) صحيح البخاري، ج:١،ص: ٥٠٦، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) القرآن الحكيم، سورة صٓ: ٣٨، الآية: ٣٥.

(٣) صحيح البخاري، ج:١،ص:٤٨٦، ٤٨٧، كتاب الأنبياء/ بابُ قولِ الله عز وجل: وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم،ج:١،ص:٢٠٥، كتاب المساجد ومواضِعِ الصلاة/ باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج:١،ص: ١٠٣، كتاب الأذان/ بابُ رفعِ البصر إلى الإمام في الصّلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٥) جامع الترمذي، ج:٢،ص: ٢٠٣، أبواب المناقب/ باب ما جاء في أيات نبوة النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- وما قد خصّه الله به، مجلس البركات، مبارك فور.

⑧④ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ، فَحُجُّوا»، فَقَالَ رَجُلٌ: أَ كُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ — فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-:

"لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ."

ثُمَّ قَالَ: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ».(١)

⑧⑤ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَبْدِلْهَا، قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي إِلَّا جَذَعَةٌ- قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ - هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ: اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.(٢)

⑧⑥ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لاَ يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلاَ يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ) قَالَتْ: كَانَ مِنْهُ النِّيَاحَةُ. قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِلَّا آلَ فُلَانٍ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَسْعَدُونِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلاَ بُدَّ لِي مِنْ أَنْ أُسْعِدَهُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم- « إِلَّا آلَ فُلَانٍ ».(٣)

⑧⑦ سمعتُ شهر بن حوشب قال: حدثَتْنا أم سلمة الأنصارية، قالت : قالت امرأة من النّسوة: ما هذا المعروف الذي لا ينبغي لنا أن نعصيك فيه ؟ قال: لا تنحن. قلت: يا رسول الله، إن بني فلان قد أسعدوني على عمّي ولا بد لي من قضائهن، فأبى عليَّ فأتيته مرارا فأذن لي في قضائهن، فلم أنح بعد على اخائهن ولا غيره حتى الساعة.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن. وفيه عن أم عطية رضي الله عنها، قال

---

(١) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٤٢٢، كتاب الحجّ / باب فرض الحج مرةً في العمر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) ● صحيح البخاري، ج:١، ص: ١٣٢، كتاب العيدين/ باب الخطبة بعد العيد، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ١٥٤، كتاب الأضاحي/ باب وقتها، مجلس البركات.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٣٠٤، كتاب الجنائز/ فصلٌ في نهي النساء عن النياحة، مجلس البركات، مبارك فور.

عبد بن حميد: أم سلمة الأنصارية هي أسماء بنت يزيد بن السكن.(۱)

⑧⑧ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلَّمَ- إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ: مَا لَكَ، قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ،

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ-: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا، قَالَ: لَا، قَالَ: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ: لَا، فَقَالَ: فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَكَثَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ- وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ- قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ فَقَالَ: أَنَا قَالَ: خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا -يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ- أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ: أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.(۲)

⑧⑨ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لِعَائِشَةَ، إِنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْكِ الْغُلَامُ الْأَيْفَعُ الَّذِى مَا أُحِبُّ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيَّ. قَالَ: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَمَا لَكِ فِي رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- أُسْوَةٌ قَالَتْ: إِنَّ امْرَأَةَ أَبِي حُذَيْفَةَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ سَالِمًا

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۱٦٤، أبواب التفسير/ سورة الممتحنة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ● صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۲۵۹، كتاب الصّوم/ باب إذا جامَعَ في رمضان، مجلس البركات.

● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۵٤، كتاب الصيام/ باب تحريم تغليظِ الجماع، مجلس البركات، مبارك فور.

● جامع الترمذي، ج :۱،ص: ۹۰، أبواب الصوم/ باب ما جاء في كفارة.

● سنن أبي داود، ص: ۲۷۱، كتاب الصوم/ باب كفارة من أتى أهله في رمضان، رقم الحديث: ۲۳۹۰.

● السنن الكبرى للنسائي، ج:۳،ص:۳۱۲، ۳۱۳، كتاب الصيام/ باب ما يجب على من جامع امرأته في شهر رمضان، رقم الحديث: ۳۱۰٤.

● سنن ابن ماجه، ص: ۱۸۳، كتاب الصيام/ باب ما جاء في كفارة مِن أفطر يوما من رمضان، رقم الحديث: ۱٦۷۱.

يَدْخُلُ عَلَيَّ وَهُوَ رَجُلٌ وَفِي نَفْسِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْهُ شَيْءٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- «أَرْضِعِيهِ حَتَّى يَدْخُلَ عَلَيْكِ». (١)

(٩٠) حَدَّثنا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَنْبَأَهُمْ: " أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي الْقُمُصِ الْحَرِيرِ فِي السَّفَرِ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا، أَوْ وَجَعٍ كَانَ بِهِمَا ". (٢)

(٩١) عن البراء-رضى الله عنه-قال:أمرنا النبي-صلى الله تعالى عليه وسلم- بسبع ... ونهانا عن سبع:عن خاتم الذهب،أوقال:حلقة الذهب وعن لبس الحرير. (٣)

(٩٢) عن أنس بن مالك أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا. (٤)

---

(١) ● الصحيح لمسلم، ج:١،ص: ٤٦٩، كتاب الرضاع/ فصل فى رضاعة الكبير، مجلس البركات
● سنن النسائي، ص: ٣٥٠، كتاب النكاح/ باب رضاع الكبير.
● سنن ابن ماجه، ص: ٢١١، كتاب النكاح/ باب رضاع الكبير.
● مسند الإمام أحمد، ص:١٨٩٤، مسند النساء/ حديث السيدة، عائشة، رقم الحديث: ٢٥٩٢٩.

(٢) ● صحيح البخاري، ج:٢،ص: ٨٦٨، كتاب اللباس/ باب ما يرخص للرّجال، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:٢،ص: ١٩٣، كتاب اللباس/ باب إباحة لبس الحرير للرجال.
● جامع الترمذي، ج:١،ص: ٢٠٥، كتاب اللباس/ باب ما جاء في الرخصة في لبس الحرير.
● سنن أبي داؤد،ص: ٤٤٤، كتاب اللباس/ باب لبس الحرير بعذر.
● سنن ابن ماجه، ص: ٣٨٧، كتاب اللباس/ باب من رخص له في لبس الحرير.
● سنن النسائي، ص: ٥٣٨، كتاب الزينة/ باب الرخصة في لبس الحرير.

(٣) ● صحيح البخاري، ج:٢،ص: ٨٧١، كتاب اللباس/ باب خواتم الذهب، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:٢،ص: ٧٨، كتاب اللباس/ باب تحريم استعمال إناءِ الذهب، مجلس البركات.

(٤) ● صحيح البخاري، ج:١، ص: ٤٧٧، كتاب الأنبياء/ باب يزفون النسلان في المشي، مجلس البركات.
● صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٥٨٢، كتاب المغازي/ غزوة أحد، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ٤٤١، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٨٨٣، ٨٨٤، مسند المكثرين/ مسند أنس بن مالك، رقم الحديث: ١٢٥٣٨.
● شرح معاني الآثار، ج:٢، ص: ٣١١، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۹۳) عن عبد الله بن زيد بن عاصم أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لأَهْلِهَا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كما حرم إبراهيم مَكَّةَ وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيمُ لأَهْلِ مَكَّةَ.(۱)

(۹٤) أخبرني عامر بن سعد بن أبي وقّاص، عن أبيه أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَي الْمَدِينَةِ أَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا.(۲)

(۹۵) عن أبي سعيد . . . قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَمًا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا أَنْ لاَ يُهَرَاقَ فِيهَا دَمٌ وَلاَ يُحْمَلَ فِيهَا سِلاَحٌ لِقِتَالٍ وَلاَ تُخْبَطَ فِيهَا شَجَرَةٌ إِلاَّ لِعَلْفٍ.(۳)

(۹٦) عن جابر قال: قال النبّي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ بيت الله وَ أَمَّنَه وَ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ بَيْنَ لاَبَتَيْهَا لاَ يُقْطَعُ عِضَاهَا وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا.(٤)

(۹۷) حَدَّثَنا عاصمٌ، قال: قُلْتُ لأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَحَرَّمَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه

---

(۱) • صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۸٦، كتاب البيوع/ باب بركة صاع النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- مجلس البركات.
• الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات.
• مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۱۷، أول مسند المدنيين/ حديث عبد الله بن زيد، رقم الحديث: ١٦٥٦.
• شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۲) • الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
• مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱٦۳، ١٦٤، مسند العشرة / مسند أبي إسحاق سعد بن أبي وقاص، رقم الحديث: ١٥٧٣.
• شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤۳، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) • الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
• شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۰، كتاب الصيد/ صيد المدينة..

وسلم- الْمَدِينَةَ؟ قَالَ نَعَمْ.- الحديث زَادَ أَبُوْ جَعْفَرَ فِي رِوايَةٍ: لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا- وَ لِمُسْلِمٍ فِي أخرىٰ: نَعَمْ، هِيَ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى خَلاهَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِك فعلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَ الملائكةِ و النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ.(۱)

(۹۸) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ، أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ، فَقَالَ : نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ. (۲)

(۹۹) عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِيٍّ ، امْرَأَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ قَالَتْ : إِنَّ حَبْرًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ ''مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ'' وَتَقُولُونَ ''وَالْكَعْبَةِ''، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ. وَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. قال الإمام الذّهبي في التلخيص : صحيح.(۳)

(۱۰۰) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ ، أَنَّ عَامِرَ بْنَ الطُّفَيْلِ لَمْ يَدْخُلِ الْمَدِينَةَ إِلاَّ بِأَمَانٍ مِنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: يَا عَامِرُ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ. قَالَ: نَعَمْ عَلَى أَنَّ لِي الْوَبَرَ وَلَكَ الْمَدَرَ. قَالَ: هَذَا لاَ يَكُونُ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: يَا عَامِرُ ، اذْهَبْ حَتَّى نَنْظُرَ فِي أَمْرِكَ إِلَى غَدٍ.

فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِلَى الأَنْصَارِ فَقَالَ : مَاذَا تَرَوْنَ ؟ إِنِّي

---

(۱) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤١، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۲، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۲) سنن ابن ماجه، ص:۲۲۹، كتاب الكفارات/ باب النّهي أن يقال ''مَا شاء اللهُ وشئتَ''.

(۳) ● المستدرك على الصحيحين، ج:٤، ص: ۲۹۷.

● تلخيص الإمام الذّهبي المطبوع مع المستدرك، ج:٤، ص: ۲۹۷، كتاب الأيمان والنذور / باب تسبيح ديك رجلاه في الأرض وعنقه تحت العرش.

قَدْ دَعَوْتُ هَذَا الرَّجُلَ فَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْوبرُ ولي المدرُ فقالوا :

"مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ"

مَا أَخَذُوا مِنَّا عِقَالاً إِلاَّ أَخَذْنَا مِنْهُمْ عِقَالَيْنِ فَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمْ.

فَرَجَعَ عَامِرٌ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ لَهُ: أَسْلِمْ تَسْلَمْ. يَا عامِرْ

قَالَ: لَيْسَ إِلاَّ ذَلِكَ ، فَأَبَى إِلاَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْوَبَرُ وَلِلنَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الْمدرُ ،

فَأَبَى النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-.[1]

---

(١) المستدرك على الصحيحين، ج:٤،ص: ٨٣، ٨٤، كتاب معرفة الصحابة / ذكر فضيلة أخرى للأوس والخزرج لم يقدر ذكرها من فضائل الأنصار.

(٣)

(١٠١) حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ - صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: إِنَّ ثَلاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ -أَبْرَصَ • وَأَقْرَعَ • وَأَعْمَى - بَدَا لِلَّهِ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا:

فَأَتَى الأَبْرَصَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ، وَيَذْهبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لَوناً حَسناً. فَقَالَ: فَأَيُّ المَالِ أَحَبُّ إِليكَ؟ قَالَ: الإِبلُ، أَوْ قَالَ: البَقَرُ -شكَّ الرَّاوِي- فَأُعطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، فَقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا.

فَأَتَى الأَقْرَعَ، فَقَالَ: أَيُّ شَيءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبَ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَذِرَنِي النَّاسُ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهبَ عَنْهُ وأُعْطِيَ شَعراً حَسَناً. قالَ: فَأَيُّ المَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: البَقَرُ، فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلاً، وَقالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا.

فَأَتَى الأَعْمَى، فَقَالَ: أَيُّ شَيءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: أَنْ يَرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ النَّاسَ؛ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصرهُ. قَالَ: فَأَيُّ المَالِ أَحبُّ إِليْكَ؟ قَالَ: الغَنَمُ، فَأُعْطِيَ شَاةً والداً، فَأَنْتَجَ هذَانِ، وَوَلَّدَ هَذَا، فكَانَ لِهذَا وَادٍ مِنَ الإِبلِ، وَلِهذَا وَادٍ مِنَ البَقَرِ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الغَنَمِ.

ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيئَتِهِ، فَقَالَ: رَجلٌ مِسْكِينٌ قَدِ انقَطَعَتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلا بَلاغَ لِيَ اليَومَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّونَ الحَسَنَ، والجِلْدَ الحَسَنَ، وَالمَالَ، بَعِيراً أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي، فَقَالَ: الحُقُوقُ كثِيرةٌ. فَقَالَ: كَأَنِّي اعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فقيراً فأَعْطَاكَ اللهُ!؟ فَقَالَ: إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا المَالَ كَابِراً عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ.

وَأَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهذا، وَرَدَّ عَلَيهِ مِثْلَ مَا رَدَّ هَذَا، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ.

وَأَتَى الأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ : رَجُلٌ مِسْكِينٌ وابنُ سَبيلِ انْقَطَعتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفرِي، فَلا بَلاغَ لِيَ اليَومَ إلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ ، أَسأَلُكَ بالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفرِي ؟ فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أعمَى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ ما أَجْهَدُكَ اليَومَ بِشَيءٍ أَخَذْتَهُ لله -عزّوجلّ- وفي روايةٍ لِلبخاري: لَا أحمدُ اليومَ. فَقَالَ: أَمْسِكْ مالَكَ فإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ . فَقَدْ رضي الله عنك ، وَسَخِطَ عَلَى صَاحِبَيكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .[1]

(١٠٢) عَنْ عُقبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنّ النَّبيّ -صلى الله عليه وسلّم- خَرَجَ يَوْمًا ... فقال: ... وَ إِنِّي وَ الله، مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا.[2]

(١٠٣) عَنْ أَبِي هُرَيْرَة ، أَنّ رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: إذا قال الرجلُ: هَلَكَ النَّاسُ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.[3]

(١٠٤) عَنْ عَبْدِ الله بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ الله -صلى الله

---

(١) ● صحيح البخاري، ج:١، ص: ٤٩٢، كتابُ أحاديث الأنبياء/ بابُ حديث أبرص واقرع وأعمى، مجلس البركات .

● الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ٤٠٨، كتاب الزهد/ فصل في حديث الأبرص والأقرع والأعمى .

● رياض الصالحين مِن كلام سيد المرسلين، ص: ٣٠، ٣١، بابُ المراقبة، مجلس البركات، واللفظ له.

و''النَّاقَةُ العُشَرَاءُ'' بضم العين وفتح الشين وبالمد: هي الحامِل. قوله: ''أَنْتَجَ'' وفي رواية: ''فَتَجَ'' معناه: تولَّى نِتاجها، والناتج لِلناقةِ كالقابلةِ للمرأةِ. وقوله: ''وَلَّدَ هَذَا'' هُوَ بتشديد اللام: أي تولى ولادتها، وَهُوَ بمعنى أنتج في الناقة ، فالمولّد ، والناتج ، والقابلة بمعنى ؛ لكن هَذَا لِلحيوان وذاك لِغيرهِ . وقوله: ''انْقَطَعَتْ بِي الحِبَالُ '' هُوَ بالحاءِ المهملةِ والباءِ الموحدة : أي الأسباب. وقوله: ''لا أَجْهَدُكَ '' معناه: لا أشقُّ عليك في ردِّ شيء تأخذه أَوْ تطلبه مِن مالي. وفي رواية البخاري: ''لا أَحمَدُكَ '' بالحاءِ المهملة والميم ومعناه: لا أحمدك بترك شيء تحتاج إِلَيْه إهـ-رياض الصالحين، ص: ٣١، ٣٢، مجلس البركات. ١٢ منه .

(٢) ❀ صحيح البخاري، ج:١، ص: ١٧٩، كتاب الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، مجلس البركات.

❀ الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ٢٥٠، كتاب الفضائل / باب إثباتِ حوضِ نبيِّنا صلى الله تعالى عليه وسلم وصفاتِهِ، مجلس البركات.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ٣٢٩، كتاب البكر والصِّلة والأدب/ بابُ النّهي عن قول "هلك الناس"، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٧١٨، مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ١٠٠٠٦، بيت الأفكار الدولية.

عليه وسلم-: « أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لأَخِيهِ "كَافِرٌ". فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ».[١]

(١٠٥) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رضي الله تعالى عنه- أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لأَخِيهِ: "يَا كَافِرُ" فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا».[٢]

(١٠٦) عَنْ أَبِي ذَرٍّ -رضي الله تعالى عنه- أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: «لاَ يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوقِ، وَلاَ يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلاَّ ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ».[٣]

(١٠٧) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: ... «وَمَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ، -أو- قَالَ: عَدُوُّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ ».[٤]

(١٠٨) عن عطاء ابن أبي رباح أنه سمع عبدَ الله ابنِ عباس قال: أصاب رجلاً جرحٌ في عهد رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- ثم احتلم فأمر بالاغتسال، فاغتسل فمات فبلغ ذلك رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- فقالَ قتلوه، -قتلهم الله- أ لم يكن شفاء العي السؤال.[٥]

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ٥٧، كتاب الإيمان/ باب بيانِ حالِ إيمان من قال لأخيه المسلم "يا كافر"، مجلس البركات.

❀ صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٠١، كتاب الأدب/ بابٌ من أكْفَرَ أَخاه بغير تأويلٍ فهو كما قال، مجلس البركات.

(٢) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٠١، كتاب الأدب/ بابٌ من أكْفَرَ أَخاه بغير تأويل فهو كما قال، مجلس البركات.

(٣) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٨٩٣، كتاب الأدب / باب ما يُنهى عن السِّبابِ واللعن، مجلس البركات.

(٤) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٥٧، كتاب الإيمان/ باب ما تقدّم، مجلس البركات.

(٥) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٢٧٢، مسند آل العباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ٣٠٥٧.

● سنن أبي داؤد، ص: ٦٢، كتاب الطهارة/ بابٌ في المجروح يتيمم، رقم الحديث: ٣٣٧.

● سنن ابن ماجه، ص: ، كتاب الطهارة / باب في المجروح تصيبه الجنابة فيخاف على نفسه إن اغتسل، رقم الحديث: ٥٧٢.

(١٠٩) عن ابن عباس قال: ضمّني رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- وقال: اَللّٰهُمّ علّمهُ الكتاب.(١)

(١١٠) عن ابن عباس، أن النّبي -صلى الله عليه وسلم- قال: ... "اللّٰهم فقّهْهُ في الدّين."(٢)

(١١١) عن ناسٍ من أصحاب معاذ من أهل حمص عن معاذ بن جبل أنّ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم- لـمّا بعثه إلى اليمن ● قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضي بكتاب الله ● قال: فإن لم تجد في كتاب الله، قال: فبسُنّة رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- ● قال: فإن لم تجد في سُنّة رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- ● قال: أجتهد رأئي و لا آلو ● قال: فضرب رسولُ الله علىٰ صدرهٖ و قال:

الحمد لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضىٰ به رسول الله.

رواه الترمذي و أبو داود و الدارمي.(٣)

(١١٢) عن عِكرمة: أنّ أهل المدينة سألوا ابنَ عباس عن امرأةٍ طافت ثمّ حاضت. قال لهم: تنفر. قالوا: لا نأخذ بقولك و ندعُ قول زيد، قال: إذا قَدِمْتم المدينة فاسئلوا، فقدموا المدينة فكان في من سألوا أم سُلَيم فذكرت حديث صفية.(٤)

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص:١٧، كتاب العلم/ باب قول النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: اللّٰهُم علِّمه الكتاب، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٦، كتاب الوضوء/ بابُ وضعِ الماء عند الخلاء، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) مشكاة المصابيح، ص: ٣٢٤، باب العمل في القضاء و الخوف منه/ الفصلُ الثاني، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج: ١، ص: ١٥٩، أبواب الأحكام عن رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ سنن أبي داود، ص: ٣٩٧، كتاب الأقضية/ باب اجتهاد الرائ في القضاء، بيت الأفكار.

❀ سنن الدارمي، ج:١، ص: ٢٦٧، كتابُ الفتيا وما فيه من الشدّة، دار المغني للنشر والتوزيع.

❀ السُنن الكبرى للإمام البيهقي، ج:١، ص:١١٤، كتاب أداب القاضي/ بابُ ما يقضي به القاضي و يُفتي، مجلس دائرة المعارف، حيدر أباد.

(٤) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٢٣٧، كتاب المناسك/ باب إذا حاضتِ المرأة بعد ما أفاضت، مجلس البركات، مبارك فور.

(١١٣) حدثنا أبو قيس، قال: سمعت هُزَ يلَ بن شُرَحْبِيْلَ، يقول: سُئل أبو موسى عن اِبنَةٍ وابنَةِ ابن وأخت-فقال: للابنة النِّصف و للأخت النصف- وائتِ ابنَ مسعود فسيُتابِعُني، فسُئِل ابنُ مسعود وأُخبر بقول أبي موسى.

فقال: لقد ضللتُ إذن وما أنا من المهتدين-أقضي فيها بما قضى النّبي -صلى الله عليه وسلم-: للابنة النصف، و لابنة الابن السُّدس (تكملةً لثُلُثَين)، وما بقي فللأخت.

فأتينا أبا موسىٰ، فأخبرناه بقول ابن مسعود،فقال:"لا تسئلوني مادام هذا الحِبر فيكم."(١)

(١١٤) عن أبي مالك يعني الأشعري ، قال: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- : "إن الله أجاركم من ثلاث خلال:

- أنْ لا يدعُو عليكم نبيُّكم فتَهلِكوا جميعًا،
- وأن لا يُظْهِرَ أهلَ الباطل علىٰ أهل الحقّ،
- و أن لا تجتمعوا علىٰ ضلالة."(٢)

(١١٥) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- قَالَ: «إِنَّ اللهَ لاَ يَجْمَعُ أُمَّتِى -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- عَلَى الضَّلاَلَةِ وَيَدُ اللهِ على الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ، شَذَّ إِلَى النَّارِ».(٣)

(١١٦) عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر قال : قال رسولُ الله -صلّى الله عليه و اٰله و سلَّمَ- : "لا يجمع الله هذه الأمةَ على الضَّلالة أبدا" و قال : "يد الله على الجماعة، فاتّبعوا السَّواد الأعظم، فإنه من شذَّ، شذّ في النار".(٤)

---

(١) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٩٩٧، كتاب الفرائض/ باب ميراث ابنَةِ ابن مع اِبنَةٍ، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) سنن أبي داؤد، ج: ٣، ص : ١٣٠، كتاب/ باب الفتن والملاحم ، حديث : ٤٢٥٣، دارُ المعرفة، بيروت، لبنان.

(٣) جامع الترمذي، ج: ٢، ص: ٣٩، كتاب الفتن/ بابُ لزومِ الجماعة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٤) المستدرك للحاكم، ج:١، ص: ١١٥، كتاب العلم/ بابٌ لا يجمع الله هذه الأمّة على الضلالة أبدًا، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(١١٧) عن عبد الله بن دينار، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: خطبنا عمر بالجابية فقال: يا أيُّها النّاسْ إنِّى قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فينا، فقال:

«أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّى يَحْلِفُ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدُ الشَّاهِدُ وَلاَ يُسْتَشْهَدُ.

أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَة فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ. مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ. مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ».

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ، غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.(١)

(١١٨) حدّثني أبوإدريس الخولاني أنه سمع حُذيفة بنَ اليمان يقول: كان الناس يسألون رسولَ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه و آلِه وسلَّمَ- عن الخير و كنتُ أسأله عن الشر مخافة أن يدركني، فقلت: يا رسول الله، إنّا كنّا في جاهلية و شرّ، فجاء الله بهذا الخير، فهل بعد هذا الخير مِن شر؟ قال: نعم ... قلت: فما تأمرني إن أدركتُ ذلك؟ قال:

"تلزَم جماعة المسلمين و إمامهم"، قلت: فإن لم يكن لهم إمام ولا جماعة ؟ قال: فاعتزل تلك الفِرَق كلها، و لو أن تعَضّ بأصل شَجَرة حتّى يُدركك الموتُ وأنت كذلك".(٢)

(١١٩) حدَّثني الحارث الأشعري قال : قال رسول الله -صلى الله عليه و آله و سلم- : آمركم بخمس كلمات أمَرَني الله بهن :

---

(١) ● جامع الترمذي، ج: ٢، ص: ٣٩، كتاب الفتن/ باب لزوم الجماعة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

● والمستدرك للحاكم، ج:١، ص: ١١٤، كتاب العلم/ باب خطبة عمر -رضي الله تعالى عنه- بالجاهلية، مكتب المطبوعات الإسلاميه، بيروت، لبنان

(٢) صحيح البخاري ج: ١، ص: ٥٠٩، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري ج: ٢، ص: ١٠٤٩، كتاب الفتن/ باب كيف الأمر إذا لم تكن جماعة.

❀ الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ١٢٧، كتاب الإمارة/ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين إلخ.

● الجماعة و● السمع و● الطاعة و● الهجرة و● الجهاد في سبيل الله فمَن خَرج من الجَماعة قيد شِبر فقد خلع ربقةَ الإسلام من رأسه إلا أن يرجع.[1]

(١٢٠) عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ - وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ - قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلاَةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: الصَّلاَةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ. فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا، فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ . سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ « مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ».[2]

(١٢١) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ الله -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلاَمًا أَسْوَدَ،وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ-صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟»، قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟»، قَالَ: إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا.

قَالَ: «فَأَنَّى تُرَى ذَلِكَ جَاءَهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ الله، عِرْقٌ نَزَعَهَا، قَالَ: «وَلَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ»، وَلَمْ يُرَخِّص لَهُ فِي الاِنْتِفَاءِ مِنْهُ.[3]

(١٢٢) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟»، قَالَتْ: نَعَمْ،

قَالَ: «اقْضُوا الَّذِي لَهُ، فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ».[4]

---

(١) المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ١١٧، ١١٨، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شِبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(٢) الصحيح لمسلم،ج:١،ص:٥٠، ٥١، كتاب الإيمان/ باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١٠٨٨، كتاب الاعتصام، باب من شبّه أصلا معلوما بأصلٍ مبيَّن قد بيّن الله حكمها ليفهم السائل، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١٠٨٨، كتاب الاعتصام/ باب من شَبّه أصلا معلوما بأصلٍ مبيَّن قد بيّن الله حكمَها ليفهم السائل، مجلس البركات، مبارك فور.

⑫٣ عَنِ أبي هُريرة، قال: لمّا تُوَفِّي رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- واستُخلِف أبو بكر بعده وكَفَر من كفر من العرب ... فقال أبو بكر: والله لأقاتلنَّ مَن فرّق بين الصَّلاة والزّكاة، فإنّ الزكاة حق المال، والله لو مَنعوني عِقالا كانوا يؤدُّونه إلى رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- فقاتلتُهم علَى منعه، فقال عمرُ بن الخطاب: فوالله ما هو إلا أن رأيتُ الله قد شرح صدر أبي بكر للقتال، فعرفت أنه الحق.(١)

⑫٤ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيدٍ ، قَالَ : ذَكَرَ النَّبِيُّ -صَلَّى الله تَعَالىٰ عَلَيْهِ وسَلَّمَ- شَيْئًا ، فَقَالَ : وَذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ ، قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ الله ، وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ ، وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ ، وَنُقْرِئُهُ أَبْنَاءَنَا ، وَيُقْرِئُهُ أَبْنَاؤُنَا أَبْنَاءَهُمْ، إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ:ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابنَ أمِّ لبيد، إِنْ كُنْتُ لأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِينَةِ ، أَوَلَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ ، وَالنَّصَارَى ، يَقْرَؤُونَ التَّوْرَاةَ ، وَالإِنْجِيلَ لاَ يَنْتَفِعُونَ مِمَّا فِيهِمَا بِشَيْءٍ ؟(٢)

⑫٥ عن علقمة والأسود، أنّهما دخلا علىٰ عبدالله، فقال أَصَلّىٰ مَن خَلفكُمْ؟ قالا: نعم، فقام بينهما، فجعل أحدهما عن يمينهِ والآخر عن شمالهِ ثم ركعنا فوضعنا أيدينا على رُكَبنا ثم طبّق بين يديه ثم جعلهما بين فخذيه، فلما صلّىٰ قال: هٰكذا فعل رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-.(٣)

⑫٦ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الله بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ

---

(١) ❀ الصحيح لمسلم،ج:١،ص:٣٧، كتاب الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ صحيح البخاري، ج:٢،ص:١٠٨١، كتاب الاعتصام/ باب الاقتداء بسُنَنِ رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) ❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ١٢٥٩، مسند الشاميين/ حديث زياد بن لبيد، رقم الحديث: ١٧٦١٢، بيت الأفكار الدولية.
❀ سنن ابن ماجه، ص: ٤٣٥، كتاب الفتن/ باب ذهاب القرآن والعلم.
❀ جامع الترمذي، عن أبي الدّرداء، بمعناه، ج:٢، ص:٩٠، أبواب العلم/ باب ما جاء في ذهاب العلم، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) الصحيح لمسلم، ج:١،ص: ٢٠٢، كتابُ المساجد ومواضع الصّلاة/ باب الندب إلى وضعِ الأيدي على الرُّكبِ في الرّكوع ونسخِ التّطبيق، مجلس البركات، مبارك فور.

عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّه سَمِعَ رَسُولَ الله - صلى الله عليه وسلَّمَ- يَقُولُ: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ. (١)

(۱۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ: سَيَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي أُنَاسٌ يُحَدِّثُونَكُمْ مَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ. (٢)

(۱۲۸) أَخْبَرَنِي مُسْلِمُ بْنُ يَسَار، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لاَ يُضِلُّونَكُمْ وَلاَ يَفْتِنُونَكُمْ. (٣)

(۱۲۹) عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله -صلى الله عليه وسلم-: مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ.

وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ». (٤)

(۱۳۰) عَنْ عَائِشَةَ -رضي الله عنها- قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ منهُ فَهُوَ رَدٌّ. (٥)

---

(١) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١٠٩٢، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم إذا اجتهد، فأصاب أو أخطأ، مجلس البركات، مبارك فور.

* والصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ٧٦، كتاب الأقضية/ باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، مجلس البركات، مبارك فور.

* وسنن ابن ماجه، ص: ٢٤٩، كتاب الأحكام/ باب الحاكم يجتهد فيصيب الحق، رقم الحديث: ٢٣١٤.

* و سنن أبي داؤد، ص: ٣٩٦، كتاب الأقضية/ بابٌ في القاضي يخطي، رقم الحديث: ٣٥٧٤، بيت الأفكار الدولية.

(٢) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٩، باب النّهي عن الرواية عن الضعفاء، مجلس البركات

(٣) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ١٠، باب النّهي عن الرواية عن الضُّعفاء، مجلس البركات

(٤) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٣٢٧، كتابُ الزّكاة/ باب الحثّ على الصّدقة، مجلس البركات.

(٥) صحيح البخاري ج: ١، ص: ٣٧١، كتاب الصلح/ بابٌ إذا اصطلحوا على صلحِ جورٍ فهو مردودٌ، مجلس البركات.

* والصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ٧٧، كتاب الأقضية/ باب نقضِ الأحكامِ الباطلة و رَدِّ محدثاتِ الأمور، مجلس البركات.

(۳۱) عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ (هو ابن عمرو بن عوف المزني) عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ لِبِلاَلِ بْنِ الْحَارِثِ: ... **مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلاَلَةٍ لاَ يَرْضَاهَا اللهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، لاَ يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا.** هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.(١)

(۳۲) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي، فَقَالَ: «إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ، فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ».

قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-.

قَالَ عُمَرُ: هَذَا وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِذَلِكَ، وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ.

قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ، عَاقِلٌ، لاَ نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ، فَاجْمَعْهُ - فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ.

قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-؟

قَالَ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ. فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ، حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الأَنْصَارِيِّ، لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ. ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ، فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ، حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ.(٢)

---

(١) جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٩٢، أبواب العلم/ باب الأخذ بالسُّنّة و اجتناب البدعة. مجلس البركات.

(٢) صحيح البخاري ج: ٢، ص: ٧٤٥، ٧٤٦، كتابُ أبوابِ فضائل القرآن/ باب جمع القرآن، مجلس البركات.

⑬ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَرَادَ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ فَكَرِهَ النَّاسُ ذٰلِكَ، فَأَحَبُّوا أَنْ يَدَعَهُ عَلَى هَيْئَتِهِ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ: «مَنْ بَنَىٰ مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهُ».(١)

⑭ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رضي الله عنه- لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلَىٰ قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ. ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى ، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ ، قَالَ عُمَرُ : نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ ، [وفي بعضِ الرّوايات : نعمتِ البِدعَةُ -كرماني-] وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ. يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ .(٢)

⑮ عن عبدِ الله (بن مَسعود) -رضي الله تعالى عنه-، قال: مَا رَأى المسلِمُون حَسَنًا فهو عند الله حَسَنٌ، و مَا رآه المُسلِمُون سَيِّئًا فهو عند الله سَيِّءٌ. هٰذا حديث صحيح الإسناد و لم يُخرّجاه.(٣)

⑯ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ: رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه

---

(١) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٢٠١، كتاب المساجد و مواضع الصلاة/ بابُ فضل بناء المساجد و الحثّ عليه، مجلس البركات.

(٢) ❀ صحيح البخاري، ج:١،ص:٢٦٩، كتاب الصّوم / بابُ فضلِ مَن قَامَ رَمضانَ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ المؤطا برواية يحيى بن يحيىٰ ج: ١، ص: ١٧١، كتاب الصلاة/ باب ما جاء في قيام رمضان، دار المغرب الإسلامي.

❀ المؤطا برواية محمد بن الحسن ج: ١، ص: ١٤٢ -١٤٣، كتاب **الصلاة/ باب قيام شهر** رمضان، مجلس البركات.

(٣) المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج: ٣، ص: ٧٨، ٧٩، كتابُ **معرفة الصحابة/ مخاطبة** الصحابة أبا بكر: "يا خليفة رسول الله"، دار المعرفة، بيروت، لبنان.

وسلم- «مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّة حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وأجْر من عمل بها بعده من غير أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ ».(١)

⑬٧ عَنْ أَبِي مُوسَى ، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : مَثَلُ الَّذِي يقرأ الْقُرْآنَ كَالأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ.(٢)

⑬٨ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لله مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ الله تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ .(٣)

⑬٩ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْشُدُكَ اللهَ، هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ-صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ: "يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-، اللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ" قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَعَمْ.(٤)

⑭٠ عن عائشة، قالت: استاذَنَ حسّان بنُ ثابت رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- في هجاء المشركين، فقال رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: فكيفَ بنسبي، فقال حسّان: لأسُلّنك مِنهم كما تسلُ الشعرة من العجين.(٥)

⑭١ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ-صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ٣٢٧، كتاب الزكاة / باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة. مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٧٥١، كتاب فضائل القرآن/ باب فضل القرآن على سائر الكلام، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) صحيح البخاري، ج:٢، ص:٩٤٨،كتاب الدعوات/ باب فضل ذكر الله تعالٰی، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج:١، ص:٦٤، ٦٥،كتاب الصلاة/ باب الشعر في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

(٥) صحيح البخاري، ج:٢،ص:٩٠٨،٩٠٩، كتاب الأدب/ باب هجاء المشركين، مجلس البركات، مبارك فور.

فِي الْمَسْجِدِ، يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا، يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، أَوْ قَالَتْ : يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، وَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُفَاخِرُ ، أَوْ يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-.[1]

(٤٢) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَنْتَظِرُونَهُ قَالَ : فَخَرَجَ حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَجَبًا: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً ، وَقَالَ آخَرُ : - - مُوسَى كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا ، وَقَالَ آخَرُ : فَعِيسَى كَلِمَةُ اللهِ وَرُوحُهُ ، وَقَالَ آخَرُ : آدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ. فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ، وَقَالَ : قَدْ سَمِعْتُ كَلاَمَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللهِ وَهُوَ كَذَلِكَ وَمُوسَى نَجِيُّ اللهِ وَهُوَ كَذَلِكَ ، وَعِيسَى رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذَلِكَ وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذَلِكَ .

أَلاَ • وَأَنَا حَبِيبُ اللهِ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ •وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللهُ لِي فَيُدْخِلُنِيهَا وَمَعِي فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلاَ فَخْرَ • وَأَنَا أَكْرَمُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ وَلاَ فَخْرَ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.[2]

(٤٣) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ . . . قَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ كَلاَّ، أَبْشِرْ فَوَاللهِ لاَ يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، وَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.[3]

---

(١) جامع الترمذي، ج:٢، ص:١٠٧، أبواب الاستيذان والأدب عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء في إنشاد الشّعر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) جامع الترمذي، ج:٢،ص: ٢٠٢، أبواب المناقب عن رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلم-/ باب تحت باب ما جاء في فضل النبي ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) • الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٨٨، كتاب الإيمان/ باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

• صحيح البخاري، ج:١، ص:٣، بابٌ كيف كان بدء الوحي إلىٰ رسول الله ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

(١٢٤) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ -رضى الله عنه- قَالَ: وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الاِثْنَيْنِ قَالَ :«ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ - أَوْ- أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ ».[١]

(١٢٥) عَنْ أَوْسِ بْنِ أَبِي أَوْسٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلاَةِ فِيهِ ، فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ. فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ عَلَيْكَ صَلاَتُنَا وَقَدْ أَرِمْتَ ؟ يَعْنِي وَقَدْ بَلِيتَ ، قَالَ : إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ.[٢]

(١٢٦) عَنِ ابْنَيْ بُسْرٍ السُّلَمِيَّيْنِ قَالاَ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَتَمْرًا وَكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ.[٣]

(١٢٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: «إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الآخِرَةِ ».[٤]

(١٢٨) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قال: قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ.[٥]

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٣٦٨، كتاب الصيام / باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج: ٢٦، ص: ٨٧ / مسند المدنيين، رقم الحديث: ١٦١٦٢، مؤسسة الرسالة، بيروت.

(٣) سنن أبي داؤد، ص: ٦٤٥،٦٤٦، كتاب الأطعمة / باب في الجمع بين لونَين عند الأكل، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(٤) سنن أبي داؤد، ص: ٨٦٥، كتاب الأدب، بابٌ في السلام إذا قام من المجلس، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(٥)صحيح البخاري، ج:١، ص: ٢٠، ٢١، كتاب العلم/ باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، مجلس البركات، مبارك فور.

(۱۴۹) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ. قَالَ: أَمَا إِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ وَإِنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.(۱)

(۱۵۰) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه-، قال: سمعتُ رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- يقول: . . . فإن صلاتكم تُبلّغني حيث كنتم."(۲)

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱٦، كتاب العلم/ باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) سنن أبي داؤد، ص: ۳٤۸، كتاب المناسك / بابُ زيارة القبور، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(٤)

(١٥١) ”عن أنس، قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: مَن صلّى عليّ صلاة واحدة صلى الله عليه عشر صلوات وحطّت عنه عشر خطيات ورفعت له عشر درجات.“ (١)

(١٥٢) عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ -رضى الله عنها- أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلاًّ . . . مِنْ فَاطِمَةَ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهَا، كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ . وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا. (٢)

(١٥٣) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ، - هُوَ ابْنُ مُعَاذٍ - بَعَثَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم - وَكَانَ قَرِيبًا مِنْهُ فَجَاءَ، عَلَى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: قُومُوا إِلَى ”سَيِّدِكُمْ“ فَجَاءَ فَجَلَسَ إِلَى رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-. (٣)

(١٥٤) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَهُوَ يُحَدِّثُنَا كَانَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا ”فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوتِ أَزْوَاجِهِ“ فَحَدَّثَنَا يَوْمًا ”فَقُمْنَا حِينَ قَامَ. (٤)

---

(١) سنن النسائي، ج:٣، ص:٥٠، كتاب السّهو / باب الفضل في الصلاة على النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(٢) سنن أبي داؤد، ص: ٨٦٦،أول كتاب الأدب / باب ما جاء في القيام ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(٣) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٤٢٧، كتاب الجهاد والسّير/ باب إذا نزل على حكم رجل، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) سنن أبي داؤد، ص: ٨٠٢، أول كتاب الأدب/ باب في أخلاق النبي، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(١٥٥) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ - لاَ أَعْلَمُهُ إِلاَّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ : لَا تَقُومُوْا حَتَّى تَرَوْنِي وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ.(١)

(١٥٦) حَدَّثَنِي أَبُو خَلَفِ الأَعْمَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ الله -صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ-، يَقُولُ: ''إِنَّ أُمَّتِي لاَ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ.''(٢)

(١٥٧) عن عمر بن الخطّاب -رضى الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم-: إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى • فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ • وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا • أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا- فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.(٣)

(١٥٨) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْحَلاَلُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ. وَالْمَعَاصِي حِمَى اللهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ.(٤)

(١٥٩) عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ : مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-؟ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلمَ- ''دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ. قَالَ: وَأَبُو الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيُّ اسْمُهُ رَبِيعَةُ بْنُ

---

(١) صحيح البخاري، ج:١،ص: ١٢٤، كتاب الجمعة / باب المشي إلى الجمعة، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) سنن ابن ماجه، ج: ٢، ص: ١٣٠٣، كتاب الفتن / باب السّواد الأعظم، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(٣) صحيح البخاري ج:١، ص:٢، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-، مجلس البركات.

(٤) صحيح البخاري ج:١، ص:٢٧٥، كتاب البيوع/ باب الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات، مجلس البركات، مبارك فور.

شَيْبَانَ. قَالَ: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ.[1]

(١٦٠) عن سَيَار بن سَلامة، قال: دَخَلتُ أنا وأبي على أبي برزة الأسلمي، فَقال لَهُ أبي: كيفَ كانَ رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- يصلي المكتوبة؟ فقال: . . . وَكانَ ينْفتِل مِنْ صَلاة الغدَاة حين يَعرفُ الرجل جَليسَه، وَ يقرأ بالسّتين إلى المائة.[2]

(١٦١) عن أنس أنّ زيد بن ثابت حدّثه أنهم تسحّروا مع النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- ثم قاموا إلى الصلوٰة. قلتُ: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين أوستين يعني آية.[3]

(١٦٢) عن سليمان بن أبي حازم أنه سمع سهل بن سعد يقول: كنتُ أتَسَحّرُ في أهلي ثم تكون سرعةٌ بي أن أدرك صلوٰة الفجر مع رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-.[4]

(١٦٣) عن أبي مسعود الأنصاري، أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- صلّى ... صلاة الصبح مرة بغَلَس ثم صَلّى مرة أخرىٰ فأسْفَرَبها ثم كانت صلاته بعد ذلك

---

(١) • جامع الترمذي، ج٢: ص:٧٤، ٧٥، أبواب الزهد عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- / بابٌ مِن الزهد، مجلس البركات.

• سنن النسائي، ص: ٥٧٥، كتابُ الأشربة / باب الحثّ على ترك الشبهات.

• مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ١٧٧، مسندُ آل أبي طالب/ حديثُ الحسن بن علي بن طالب، رقم الحديث: ١٧٢٣ / ١٧٢٧.

• صحيح ابن حبان ، ج:٢، ص:٤٩٨، كتابُ الرقائق/ ذكرُ الزّجر عمّا يُريبُ المرءَ، رقم الحديث: ٧٢٢.

• المستدرك على الصحيحين، ج:٢،ص: ٥١، كتاب الإيمان / شعائر الدّين.

(٢) • صحيح البخاري، ج:١، ص: ٧٩، كتاب مواقيت الصلاة / باب وقت المغرب، مجلس البركات ، مبارك فور.

• الصحيح لمسلم،ج:١، ص:٢٣٠، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / بابُ استحباب التبكير بالصبح في أولِ وقتها وهو التغليس، مجلس البركات.

(٣) صحيح البخاري، ج:١، ص:٨١، كتاب مواقيت الصّلاة / باب وقت الفجر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ص:٨٢، ج:١، كتاب مواقيت الصلاة / باب وقت الفجر، مجلس البركات، مبارك فور.

التغليس حتّى مات، لم يعد إلى أن يُسفر.[١]

ثُمَّ أَخَّرَ الْفَجْرَ مِنَ الْغَدِ حَتَّى انْصَرَفَ مِنْهَا وَالْقَائِلُ يَقُولُ قَدْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ أَوْ كَادَتْ.[٢]

(١٦٤) حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاق، قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: حَجَّ عَبْدُ اللهِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-، فَأَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِينَ الأَذَانِ بِالْعَتَمَةِ . . . فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- كَانَ لاَ يُصَلِّي هَذِهِ السَّاعَةَ إِلاَّ هَذِهِ الصَّلاَةَ فِي هَذَا الْمَكَانِ مِنْ هَذَا الْيَوْمِ . قَالَ عَبْدُ اللهِ : هُمَا صَلاَتَانِ تُحَوَّلاَنِ عَنْ وَقْتِهِمَا صَلاَةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ . وَالْفَجْرُ حِينَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ.

قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- يَفْعَلُهُ.[٣]

(١٦٥) عن رافع بن خديج قال: سمعتُ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أسفِروا بالفجر فإنه أعظم للأجر.[٤]

---

(١) ● سُنن أبي داود، ص:٦٨، كتاب الصلاة / باب في المواقيت، رقم الحديث: ٣٩٤.
● نصب الراية، ص:٢٣٤، ج:١، الحديث التاسع من كتاب الصلاة، باب المواقيت
● و ج:١، ص:٢٤٢، من أحاديث الخصوم.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:١،ص:٢٢٣، كتاب المساجد ومواضع الصلاة/ باب أوقاتِ الصلوات الخمس، مجلس البركات.

(٣) صحيح البخاري ، ج:١،ص:٢٢٧، كتاب الحج/ باب من أذَّن و أقام لكل واحدة منهما، مجلس البركات.

(٤) ● جامع الترمذي، ج:١، ص:٢٢، أبواب الصلاة / باب ما جاء في الإسفار بالفجر.
● سنن أبي داود، ص: ٧١، كتاب الصلاة / بابٌ في وقت الصبح، رقم الحديث: ٤٢٤.
● سنن النسائي، ص: ٧٥، كتاب المواقيت / باب الإسفار، رقم الحديث: ٥٤٨، ٥٤٩.
● سنن ابن ماجه، ص: ٨٢، كتاب الصلاة / باب وقت صلاة الفجر، رقم الحديث: ٦٧٢.
● صحيح ابن حبان، ج:٤، ص: ٣٥٥-٣٥٨، كتاب الصلاة / زعم أن الإسفار بالفجر أفضل من التغليس-
● المعجم الكبير للطبراني، ج:٤، ص: ٢٤٩-٢٥٠، محمود بن لبيد الأنصارى عن رافع بن خديج، رقم الحديث: ٤٢٨٣، ٤٢٨٤، ٤٢٨٥، ٤٢٨٦، ٤٢٨٧.
● نصب الراية،ج:١، ص:٢٣٥، كتاب الصلاة / باب المواقيت .

(۱۶۶) حدّثنا هريرُ بن عبد الرحمٰن بن رافع بن خديج، يقول: سمعتُ جدّي رافع بن خديج يقول: قال رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم- لبلال: يابلال "نوّر بصلاة الصبح حتىٰ يُبصِر القومُ مواقعَ نبلهم من الإسفار."[۱]

(۱۶۷) حَدّثنا موسى بنُ هارون، حدّثنا محمّدُ بنُ عبد الأعلى، حدّثنا المعتمرُ سمعت بيانا أبا سعيد، قال: سمعتُ أنسا يقول: كان رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم- يُصلّي الصبح حين يفسح البصر.[۲]

(۱۶۸) عن أبي ذر، قال: كُنّا معَ النّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- في سَفَرٍ، فأراد الـمُؤَذِنُ أن يُـؤَذِّنَ ● فقال لهُ: "أبْرِدْ".

● ثم أرَادَ الـمُؤَذِنُ أن يُـؤَذِّنَ، فقال لهُ: "أبْرِدْ".

● ثمّ أرَادَ الـمُؤَذِنُ أن يُـؤَذِّنَ، فقال لهُ: "أبْرِدْ".

حَتى ساوَى الظِّلُّ التُّلول، فقال النّبيُّ -صلى اللهُ تعالىٰ عليه وسلّمَ-: إنَّ شِدَّةَ الحَرِ مِنْ فَيحِ جهَنّم.[۳]

(۱۶۹) عن عبد الرحمٰن، عن عبد الله، قال: ما رأيتُ النبيَّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- صلّى صلاةً لغير ميقاتها، إلّا صلاتين: جمع بينَ المغرب والعشاء وصلّى الفجر قبل ميقاتها.[٤]

(۱۷۰) أخبرنا إسماعيل بن مسعود، عن خالد، عن شعبة، عن سليمان، عن عمارة بن عمير، عن عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله -رضي الله تعالى عنه- قال: كان رسولُ الله

---

(۱) ● مسند ابن أبي شيبة، ج:۱، ص: ۷۸، ما رواه رافع ابن خديج، ملتقى أهل الأثر.
● مسند أبي داؤد الطيالسي، ج:۲، ص: ۲٦٦، رافع بن خديج/ رقم الحديث: ۱۰۰۳.
● المعجم الكبير للطبراني، ج:٤، ص: ۲۷۷، هُريز بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج، عن جده رافع، رقم الحديث: ٤٤١٤، ٤٤١٥.

(۲) نصب الراية لأحاديث الهداية، ج:۱، ص:۲۳۹، كتاب الصلاة / باب المواقيت / الحديث الثاني عشر، المجلس العلمي، عن كتاب غريب الحديث.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۸۷، ۸۸، كتاب الأذان/ باب الأذان للمسافر، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۲۸، كتاب المناسك/ باب متىٰ يُصلي الفجر بجمع، مجلس البركات، مبارك فور.

–صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ– يُصلّي الصّلاة لِوقتِها إلّا بجمع وعرفات.[1]

(٤١) أخبرنا سلام بن سليمان الحنفي، عن أبي إسحاق السبيعي، عن عبد الرحمن بن الأسود، عن علقمة بن قيس، والأسود بن يزيد، قال: كانَ عَبْدُ الله بنُ مسعود –رضي الله تعالى عنه– يقول: لا جمعَ بين الصّلاتين إلّا بعرفة الظهر والعصر.[2]

(٤٢) عَن تميم بن طَرَفَةَ، عن جابر بن سَمُرَةَ قال: خرج علينا رسولُ الله –صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ–، فقال: مالِيَ اَرَاكم رافعي أَيْدِيْكُم كأنّها أذنابُ خيلٍ شُمْسٍ، اُسْكنوا فِي الصّلاة.[3]

قالَ أبو عبد الله: قالَ الحميديُّ: . . . وإنّما يُؤخَذُ بالآخرِ فالآخرِ مِن فعلِ النّبيّ –صلى الله تعالى عليه وسلم–.[4]

(٤٣) أخرج أبو داؤد والترمذي عن وكيع عن سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمٰن بن الأسود عن علقمة، قال: قالَ عبدُ الله بن مسعود: أَلَا أُصَلّي بكم صلاة رسولِ الله –صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ–؟ فصلّى، فلم يرفع يديه إلّا في أوّل مرة، انتهى. وفي لفظٍ: فكان يرفع يديه أوّلَ مرة، ثم لا يعود، قال التّرمذي: حديث حسنٌ، انتهى. وأخرجهُ النسائي عن ابن المبارك عن سفيان به (أي بذلك الإسناد.)[5]

---

(١) سنن النسائی، ص: ٣٢٠، كتاب مناسك الحج / باب الجمع بين الظهر والعصر بعرفة.

(٢) كتاب الحجة، ج:١، ص:١٦٥، باب الجمع بين الصلاتين.
امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس حدیث کے تعلق سے یہ صراحت کی "اس حدیث کے سب رُواۃ اجلّہ ثقات وائمہ اثبات ورجالِ صحیحین، بلکہ صحاح ستہ ہیں"۔ (الفتاوی الرویة، ج:٢،ص: ٣٣٥، كتاب الصلاة/ باب الآوقات/ رساله: حاجز البحرين، رضا اكاڈمی، ممبئی.) ١٢ منه.

(٣) الصحيح لمسلم،ج:١، ص:١٨١، كتاب الصلاة / باب الأمر بالسّكون في الصّلاة، مجلس بركات، مبارك فور.

(٤) صحيح البخاري، ج:١، ص:٩٦، كتابُ الأذان/ بابٌ إنّما جُعِلَ الإمام لِيُؤتَمَّ به، مجلس بركات، مبارك فور.

(٥) ● نصب الراية، ص: ٣٩٤، ج:١، كتاب الصلاة/ باب صفة الصلاة.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٣١٦، مسند المكثرين، مسند عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ٣٦٨١
● سنن أبي داؤد، ص: ١٠٢، كتاب الصلاة/ باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، رقم الحديث: ٧٤٨.
● جامع الترمذي، ج:١، ص: ٣٥، أبواب الصلاة/ باب رفع اليدين عند الركوع.
● سنن النسائي، ص:١٢٨، كتاب التطبيق/ باب الرخصة فی ترك ذلك، رقم الحديث: ١٠٥٨.

(٤٧٤) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ : إذا قال الإِمَامُ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ، وَلاَ الضَّالِّينَ" فَقُولُوا آمِينَ ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.(١)

(٤٧٥) شعبة عن سلمة بن كهيل، عن حجر بن العنبس، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- حِينَ قَالَ : «غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ» قَالَ : آمِينَ، يَخْفِضُ بِهَا صَوْتَهُ. هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.(٢)

(٤٧٦) عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيِّ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي مُوسَىٰ الْأَشْعَرِيِّ صَلَاةً ... فَقَالَ أَبُو مُوسَى: ... إِنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- خَطَبَنَا ... فَقَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لْيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ... وَفِي حَدِيثِ جَرِيرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ قَتَادَةَ مِنَ الزِّيَادَةِ: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.

فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ: فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ : هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا؟ فَقَالَ (مسلمٌ) : هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ.(٣)

(٤٧٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللهِ-صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ-: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.(٤)

(٤٧٨) عن جابر بن عبد الله -رضي الله تعالى عنهما- قال: قال رسول الله -صلى

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص:١٠٨، كتاب الأذان / باب جهر المأموم بالتأمين، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) المستدرك على الصحيحين ج: ٢، ص: ٢٣٢، كتاب التفسير / باب آمين بخفض الصوت.

(٣) ● الصحيح لمسلم ملتقطًا، ج: ١، ص: ١٧٤، كتاب الصلاة / باب التشهد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

● و سنن ابن ماجه ص: ١٠٠، كتاب إقامة الصلاة / باب إذا قرأ الإمامُ فأنصِتُوا، بيت الأفكار الدّولية.

(٤) سنن ابن ماجه ص: ١٠٠، كتاب إقامة الصلاة/ باب إذا قرأ الإمام فأنصِتوا، بيت الأفكار الدولية.

الله تعالى عليه وسلَّمَ-: مَنْ صلّى خَلْفَ الإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ.(١)

(١٧٩) عَنْ عبد الله بن شدّاد، قال رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: مَنْ كَانَ لَه إِمَامٌ، فإنّ قراءة الإمام له قراءةٌ.(٢)

(١٨٠) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ -رَضِيَ الله عَنْهُمَا-، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يُعَلِّمُنَا الإِسْتِخَارَةَ فِي الأُمُورِ كلّها، كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ. يَقُولُ: إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لْيَقُلْ: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، (أَوْ قَالَ:) عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، (أَوْ قَالَ:) فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي به."

---

(١) كتاب الآثار للإمام محمد بن الحسن الشيباني، ج:١،ص: ١٥٣ — ١٥٥، كتاب الصلاة / باب القراءة خلف الإمام وتلقينه، دار الايمان.

وتمام الحديث: عن جابر بن عبد الله الأنصاري، قال: صلى رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- ورجل خلفه يقرأ فجعل رجل من أصحاب النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- ينهاه عن القراءة في الصلاة فقال: أ تنهاني عن القراءة خلف نبي الله؟ فتنازعا حتى ذكرذلك للنبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- فقال النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- : من صلى خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة.

- المؤطّا للإمام محمد ص:٩٨، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام، مجلس البركات، مبارك فور.
- والسُّنن الكبرىٰ للبيهقي ج: ٢، ص: ١٦٠، كتاب الصلاة / باب من قال: لايقرأ خلف الإمام على الإطلاق، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

(٢) السنن الكبرىٰ للبيهقي ج: ٢، ص: ١٦٠، كتاب الصلاة / باب مَن قال: لايقرأ خلف الإمام على الإطلاق، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ.[١]

⑱ عَنْ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى الله لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ الله.[٢]

⑱ عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا- قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَعِنْدِي رَجُلٌ، قَالَ: «يَا عَائِشَةُ مَنْ هَذَا؟»، قُلْتُ: أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَالَ: «يَا عَائِشَةُ، انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ».[٣]

⑱ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: لاَ يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلاَّ مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ ، وَكَانَ قَبْلَ الفِطَامِ.[٤]

⑱ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنٍ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لاَ رِضَاعَ إِلاَّ مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ. فَقَالَ أَبُو مُوسَى: لَا تَسْأَلُونَّا وَهَذَا

---

(١) ❀ صحيح البخاري، ج: ١، ص: ١٥٥، كتاب التهجّد / بابُ ما جاء في التّطوُّع مَثنىٰ مَثنىٰ، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ وصحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٤٤، كتاب الدعوات/ بابُ الدعاء عند الاستِخارة، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ وصحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١٠٩٩، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد/ بابُ قوله: "قُلْ هُوَالْقَادِرُ"، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) ❀ جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٣٧، ٣٨، أبواب القدر عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- / باب ما جاء في الرضا بالقضاء، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ وكنز العُمّال ج:٧، ص: ٨١٤، الفصل الثالث في النوافل ... و الاستخارة. مؤسّسة الرسالة، بيروت.

(٣) ❀ صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٣٦١، كتاب الشهادات/ باب الشّهادة على الأنساب و الرضاع، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ وج:٢،ص:٧٦٤، كتابُ النكاح/ بابُ مَن قال: لا رِضاع بعد الحولَين ومَا يُحرِّم من قليل الرضاع وكثير، مجلس البركات، مبارك فور .
❀ و: الصحيح لمسلم، ج:١،ص: ٤٧٠، كتابُ الرّضاعة/ أخر حديث الباب، مجلس البركات، مبارك فور .

(٤) جامع الترمذي ، ج: ١، ص: ١٣٧، باب ما جاء أن الرضاعة لا تُحرِّم إلّا ما في الصغر دون الحولين. مجلس البركات، مبارك فور.

الخبَرُ فِيكُمْ.»[١]

⑱⑤ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، قال: جَاءَ رَجُلٌ إلى عبد الله ابْنِ عُمَرَ -رضي الله عَنْهُمَا- وَأَنَا مَعَهُ عِنْدَ دَارِ الْقَضَاءِ يَسْأَلُهُ عَنْ رَضَاعَةِ الْكَبِيرِ، فقال عبد الله ابْنُ عُمَرَ: جاء رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- فَقَالَ: إني كَانَتْ لِي وَلِيدَةٌ وَكُنْتُ أَطَؤُهَا فَعَمَدَتِ امْرَأَتِي إِلَيْهَا فَأَرْضَعَتْهَا، فَدَخَلْتُ عليها، فَقَالَتْ: دُونَكَ فَقَدْ وَاللهِ أَرْضَعْتُهَا فقَالَ عُمَرُ: " أَوْجِعْهَا وَائْتِ جَارِيَتَكَ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ رَضَاعَةُ الصِّغَرِ."[٢]

⑱⑥ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ عُوَيْمِرًا العَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَاصِمُ، أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟

قَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا، فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَسْطَ النَّاسِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ. أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ، فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا» قَالَ سَهْلٌ: فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَلَمَّا فَرَغَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا، قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: «فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ».[٣]

⑱⑦ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي هَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ

---

(١) سنن أبي داؤد، ص: ٢٣٥، كتاب النكاح/ باب في رضاعةِ الكبير، رقم الحديث: ٢٠٦٠.

(٢) ● المؤطّا للإمام مالك بن أنس، ج:٢،ص: ١٢٥، كتابُ الرِّضاع/ ما جاء في الرّضاعة بعد الكبر، دار الغرب الإسلامي.

● السّنن الكبرى للبيهقي، ج:٧، ص: ٤٦١، كتاب الرضاع/ باب رضاع الكبير.

(٣) ● صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٧٩١، كتاب الطلاق/ باب مَن أجاز طلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ٤٨٨، ٤٨٩، كتابُ اللِّعان، مجلس البركات، مبارك فور.

-صلى الله عليه وسلم- فَأَنْفَذَهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- وَكَانَ مَاصُنِعَ عِنْدَ رسول الله-صلى الله عليه وسلم- سُنَّةً.(١)

١٨٨ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلاَقِي، وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيرِ الْقُرَظِيَّ، وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لاَ، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ».(٢)

١٨٩ عن عامر الشعبي قال: قلت لفاطمة بنت قيس: حدثني عن طلاقك، قالت: طلَّقني زوجي ثلاثا وهو خارج إلى اليمن. فأجاز ذلك رسول الله -صلى الله عليه و سلم-.(٣)

١٩٠ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- بِذَلِكَ وَقَالَ: "وَاللهِ مَا أَرَدْتُ إِلاَّ وَاحِدَةً." فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: « وَاللهِ مَا أَرَدْتَ إِلاَّ وَاحِدَةً ». فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلاَّ وَاحِدَةً. فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَطَلَّقهَا الثّانيةَ في زمانِ عُمرَ والثالثة في زمانِ عثمانَ.(٤)

١٩١ عن ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس قال: كان الطلاقُ على عهد رسولِ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّمَ- و أبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمرُ بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو

(١) سنن أبي داؤد، ص: ٢٥٥، كتابُ الطّلاق/ بابُ اللِّعان، رقم الحديث: ٢٢٥٠.

(٢) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٧٩١، كتاب الطلاق، باب مَن أجاز طَلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

(٣) سنن ابن ماجه، ص: ٢٢٠، كتاب الطلاق/ باب مَن طلّق ثلاثا في مجلس واحد، رقم الحديث: ٢٠٢٤.

(٤) ❀ سنن أبي داود، ص: ٢٥١، كتاب الطلاق/ باب في البتة، رقم الحديث: ٢٢٠٦.

❀ سنن ابن ماجه، ص: ١٤٨، كتاب الطلاق/ باب طلاق البتة، المكتبة الأشرفية

أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم.(١)

(١٩٢) عَنْ طَاوُسٍ، أَنَّ رَجُلًا، يُقَالُ لَهُ أَبُو الصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَأَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ؟

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَلَى، «كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَأَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ، فَلَمَّا رَأَى النَّاسَ قَدْ تَتَابَعُوا فِيهَا، قَالَ: أَجِيزُوهُنَّ عَلَيْهِمْ».(٢)

(١٩٣) أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ القُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي، وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الزَّبِيرِ القُرَظِيَّ، وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الهُدْبَةِ.

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ».(٣)

وَفِي البَاب عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَالرُّمَيْصَاءِ أَوْ الغُمَيْصَاءِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

قال أبو عيسىٰ: «حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ»، "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يدخل بِهَا أَنَّهَا لَا تَحِلُّ لِلزَّوْجِ الأَوَّلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ جَامَعَ الزَّوْجُ الآخَرُ." (٤)

(١٩٤) حَدَّثَنِي القَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: «لَا، حَتَّى

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١، ص: ٤٧٧، ٤٧٨، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) سنن أبي داوٗد ، ص: ٢٥، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، رقم الحديث: ٢١٩٩

(٣) صحيح البخاري، ج:٢، ص:٧٩١، كتاب الطلاق/ بابُ من أجاز طلاقَ الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور.

(٤) جامع الترمذي، ج:١، ص:١٣٣، أبواب النكاح/ باب ما جاء في مَن يطلّق امرأته ثلاثا، فيتزوجها آخر فيطلقها قبل أن يدخل بها، مجلس البركات، مبارك فور.

يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الأَوَّلُ»[١]

١٩٥ سَمِعْتُ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ : قَالَ لِي أَبُو مُصْعَبٍ مِشْرَحُ بْنُ هَاعَانَ : قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ-: أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ، قَالُوا: بَلَى ، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ ، لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.»[٢]

١٩٦ عن عائشة قالت: ... قَامَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ.»[٣]

١٩٧ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي ، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي.»[٤]

١٩٨ عن أبي ذر -رضي الله عنه- قال : قال رسول الله -صلى الله عليه و سلم-: من أطاعني فقد أطاع الله و من عصاني فقد عصى الله و من أطاع عليًا فقد أطاعني و من عصى عليًا فقد عصاني .

هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرّجاه، وقال الذهبي في التلخيص: صحيح. [٥]

١٩٩ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ ، حَدَّثَنَا - أَوْ - سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: جَاءَتْ مَلاَئِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- وَهْوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ.»[٦]

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص: ٧٩١، كتاب الطلاق/ باب مَن أجاز طلاقَ الثلاث، مجلس البركات، مبارك فور

(٢) سنن ابن ماجه، ص: ٢١٠، كتاب النكاح/ باب الـمُحلِّل والـمُحلَّل له، رقم الحديث: ١٩٣٦.

(٣) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٣٧٧، كتاب الشروط/ باب الشروط في الولاء، مجلس البركات

(٤) ● صحيح البخارى، ج:٢، ص: ١٠٥٧، كتاب الأحكام/ باب قول الله وأطيعوا الرسول.
● صحيح البخارى، ج:١، ص: ٤١٥ ، مجلس البركات، مبارك فور.
● الصحيح لمسلم، ج:٢، ص١٢٤، كتاب الإمارة/ باب وجوب طاعة الأمر فى غير معصية.

(٥) المستدرك على الصحيحين، ج:٤، ص: ٨٨، كتاب معرفة الصحابة، باب من أطاع عليًا فقد أطاعني، رقم الحديث: ٤٦٧٥، دار المعرفة، بيروت.

(٦) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ١٠٨١، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة/ باب الاقتداء بسُنن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢٠٠) عن العرباض بن سارية قال : وَعَظَنا رسول الله -صلى الله عليه و سلم- يومًا بعد صلاة الغداة موعظةً بليغةً ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال رجل : إن هذه موعظة مُودِّع، فماذا تعهد إلينا يا رسول الله ؟ قال :

أوصيكم بتقوى الله والسّمع والطاعة وإن عبدٌ حبشي، فإنه مَن يعش منكم يرى اختلافا كثيرا. وإياكم ومحدثاتِ الأمور فإنها ضلالة، فمن أدرك ذلك منكم فعليكم بسنّتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضّوا عليها بالنواجذ.

قال أبو عيسىٰ : هذا حديث صحيح. (١)

(٢٠١) عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: ''الْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ''. لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءٍ إِلا عَبْدُ الْعَزِيزِ بن أَبِي رَوَّادٍ، وَتَفَرَّدَ بِهِ ابْنُهُ عَبْدُ الْمَجِيدِ. (٢)

(٢٠٢) عَن أنس، عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: يَسِّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا. (٣)

---

(١) ● جامع الترمذي، ج:٢، ص: ٩٢، أبواب العلم عن رسول الله ﷺ / باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع ، مجلس البركات، مبارك فور.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل/مسند الشاميين /حديث العرباض بن سارية، ج:٢٨، ص: ٣٧٣، رقم الحديث: ١٧١٤٠، مؤسسة الرسالة، بيروت.

● السنن الكبرىٰ للبيهقى، ج: ١٠، ص: ١١٤.

● المستدرك على الصحيحين، ج: ١، ص: ٩٥، ٩٦، ٩٧.

(٢) ● المعجم الأوسط للطبراني، ج: ٥، ص: ١١٩، مَن اسمه محمد، رقم الحديث: ٥٤١٤. دارُ الكتب العلمية، بيروت.

● حلية الأولياء، ج: ٨، ص: ٢٠٠، عبد العزيز بن أبي رواد، دار الفكر، بيروت.

● مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج: ١، ص: ٤١٨، كتاب العلم/ باب في اتباع الكتاب والسنة، رقم الحديث: ٨٠٠، دار الفكر، بيروت.

(٣) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ١٦، كتاب الإيمان/ باب ما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخوّلهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، مجلس البركات.

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

فہرست جلد دوم

نمبر شمار .... مضامین .... صفحہ نمبر

مقدمہ

تابش اول

فقہی مذاہب پر فہمِ احادیث اور خیر القرون ومابعد کے رُواۃ کا اثر واقعات اور احادیث کے اجالے میں

تابش دوم

اجتہادی مسائل میں اہل سنت کا موقف، احادیث نبویہ کی روشنی میں

دوسرا باب : فروعی عقائد کے بیان میں

اٹھارھواں مسئلہ

بدعت، احادیث نبویہ کی روشنی میں

انیسواں مسئلہ

محفل میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتاب و سنت کی روشنی میں

بیسواں مسئلہ

صلاۃ وسلام بہ حالتِ قیام، کتاب وسنت کی روشنی میں

تیسرا باب: فروعی مسائل کے بیان میں

اکیسواں مسئلہ

وضو میں نیت فرض ہے یا سنت، احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

بائیسواں مسئلہ

نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، احادیث نبویہ سے روشن ثبوت

تیئیسواں مسئلہ

صبحِ روشن میں نماز فجر پڑھنے کا استحباب

چوبیسواں مسئلہ

سایہ ایک مثل ہونے پر بھی وقتِ ظہر باقی رہتا ہے

پچیسواں مسئلہ

سفر میں جمع بین الصلاتین

چھبیسواں مسئلہ

نماز میں رفعِ یدین جائز، غیر مُستحب ہے

ستائیسواں مسئلہ

پست آواز سے آمین کہنا افضل ہے، یا بلند آواز سے؟

اٹھائیسواں مسئلہ

مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے

انتیسواں مسئلہ

اِستخارہ، احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

تیسواں مسئلہ

بالغ کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاعت

اکتیسواں مسئلہ

ایک نشست میں تین طلاق - تین یا ایک؟

بتیسواں مسئلہ

حلالہ حلال یا حرام؟ کتاب وسنت سے شافی جواب

خاتمہ

الفهارس

☆☆☆☆☆